یاسمین بیگم دم بخود بیٹھی رہ گئیں۔ ریشماں کے ایک فقرے‘ اس کے لہجے نے انہیں کتنا کچھ سمجھا دیا تھا۔

وہ بہت کم گو تھی۔ ضرورتاً بات کرنے والی لڑکی۔ ہاں سبط حسن کے ساتھ بہت باتیں کرتی تھی۔ ہنستی بھی تھی۔

برسوں پہلے اماں جان نے اس ننھی سی جان کو ان کی گود میں ڈال دیا تھا۔

یاسمین بیٹی تم میں بہت حوصلہ ہے۔'' انہوں نے کہا تھا۔ ''زرینہ تمہاری سوت ہے۔ میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں لیکن یہ تو ہماری اپنی ہے‘ ہمارا خون ہے۔ اس بچی کی پرورش اب تمہارے ذمے ہے۔ دیکھنا بیٹی اسے سوتیلا مت سمجھنا۔ یہ بن ماں کی بچی اب تمہاری محبت اور شفقت کی محتاج ہے۔ اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دینا کہ اس کی سگی ماں ہوتی تو اسے تم سے زیادہ محبت دیتی۔''

اور یاسمین بیگم نے اسے کلیجے سے لگا کر رکھا تھا۔ اسے گود میں لینے کے بعد ان کے زرینہ سے بہت سے شکوے ڈھل گئے تھے۔ زرینہ جس نے ان کے شوہر کو ان سے چھین لیا تھا۔ جس کی اس چھت تلے موجودگی کے دنوں میں ان کے شوہر ان کے نہیں رہے تھے۔ وہ تو اپنے آپ میں بھی نہیں رہے تھے۔

مگر ریشماں کو گود میں لینے کے بعد انہیں احساس ہوا تھا کہ زرینہ بھی انہی کی طرح مجبور اور محروم تھی۔

وہ ریشماں کو جتنی محبت دے سکتی تھیں‘ انہوں نے دی تھی۔ ریشماں نے بھی ان کی محبت کا جواب اپنی بھرپور محبت سے دیا تھا۔ اسے تو شاید کبھی اپنی ماں کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

مگر اب انہیں احساس ہوا تھا کہ وہ ریشماں کو صرف محبت دے سکتی ہیں ممتا نہیں۔ وہ اسے اس طرح نہیں سمجھ سکی تھیں جیسے ایک ماں اپنی بیٹی کو سمجھ جاتی ہے۔ حالانکہ انہیں اسے سمجھ لینا چاہیے تھا۔ وہ بیٹی کی ماں نہ ہی سہی لیکن عمر کے اس دور سے تو گزر چکی تھیں۔ اس عمر میں شاید ہر

URDU PHOTO

کنواری لڑکی ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔

یاسمین بیگم کو یاد آیا' ان کی نسبت ان کی پیدائش کے ساتھ ہی طے کر دی گئی تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتے گئے تھے' ان کے دل اور دماغ میں ان کے ہونے والے شوہر کا تصور پختہ ہوتا جا رہا تھا۔ انہیں تو یہ بھی علم نہیں ہو سکا تھا کہ انہوں نے ان سے پہلی مرتبہ محبت کب محسوس کی تھی۔ وہ تو شاید اس محبت کے ساتھ ہی پیدا ہوئی تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنے ہونے والے شوہر کو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ ان کے ہر خواب میں موجود ہوتے تھے۔

دن گزر رہے تھے۔ والدین بیٹی کی وجہ سے پریشان تھے لیکن ان کے گھر میں کبھی کسی نے پیر صاحب سے شکوہ نہیں کیا تھا' کبھی جلدی اور اصرار نہیں کیا تھا۔

اور خود یاسمین بیگم کی کیا حالت تھی۔ نرم لوریوں جیسے سپنوں کی جگہ اندیشوں نے لے لی تھی۔ کتنی ہی پریشان کن سوچیں اور خیال ہر وقت دل کو ہولائے رکھتے تھے۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جس کا انہیں شدت سے انتظار تھا۔ اور وہ جتنی خواہشیں' جتنے ارمان لے کر گئی تھیں' وہ سب چکنا چور ہوتے پتا بھی نہیں چلا۔ شاید ایک لمحہ تھا یا ایک دن لیکن ان کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔

مگر ان میں بہت حوصلہ' بہت قوتِ برداشت تھی' شوہر کی سب زیادتیاں چپ چاپ سہہ گئیں۔

وہ کل گزر گئی تھی۔ انہوں نے شعوری طور پر تکلیف دہ احساس کو بھلانے کی کوشش کی تھی اور اس دوران یہ بھول گئی تھیں کہ ان کی ایک بیٹی ہے جو اسی قسم کے احساسات سے دوچار ہو سکتی ہے۔

اس کی نسبت بچپن میں طے ہو گئی تھی۔ انہیں خیال ہی نہیں آیا تھا کہ وہ بھی اپنے ہونے والے شوہر کے متعلق سوچتی ہوگی۔ ہر گزرتا دن عبداللہ کا تصور اس کے ذہن میں گہرا کرتا جا رہا ہوگا۔ وہ خاموشی سے دونوں گھرانوں کے درمیان ہونے والے جھگڑے دیکھ دیکھ کر کڑھتی ہوگی۔

انہیں نہ جانے کیوں یہ یقین ہو چلا تھا کہ آج کے جھگڑے میں ریشماں کو ہاتھ بلند کرنے پڑے تو یہ اس کے بھائیوں کے لیے نہیں بلکہ عبداللہ کے لیے بلند ہوں گے۔

☆=====☆=====☆

عبداللہ کا گن مین جو گن لیے بیٹھا ہوا تھا۔ خود عبداللہ بھی پوری طرح تیار تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر اس کی رائفل ایسے پڑی ہوئی تھی کہ ضرورت پڑنے پر کم سے کم وقت میں اس سے کام لے سکتا تھا۔

گاڑی کے پچھلے حصے میں پردے لگے ہوئے تھے۔ دشمنوں کو یہ شک بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ گاڑی میں زہرا نہیں تھی۔ بظاہر یہ ایک چیز خلافِ پروگرام تھی اور وہ تھی عبداللہ کی آمد۔ مگر

اسے یقین تھا کہ اس کی موجودگی نیاز پور والوں کے منصوبے پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

ٹوٹی پھوٹی سڑک پر اس کی نسان پٹرول چلتی جا رہی تھی۔ آگے پیچھے دور تک سڑک سنسان تھی۔ اردگرد بھی دور دور تک سوائے سورج کی چمک اور پرندوں کی چہچہاہٹ کے اور کچھ نہیں تھا۔

گاڑی سڑک کے اس حصے تک پہنچ گئی تھی جہاں حملہ متوقع تھا۔

''فتح محمد تیار ہو؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''جی شاہ صاحب' بالکل تیار ہوں۔'' اس نے رائفل تھپتھپا کے کہا۔

☆=====☆=====☆

سڑک کے داہنے طرف والے کھیتوں میں امداد علی اور بائیں جانب والے کھیتوں میں خادم حسین اپنی پارٹی کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں بے چینی سے زہرا کی گاڑی کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر کام پروگرام کے مطابق ہوا تھا۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ کھیتوں میں کٹائی کا کام جاری تھا لیکن جو کھیت انہوں نے منتخب کیے تھے ان کی باری بہت دن بعد آنی تھی۔ دونوں بھائیوں نے موبائل فون پر ایک دوسرے سے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ اب صرف زہرا کی گاڑی کی آمد باقی تھی۔

وقت گزاری کے لیے امداد علی نے سگریٹ سلگا لیا۔ ابھی دو تین کش ہی لیے تھے کہ اس کے کانوں میں گاڑی کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ موجود سب افراد بھی چوکنے ہو گئے تھے۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق سب سے پہلے گاڑی کے ٹائر ناکارہ کرنے تھے اور پھر ڈرائیور اور گن مین کا خاتمہ کرنا تھا۔ اس طرح کہ گاڑی کے پچھلے حصے میں بیٹھی زہرا کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔

اس سے آگے امداد علی اور خادم حسین کا کام تھا۔ انہیں زہرا کو اس کی گاڑی سے نکال کر اپنی گاڑی میں ڈالنا تھا اور حویلی لے کر جانا تھا۔ قتل تو اسے کرنا ہی تھا بلکہ آبائی قبرستان میں اس کے لیے قبر بھی کھود دی گئی تھی لیکن وہ ان کے خاندان کی عزت تھی۔ اس کا یوں سڑک پر قتل کیا جانا اچھا نہیں تھا اس لیے اسے سزا حویلی میں دی جانی تھی۔

توقع تھی کہ زہرا کی گاڑی کے آگے پیچھے محافظوں کی بھی گاڑیاں ہوں گی۔ پروگرام کے مطابق ان میں بیٹھے افراد کو بے دریغ گولیاں مار دینی تھیں۔ یوں بھی وہ سب محافظ شطرنج کی بساط پر پڑے وہ پیادے تھے جن کا کام ہی اپنی جان داؤ پر لگا کر شاہ کو بچانا ہوتا ہے ان کی زندگی اور موت سے کسی کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

آواز سنائی دینے کے بعد زہرا کی نسان پٹرول بھی نظر آ گئی۔ اس کے ساتھ حفاظت کے لیے کوئی گاڑی نہیں تھی لیکن گاڑی دیکھ کر امداد کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ان کی اطلاع کے مطابق

عبداللہ لاہور میں تھا۔

''خادم بھائی' گاڑی عبداللہ ڈرائیو کر رہا ہے۔ اب کیا کیا جائے۔'' اس نے فوراً موبائل فون کے ذریعے پوچھا۔

''یہ تم کن باتوں میں پڑ گئے۔ وقت بہت کم ہے۔'' خادم حسین کی جھنجھلائی ہوئی آواز آئی۔ ''گاڑی کے ٹائر برسٹ کرو۔ گن مین سے ہم نمٹ لیں گے۔ عبداللہ کو قتل مت کرو صرف اس حد تک ناکارہ بنادو کہ وہ زہرا کی مدد نہ کرسکے۔''

تھوڑی ہی دیر میں فضا گولیوں کی آواز سے گونج اٹھی۔ جواب میں دوسری طرف سے بھی فائرنگ کی گئی ایک سے ڈیڑھ منٹ کے اندر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

☆=====☆=====☆

خواب گاہ کا دروازہ کھول کر پیر صاحب اندر داخل ہوئے۔ ریشماں کے چلے جانے کے بعد سے اب تک یاسمین بیگم سوچوں میں گم اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا' آج یہاں رونق نظر نہیں آرہی؟'' انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

یاسمین بیگم چونک گئیں۔ ''رونق؟'' انہوں نے جیسے خود سے کہا۔

''کچھ پریشان لگ رہی ہیں آپ۔''

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' وہ بولیں۔

پیر صاحب نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ ''آپ جو کچھ کر رہے ہیں' وہ بہت غلط ہے۔'' یاسمین بیگم نے دل مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

پیر صاحب چند لمحے پُرخیال نظروں سے انہیں دیکھتے رہے۔

''گویا ہمارا تختہ اُلٹنے کی کوشش ہمارے گھر میں ہو رہی ہے۔''

یاسمین بیگم گڑبڑا گئیں۔ ''آپ غلط سمجھے ہیں۔''

''ہم منتظر ہیں' آپ سمجھا دیں۔''

''حیدر علی آپ کا بھائی ہے۔ آپ ان کے گھرانے کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرسکتے۔ آپ کے بیٹے بھی جوان ہیں' کل کو وہ آپ کی جگہ سنبھالیں گے۔ کیا آپ برداشت کرسکیں گے کہ وہ ایک دوسرے کا خون بہانے لگیں؟''

''یہ کس کی زبان میں بات کر رہی ہیں یاسمین بیگم؟'' ان کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

''میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ کبھی آپ کے سامنے زبان نہیں کھولوں گی۔ آپ نے جو کچھ کیا میں نے چپ چاپ برداشت کرلیا۔ مجھ پر گزرے گی تو میں سب کچھ برداشت کرلوں گی لیکن آج معاملہ میری اولاد کا ہے اور میں خاموش نہیں رہ سکوں گی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی آج مجھے بولنا پڑ رہا ہے۔'' انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ ''پیر صاحب' ہمارے گھرانے کے رشتے

وہاں جڑے ہوئے ہیں' خدا کے لیے ان کے رشتوں کا خیال کرلیں۔''

''اب تو ایک ہی رشتہ قائم ہے یاسمین بیگم اور وہ ہے دشمنی کا رشتہ اور ہم رشتہ داری پوری دیانت سے نبھانے کے قائل ہیں۔''

''یہ میرے ہاتھ آپ کے سامنے جُڑے ہوئے ہیں پیر صاحب۔ جس گھر میں بیٹی بیاہی ہوتی ہے اس کے گھر والوں کے ساتھ محبت اور خلوص کے رشتے قائم کیے اور نبھائے جاتے ہیں۔''

''آپ اپنی حد سے بڑھ رہی ہیں یاسمین بیگم' ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ ہماری بیٹی کی شادی وہاں نہیں ہوگی۔ یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے۔''

''وہ نسبت جو آپ نے طے کی تھی' وہ بھی آپ کا اٹل فیصلہ تھا۔ آپ زبان دے کر آئے تھے اپنے بھائی کو۔''

''بس آگے ایک لفظ بھی نہیں۔ تمہیں جو کچھ کہنا تھا اس سے زیادہ کہہ چکی ہو اور ہم جتنا سنا کرتے ہیں ہم نے اس سے زیادہ سن لیا ہے۔''

''آپ نے کچھ نہیں سنا پیر صاحب۔ میں آپ کو سناتی ہوں۔ ریشماں کی عمر بیتتی جارہی ہے اس کی شادی ہو جانی چاہیے۔ اس کی ماں ہونے کے ناتے میں آپ سے یہ سب کچھ کہنے کا حق رکھتی ہوں۔''

''ماں نہیں سوتیلی ماں۔'' پیر صاحب کے لہجے میں زہر اتر آیا۔ ''سوتیلی ماں ہو اس لیے اسے بوجھ سمجھنے لگی ہو۔ تمہاری سگی بیٹی ہوتی تو تمہارے لیے ایسا بوجھ نہ ہوتی جسے اتار پھینکنے کی تمہیں جلدی ہوتی اور وہ بھی دشمنوں کے گھر۔''

''نہیں پیر صاحب۔'' غم کے مارے یاسمین بیگم کا گلا رُندھ گیا۔ ''مجھے سوتیلی ماں ہونے کا طعنہ پھر کبھی مت دینا۔ آپ کی اس زرینہ نے تو اسے صرف پیدا کیا تھا۔ اسے پالا میں نے ہے۔ اس کی خاطر راتوں کو میں جاگی ہوں' وہ روئی ہے تو آنسو میرے کلیجے پر گرے ہیں۔ مجھے پھر کبھی سوتیلی ماں نہ کہنا۔ میں نے تو زندگی تج دی آپ کے لیے آپ کی اولاد کے لیے اور آج انعام میں مجھے آپ یہ طعنہ دے رہے ہیں۔

جائیں پوچھیں اس سے جس کی میں سوتیلی ماں ہوں کہ یاسمین بیگم کون ہے' اس سے پوچھیں کہ زرینہ اس کی کیا لگتی ہے۔ وہ آپ کو بتائے گی کہ اس کی ماں کون ہے۔ وہ آپ کو بتائے گی کہ یاسمین اور زرینہ میں کیا فرق ہے۔

میں کم صورت تھی' اَن پڑھ تھی' آپ کے معیار پر پورا نہیں اترتی تھی' یہ میں جانتی تھی لیکن کیا یہ سب بدلنا میرے بس میں تھا؟ میں تو اتنا کرسکتی تھی کہ محبت سے سب کے دلوں میں گھر کروں۔ میں نے اپنی ایک ایک سانس کے ساتھ اس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے محبت کی ہے

اور آپ نے مجھے ان سب محبتوں کے جواب میں کیا دیا؟ سوتیلی ماں ہونے کا طعنہ؟ میں تو سوتیلی ماں ہوں پھر بھی میں نے ریشماں کے دل میں اُٹھنے والی ٹیسوں کو محسوس کر لیا۔ آپ اس کے سگے باپ ہیں' کیا آپ جان سکے کہ وہ عبداللہ کو کس قدر چاہتی ہے؟"

پیر صاحب خاموشی سے ان کی باتیں سن رہے تھے لیکن ان کی آخری بات نے پیر صاحب کو سن کر کے رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' خواب گاہ کا دروازہ بری طرح پیٹا جانے لگا۔ یاسمین بیگم نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"کون ہے؟" وہ غصے سے دہاڑے۔

جواب میں دروازہ کھول کر چند عورتیں پھولی سانسوں اور کانپتے جسموں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

"ہم برباد ہوگئے پیر صاحب۔" وہ زمین پر بیٹھ کر بین کرنے لگیں۔ "ان ظالم درندوں نے شاہ صاحب کو ختم کر دیا۔ ہائے' ان کی وہ خون سے بھری لاش دیکھنے سے پہلے ہم اندھے کیوں نہ ہوگئے۔"

"کیا؟ کیا بکواس کر رہی ہو۔" پیر صاحب تیزی سے باہر نکلے۔

☆=====☆=====☆

حویلی میں کہرام مچا ہوا تھا۔ امداد علی کی گولیوں سے چھلنی لاش کے گرد عورتیں بین کر رہی تھیں۔ پیر صاحب شہر جا چکے تھے جہاں کے اسپتال میں خادم حسین شدید زخمی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ گاؤں کے دو اور گھروں میں بھی ماتم ہو رہا تھا لیکن جو آہ و بکا حویلی سے اٹھ رہی تھی' ویسی بات اور کہیں نہیں تھی۔ پیر صاحب کے ایک صاحبزادے کو ان کے دشمنوں نے درندگی کا ثبوت دیتے ہوئے قتل کر دیا تھا اور دوسرے گدی کے وارث کے بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

یاسمین بیگم ایک ٹک سکتے کی سی کیفیت میں بیٹے کی خون آلود لاش دیکھ رہی تھیں۔ ریشماں پر غشی کی کیفیت طاری تھی۔ رہ رہ کے وہ بھائی کی میت کی طرف بھاگتی تھی۔ اسے ابدی نیند سے جگانے کی کوشش کرتی تھی اور اس کوشش میں ناکام ہو کر غش کھا کر گر پڑتی تھی۔

باہر مردانے میں بھی چیخ و پکار مچی ہوئی تھی لیکن بھائیوں کی آنکھیں خشک تھیں۔ خادم اور امداد سے چھوٹے بھائی سید مکرم علی شاہ کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ چھوٹے چچا سخاوت بابا بھی اندر سے اُبل رہے تھے۔

مکرم علی نے اپنے سے چھوٹے تینوں بھائیوں کو اندر گول کمرے میں بلوایا۔ سخاوت بابا بھی ان کے ساتھ تھے۔

"صاف ظاہر ہے کہ کسی نے یہاں سے مخبری کر دی تھی۔" مکرم نے بغیر تمہید کے کہنا شروع کیا۔ [illegible] ں کا ہی لیکن جو کچھ حیدر علی کے کتوں نے ہمارے

بھائیوں کے ساتھ کیا ہے' اس کے لیے وہ لوگ کسی معافی کے مستحق نہیں ہیں۔"

سبط حسن' حضور علی اور نوازش علی سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"حیدر علی' عبداللہ شاہ' تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔" اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ "ہم تمہیں تہس نہس کر دیں گے۔ تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔"

"علی بھائی' کاش آپ نے یہ نہ کیا ہوتا۔" سخاوت بابا جیسے خود سے بولے۔

"میں نے تم تینوں کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ امداد بھائی ہمارے درمیان نہیں رہے۔ خادم بھائی کی زندگی کا کچھ پتا نہیں۔ اب پیچھے ہم چار بھائی ہیں۔ اپنے بھائی کی موت اور اپنی ذلت کا بدلہ ہم نے لینا ہے۔ حیدر علی کا ایک جوان بیٹا ہے' وہ اتنا کچھ کر گیا اور ہم چھ جوان بھائی کچھ نہ کر سکے' لیکن اب ہم کریں گے۔ ہمیں امداد بھائی کی میت پر یہ قسم کھانی ہے کہ جب تک ہم ان کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیں گے تب تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اٹھو۔" مکرم علی اٹھ کھڑا ہوا۔

سخاوت بابا' نوازش اور حضور علی اس کی تقلید میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"کیا بات ہے سبط۔ تم کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" مکرم علی نے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک منٹ اگر آپ میری بات بھی سن لیں۔"

"جلدی کہو۔"

"آپ بیٹھیں تو۔"

"تم بات کرو' یہ وقت اطمینان سے بیٹھنے کا نہیں ہے۔" مکرم کے لہجے میں تیزی تھی۔

"حملہ کرنے ہم لوگ گئے تھے ناں؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔" مکرم علی نے مختصراً جواب دیا۔

"یعنی غلطی کی پہل ہم نے کی۔ انہوں نے صرف اپنا دفاع کیا۔ وہ ہمیں نہ مارتے تو ہم ان کو مار دیتے۔ بات صرف یہ تھی کہ کس کا داؤ چلتا ہے۔ امداد بھائی کی وفات پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے لیکن بدلے وغیرہ کی قسمیں کھا کر ہم مزید حماقت کا ثبوت کیوں دیں؟ جو معاملہ ختم ہوگیا' اسے آپ بھی ختم کر دیں۔"

ان سب کی آنکھوں میں حیرت' غصے اور اشتعال کے سائے لہرانے لگے۔

"یہ تم کہہ رہے ہو سبط۔" مکرم علی کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"یہ مت بھولیں مکرم بھائی کہ صرف چند برس قبل تک بابا جان اور حیدر بابا اس حویلی میں اسی حیثیت کے ساتھ اکٹھے رہتے تھے جو آج میری اور آپ کی ہے۔ ہم جو آج ایک بھائی کے خون پر بدلہ لینے اور مر جانے کی قسمیں کھانے لگے ہیں' کیا یہ ممکن نہیں کہ کل ہم بھی اسی طرح ایک دوسرے کا خون بہانے لگیں' جیسے آج بابا جان اور حیدر علی کر رہے ہیں۔"

''تم ہمارے بھائی نہیں ہو سبط۔'' مکرم علی کی آنکھوں میں اشتعال کے ساتھ ساتھ دکھ بھی تھا۔ ''تم اس حویلی اس خاندان کے بیٹے نہیں ہو۔ تم کسی انتہائی گھٹیا خاندان کے ایک انتہائی گھٹیا اور بزدل مرد لگ رہے ہو۔ تم حیدر علی کی طرف داری کر رہے ہو کہ ہم اپنے بھائی کا خون بھول جائیں۔ اس بے حیائی کا مظاہرہ کرنے پر حیدر علی کو صرف اس لیے معاف کر دیں کہ وہ بابا جان کا بھائی ہے۔ وہ لوگ چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کرتے رہیں۔ ان کی بیٹیاں جنہیں اس حویلی کی بہویں بننا تھا' وہ مردوں کے ساتھ آزادانہ اُٹھتی بیٹھتی رہیں اور ہم خاموش تماشائی بنے رہیں۔ ایسا صرف تم کر سکتے ہو سبط ہم میں سے کوئی بے غیرت نہیں ہے پھر تمہارے خون میں یہ بے غیرتی کہاں سے آ گئی۔''

''کاش آپ میرے بھائی نہ ہوتے۔ مجھے بے غیرت کہہ کر زمین پر کھڑا رہنے والا اب تک پیدا نہیں ہوا۔'' سبط نے غصے سے کہا۔

''میں تمہاری بکواس سننا نہیں چاہتا۔ اتنے غیرت مند ہو تو ہمارے ساتھ قسم کھاؤ ورنہ.....''

''ورنہ کیا؟'' اس نے مکرم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

''ورنہ۔'' اس نے اپنا ماؤزر نکال لیا۔ ''کسی بے غیرت انسان کے لیے ہماری حویلی اور ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں ہے۔''

☆=====☆=====☆

عبداللہ کو کندھے میں گرم سیسہ اترتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ فائرنگ ایک دم ہی شروع ہو گئی تھی۔ پہلے ٹائر پھٹے تھے۔ ایسے میں گاڑی کو کنٹرول کرنا بہت مشکل تھا لیکن اپنی تمام تر مہارت کو کام میں لاتے ہوئے عبداللہ نے گاڑی کو الٹنے سے بچا لیا تھا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی اس کے کان کے پاس سے گزری اور دوسری اس کے کندھے میں پیوست ہو گئی۔ اسے اپنا بازو بالکل ناکارہ محسوس ہو رہا تھا۔ درد ایک دم ہی سارے جسم میں سرایت کرتا چلا گیا۔

جیسے ہی گولیوں کا پہلا برسٹ آیا تھا کھیتوں میں امداد اور خادم حسین کی پارٹیوں کا نشانہ لیے عبداللہ کے محافظوں نے بھی فائر کھول دیا۔ اپنی تمام تر قوتِ ارادی کو کام میں لاتے ہوئے عبداللہ نے بھی فائرنگ شروع کر دی تھی۔ اسی دوران اسے احساس ہوا تھا کہ فتح محمد شدید زخمی ہو گیا تھا۔ گولیوں کے تبادلے کا سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چلا۔ نیاز پور والے پہلے ہی اس کے آدمیوں کے نشانے کی زد میں تھے۔ تھوڑی دیر میں ہی یوں خاموشی چھا گئی تھی جیسے یہاں کبھی کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

خون قمیص کو تر کرتا جا رہا تھا۔ ہنگامی امداد کے لیے اس نے جو تیسری پارٹی تشکیل دی تھی وہ فوراً آ پہنچی۔ دونوں طرف کے زخمیوں کو فوراً شہر کے اسپتال پہنچایا گیا اور لاشیں گھروں کو روانہ کر

URDU PHOTO

دی گئیں۔

اسپتال میں ڈریسنگ کروا کے عبداللہ کمرے سے باہر نکلا تو نور محمد وہیں کھڑا تھا۔

''فتح محمد کو ہوش آ گیا؟''

''جی حضور' آپ کی دعاؤں سے وہ اب ہوش میں ہے خون بھی لگا دیا ہے اسے۔'' نور محمد نے کہا۔

''باقی کیا رپورٹ ہے؟''

''امداد شاہ صاحب کی میت ان کی حویلی میں پہنچا دی گئی ہے۔ سنا ہے پیر صاحب آنے والے ہیں یہاں۔''

''اور خادم حسین کی حالت کیسی ہے؟''

''ڈاکٹر زیادہ پُرامید نہیں ہیں۔ انہیں کوئی معجزہ ہی بچا سکتا ہے۔ اب تک بے ہوش ہیں وہ خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے۔''

''خادم حسین کا کمرا کون سا ہے؟''

''انہیں انتہائی نگہداشت میں رکھا ہوا ہے۔'' نور محمد نے بتایا۔

''میں ایک نظر اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیا کرتے ہیں شاہ صاحب' یہاں سے نکلنے کی کریں پیر صاحب آتے ہی ہوں گے۔'' نور محمد بوکھلا گیا۔

''مجھے یہ بحث و تکرار پسند نہیں ہے۔'' عبداللہ نے سختی سے کہا۔

خادم حسین کی حالت واقعی بہت خطرناک تھی۔ ڈاکٹروں کی بھاگ دوڑ جاری تھی۔

''خون بہت بہہ چکا ہے۔ زخم سب خطرناک ہیں پتا نہیں اب تک یہ زندہ کیسے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''ضرورت ہو تو میں خون دے سکتا ہوں۔'' عبداللہ نے پیشکش کی۔

''آپ؟'' ڈاکٹر نے قدرے حیرت سے کہا۔

''ہاں' ہمارا ایک ہی خون ہے۔''

''شاہ صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں۔'' نور محمد کی سمجھ میں اس کی بات نہ آئی۔ ''دشمن کو زندگی دے رہے ہیں شاہ صاحب؟''

''دشمنی تب تک تھی نور محمد جب تک یہ دشمنی نبھانے کا اہل تھا۔ یہ اپنے پاؤں پر چلنے پھرنے لگا تو ہمارے درمیان یہ رشتہ پھر قائم ہو جائے گا۔ پر ابھی یہ صرف انسان ہے جو ہمدردی کا مستحق ہے۔ ہر رشتہ خوبصورتی سے نبھانا چاہیے۔''

عبداللہ اسپتال سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ سامنے سے آتے

ہوئے پیر صاحب پر پڑی اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے پیر صاحب ٹھٹکے۔ ان کی نگاہوں میں قہر وغضب کی پرچھائیاں تھیں۔ انہیں نظر انداز کر کے عبداللہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☆======☆======☆

اماں جان پریشان تھیں۔ ''آپ کو معلوم ہے اُن کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

''معلوم ہے۔'' حیدر علی نے کہا۔

''وہ عبداللہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میرا بیٹا بہت غیر محفوظ ہو گیا ہے۔''

وہ بھی یہی سوچ رہے تھے۔ برسوں پہلے بابا جان نے لاہور میں گلبرگ میں تینوں بھائیوں کے لیے ایک ہی چار دیواری کے اندر الگ الگ تین وسیع و عریض کوٹھیاں بنوائی تھیں۔ وقت تبدیل ہوا تو ایک ہی احاطے میں دیواریں کھڑی ہو گئیں۔ عبداللہ لاہور میں جس کوٹھی میں مقیم تھا' اس کے ایک طرف پیر صاحب اور دوسری جانب سخاوت علی کی کوٹھیاں تھیں۔

''اور معاملہ صرف یہیں ختم نہیں ہوگا' گڑیا اور زینی بھی اس کی لپیٹ میں آئیں گی' وہ ہمیں ان کی شادی کہیں اور نہیں کرنے دیں گے' یہ لکھوالیں مجھ سے۔'' فوزیہ بیگم نے کہا۔

یہ بات تو وہ بھی جانتے تھے کہ انہوں نے خاندانی روایات سے بہت بڑی بغاوت کی تھی۔ انہیں تعلیم دلوا کر خاندان بھر میں معتوب کر دیا تھا اور اب جلد ہی ان کی شادی کا مرحلہ آنے والا تھا۔

اس کی تو انہیں پہلے ہی خبر تھی کہ رسمی بات چیت کے بغیر بھی خاندانی روایات کے مطابق زہرا کا رشتہ خادم حسین اور زینب کا امداد علی سے طے ہو چکا تھا لیکن وہ ایسی کسی روایت کو ماننے پر تیار نہیں تھے۔ اپنی بیٹیوں کو اس جہنم میں جھونکنا انہیں گوارا نہیں تھا۔ اگر خاندان کی روایات کو ہی دیکھا جاتا تو امداد علی کی موت کی وجہ سے زینب کو شادی کے بغیر ہی بیوگی کی زندگی گزارنا تھی۔ خادم حسین کا بھی کچھ علم نہیں تھا۔ وہ بری طرح زخمی تھا۔ اب اس دشمنی کو لگام ڈالنے کا صرف اور صرف ایک طریقہ تھا۔ عبداللہ اور ریشماں کی شادی۔

اگر ریشماں بہو بن کر ان کے گھر آ جاتی تو پیر صاحب کا گھرانہ اپنے اُٹھے قدم روک سکتا تھا۔ یوں بھی وہ ریشماں کو پیر صاحب کی حویلی سے نکالنا چاہتے تھے۔ یہ ان کی زندگی کی بڑی خواہشوں میں سے ایک خواہش تھی۔

''کیا سوچ رہے ہیں؟'' فوزیہ بیگم نے پوچھا۔

''اس وقت اس کے علاوہ کیا سوچ سکتا ہوں کہ ان حالات کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔''

''میں تو سوچ سوچ کر پاگل ہو گئی ہوں مگر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔''

''ایک راستہ اب بھی باقی ہے لیکن بہت مشکل۔'' وہ بولے۔

''کیا؟'' فوزیہ بیگم نے بے چینی سے پوچھا۔

URDU PHOTO

''اگر بیٹیوں کے سلسلے میں ان کے کسی تقاضے سے پیشتر عبداللہ اور ریشماں کی شادی ہو جائے تو۔''

''آپ مشکل کی بات کرتے ہیں یہ تو بالکل ناممکن ہے۔'' فوزیہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا۔

''اب وہ اس رشتے پر کسی طور راضی نہیں ہوں گے اور بالفرض وہ مان گئے تو ساتھ میں گڑیا اور زینی کے لیے ضرور بات کریں گے اور اپنی بیٹیاں ان کے حوالے کر دینے پر میں تیار نہیں۔ میں انہیں یرغمال نہیں بنا سکتی' انہیں چولہے میں جھونک سکتی ہوں لیکن وہاں قطعاً نہیں۔''

زہرا نے کمرے کے اندر جھانکا۔

''میں آ جاؤں؟''

''آ جاؤ بیٹا۔'' اماں جان نے کہا۔

''نئی خبر سنیں۔ ہمارے بہت پیارے اور اکلوتے بھائی دشمنوں کو اپنا خون دے آئے ہیں۔'' وہ قالین پر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا' کیا کہہ رہی ہو؟'' اماں جان کچھ نہ سمجھتے ہوئے پریشان ہو گئیں۔

''ہونا کیا تھا۔ پیر صاحب کی گدی کے وارث کا بہت خون بہہ گیا تھا۔ بھائی کی انسانیت جاگی اور آدھ لیٹر خون ان کے حوالے کر آئے۔''

''پاگل ہو گیا ہے وہ' اتنا بھی خیال نہ آیا اسے کہ وہ خود بھی زخمی ہے' اور وہ ڈاکٹر احمق تھے کیا؟'' اماں جان کو غصہ آ گیا۔

''ڈاکٹر احمق نہیں اندھا تھا اور رہی بات بھائی کے زخمی ہونے کی تو یہ ضرور ان کی حماقت تھی۔ بیل کے سامنے یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ آ مجھے مار۔ پھر بیل کیا کرتا۔ اس نے ٹکر مار دی۔''

''چھوڑو اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ اس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔'' بابا جان نے کہا۔

زہرا بے اختیار ہنس پڑی۔ ''مائنڈ نہ کریں لیکن اماں جان یہ بات حماقت کی نہیں وراثت کی ہے۔''

''زہرا۔'' اماں جان نے اسے تنبیہی انداز میں گھورا پھر بابا جان سے مخاطب ہوئیں۔ ''کیا ہمیں ان کے ہاں تعزیت کے لیے جانا چاہیے۔''

زہرا نے پلکیں جھپکا کر حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ''سب سے عجیب و غریب ترکیب ہمیشہ اماں جان کی طرف سے آتی ہے۔''

''ایسے نہیں کہتے گڑیا۔'' بابا جان نے کہا پھر اماں کی طرف مڑے۔ ''چلیں گے لیکن امداد علی کے دفن ہو جانے کے بعد۔ تب تک وہ لوگ کچھ کھا پی بھی چکے ہوں گے۔''

''یہ کیا بات ہوئی بابا جان؟'' زہرا ان کی بات سمجھ نہ سکی۔

''بیٹا غم کی پہلی قسم اس وقت ٹوٹتی ہے جب تمام تر غم کے باوجود پہلا نوالہ انسان کے حلق سے نیچے اُتر جاتا ہے۔ انسان نفس کی طرف بڑھ جاتا ہے اور نفس انسان میں حساب کتاب کرنے اور نفع نقصان جانچنے کی صلاحیت جگا دیتا ہے۔''

''لیکن بابا جان وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ پہلے قتل کیا اور اب تعزیت کیوں؟''

''اسے کسی اور نے نہیں خود اس نے قتل کیا ہے۔ ہم تو صرف اپنا دفاع کر رہے تھے۔''

''یہ محض لفظوں کا ہیر پھیر ہے بابا جان۔ ٹھیک ہے وہ اس قابل تھا کہ اسے قتل کر دیا جاتا سو کر دیا۔ اب تعزیت وغیرہ کی کیا ضرورت ہے۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ہمیں اس کے مرنے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔ بلکہ ہم نے تو اطمینان کا سانس لیا ہے۔''

''فضول باتیں مت کیا کرو گڑیا۔'' اماں جان جھنجھلا گئیں۔ ''جس بات کو سمجھ نہیں سکتیں اس پر بحث مت کیا کرو۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔''

وہ کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

''ایسے مت ڈانٹا کرو بچیوں کو۔ پتا نہیں آگے ان کی قسمت میں کیا لکھا ہوا ہے۔ کم از کم جب تک ہمارے پاس ہیں تب تک تو خوش رہیں۔'' بابا جان نے کہا۔

''انہیں بھی تو خواہ مخواہ کی بحث نہیں کرنی چاہیے۔ کبھی ہم ایسے اپنے ماں باپ کے سامنے بولے تھے؟''

بابا جان ہنس پڑے۔ ''اگر اس گھر میں بھی وہی گھٹا ہوا ماحول رکھنا تھا تو انہیں تعلیم دلوا کر ان میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ انہیں بھی جاہل رہنے دیتے اور خاندان کی روایات کے مطابق ان کی شادیاں کر دیتے۔ پھر مسئلہ کیا تھا؟''

''آپ بہت ٹھنڈے دل سے سوچتے ہیں لیکن میرا ذہن بالکل کام نہیں کر رہا۔ میں اپنے بچوں کو محفوظ اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں لیکن کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''

☆======☆======☆

سخاوت بابا نے بہت مشکل سے دونوں بھائیوں کو الگ کیا تھا۔ قہر آلود نگاہوں سے ایک دوسرے کو گھورتے ہوئے وہ دونوں الگ ہو گئے تھے۔

''یہ وقت آپس میں جھگڑنے کا نہیں ہے۔ حویلی کا جتنا سر جھک گیا ہے اسے اور مت جھکاؤ۔ لوگوں کو یہ مت بتاؤ کہ تم بھائیوں کے درمیان دوریاں اتنی بڑھ چکی ہیں۔'' سخاوت بابا نے سختی سے کہا تھا۔

حویلی میں سخاوت بابا کی بات حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ سب بھائیوں کے لیے ان کی بات کی وہی اہمیت تھی جو پیر صاحب کے لفظوں کی تھی۔ اس وقت پیر صاحب کی غیر موجودگی میں وہی ان

کی جگہ سنبھالے ہوئے تھے۔

مکرم، حضور اور نوازش علی، سخاوت بابا کے ساتھ اندر چلے گئے۔ سبط حسن گہری سانس لے کر وہیں بیٹھ گیا۔

اندر اماں جان کی چپ برقرار تھی اور ریشماں کی تڑپ بھی ویسی ہی تھی۔ بھائیوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر ریشماں ان کی جانب دوڑی۔

''مکرم، بھائی کو جگاؤ۔ مجھے وحشت ہو رہی ہے خدا کے لیے بھائی کو جگاؤ۔'' اس نے مکرم کو کھینچتے ہوئے کہا۔

مکرم نے ریشماں کو اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔

''ادھر کسی سے کہو آپی کی چادر لائیں۔'' اس نے ہولے سے حضور علی کو مخاطب کیا۔

وہ اس کے ساتھ لگی روتی جا رہی تھی۔

''مکرم، بھائی کو جگاؤ نا۔ خدا کے لیے۔''

حضور علی نے ریشماں کے سر پر چادر ڈال دی۔ مکرم اسے لے کر امداد علی کی میت کے پاس آیا۔ نوازش اور حضور علی بھی ان کے ساتھ آ کھڑے ہوئے۔ مکرم نے بہن کی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور جھک کر بھائی کے جسم پر لگے خون سے اپنا ہاتھ تر کر لیا۔

''ہم سب بھائی اپنے بھائی کے خون اور بہن کے آنسوؤں کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حیدر علی کے خاندان کے ایک فرد کو بھی جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ یہاں موجود لوگوں میں سے بہت سے لوگ ان کی حویلی جاتے ہیں۔ تم سب جا کر انہیں بتا دو کہ بھاگ سکتے ہیں تو بھاگ جائیں۔ ہم انہیں پاتال کی گہرائیوں سے بھی نکال لائیں گے۔

ہم قسم کھاتے ہیں کہ جس نے ہماری مخبری کی تھی اسے اپنے ہاتھوں سے جہنم واصل کریں گے۔ عبداللہ شاہ، یہ ہماری قسم ہے کہ تجھے ہم قتل کریں گے۔ اسی طرح جیسے تُو نے ہمارے بھائی امداد علی شاہ کو قتل کیا ہے۔ ہم تیرے جسم میں اتنے ہی چھید کریں گے جتنے تُو نے ہمارے بھائی کے جسم میں کیے ہیں۔ ہم تیرا خون اسی مٹی پہ بہائیں گے جس مٹی پر تُو نے ہمارے بھائی کا خون بہایا ہے اور پھر تیری لاش کے ٹکڑے گلیوں میں پھرنے والے کتوں کو کھلائیں گے۔''

ریشماں جو ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ یہ سب کچھ سن رہی تھی ایک دم چلا اُٹھی۔

''نہیں نہیں۔'' اور بے ہوش ہو کر مکرم علی کے بازوؤں میں جھول گئی۔

ریشماں کو اس کے کمرے میں چھوڑ کر ایک ملازمہ کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت دے کر تینوں بھائی باہر مردانے میں نکل آئے۔

☆======☆======☆

جنت بائی کی خواہش اچانک ہی پوری ہو گئی تھی۔ نوری کی بے وقت موت نے ان کے

برسوں پرانے خواب بکھیر دیے تھے۔ انہوں نے پَل پَل گن کر دن کاٹے تھے۔ نوری کے جوان ہونے کا انتظار کیا تھا۔ کیا کیا نہیں کیا تھا انہوں نے نوری کے لیے۔ اور پھر نوری بھی تو حسن و خوبصورتی کا ایسا شاہکار تھی جس پر نظریں نہیں ٹکتی تھیں۔ اس کی ناگہانی موت نے جنت بائی کو توڑ کر رکھ دیا تھا۔

دھندا سب چوپٹ ہوا جا رہا تھا جب اچانک انہیں شمیم مل گئی۔ شمیم فلموں میں کام کرنے کے شوق میں کسی لڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ آئی تھی۔ لڑکا فلموں میں تو کیا کام دلواتا اپنا مطلب پورا کر کے اسے چھوڑ گیا اور وہ دربدر بھٹکتی ہوئی جنت بائی تک پہنچ گئی تھی۔

جنت بائی کو تو جیسے خزانہ ہاتھ آ گیا تھا۔ وہ بے شک گاؤں کی اُجڈ گنوار لڑکی تھی۔ اس پر محنت کی بھی بہت ضرورت تھی لیکن جنت بائی کی نگاہوں سے اس کا خیرہ کن حسن چھپا نہیں رہ سکا۔ اسے تھوڑا سا چمکانے کی ضرورت تھی پھر وہ ان کے لیے سونے کی کان ثابت ہو سکتی تھی اور حقیقت تو یہ تھی کہ انہیں سونے کی اس کان سے سونا نکالنے کے علاوہ بھی بہت سا کام لینا تھا۔ ان کے وجود کی راکھ میں ایک چنگاری اب بھی سلگ رہی تھی اور اس چنگاری کو انہوں نے بہت محنت سے بجھنے سے بچا رکھا تھا۔ اس چنگاری کو آگ بنا دینے کے جو خواب وہ برسوں سے دیکھتی چلی آ رہی تھیں، شمیم ان خوابوں کو تعبیر دے سکتی تھی۔

انہوں نے اسے سنوارنا' چمکانا شروع کر دیا تھا۔ نوری بنا کر۔

☆======☆======☆

امداد علی کو دفنایا جا چکا تھا۔ پیر صاحب ابھی تک شہر سے واپس نہیں آئے تھے۔ خادم حسین کے لیے وہ اپنی دولت پانی کی طرح بہانے کے لیے تیار تھے۔ فی الحال انہیں صرف اس بات کا انتظار تھا کہ خادم حسین خطرے کی حالت سے باہر نکل آئے اور ڈاکٹر اسے سفر کی اجازت دے دیں۔ وہ اسے علاج کی غرض سے امریکہ لے جانا چاہتے تھے۔

ان کے حساب کتاب کرنے والے ذہن نے فوراً یہ حساب لگا لیا تھا کہ جو بیٹا جا چکا تھا اسے وہ اپنی جان دے کر بھی واپس نہیں لا سکتے تھے لہٰذا اس کی میت پر بیٹھ کر بَین کرتے رہنا بالکل فضول سی بات تھی۔ اس وقت ضرورت تھی اس بیٹے کو بچانے کی جو زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا تھا اور جو ان کی گدی کا وارث تھا۔ حویلی کے معاملات کے متعلق وہ زیادہ پریشان نہیں تھے۔ سخاوت بابا وہاں موجود تھے اور مکرم پر بھی انہیں بہت اعتبار تھا۔

امداد علی کو دفنانے کے بعد بھی بھائیوں میں سے کسی نے سبط حسن سے بات نہیں کی۔ شام کو شہر جا کر وہ بڑے بھائی خادم حسین کو بھی دیکھ آیا تھا جو اب تک بے ہوش تھا۔ بابا جان وہیں تھے اور بے حد بے چین بھی۔ سبط کو دیکھ کر کتنی دیر تک گاؤں کے حالات پوچھتے رہے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی اور مکرم علی کی لڑائی کا تذکرہ نہیں کیا۔

''بابا جان آپی بہت اپ سیٹ ہیں۔ انہوں نے اب تک کچھ نہیں کھایا پیا۔ اماں جان کی حالت بھی بہت بری ہے۔''

''ماں اور بہن کے دل بہت نازک ہوتے ہیں۔ تم لوگوں کو ہم نے اسی لیے وہاں چھوڑا ہے تاکہ ان کا خیال رکھ سکو۔ ہم سے زیادہ وہ تم لوگوں کی بات سنیں گی بیٹا۔ ہم تب تک یہاں سے کہیں نہیں جائیں گے جب تک ڈاکٹر ہمیں ہمارے بیٹے کی زندگی کی خوش خبری نہیں سنا دیتے۔''

''بابا جان رات یہاں گزارنے سے آپ کو زحمت ہوگی۔ آپ گھر چلے جائیں' میں یہاں رہ جاتا ہوں۔ ڈاکٹر جیسے ہی یہ خوش خبری دیں گے' میں ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر آپ کو فون پر اطلاع دے دوں گا۔''

''ہمارا یہاں رہنا ضروری ہے۔'' پیر صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''تم جاؤ۔ اپنی اماں جان اور ریشماں کی دیکھ بھال کرو۔''

اس کے تمام تر اصرار کے باوجود وہ واپس گاؤں نہیں آئے۔

''اچھا بابا جان جیسا آپ کا حکم لیکن جیسے ہی بھائی کو ہوش آئے' پلیز آپ فون کر کے اطلاع ضرور بھجوا دینا۔'' اس نے کہا۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔'' وہ بولے۔ ''اب تم جاؤ۔ گاؤں میں تم بھائیوں کی زیادہ ضرورت ہے۔''

نیاز پور واپس آ کر وہ سیدھا اماں جان کی خواب گاہ میں گیا۔ ان کی حالت بہت خراب تھی۔ بڑی مشکلوں سے انہیں کھانا کھلا کر وہ ریشماں کے کمرے میں آیا۔

سبط حسن کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ دوڑ کر آگے بڑھی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

''سبط وہ بھائی کو لے گئے' بھائی چلا گیا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔ ''میں نے روکا پھر بھی وہ اسے لے گئے۔ کسی نے میری پروا نہیں کی' کسی نے میری نہیں سنی' میں منتیں کرتی رہی' میری بات کسی نے نہیں مانی۔''

''میں جو ہوں آپی آپ کا بھائی۔'' اس نے ریشماں کو بستر پر لٹانا چاہا۔

''میں نہیں لیٹوں گی' نہیں سوؤں گی' مجھے بتاؤ میرے بھائی کو کہاں چھوڑ آئے ہو۔ تم بھی تو ساتھ تھے۔ تم بھی اسے لے جانے والوں میں شامل تھے۔ میں نے تم سے بھی کہا تھا۔ تم سے بھی منتیں کی تھیں لیکن تم نے بھی نہیں سنا۔ کسی نے نہیں سنا۔'' اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑا لیا۔

''آپی ابھی ہم دونوں مل کر کھانا کھائیں گے پھر میں آپ کو ساری بات بتا دوں گا۔ کریمن' آپی کے لیے کھانا لاؤ۔''

''میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔'' وہ چلائی۔ ''کل بھائی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائے گا' میں اس کے بغیر کھانا نہیں کھاؤں گی۔ میرے بھائی کو بلاؤ۔''

''بس ابھی بلاتا ہوں انہیں' لیکن ایک شرط پر کہ آپ رونا بند کر دیں گی۔ آپ روتی رہیں تو میں نہیں بلاؤں گا۔''

''سب جھوٹ بول رہے تھے ناں؟ میرا بھائی زندہ ہے ناں؟'' اس کے لہجے میں امید کی پرچھائیاں اتر آئیں۔

''کریمن جلدی کھانا لاؤ۔'' اس نے جان بوجھ کر ریشماں کی بات نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ ''مجھے بہت بھوک لگی ہوئی ہے اور کھانا میں صرف اپنی آپی کے پیارے پیارے ہاتھوں سے کھاؤں گا۔''

''دیکھ سبط میں اپنے آنسو پونچھ رہی ہوں۔ تم اپنے وعدے سے پھرنا مت۔'' ریشماں نے چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔

سبط حسن نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کی ذہنی حالت نارمل نہیں تھی۔ جو کچھ ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن اسے رد کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کے محبت کرنے والے دل و دماغ کے لیے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ وہ اس حادثے کو سمجھ ہی نہیں سکی تھی قبول کیسے کرتی۔ اسے اس وقت صرف اس قدر یقین دہانی کی ضرورت تھی کہ اس کا بھائی امداد علی زندہ تھا۔ اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔ جو کچھ اس نے دیکھا تھا' وہ صرف ایک خواب پریشاں تھا۔

رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ چادر کا اسے کوئی ہوش نہیں تھا' پاؤں میں جوتا تک نہیں تھا۔

''پتا ہے سبط آج مکرم کیا کہہ رہا تھا۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو پھر رواں ہو گئے۔ ''کہہ رہا تھا کہ وہ انہیں مار دے گا۔ میرے عبداللہ کو مار دے گا۔ اسے روکو سبط عبداللہ کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔''

سبط حسن کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔ وہ سمجھتا تھا کہ ریشماں اس سے بہت قریب ہے۔ وہ بہت کم گو تھی لیکن اس کے ساتھ دنیا جہان کی باتیں کیا کرتی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی بہن کو اچھی طرح جانتا تھا۔

مگر نہیں وہ تو کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔

ریشماں رو رہی تھی اس مرتبہ عبداللہ کی خاطر اور وہ حیران تھا۔ ہاں ریشماں اور عبداللہ منگیتر تھے لیکن ہر کوئی جانتا تھا کہ اب یہ شادی ممکن نہیں۔ حویلی میں عرصہ ہوا اس نسبت کا ذکر تک ختم ہو چکا تھا لیکن ریشماں کے دل کی گہرائیوں میں اب تک یہ بات دفن تھی۔ اس کا اسے کیا کسی کو بھی شاید اندازہ نہیں تھا۔

URDU PHOTO

اپنے اندر کا غبار شاید وہ آج بھی باہر نہ نکالتی مگر آج وہ اپنے آپ میں کب تھی۔ اسے تو علم بھی نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کس کے سامنے کہہ رہی تھی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر کسی دیوار سے ٹکرا کر پھوڑ لے۔ ابھی تو وہ ایک معمے کے ٹکڑے جوڑنے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ کہ ریشماں نے دوسرے معمے کے ٹکڑے اس کے سامنے ڈھیر کر دیے تھے۔

بڑی مشکلوں سے جھوٹ سچ بول کر اس نے ریشماں کو کھانا کھلایا اور نیند کی گولی کھلا کر سلا دیا۔ اس وقت اسے آرام کی سخت ضرورت تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ یہ اس کی زندگی کا بدترین دن تھا۔ اس کے تھکے ہوئے ذہن کو بھی آرام کی ضرورت تھی لیکن وہاں آرام کہاں تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اُٹھایا اور اسپتال کا نمبر ڈائل کیا مگر وہاں اب بھی صورتِ حال ویسی ہی تھی۔ نوازش اور حضور علی وہیں پیر صاحب کے پاس تھے۔ اس نے ریسیور رکھ دیا۔

سگریٹ سلگا کر وہ بیتے دنوں کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس دن کے بارے میں جب وہ فوٹو گرافی کے ارادے سے کیمرا کندھے پر لٹکائے' گھوڑا گلی میں واقع اپنے ہٹ سے نکلا تھا۔

اس روز جمعہ تھا۔ کالج کی چھٹی کو وہ اکیلے ہی انجوائے کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے دوستوں کو لیے بغیر ہی وہ مری کی طرف چل دیا۔ موسم میں خنکی بڑھ چکی تھی اور دھوپ بھی پھیکی اور بے رنگ سی تھی۔

شام سے کچھ پہلے وہ واپسی کی نیت سے آہستہ آہستہ پہاڑ سے اترنے لگا' جب وہ اسے نظر آئی۔

اونچے نیچے راستوں پر خراماں خراماں چلتی کندھے پر بیگ لٹکائے' ہاتھ میں ایک لفافہ اور اسٹرابیری کا ڈبہ تھامے وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ رہی تھی' اسے احساس نہیں تھا کہ اس وقت وہاں وہ اکیلی نہیں تھی۔ چلتے چلتے وہ ڈبے سے اسٹرابیری نکال کر کھاتی جا رہی تھی اور ساتھ ساتھ کچھ گنگنا بھی رہی تھی۔

وہ ایک درخت سے ٹیک لگا کر اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی بہت خوبصورت یا حسین نہیں تھی لیکن بہت تر و تازہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔ اتنے مطمئن اور خوش چہرے اس نے کم ہی دیکھے تھے۔

سبط دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گہری نیلی شلوار قمیص کے اوپر ڈینم کی نیلی جیکٹ میں ملبوس' سلک کے نیلے مفلر سے کانوں اور آدھے سر کو ڈھکے اس کے چہرے پر تردد اور فکر کی ایک بھی لکیر نہیں تھی۔

اچانک ہی اس کا پاؤں رپٹا' ہلکی سی چیخ کے ساتھ اس نے درخت کا سہارا لیا اور خود تو

گرنے سے بچ گئی لیکن ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ نیچے گر گیا۔ لفافے میں مالٹے تھے۔ نیچے گرتے ہی سب مالٹے پھدک کر پہاڑ سے نیچے لڑھکنے لگے۔ پہلے تو اس نے ایک آدھ مالٹے کو قابو کرنے کی کوشش کی لیکن جب کوئی بھی اس کے ہاتھ نہ آیا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور نیچے کی طرف لڑھکتے ہوئے مالٹوں کا نظارہ کرنے لگی۔ ویسے تو اچھلتے کودتے ان مالٹوں نے کوئی ایسی مزاحیہ حرکت نہیں کی تھی جس پر ہنسا جا سکتا بلکہ درجن بھر مالٹوں کے فرار ہو جانے پر اصولاً پہلا ردِعمل افسوس کرنے کا ہی ہونا چاہیے تھا لیکن پتا نہیں وہ انہیں دیکھ کر ہنسنے لگی تھی۔ وہ ہنس رہی تھی بلکہ ہنستی چلی جا رہی تھی۔ ایسے میں وہ سبط کو بہت اچھی لگی۔ نہ جانے کس خیال کے تحت اس نے کیمرا سیدھا کیا اور اس کی تصویر کھینچ لی۔

لڑکی کی ہنسی کو بریک اس وقت لگے جب کلک کی آواز اُبھری اور اس کے چہرے سے فلیش کی روشنی ٹکرائی۔ ایک دم اُس نے سبط کی طرف دیکھا۔ ایک لمحے کو ٹھٹکی پھر اس کی طرف بڑھی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' ماتھے پر تیوریاں ڈال کر اس نے کہا۔

''کون سی بدتمیزی؟'' وہ ایک دم انجان بن گیا۔

''بغیر اجازت کسی کی تصویر کھینچ لینا بدتمیزی ہوتی ہے۔''

''میں بہت حسن پرست ہوں اس لیے آپ کی تصویر نہیں کھینچ سکتا' اطمینان رکھیے۔ ابھی تو یونہی فلیش چمک گئی تھی۔'' سبط نے آرام سے کہا۔

اس کی بات سن کر لڑکی کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ چند لمحے وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورتی رہی۔

''تم بدتمیز ہی نہیں' بے ہودہ انسان بھی ہو۔'' بالآخر وہ بولی۔

''ثبوت پیش کرو ورنہ اپنے یہ غیر پارلیمانی الفاظ واپس لو۔'' سبط نے بھی فوراً کہا۔

''ثبوت اس کیمرے میں محفوظ ہے۔'' وہ بھی تیزی سے بولی۔

''کیمرے میں صرف بدتمیزی کا ثبوت ہے' بے ہودگی کا نہیں۔'' اس نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

چند لمحے وہ پُرخیال نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''وہ اوپر میرا گھر ہے' وہاں چل کر کافی پیتے ہیں۔''

سبط نے اس طرف دیکھا جہاں لڑکی نے اشارہ کیا تھا۔ وہاں بہت خوبصورت سا ہٹ تھا۔

''نہیں شکریہ' مجھے مار کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

لڑکی کے چہرے سے پتا چل رہا تھا کہ اسے اس بات کا افسوس تھا کہ اس کی اتنی محنت سے

سوچی ہوئی اسکیم سبط نے اتنی آسانی سے سمجھ لی تھی۔

''اوبو۔'' اس نے آگے انگریزی میں یقیناً کوئی گالی دی تھی جو دانت پیسنے کے باعث اس تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

اسے کچھ سمجھ میں نہ آیا تو اس نے کیمرا جھپٹنا چاہا۔ کیمرا تو خیر وہ نہ چھین سکی البتہ اس کے لمبے اور تیز ناخن سبط کے بازو اور ہاتھ پر خراشیں چھوڑ گئے۔

''دیکھو' مجھے تصویر دے دو ورنہ بہت برا ہوگا۔'' اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

''انسانوں کی طرح پہلے مانگ لی ہوتی تو مل جاتی مگر اب کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔''

وہ پہاڑ سے نیچے اتر گیا۔ لڑکی کافی دیر تک وہیں کھڑی اسے تکتی رہی۔

کیمرے میں وہ آخری تصویر بچی تھی۔ سبط گاڑی لے کر راولپنڈی روانہ ہو گیا۔ وہ فوری طور پر ریل دھلوانا چاہتا تھا۔

اسے احساس تھا کہ اس نے لڑکی کے ساتھ واقعی بدتمیزی ہی نہیں بے ہودگی بھی کی تھی لیکن اسے لڑکی کے ردِعمل محظوظ کر رہے تھے۔ پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر سبط کو بہت خوشگوار احساس ہوا۔ فوٹو گرافی اس کا شوق نہیں جنون تھا۔ اس جنون کی تکمیل میں اس نے بہت سے چہرے دیکھے تھے۔ حسین اور خوبصورت لوگوں کی خوشی کے بہت سے لمحات اس نے قید کیے تھے لیکن آج تک اس نے کسی کے چہرے پر اتنی طمانیت ...... اتنا خلوص اور سچی خوشی نہیں دیکھی تھی۔

دنیا اکیسویں صدی میں داخل ہو رہی تھی لیکن نہ کسی کے پاس راستہ تھا' نہ منزل۔ خوشیاں ملتی نہیں تھیں۔ تخلیق کی جاتی تھیں۔ طمانیت سے بھرپور چہروں پر بھی کہیں نہ کہیں فکر اور پریشانی کی لکیر ضرور دکھائی دیتی تھی۔

مگر اس کے چہرے پر کہیں پریشانی کی ایک لکیر بھی نہیں تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے یہ پرچھائیاں کبھی اس کے چہرے پر نہیں پڑ سکتیں لیکن وہ تو ایک لمحے میں مشتعل ہو گئی تھی۔ اس کا یہ روپ بھی دلکش تھا۔ اسے مشتعل ہونا ہی چاہیے تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو محض تکنیکی اعتبار سے ایک اچھی تصویر ہی رہتی اور تصویر بہرحال تصویر ہی ہوتی ہے۔ زندگی کی حرارت سے خالی۔ سبط کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ اکیسویں صدی کی ہی ایک فرد تھی۔

اور پھر اگلے ہی روز شام کو وہ اس کی تصویر لے کر اس کے گھر کی طرف چل دیا۔ جیسا کہ اسے توقع تھی' وہ تصویر بہترین تصویروں میں شمار کی جا سکتی تھی۔

گیٹ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ دائیں جانب چھوٹا سا خوبصورت لان تھا' سامنے گیراج میں چمکتی ہوئی پجیرو کھڑی ہوئی تھی۔ گھر میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ وہ مخصوص آوازیں جو گھر میں کسی کی موجودگی کا پتا دیتی ہیں۔ بالکل نہیں تھیں' نہ جھاڑو کی آواز' نہ پریشر ککر کی شوں شوں نہ پانی گرنے کی ٹپ ٹپ اور نہ کسی کے باتیں کرنے کی آواز۔

اس نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ تھوڑی دیر میں دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والی درمیانی عمر کی ایک خوش لباس خاتون تھیں۔

''جی فرمایئے؟'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

سبط کے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا کہ دروازہ کوئی اور بھی کھول سکتا ہے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ یہ لڑکی کی والدہ ہوسکتی تھیں۔

وہ اب بھی سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

''میں سبط حسن ہوں' آپ مجھے صرف سبط بھی کہہ سکتی ہیں کیونکہ سب قریبی لوگ مجھے یہی کہتے ہیں۔ اگر آپ مجھے اندر آنے کی اجازت دیں تو میں کچھ وضاحت کرسکوں گا۔''

''میرا خیال ہے کہ وضاحت لان میں بیٹھ کر بھی ہوسکتی ہے مسٹر حسن۔'' وہ بولیں۔ ''آپ وہاں تشریف رکھیں میں ابھی آرہی ہوں۔''

''جی ضرور۔'' وہ لان کی طرف بڑھ آیا اور ایک لان چیئر پر بیٹھ گیا۔

''خاصی سخت گیر قسم کی والدہ پائی ہیں اس لڑکی نے۔'' اس نے سوچا۔ ''کتنے اطمینان سے مسٹر حسن کہہ کر انہوں نے یہ احساس بھی دلا دیا کہ نہ وہ قریبی لوگوں میں شمار ہوتی ہیں اور نہ ہونا چاہتی ہیں۔''

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اندر سے خاتون برآمد ہوئیں انہیں آتے دیکھ کر وہ کھڑا ہوگیا۔

''تشریف رکھیں۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولیں۔ ''اور کہیے آپ غالباً کسی وضاحت کی بات کر رہے تھے۔''

''جی ہاں۔ دراصل میں بدتمیز نہیں ہوں لیکن کل بلاوجہ' بالکل غیر ارادی طور پر مجھ سے ایک بدتمیزی سرزد ہوگئی تھی۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا لفافہ ان کی جانب بڑھایا۔ ''مجھے...... فوٹو گرافی کا کریز ہے لیکن میں چہروں کی نہیں جذبوں کی تصویریں کھینچتا ہوں۔ کل آپ کی بیٹی کے چہرے پر مجھے اتنے شفاف جذبات نظر آئے کہ میں نے بے ساختہ اس کی تصویر کھینچ لی۔

بعد میں مجھے احساس ہوا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن فوٹو گرافر اپنی کھینچی ہوئی تصویر ضائع نہیں کرسکتا۔ خاص طور پر اس صورت میں جب اسے یقین ہو کہ وہ تصویر بہت اچھی آئے گی۔ اس لیے میں نے کیمرے کی ریل انہیں نہیں دی۔ اس ریل میں ان کی تصویر کے علاوہ بھی بہت سی تصویریں تھیں جو میں نے بہت محنت سے کھینچی تھیں۔''

خاتون نہ صرف اس کی بات سن رہی تھیں بلکہ اتنی دیر میں لفافے سے تصویر اور نیگٹو نکال کر بھی دیکھ چکی تھیں۔

''اب تو جو ہوا سو ہوا۔'' بالآخر وہ بولیں۔ ''لیکن آپ کو ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ آپ کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتی تھی۔ کیا میں یقین کرلوں کہ اس تصویر کا کوئی

پرنٹ آپ کے پاس نہیں ہے؟''

''دیکھیں خاتون آپ مجھے جانتی نہیں تھیں' پہچانتی نہیں تھیں' میں یہ نیگٹو آپ کو نہ دیتا تب بھی آپ مجھے ڈھونڈ نہیں سکتی تھیں۔ ایسے میں جب میں خود آپ کے پاس یہ تصویر لے آیا ہوں تو مجھ پر شک کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔''

''اس خوش فہمی میں مت رہیں کہ آپ کو ڈھونڈا نہیں جاسکتا تھا۔ اینی وے میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ یہ چیزیں لے کر خود ہی آگئے۔''

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں چلتا ہوں۔''

خاتون اسے گیٹ تک چھوڑنے آئیں۔ گیٹ پر ہی اس کا سامنا ایک مرتبہ پھر اسی لڑکی سے ہوا۔ وہ گھر میں داخل ہورہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے دو ملازمین بھی تھے۔ ایک مرد' ایک عورت۔ مرد پٹھان تھا اور صاف معلوم ہورہا تھا کہ اس کے ذمے محافظت کے فرائض تھے۔ ملازمہ مقامی تھی۔

لڑکی تقریباً اسی دن والے حلیے میں تھی۔ براؤن شلوار قمیص' چمڑے کی جیکٹ اور مفلر کے ساتھ کندھے پر بیگ لٹکائے ہاتھ میں اسٹرابیری کا ڈبہ لیے چہرے پر وہی طمانیت اور سکون۔

گیٹ کے دوسری جانب سبط کو کھڑے دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔ تیزی سے گیٹ کھول کر وہ خاتون کی طرف بڑھی۔

''دیدی' یہ وہی ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ آپ اندر جائیں زینی۔'' وہ بولیں۔

''جی دیدی۔'' ایک نظر اس پر ڈال کر وہ اندر کی طرف بڑھ گئی۔

سبط کے گیٹ سے نکلنے تک وہ پٹھان محافظ اچھی طرح اس کا جائزہ لے چکا تھا۔

☆======☆======☆

اس کے بعد سبط حسن کا معمول ہوگیا۔ جمعہ کا دن وہ مری میں ہی گزارتا تھا' نہ صرف جمعہ بلکہ ہر ایسے دن جب وہ فارغ ہوتا' اس پہاڑی پر ضرور جاتا۔ زینی اسے اچھی لگی تھی۔ ویسے تو اس نے خاتون کو دیدی کہا تھا مگر وہ اسے کسی صورت اس کی بڑی بہن نہیں لگی تھیں۔

''کچھ گھروں میں ماؤں کو بھی آپی' باجی وغیرہ کہا جاتا ہے۔'' اس نے سوچا۔ ''ہوسکتا ہے' زینی دیدی کہتی ہو۔''

اس دوران زینی اکثر اسے نظر آتی تھی لیکن اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا تھا۔ شاید اسے اکیلے باہر نکلنے کی اجازت نہیں رہی تھی۔ وہ اس کے قریب سے بھی ایسے گزرتی تھی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

موسم مزید ٹھنڈا ہوتا جارہا تھا اور برفباری کسی بھی وقت متوقع تھی۔ وہ دن بھی سبط نے

مری ہی میں گزارا تھا اور حسب معمول زینی کے گھر کے قریب بھی گیا تھا۔ ابھی وہ واپسی کا پروگرام بنا ہی رہا تھا کہ زینی کی ملازمہ گھر سے نکلی اور تیزی سے نیچے کی طرف چل دی۔

''شاید آج زینی کا باہر نکلنے کا پروگرام نہیں ہے موسم بھی تو بہت خراب ہے۔'' اس نے سوچا۔

وہ بھی نیچے اترنے لگا۔ ابھی کچھ ہی دور چلا تھا کہ برف کے نرم نرم گالے نیچے گرنے لگے۔ ایک دن پہلے شاید بارش بھی ہو چکی تھی۔ اب جو برفباری شروع ہوئی تھی تو یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہنا تھا۔ تیزی سے چلتے ہوئے وہ سیسل ہوٹل کی طرف بڑھا جہاں اس کے لاہور کے دو دوست بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کی جیپ بھی انہی کے پاس تھی۔ ان سے ملنے کے بعد اس کا ارادہ فوری طور پر گاؤں نکل سے جانے کا تھا۔

دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگانے میں وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ جیپ پر وہاں سے واپسی کے لئے نکلا تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ برفباری کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا اور سڑک پر آمد و رفت بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔

''ذرا پہلے نکل گیا ہوتا تو موسم کی اس شدت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔'' اس نے سوچا۔ ''اب تک راولپنڈی میں ہوتا۔''

ابھی وہ بہت زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اس کی نگاہ سڑک کے کنارے بیٹھی ایک عورت پر پڑی۔ گاڑی بڑھتے دیکھ کر اس عورت نے ہاتھ سے رُکنے کا اشارہ کیا۔ وہ عورت کسی پریشانی میں مبتلا لگ رہی تھی۔ سبط نے جیپ اس کے پاس روک دی اور نیچے اُتر آیا۔

''بھائی صاحب مجھے گھر تک پہنچا دیں۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔'' عورت خالص مقامی لہجے میں بولی۔ آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا تھی۔

سبط نے بغور اس کی طرف دیکھا۔ اندھیرے میں پہچاننا مشکل تھا لیکن وہ اسے زینی کی ملازمہ لگ رہی تھی۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے کہا۔

''صاحب چلتے چلتے گر گئی تھی' اُٹھا نہیں جا رہا۔'' اس نے بہت بے چارگی سے کہا۔

''کہاں چوٹ لگی ہے۔''

''نہیں بازو اور ٹانگ پر۔'' اس نے سردی سے کانپتے ہوئے بتایا۔ ''لگتا ہے ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔''

سبط حسن نے اپنی چادر اس کے اوپر ڈالی اور سہارا دے کر اسے جیپ میں بٹھا دیا۔

''پہلے کسی ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں۔'' اس نے جیپ اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ''بعد میں تمہیں گھر چھوڑ دوں گا۔''

''آپ مجھے گھر لے جائیں' دیدی خود ڈاکٹر بلوا لیں گی۔''

''پہلے ایکسرے کروانا پڑے گا۔ اور ایکسرے مشین ڈاکٹر گھر پر نہیں لایا کرتے۔ پہلے گھر جاؤ گی پھر واپس آنا پڑے گا۔ اس سے بہتر نہیں کہ پہلے ایکسرے کروا لو۔''

ملازمہ یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ ایسے میں اسے کیا کرنا چاہیے مگر پھر وہ بولی کچھ نہیں۔

''ایسے موسم میں باہر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟'' سبط نے پوچھا۔

''چھوٹی بی بی کا پھل کا ڈبہ لانا تھا۔ پھر میں نے کہا یہاں تک آ گئی ہوں تو اپنے بھائی کو بھی دیکھتی جاؤں۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بس وہیں دیر ہو گئی۔'' وہ بولی۔

سبط نے ایمرجنسی میں اس کا ایکسرے کروایا۔ ہڈی ٹوٹنے سے بچ گئی تھی۔ پھر دوائیں لے کر وہ اسے گھر لے آیا۔ گھنٹی کے جواب میں دروازہ دیدی نے کھولا۔ زینی ان کے پیچھے ہی تھی۔ انہیں دیکھ کر زینی نے چیخ ماری۔

''سلیمہ کہاں چلی گئی تھیں تم' میرا دم نکلا جا رہا تھا۔'' اس کی پلکوں پر آنسوؤں کے قطرے اٹکے ہوئے تھے۔

دیدی نے ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

''اندر آ جاؤ۔''

سبط اسے سہارا دے کر اندر لے آیا۔

''سلیمہ تمہیں ہوا کیا؟''

دیدی نے زینی کی طرف دیکھا۔

''زینی آپ مہمان کو ڈرائینگ روم میں بٹھائیں۔ میں سلیمہ کو اندر لے جاتی ہوں۔''

قدرے بھاری جسم والی سلیمہ کو سہارا دینا نرم و نازک سی زینی کے بس کی بات نہیں تھی ورنہ سبط کو یقین تھا کہ وہ اسے ڈرائینگ روم میں خود بٹھاتیں اور زینی کو سلیمہ کی تیمارداری کے فرائض سونپ دیتیں۔

جب دیدی سلیمہ کو لے کر اندر چلی گئیں تو زینی اس کی طرف مڑی۔

''آپ اندر آئیں ناں پلیز۔''

''نہیں شکریہ۔ میں چلتا ہوں مجھے برفباری مزید تیز ہونے سے پہلے راولپنڈی پہنچنا ہے۔''

''پلیز تھوڑی دیر تو رُک جائیں۔'' اس نے کہا۔

اب اتنے اصرار کے باوجود وہاں نہ رُک کر وہ کفرانِ نعمت تو نہیں کر سکتا تھا ناں' سو برف جھاڑ کر اندر چلا آیا۔

''بیٹھیں۔'' زینی نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سبط بیٹھ گیا۔ ڈرائینگ روم چھوٹا لیکن بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ جس صوفے پر سبط بیٹھا تھا اس کے بالکل سامنے والی دیوار پر زینی کی اسی تصویر کی انلارجمنٹ لگی ہوئی تھی۔ جو اس نے کھینچی تھی۔

زینی فلور کشن پر بیٹھ گئی۔ آنسو اس نے ہتھیلی سے پونچھ لیے تھے۔ نیلی جینز اور کھلی لمبی سی سویٹر میں وہ بہت پرکشش لگ رہی تھی۔ بالوں کی اونچی سی پونی بنا رکھی تھی اور ہمیشہ کی طرح آدھے سر اور کانوں کو مفلر سے ڈھانپ رکھا تھا۔

''سلیمہ کو کیا ہوا ہے؟'' اس کے انداز میں بے چینی تھی۔

''راستے میں شاید پھسل گئی تھی۔ چوٹ بھی لگی لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے ایکسرے کروالیا ہے میں نے ہڈی ٹھیک ہے۔''

''ہم تو بہت پریشان تھے۔ شیر دل خان کو اچانک مردان جانا پڑ گیا تھا۔ وہی گھر کا چوکیدار بھی ہے اور ڈرائیور بھی' وہ نہیں ہوتا تو بہت دقت ہوتی ہے ہمیں۔ گھر میں صرف میں اور ڈیڈی تھے۔ میں نے کہا بھی ڈیڈی سے کہ میں جا کر اسے ڈھونڈتی ہوں لیکن ڈیڈی نہیں مانیں۔ کہنے لگیں کہ وہ اپنے بھائی کے گھر چلی گئی ہوگی' لیکن سلیمہ آپ کو ملی کہاں؟''

''اس بات کو چھوڑیں' یہ بتائیں کہ آپ کو اسٹرابیری کھانے کا اتنا ہی شوق ہے کہ ایسے خراب موسم میں آپ نے اسے بھجوا دیا۔ آپ کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ ایسے موسم میں کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا تھا۔''

''مگر میں نے اسے کب بھیجا تھا۔ پوچھ لیں بے شک اس سے۔'' زینی نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔ ''مجھے تو اس کے جانے کے بعد پتا چلا۔ اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو کیا میں اسے جانے دیتی؟''

''آپ لوگ یہاں اکیلے ہوتے ہیں۔ گھر میں کوئی مرد نہیں ہوتا؟'' سبط نے پوچھا۔

زینی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''اب تو بہت عرصہ ہو گیا آپ کو ادھر منڈلاتے ہوئے۔ آپ کو پتا نہیں چلا اب تک کہ یہاں کون کون رہتا ہے۔''

سبط حسن بے اختیار ہنس دیا۔ ''گویا آپ اتنی بے خبر نہیں ہیں جتنی نظر آتی ہیں۔''

زینی بھی ہنس پڑی۔ ''ایک بات بتاؤں بالکل سچ سچ۔''

''بتائیں۔''

''صحیح بات تو یہ ہے کہ پہلے دن آپ مجھے بہت برے لگے تھے پھر آپ نے تصویر لوٹا دی تو بہت نہیں صرف برے لگنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے میری اتنی اچھی تصویر کھینچی ہے تو میرے باقی سب شکوے بھی دھل گئے اور آج آپ سلیمہ کو لائے ہیں تو مجھے اچھا لگا ہے۔''

''اچھا لگا ہے یا اچھا لگا ہوں؟'' اس نے شوخی سے پوچھا۔

زینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''کچھ بھی سمجھ لیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں آپ کے لیے کافی لاتی ہوں۔''

''نہیں' نہیں' کافی کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کرتی رہیں۔ بس ایسی ہی جیسی ابھی کیں ہے۔''

''اگر میری عادات گڑیا جیسی ہوتیں تو ابھی آپ کو بہت سخت ڈانٹ پڑی ہوتی۔ شکر کریں' یہاں میں ہوں' گڑیا نہیں۔'' زینی واپس بیٹھ گئی۔

''اس بات پر میں بھی شکر ادا کر رہا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر یہ بات میں نے آپ کی ڈیڈی کے سامنے کی ہوتی تو وہ بھی ضرور ڈانٹتیں۔''

''ارے نہیں' ڈیڈی کو تو ڈانٹنا آتا ہی نہیں ہے۔ کم از کم پچھلے چار سال سے انہوں نے ہم بہنوں کو ایک مرتبہ بھی نہیں ڈانٹا۔''

''چار سال پہلے کس بات پر ڈانٹا تھا؟''

زینی پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''کسی بات پر بھی نہیں۔ وہ چار سال پہلے ہی یہاں آئی ہیں۔ ان سے پہلے ایک اور گورنس ہوتی تھی یہاں مس سارہ جارج۔ اُف یہ انگریز عورتیں ناقابلِ برداشت ہوتی ہیں' خاص کر پرانے مزاج کی انگریز عورتیں جو اللہ کے فضل سے مس بھی ہوں۔ مس جارج بہت سخت تھیں۔ گھر اور اسکول دونوں میں اتنی سختی ہوتی تھی کہ اسکول تو ہے ہی یہ گھر بھی نری (Nunnery) لگتا تھا۔ پھر برسوں کی دعائیں اللہ میاں نے سنیں اور مس جارج واپس انگلینڈ سدھاریں اور ڈیڈی یہاں آئیں۔ اب آرام سے سانس لے سکتے ہیں ہم ورنہ تو یہ کرو وہ نہ کرو کی گردان سننا پڑتی تھی سارا دن۔''

''ڈیڈی آپ کی گورنس ہیں؟'' اسے قدرے حیرت ہوئی تھی۔

''جی۔ آپ کیا سمجھ رہے تھے؟''

''میں سمجھا آپ کی والدہ ہیں۔ آپ کے والدین کہاں ہوتے ہیں؟''

''اوہو ہم نے ایک دوسرے سے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں۔'' زینی نے جلدی سے کہا۔

سبط کو محسوس ہوا کہ وہ جان بوجھ کر اس سوال کو نظرانداز کر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ زینی ہیں۔'' اس نے بھی موضوع تبدیل کر دیا۔ ''میں سبط حسن ہوں۔ آپ کی ڈیڈی سے میں نے کہا تھا کہ وہ مجھے سبط کہہ سکتی ہیں کیونکہ سب قریبی لوگ مجھے سبط ہی کہتے ہیں لیکن انہوں نے مسٹر حسن کہہ کر یہ باور کروا دیا کہ وہ میرے قریبی حلقے میں شامل ہونے کی کوئی خواہش نہیں رکھتیں۔ اب آپ بتا دیں کہ آپ مجھے کس نام سے پکاریں گی۔''

زینی ہنس پڑی۔ ''میں آپ کو سبط ہی کہوں گی کیونکہ اب مس جارج جا چکی ہیں۔''

سبط کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''تھینک یو۔''

''ویسے میں زینب ہوں اور سب قریبی لوگ مجھے زینی کہتے ہیں۔ آج کل سینئر کیمبرج کر رہی ہوں۔''

''ویری نائس' میں بھی سینئر کیمبرج ہی کر رہا ہوں۔''

''بورڈنگ میں رہتے ہیں؟'' زینی نے پوچھا۔

''نہیں۔ گھوڑا گلی میں چھوٹا سا ہٹ ہے۔ وہیں رہتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ''اور آپ نے بتایا تھا کہ آپ دو بہنیں یہاں رہتی ہیں۔ آپ کی دوسری بہن نظر نہیں آ رہیں۔''

''گڑیا آج کل یہاں نہیں ہے۔ انگلینڈ گئی ہوئی ہے۔''

زینی بات کر رہی تھی کہ ڈیڈی ٹرالی لے کر اندر آ گئیں۔

''مجھے دیں ڈیڈی' میں کافی بنا دیتی ہوں۔'' زینی نے ٹرالی اپنے قریب گھسیٹ لی۔ ''میں تو بلیک کافی پیتی ہوں۔ آپ کے لیے کریم والی بنا دوں یا آپ بھی بلیک ہی پییں گے؟''

''میں بلیک ہی پیوں گا۔''

''آپ نے سلیمہ کی بروقت مدد کی اس کا بہت شکریہ۔ ورنہ پتا نہیں بے چاری کو کتنی پریشانی اور تکلیف اٹھانا پڑتی۔'' ڈیڈی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میں مدد نہ کرتا تو کوئی اور کر دیتا۔ شکریے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔''

''آپ چینی کتنی لیں گے؟'' زینی نے اس سے پوچھا۔

''ڈھائی چمچ۔''

''آپ نے ڈھائی چمچ کہا ہے؟'' زینی نے دوبارہ تصدیق چاہی۔

''جی۔''

وہ ہنس پڑی۔ ''مردان شوگر مل آپ ہی کی تو نہیں ہے؟ اتنی چینی لیتے ہیں آپ؟''

''زینی۔'' ڈیڈی نے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ''ایسے بات نہیں کرتے بیٹا۔''

اس نے سبط کو کن اکھیوں سے دیکھا اور پھر ہنس پڑی۔ ہنسنا اس کی عادت تھی۔ وہ ہر وقت ہنستی تھی بات بے بات۔

''آپ یہ نہ سمجھیں کہ ڈیڈی نے مجھے ڈانٹا ہے۔'' اس نے کافی کا مگ اور چیز سینڈوچز سبط کو پکڑائے۔

کافی پیتے ہوئے بھی وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ موضوع سینڈوچز تھا۔ دونوں مختلف اداروں لیکن ایک ہی کلاس میں زیر تعلیم تھے۔ کتابیں بھی ایک سی تھیں۔ چنانچہ انہی کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ کافی ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''کافی اور گفتگو دونوں بہت اچھی تھیں۔ دونوں کا شکریہ۔''

''شکریہ تو میں نے قبول کر لیا لیکن آپ کہاں چل دیے۔ باہر دیکھا ہے برفباری کا

حال۔''

''ابھی حال ایسا برا نہیں ہے کہ نکلا نہ جا سکے۔ میرا گھر پہنچنا بہت ضروری ہے۔'' اس نے جیب کی چابی اُٹھائی۔

''گھوڑا گلی جانا ہے ناں۔''

''نہیں مجھے لاہور سے بھی آگے جانا ہے۔''

''لاہور سے بھی آگے؟ لیکن موسم بہت خراب ہے۔''

''بس یہاں سے راولپنڈی تک ہی خراب ہے۔ آگے ٹھیک ہے۔''

زینی اس کے اس موسم میں...... سفر کرنے کے حق میں نہیں تھی لیکن بار بار اصرار کرنا اسے مناسب محسوس نہیں ہوا۔

''چلیں' میں آپ کو دروازے تک چھوڑ آؤں۔'' بالآخر اس نے کہا۔

ڈیڈی برتن سمیٹنے لگی تھیں' وہ اور زینی بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''اتنے برے موسم میں کہیں پہنچنے کی جلدی تب ہوتی ہے جب آگے کوئی انتظار کر رہا ہو۔'' زینی نے دروازہ کھولتے ہوئے اچانک کہا۔

سبط نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر بے نیازی سے اپنے لمبے ناخنوں سے نیل پالش کھرچنے لگی۔

اس نے بے اختیار ہونٹوں پر آ جانے والی مسکراہٹ کو چھپایا اور بولا۔ ''ہاں انتظار کرنے والے موجود ہیں تب ہی تو جانے کی جلدی ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولی صرف پلکیں اُٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں جو شکوہ اور سوال تھے۔ انہیں دیکھ کر سبط کو اس پر ڈھیر سارا پیار آ گیا۔

''پوچھو گی نہیں کہ کون ہیں انتظار کرنے والے؟''

''بتانا ہوتا تو خود ہی بتا دیتے' پوچھنے پر بتایا تو کیا فائدہ۔''

وہ مسکرا دیا۔ ''میری اماں اور بہت پیاری سی بہن۔ بھائی بھی انتظار کرتے ہیں لیکن اتنا نہیں جتنا اماں جان اور آپی کرتی ہیں۔''

زینی بھی مسکرا دی۔ ''اچھا۔ پھر ٹھیک ہے۔''

''اب اجازت ہے جانے کی؟'' سبط نے پوچھا۔

''ہاں۔ اس لیے اجازت دے رہی ہوں کیونکہ اجازت نہ دینے سے آپ رکیں گے تو نہیں لیکن میں یہاں پریشاں ہوں گی آپ کے لیے۔ سچ مچ موسم بہت خراب ہے۔''

''ایسے موسم میں بہت مرتبہ سفر کیا ہے میں نے۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ پنڈی پہنچ کر فون کر دیں مجھے؟'' زینی نے کہا۔

"ہاں یہ ہوسکتا ہے اگر میرے پاس فون نمبر ہوتو۔"

"میں آپ کوفون نمبر لا دیتی ہوں۔ ایک منٹ ٹھہریں۔"

"یہ میرے پاس بال پین ہے۔" سبط نے شیفر کا بال پوائنٹ نکال کر اسے دے دیا۔

"اور کاغذ؟"

"یہاں لکھ دو۔" سبط نے ہتھیلی آگے کر دی۔

زینی نے نمبر لکھ کر بال پین اسے واپس کر دیا۔

"میں انتظار کروں گی فون کا۔"

وہ جیپ میں بیٹھنے لگا تو پیچھے سے زینی کی آواز آئی۔

جب تک وہ اس سے دور رہا روز فون پر بات کرتا رہا۔ زینی کی تصویر ہر وقت اس کے پاس رہتی تھی۔ ہنستی مسکراتی زینی ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اور زیادہ اچھی لگنے لگی تھی۔

گاؤں سے مری واپس آنے تک ان کی دوستی بہت گہری ہو چکی تھی۔

اور پھر ہر روز ملنا ان کا معمول ہو گیا۔ ان دونوں کو کبھی اظہار کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ نہ انہوں نے وعدے کیے تھے نہ قسمیں کھائی تھیں۔ اظہار کی ضرورت تھی بھی نہیں کیونکہ وہ دونوں جانتے تھے کہ انہیں ایک دوسرے سے محبت تھی، بہت شدید۔

سبط نے اس سے کبھی اس کے گھر والوں کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔ زینی موضوع بدل دیتی تھی۔ اس نے خود ہی یہ اندازہ قائم کر لیا تھا کہ زینی کا تعلق کسی بروکن فیملی سے تھا، تب ہی وہ اس موضوع پر بات نہیں کرتی تھی۔ خود زینی نے بھی اس کی اماں جان اور بہن کی خیریت دریافت کرنے سے زیادہ کچھ کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید اس لیے کہ جواب میں سبط بھی اس کے گھر والوں کے متعلق پوچھ سکتا تھا۔

مگر سبط کو ان باتوں کی پروا نہیں تھی۔ اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ زینی کا تعلق کس فیملی سے تھا۔ اسے زینی سے محبت تھی اور اس کے لیے بس اتنا ہی کافی تھا۔

اس کی ملاقات گڑیا سے بھی ہوئی تھی۔ وہ بھی اچھی لڑکی تھی۔ باقی کلاس فیلوز کے برعکس اس کا کوئی بوائے فرینڈ نہیں تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ کتابی کیڑا تھی۔ اس کا سر ہر وقت کسی کتاب میں ہوتا تھا۔ مزاجاً بھی وہ قدرے مختلف تھی۔ باقی لڑکیوں کی طرح اسے کپڑوں، جیولری اور لڑکوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ سبط سے وہ ملتی تھی لیکن اس کی دلچسپی صرف پڑھائی تک تھی۔

"ہمارے عیش سینئر کیمبرج کے بعد۔" وہ اکثر کہتی تھی۔ "اس سے پہلے صرف اور صرف پڑھائی۔"

زینی سے ملنے کا اسے ایک فائدہ ضرور ہوا تھا۔ اب وہ پڑھائی پر توجہ دینے لگا تھا۔ وہ

دونوں ایک ہی کلاس میں تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ پڑھائی کے معاملے میں زینی سے کسی طور پیچھے رہے بلکہ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جو کچھ وہ اچھے طریقے سے نہیں سمجھ سکی وہ سب کچھ بھی اسے پڑھاوے۔

پڑھائی ختم کر کے وہ سیر کے لیے گھر سے نکل جاتے تھے اور اس سیر کے دوران وہ دنیا بھر کی باتیں کیا کرتے تھے۔

"تم نے سبط مجھے ایک مرتبہ بہت رُلایا تھا۔" سیر کے دوران زینی نے کہا۔

"میں نے؟ تمہیں؟ ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ایسا ہوا ہے۔" زینی نے زور دیا۔

"کب؟"

"جس دن تم نے تصویر کھینچی تھی۔ میں نے دیدی کو بتایا۔ وہ بھی پریشان ہو گئیں۔ میں ضد کر کے اکیلی گئی تھی اس دن، ورنہ مجھے اکیلے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ رپورٹ گھر والوں تک پہنچتی تو بہت ڈانٹ پڑتی۔ اس بات پر نہیں کہ تم نے تصویر کھینچ لی۔ بلکہ اس بات پر کہ میں اکیلے گھر سے باہر نکلی کیوں تھی۔ یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ یہ بات گھر والوں کو بتائی نہ جاتی۔ بس پھر مجھے بہت رونا آیا تھا۔ اصل میں مجھے ڈانٹ کھانے سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

سبط ہنس دیا۔ "چلو یہ تو پتا چلا کہ تمہیں رونا آتا ہے۔"

"تمہیں، مجھے رُلانے کا شوق ہے؟"

"تھوڑا سا رونا اچھا بھی ہوتا ہے، آنکھیں دُھل جاتی ہیں۔"

"مجھے حیرت ہے تم اور میں کتنے برسوں سے یہاں رہ رہے تھے پھر بھی کتنے عرصے بعد ملے۔" زینی ٹوٹے ہوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گئی۔

"اور مجھے بھی حیرت ہے میرے سب کلاس فیلو تمہارے اسکول کی تقریباً تمام لڑکیوں کو جانتے ہیں۔"

"میرے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔" وہ ہنسی۔ "لیکن ہماری مس جارج بہت سخت تھیں۔ ہم نہیں وہ سب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں جو ہمارے ساتھ کی لڑکیاں کر رہی تھیں۔"

"اور میری دلچسپی کا محور صرف فوٹوگرافی تھا۔ پتا نہیں وہ لمحہ کیسا تھا کہ تمہیں دیکھ کر پھنس گیا۔"

زینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "اور تم نے دیدی سے بھی جھوٹ بولا تھا کہ تمہارے پاس تصویر کا اور کوئی پرنٹ نہیں ہے۔"

"یہ بات میں نے نہیں کہی تھی، پوچھ لو بے شک ان سے، میں نے تو جواب صاف گول کر دیا تھا۔" وہ بھی ہنس پڑا۔

لیکن اس دن پڑھنے کے دوران بھی وہ ہمیشہ کی طرح بات بات پر ہنس نہیں رہی تھی' سیر کو نکلے تب بھی وہ چپ چپ تھی۔

''کیا ہوا آج بہت خاموش ہو۔ گڑیا سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟'' سبط نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ بولی۔ ''ایک مسئلہ ہے بس وہی بعض اوقات پریشان کرنے لگتا ہے۔''

''مجھے بتاؤ' میں کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گا۔''

''چلو چل کر بیٹھتے ہیں۔'' زینی نے کہا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اس تنے پر جا کر بیٹھ گئے۔

''میرے بابا جان کا فون آیا تھا۔ وہ اور میری اماں جان شاید کل تک یہاں آئیں۔''

''ہوں۔'' سبط نے پُر خیال انداز میں کہا۔ یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ زینی نے اس موضوع پر خود کوئی بات کی تھی۔

''اور تم چاہتی ہو کہ جب تک وہ یہاں ہیں' میں تمہاری طرف نہ آؤں۔''

''ڈونٹ بی ریڈی کیولس...... نہ وہ اتنے تنگ نظر ہیں اور نہ ہی میں ان سے کچھ چھپانا چاہتی ہوں بلکہ میں تو چاہتی ہوں کہ تمہیں ان سے ملواؤں وہ یقیناً بہت خوش ہوں گے بلکہ مجھے یقین ہے کہ ڈرائینگ روم میں میری تصویر لگی دیکھ کر یہ ضرور پوچھیں گے کہ یہ میں نے کب اور کس سے کھنچوائی ہے۔''

''پھر؟''

''بات یہ ہے سبط کہ میرے بابا جان نے باقی سارے خاندان سے ناتا توڑ لیا ہے یا شاید یہ کہنا بہتر ہو کہ باقی سب خاندان نے ہم سے ناتا توڑ لیا ہے۔ میں نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ ایسا کیوں ہوا ہے لیکن بہر حال ایسا ہوا ہے تو اچھا ہی ہوا ہے۔

ہمارا سارا خاندان بہت تنگ نظر ہے۔ پتا نہیں صدیوں پرانی کون کون سی روایتوں کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں سب۔ میں اور گڑیا تو برسوں سے ادھر ہی ہیں۔ بس بابا اور اماں جان آتے رہتے ہیں ہم سے ملنے۔ گڑیا تو پھر بھی خاندان کے بکھیڑوں کے متعلق بہت کچھ جانتی ہے لیکن مجھے ان مسئلوں سے دلچسپی ہی نہیں ہے۔ الجھن سی ہوتی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے کبھی کچھ کریدنے کی کوشش نہیں کی لیکن کچھ نہ کچھ کان میں پڑتا ہی رہتا ہے۔

بابا جان نے ہمیں یہاں اس لیے بھجوایا ہوا ہے کہ ہمارے خاندان میں دشمنیاں چل رہی ہیں۔ ان کی سختی سے تاکید ہے کہ یہاں میں ہم کسی کو نہ بتائیں تاکہ دشمن ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے گرد گاؤں کا کوئی ایک فرد بھی نہیں رکھا۔ ملازمین تک نہیں کہ کہیں ہم پہچان نہ لیے جائیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ دشمنیوں کی یہ آگ ہم تک بھی پہنچ جائے۔

میں ہنستی رہتی ہوں سبط۔ میں نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ میرا دل کتنا دُکھتا ہے جب میں یہ

سوچتی ہوں کہ ایک بے مقصد دشمنی کے پیچھے ہم اپنے ماں باپ سے الگ ہیں۔ بھائی برسوں بعد پاکستان آئے ہیں اور ہم بہنیں یہاں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہم اپنے گھر تک نہیں جا سکتے۔ اپنی زمین پر قدم نہیں رکھ سکتے۔ کچھ بچپن کے دھندلے خاکے ہیں۔ اپنی حویلی کے اور بس۔''

چند لمحے کے توقف کے بعد وہ پھر بولی۔ ''تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہم بہن بھائیوں نے زندگی میں کتنا کچھ مس کیا ہے۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے ہم ان کی محبت سے محروم رہے ہیں۔ وہ چند دنوں کے لیے یہاں آتے ہیں اور بہت پیار کرتے ہیں ہم سے لیکن چند دنوں کا پیار برسوں کے غبار کو کیسے ختم کر سکتا ہے۔ وہ نہیں ہوتے تو ہم کسی نہ کسی طرح دن گزار لیتے ہیں۔ مگر جب وہ یہاں آ کر' چند دن رہنے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں تو ہر چیز سے دل اُچاٹ ہو جاتا ہے۔''

زینی بات کر رہی تھی اور سبط کے دل میں کانٹے چُبھ رہے تھے۔ زینی نے کوئی واضح بات نہیں کی تھی لیکن نہ جانے کیوں اس کے دل میں حیدر بابا اور ان کے گھرانے کا خیال بار بار سر اٹھا رہا تھا۔ زینب زہرا۔ یہ نام بار بار اس کے دماغ پر ہتھوڑے برسانے لگے تھے۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتا تھا۔ اس کے بابا جان اور باقی گھر والوں کے متعلق مگر اس میں ہمت نہیں تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے اندیشے ٹھیک نکلیں۔

پھر زینی کی اماں اور بابا جان آئے۔ اس نے سبط کو فون بھی کیا۔

''میں تمہیں ان سے ملوانا چاہتی ہوں۔''

''تم نے میرا ذکر ان سے کر دیا!'' سبط نے پوچھا۔

''ابھی نہیں۔ انہوں نے تصویر کے متعلق پوچھا تھا۔ میں نے کہا کہ جس نے تصویر کھینچی ہے اسے آپ سے ملوا دوں گی۔ بتاؤ کب آ رہے ہو؟''

''ایسا ہے زینی کہ آج کل ٹیسٹ ہو رہے ہیں' میں بزی ہوں۔''

''اب سے پہلے بھی تو ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ اتنے بزی تو تم کبھی نہیں ہوئے کہ مجھ سے ملنے بھی نہ آ سکو اور پھر میری پڑھائی کا کیا ہوگا۔ میں تو تمہارے بغیر پڑھنے کی عادی ہی نہیں رہی۔''

''گڑیا ہے ناں' اس سے سمجھ لو جو کچھ سمجھنا ہو۔''

''گڑیا سے؟ ہرگز نہیں۔ وہ بہت ڈانٹتی ہے پڑھاتے ہوئے۔ اور پھر وہ گڑیا ہے تم تو نہیں ہو۔''

''چند دن کی تو بات ہے۔''

زینی کے تمام تر اصرار کے باوجود بھی وہ تب تک وہاں نہیں گیا جب تک اس کے بابا اور اماں جان واپس نہیں چلے گئے۔

اور پھر یہ معمول ہو گیا۔ وہ جب بھی آتے سبط کوئی نہ کوئی بہانہ بنا لیتا۔ زینی کا بھائی بھی آیا

تھا لیکن وہ اس سے ملنے بھی نہیں گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی زینی اس سے بچھڑ جائے۔ اس کی محبت میں ہلکی سی بھی دراڑ آئے۔

زینی کے گھر والے چلے جاتے تھے تو وہ کتنے دن تک اُداس رہتی تھی۔ گڑیا تو خود کو کتابوں میں گم کر لیتی تھی لیکن زینی ان کے چلے جانے کا بہت اثر لیتی تھی۔ ایسے میں سبط اس کی دلجوئی میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتا تھا۔ پھر گڑیا کے فائنل امتحان ہو گئے۔

''گڑیا گاؤں جا رہی ہے۔'' ایک دن زینی نے اسے پُر جوش انداز میں بتایا۔

''کب؟'' سبط نے پوچھا

''کل جا رہی ہے۔''

اس نے زینی کا پُر جوش چہرہ دیکھا اور خاموش ہو گیا۔ اگر وہ حیدر بابا کی بیٹی تھی تو اس کے گاؤں جانے کے بعد جلد یا بدیر اسے علم ہو جانا تھا کہ سبط حسن' پیر صاحب کا بیٹا تھا۔ یہاں زینی اور گڑیا بے خبر تھیں لیکن وہاں تو ہر کوئی ان رشتوں کو جانتا تھا۔ جو دونوں گھرانوں میں موجود تھے۔ وہ حیدر بابا کو اور حیدر بابا اسے پہچانتے تھے۔ ان کے گاؤں یا حویلیوں میں فاصلہ ہی کتنا تھا اور پھر دونوں گاؤں کے لوگ آپس میں رشتہ داریاں اور قرابت داریاں رکھتے تھے۔ لوگوں کا آنا جانا دونوں طرف لگا ہی رہتا تھا۔ وہاں رہتے ہوئے گڑیا کے لیے سبط کی حقیقت جان لینا کوئی حیران کن بات نہ تھی۔

''تم چپ چپ سے ہو' کیا بات ہے؟'' زینی نے تشویش سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہے' تھوڑی دیر پہلے تک تو ٹھیک تھے۔''

''میں سوچ رہا تھا کہ تم یہاں اکیلی ہو جاؤ گی۔''

''تم ہو گے ناں ساتھ' میں اکیلی کب ہوں گی۔'' وہ ہنسی۔ ''اور یہ بھی تو سوچو ناں کہ گڑیا گاؤں چلی گئی تو بابا جان شاید مجھے بھی چھٹیاں گزارنے کے لیے وہاں بلوا لیں۔''

لیکن گڑیا کے جانے کے بعد وہ واقعی بہت اُداس ہو گئی تھی۔ گھر میں وہ اور دیدی تھے۔ سبط کے لیے جو کچھ ممکن تھا' اس نے زینی کو خوش رکھنے کے لیے کیا۔ اسے پڑھائی میں مصروف کرتا۔ سیر کرتے ہوئے راستہ بھر اسے کالج کے دلچسپ قصے اور لطیفے سنا کر ہنساتا رہتا۔

نہ جانے کیسے اس کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا تھا کہ اس کی زینی اس سے چھن جائے گی اور یہ بات وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اور پھر ایک دن جب وہ اس کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا' اسے حیدر بابا کی نسان پٹرول نظر آئی۔ وہ ان کی سب گاڑیوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ہی کیا ان کی حویلی کے سب مرد جانتے تھے۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ ایک درخت کے تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ ان کی

جیپ کو دیکھنے لگا۔ جو زینی کی ہٹ کی طرف ہی بڑھ رہی تھی۔

جیپ ہٹ کے گیٹ پر پہنچی۔ پٹھان چوکیدار نے ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا اور جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ جیپ ڈرائیو وے میں جا کر رک گئی۔ دو گن مینوں کے ساتھ حیدر بابا اور چچی اماں باہر نکلے۔ ان کے ہاتھ میں زینی کے لیے بہت سے تحفے تھے۔ اتنے میں ہٹ کا دروازہ کھلا اور زینی بھاگتے ہوئے آ کر ان سے لپٹ گئی۔

سبط پہاڑ سے نیچے اترنے لگا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ رہا ہو۔

اپنے ہٹ میں آ کر وہ کمرے میں بند ہو گیا۔ ملازم سے اس نے کہہ دیا تھا کہ اس کا فون آئے تو کہہ دیا جائے کہ وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے۔

زینی کے بے شمار فون آئے تھے۔ وہ ایکسٹینشن پر اس کی آواز سنتا رہا۔

''وہ آئیں تو ان سے کہنا کہ مجھے فون کریں فوراً۔'' وہ کہتی رہی۔

لیکن جب بہت دیر گزرنے کے بعد بھی سبط نے فون نہ کیا تو وہ بے چین ہو گئی۔ کب گئے تھے اسلام آباد کب واپس آئیں گے قسم کے سوالوں کے تسلی بخش جواب نہ ملنے پر اسے ملازم پر غصہ آ گیا۔

''تم ہوتے کہاں ہو۔ اتنا بھی نہیں پتا کہ وہ کب آئیں گے۔ مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے۔ ان کا اسلام آباد کا نمبر ہے تمہارے پاس؟''

اور نفی میں جواب سن کر اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

سبط نے اپنے سرہانے کی دیوار پر لگی اس کی بڑی سی تصویر پر نگاہیں جما دیں۔ اسے معلوم تھا کہ زینی نے اس سے کیا ضروری بات کرنی تھی۔ وہ اپنے بابا جان کی آمد کے متعلق بتائے بغیر اسے ان سے ملوانا چاہتی تھی۔

مگر وہ ملنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی اس کے ذہن پر بہت بوجھ تھا۔ جب بات صرف اندیشوں تک تھی تب مسئلہ دوسرا تھا۔ وہ خود کو تسلی دیتا رہا تھا کہ جو کچھ وہ سوچ رہا تھا' وہ سب غلط تھا۔ مگر اب اندیشہ حقیقت بن گیا تھا تو بات مختلف ہو گئی تھی۔

بچپن کی منگنی وغیرہ پر وہ یقین نہیں رکھتا تھا لیکن اس کے گھر والے تو رکھتے تھے ناں۔ وہ کسی اور لڑکی کا ہاتھ تھامنے کے بعد اس سے زیادہ جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کر سکتا تھا جتنا حیدر بابا نے کیا تھا لیکن اپنے بھائی کی منگیتر کا ہاتھ تھام کر سب کے سامنے ڈٹ جانا اتنا مشکل نہیں تھا۔ جتنا تکلیف دہ تھا اور پھر حیدر بابا کب ماننے والے تھے۔

یہاں تو سارا معاملہ ہی اُلٹ ہو گیا تھا۔ وہ جس پہلو سے سوچتا تھا وہی الجھا ہوا تھا۔ خدا جانے زینی کو اس کی حقیقت کا علم ہو تو اس کا کیا ردِ عمل ہو۔

دو دن تک وہ گھر پر رہا۔ ملازم سے کہہ دیا کہ فون پر زینی کو اس کے اچانک گاؤں چلے جانے کی اطلاع دے دے۔ دو دن بعد نہ جانے کیا سوچ کر وہ گاؤں چلا آیا تھا اور اس کے آنے کے ہفتہ بھر بعد ہی یہ سانحہ رونما ہو گیا تھا۔ اس کے بھائیوں نے کب منصوبہ بندی کی اور کب اس پر عمل کے ارادے سے نکلے۔ اس کا اسے کچھ علم نہیں تھا۔ جب سے وہ یہاں آیا تھا اپنے آپ میں گم تھا یا پھر ریشماں کے پاس بیٹھ کر باتیں کیا کرتا تھا۔

اور اب اس سانحے کے بعد' خاندانی روایات کے مطابق زینی کو بقیہ زندگی بیوہ کی طرح گزارنی تھی۔ وہ زینی جو اب تک دلہن بھی نہیں بنی تھی۔

☆======☆======☆

اماں اور ابا جی کے اصرار کے باوجود بھی ماہ بانو نے جمعے کے روز آرام نہیں کیا۔ بخار اتر چکا تھا اور طبیعت میں بوجھل پن بھی نہیں رہا تھا۔ کالج کا کچھ کام کر کے وہ حسبِ معمول ابا جی کے پاس آ بیٹھی اور ان کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''میں آپ سے کچھ ڈسکس کرنا چاہتی ہوں ہوں ابا جی۔'' اس نے مٹی گوندھتے ہوئے کہا۔

''ضرور۔''

''میری سہیلی ہے ناں اُما۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''آپ کو پتا ہے وہ سکھر سے آئی ہے۔ روز روز اس کے لیے وہاں جانا اور واپس آنا ممکن نہیں ہے۔ خیر یہ ممکن ہو بھی سکتا ہے لیکن وہ اس لیے گھر کم جاتی ہے کہ اس کے جاتے ہی نئے سرے سے یہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ اسے یہاں نہیں پڑھنا چاہیے۔ بہر حال یہ تو الگ بات ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ جب اس کی روم میٹ نیہاں اسلام آباد چلی جاتی ہے تو وہ بالکل اکیلی ہو جاتی ہے۔''

''پھر؟''

''ایسے میں اسے توقع ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی' میں اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دوں گی لیکن میں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔''

''وہ کیوں؟ اسے بلا لو یہاں۔''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔'' اس نے کہا۔ ''ایک تو یہ کہ اماں جان کو اس کا یہاں آنا اچھا نہیں لگے گا۔ اماں تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا بھی نہیں کھلائیں گی۔ آپ کو پتا ہے ناں' وہ مجھے بھی منع کرتی ہیں۔''

''تمہاری اماں والا فرنٹ تو میں بھی سنبھال سکتا ہوں۔''

''لیکن اور مسئلہ بھی تو ہے۔''

''وہ کیا؟'' ابا جی نے پوچھا۔

URDU PHOTO

''وہ یہ کہ اسے یہ علم نہیں ہے کہ میں یہاں' اس دو کمرے کے چھوٹے سے مکان میں رہتی ہوں۔'' اس نے تامل کرتے ہوئے بتایا۔ ''اس کے ڈیڈی بہت بڑے بزنس مین ہیں۔ ان کا گھر نہیں پورا محل ہے۔ اسے یہاں رہنے میں تکلیف ہوگی۔''

ابا جی ہنس پڑے۔ ''یہ کیسی دوستی ہے۔ تمہاری سہیلی کو پتا ہی نہیں کہ تم چھوٹے سے گھر میں رہتی ہو۔ گھر تو وہی اچھا ہوتا ہے جہاں سکون ہو۔ بڑا چھوٹا ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اگر وہ تمہاری بہت اچھی سہیلی ہے تو اسے اس چھوٹے گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ دوستی کا رشتہ اتنا کچا نہیں ہوتا کہ چھوٹا گھر دیکھ کر ٹوٹ جائے۔ اور جو دوستیاں اس بات سے ٹوٹتی ہیں' ان کا ٹوٹ جانا ہی دراصل بہتر ہوتا ہے۔''

''اُما کی عادت ہے کہ وہ کسی بات کو کریدتی نہیں ہے۔ میں نے اسے اپنے گھر کے متعلق نہیں بتایا اور اس نے کبھی کریدا بھی نہیں۔''

''اب جب اُما کی روم میٹ اسلام آباد چلی جائے تو تم اسے اپنے ساتھ لے آنا۔'' ابا جی نے کہا۔

''یہی تو میں نے آپ کو بتانا ہے کہ وہ اسلام آباد چلی گئی ہے اور اب اُما خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوگی۔''

''یعنی تم ابھی اسے گھر لانا چاہتی ہو۔''

ماہ بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میرا جانا تو بہت مشکل ہوگا ابھی کام کافی کرنا ہے۔ تم جا کر اسے لے آؤ۔'' ابا جی نے کہا۔

''لیکن اماں جان؟''

''انہیں میں سمجھا دوں گا۔''

''تھینک یو ابا جان!'' وہ خوش ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں کپڑے تبدیل کر لوں۔ اتنے میں آپ اماں جان کو منا لیں۔''

جب وہ تیار ہو کر کمرے سے نکلی تو اماں جان کہہ رہی تھیں۔

''مگر ہندوؤں کے ساتھ کھانا شرعاً جائز نہیں ہے۔''

''تمہیں پتا ہے اسلام اتنی تیزی سے کیوں پھیلا تھا؟ اس لیے کہ مسلمان دشمنوں سے بھی اخلاق سے پیش آتے تھے۔ ملک اور علاقے بے شک تلواروں اور بندوق کی گولیوں سے فتح ہو سکتے ہیں لیکن دل صرف اچھے اخلاق اور حسن سلوک سے ہی جیتے جا سکتے ہیں۔'' ابا جان نے کہا۔

ان دونوں کو بحث کرتے چھوڑ کر وہ باہر نکل آئی۔ اس وقت وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ احساسِ کمتری کی بھاری گٹھڑی اس نے اپنے سر سے اتار پھینکی تھی۔

☆======☆======☆

ہوسٹل کی بہت سی لڑکیاں ویک اینڈ پر اپنے اپنے گھر گئی ہوئی تھیں۔ اُما اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ نادیہ اور حرا کے ساتھ ان کے کمرے میں بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

''ارے بانو تم؟'' ماہ بانو کو غیر متوقع طور پر وہاں دیکھ کر وہ ایک دم خوش ہوگئی۔

''چلو میں تمہیں لینے آئی ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کہاں؟ اپنے گھر؟''

''تو اور کہاں۔''

''تھوڑی دیر انتظار کرو میں ابھی آئی۔'' وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

ماہ بانو نادیہ اور حرا کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئی۔ تھوڑی ہی دیر میں اُما تیار ہو کر آ گئی۔

''چلو میں تیار ہوں۔''

ویگن اسٹاپ کی طرف بڑھتے ہوئے ماہ بانو اس سے مخاطب ہوئی۔

''آگے تنگ گلیاں آئیں گی وہاں ہمیں پیدل ہی جانا ہوگا۔ چل لوگی اتنا؟''

''تم نے مجھے اتنا نازک مزاج کیسے سمجھ لیا۔ میل دو میل تو میں آرام سے چل سکتی ہوں۔''

راستہ بھر وہ دونوں باتیں کرتی آئیں۔ ماہ بانو بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

شاید ابھی اُما کے ماتھے پر ناگواری یا حیرت کے بل پڑیں۔

لیکن اس کے چھوٹے سے گھر میں داخل ہونے کے بعد بھی اُما کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اماں جان نے بہت شفقت کے ساتھ اس سے بات چیت کی لیکن اس کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ ماہ بانو نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس وقت اتنا بھی بہت تھا کہ انہوں نے اپنی ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔

''میں نے تمہیں بتایا نہیں تھا کہ میرے ابا جی کمہار ہیں۔ جمعہ کو میں کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔''

''رئیلی۔'' وہ خوش ہوگئی۔ ''میں نے کبھی مٹی کے برتن بنتے نہیں دیکھے۔ کالج میں بھی کبھی سرامک اسٹوڈیو جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

''چلو پھر ابا جی کے پاس چلتے ہیں۔''

وہ مکان کے اس حصے میں آ گئے جہاں ابا جی کام کیا کرتے تھے۔

''یہ تو مشکل کام ہے تم بھی کر لیتی ہو بانو؟'' اُما نے پوچھا۔ وہ وہیں ان دونوں کے

قریب پیڑھی پر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ کام تو میرے خون میں رچا بسا ہوا ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''میں تو سارا ہفتہ اس ایک دن کا انتظار کرتی ہوں۔ تم اندازہ کر سکتی ہو ناں کہ مٹی کو اپنے ہاتھ پر محسوس کرنا کتنا خوشگوار عمل ہوتا ہے۔ اور جب ان ہاتھوں میں یہ صلاحیت بھی ہو کر وہ مٹی کے ایک عام سے پیڑے کو اپنی مرضی کے زاویوں پر موڑ سکیں' اسے شکل عطا کر سکیں۔ اس احساس میں بہت طمانیت ہوتی ہے کہ ہم کچھ بنا رہے ہیں۔''

''تم بھی تو کچھ بناؤ۔'' اُما نے کہا۔

ماہ بانو ابا جی کی جگہ آ گئی۔ وہ تینوں باتیں بھی کرتے رہے اور کام بھی۔

اماں نے دوپہر کا کھانا بہت اچھا پکایا تھا۔ مہمان کا خیال کر کے اہتمام بھی کیا تھا۔ اُما کے لیے دال اور ساگ بھی تھا لیکن چونکہ اماں کے نزدیک کوئی بھی دعوت مرغ اور بریانی وغیرہ کے بغیر ادھوری ہوا کرتی تھی اس لیے یہ سب بھی دسترخوان پر موجود تھا۔

''ارے اماں جی آپ کو کس نے بتایا کہ مجھے بریانی پسند ہے۔ خوشبو سونگھ کر ہی میرے منہ میں پانی آ گیا ہے۔'' اُما نے کھانے کے لیے بیٹھتے ہوئے کہا۔

اماں کو حیرانی ہوئی۔ ''تم گوشت کھا لیتی ہو؟ میں نے خاص طور پر تمہارے لیے دال اور ساگ پکائے ہیں۔''

ماہ بانو اور اُما بیک وقت ہنس پڑیں۔

''اسے گوشت اتنا پسند ہے کہ ہاتھی بھی کھا سکتی ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ویسے آج تک کبھی ہاتھی کھانے کی نوبت نہیں آئی۔'' اُما ہنسی۔ ''ویسے بریانی تو مجھے بہت پسند ہے اور اماں جی آپ مائنڈ نہ کریں تو کہوں کہ یہ ساگ وغیرہ میں نہیں کھاتی۔ لگتا ہے گھاس پکا کر رکھ دی ہو۔''

اُما کے گوشت کھانے کے بعد اماں جان کے اس سے سفارتی تعلقات خود ہی اچھے ہو گئے۔

کھانے کے بعد وہ دونوں ماہ بانو کے کمرے میں چلی آئیں۔

''تمہارا کمرا کتنا اچھا ہے۔'' اُما نے چاروں طرف گھوم کر جائزہ لیا۔

''چھوٹا سا ہے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ اس اکلوتی چارپائی پر کس کا قبضہ ہوگا۔'' ماہ بانو نے خوش دلی سے کہا۔

''میرا ہوگا اور کس کا ہوگا'' اُما ہنستے ہوئے جلدی سے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ ماہ بانو بھی ٹانگیں اوپر کر کے اس کے برابر بیٹھ گئی۔

''سچ سچ بتانا اُما تم بور تو نہیں ہوئیں؟''

''سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنے گھر سے باہر پہلی مرتبہ اتنا اچھا وقت گزارا ہے۔''

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟''

''کس بات پر؟'' اُما نے پوچھا۔

''یہی کہ میرا گھر اتنا چھوٹا سا ہے اور میں کسی بہت امیر کبیر خاندان سے تعلق نہیں رکھتی۔''

''اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔'' اُما بولی۔ ''اور پھر میری دوستی تمہارے گھر سے تو نہیں تم سے ہے۔ ویسے ایک حد تک میں جانتی تھی کہ تم کسی بہت دولت مند خاندان سے تعلق نہیں رکھتیں۔''

''وہ کیسے؟''

''وہ ایسے کہ میں تمہاری دوست ہوں۔ تمہیں سمجھتی ہوں۔ تم نے کبھی بتایا نہیں اور میں نے کبھی پوچھا نہیں لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں تمہیں سمجھ بھی نہیں سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ میں اس بارے میں تم سے کچھ پوچھتی تو تم مجھے بتا دیتیں لیکن میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے پتا تھا کہ ایک دن تم خود ہی مجھے بتا دو گی۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ تم کب مجھ پر اعتماد کرنا شروع کرو گی۔''

''اُما مجھے تم سے اچھی دوست کبھی نہیں مل سکے گی۔'' ماہ بانو نے تشکر سے اس کی طرف دیکھا۔

''اچھا چھوڑو اس بات کو کوئی اور بات کرو۔''

''ارے یاد آیا۔ میں تم سے نیہاں کے متعلق بات کرنے کے لیے بے چین تھی۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کیا بات؟''

'میں نے اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ کس کے متعلق اتنی سیریس ہو رہی ہے۔''

''رئیلی؟ کس کے متعلق؟'' اُما نے دلچسپی سے پوچھا۔ ''قسم سے بہت گھنی ہے۔ میری روم میٹ ہونے کے باوجود اس نے مجھے بھنک بھی نہیں پڑنے دی۔''

''ابھی کل ہی کی بات ہے کہ میں نے نوٹ کیا ہے۔ یاد ہے وہ اپنی اور تمہاری چیزیں رکھنے بس میں گئی تھی اور پھر ہمارے پاس آ بیٹھی تھی۔''

''ہاں۔''

''اور اس وقت اس کی تمام تر توجہ کس پر تھی؟''

''میں تو اس وقت اتنی تھکی ہوئی اور بیزار تھی کہ اس کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں تھی۔''

''جیمز پر۔'' ماہ بانو نے گویا انکشاف کیا۔

''ہائے جیمز پر؟ کتنا اچھا کپل بنے گا۔'' اُما نے جوش سے کہا۔ ''لیکن بانو کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ تمہارا وہم نہیں تھا' میرا مطلب ہے کہ متوجہ ہونے کا مطلب تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

''نوے فیصد یقین ہے۔ میں کم ہی کسی کو غلط ریڈ کرتی ہوں۔''

''آنے دو نیہاں کو اس پر دونوں طرف سے اٹیک کریں گے۔''

''بڑی تیز ہے وہ' جواباً تم پر بھی فوراً اٹیک کرے گی۔''

اُما ہنس پڑی۔ پھر چادر کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

''اچھا ہوتا اگر ایڈی ہندو ہوتا' یا پھر میں ہی مسلمان ہوتی۔''

''تم اس کے لیے سیریس ہو رہی ہو؟''

''ارے نہیں۔ یونہی ایک سوچ سی تھی۔'' اُما نے جلدی سے کہا۔

''یہ یقین دہانی تم مجھے کروا رہی ہو یا خود کو؟'' ماہ بانو نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''پاگل ہوئی ہو؟ میں نے یونہی بات کہہ دی تھی۔''

''میری مانو اُما! تو ایک مرتبہ اپنے اندر ضرور جھانکو' یہ مشکل کام ضرور ہے لیکن زندگی میں ایک آدھ مرتبہ کرنا چاہیے ورنہ انسان زندگی کے کسی لمحے' کسی موڑ پر پچھتاتا ضرور ہے۔ اور انسان کو پچھتانا نہیں چاہیے۔''

اُما نے کمرے کی دیوار پر آویزاں سوزین کی The Repente کے Replica پر نگاہیں جما دیں۔

''تمہارا کیا خیال ہے' میں نے اپنے اندر کبھی نہیں جھانکا۔ میرا سودا نقصان کا ہی ہے۔ اب تو صرف یہ دیکھ رہی ہوں کہ کہاں کم نقصان ہے' پچھتاوا کہاں کم ہو گا اور بانو'' اُما نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ ''کیا ایسی لڑکیاں نہیں ہوتیں جو محبت کسی سے کرتی ہیں اور شادی کسی سے' پھر بھی خوش اور مطمئن رہتی ہیں۔''

ماہ بانو نے گہرا سانس لیا۔ اس کے ذہن میں زرینہ خالہ اور حیدر علی شاہ کے خاکے اُبھر آئے۔

''اُما مجھے یقین ہے کہ ہم ان لڑکیوں میں سے نہیں ہیں۔ جو یہ کر سکیں۔''

''سب بکواس ہے۔ یہ سسٹم' یہ سیٹ اپ' محبت' سب کچھ۔'' اُما نے آہستہ سے کہا۔

''اکیسویں صدی کمپیوٹر کا زمانہ Space Shuttle؟'' ماہ بانو ہنسی۔ ''اور اس سب کے بیچ میں محبت' وہی روایتی پرانا کھیل' انہی پرانے اصولوں اور قوانین کے ساتھ۔ ذرہ بھر بھی یہ قانون اور اصول ٹوٹیں تو ریفری فاؤل کی سیٹی بجا دیتا ہے اور بعض اوقات ریڈ کارڈ دکھا کر کھیل سے آؤٹ کر دیتا ہے۔''

''ہم انسان کیا جھک مار رہے ہیں یہاں زمین پر۔ یا تو یہاں رہنے کے قانون مختلف

ہونے چاہیے تھے یا پھر انسانی دماغ کی ساخت مختلف ہونی چاہیے تھی۔ اب تم اپنی زرینہ خالہ کو دیکھ لو‘ محبت کی تو کیا ملا انہیں؟ اور کیا مل جائے گا مجھے‘ اگر میں نے محبت کی؟ ایسا شعور نہیں ہونا چاہیے انسان کے پاس جو اسے صرف اور صرف دُکھ دے۔ یہ جنت جہنم‘ سورگ اور نرک کیا ہیں؟ ہمارے لیے تو یہ دنیا بھی جہنم ہے۔ جو اصول‘ جو قانون توڑیں گے‘ اس کو اس زندگی میں بھی سزا بھگتنی ہوگی اور اس زندگی کے بعد بھی۔“

”کہتے ہیں محبت نہ کرنے سے محبت کرنا اور ناکام ہونا بہتر ہے۔“ اُما ہنس پڑی۔

”تم مجھے دنیا اور دنیا کے بعد یقینی جہنم میں دھکیلنا چاہتی ہو بانو تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ ہم ان لڑکیوں میں سے نہیں ہیں کہ محبت کسی سے کریں اور شادی کسی اور سے اگر ایسا نہ ہوتا تو یقین کرو میں اس فلرٹ پر تیار ہو چکی ہوتی۔“

کمرے کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی۔

”آجائیں۔“ ماہ بانو نے کہا۔

اماں بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

”کیا ہوا اماں خیر تو ہے؟“ ماہ بانو ان کے ہوائیاں اُڑے چہرے کی طرف دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

”غضب ہوگیا بانو۔“ وہ اس کی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

☆======☆======☆

وہ فوراً ہی گاؤں کے لیے نکل گئے تھے۔ اُما بھی ان کے ساتھ تھی۔ دوپہر کو کام سے فارغ ہو کر ابا جی نے اخبار کھولا تو ان کی نظر گاؤں میں ہونے والے حادثے کی خبر پر پڑی۔ فون کر کے پتا کیا گیا تو اطلاع درست تھی۔ ماہ بانو اور اُما نے قریبی پی سی او سے ایڈی کو فون کیا۔ ساری رات کام کرنے کے بعد وہ سارا دن سونے کی نیت سے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ عبداللہ کے زخمی ہونے کا سن کر وہ بھی دوسرے کلاس فیلوز کے ساتھ اس کے گاؤں روانہ ہوگیا۔

☆======☆======☆

حیدر بابا اسی وقت پولیس کو فارغ کر کے آئے تھے۔ پولیس بھی وہاں محض رسمی کارروائی کی خاطر آئی تھی۔ دونوں فریقین اپنے معاملات اپنے طور پر حل کرنا چاہتے تھے۔ دونوں ہی اثر رسوخ والے لوگ تھے تو پولیس کو کیا پڑی تھی درمیان میں آنے کی۔

حیدر بابا اس لڑائی کو طول نہیں دینا چاہتے تھے۔ انہوں نے بیان دیا تھا کہ شہر جاتے ہوئے راستے میں ان کے بیٹے پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کی تھی۔ دفاعی طور پر انہوں نے بھی جوابی فائرنگ کی۔ اس دوران ان کا بیٹا معمولی اور دشمن شدید زخمی ہوگیا۔ انہیں یہ علم نہیں کہ ان کے بیٹے پر فائرنگ کرنے والے کون تھے۔

جب کہ دوسری طرف پیر صاحب نے کہا تھا کہ ان کے بیٹوں کو اتفاقیہ گولیاں لگ گئی تھیں۔

بات جہاں تھی‘ وہیں دفن ہوگئی تھی۔

جمعہ کو امداد علی کے قل تھے۔ حیدر بابا اور فوزیہ بیگم پیر صاحب کی حویلی جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔

”بھائی!“ زہرا نے عبداللہ کے کمرے میں جھانکا۔

”ہوں‘ آجاؤ۔“ وہ سگریٹ بجھا کر بستر پر اٹھ بیٹھا۔

”یہ اماں اور بابا جان کو سمجھائیں ناں بہت گڑبڑ کر رہے ہیں۔“ وہ اندر آگئی۔

”کیا گڑبڑ کر رہے ہیں؟“ وہ کچھ نہ سمجھا۔

”بڑی حویلی جا رہے ہیں تعزیت کے لیے۔“

”مجھ سے تو کوئی بات نہیں کی انہوں نے اس سلسلے میں۔“

”پتا نہیں کیوں نہیں کی۔ کل بھی وہ یہ پروگرام بنا رہے تھے۔ میں نے منع کرنا چاہا تو اماں جان نے ڈانٹ دیا۔ اب پھر میں کوئی بات کروں گی تو ڈانٹ پڑ جائے گی۔ آپ انہیں منع کریں‘ آپ کو کچھ نہیں کہیں گی۔“

”اچھا میں دیکھتا ہوں۔“ وہ پلنگ سے اتر آیا۔ اماں جان چادر اٹھا کر باہر نکل رہی تھیں جب وہ ان کے پاس آیا۔

”کہاں کی تیاری ہے اماں جان؟“ اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔

”تمہارے بڑے بابا جان کی حویلی جا رہے ہیں تعزیت کے لیے۔“

بابا جان بھی اپنی خواب گاہ سے نکل آئے۔

”اس کی کیا ضرورت ہے؟“

”ضرورت ہے ناں بیٹا‘ تم نہیں سمجھو گے۔“ اماں جان نے پیار سے کہا۔

”آپ سمجھائیں گی تو سمجھ جاؤں گا؟“

”تم پھر بھی نہیں سمجھو گے۔“ بابا جان نے کہا۔ ”کیونکہ جس عمر میں تم ہو اس میں سوچنے کا انداز وہ نہیں ہوتا‘ جو میری عمر تک پہنچ جانے والے کسی بھی شخص کا ہوا کرتا ہے۔“

وہ چند ثانیے خاموش رہا پھر بولا۔

”آل رائٹ! میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ وہاں جانے سے آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔“

بابا جان کے چہرے پر پُرشفقت مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مطمئن رہو ایسا نہیں ہوگا۔“

''آپ اتنے پُر یقین کیوں ہیں اس بارے میں؟'' عبداللہ نے کہا۔

''وہ حویلی میرے لیے نئی نہیں ہے' نہ وہاں رہنے والوں کے رویے اور خیالات میرے لیے نئے ہیں۔ تم فکر مت کرو۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ مائنڈ نہ کریں' لیکن بابا جان! آپ کی باتوں نے مجھے مطمئن نہیں کیا۔ آپ جانا چاہتے ہیں' ضرور جائیں' لیکن ایسی صورت میں' مَیں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔''

''نہیں' تم یہیں رہو گے عبداللہ!'' اماں جان نے تیزی سے کہا۔

''تمہیں ساتھ نہ لے جانے میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ میں یہ آگ مزید نہیں پھیلانا چاہتا' بلکہ اسے بجھانا چاہتا ہوں۔ ابھی میرے سامنے تمہارا مستقبل ہے۔ تمہاری بہنوں کا مستقبل ہے اور مجھے تم لوگوں کے مستقبل کو محفوظ بنانا ہے۔

بڑی حویلی کی روایت ہے کہ گھر آئے مہمانوں کو پوری عزت دی جاتی ہے' چاہے آنے والا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ میں اور تمہاری اماں جائیں گے تو کچھ نہیں ہوگا لیکن تم بھی ہمارے ساتھ ہوگے تو وہ لوگ خواہ مخواہ آزمائش میں پڑ جائیں گے اور کسی کو آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ہر کوئی اس میں پورا نہیں اتر سکتا۔'' بابا جان نے کہا۔

''مجھے آپ کی باتوں سے انکار نہیں ہے' لیکن وہ لوگ بہت گھٹیا ہیں اور کوئی بھی نیچ حرکت کر سکتے ہیں' میں مطمئن نہیں ہوں بابا جان!''

''کچھ نہیں ہوگا' میں اپنے بڑے بھائی کے گھر جا رہا ہوں بے فکر رہو۔'' بابا جان نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

پھر وہ فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔ ''چلو! دیر ہو رہی ہے۔''

☆======☆======☆

بڑی حویلی میں اسی طرح صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ گٹھلیاں اور سپارے پڑھے جا رہے تھے۔ بَین بھی ہو رہے تھے اور لنگر بھی جاری تھا۔ ان کی گاڑی بغیر کسی محافظ کے وہاں پہنچی تو بہت سے لوگ چونک گئے۔

''حویلی والوں کا ردِعمل کیا ہوگا؟''

یہ وہ سوال تھا جو سب کے ذہنوں میں گردش کرنے لگا تھا۔

پیر صاحب شہر میں اسپتال میں تھے۔ مکرم اور صفدر علی بھی وہیں تھے اور اب کسی بھی لمحے ان کی واپسی متوقع تھی۔

مردانے میں اس وقت حویلی کے افراد میں صرف سخاوت بابا' سبط حسن اور نوازش تھے۔

ان کی گاڑی اندر داخل ہوتے دیکھ کر سبط حسن کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

حیدر بابا سامنے ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ چچی اماں پیچھے پردے میں

تھیں۔

اس نے سخاوت بابا اور نوازش کی سمت دیکھا۔ ان دونوں کی تیز نگاہیں بھی اسی گاڑی پر مرکوز تھیں۔ اس سے قبل کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا یا کرتا' سبط اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

گاڑی رک چکی تھی اور حیدر بابا باہر نکل رہے تھے۔ وہاں بیٹھے لوگ کوئی ردِعمل ظاہر کرنے سے قاصر تھے۔ انہیں پہلے حویلی والوں کے ردِعمل کا انتظار تھا۔

سبط ان کی سمت بڑھا۔

''آیئے حیدر بابا!'' اس نے کہا۔

انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ ''جیتے رہو۔ تم سبط حسن ہو ناں؟''

''جی''

''اچھا بیٹا' اپنی چچی اماں کو اندر چھوڑ آؤ۔''

''جی بہتر' آپ وہاں تشریف رکھیں۔''

اس نے ایک نظر اس سمت میں دیکھا' جہاں سخاوت بابا اور نوازش تھے۔ ان کی آنکھوں میں تیرتے شعلے تھے جنہیں سرد رکھنے کی وہ حتی المقدور کوشش کر رہے تھے۔

وہاں موجود باقی لوگوں نے جب سبط کی مہمان نوازی دیکھی تو وہ بھی حیدر علی شاہ کی طرف بڑھے۔

ڈرائیور اتر چکا تھا۔ گو کہ وہ بظاہر غیر مسلح تھا' لیکن اس کے پاس کسی ریوالور یا پستول کی موجودگی بعید از قیاس نہیں تھی۔ اب بھی وہ ہر طرح سے چوکنا تھا۔

سبط حسن گاڑی کی چابی لے کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا اور گاڑی اس سمت بڑھ گئی' جہاں باپردہ خواتین کے گاڑیوں سے اترنے کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ گاڑی روک کر اس نے چچی اماں کی سمت کا دروازہ کھولا۔

''آیئے چچی اماں؟''

''جیتے رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ دونوں اندر پہنچے تو وہاں کی صورتِ حال بھی مختلف نہیں تھی۔

اماں جان عورتوں کے درمیان گھری ہوئی تھیں۔ وہ سب عورتیں رو رہی تھیں' لیکن اماں جان نے نہ جانے کیسے صبر کر رکھا تھا۔ شاید اس حویلی کی ماؤں کے مقدر میں یہی لکھا تھا کہ وہ چپ چاپ صبر کے ساتھ جیئے چلی جائیں۔

ریشماں وہاں نہیں تھی۔ شاید کوئی اسے کمرے میں لے گیا تھا۔ اس کی حالت اب بھی بہت بری تھی۔

''اماں جان! چچی اماں آئی ہیں۔'' سبط نے آہستہ سے ان سے کہا۔

اماں جان نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔ چچی اماں ان کے قریب بیٹھ گئیں۔ اماں کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں لہرائیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

چچی اماں کے گلے سے لگ کر وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔ سبط کو محسوس ہوا کہ اس کا دل غم سے پھٹ جائے گا' وہ باہر کی طرف مڑ گیا۔

باہر ایک اور مسئلہ اس کا منتظر تھا۔ ابھی وہ دور ہی تھا کہ اس کی نگاہ جیپ سے اترتے مکرم علی پر پڑی۔ مکرم جیپ سے اترتے ہی ٹھٹک گیا تھا۔ حیدر علی شاہ کو وہاں دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا تھا اور وہاں ان کا نمک کھانے والے لوگ تھے' جو ان کے سامنے بچھے چلے جا رہے تھے۔

وہ لوگ جو پیر صاحب کے کھیتوں میں کام کرتے تھے جن کے گھروں کا چولہا پیر صاحب کی مہربانی سے جلتا تھا' جن کے دکھ بیماری میں پیر صاحب کی دعائیں اور پیسہ کام آتا تھا' وہی لوگ ان کے بیٹے کے قتل کے ذمہ دار شخص کے قدموں میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اور وہاں سخاوت بابا اور نوازش بھی تھے جو حیدر علی شاہ کے بالکل برابر بیٹھے ہوئے تھے۔

مکرم علی نپے تلے قدموں سے ان کی طرف بڑھا۔ اس کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ وہ اچھے موڈ میں نہیں تھا۔ سبط نے بھی اپنے قدم تیز کر دیے۔

''کیا لینے آئے ہو یہاں؟''

حیدر علی کے سامنے پہنچ کر مکرم تن کر کھڑا ہو گیا۔ سبط چند قدم آگے بڑھ کر ان دونوں کے بیچ آ کھڑا ہوا۔

''آپ حیدر بابا سے اس انداز میں بات نہیں کر سکتے۔'' اس کے لہجے میں سختی تھی۔

''سبط میرے راستے سے ہٹ جاؤ' ورنہ تمہارا فیصلہ بھی یہیں ہو جائے گا۔''

''میں منتظر ہوں۔'' سبط نے بغلی ہولسٹر سے ریوالور نکال لیا۔

حیدر بابا اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''نہیں بیٹا یہ بھائی پر اٹھتا اچھا نہیں لگتا۔'' انہوں نے سبط کے ریوالور والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بولے۔

''مکرم کو امداد علی کا دکھ ہے' اسے کہہ لینے دو' جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ جو آگ ہم بھائیوں کے درمیان بھڑک اٹھی ہے' وہ تم بھائیوں کے درمیان بھی بھڑکے۔''

''مکرم! یہ اس حویلی کی روایت ہے کہ یہاں دشمن آ جائے تو اسے بھی کچھ نہیں کہا جاتا۔'' سخاوت بابا بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

مکرم علی چند لمحے قہر آلود نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر بولا۔

''آج بچ کر جا رہے ہو حیدر علی' لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ تمہارے بیٹے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلاؤں گا اور تمہاری بیٹیوں کو......!''

''بس مکرم!'' سبط اس کی بات کاٹ کر غصے سے دہاڑا۔ ''بیٹیوں کا ذکر مت کرو' انہیں

URDU PHOTO

درمیان میں لائے تو بہت برا ہوگا۔''

''برا تو تمہارے ساتھ بھی ہوگا' بس مجھے بابا جان کے آنے کا انتظار ہے۔''

وہ کہہ کر حویلی کے اندرونی حصے کی طرف مڑ گیا۔

''آپ بیٹھیں حیدر بابا پلیز؟ اور اس کی باتوں کا برا مت ماننا' اس وقت غصے میں ہے۔'' سبط نے کہا۔

☆======☆======☆

مکرم علی' خادم حسین کے ہوش میں آ جانے کی اطلاع لے کر آیا تھا۔ گو کہ وہ ابھی تک انتہائی نگہداشت کے شعبے میں تھا' لیکن ہوش میں آ جانے کے بعد یہ امید بندھ گئی تھی کہ وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ مکرم یہ خبر لے کر فوراً گاؤں کی طرف روانہ ہوا تھا' لیکن حویلی میں پہنچتے ہی اس کی نگاہ حیدر علی شاہ پر پڑ گئی تھی۔ بہرحال اس نے یہ اطلاع اندر اماں جان تک بھجوا دی تھی اور اماں جان سجدہ شکر بجا لائی تھیں۔ کتنی دیر تک وہ فوزیہ بیگم کے کندھے سے لگی روتی رہیں۔

''یہ آپ کے قدموں کی برکت ہے بھابی! کہ خادم حسین ہوش میں آ گیا' ورنہ یہاں تو سب نا امید تھے۔''

''اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرنی چاہیے' وہ سب کی سنتا ہے۔'' فوزیہ بیگم نے انہیں دلاسا دیا۔

''پر میرا جو بیٹا چلا گیا اسے کون لائے گا؟ کتنے خواب دیکھے تھے میں نے اپنی اولاد کے لیے' ابھی تو اس کے سہرے کے پھول کھلنے تھے' یہ عمر مرنے کی تو نہیں ہوتی۔ ہائے میری زینب اس کم عمری میں بیوہ ہو گئی۔''

فوزیہ بیگم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ زینی کا ہنستا مسکراتا چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھیں' مگر بہت مشکل سے انہوں نے خود کو روکا۔ وہ جانتی تھیں کہ یاسمین بیگم محبت اور خلوص کا پیکر تھیں' لیکن ان کی سوچ اسی حویلی کی چار دیواری میں بند تھی۔ اگر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ زینی کے سہاگ کا ماتم کر رہی تھیں تو اس میں ان کا کچھ زیادہ قصور نہیں تھا' وہ گڑیا اور زینی کو بیاہ کر اس حویلی میں لاتیں تو انہیں اپنی پلکوں پر جگہ دیتیں' لیکن ان کی تمام تر محبت کے باوجود بھی فوزیہ بیگم اس ماحول میں اپنی بیٹیاں دینے پر کسی صورت تیار نہیں تھیں۔

اور اب تو یوں بھی پیر صاحب کے طرزِ عمل سے ثابت ہو چکا تھا کہ وہ گڑیا اور زینی کو نہ اپنی بہو اور نہ کسی اور کی بہو یا بیوی بننے دیں گے۔

فوزیہ بیگم انہیں دلاسا دیتی رہی تھیں۔ کھانے کے وقت وہ دونوں خواب گاہ میں چلی آئیں۔

''ریشماں کہیں دکھائی نہیں دے رہی؟'' فوزیہ بیگم نے پوچھا۔

''اس کی حالت بہت خراب تھی' بھائیوں نے منع کیا تھا اسے کمرے سے باہر نکلنے کے لیے۔ باہر آتی ہے' کسی سے ملتی ہے' روتا دیکھتی ہے تو پھر بلکنے لگتی ہے۔''

کھانا کس نے کھانا تھا۔ وہ ویسے ہی دھرا رہا۔

''بھابی مجھے آپ سے کچھ کہنا تھا' ایک درخواست کرنی تھی۔'' بہت ہمت کر کے یاسمین بیگم نے کہا۔

''آپ حکم کریں' درخواست کیسی؟'' فوزیہ بیگم نے کہا۔

''یہ موقع تو نہیں ہے' لیکن میں کیا کروں پھر نہ جانے کب زندگی میں اکٹھا ہونے کا موقع ملے۔'' وہ چند لمحے خاموش رہیں پھر کہنے لگیں۔

''کہنے کو تو میں ریشماں کی سوتیلی ماں ہوں' لیکن مجھے اب تک سمجھ میں نہیں آیا' کہ سوتیلی ماں کیا ہوتی ہے۔ ماں تو صرف ماں ہوتی ہے اور میں نے اسے ماں بن کر پالا ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اس کی مرحومہ ماں زندہ ہوتی تو اسے کیسے پالتی' لیکن میں نے اپنے بیٹوں سے بڑھ کر اسے محبت دی ہے۔

میں نے کبھی پیر صاحب کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی' لیکن ریشماں کے لیے ماتا سے مجبور ہو کر یہ بھی کیا۔ پیر صاحب نہیں مانتے' لیکن میں انہیں مجبور کروں گی کہ اب ریشماں جن کی امانت ہے' انہیں دے دی جائے۔

بھابی! وہ آپ کے گھر کی عزت ہے' اگر آپ باقاعدہ رشتہ لے آئیں تو میں آپ کا احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔'' ان کی آنکھوں میں آس اور امید تھی۔

فوزیہ بیگم کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس مسئلے کو کیسے حل کریں۔ یاسمین بیگم منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

اور ابھی بہت سی باتیں غور طلب تھیں۔ عبداللہ ابھی زیر تعلیم تھا لیکن اگر اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا' تب بھی یہ ہونا بہت مشکل تھا۔ عبداللہ بچپن میں طے کی گئی اس نسبت کو جانتا تھا۔ اس نے کبھی واضح طور پر ناپسندیدگی کا اظہار تو نہیں کیا تھا' لیکن یہ بات سب ہی جانتے تھے کہ اس نے ذہنی طور پر اس بات کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ شاید اظہار نہ کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اب مدتوں سے اس نسبت کی بات چیت قریباً بند ہی تھی۔ کبھی شاذ و نادر یہ ذکر چھڑ ہی جاتا تھا تب بھی عبداللہ موضوع گفتگو بدل دیتا تھا۔

اور پھر گڑیا اور زینی تھیں۔ فوزیہ بیگم کو یقین تھا کہ اگر کسی صورت پیر صاحب کو ریشماں اور عبداللہ کی شادی کرنے پر مجبور کر لیا گیا تو وہ بھی جواباً گڑیا اور زینی کے رشتے مانگیں گے۔ گڑیا کو خادم حسین کی بیوی بنا کر اپنی حویلی لے جائیں گے' تو زینی کو امداد علی کی بیوہ۔ اور وہ دونوں وہاں یرغمال کی حیثیت سے رہیں گی۔

URDU PHOTO

وہ ریشماں اور عبداللہ کی شادی چاہتی تھیں لیکن اپنی بیٹیوں کے تاریک مستقبل کی قیمت پر کسی صورت بھی نہیں۔

''چاہتی تو میں بھی ایسا ہی ہوں بلکہ یہ تو میری دلی خواہش ہے۔'' انہوں نے تامل کرتے ہوئے کہا۔ ''لیکن بھابی' پہلے تو پیر صاحب راضی نہیں ہوں گے۔ آپ جانتی ہیں ناں کہ دشمنی کی کیسی آگ بھڑک رہی ہے اور بالفرض محال ایسا ہو جائے تب بھی میری بیٹیاں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ تو انہیں بہت زیادہ پیار اور محبت دیں گی' لیکن انہیں اس حویلی کے دیگر افراد کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں ناں' اب بھی تو ایسا ہی ہونے لگا تھا۔'' انہوں نے دبے دبے انداز میں اپنی بات مکمل کی۔

یاسمین بیگم کی آنکھوں میں جلتے آس اور امید کے دیئے بجھ گئے۔

''ٹھیک کہتی ہیں فوزیہ بھابی! ایسے دشمنوں کے گھر سے آپ ڈولی کیسے لے جا سکتے ہیں' جس گھر کے مکین آپ کی بیٹیوں کی ڈولی کو آگ لگا رہے ہوں۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

فوزیہ بیگم نے خاموشی میں عافیت سمجھی۔

''میری بچی ریشماں بہت صابر ہے' وہ اب بھی صبر کر لے گی۔'' یاسمین بیگم نے ہولے سے کہا۔

''بھابی! میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں کہ ریشماں کو عبداللہ کی دلہن بنانا میری کتنی بڑی خواہش ہے۔'' فوزیہ بیگم نے کہا پھر قدرے دبے دبے انداز میں بولیں۔

''اگر آپ لوگ گڑیا اور زینی کے رشتے چھوڑ دیں تو......!'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

یاسمین بیگم کو دھچکا سا لگا۔ ''یہ کیسے ہو سکتا ہے' زہرا تو گدی کے وارث خادم حسین کی مانگ ہے اور زینی میرے امداد حسین کی نشانی۔''

ہر سمت عجیب مصیبت اور الجھن نظر آ رہی تھی دونوں کو۔

''اپنی مانگ چھوڑ دینا حویلی کی روایت نہیں ہے آپ لوگ اپنی مانگ چھوڑ رہے ہیں' لیکن میرے بیٹے اپنی مانگ نہیں چھوڑیں گے۔ یوں اپنی مانگ چھوڑ دینا اس حویلی میں بے غیرتی سمجھا جاتا ہے۔'' یاسمین بیگم نے کہا۔

''آپ نہیں جانتیں کہ پیر صاحب نے ریشماں کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''کیا فیصلہ کیا ہے؟'' فوزیہ بیگم نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''وہ اپنی زبان سے بھی نہیں پھرنا چاہتے تھے' جو انہوں نے شاہ صاحب کو دی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی کے گھر کریں گے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ اب ریشماں آپ کے گھر جائے' سگے بھائی سہی' لیکن اب تو دشمن ہیں اور وہاں بیٹی دینے کا مطلب ہوا کہ ان

کا سر جھک گیا۔ یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں وہ۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ چھوٹے شاہ صاحب کے گھر اس کی شادی کریں۔''

''کیا؟ سخاوت بھائی کے گھر؟''

یاسمین بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لیکن بھابی! یہ تو سراسر ظلم ہے' ناانصافی ہے۔''

''اس حویلی میں اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے' ایک ہی امید تھی آپ کی طرف سے' آپ نے بھی ہاتھ اٹھا لیا' اس کے سر سے اب تو کوئی امید ہی نہیں۔''

☆======☆======☆

جنت بائی' شمیم کو نوری بنا رہی تھیں' نشست و برخاست کے آداب' پہننے اوڑھنے کا سلیقہ' خاص خاص محفلوں میں اندازِ گفتگو' رقص کے زاویے' سُر اور تال کی سمجھ بوجھ۔

نوری کی تربیت تو وہ بچپن سے کرتی آ رہی تھیں اور تب وہ اکیلی نہیں تھیں۔ ان کے ساتھ چندا بائی بھی تھیں اور چندا بائی کا ڈنکا ہر طرف بجتا تھا۔ نوری پر دونوں نے مل کر محنت کی تھی اور اسے ایسا ہیرا بنایا تھا' جس کی آب و تاب پر نگاہ نہیں ٹکتی تھی' لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ چندا بائی اور نوری کار ایکسیڈنٹ میں ان سے اتنی دور چلی گئی تھیں' جہاں سے واپس آنا ممکن نہیں تھا۔

شمیم کو دیکھ کر ان کے دل میں نوری کی یاد تازہ ہو گئی اور انہوں نے اسے شمیم کے نام سے پکارنا چھوڑ کر نوری کہنا شروع کر دیا تھا۔

اس نئی نوری پر انہوں نے بہت محنت کی تھی۔ وہ بہت بدسلیقہ اور گنوار لڑکی تھی۔ اس کے ہر انداز سے گنوار پن جھلکتا تھا اور اس گنوار پن کو ختم کرنا آسان نہیں تھا' لیکن انہوں نے بھی ہمت نہیں ہاری تھی۔

جو عزم برسوں سے نوری کی پیدائش پر انہوں نے کیا تھا' وہ اسے ہر حال میں پورا کرنا چاہتی تھیں۔ کتنی دعائیں مانگی تھیں انہوں نے بیٹی کی پیدائش کے لیے۔ کسی بھی قیمت پر۔

اور اب ان کی خواہش تھی کہ اس نئی نوری کی تربیت مکمل ہوتے ہی لاہور کا رخ کریں' جہاں روپیہ پیسہ تھا' فلم انڈسٹری تھی اور سب سے بڑھ کر وہاں رہتے ہوئے وہ خود سے کیا ہوا وعدہ پورا کر سکتی تھیں۔

☆======☆======☆

حیدر علی شاہ اور فوزیہ بیگم اپنی حویلی واپس پہنچے تو دونوں ہی چپ چاپ اور افسردہ تھے' کسی سوچ میں گم تھے۔

''کیا ہوا اماں جان؟ میں اتنا انتظار کر رہی تھی آپ لوگوں کا؟'' زہرا بے تابی سے ان کی

طرف بڑھی۔

''انتظار؟'' حیدر بابا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ظاہر ہے۔'' وہ بھی اماں جان کے قریب ہی فلور کشن پر بیٹھ گئی۔

''آپ لوگ دشمنوں کی حویلی گئے تھے' میری تو جان اٹکی ہوئی تھی اور بھائی جان ابن بطوطہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں۔ غالباً بارہ سو چکر لگائے تھے' ہیں ناں بھائی؟''

''کسی نے آپ سے بدتمیزی تو نہیں کی بابا جان؟'' اس نے پوچھا۔

''بھائی جب بھائی کے گھر جاتے ہیں' تو محبت سے ملتے ہیں' بدتمیزی کا کیا مطلب؟''

''آپ کو بھی اچھی طرح اپنے بھائیوں کا پتا ہے خواہ مخواہ ہمارے سامنے ان کی سائیڈ لیتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کے سگے بھائی اور پیر صاحب ہی ہیں ناں جن کے فرزند مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے۔'' زہرا نے تنک کر کہا۔

''گڑیا! تم بہت بولتی ہو۔ وہ زینی تمہارے ساتھ کی ہے' لیکن تمہاری طرح بدتمیز اور منہ پھٹ نہیں ہے۔'' اماں جان کے انداز میں ناگواری تھی۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کہا' صرف حقیقت بتا رہی ہوں۔'' اس نے منہ پھلا لیا۔

''نہیں بیٹا! میں بھائیوں کی سائیڈ نہیں لیتا' کل جو کچھ ہوا' وہ صرف غلط فہمی کی وجہ سے ہوا' ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے' تم بڑے بابا کی طرف سے اپنا دل میلا مت کرو۔''

''چچ چچ۔ بابا جان! بھائیوں کے لیے آپ کی محبت۔ کیا وہ بھی غلط فہمی تھی۔ جس کی وجہ سے برسوں دور رہے؟ اسے آپ کیا کہیں گے کہ صرف آپ کے بھائیوں کی وجہ سے ہم بہن بھائی آپ کی اور اماں جان کی اس محبت سے محروم رہے' جس پر ہمارا حق تھا' اس گھر سے دور رہے جس سے ہمارے بچپن کی کتنی یادیں وابستہ تھیں۔

زینی اس لیے نہیں بولتی کہ وہ جن سے محبت کرتی ہے ان کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیتی ہے' چاہے حقیقت جانتی بھی ہو۔ وہ حقیقت سے فرار کے راستے ڈھونڈتی ہے' لیکن میں اتنی احمق نہیں ہوں۔ میں حقیقت کا سامنا کرنا جانتی ہوں۔

لیکن آپ کو ان باتوں کی کیا خبر ہو گی۔ آپ تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آپ لوگ اپنی اولاد کو جانتے ہیں ان کی سوچ کو پڑھ سکتے ہیں' اس لیے کہ آپ لوگ ایسا نہیں کر سکتے۔ چار چھ مہینے بعد تحفوں سے لدے پھندے آنے اور ہفتہ بھر ساتھ رہنے سے آپ کو میرے اور زینی کے مزاج کا فرق یوں بھی پتا نہیں چل سکتا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آپ بابا جان' اپنے بھائیوں کی محبت کے قصیدے ان کے سامنے پڑھیں جو یہ باتیں نہ جانتے ہوں۔ کم از کم میرے سامنے ایسا مت کریں۔''

''گڑیا!'' عبداللہ پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ''اس طرح بات بات پر ناراض نہیں ہوتے' بیٹھو یہاں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ میں اور باباجان میں اتنا تحمل کیسے ہے۔ مجھے بہت غصہ آتا ہے ایسی باتوں پر' پتا نہیں آپ کو کیوں نہیں آتا۔'' وہ منہ پھلا کر عبداللہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''غصہ آتا ہے' لیکن یوں بات بات پر نہیں اور ان لوگوں پر تو بالکل نہیں آتا جو میرے اپنے ہوں' میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر کیوں خفا ہو جاتی ہو۔ اس دنیا میں انسان کو بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔ اچھا بھی اور برا بھی۔ ہم میں برداشت اور حوصلہ تو ہونا چاہیے ناں۔'' عبداللہ نے اسے سمجھایا۔

''آپ میں اور باباجان میں ہی ہے۔ میں نے اتنا تحمل اور کسی میں نہیں دیکھا۔'' وہ بولی۔

''گڑیا بیٹے! مجھ میں بہت سی کمزوریاں ہیں اور اپنے بھائیوں سے محبت کرنا' انہی میں سے ایک ہے۔ میری یہ کمزوری برداشت کرلیا کرو۔ وہ اچھے ہیں یا برے' میرے سگے بھائی ہیں۔'' باباجان نے کہا۔

''اچھا چھوڑیں باباجان! یہ بتائیں کہ کس کس سے ملاقات ہوئی؟'' عبداللہ نے موضوع بدل دیا۔

''پیر صاحب تو اسپتال میں تھے' اس لیے ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ باقی تو تقریباً سب ہی سے ہوئی ہے۔'' انہوں نے بتایا۔

''تو کیا خادم حسین کی کوئی اطلاع آئی؟''

''ہاں' شکر ہے کہ اب وہ ہوش میں آ گیا ہے۔''

''پھر وہی شکر ہے' باز نہیں آئیں گے؟'' زہرا منہ پھیر کر بڑبڑائی۔

''اور تائی امی کیسی تھیں؟''

''وہ بے چاری کیسی ہوگی' اپنے بیٹے کو روتی ہے' لیکن ہم سے گلہ نہیں کرتی۔'' اماں جان نے افسردگی سے کہا۔

''گلہ تو تب ہوتا جب اس کی کوئی وجہ ہوتی' ہم نے کوئی ظلم کیا ہوتا ان پر' ہم نے کیا کیا ہے' جس کا انہیں گلہ ہونے لگا۔'' زہرا سے رہا نہ گیا۔

''غم کی شدت میں انسان یہ سب باتیں کب سوچتا ہے' لیکن یاسمین بھابی بہت اچھی ہیں۔'' اماں جان نے کہا۔

''اچھا یہ بتائیں۔'' زہرا نے کن انکھیوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ''ریشماں سے بھی ملے؟''

''ہاں' ہم دونوں ہی ملے تھے' اس کے تو آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔'' اماں جان نے کہا۔

''یہ تو بتائیں کہ وہ دیکھنے میں کیسی ہے؟'' زہرا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہو بہو اپنی ماں جیسی' اتنی خوبصورت کہ ایک مرتبہ دیکھنے کے بعد انسان نظریں اٹھانا ہی بھول جائے۔'' اماں جان بولیں۔

حیدر علی شاہ کی نگاہوں میں کچھ دیر پہلے کا منظر گھوم گیا۔ جب ریشماں ان سے ملی تھی۔ ان کے سینے سے لگ کر روتی ہی رہی تھی۔ ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا اس نے۔

فوزیہ بیگم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ ہو بہو زرینہ تھی وہی رنگت' وہی نین نقش' ویسے ہی لمبے بال اور وہی قد کاٹھ۔ برسوں گزر جانے کے باوجود بھی' وہ زرینہ کو بھولے نہیں تھے۔ اس کی شبیہہ اب بھی ان کی آنکھوں میں تھی۔ اسے دیکھ کر ان کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔ وہ زرینہ کی بیٹی تھی۔ اس کی نشانی۔

''کاش ریشماں کی عبداللہ سے شادی ہو جائے۔ میں سمجھوں گا کہ میں نے زرینہ کی محبت کا قرض چکا دیا۔'' انہوں نے سوچا تھا۔

لیکن اب ان کی محبت کا دھارا ایک ہی سمت میں نہیں بہہ رہا تھا۔ اب وہ شوہر بھی تھے' باپ بھی۔ گو ریشماں انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھی' لیکن اپنی اولاد تھی نہیں۔ اب جو قدم اٹھانا تھا بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا تھا' تاکہ ان کی اولاد کا مستقبل محفوظ ہو سکے۔

''باباجان! آپ بتائیں' ریشماں دیکھنے میں کیسی ہے؟ اماں تو جب تعریف کرنے پر آئیں تو زمین آسمان کے قلابے ملا دیتی ہیں۔'' زہرا نے کہا۔

''اس معاملے میں تم اپنی اماں جان پر ہی اعتبار کر سکتی ہو۔ مجھے تو وہ اس لیے بھی پیاری ہے کیونکہ میری بھتیجی ہے۔ مجھے تو تم' زینی اور ریشماں دنیا کی سب سے پیاری' سب سے خوبصورت بچیاں لگتی ہو۔''

''خیر رہنے دیں باباجان! میں اتنی خوبصورت نہیں ہوں یہ مجھے پتا ہے۔''

عبداللہ ہنس کر شرارت سے بولا۔ ''مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم حقیقت کو فیس کر سکتی ہو۔''

''اونہوں!'' اماں کو ان کی باتیں اچھی نہیں لگیں۔ ''کیا کمی ہے تم میں' بہت ناشکری ہو۔ ہر چیز دی ہوئی ہے اللہ نے۔ ہاتھ پاؤں' آنکھیں' ناک' کان اور کیا چاہیے؟''

''چھوڑیں اماں! خوبصورتی نہ دی تو کیا فائدہ ہوا؟''

''فضول باتیں کرتی ہو' اب کیا جا کر اللہ تعالیٰ سے جھگڑا کرو گی؟'' اماں نے ڈپٹا۔

''اچھا چھوڑیں' یہ بتائیں کہ ان کے باقی بیٹوں کی بھی اپر سٹوری خالی ہے یا باقی کچھ بہتر ہیں؟'' زہرا نے دریافت کیا۔

''سب ہی اچھے ہیں۔ چھوٹے دونوں جوڑواں ہیں ان کا تو پتا ہی نہیں چلتا کہ کون صفدر علی ہے اور کون نوازش۔ امداد سے چھوٹا مکرم علی ذرا جوشیلا ہے' لیکن خیر یہ عمر کا تقاضا ہے' مگر جو

مجھے بہت اچھا لگا ہے بہت ہی پیارا بچہ ہے' وہ ہے سبط حسن۔''

''سبط حسن؟ اس نام کے لوگ ہوتے ہی اچھے ہیں۔'' زہرا نے دلچسپی سے کہا۔

اس نام سے اسے سبط یاد آ گیا تھا' جس کے ساتھ گھنٹوں پڑھائی پر ڈسکشن ہوا کرتی تھی اور اس دوران کتنا ڈرائی فروٹ اور کتنی اسٹر بیریز کھائی جاتی تھیں' ان کا تو کوئی حساب ہی نہیں۔ اس کے گاؤں چلے آنے کے بعد بھی زینی کے خط سبط حسن کے ذکر سے ہی بھرے ہوتے تھے۔

''ہوں' وہ ہے تو بہت اچھا' لیکن ایک مسئلہ ہے۔'' بابا جان نے پُر خیال انداز میں کہا۔

''کیسا مسئلہ؟'' عبداللہ نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''وہ بھی وہیں پڑھ رہا ہے گھوڑا گلی میں' کیمبرج کر رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ زینی کو کسی دوسرے اسکول میں ڈلوا دوں۔''

''کیا کہا بابا جان؟ وہ گھوڑا گلی میں پڑھ رہا ہے؟'' زہرا نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''ہاں۔'' انہوں نے زہرا کی طرف بغور دیکھا۔

انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا یوں چونکنا بے معنی نہیں تھا۔ وہ منتظر تھے کہ زہرا خود ہی ان سے کچھ کہے گی' مگر وہ کچھ نہیں بولی۔ ہاں اس کی آنکھوں میں الجھن بھی تھی اور پریشانی بھی۔

''چھوڑیں بابا جان! کب تک بھاگتے پھریں گے۔ جب تک ان مسئلوں کا ہم سامنا کرنا شروع نہیں کریں گے تب تک یہ حل بھی نہیں ہوں گے۔ یوں بھی اسے فوری طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہاں اسے کوئی نہیں جانتا۔ گھر میں حویلی کا کوئی ملازم نہیں ہے' اس لیے بھی اسے شناخت نہیں کیا جا سکتا۔ جو گاڑی وہ استعمال کرتی ہے وہ بھی یہاں کبھی نہیں آئی۔

اور پھر وہ وہاں آرام سے پڑھ رہی ہے' آخری سال ہے اس کا' کہیں اور ایڈمیشن لینے سے اس کی پڑھائی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ وہ بھی سینئر کیمبرج کر لے تو اسے اور گڑیا کو اسٹڈیز کے لیے باہر بھجوا دیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''بابا جان۔ آپ کو اچھے طریقے سے پتا ہے کہ وہ گھوڑا گلی میں ہی پڑھ رہا ہے اور سینئر کیمبرج کر رہا ہے۔'' زہرا نے بظاہر سرسری انداز سے پوچھا۔

''ہاں' کیوں کوئی خاص بات ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں سونے جا رہی ہوں' مجھے نیند آ رہی ہے۔''

☆======☆======☆

جب ماہ بانو' ابا جی اور اُما کے ساتھ گاؤں پہنچی تو رات گہری ہو چکی تھی۔ گھر پہنچ کر اماں اور بڑی اماں نے اپنی الگ نشست جمائی۔

مولوی صاحب مسجد میں عبادت میں مصروف تھے۔ ابا جی آتے ہی تھک کر سو گئے تھے۔ اُما اور ماہ بانو بستروں میں گھس گئی تھیں لیکن تھکن کے باوجود بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔

''اب کل کا کیا پروگرام ہے؟'' اُما نے پوچھا۔

''سب سے پہلے تو ریشماں کی طرف جائیں گے تعزیت کرنے۔ وہ احمق لڑکی سب سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے اتنی محبتیں کرتے رہنا حماقت ہی تو ہے۔ عبداللہ کو بچانے کی کوشش میں وہ اپنا ایک بھائی گنوا بیٹھی اور ایک موت کی دہلیز سے واپس آیا ہے۔ یہ حادثہ اسے توڑ کر رکھ گیا ہوگا۔ ریشماں سے ملنے کے بعد عبداللہ کی طرف جائیں گے۔ وہاں دوسرے فرینڈز بھی ہوں گے۔''

''یہ ٹھیک ہے کہ ریشماں تمہاری کزن ہے اور اس کے بھائی کی ڈیتھ ہوئی ہے' لیکن میں شکر کر رہی ہوں کہ عبداللہ ٹھیک ہے۔ اخبار میں تو صرف اتنا لکھا تھا کہ زخمی ہوا ہے میں پریشان ہو گئی تھی۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ بہت زیادہ زخمی نہیں ہوا۔''

''اُما پلیز! مائنڈ نہ کرنا' ایک بات کہنی ہے تم سے۔''

''کہو!''

''کل حویلی جاتے ہوئے چادر لے لینا۔''

اُما ہنس پڑی۔ ''اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس' کوئی اور حکم؟''

''حکم نہیں ہے پاگل' میں تو اس لیے کہہ رہی تھی کیونکہ......''

''نو بانو پلیز۔'' اُما اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ''میرے سامنے صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' میں تمہاری فرینڈ ہوں۔''

ماہ بانو ہنس پڑی۔ ''ٹھیک ہے اور میرا خیال ہے کہ اب سونا چاہیے۔ گاؤں میں پتا نہیں صبح اتنی جلدی کیوں ہو جاتی ہے۔ دیکھنا اماں جان مرغ کی پہلی بانگ کے ساتھ نہ صرف خود جاگ جائیں گی' بلکہ ہمیں بھی جھنجھوڑنے لگیں گی۔''

☆======☆======☆

زینی کا دل کسی چیز میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنے اچانک بغیر اسے بتائے سبط اپنے گاؤں کیوں چلا گیا تھا اور چلا ہی گیا تھا' تو بھی اس نے فون کیوں نہیں کیا تھا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ جس دن وہ اس سے ملاقات نہ کر سکے' اس دن فون کر کے بات چیت بھی نہ کرے۔ وہ تو گاؤں سے بھی اتنی لمبی لمبی کالز کیا کرتا تھا۔

حساب کے سوال حل کرتے ہوئے بھی اس کا ذہن سبط میں الجھا ہوا تھا۔ کام خاک ہونا تھا۔ اس نے بال پوائنٹ رجسٹر پر پٹخا۔ اونچی آواز میں لگا ہوا ڈیک بند کیا اور دیدی کے پاس کچن میں پہنچ گئی۔

''یہ کیسے ممکن ہے دیدی کہ وہ مجھے فون تک نہ کرے۔''

اُس نے اندر آتے ہی اُلجھن اور غصے کی ملی جُلی کیفیت میں کہا۔

دیدی نے جو رشین سلاد کے لیے سیب کاٹ رہی تھیں اُس کی طرف دیکھا۔

''ہوسکتا ہے' وہ مصروف ہو۔'' وہ دوبارہ سیبوں کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''نہیں دیدی' بات مصروفیت کی نہیں' کچھ اور ہے۔ اُسے کتنی ہی مصروفیت کیوں نہ ہو' وہ میرے لیے وقت ضرور نکالے گا۔'' وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔

''بھئی اب میں کیا بتا سکتی ہوں کہ اُسے کیا پرابلم ہے۔''

''ہائے دیدی You Are Right (آپ ٹھیک کہتی ہیں) اُسے یقیناً کوئی پرابلم ہوگی' ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر' بتائے بغیر گاؤں چلا جائے اور فون تک نہ کرے' لیکن اُسے اگر کوئی پرابلم تھی تب بھی اُسے مجھ سے شیئر تو کرنا چاہیے تھا۔''

''دیکھو زینی۔'' دیدی نے سیبوں کی ڈش پرے کھسکائی اور اُس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ ''بظاہر سبط بہت اچھا لڑکا ہے' لیکن تم اُس کے متعلق کیا جانتی ہو؟ کچھ بھی نہیں۔ اس کا فیملی بیک گراؤنڈ' اُس کے گھر والے' اُس کا گاؤں' تمہیں کچھ بھی تو معلوم نہیں ہے اُس کے بارے میں اور یہ دنیا بہت Painted ہے۔ لوگوں کے چہروں پر بہت سے نقاب ہوتے ہیں۔ تم خود اچھی ہو' اس لیے سمجھتی ہو کہ سب ہی اچھے ہیں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ضروری نہیں سب اچھے ہوں۔''

''آپ یہ سبط کے لیے کہہ رہی ہیں دیدی؟ I Dont Believe It آپ جانتی بھی ہیں کہ وہ کتنا اچھا ہے پھر بھی ایسا کہہ رہی ہیں۔ کیا کسی شخص کو جاننے اور پرکھنے کے لیے ایک سال کم عرصہ ہوتا ہے؟

اور پھر دیدی' وہ بھی تو میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تو کیا اس کا مطلب ہے کہ میں بھی Painted ہوں؟ وہ مجھے سب کچھ بتا دیتا اپنے بارے میں اگر میں نے پوچھا ہوتا لیکن میں اس سے اس کے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں کیا پوچھ سکتی تھی۔ جبکہ میرے پاس اپنے بارے میں اُسے بتانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اماں اور بابا جان نے ہمارے ہونٹ سی رکھے ہیں۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ آپ سبط پر شک کریں گی۔''

''تم ابھی بچی ہو زینی' تم نے دنیا نہیں دیکھی۔ میں تو یہ بھی چاہتی تھی کہ تم اپنی اماں اور بابا جان کو سبط حسن کے متعلق بتا دو' لیکن تم نے نہیں بتایا۔''

''تو کیا میں اُن سے کچھ چھپا رہی تھی؟ نہیں بتایا تو اس کی وجہ یہ تو نہیں تھی کہ میں انہیں بتانا ہی نہیں چاہتی تھی یا اُن سے کچھ چھپا رہی تھی۔ آپ جانتی ہیں کہ ایسا نہیں تھا۔

میں تو یہ چاہتی تھی کہ غائبانہ تعارف کروانے کے بجائے انہیں سبط سے ملواؤں۔ جب انہوں نے پوچھا تھا کہ میری اتنی اچھی تصویریں کس نے کھینچی ہیں' تب بھی میں نے اُن سے کہا تھا کہ میں بتانے کے بجائے انہیں اس شخص سے ملواؤں گی۔''

''اور وہ جو بلاناغہ تم سے ملنے آیا کرتا تھا' جب بھی اُسے معلوم ہوا کہ تمہارے اماں' بابا یا بھائی آئے ہیں تو اُس دن وہ کبھی تم سے ملنے نہیں آیا' کوئی نہ کوئی بہانا بنا دیا۔''

''آپ تو دیدی مسلسل اُس پر شک کیے جا رہی ہیں۔ میں اُس کے لیے پریشان ہوں اور آپ کو اس کی کوئی پرواہی نہیں۔'' زینی کی آواز بھرا گئی۔

''اب پلیز زینی رونا مت۔ بات بات پر ہنستی ہو اور بات بات پر روتی ہو۔ ٹھیک ہے میں اس پر شک نہیں کر رہی۔ تم اُس کے گھر فون کر کے ملازم سے پتا کرو کہ وہ کب آئے گا۔''

''صبح سے سترہ مرتبہ فون کر چکی ہوں۔ اس کمبخت کو کچھ نہیں پتا کہ وہ کب آئے گا۔'' اُس نے دیدی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور امید بھرے لہجے میں بولی۔

''دیدی! میں اس کے گھر جا کر خود پتا کر آؤں پلیز!''

دیدی تذبذب میں پڑ گئیں۔

''پلیز دیدی!'' اُس کی آنکھوں میں پھر موٹے موٹے آنسو آگئے۔

''پہلے تو تم یہ آنسو پونچھو' پھر بتاؤ کہ تم کبھی گئی نہیں کیسے ڈھونڈو گی اُس کا گھر؟''

اُس نے جلدی جلدی آنسو صاف کیے اور بولی۔ ''وہ مجھے پتا ہے۔ اُس نے دو مرتبہ دور سے اپنا گھر دکھایا تھا۔ اندر تو میں نہیں گئی اور اُس نے اندر چلنے کو کہا بھی نہیں اُسے پتا تھا کہ اندر میں نہیں جاؤں گی شاید اس لیے لیکن دیدی گھر کا مجھے اچھی طرح پتا ہے۔''

دیدی سوچ میں پڑ گئیں۔

''پلیز دیدی! اب کیا ہوگا' آپ مانتی کیوں نہیں ہیں؟''

''اچھا چلو۔'' انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ ''لیکن میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔''

''تھینک یو دیدی۔'' وہ اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

گھر سے نکلنے سے قبل وہ ملازمہ کو بیسیوں مرتبہ یہ ہدایت جاری کر چکی تھی۔

''دیکھو اگر سبط حسن صاحب کا فون آئے تو کہنا کہ میں بہت پریشان تھی۔ وہ تھوڑی دیر بعد ضرور رِنگ کریں اور خود نہیں کر سکتے تو مجھے نمبر دے دیں۔ میں خود بات کر لوں گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں؟ میرا ان سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔''

''جی جی' میں سمجھ رہی ہوں۔''

گاڑی میں بیٹھ کر اس کے گھر جاتے ہوئے دیدی سوچ رہی تھیں کہ زینی کو ہر قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار کرنا چاہیے۔

زینی! میری ایک بات غور سے سنو؟''

''جی دیدی؟''

''میری بات سن کر رونے نہ لگنا۔ میں نہیں چاہتی کہ تم ہرٹ ہو۔ دیکھو زینی! یہ بھی ممکن

ہے کہ سبط گھر پر ہو اور جان بوجھ کر تمہیں Avoid کر رہا ہو۔''

زینی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''ڈیڈی آپ؟'' کچھ کہتے کہتے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سبط حسن کے گھر پہنچ کر اس نے بے تابی سے انگلی کال بیل پر رکھ دی۔ جواب میں اس کے نوکر کرم الٰہی نے دروازہ کھولا۔

''سبط حسن صاحب ہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں بی بی! وہ تو گاؤں گئے ہوئے ہیں۔'' کرم الٰہی نے بتایا۔

زینی نے بے بسی سے گردوپیش کا جائزہ لیا پھر قدرے سختی سے کرم الٰہی سے مخاطب ہوئی۔

''آگے سے ہٹو۔''

''کیا مطلب جی؟'' وہ کچھ نہیں سمجھا تھا۔

''میں کہہ رہی ہوں کہ آگے سے ہٹو، سنتے نہیں ہو۔''

ڈیڈی نے پیچھے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''بس زینی واپس چلو وہ گھر پر نہیں ہے۔''

''میں ایسے واپس نہیں جاؤں گی ڈیڈی۔''

اس نے ہاتھ چھڑایا اور کرم الٰہی کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہوگئی۔

داہنی طرف ڈرائنگ روم تھا، جو بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ زینی وہاں جھانک کر آگے بڑھ گئی۔

''کیا کر رہی ہو زینی۔'' ڈیڈی تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں اور مدھم آواز میں قدرے سختی سے کہا۔

''پلیز ڈیڈی، مجھے روکیں مت، کیونکہ میں رکوں گی نہیں۔''

مجبوراً ڈیڈی نے بھی اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

اسٹڈی بھی خالی تھی۔ وہ اندر داخل ہوگئی۔ سبط کی تمام کاپیاں اور کتابیں ترتیب سے پڑی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک رجسٹر اٹھا لیا اور صفحے پلٹنے لگی۔ جگہ جگہ زینی کا نام لکھا ہوا تھا۔ پلٹتے پلٹتے وہ اس صفحے پر پہنچی جس سے آگے سب صفحات خالی تھے۔ ورق کی پیشانی پر اس دن کی تاریخ تھی جس دن وہ آخری مرتبہ ملے تھے۔

رجسٹر چھوڑ کر اس نے باقی کتابوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ہر کتاب پر بھی جگہ جگہ اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ کتابیں واپس رکھ کر وہ اسٹڈی سے بھی نکل آئے۔ ڈیڈی اور کرم الٰہی بھی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کر رک

گئی۔

خواب گاہ انٹیریئر ڈیکوریشن کا شاہکار تھی۔ دبیز قالین، قیمتی فرنیچر اور سجاوٹ کا خوبصورت انداز، یہ سب کسی کو بھی مبہوت کر دینے کے لیے کافی تھا، لیکن وہ جو رکی تھی تو اس لیے نہیں بلکہ بیڈ کے سرہانے والی دیوار پر اپنی لائف سائز تصویر دیکھ کر۔ وہی تصویر جوان دونوں کی ملاقات کا باعث بنی تھی۔

تصویر کے نیچے دائیں کونے میں سبط نے ہاتھ سے لکھ رکھا تھا۔

WITH LOVE

وہ دروازے کی چوکھٹ کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوگئی۔

''تمہیں یہ تو پتا ہوگا کہ وہ کیوں گئے ہیں؟'' اس نے بے بسی کے ساتھ کرم الٰہی سے پوچھا۔

''بی بی! آپ فون بھی کرتی رہیں، لیکن مجھے کچھ پتا نہیں ہے تو کیا بتاؤں؟'' وہ نظریں جھکا کر بولا۔

''جھوٹ مت بولو، تمہیں پتا ہے، ملازموں کو سب پتا ہوتا ہے۔'' وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس سے سچ اگلوائے۔ ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے امڈ آنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی۔

ملازم نے ایک نظر اسے دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔

''قریباً ہفتہ بھر پہلے کی بات ہے، وہ خلاف معمول جلدی گھر آگئے تھے اور واپسی پر بہت بجھے بجھے سے تھے مجھے کہہ دیا کہ کوئی فون آئے تو یہ کہہ کر ٹال دوں کہ شاہ صاحب راولپنڈی گئے ہیں۔ پھر بعد میں وہ گاؤں چلے گئے اور اب تک نہیں آئے۔''

''لیکن کیوں؟'' زینی کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''یہ نہیں بتایا انہوں نے۔''

''اور یہ بتایا کہ کب واپس آئیں گے؟''

''اب تو شاید کچھ دن لگ جائیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ مغفرت کرے، ابھی جمعرات کو ان کے بڑے بھائی فوت ہوگئے ہیں۔''

''کیا۔؟ کیسے۔ اوہ گاڈ؟''

ملازم خاموش رہا۔

''تمہارے پاس ان کا فون نمبر تو ہوگا۔ یہ تو ممکن نہیں کہ نہ ہو؟'' زینی نے کہا۔

''وہ شاید پسند نہ کریں کہ ان کی اجازت کے بغیر میں نے ان کا نمبر دے دیا۔'' اس کے لہجے میں تذبذب تھا۔

’’وہ کچھ نہیں کہیں گے تمہیں۔ یقین کرو‘ میں ذمہ لیتی ہوں۔‘‘ زینی نے جلدی سے کہا۔

’’آپ ڈرائینگ روم میں بیٹھیں‘ میں لاتا ہوں۔‘‘ وہ بولا۔

’’نہیں‘ میں جلدی میں ہوں۔‘‘

کرم الٰہی ٹیلی فون انڈکس اٹھالایا اور ایک صفحہ کھول کر سب سے اوپر لکھے نمبر کی طرف اشارہ کیا۔

’’یہ نمبر ہے۔‘‘

زینی نے جلدی جلدی نمبر ذہن نشین کرلیا۔

’’تھینک یو۔‘‘ وہ واپسی کے لیے پلٹی۔

’’بی بی! آپ چائے تو پیتی جائیں۔‘‘ کرم الٰہی بولا۔

’’نہیں‘ بہت شکریہ‘ پھر کبھی سہی۔‘‘

گاڑی میں بیٹھ کر وہ بہت حد تک مطمئن ہوگئی تھی لیکن سبط کے بھائی کی وفات کا دکھ اسے بھی بہت تھا۔

’’دیکھ لیا دیدی! آپ خواہ مخواہ اس پر شک کر رہی تھیں۔ اس دن بھی یقیناً اسے کہیں سے اطلاع ملی ہوگی۔ شاید اس کے بھائی بیمار ہوں۔ اس لیے وہ یوں چلا گیا تھا اور فون بھی نہیں کیا اس نے۔ ایسی صورت حال میں کیسے فون کر سکتا تھا وہ۔ اُف دیدی! مجھے بہت ڈپریشن ہو رہا ہے‘ اس کے بھائی کی ڈیتھ کا سن کر۔‘‘

دیدی کے ذہن سے بھی بوجھ اتر گیا تھا۔

’’پتا نہیں اس نے کیسے برداشت کیا ہوگا اپنے بھائی کی ڈیتھ کو‘ کتنا ڈپریس ہوگا وہ۔‘‘

’’ہاں‘ لیکن جو لوگ چلے جاتے ہیں‘ ان کے لیے صبر کرنے کے علاوہ کیا چارہ کار ہوتا ہے۔‘‘ انہوں نے اسے تسلی دی۔

گھر آکر وہ اس پریشانی میں مبتلا ہوگئی تھی کہ سبط سے اظہار تعزیت کیسے کرے گی۔

’’میں کیا کہوں اس سے دیدی؟ جب میں ڈپریس ہوتی تھی تو وہ اتنا سہارا دیا کرتا تھا مجھے حالانکہ میرے ڈپریشن کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ اماں اور بابا جان وقتی طور پر مجھ سے دور ہو جاتے تھے۔ میں اسے کیسے اس بات پر تسلی دوں کہ اس کا بھائی اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا ہے۔‘‘

’’اب اس موقع پر اسے تسلی دینا تمہارا فرض ہے۔ دوستی صرف ہنسی مذاق اور ہلے گلے کا نام نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے زیادہ ضرورت تو غم کے وقت ہوتی ہے اور جو لفظ تمہارے دل سے نکلیں گے ناں زینی وہی سب سے خوبصورت اور موزوں ہوں گے۔‘‘ دیدی نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

URDU PHOTO

’’تھینک یو دیدی۔‘‘ اس نے ممنونیت سے کہا اور فون کی طرف بڑھی۔ دیدی اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔

ذہن ہی ذہن میں نمبر دہراتے ہوئے اسے خیال آیا کہ کوڈ نمبر تو سبط کے گاؤں کا بھی وہی تھا‘ جوان کے گاؤں کا تھا‘ لیکن اس وقت اس بات پر زیادہ غور کرنے کی فرصت کب تھی۔ نمبر ڈائل کرنے کے بعد گھنٹی بجنے لگی۔ تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

دوسری طرف سے ریسیور اٹھا کر کسی نے بارعب آواز میں ہیلو کہا۔

زینی تذبذب میں پڑ گئی۔

’’ہیلو!‘‘ ایک مرتبہ پھر کہا گیا۔

’’ہیلو جی! مجھے سبط سے بات کرنی ہے۔‘‘ اس نے جلدی سے کہا۔

’’سبط حسن سے بات کرنی ہے‘ آپ کون بول رہی ہیں؟‘‘ انداز حکمیہ تھا

’’جی میں زینب بول رہی ہوں مری سے۔‘‘

’’زینب!‘‘ ایک مرتبہ پھر دہرایا گیا۔ ’’اچھا ہولڈ کریں۔ ہم پتا کرواتے ہیں۔‘‘

ریسیور تھامے اسے خاصی دیر ہوچکی تھی۔

دوسری سمت سے آنے والی ملی جلی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ جس جگہ ٹیلی فون رکھا ہوا تھا وہاں خاصی رونق اور چہل پہل تھی۔ جس شخص نے فون ریسیو کیا تھا‘ وہ اب بھی وہاں کے لوگوں سے ویسے ہی حکمیہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ لوگ کسی کا ذکر کر رہے تھے‘ جو زخمی تھا اور اسپتال میں ایڈمٹ تھا‘ لیکن بہت سی ملی جلی آوازوں کی وجہ سے کوئی واضح بات سنائی نہیں دے رہی تھی۔

دوسری جانب زینی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ اس سے مخاطب ہونے والے شخص کو اس نے سبط حسن کہہ کر غالباً اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اسے یہ بے تکلفی اچھی نہیں لگی۔

’’بہت سے گھر ایسے بھی تو ہوتے ہیں ناں جہاں یہ پسند نہیں کیا جاتا کہ لڑکیاں اور لڑکے آپس میں گھلیں ملیں۔ ہوسکتا ہے سبط کی فیملی اتنی لبرل نہ ہو۔‘‘ اس نے سوچا۔

فون کا ریسیور اٹھائے جانے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔

’’ہیلو!‘‘

اس مرتبہ دوسری جانب سبط ہی تھا۔

’’ہیلو سبط! میں زینی بول رہی ہوں۔‘‘ اس نے بے تابی سے کہا۔

’’اس وقت میں مصروف ہوں‘ بعد میں خود فون کروں گا۔ خدا حافظ۔‘‘ اس نے کہا۔

زینی کے لیے اس کا یہ لہجہ بہت اجنبی اور انداز بہت غیر متوقع تھا۔

''سنوتو سبط۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''کب کرو گے فون؟ یہ تو بتادو۔''

دوسری طرف خاموشی تھی۔

''تم سن رہے ہوناں؟''

☆======☆======☆

سبط حسن نے بغیر کچھ کہے فون کریڈل پر رکھ دیا۔

پیر صاحب بغور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''دوستوں کو ہمارا نہیں' اپنا ذاتی نمبر دیا کرو۔'' وہ بولے۔

''جی بہتر باباجان!'' وہ مڑنے لگا۔

''ٹھہرو سبط! کہاں جارہے ہو؟'' انہوں نے پوچھا۔

''باہر کچھ کام تھا۔''

''کام کرنے والے بہت لوگ ہیں۔ اندر گول کمرے میں چلو' ہمیں تم سے کوئی بات کرنی ہے۔''

وہ بغیر کچھ کہے گول کمرے میں چلا آیا۔ معلوم تو تھا ہی کہ پیر صاحب نے کیا کہنا تھا۔

کچھ دیر بعد پیر صاحب بھی اندر داخل ہوئے اور اپنے مخصوص صوفے پر بیٹھ گئے۔

''بیٹھو!''

''ہمیں پتا چلا ہے کہ تم میں کچھ انقلابی قسم کے جراثیم آرہے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ انہیں ادھر ہی ختم کردو۔''

''میرا انقلاب سے کیا تعلق؟'' وہ بولا۔ ''جس نے بھی آپ کو یہ اطلاع فراہم کی ہے غلط کی ہے۔ میں جو گاڑیاں استعمال کرتا ہوں؟ جس قسم کے گھروں میں رہتا ہوں' وہاں رہنے والوں کا انقلاب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم اتنی دور نہیں گئے۔ تمہاری واپسی کی توقع کی جاسکتی ہے۔'' پھر قدرے توقف سے پائپ سلگانے کے بعد بولے۔

''حیدر علی شاہ کے نقشِ قدم پر مت چلنا' ٹھوکر لگے گی اور بہت بری طرح گرو گے۔''

''آپ کی نصیحت ہے' لیکن باباجان! میں نے حیدر بابا کو ٹھوکر کھا کر گرتے نہیں دیکھا۔ میں تو جب بھی دیکھتا ہے۔ انہیں سر اٹھا کے ہی چلتے دیکھا ہے۔''

پیر صاحب نے پائپ کے تین چار کش لیے اور اسے پُرخیال انداز میں تکتے رہے پھر بولے۔

''بھائی مرا ہے تمہارا' بدلہ نہیں لینا چاہتے' نہ لو' لیکن درمیان میں بھی مت آنا۔'' پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ ''پڑھائی کیسی جارہی ہے تمہاری؟''

''ٹھیک جارہی تھی۔''

''تھی؟ اب کیا مسئلہ آگیا؟''

''میں فیصلہ نہیں کرپارہا کہ مجھے واپس جانا چاہیے یا نہیں۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''اس کی وجہ امداد علی یا خادم حسین تو نہیں ہیں؟'' انہوں نے پوچھا۔

''وہ بھی ہے' لیکن صرف وہی نہیں ہیں۔''

''پھر؟''

''نہ پوچھیں باباجان! میں بتا نہیں سکوں گا۔'' اس نے پھر سچ کہہ دیا۔

''ہوں۔'' انہوں نے پُرخیال نظروں سے اسے دیکھا۔

''کسی لڑکی کا چکر ہے کیا؟''

سبط نے نظریں اٹھا کر حیرت سے انہیں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔ پیر صاحب سے بیٹوں میں اگر کوئی فرینک تھا تو وہ بڑ۔ ۔ین بیٹے تھے۔ خادم امداد اور مکرم۔

''اتنی بڑی حماقت کا ۔وت مت دو۔ ابھی عمر پڑی ہے بے شمار لڑکیاں ملیں گی تمہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے تم میں۔ لکس (looks) روپیہ' پیسہ' جائیداد سب کچھ ہے تمہارے پاس' کسی لڑکی کے پیچھے پڑھائی چھوڑ دینا۔ نان سینس۔''

اس کا دل چاہا کہ وہ ان سے کہہ دے کہ وہ کوئی لڑکی نہیں زینی تھی۔ اتنے دن بعد اس کی آواز سن کر بے کلی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ وہ جو اسے دیکھے بغیر' اس کی آواز سنے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتا تھا' اب کتنے دن سے خود پر پابندیاں لگائے بیٹھا تھا۔

پیر صاحب اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہے تھے۔

''جسے جانا تھا' وہ چلا گیا ہے۔ خادم حسین کو ہوش آگیا ہے اور اب وہ خطرے سے باہر ہے اس لیے اب تم کل ہی واپسی کی تیاری کرو۔ سنیئر کیمبرج مذاق نہیں ہے یوں بھی تم کافی دن سے بلاوجہ یہاں آئے بیٹھے تھے۔ ہم نہیں چاہتے کہ عام لینڈ لارڈز کی طرح ہمارے بیٹے اَن پڑھ جاہل ہوں' لڑکیوں کے چکر سے نکلو اور پڑھائی پر توجہ دو۔''

''میں جاؤں باباجان؟''

''جاؤ۔'' انہوں نے کہا۔

وہ باہر نکل گیا۔

''باباجان ٹھیک کہتے تھے۔'' اسے باہر نکلتے دیکھ کر انہوں نے سوچا۔ ''اولاد بہت بڑی کمزوری اور امتحان ہوتی ہے۔''

☆======☆======☆

جب ماہ بانو اور اُما' اماں جان کے ساتھ حویلی کے اندر داخل ہوئیں' تب بھی وہاں کی

کیفیت بدلی نہیں تھی۔

ریشماں نیند کی گولی لے کر سو رہی تھی‘ اس لیے تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر وہ اور اماں اٹھ آئیں

”تم دونوں بہت جلد اٹھ آئیں؟“ اباجی نے انہیں دیکھ کر کہا۔ وہ وہیں مردانے میں تھے۔

”ریشماں سوئی ہوئی تھی۔ ایسے میں بیٹھ کر کیا کرتے۔ اب اباجی ہمیں حضرت صاحب والی حویلی میں جانا ہے۔ ہم عبداللہ سے بھی مل لیں۔“

”چلو پھر۔“

اباجی کے ساتھ وہ دونوں پیدل ہی چل پڑیں۔ موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ لہلہاتے کھیتوں کے بیچ سے گزرنا اچھا لگ رہا تھا‘ اس لیے انہوں نے تانگہ لینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ یوں بھی راستہ اتنا لمبا نہیں تھا۔

حیدر علی شاہ کی حویلی میں بھی بہت رونق تھی۔

”کہیں یہ بھی تمہاری کزن کی فیملی کی طرح تو نہیں ہیں؟ یہ نہ ہو ناں کہ ہم جائیں عبداللہ سے ملنے اور گھر والے ہمیں باہر کا راستہ دکھا دیں۔“ اُمانے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں یہ لوگ مختلف ہیں۔ گاؤں میں ویسے اس کی اماں اور بہنیں پردہ کرتی ہیں پھر بھی وہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک نہیں کریں گے۔“

وہاں واقعی ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا تھا۔ ایک تو پہلے ہی عبداللہ کی مختصر کلاس وہاں موجود تھی۔ دوسرے ان کے گھر کا ماحول پیر صاحب کی حویلی کے ماحول کی طرح گھٹا ہوا نہیں تھا۔

عبداللہ کا نام لینے پر انہیں بہت آراستہ اور خوبصورت ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا تھا‘ جہاں عبداللہ‘ ایڈی‘ جیمز کے علاوہ ظہیر بھی موجود تھا۔ بس ان کی Sculpture کی کلاس اتنی ہی مختصر سی تھی۔

”ارے تم لوگ؟“ انہیں آتے دیکھ کر وہ لوگ حیران ہو گئے۔

”ہاں‘ تم لوگوں کا کیا خیال تھا کہ یہ ڈرائی فروٹ تم لوگ اکیلے ہی ہضم کر جاؤ گے؟“ ماہ بانو نے کہا۔

وہ دونوں بھی وہیں بیٹھ گئیں۔

”میرا خیال تھا کہ تم لوگ ہمیں صرف انفارمیشن دے رہی ہو‘ یہ نہیں پتا تھا کہ تمہارا یہاں آنے کا ارادہ بھی ہے۔“ ایڈی نے کہا۔

”اُما کیسے یہ میری طرف سے ہی ہوئی تھی۔ ہم چلنے لگے تو یہ بھی تیار ہو گئی اور مجھے تو

آنا ہی تھا۔“

”تمہیں کیوں آنا تھا؟“ عبداللہ نے پوچھا۔

”اس لیے کہ ہمارا گاؤں نیاز پور ہے۔ بندہ مار دیا تم نے ہمارے گاؤں کا‘ تعزیت کرنے نہ آتے کیا؟ پھر آئے تو سوچا کہ کچھ ٹوٹ پھوٹ تمہاری بھی ہوئی ہے‘ از راہِ مروت تمہیں بھی دیکھتے چلیں۔“

”اور جو ڈرائی فروٹ تم سب ٹھونس رہے ہو اس کے چند دانوں پر ہم بھی اپنی مہریں لگا دیں۔“ اُمانے کہا۔

☆======☆======☆

زینی کو اس کا رویہ عجیب سا لگا تھا۔ اس نے بغیر کوئی بات کیے فون رکھ دیا تھا۔ یہ بھی نہیں بتایا تھا کہ کب رنگ کرے گا۔

”وہ یقیناً اَپ سیٹ ہو گا‘ لیکن اسے اتنی بے اعتنائی کا مظاہرہ تو نہیں کرنا چاہیے تھا۔“ اس نے سوچا۔

”زینی! آؤ کھانا کھا لو۔“ دیدی نے کچن سے اسے آواز دی۔

”مجھے بھوک نہیں ہے دیدی‘ میں پڑھنے جا رہی ہوں اپنے کمرے میں۔“ اس نے کہا۔

”کیا ہوا بیٹا؟ بجھی بجھی سی لگ رہی ہو۔ سبط سے بات نہیں ہوئی؟“ وہ کچن سے اس کے پاس چلی آئیں۔

”نہیں۔“

”نمبر تو ہے تمہارے پاس پھر ٹرائی کر لینا‘ ابھی کچھ کھا تو لو‘ دیکھو میں نے خاص طور پر تمہارے لیے رشین سلاد بنایا ہے۔“

”ایمان سے دیدی! ذرا بھی دل نہیں چاہ رہا۔ آپ رکھ دیں‘ بھوک لگے گی تو کھا لوں گی۔“ پھر اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹ آئی۔

”ہاں دیدی! فون آیا تو میں ریسیو کروں گی‘ پلیز کوئی اور مت اٹھائے۔“

☆======☆======☆

ظہیر اور جیمز باہر گھومنے نکل گئے تھے۔ کچھ فوٹو گرافی کرنے کا ارادہ تھا ان کا۔ ڈرائنگ روم میں وہی چاروں رہ گئے تھے۔

”اب ٹریٹ کب دے رہے ہو؟“ ماہ بانو نے پوچھا۔

”کس بات کی؟“

”اسی بات کی کہ تمام تر کوشش کے باوجود بھی تم پر لوک سدھارنے سے بچ گئے اور کس چیز کی؟“ اُمانے ہنستے ہوئے کہا۔

''حالانکہ میں نے منع بھی کیا تھا' لیکن ان کے پورے خاندان کی منطقیں ہی نرالی ہیں۔ وہ تو چھ بھائی ہیں' ایک آدھ لڑھک گیا تب بھی انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن تم اکیلے بیٹے اور بھائی ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''چھ ہوں یا بارہ یا پھر ایک' ہر کوئی اپنے اندر ایک پوری کائنات ہوتا ہے اور اپنی جگہ اہم ہوتا ہے۔ باقی رہ گیا خاندان کا سوال تو وہ میری مجبوری ہے' کیا کروں۔''

''فی الحال تو ایک اچھی سی ٹریٹ کا انتظام کرو۔'' ایڈی کشن نیچے رکھ کر قالین پر ہی دراز ہوگیا۔

''ایک نہیں دو ٹریٹ۔'' عبداللہ نے کہا۔

''تم دس ٹریٹیں دو گے تو ہم وہ بھی مر جی کے کھا ہی لیں گے' تمہارا دل تو نہیں توڑ سکتے ناں۔'' ماہ بانو بولی۔

''یاد رکھنا اپنی بات' میرا دل نہ توڑنا۔'' عبداللہ نے ہنس کر کہا۔

''ٹریٹ کے معاملے میں۔'' ماہ بانو نے جلدی سے اضافہ کیا۔

''چلو ایسے ہی سہی؟''

''ویسے تو جب آم مل رہے ہوں تو پیڑ گننا حماقت ہوتی ہے' لیکن صرف تجسس کی وجہ سے پوچھ رہی ہوں کہ دوسری ٹریٹ کس لیے؟ کہیں چپکے چپکے منگنی تو نہیں کروالی؟'' اُما نے ہنسی دبانے کی کوشش کی۔

''منگنی اپنی قسمت میں کہاں۔'' اس نے ماہ بانو کی طرف دیکھا۔ ''دوسری ٹریٹ صرف بانو کے لیے ہوگی۔''

''وہ کیوں؟'' اُما نے جلدی سے کہا۔

''وہ اس لیے کہ اس نے بروقت اور بالکل ٹھیک خبر دی تھی۔''

''میرے سامنے تم نے پہلی مرتبہ اتنی اچھی بات کی ہے۔ اب یہ بھی کہہ دو کہ ریسٹورنٹ کی سلیکشن بھی بانو کرے گی اور مینیو بھی بانو سلیکٹ کرے گی۔'' ماہ بانو نے مزے سے کہا۔

''حاتم طائی کی قبر پر اتنی لاتیں لگیں تو مُردہ باہر آجائے گا۔'' ایڈی بولا۔

''آج پھر آنی جانے دو مُردے کو باہر۔ تم بھی کیا یاد کروگی۔ جہاں چاہوگی وہیں ڈنر ہوگا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ڈنر نہیں' کیوں مجھے گھر سے نکلوانا ہے۔'' وہ ہنسی۔

''رہنے دو عبداللہ ان کی اوقات ہی یہی ہے کہ کالج والے پیپسی اور سینڈوچ پر خوش ہوجائیں گے۔ خواہ مخواہ حاتم طائی کو بھی اتنی تکلیف دی۔'' ایڈی بولا۔

ماہ بانو کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

URDU PHOTO

''تم اپنی عقل کو اتنی تکلیف مت دیا کرو ایڈی۔ ماہ بانو کا مطلب تھا کہ ڈنر نہیں لنچ کیا جائے گا۔'' عبداللہ نے اس کی خفت محسوس کر کے کہا۔

''اچھا چھوڑو' بانو کی ٹریٹ سے ہمیں کیا لینا دینا۔ یہ بتاؤ کہ ہمیں کب مل رہی ہے ٹریٹ' ہمیں ڈنر ہی چاہیے؟'' ایڈی بولا۔

''یہ فیصلہ کرلو کہ ڈنر کہاں ہوگا؟'' عبداللہ نے کہا۔

''یہ فیصلہ کریں گی دیوی جی۔'' ایڈی نے اُما کی طرف دیکھا۔

''I Will Kill You ایڈی۔'' اس نے دانت کچکچائے۔ ''سیدھی طرح اُما نہیں کہہ سکتے تم اور پھر میں کیوں فیصلہ کروں بھلا؟''

''اس لیے کہ ڈنر میں یہ خاکسار بھی شرکت کرے گا' جو خاصا خوش خوراک ہے اور صرف آپ کی نظروں کے جام پر گزارا کرنا مشکل ہوگا۔ کچھ نہ کچھ کھانا ضروری ہے' بھوکے پیٹ سے عشق بھی نہیں ہوسکے گا۔ وہ جو میاں مجنوں تھے ناں' پتھر کھا کر نہ مرتے تو فاقہ کشی سے مر جاتے' سارا عشق مل جاتا وہیں مٹی میں' مجھے یہ گوارا نہیں ہے۔''

ماہ بانو اور عبداللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مینیو کا انتخاب مجھ پر چھوڑا تو غم کھانے کے علاوہ کچھ نہیں کھا سکو گے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''وہی تو کھا رہا ہوں اور غصہ پی رہا ہوں۔''

''ایڈی! تم نے مجھے عاجز کردیا ہے۔'' وہ زچ ہوگئی۔

''میں نے تو صرف عاجز کیا ہے ناں تمہیں' تمہارے اوپر اس سے کہیں زیادہ سیریس چارجز ہیں۔'' وہ بولا۔ ''صرف چند ایک گنوا رہا ہوں۔ تم نے مجھے پریمی' عاشق آوارہ بنادیا ہے۔ ثبوت ہے یہ گانا جو میں آدھا دن سنتا رہتا ہوں اور اب جس طرف آنکھ اٹھاتا ہوں تمہاری ہی تصویراں ہے۔ ثبوت دیکھنا ہو تو میرے بیڈروم میں دیکھ لینا اور اسی پر بس نہیں کیا تم نے بلکہ کل ہی نہیں' ہر روز میرے سپنوں میں آکر آنکھوں سے دل میں سماتی ہو۔''

اُما کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایڈی کے ساتھ کیا سلوک کرے' جب کہ اس کی زبان مسلسل ان ایکشن تھی۔

''اب تو آپ سے ایک ہی درخواست ہے دیوی جی کہ:

پھول لاکھوں برس نہیں رہتے
دو گھڑی اور ہے بہار شب
آ کہ کچھ دل کی سن سنالیں ہم
آ محبت کے گیت گالیں ہم

''سٹاپ اِٹ ایڈی۔'' اُما کی قوتِ برداشت جواب دے گئی۔

''تمہیں ذرہ بھر بھی احساس نہیں ہوتا کہ تم کہاں بیٹھ کر کیا بولے جا رہے ہو۔ اٹھو بانو! اتنے غیر مہذب لوگوں میں بیٹھنا ہی حماقت ہے۔''

''پلیز اُما بیٹھو! اب یہ کوئی بے ہودگی نہیں کرے گا۔ یہاں تم میری مہمان ہو میرے گھر سے یوں ناراض ہو کر جاؤ تو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔'' عبداللہ نے اسے روکا۔

''تو اپنے دوست کو سمجھاؤ' یہ تو انتہا کر دیتا ہے۔'' اُما نے کہا۔

''راہِ محبت میں یہ مقام بھی آنے تھے کہ عشق کو بے ہودگی کہا جانے لگے۔ صد حیف ہے تم پر اکیسویں صدی کے انسانو! ہم دعا کرتے تھے:

خدا کرے کہ محبت میں وہ مقام آئے
کسی کا نام لوں لب پہ تمہارا نام آئے

لیکن تم لوگوں نے تو راستے میں ہی ایک پری کی عاشق' آوارہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنے کا گھناؤنا منصوبہ بنالیا ہے۔'' ایڈی نے مصنوعی آہ بھری۔

اُما سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

ماہ بانو ہنس پڑی۔ ''تم کیوں اس کی حماقتوں پر اتنا سیریس ہوتی ہو۔ ایک کان سے سنو' دوسرے سے نکال دو۔''

''بانو! تم تو ظالم سماج میں شامل مت ہو' تم سے بہت امیدیں باندھ رکھی تھیں میں نے۔'' ایڈی نے کہا۔

''بس عبداللہ! اب اگر کبھی تمہاری طرف آنا پڑا تو پہلے یہ یقین کر لوں گی کہ وہاں اس وقت ایڈی نہیں ہوگا۔ میں ناراض ہو کر نہیں جا رہی' لیکن اب مزید یہاں رک نہیں سکتی' چلو بانو۔'' وہ بولی۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

''یس!'' عبداللہ نے کہا پھر اُما کی طرف مڑا۔

''تم لوگ ابھی نہیں جاؤ گے' کھانا کھا کر جاؤ گے۔''

دروازہ کھول کر زہرا اندر داخل ہوئی۔ ایڈی اٹھ بیٹھا۔

''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟''

''نہیں' آؤ۔'' عبداللہ نے کہا پھر ان کی طرف مڑا۔

''یہ میری بہن ہے زہرا جسے ہم گڑیا کہتے ہیں اور گڑیا' ایڈی کو تو تم جانتی ہی ہو' یہ اُما ہے اور یہ ہے ماہ بانو۔'' اس نے تعارف کروایا۔

''اچھا آپ ہیں ماہ بانو' پلیز آپ بیٹھیں۔'' وہ خود بھی بیٹھ گئی۔

''آپ سے تعارف ہے میرا؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

زہرا مسکرا دی۔ ''بالکل ہے اور میں یہاں خاص طور پر آپ کا شکریہ ادا کرنے آئی ہوں' اگر آپ نے اطلاع نہ دی ہوتی تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔ میرے تو سوچ کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

''شکریے کی تو بات ہی نہیں ہے۔ ہوتا وہی ہے جو ہونا ہے۔ باقی تو سبب بننے والی بات ہوتی ہے اور یہ سبب میں نہ بنتی تو کوئی اور بن جاتا۔''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں ناں ورنہ حقیقت یہی ہے کہ ہم جو اس وقت اتنے اطمینان سے یہاں بیٹھے ہیں تو صرف آپ کی وجہ سے' ویسے ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھیں۔''

''آپ کو معلوم کیسے ہوا یہ سب؟'' زہرا کے انداز میں تجسس تھا۔

ماہ بانو مسکرا دی۔ ''بس یہ نہ پوچھیں۔ اتفاق سے معلوم ہو گیا تھا۔''

''یونہی سہی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''آئیں آپ کو اپنی اماں جان سے ملواتی ہوں۔''

ماہ بانو اور اُما بھی اٹھ گئیں۔ ماہ بانو کو تو ویسے بھی فوزیہ بیگم کو دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے زہرا میں بھی فوزیہ بیگم کی شبیہہ ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ عبداللہ کے بارے میں تو اسے یقین تھا کہ اس نے شکل وصورت میں ایک نقش بھی ماں سے نہیں لیا کیونکہ وہ مجسم حیدر علی شاہ کی جوانی تھا۔

زہرا بہت حسین نہیں تھی' لیکن اسے خود کو رکھنے کا ڈھنگ آتا تھا' رہی سہی کسر اسٹائل پوری کر دیتا تھا اور یوں مجموعی تاثر خوبصورتی کا ہی آتا تھا۔

چلتے چلتے زہرا کوریڈور میں رک گئی۔

''بانو! مجھے آپ سے کوئی بات کرنی ہے۔''

''اوہ۔ شیور۔'' اس نے کہا۔

''ابھی نہیں' آپ اماں جان سے مل لیں پھر۔''

''آل رائٹ۔''

حویلی خاصی لمبی چوڑی تھی۔ کافی دیر چلنے کے بعد وہ آراستہ لیونگ روم میں پہنچے' جہاں فوزیہ بیگم اون سلائیاں پکڑے ننٹنگ میں مصروف تھیں اور ساتھ ہی ٹی وی پر بی بی سی بھی دیکھ رہی تھیں۔ ٹی وی کی آواز بہت مدھم تھی۔

''اماں جان! یہ ہیں ماہ بانو اور یہ ہیں اُما۔'' زہرا نے اندر داخل ہو کر تعارف کرایا۔

فوزیہ بیگم نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔

''آؤ بچو بیٹھو۔''

وہ دونوں بیٹھ گئیں۔ زہرا' فوزیہ بیگم کے صوفے کی ہتھی پر ٹک گئی۔

''ماہ بانو میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ آپ کا ہم پر بہت احسان ہے بیٹا۔'' انہوں نے اون سلائیاں ایک طرف رکھ دیں۔

''آنٹی پلیز! مجھے شرمندہ مت کریں۔ عبداللہ میرا فرینڈ ہے۔ اتفاق سے مجھے اس بات کا علم ہوگیا تو میں نے بتا دیا۔''

''نہیں بانو بیٹا۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ آپ نے کس مقام پر ہماری مدد کی ہے۔''

فوزیہ بیگم نے اتنی مرتبہ اور اتنے پیار کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا کہ وہ سچ مچ شرمندہ ہوگئی۔

فوزیہ بیگم واقعی خوبصورت نہیں تھیں اور اگر بانو' اماں کی یہ بات تسلیم کرلیتی کہ ریشماں' زرینہ خالہ کی ہو بہو تصویر ہے۔ تب تو واقعی وہ زرینہ خالہ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں' لیکن ان کے چہرے پر ایک عجیب سی ملائمت تھی۔ انہیں دیکھ کر خوشگواریت کا احساس ہوتا تھا۔ ان کا بات چیت کرنے کا انداز بھی بہت خوبصورت تھا اور ان چیزوں نے ان کی شخصیت کو نکھار کر رکھ دیا تھا۔

''واقعی اماں ٹھیک کہا کرتی تھیں۔'' ماہ بانو نے سوچا۔ ''جو انسان اندر سے خوبصورت ہو' اس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نور سے روشن کر دیتا ہے۔''

''آئیں ہم کمرے میں چلتے ہیں۔'' کچھ دیر بعد زہرا نے کہا۔

''چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

زہرا انہیں اپنی خواب گاہ میں لے آئی اس کمرے کی سجاوٹ بھی گھر والوں کی خوش ذوقی کا پتا دیتی تھی۔

''اب آپ آرام سے بیٹھ جائیں بغیر کسی تکلف کے۔'' زہرا نے کہا۔

''آپ نے کوئی بات کرنی تھی؟'' ماہ بانو نے یاد دہانی کراتے ہوئے کہا۔

''ہاں' وہ تو کرنی ہے' لیکن کیا ہم بات چیت اتنے ہی تکلف زدہ ماحول میں کریں گے؟ میرا خیال ہے' ہم تینوں ہم عمر ہیں۔ یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ جناب چھوڑ کر 'تم' پر چلے آئیں۔''

وہ تینوں ہی ہنس پڑیں۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''شکر ہے ورنہ بات کرنا بہت مشکل ہو جاتی ہے۔'' زہرا نے کشن گود میں رکھ لیا۔

''مجھے ذاتی سطح پر بات کرنی ہے' اس طرح کہ یہ بات بھائی تک نہ پہنچے۔ میں انہیں بتا دوں گی لیکن ابھی نہیں۔ اصل میں مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

ماہ بانو اور اُما نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر ماہ بانو بولی۔

''مجھ سے جو ہو سکے گا میں کروں گی اور جہاں تک تمہارے بھائی کا تعلق ہے تو اس

کے ساتھ اگر تمہارا کوئی مسئلہ ہے تو وہ تم بہتر طور پر ہینڈل کرسکتی ہو۔'' اس نے محتاط انداز اختیار کیا۔

''نہیں بھائی کے ساتھ میرا کوئی مسئلہ تو نہیں ہے' صرف اتنا ہے کہ ابھی میں یہ طے نہیں کرسکی کہ انہیں کس انداز میں یہ بات بتاؤں۔'' پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''تم ریشماں کی کزن ہو؟''

اس نے قدرے حیرت سے زہرا کو دیکھا پھر بولی۔ ''یہ بات عبداللہ نے بتائی ہے تمہیں؟''

''نہیں' بھائی نے تمہارا ذکر کرتے ہوئے تمہارے نانا کا ذکر کیا تھا۔ اس کے بعد یہ جاننا مشکل تو نہیں تھا۔'' زہرا نے کہا۔

''اور یہ بات عبداللہ جانتا ہے؟''

''بات تو ان کے سامنے ہی ہوئی تھی' لیکن بھائی کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ وہی بات سنتے ہیں' جو سننا چاہتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ بات وہ سننا نہیں چاہتے تھے۔''

''تمہیں کس قسم کی مدد چاہیے؟''

''تم تو ریشماں کے بھائیوں کو بھی جانتی ہوگی۔ ہیں تو میرے کزن لیکن اول تو دشمنی ہی اتنی ہے تم جانتی ہو اور دوسرے ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یاد رکھنا مشکل ہے۔'' وہ ہنس پڑی۔

''ہیں تو بابا جان کے بھائی اس لیے کیا کہوں' لیکن انہوں نے فیملی پلاننگ کا بالکل خیال نہیں رکھا۔''

ماہ بانو خاموش رہی۔

''مجھے معلوم کرنا تھا ان کے بیٹے سبط حسن کے بارے میں وہ کیا کرتا ہے' کہاں ہوتا ہے؟''

ماہ بانو الجھن میں گرفتار ہوگئی۔ ''کوئی وضاحت نہیں کروگی زہرا؟ تم لوگوں کا ارادہ اسے کوئی......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''نہیں' یہاں کسی کا ارادہ اسے نقصان پہنچانے کا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے کہ بابا جان اور بڑے بابا سگے بھائی ہیں لیکن بابا جان نے ان کی طرح کبھی اوچھے ہتھکنڈے اختیار نہیں کیے اور نہ ہی کبھی کریں گے۔'' اس نے رک کر ماہ بانو کے چہرے کا جائزہ لیا پھر بولی۔ ''تم مطمئن نہیں ہوئیں' اچھا ٹھہرو۔''

وہ ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

''یہ کیا ہے اُما' میں کیا کروں؟'' ماہ بانو نے آہستہ سے کہا۔

''جب تک مطمئن نہ ہو جاؤ کوئی بات نہ بتاؤ۔'' اُما نے بھی اسی طرح کہا۔

اسی وقت زہرا باہر آئی۔اس کے ہاتھ میں ایک البم تھی۔

''پلیز ماہ بانو! یہ تو بتاسکتی ہوناں کہ یہ وہ سبط حسن تو نہیں ہے جو ریشماں کا بھائی ہے؟''

اس نے البم کھول کر ایک تصویر اس کے سامنے کردی۔

تصویر میں زہرا' زینی اور سبط حسن تینوں قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔پاس کتابیں' کاپیاں بکھری ہوئی تھیں۔تینوں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔تصویر میں موجود سبط حسن۔ریشماں کا بھائی ہی تھا۔ماہ بانو تصویر دیکھ کر الجھ گئی۔

''یہ تمہارا دوست ہے زہرا؟''

''میرا صرف دوست ہے' لیکن زینی یہ میری چھوٹی بہن ہے۔''اس نے زینی کی تصویر پر انگلی رکھ دی۔''زینی اور سبط حسن ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں۔تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ میں اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہوں؟''

''ہاں یہ ریشماں کا بھائی ہی ہے۔''ماہ بانو نے کہا۔

زہرا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔البم بند کر کے اس نے اپنے پاس ہی قالین پر رکھ دی۔

''اس نے نہیں بتایا تھا تمہیں؟''ماہ بانو کو زینی سے ہمدردی محسوس ہونے لگی تھی۔

''نہیں' کبھی ایسا ذکر ہی نہیں ہوا تھا۔''زہرا نے کہا۔وہ واضح طور پر ڈپریس دکھائی دے رہی تھی۔

''اور کیا وہ جانتا تھا تم لوگوں کے بارے میں؟''

''مجھے یقین ہے کہ وہ بھی نہیں جانتا تھا' لیکن بانو یہ جو کچھ ہوا ہے' ایسا نہیں ہونا چاہتے تھا۔پتا نہیں زینی کو معلوم ہوگا تو وہ اس صورتِ حال کو قبول بھی کر سکے گی یا نہیں۔''پھر قدرے توقف سے بولی۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مجھے یہ بات زینی کو بتادینی چاہیے یا نہیں۔''

''دیکھو زہرا! تم خود سمجھدار ہو اور یہ مسئلہ بہتر طور پر ہینڈل کر سکتی ہو' لیکن بہت خلوص سے مشورہ دے رہی ہوں تمہیں۔آج یا کل جیسے تمہیں معلوم ہوا ہے' اسے بھی معلوم ہو جائے گا۔اور اسے ہی نہیں سبط حسن کو بھی علم ہو جائے گا۔یہ بات چھپی رہنے والی تو ہے نہیں۔پتا نہیں ان دونوں کو کسی اور ذریعے سے معلوم ہو تو ان کا کیا ردِعمل ہو۔سبط حسن کی بات مختلف ہے' لیکن زینی کا ری ایکشن زیادہ شدید ہو سکتا ہے۔تم بتاؤ گی تو طریقے سے بتاؤ گی اور ردِعمل جو بھی ہوا سے سنبھال سکو گی۔''ماہ بانو نے کہا۔

''یہی بات میں بھی سوچ رہی ہوں لیکن میرا اسے بتا دینا بھی کوئی آسان تو نہیں ہے۔یہ دیکھو اس کے خط۔''اس نے تکیے کے نیچے سے وہ خطوط کا بنڈل نکال کر ان کے سامنے ڈھیر کر دیا۔

URDU PHOTO

''ابھی تم لوگوں کے آنے سے پہلے میں اس کے یہ خط پڑھ رہی تھی۔اتنے لمبے خطوں میں وہ کون سی سطر ہے جس میں سبط کا ذکر نہیں ہے۔

اور پھر چھوٹی ہونے کی وجہ سے وہ سب کی بہت لاڈلی ہے۔ہر کوئی اس سے اب بھی ویسے ہی پیار کرتا ہے جیسے چھوٹے بچوں سے کیا جاتا ہے' اس لیے اس کی بچوں والی عادتیں بھی برقرار ہیں۔جتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ بے اختیار ہنس پڑتی ہے' اس سے بھی چھوٹی باتوں پر اتنا زیادہ روتی ہے کہ چپ کرانا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ہم میں سے کوئی بھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔''

''تو کیا سبط حسن اس کے لیے اسٹینڈ نہیں لے گا؟''اُما نے پوچھا۔

''اس کا حل اتنا آسان نہیں ہے۔سبط اسٹینڈ لے لے تب بھی بہت مسئلے ہیں۔ہم دونوں بہنوں کی منگنی بچپن میں بڑے بابا خود ہی اپنے بیٹوں سے طے کر چکے ہیں۔میرے بابا جان نے خاندانی روایات سے بغاوت کر کے ہم دونوں کو پڑھانا شروع کیا۔پہلے تو بڑے بابا نے زبانی منع کیا' لیکن جب بابا جان نہ مانے تو انہوں نے ہماری گاڑی پر فائرنگ کروادی۔اللہ نے کرم کیا اور ہم بچ گئے' لیکن پھر بابا جان نے ہمیں پڑھائی کے لیے مری بھجوا دیا۔ہمیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔بھائی کو بھی باہر بھجوا دیا۔یہاں کسی کے بھی علم نہیں کہ ہم کہاں پڑھ رہے ہیں۔

اور اب جو بڑے بابا مجھے اغوا کرنا چاہتے تھے تو اس لیے نہیں کہ مجھے بہو بنائیں' بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے تھے۔

اب تو یوں بھی معاملہ بہت بگڑ گیا ہے۔زینی کا وہ جو نام نہاد منگیتر تھا' وہ مر گیا ہے اور اب خاندانی روایات کے مطابق اسے بڑی حویلی میں امداد علی کی بیوہ کے طور پر باقی زندگی گزارنا ہوگی' لیکن حقیقت بتاؤں اُما تو وہ یہ بھی نہیں کریں گے' وہ اسے بھی قتل کر دیں گے۔''

''لیکن کیوں؟''اُما کچھ نہ سمجھ سکی۔

''کیونکہ ہم ان کے بیٹوں کی عزت ہیں۔''وہ تلخی سے ہنسی۔''ہمارے خاندان میں عزت اور غیرت کے فلسفے بھی تو بہت پرانے ہیں۔صدیوں پرانے۔بڑی حویلی کی عزت خاک میں مل چکی ہے' کیونکہ ہم بہنوں نے پڑھ لکھ لیا ہے۔ہمیں نہ جانے کتنے لوگ دیکھ چکے ہیں اور نہ جانے کتنے لڑکوں سے ہماری دوستی رہی ہے۔

یہ بڑے بابا کا خیال ہے' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے پڑھنے سے اتنی فرصت ہی نہیں ملی کہ کسی لڑکے سے دوستی کرتی۔کچھ شاید بچپن کی بے انتہا سختی کا اثر تھا کہ کبھی اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔بچپن میں ہماری گورنس بہت سخت تھیں۔

اور زینی کی سبط کے علاوہ کسی لڑکے سے دوستی نہیں ہے' وہ ہے بھی بہت اچھا۔میں تو سوچ

بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا تعلق ایسے لوگوں سے ہو سکتا ہے۔

اب خود سوچو وہ اسٹینڈ لے بھی تو کتنا لے گا؟ اور پھر اماں جان ہم بہنوں کا رشتہ کبھی وہاں نہیں دیں گی' چاہے انہیں یہ یقین ہی کیوں نہ آجائے کہ وہاں ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ چاہے وہ ہمیں پلکوں پر بٹھا کر رکھیں' تب بھی نہیں۔ ان کا سیٹ اپ اتنا مختلف ہے کہ وہاں تو ہمارا دم گھٹ جائے گا۔ زینی اور سبط کے معاملے میں تو فل اسٹاپ سمجھو۔''

''اور ریشماں اور عبداللہ کے متعلق کیا خیال ہے؟''

''ناممکن۔'' اس نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''بابا جان تو چاہتے ہیں اماں جان کی بھی خواہش ہے' لیکن ان کی شادی ایک دوسرے سے ہوگی نہیں' ہو ہی نہیں سکتی۔''

''عبداللہ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''انہوں نے کبھی کھل کر مخالفت نہیں کی' لیکن شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا' اس لیے مخالفت کر کے خواہ مخواہ بدمزگی پیدا کرنے کا فائدہ۔ ویسے ان کا انداز صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ یہ ذکر بھی پسند نہیں کرتے۔ دراصل ان کے مزاج میں اتنا زیادہ تحمل اور برداشت ہے کہ وہ بہت ہی کم باتوں پر اپنے غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ ہاں اگر غصہ آجائے انہیں تو بس پھر یہ پوچھو کہ کیا ہوتا ہے' لیکن یہ غصہ آتا بہت ہی کم ہے۔''

اُما اور ماہ بانو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''تم اتنے یقین سے عبداللہ اور ریشماں کی شادی کے امکان کو کیسے رد کر سکتی ہو؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''ظاہر ہے جس گھر کی بیٹیوں کی وہ قبریں کھودنے پر آمادہ بیٹھے ہوئے ہیں اس گھر میں کبھی اپنی بیٹی دے سکتے ہیں؟ اور پتا ہے' ہمارے ہاں پیر گھرانے کی بیٹی کی شادی نہیں ہوتی۔ ان کا کہنا ہے کہ سسرال میں بیٹی کے ساتھ ہر قسم کا اچھا برا سلوک کیا جا سکتا ہے اور اگر سلوک برا ہو تو لڑکی والوں کا سر جھک جاتا ہے' اب اگر پیر صاحب کا سر جھک گیا تو قیامت نہیں آجائے گی کیا؟ ہے ناں پاگل پن۔

اب سوچو کہ وہ جو سر جھکنے کے ڈر سے دوستوں میں رشتہ نہیں دیتے' دشمنوں میں کیسے دے سکتے ہیں؟ میں تو کہتی ہوں کہ اچھا ہی ہے اگر بھائی' ریشماں میں دلچسپی نہیں رکھتے تو خواہ مخواہ خود کو مصیبت میں ڈالنے کا فائدہ؟''

ماہ بانو سوچ میں پڑ گئی۔

''ویسے تو مجھے تم لوگوں کے مسئلے میں نہیں آنا چاہیے لیکن زہرا! اچھا ہو کہ تم عبداللہ کو زینی اور سبط حسن کے بارے میں بتا دو۔ جتنا میں انہیں جانتی ہوں' مجھے یقین ہے کہ وہ اس مسئلے کو سب سے اچھی طرح ہینڈل کریں گے۔'' اُما نے کہا۔

''یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اگر درمیان میں سبط کے علاوہ کوئی اور ہوتا' تب تو کچھ مسئلہ ہی نہیں تھا' اب بات دوسری ہے۔ خیر چھوڑ دو اسے۔ میں نے تو خواہ مخواہ تم لوگوں کو پریشان کر دیا۔ یہ بتاؤ کہ کب تک ہو یہاں گاؤں میں؟''

''بس آج رات واپس جانا ہے۔''

''اتنی جلدی؟'' زہرا نے کہا۔

''کالج چھوڑ کے آئے ہیں۔ ایک تو سب عتاب گرتا ہے فرسٹ ایئر والوں پر' روزانہ مارکنگ ہوتی ہے' آج بھی بہت حرج ہوا ہے۔ سیکنڈ ایئر میں جائیں گے تو اس روزانہ مارکنگ والی ٹینشن سے تو نجات ملے گی۔'' اُما نے کہا۔

''میرا خیال ہے اُما کہ اب چلنا چاہیے۔''

''ایسے کیسے؟ کھانا لگ چکا ہے' کھانا کھائے بغیر جانے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔'' زہرا بولی۔

کھانا بہت پُرتکلف تھا اور میز پر ان چاروں کے علاوہ جیمز اور ظہیر بھی موجود تھے۔

''ثریا نے بتایا ہے کہ تم لوگ آج ہی واپس جا رہے ہو؟'' عبداللہ نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''ہاں' ساری رات سفر کر کے صبح کالج بھی اٹینڈ کرنا ہوگا' مجھے تو سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے ہیں۔'' اُما نے کہا۔

''رہو گے تم لوگ فرسٹ ایئر فول ہی' ایک دن تم لوگوں کے کالج نہ جانے سے فطرت کے مقاصد تبدیل نہیں ہو جائیں گے۔'' ایڈی نے کہا۔

''اتنی مشکل باتیں مت کیا کرو کہ اوپر سے گزر جائیں کل ڈیزائننگ کی کلاس ہے اور میرا نہیں خیال کہ قمر صاحب نے نمبر دینے کا اختیار تمہیں دے دیا ہے۔'' اُما بولی۔

''مجھے دیا ہوتا تو تمہارے فل نمبر ہوتے۔ ابھی تو میں اتنا کہہ رہا ہوں کہ کبھی کبھار منہ کا ذائقہ تبدیل کرنے کے لیے نمبروں کے بغیر بھی گزارا کر لیا کرو۔''

''ذرا تمہارا تھیسز شروع ہو جائے ایڈی۔ یہی بددعا میں تمہیں اس وقت دوں گی۔''

''تم کچھ دو تو سہی' دعا نہ سہی' بددعا ہی سہی۔''

ایڈی نے کچھ اس انداز میں کہا کہ سب ہی ہنس پڑے۔

''ایڈی اگلے مائم کا موضوع ہونا چاہیے' ایک بددعا کا سوال ہے۔'' ظہیر نے کہا۔

''اچھا یہ بتاؤ کہ تم لوگ کب آ رہے ہو۔'' ماہ بانو نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔

''ہم آ رہے ہیں کمیشن سے ایک آدھ دن پہلے۔'' ایڈی نے کہا۔

''لیکن سب مِٹ کیا کراؤ گے؟ کام تو تم نے کیا نہیں ہے۔'' ماہ بانو ہنسی۔

''کام تو ہوتا ہے موڈ کے ساتھ' موڈ بن جائے تو آستینیں چڑھا کر دن' دو رات مسلسل بھی کام کیا جاسکتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اور عبداللہ تم بھی ان کے ساتھ ہی آؤ گے؟''

''ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا' میرے پروگرام اچانک ہی بنتے ہیں۔''

کھانا کھا کر وہ چلنے کے لیے تیار ہوئیں۔

''چلو میں تم لوگوں کو چھوڑ آؤں۔'' عبداللہ نے جیپ کی چابی اٹھالی۔

''اتنے تکلفات میں مت پڑو' ہم چلے جائیں گے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تکلفات میں تو تم پڑتی ہو بانو۔''

''میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ہمیں نیاز پور جانا ہے اور تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے' ابھی یوں بھی حالات خراب ہیں۔''

''کچھ نہیں ہوتا۔ تم لوگ تو چھوٹی چھوٹی باتوں کو سر پر سوار کر لیتے ہو۔''

''یہ چھوٹی بات نہیں ہے عبداللہ۔''

''اچھا چلو تو' ندی تک تو چھوڑ سکتا ہوں ناں تمہیں' آگے پھر تھوڑا ہی راستہ ہے۔''

وہ دونوں سب کو وش کر کے اس کے ساتھ باہر نکل آئیں۔ جیپ ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ہولی۔

''بانو! مجھے کام تھا تم سے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیسا کام؟''

''میں لاہور کے اپنے گھر کا لان ٹھیک کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں چاہتا ہوں کہ تم سرامکس سے متعلق چیزوں کی ڈیزائننگ کرو۔ صرف ڈیزائننگ نہیں انہیں تیار بھی تم ہی کو کرنا ہوگا' لیکن ایک تو یہ کام ذرا جلدی ہونا چاہیے۔ دوسرے' چیز بہت آرٹسٹک ہونی چاہیے' کر سکو گی؟''

''ضرور' یہ تو بہت دلچسپ کام ہے۔''

''ٹرمز اور کنڈیشنز وہاں آنے پر طے ہو جائیں گی۔'' وہ بولا۔

''ٹرمز اینڈ کنڈیشنز؟ لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟''

''ضرورت کیوں نہیں ہے' تم اپنا ٹیلنٹ استعمال کرو گی' اپنا وقت دو گی اور ان دونوں چیزوں کی قیمت ہوتی ہے۔''

''قیمت تمہارے لیے نہیں ہے عبداللہ وہ میں دوسرے لوگوں سے وصول کرلوں گی۔''

''لڑکی' آرٹ کو اتنا بے قیمت مت کرو۔ اسے سمجھاؤ اُما یہ اپنے کام کی ویلیو خود ہی کم کر رہی ہے' اس سے بڑی حماقت کیا ہوگی۔''

''مجھے مت سمجھاؤ' میں خود بھی بہت پروفیشنل ہوں اس معاملے میں' لیکن تم سے عبداللہ' میرا دل نہیں مانتا۔ چلو اس مرتبہ نہیں' پھر کوئی اور کام دیا تو خوب کھینچ تان کر پیسے وصول کروں گی۔''

''تم اب بھی ایسا ہی کرو گی اور یاد رکھو کہ یہ کام تم ہی کو کرنا ہے۔'' اس نے جیپ روک دی۔ ''باقی باتیں لاہور آکر ہوں گی۔''

وہ دونوں اسے بائے کر کے اتر آئیں۔

''یہ کیا حماقت ہے بانو' وہ تم سے کام کروا رہا ہے اور تم پیسے لینے پر تیار نہیں ہو۔ پتا ہے کوئی آرٹسٹ سن لے تو تمہیں مینٹل اسپتال میں داخل کروادے۔'' پگڈنڈی پر آگے بڑھتے ہوئے اُما نے کہا۔

''یہ بات نہیں ہے اُما۔ مجھے لگتا ہے جیسے وہ میری مدد کرنے کے خیال سے ایسا کر رہا ہے۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ تمہیں بھیک تو نہیں پکڑا رہا۔ اسے تمہارے ابا جی کی بنائی ہوئی Pottery اچھی لگی۔ تمہاری ڈیزائننگ پر اسے بھروسا ہے' اس لیے وہ تمہیں یہ کام دے رہا ہے اور یہ بھی سن لو کہ کوئی کتنا بھی امیر کیوں نہ ہو۔ یونہی پیسے پھینک نہیں دیا کرتا۔''

''اُما! میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھ پر ترس کھائے اور مجھے پتا ہے کہ وہ مجھ پر ترس کھا رہا ہے۔''

''پاگل ہو' تم میں کسی بات کی کمی ہے کہ وہ تم پر ترس کھائے گا۔''

''اچھا چھوڑو۔''

چلتے چلتے ماہ بانو کی نگاہ چند قدم کے فاصلے پر کھڑے حیدر علی شاہ پر پڑی' جو بائیں سمت کھیت کے کنارے کھڑے تھے۔ کھیت میں کٹائی کا کام ہو رہا تھا اور وہ دور سے اس کا جائزہ لے رہے تھے۔

''اُما!'' ماہ بانو نے اسے متوجہ کیا۔ ''وہ عبداللہ کے بابا جان ہیں۔''

ان کی طرف حیدر علی شاہ کی پشت تھی۔

''پیچھے سے تو صرف یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ ہائٹ اچھی ہے اور اسمارٹ بھی لگ رہے ہیں۔'' اُما نے تبصرہ کیا۔ ''ویسے بانو! اگر یہ واقعی جوانی میں عبداللہ جیسے تھے تو تمہاری خالہ زرینہ بلاوجہ ہی پہلی نظر کی محبت کا شکار نہیں ہوئی تھیں بھئی میں تو اب زرینہ خالہ کو الزام نہیں دیتی۔''

اسی وقت حیدر علی شاہ ان کی طرف مڑے۔

''اُف یہ تو اب بھی اتنے ہینڈسم ہیں' کتنے سوبر لگتے ہیں' کیا زبردست پرسنالٹی ہے۔'' اُما نے دبے دبے انداز میں ماہ بانو سے کہا۔

''شی' سن لیں گے جلدی چلو۔''

وہ دونوں آگے چل دیں۔

حیدر علی شاہ کی کبھی بھی یہ عادت نہیں تھی کہ وہ پیچھے مڑ کر کسی کو دیکھیں لیکن اُما کے تبصرے میں زرینہ کا ایسے انداز میں ذکر سن کر وہ نہ جانے کیوں پیچھے مڑ گئے تھے۔ دور تک پھیلے کھیتوں میں کافی خاموشی تھی اور درمیان میں فاصلہ بھی کم تھا' اس لیے مدھم آواز میں کی گئی باتیں بھی ان تک پہنچ گئی تھیں۔ وہ چلی گئیں تو وہ بھی ان کھیتوں کی طرف متوجہ ہو گئے' جہاں کٹائی ہو رہی تھی۔

☆======☆======☆

زہرا اپنے کمرے میں بیٹھی زینی کے پرانے خطوط پڑھ رہی تھی۔ ابھی شام کو اس کا ایک اور خط آیا تھا۔ وہ بھی سبط کے ذکر سے بھرا ہوا تھا' لیکن اس مرتبہ خط میں پریشانی نظر آ رہی تھی۔ سبط بغیر بتائے گاؤں چلا گیا۔ کیوں گیا وہ اس طرح؟ کہیں بیمار نہ پڑ گیا ہو' فون نہیں کیا اس نے وغیرہ۔ یہی سب تھا اس کے خط میں۔ اندیشے' فکریں' پریشانیاں۔

اب تک کتنی ہی مرتبہ وہ اس کے مختلف خط پڑھ چکی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔

''لیس!'' اس نے کہا۔

اندر آنے والا عبداللہ تھا۔

''آ جائیں بھائی۔'' اس نے جلدی جلدی سب خط اکٹھے کر کے کشن کے نیچے سرکا دیے۔

وہ بیڈ سے ٹیک لگا کر قالین پر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

''کیا ہو رہا تھا؟''

''کچھ خاص نہیں۔ زینی یاد آ رہی تھی اس کے خط پڑھ رہی تھی۔'' زہرا نے کہا۔

عبداللہ نے سگریٹ سلگا لیا۔ ''سب سو گئے تھے' مجھے نیند نہیں آ رہی تھی' اس لیے تمہارے پاس چلا آیا۔''

''بہت اچھا کیا۔ بانو اور اُما کہہ رہی تھیں کہ وہ آج رات ہی لاہور چلی جائیں گی۔''

''ہاں بلکہ اب تک وہ لوگ جا بھی چکے ہوں گے۔ گیارہ تو بج رہے ہیں۔'' پھر قدرے توقف سے بولا۔ ''یہ بتاؤ گڑیا کہ تم مجھ پر کتنا اعتماد کرتی ہو؟''

''یہ کیا بات ہوئی بھائی' آپ پر تو میں اپنے آپ سے بھی بڑھ کر اعتماد کرتی ہوں۔''

''اور اگر میں کچھ پوچھوں تو سچ سچ جواب دو گی؟''

''آپ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہیں۔ میرے اور آپ کے درمیان کوئی کمیونی کیشن گیپ تو نہیں ہے۔ آپ سے تو میں اس لیے بھی پورے اعتماد سے بات کر سکتی ہوں کیونکہ آپ کو غصہ نہیں آتا۔ آپ اور بابا جان پتا نہیں کیسے اتنی بڑی بڑی باتیں بھی آرام سے برداشت کر لیتے ہیں۔''

''اس بات کی مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے کہ ہم دور دور رہنے کے باوجود بھی ہم بہن بھائی ایک دوسرے سے ذہنی اور قلبی طور پر دور نہیں ہوئے۔'' اس نے قدرے توقف کیا۔ سگریٹ کا ایک

طویل کش لیا پھر بولا۔

''تم سبط حسن کا نام سن کر چونکی تھیں مجھے محسوس ہوا تھا کہ تم اسے کسی کے ساتھ Identify کی کوشش کر رہی تھیں۔''

زہرا کو توقع نہیں تھی کہ وہ یہ موضوع چھیڑے گا وہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''آپ سے ماہ بانو یا اُما نے کچھ کہا؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

عبداللہ کی آنکھوں میں آنے والے تاثرات نے اسے ایک دم بتا دیا کہ ماہ بانو یا اُما نے اسے کچھ نہیں بتایا۔ عبداللہ کی آنکھیں بہت جلد ہر بات ظاہر کر دیتی تھیں۔

''تم نے ان سے کوئی ذکر کیا تھا؟''

''ہوں' بانو سے کیا تھا۔ اینی وے' آپ نے جو کچھ محسوس کیا' وہ ٹھیک تھا۔''

''پھر کیا اندازہ لگایا تم نے؟ وہ وہی ہے جس کے ساتھ تم اسے Identify کر رہی تھیں؟''

''یہ نہیں ہے بھائی کہ میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی تھی لیکن ابھی میں نے اس بات کا فیصلہ نہیں کیا تھا کہ آپ کو یہ بات کب اور کیسے بتائی جائے۔''

عبداللہ نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''مجھ پر اعتبار کرو گڑیا' میں نہیں چاہتا کہ میری بہنیں اس وجہ سے کسی پریشانی میں مبتلا ہوں کہ وہ مجھ سے اپنے مسئلے شیئر نہیں کر سکتی تھیں۔''

''تھینک یو بھائی۔'' وہ مسکرائی پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''سبط ہمارا فرینڈ ہے' بہت اچھا ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ بڑے بابا کے گھر میں سبط جیسا اچھا فرد بھی ہو سکتا ہے۔ آپ سب نے زینی کی تصویر کے متعلق پوچھا تھا اور اس نے کہا تھا کہ جس نے تصویر کھینچی ہے' وہ آپ کو اس سے ملوائے گی۔ بس اتفاق ہوا کہ سبط سے آپ کی ملاقات نہیں ہو سکی۔''

''ہوں۔'' وہ پُر خیال انداز میں بولا۔ ''وہ صرف دوست ہے ناں۔''

گڑیا نے نفی میں سر ہلایا۔ عبداللہ نے گہرا سانس لیا۔

''زینی اور سبط ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔'' وہ بولی

''تمہیں یقین ہے اس بات کا؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ محض گہری دوستی ہو۔''

''یہ محض گہری دوستی نہیں ہوتی۔'' اس نے کشن کے نیچے سے خطوط کا چھوٹا سا بنڈل نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

''بھائی آپ کو اندازہ نہیں ہے' وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے کتنے پاگل ہیں۔''

عبداللہ نے دو تین خط نکال کر پڑھے۔ سب ہی بہت طویل اور سبط حسن کے ذکر سے بھرے ہوئے تھے۔ کیا باتیں ہوئیں' کتنی سیر کی' کس درخت کے تنے پر کتنی مرتبہ نام لکھا' کچن

میں گھس کر کون سی نئی ڈش بنانے کی کوشش میں سارا کچن تلپٹ کر دیا اور کون سے گانے سنتے ہوئے کتنا کچھ پڑھا' ہر خط میں اسی قسم کی باتیں تھیں۔ اس نے بنڈل دوسری جانب سرکا دیا۔

''یہ بات تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ یہ سبط بڑے بابا جان کا بیٹا ہی ہے؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

زہرا نے اثبات میں سر ہلایا اور البم اس کی طرف بڑھا دی۔

''میں نے ماہ بانو سے یہی پوچھا تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ بڑے بابا جان کا ہی بیٹا ہے۔''

عبداللہ نے البم کھول لی۔ زیادہ تر تصویریں وہ تھیں جو سبط نے گڑیا اور زینی کی کھینچی تھیں' لیکن چند تصویروں میں ان کے ساتھ وہ بھی موجود تھا۔ یہ تصویریں دیدی یا زہرا نے اتاری تھیں۔ عبداللہ ایک تصویر پر رک گیا۔ اس میں زینی اور سبط پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں پائن ایپل کولر کے گلاس تھے۔ دونوں ہنس رہے تھے' چہروں پر اطمینان کے رنگ تھے۔ اکٹھے بیٹھے وہ دونوں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ کتنی دیر تک وہ ان کی تصویر تکتا رہا۔

''بھائی آپ یقین کریں' سبط بہت اچھا ہے' مجھے تو اب پتا چلا ہے کہ وہ بڑے بابا جان کا بیٹا ہے' لیکن زینی کو اب بھی اس بات کا علم نہیں ہے۔''

''ہوں۔ سبط نے کبھی اپنے بارے میں نہیں بتایا تھا؟ اور تم لوگوں نے بھی کبھی نہیں پوچھا؟''

''آپ کو پتا ہے ناں کہ ہماری فیملی کے بکھر جانے کا زینی نے کتنا اثر لیا تھا۔ وہ اب تک کمپلیکس محسوس کرتی ہے' پھر بابا جان نے بھی سختی سے منع کر رکھا تھا بتانے سے۔ زینی کا خیال تھا کہ وہ سبط سے پوچھے گی تو اپنے بارے میں بھی بتانا پڑے گا' اس لیے وہ یہ بات نہیں پوچھتی تھی۔ شاید سبط نے بھی یہ محسوس کیا تھا۔ وہ بھی کبھی یہ گفتگو نہیں کرتا تھا اور میرا اندازہ ہے کہ انہیں اس بات کی پروا بھی نہیں ہے۔ وہ ابھی اس عمر میں نہیں پہنچے' جہاں ان باتوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔''

''یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جب ان دونوں کا اتنا ملنا جلنا ہے تو اس کی کبھی اماں اور بابا جان یا مجھ سے ملاقات کیوں نہیں ہوئی؟ کیا زینی ایسا نہیں چاہتی تھی؟''

''نہیں' وہ تو بہت زیادہ چاہتی تھی' لیکن یہ اتفاق ہے کہ ان دنوں سبط مصروف ہوتا تھا۔''

''ایسا اتفاق کتنی مرتبہ رونما ہو سکتا ہے؟'' عبداللہ نے کہا۔

''اس بارے میں' میں کیا کہہ سکتی ہوں' مجھے اس کی زبان کا اعتبار تھا' جو اس نے کہا' میں نے آپ کو بتا دیا۔''

''اس کا کوئی فون نمبر ہے تمہارے پاس؟''

زہرا نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''زینی کو وہاں مری والا فون نمبر معلوم ہے' لیکن میں نے کبھی

ضرورت ہی نہیں سمجھی۔''

''خیر نمبر معلوم کرنا تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تھینک یو گڑیا! تم نے مجھ پر اعتبار کیا۔ اب تم اپنے ذہن سے یہ پریشانی جھٹک دو۔ میں یہ معاملہ ہینڈل کر لوں گا۔''

''اور بھائی جیسے آپ نے یہ محسوس کیا تھا کہ میں سبط کے ذکر سے چونکی تھی' ویسے ہی اگر اماں یا بابا جان نے محسوس کیا ہو اور ان میں سے کوئی مجھ سے پوچھے تو انہیں کیا بتاؤں؟''

''بابا جان نے تو یقیناً یہ بات محسوس کی تھی' اماں جان کے متعلق کہہ نہیں سکتا۔ بہر حال وہ پوچھیں تو ان سے کہہ دینا کہ تم مجھ سے بات کر چکی ہو اور میں نے ضرورت سمجھی تو انہیں بتا دوں گا۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے۔'' زہرا نے سر ہلایا۔

''تمہاری البم سے یہ تصویر لے سکتا ہوں؟'' عبداللہ نے اس تصویر کے متعلق کہا' جس میں زینی اور سبط حسن ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

''ضرور۔'' اس نے جلدی سے تصویر نکال کر عبداللہ کو تھما دی۔

''تھینک یو اور اب سو جاؤ' بہت دیر ہو گئی ہے۔''

وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

☆======☆======☆

صبح حویلی سے متعلق ہنگاموں میں سبط نے خود کو مصروف کر رکھا تھا' لیکن رات کو اپنے کمرے میں آتے ہی اسے زینی بری طرح یاد آنے لگی۔ کتنے دنوں سے اس نے خود کو روک رکھا تھا زینی کو فون کرنے سے۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کتنے دن اس کے بغیر رہ سکتا تھا اور ہر پل اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ زینی سے جدا نہیں ہو سکتا۔

درمیان میں امداد علی والا واقعہ ہو گیا۔ یہ غم اتنا اچانک اور اس قدر شدید تھا کہ زینی یاد تو آئی' لیکن ریشماں اور عبداللہ کے حوالے سے غم کی شدت نے اس کی یاد کو دبائے رکھا تھا۔

لیکن دوپہر کو جو اس کا فون آیا تو اسی شدت سے پھر یاد آنے لگی تھی۔ کتنی بیتابی تھی اس کے لہجے میں' کتنی بے چینی سے اس نے پوچھا تھا کہ کب فون کرو گے اور اس نے تو بے اعتنائی کی انتہا کر دی تھی۔

''اسے میری اس رکھائی سے کتنا صدمہ ہو گا۔'' اس نے سوچا۔ ''ذرا ذرا سی بات تو اسے دکھی کر دیتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو وہ رو پڑتی ہے۔ وہ بات کرتی رہی اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔''

اس نے فون اپنے قریب کھسکایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا' لیکن پھر درمیان میں رک گیا۔

''کیا بات کروں گا میں اس سے؟'' اس نے سوچا۔

''اب جب کہ مجھے سب کچھ معلوم ہو چکا ہے تو کیا اسے دھوکا دوں گا اور وہ تو ایسی ہے کہ محبت کے نام پر میں اسے کھائی میں بھی دھکا دے دوں تو بھی وہ شکوہ نہیں کرے گی' لیکن کیا اسے کھائی میں دھکا دینے کا مجھے کوئی حق ہے؟

کتنی بڑی آزمائش میں گرفتار ہو جائے گی وہ' جب اسے میری اصلیت کا علم ہوگا' پتا نہیں ایسے میں اس کا کیا ردِعمل ہو۔ نہیں مجھے اسے آزمائش میں مبتلا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔''

اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ سونے کی کوشش میں ناکام ہو کر اس نے سگریٹ سلگا لیا۔ پڑھنے کے لیے رسالہ بھی اٹھایا' ڈش انٹینا پر ایم ٹی وی لگا لیا' لیکن زینی کا فقرہ مسلسل اس کے ذہن میں چبھ رہا تھا۔

''سنو تو سبط' کب کرو گے فون یہ تو بتا دو۔''

اور پھر تمام تر منطق پر جذبات حاوی ہو گئے۔ فون اٹھا کر اس نے نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف ابھی پورا رنگ بھی نہیں گیا تھا کہ فون اٹھا لیا گیا۔ حسبِ توقع دوسری طرف زینی تھی۔ ریسیور اٹھاتے ہی اس کی بیتاب آواز ابھری۔

''ہیلو!''

''کیسی ہو زینی؟'' اس نے کہا۔

اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ وہ رونے لگی۔

''رونا نہیں زینی پلیز۔''

''کیسے نہ روؤں' مجھے اتنا زیادہ رونا آ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''میری خاطر پلیز اپنے آنسو پونچھ دو۔''

''مجھے تمہارے بھائی کی ڈیتھ کا پتا چلا' مجھے اتنا افسوس ہوا کہ کیا بتاؤں۔ پتا نہیں اللہ تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے کہ اتنے قریبی رشتے ہم سے جدا کر دیتا ہے۔''

سبط نے ہونٹ کاٹے۔ وہ زینی کو کیا بتاتا کہ امداد علی کا زینی کے ساتھ کیا رشتہ تھا اور بتا دیتا تو پتا نہیں وہ اس کی موت پر روتی یا خوش ہوتی۔

''مجھے یہ سوچ کر رونا آ رہا تھا کہ جب اماں اور بابا جان یا بھائی چند دن میرے پاس رہنے کے بعد واپس چلے جاتے ہیں تو میں ساری ساری رات روتے ہوئے گزارتی ہوں۔ حالانکہ وہ پھر سے مجھے ملنے آ جاتے ہیں' لیکن تمہارا بھائی تو اتنی دور چلا گیا ہے کہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔ یہ سوچ کر میرا دل بہت دکھتا ہے' انہیں ہوا کیا تھا؟''

''چھوڑو زینی' جسے جانا تھا وہ تو چلا گیا۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

وہ کیا کہتا کہ امداد علی کیسے مرا تھا۔

''اچھا زینی! تم رونا تو بند کرو' میں تمہارا رونا برداشت نہیں کر سکتا۔''

''اس وقت جب میں نے تمہیں فون کیا تھا تو کسی نے زخمی ہونے کا ذکر کیا تھا۔ مجھے بتاؤ بھلا تم تو ٹھیک ہو ناں؟''

''ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں' تم فکر مت کرو۔''

''تو وہ کون ہے جو زخمی ہوا ہے؟''

''میرا بھائی ہے' لیکن اب وہ بھی ٹھیک ہے۔'' اس نے زینی کو تسلی دی۔

''تم سچ کہہ رہے ہو ناں؟''

''بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''میں بھی سوچ رہی تھی کہ تم بلاوجہ اس طرح نہیں جا سکتے۔ مجھے ڈر تھا کہ تم بیمار نہ ہو گئے ہو۔'' اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''تم بتاؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟''

''تمہارے بغیر پڑھائی میں دل ہی نہیں لگتا' تم کب آؤ گے؟''

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' وہ بولا۔

''تمہاری پڑھائی کا بہت حرج ہو رہا ہے سبط۔ مجھے پتا ہے کہ تمہارا غم بہت بڑا ہے' لیکن جانے والے کے ساتھ بھی کوئی گیا ہے۔ وہاں رہو گے تو تمہارا ذہن اسی طرح منتشر رہے گا' یہاں آؤ گے تو دل بہل جائے گا' تم سن رہے ہو ناں سبط؟''

''ہاں اور زینی! میں جو کہنے لگا ہوں' وہ میں نے پہلے کبھی تم سے نہیں کہا۔ کبھی کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی اور شاید آج کے بعد پھر کبھی نہ کہوں۔

زینی! میں تم سے محبت کرتا ہوں' بہت زیادہ' اتنی زیادہ کہ کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ حالات خواہ کیسے ہوں' لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں تم سے اسی طرح محبت کرتا رہوں گا' ہمیشہ۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا۔

☆======☆======☆

اگلے دن عبداللہ نے پہلا کام یہ کیا کہ بڑی حویلی کے تمام فون نمبر اکٹھے کیے۔

''یہ اوپر والا پیر صاحب کا نمبر ہے۔'' نور محمد اسے بتا رہا تھا۔

''یہ بڑے شاہ صاحب کا ہے' یہ مکرم شاہ صاحب کے موبائل فون کا ہے' یہ سبط حسن شاہ صاحب کا ہے اور......!''

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' عبداللہ نے کہا۔

نور محمد باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد عبداللہ نے سبط حسن کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف بیل بج رہی تھی۔ تیسری بیل پر اس کے ملازم نے فون اٹھایا۔

''شاہ صاحب آرام کر رہے ہیں' جگانے سے منع کیا ہوا ہے۔''

''مجھے ان سے ضروری بات کرنی ہے' انہیں جگا دو۔''

''حکم نہیں ہے جناب۔''

''کچھ نہیں کہیں گے وہ تمہیں' ان سے کہو کہ زینب بی بی کے بھائی کا فون ہے۔''

''آپ ہولڈ کریں۔''

تھوڑی دیر بعد سبط حسن لائن پر تھا۔

''ہیلو۔''

''سبط حسن بول رہے ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''جی''

''میں زینب کا بھائی بول رہا ہوں۔''

''عبداللہ بھائی!'' اس نے تامل کرتے ہوئے کہا۔

''گویا اسے معلوم ہے کہ زینی کا تعلق کس خاندان سے ہے۔'' عبداللہ نے سوچا۔

☆======☆======☆

پیر صاحب نے اپنے خاص ملازم کرم داد کو طلب کیا۔

''جی' آپ نے یاد فرمایا تھا؟''

''آج ہی مری روانہ ہو جاؤ' سبط حسن شاہ صاحب کے بنگلے پر جاؤ اور وہ ان کا نوکر ہے' کیا نام ہے اس کا؟''

''کرم الٰہی ہے جی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ہاں کرم الٰہی سے پتا کرو کہ شاہ صاحب کی کن کن لڑکیوں سے دوستی ہے۔ باہر کس سے ملتے ہیں اور گھر میں کون کون آتی ہے' سمجھ رہے ہو ناں ہماری بات؟''

''جی سرکار۔''

''اور خاص طور پر پتا کرو کہ یہ زینب بی بی کون ہے' ہمیں پوری تفصیل چاہیے۔''

''بہت بہتر حضور۔''

''بس اب جاؤ اور یہ کام جلدی ہونا چاہیے' شاہ صاحب بھی ایک آدھ دن میں واپس چلے جائیں گے' ان کے جانے سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہیے۔''

''آپ فکر ہی نہ کریں پیر صاحب۔''

''اور شاہ صاحب کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''بہت بہتر۔''

کرم داد باہر نکل گیا۔

URDU PHOTO

☆======☆======☆

''ہاں میں عبداللہ بول رہا ہوں۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''آپ نے کیسے یاد کیا؟'' وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا۔

''جو صورتِ حال ہے' اس میں ایک نہ ایک دن تمہیں یاد تو کرنا ہی تھا۔'' وہ بولا۔

''مجھے وضاحت کا موقع دیں گے آپ؟'' سبط حسن نے کہا۔

''ضرور' لیکن ٹیلی فون پر نہیں۔''

''آپ جہاں کہیں گے' میں ملنے کے لیے تیار ہوں۔''

''جگہ کا انتخاب تم کرو۔'' عبداللہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

سبط حسن سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ ''میں آج لاہور جا رہا ہوں۔''

''لاہور ہی ٹھیک ہے' یہ جگہ یوں بھی اس ڈسکشن کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔'' عبداللہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

''پھر آپ ڈنر میرے ساتھ کریں۔''

''کہاں؟''

''آواری ٹھیک رہے گا۔''

''آل رائٹ' رات آٹھ بجے میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ میں تمہاری یادداشت پر بھروسا کراؤں' کہ تمہیں بھی وقت اور جگہ یاد رہے گی۔''

عبداللہ کے لہجے میں چھپی وارننگ' سبط نے بھی محسوس کر لی تھی۔

''میں نے آپ کو بھائی کہا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔ مجھ پر اور میری یادداشت' دونوں پر بھروسا کریں۔''

''اور اس سے قبل تم زینی سے رابطہ نہیں کرو گے۔'' عبداللہ نے کہا۔

سبط تھوڑی دیر چپ رہا پھر بولا۔ ''جیسی آپ کی مرضی۔''

☆======☆======☆

ماہ بانو کو کالج میں جونہی تھوڑا سا فارغ وقت ملا وہ اُما کو لے کر لائبریری پہنچ گئی۔

''کون سی کتاب چاہیے تمہیں؟'' اُما نے اس سے دریافت کیا۔

''گارڈنز سے متعلق کتابیں دیکھوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ عبداللہ کے آنے سے پہلے ہوم ورک کر لوں۔ ظاہر ہے ہمارے گھر تو کبھی کوئی لان رہا نہیں' اس سلسلے میں کتابیں ہی کنسلٹ کرلیں گی' پھر جب وہ آ جائے گا تو اس کا لان بھی دیکھ آؤں گی۔''

''چلو اچھا ہوا تمہیں عقل تو آئی۔''

کافی دیر کتابیں کھنگالنے کے بعد ماہ بانو نے کچھ کتابوں کا انتخاب کیا۔

''اتنی ساری کتابیں ایشو کیسے کراؤ گی؟'' اُما نے پوچھا۔

''ہاں یہ تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ تمہارا کارڈ کدھر ہے' ایک آدھ تو اس پر بھی ایشو ہو سکتی ہے۔''

''وہ ایڈی کے پاس ہے۔''

''ایڈی کے پاس؟ وہاں کیا کر رہا ہے وہ؟'' ماہ بانو بولی۔

''اسے کتابیں چاہیے تھیں۔ کہنے لگا مجھ سے کہ تم تو ہو جاہل مطلق۔ تمہیں لائبریری یا کتابوں سے کیا واسطہ۔ اپنا کارڈ مجھے دو' یہ کسی پڑھے لکھے بندے کے پاس ہونا چاہیے۔''

''بڑا آیا پڑھا لکھا اور تم واقعی جاہل مطلق ہو۔ تم نے بھی پکڑا دیا اسے اپنا کارڈ۔''

''تو کیا کرتی؟ مجھے تو اس سے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔ میں نے تو اس لیے اسے دے دیا تا کہ یہ بلا کسی صورت ٹلے سر سے۔''

''ویسے غلط تو وہ بھی نہیں تھا۔ ہم یوں بھی لائبریری کی شکل کب دیکھتے ہیں۔ وہ کم از کم لکھتا پڑھتا تو ہے۔'' ماہ بانو بولی۔

''ایسا کرتے ہیں بانو کہ اپنے جیسے کسی جاہل مطلق سے مانگ لیتے ہیں۔'' اُما ہنسی۔

''ایسے جاہلوں کی فہرست تیار کرو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''سب سے پہلے تو نیہاں اور نیہاں سے خیال آیا جیمز۔ ویسے بھی جیمز ہر وقت ہر ایک کی مدد کرنے پر تیار رہتا ہے۔''

''لیکن جیمز یہاں کب ہے' وہ گاؤں گیا ہوا ہے اور ابھی کچھ پتا نہیں کہ کب آئے گا۔''

''تو اتنی ساری کتابیں تم ایک دن میں پڑھ ڈالو گی کیا؟ کچھ انتظار کر لو' زیادہ دن تو وہ لوگ بھی وہاں نہیں رہیں گے۔''

''اچھا' ابھی تو چل کر کسی جاہل مطلق کو پکڑیں۔''

وہ دونوں باہر نکلیں۔ نیہاں سمیت چند اور کلاس فیلوز کے کارڈز لیے اور کتابیں ایشو کروا کے آ گئیں۔

''سنو! مجھے پتا چلا ہے کہ عبداللہ زخمی ہو گیا ہے۔'' نیہاں اس کے پاس آ گئی۔

''ہاں مگر اب وہ بہتر ہے۔''

''چلو شکر ہے' سنا ہے تم لوگ بھی گئے تھے وہاں؟''

''اصل میں اسی حادثے میں میری کزن کے بھائی کی بھی ڈیتھ ہوئی تھی' وہاں تعزیت کے لیے جانا تھا۔ اُما بھی میری طرف آئی ہوئی تھی۔ ہم اکٹھے ہی چلے گئے۔ اب ظاہر ہے وہاں تک گئے تھے' تو عبداللہ سے ملے بغیر تو نہیں آ سکتے تھے۔''

''یہ کزن کا بھائی کیا مطلب؟'' وہ کچھ نہ سمجھی۔

URDU PHOTO

''نہیں سمجھو گی' جانے دو' ویسے وہاں عبداللہ کی طرف دوسرے فرینڈز سے بھی ملاقات ہوئی۔ جیمز سمیت۔'' آخری ٹکڑا لگاتے ہوئے اُما نے مسکراہٹ دبانے کی کوشش کی۔

نیہاں نے پہلے فقرے کی ساخت اور اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ یہ بات اُما نے ویسے ہی بلا مقصد کہہ دی تھی یا بطور خاص جیمز کا ذکر کرنے کا کوئی مقصد ہے۔

''اس طرح مشکوک طریقے سے کیا دیکھ رہی ہو؟'' اُما نے کہا۔

''کچھ نہیں' ویسے لگتا ہے جیمز سے بہت خصوصی ملاقات ہوئی ہے۔'' وہ بولی۔

''بس خصوصی ہی سمجھو' ویسے بھی جیمز مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔'' اُما نے چہرے سے سنجیدگی ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''کمال ہے۔ ایڈی تو اچھا لگتا نہیں ہے۔ جیمز اچھا لگنے لگا ہے۔'' نیہاں ہنس پڑی۔

''بہت بھوک لگ رہی ہے۔ کیا خیال ہے' کچھ کھانے پینے کا پروگرام ہو جائے؟'' ماہ بانو [illegible]الات کی۔

''ضرور' بھوک سے میرا بھی برا حال ہو رہا ہے۔'' نیہاں نے کہا۔

پیپسی اور چپس کے پیکٹ لے کر وہ وہیں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''جیمز کے ساتھ خصوصی ملاقات کا ایجنڈا کیا تھا؟'' نیہاں نے چپس کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے سرسری انداز میں دریافت کیا۔

اُما نے ماہ بانو کی طرف دیکھا۔ اس وقت وہ پوری طرح شرارت کے موڈ میں تھی۔ ماہ بانو [illegible] آنکھوں آنکھوں میں کیری آن کا سگنل دیا اور چپس کے پیکٹ میں جھانکنے لگی۔

''عبداللہ کا گاؤں بہت خوبصورت ہے۔ میں اور جیمز سیر کے لیے کھیتوں میں نکل گئے۔ اتنا انجوائے کیا کہ کیا بتاؤں۔''

ماہ بانو نے نیہاں کا جائزہ لیا۔ اس کی پیپسی کی بوتل میز پر پڑی تھی اور چپس کا پیکٹ کھولتے کھولتے وہ رک گئی تھی۔ نیلی آنکھیں اُما کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اس وقت وہ بالکل مومی مجسمہ لگ رہی تھی۔ نیلی جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس' سر پر پی کیپ اس طرح رکھے کہ جو سرا ماتھے پر آنا چاہیے' وہ سر کے پچھلے حصے کی طرف موڑ رکھا تھا۔ کٹے ہوئے [illegible] بال نرم ہوا کے ساتھ ہولے ہولے اُڑتے ہوئے۔ ماہ بانو کو یقین تھا کہ اگر ایسے میں [illegible] اسے دیکھ لیتا تو کبھی آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

''کچھ موسم بھی اچھا تھا' کچھ ہم دونوں کے علاوہ وہاں دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ واہ بہت لطف آیا۔'' اُما کہہ رہی تھی۔

''یوں دیکھنے میں لگتا ہے کہ وہ صرف باڈی بلڈنگ اور ویٹ لفٹنگ ہی کر سکتا ہے۔ عشق

وعاشقی اس کے بس کی بات نہیں' لیکن بھئی' مجھے تو جیمز نے حیران ہی کر دیا' پتا ہے کیا کہا اس نے؟''

نیہاں نے کچھ نہیں پوچھا۔ ویسے ہی بیٹھی اسے تکتی رہی۔

''کہنے لگا کہ اُما جس دن سے تم کالج آئی ہو' تب سے میں تم سے یہ بات کہنا چاہتا تھا' لیکن کہہ نہیں سکا' کوئی الفاظ ہی نہیں سوجھتے تھے کہ کس طرح تم تک اپنے دل کی بات پہنچاؤں۔ تم اُما مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ تمہاری بڑی بڑی سیاہ آنکھیں' گھنی پلکیں...... مجھے لڑکیوں کی سیاہ آنکھیں ہی اچھی لگتی ہیں اور لمبے سیاہ بال تو مجھے بہت ہی زیادہ پسند ہیں' جیسے تمہارے بال ہیں۔ اتنی مکمل مشرقی بیوٹی ہے تمہاری۔ تم نے مجھے پاگل بنا دیا ہے۔

میں نے ہنس کر کہا کہ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ نیلی آنکھیں' سنہرے بال' تو کہنے لگا' کہ اسی لیے تو مجھے مشرقی بیوٹی پسند ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ لڑکیوں کو غرارے' لہنگے اور ساڑھیاں وغیرہ پہننی چاہئیں۔ حیدر آبادی ڈریس تو میرا فیورٹ ہے۔ ان کے ساتھ بڑے بڑے بالے' ڈھیر ساری چوڑیاں' بالوں میں پھول اور مدھم سُروں میں بجنے والی پائل' بس اُما تم اسی طرح رہا کرو۔''

ماہ بانو مزید اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تم کیوں ہنس رہی ہو؟'' اُما نے اسے ڈپٹا۔

''کچھ نہیں' یہ سوچ کر ہنس رہی ہوں کہ کیا اسٹائل ہے اظہار محبت کا' بے چارے ایڈی کو نہ آیا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اتنے خوبصورت موقع پر ایڈی کا ذکر کر کے ضرور بدمزگی پیدا کرنی ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر چپس کترتے ہوئے نیہاں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''میں نے اس سے کہا کہ میں اتنے بھاری بھاری قسم کے کپڑے کیسے پہن سکتی ہوں۔ ٹھیک ہے میں کم پہنتی ہوں' لیکن مجھے ویسٹرن ڈریسز پسند ہیں۔ پتا ہے' کیا کہنے لگا؟ کہنے لگا کہ ویسٹرن ڈریسز پہننے والی لڑکیاں تو مجھے بالکل زہر لگتی ہیں۔ بھئی لڑکیوں کو لڑکیوں کی طرح رہنا چاہیے۔

سچی نیہاں' اگر جیمز کی جگہ کوئی اور ہوتا تو مجھے بالکل شاونسٹ لگتا' لیکن پتا نہیں کیوں اس کے منہ سے مجھے یہ باتیں بری نہیں لگیں۔ اب میں سوچ رہی ہوں کہ گھر سے اپنے ایسے سب کپڑے منگوالوں۔ ممی نے ساڑھیوں کا ڈھیر لگا رکھا ہے۔ کہتی رہتی ہیں مجھ سے پہننے کو' لیکن میں نہیں پہنتی۔ اب سوچ رہی ہوں کہ جب بھی جاؤں گی تو کچھ ساڑھیاں ضرور لاؤں گی اور داؤ چلا تو وہ جو ممی مشہور زمانہ پیٹی میں اتنے اچھے اچھے کپڑے بند کر چکی ہیں' ان میں سے بھی کچھ کھسکا لاؤں گی' کیا خیال ہے تمہارا نیہاں؟''

نیہاں اس کی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں بالکل بھی نہیں تھی۔ ماہ بانو کو اس پر بہت ترس آیا۔ وہ کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی' لیکن اس کا چہرا بجھ گیا تھا پتا نہیں اندر سے وہ کیا محسوس کر رہی ہوگی۔

''اچھا اُما! چھوڑو اس قصے کو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ابھی سے؟ ابھی تو میں نے اصل بات بتائی ہی نہیں' وہی جو اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گلاب کا پھول پکڑایا تھا اور کہا تھا کہ اُما مجھے لگتا ہے' میں تمہیں جنم جنم سے جانتا ہوں' ہم اب نہیں ملے' برسوں سے' جنموں سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں جو کچھ میں نہیں کہہ سکا' وہ گلاب کا یہ سرخ پھول تم سے کہہ دے گا۔

اور تب مجھے تمہارا خیال آیا۔ تم نے کہا تھا ناں کہ اُما محبت ضرور کرو اور میں نے سوچا کہ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔ it Is Better To Have Loved And Lost Than Not To Have At All Loved میرے پاس اس سے زیادہ موزوں جواب نہیں تھا کہ پھول اس کے ہاتھ میں تھما کر اس سے کہوں کہ وہ خود اسے میرے بالوں میں لگا دے۔''

''اوہو' مجھے یاد آیا' مجھے کام سے ہوسٹل جانا ہے۔'' نیہاں چپس کا پیکٹ میز پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اینڈ اُما آل دا بیسٹ۔''

''تھینک یو۔'' اُما نے مسکرا کر نیہاں کا شکریہ ادا کیا۔

''اس وقت کیسے جاؤ گی ہوسٹل' بس چلنے میں تو ابھی بہت دیر ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''چلی جاؤں گی' بائے۔''

''لیکن یہ چپس اور پیپسی؟ تم نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔'' اُما نے کہا۔

''بھوک نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''لیکن تم تو کہہ رہی تھیں کہ بہت بھوک لگی ہے؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''یونہی بکواس کی تھی۔'' وہ زچ ہوگئی تھی۔

''میرا تو خیال تھا نیہاں کہ تم میری اس کایا پلٹ پر بہت خوش ہوگی۔ ایک ایک بات کی تفصیل پوچھو گی' لیکن تم تو......'' اُما نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''رات کو ڈسکس کریں گے ہر بات مکمل تفصیل کے ساتھ۔'' نیہاں نے کہا۔

''لیکن یہ اچانک کیا ہوگیا تمہیں' ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں اور ابھی منہ پر بارہ بجنے لگے۔'' اُما بھی اس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔

''نہیں یار' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو ایسی ہی بات لگ رہی ہے۔ ویسے تو تم محبت کے بہت فلسفے بگھارتی ہو' لیکن جب

مجھے محبت ہوئی ہے تو!'' اُما نے چند لمحے کے توقف سے ڈرامائی تاثر دینے کی کوشش کی۔

''تم مائنڈ نہ کرنا نیہاں' لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے جیلسی محسوس کر رہی ہو' جسے تم پسند کرتی ہو اگر وہ تم سے یا تم اس سے اظہار نہیں کر سکتیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ تم نے تو یوں منہ بنایا ہوا ہے جیسے میں نے جیمز سے محبت نہ کی ہو' بلکہ تمہاری محبت تم سے چھین لی ہو۔''

نیہاں کے لیے یہ سب باتیں ناقابلِ برداشت تھیں۔

''اُما تم......''

لیکن کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ تھوڑی دیر ہونٹ کاٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر آنکھوں میں اُمڈ آنے والے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے مڑ گئی۔

''اُما' حد کر دی تم نے۔'' ماہ بانو ایک دم چپس اور پیپسی میز پر پٹخ کر نیہاں کے پیچھے دوڑی۔

اُما کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ نیہاں اتنا ضبط کرے گی۔ اس کا خیال تھا کہ درمیان میں ہی کہیں وہ اس سے لڑ پڑے گی اور تب وہ ہنس کر اسے اصل بات بتا دے گی' لیکن یہاں تو معاملہ بالکل ہی گڑبڑ ہو گیا تھا' وہ بھی چپس اور پیپسی چھوڑ کر جلدی سے نیہاں کے پیچھے لپکی۔ ماہ بانو اور اُما نے دوڑ کر اس کا راستہ روک لیا۔

''پلیز نیہاں؟ میری بات سنو' وہ سب جھوٹ تھا' صرف مذاق تھا۔ ایسی کوئی بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ ہم تو صرف تمہیں تنگ کر رہے تھے۔'' اُما نے جلدی سے کہا۔

نیہاں رک گئی اور ان کے چہرے پر سچ تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''قسم سے نیہاں؟ یہ کہانی ابھی ابھی اُما نے گھڑی تھی۔'' ماہ بانو نے بھی جلدی سے کہا۔

''نیہاں تم بھی تو سراسر احمق ہو۔ وہاں ہر طرف دھان کے کھیت تھے' دھان کے کھیت میں سرخ گلاب کہاں سے آگیا؟'' اُما نے کہا۔

نیہاں پہلے چند لمحے پلکیں جھپکتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ دونوں بھی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑیں۔

''اب تو پھر بھوک لگ گئی ہوگی' چلو وہ چپس کا پیکٹ اور پیپسی تمہارے منتظر ہیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

تینوں واپس آکر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''تم نے تو اُما میری جان نکال دی تھی۔ دیکھو میرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔''

اُما ہنس پڑی۔ ''تمہیں اتنی [illegible] قسم کی اسٹوری سن کر بھی یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ جو کچھ میں بول رہی تھی' یہ بالکل بکواس تھا۔''

''[illegible]'' نیہاں [illegible]

''ویسے اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ نیہاں کی تصویر لے لی جائے۔ قسم سے نیہاں لگتا تھا جیسے کوئی مومی مجسمہ بٹھا دیا ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''لیکن تم لوگوں کو جیمز کا خیال آیا کیسے؟''

''یہ بانو کا کمال ہے' اس کا اندازہ کم ہی غلط ہوتا ہے۔''

''اُف! میری ہارٹ بیٹ! اب تک نارمل نہیں ہوئی۔ ویسے بانو! تمہیں پتا کیسے چلا؟ میری اسکیچ بک تو نہیں دیکھ لی تھی تم نے؟'' نیہاں نے چپس کا پیکٹ کھولتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تو زیادہ آسان طریقہ تھا' لو مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''مجھے اس لیے بھی تمہارے جھوٹ کے اس پلندے کا یقین آگیا تھا کیونکہ میں ہمیشہ یہ سوچتی ہوں کہ کسی دن میرے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ شاید کسی دن کوئی لڑکی مجھے ایسی ہی لیکن بالکل سچی بات بتائے یا پھر جیمز ہی کسی لڑکی کا اس طرح تعارف کروائے۔ پتا نہیں میں یہ سب کیسے برداشت کروں گی۔''

''قنوطیت چھوڑو اور چپس کھاؤ' وہ کم از کم خود کسی لڑکی کا تعارف نہیں کروائے گا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اور اگر کروائے تو آل دا بیسٹ کہہ کر ہوسٹل کی جانب مت چل پڑنا۔ گلا دبا دینا دونوں کا'' اُما ہنسی۔

''وہ بے چارا ابھی تو حالات کے ہاتھوں بہت کچھ برداشت کر چکا ہے۔'' نیہاں نے افسردگی سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''پھر بتاؤں گی' ابھی جلدی سے کلاس میں چلو ورنہ قمر صاحب کا تو تمہیں پتا ہے نا' آج ضرور فیل کر دیں گے۔''

☆======☆======☆

رات آٹھ بجے عبداللہ کی کار آواری کے پارکنگ میں رکی۔ اپنے پالتو کتے کلر کو کار ہی میں چھوڑ کر وہ اندر چلا آیا۔ سبط حسن پہلے ہی انتظار کر رہا تھا۔ عبداللہ اس کی جانب بڑھ گیا۔

سبط نے شاید اچھا امپریشن دینے کے لیے قیمتی کپڑے کا سیاہ ڈنر سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سیاہ Tuxedo سے پتا چل رہا تھا کہ سوٹ کی سلائی بھی پاکستان میں نہیں ہوئی۔ اس سوٹ میں وہ واقعی بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔

عبداللہ کو آتے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا' قریب پہنچنے پر اس نے سلام کی غرض سے ہاتھ بڑھایا۔

''سبط حسن!''

''عبداللہ!'' اس نے بھی ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔
''پلیز بیٹھیں۔'' سبط نے کہا۔
عبداللہ نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ کسی بھی طرف سے کنفیوز یا پریشان نہیں لگ رہا تھا بلکہ اسے دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس ملاقات کے لیے ذہنی طور پر تیار ہے اور اعتماد سے بات چیت کرے گا۔

دوسری طرف سبط حسن بھی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کی اصلیت معلوم ہو جانے کے بعد عبداللہ کس موڈ میں اس کے پاس آیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اسے کسی قسم کی وارننگ دینا چاہتا ہو یا زینی سے ملنے سے منع کرنا چاہتا ہو۔
لیکن عبداللہ کے متعلق ایسا کوئی بھی اندازہ لگانا اسے مشکل معلوم ہو رہا تھا۔
''اتنا طے ہے۔'' اس نے سوچا۔ ''یہ بڑبولے قسم کے لوگوں کی طرح سطحی نہیں ہیں' بہت گہرے ہیں یہ' اور ریشماں آپی کے ساتھ کتنے اچھے لگیں گے۔''
''میری عادت ہے' ڈرائیونگ زیادہ تر میں خود ہی کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے ابتدا کی۔ ''اور اب صبح سے ڈرائیونگ کر کر کے کافی تھکن محسوس ہو رہی ہے۔''
سبط نے اس کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر تھکن کے کوئی آثار نہیں تھے' لیکن اس سے کیا فرق پڑتا تھا

''میرے ساتھ تو ایک پورا قافلہ تھا' ڈرائیور سمیت' دراصل خادم بھائی کو یہاں لاہور لا رہے ہیں ناں' اس لیے یہاں بہت سے لوگوں کی ضرورت پڑے گی۔'' سبط نے کہا۔
''مجھے افسوس ہے' امداد علی اور خادم حسین کا۔'' وہ بولا۔
''اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' سبط حسن نے افسردگی سے کہا۔ پھر قدرے توقف سے بولا۔
''لیکن ایک بات مسلسل میرے ذہن کو Punch (پنچ) کرتی رہی ہے۔''
''وہ کیا؟''

بیرا ان کے سامنے مینیو کارڈ چھوڑ گیا۔
''کہ امداد بھائی کو لگنے والی گولیاں کس نے چلائی تھیں؟''
''اتنی گولیوں کی بوچھاڑ میں یہ اندازہ لگانا مشکل ہے' ہاں اگر پوسٹ مارٹم ہوتا تو پتا چل سکتا تھا کہ کون سی گولی جان لیوا ثابت ہوئی اور جس گولی نے اس کی جان لی' وہ کس رائفل سے اور کتنی دور سے چلائی گئی تھی۔ یہ معلوم ہو جاتا تو میں یقینی طور پر تمہیں کوئی ایک نام بتا سکتا تھا۔''
''آپ آرڈر دیں۔'' سبط نے کہا۔
بیرے کو آرڈر دے کر وہ سبط کی طرف متوجہ ہوا' لیکن وہ کچھ سوچ رہا تھا' چند لمحوں کے بعد

URDU PHOTO

بولا۔
''کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ انہیں صرف زخمی کر دیتے۔ میری بڑی بہن ہیں ریشماں آپی' آپ تو جانتے ہی ہوں گے' وہ اب تک اس صدمے سے سنبھل نہیں سکیں۔''
''جیسے تمہیں اپنی بہن سے محبت ہے ناں سبط۔ ویسے ہی مجھے بھی اپنی بہنوں سے محبت ہے' جانتے ہو اس دن میرے بجائے اس جیپ میں گڑیا ہوتی تو کیا ہوتا؟ جس رعایت کی توقع تم اپنے بھائی کے لیے مجھ سے کر رہے تھے' تمہاری حویلی میں اس سے آدھی رعایت بھی میری بہن کو نہیں مل سکتی تھی۔''
چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سبط بولا۔
''آپ یقین کریں گے کہ یہ جو کچھ ہوا' مجھے اس کا علم نہیں تھا' اگر مجھے خبر ہوتی' تو میں اپنی سی کوشش ضرور کرتا۔''
تھوڑی دیر تک دونوں خاموشی سے سوپ پیتے رہے' پھر عبداللہ بولا۔
''تائی اماں کیسی ہیں؟''
''وہ اب تک سنبھل نہیں سکیں' لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انہیں بھی صبر آ ہی جائے گا۔''
''خادم حسین کے بارے میں ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟''
''اب تو بہت ہوپ فل ہیں سب' ریکوری میں وقت تو لگے گا' لیکن خطرے والی کوئی بات نہیں ہے۔''
''اب مری جانے کا ارادہ کب ہے؟''
''ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔'' وہ چاول اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے بولا۔
''ہوں۔'' عبداللہ نے پُرخیال نظروں سے اسے دیکھا اور پھر زینی اور اس کی تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔
پل بھر کو سبط چونک گیا۔
''یہ اور ایسی باقی تصویریں بتاتی ہیں کہ تم اور زینی بہت اچھے دوست ہو۔ خیر دوست ہونے کے علاوہ کزن بھی ہو۔ اس لیے ان تصویروں کی اہمیت نہیں ہے' کزنز ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔''
''جی۔'' وہ سمجھ نہیں سکا کہ عبداللہ اس سے کیا کہلوانا چاہتا ہے۔
''اب جب کہ امداد علی اس دنیا میں نہیں رہا۔ ہوتا تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا کیونکہ اس کے جیسے مزاج کے کسی شخص کے حوالے میں اپنی بہن نہیں کر سکتا۔ اور اب تو وہ جو تھوڑی سی حجت ہو سکتی تھی' وہ بھی باقی نہیں رہی۔
زینی اور گڑیا کی شادی کی ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے۔ ابھی وہ جتنا چاہیں گی' پڑھیں گی'

لیکن بالآخر ہمیں ان کی شادی کرنی ہے۔ یوں تو ان کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے' لیکن ہم اتنے لبرل ضرور ہیں کہ اولیت ان کی پسند کو ہی دیں۔''

سبط کھانے سے ہاتھ روک کر اس کی باتیں سن رہا تھا۔

''اور میں نہیں چاہتا کہ تب کوئی تحریر یا تصویر ان کی زندگی پر اثر انداز ہو۔'' عبداللہ نے اپنی بات مکمل کی۔

سبط نے کانٹا پلیٹ میں رکھ دیا۔

''آپ نے ایک ساتھ بہت سی باتیں کہہ دیں۔ پہلے تو میں یہ پوائنٹ کلیئر کردوں کہ ہم صرف بہت اچھے دوست اور کزن ہی نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر آپ زینی کی شادی کے وقت اس کی پسند کو اولیت نہیں دیں گے' تب زینی کا کیا ری ایکشن ہوگا۔ میں اس وقت اس کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا' لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ ایسی کسی صورتِ حال میں' میں کسی گھٹیا حرکت کا مظاہرہ کروں گا' تو آپ غلط سوچ رہے ہیں۔ محبت اور عزت میرے نزدیک لازم و ملزوم ہیں' جس سے محبت کی جاتی ہے' اسے دکھ نہیں دیا جاتا اس کی عزت تار تار نہیں کی جاتی۔''

چند ثانیے عبداللہ کسی سوچ میں گم رہا پھر بولا۔ ''تم بہت کم عمر ہو سبط۔ اس عمر میں لڑکوں کے ساتھ مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے کی گہرائی میں نہیں اتر سکتے۔ وہ سمجھتے ہیں بلکہ سمجھتے ہی نہیں اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ ایک ہی جست میں ماؤنٹ ایورسٹ سر کر سکتے ہیں۔''

''سوری' آپ کی بات کاٹ رہا ہوں' مائنڈ نہ کریں لیکن آپ بھی ابھی اس عمر سے نکلے نہیں ہیں۔ کتنے بڑے ہوں گے آپ مجھ سے' چار سال' چھ سال' یہ کوئی زیادہ بڑا فرق نہیں ہوتا' لیکن آپ کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ واقعی سطحی قسم کی ذہنیت رکھنے والے شخص نہیں ہیں' ورنہ اتنے تحمل کے ساتھ مجھ سے بات نہ کر رہے ہوتے' لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں آپ پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑ سکا' ورنہ آپ مجھے کراؤڈ میں شامل نہ کرتے۔''

عبداللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ تمہاری باتوں نے مجھ پر اچھا تاثر چھوڑا ہے' لیکن اس وقت میں بات کر رہا ہوں روایتوں کی۔ تم خود تو مشکل میں گرفتار ہو ہی رہے ہو' لیکن ساتھ میں زینی کو بھی اس مشکل میں ساتھ گھسیٹ رہے ہو۔ یار ہم لڑکے تو بہت کچھ کھونے کے بعد بھی اپنی زندگی متوازن رکھ سکتے ہیں لیکن لڑکیوں کے لیے یہ آزمائش بہت بڑی ہوتی ہے۔

اور زینی کو تم جانتے ہو' وہ بہت مختلف ہے۔ وہ اب تک اس بات کو بھی ذہنی طور پر قبول نہیں کرسکی کہ وہ اماں اور بابا جان کے ساتھ نہیں رہتی حالانکہ اب اس بات کو اتنے برس گزر چکے ہیں کہ اس کی جگہ اور لڑکی ہوتی تو وہ کسی نہ کسی حد تک اس صورتِ حال کو قبول کر چکی ہوتی۔ گڑیا ہے اس نے بھی وہی ماحول' وہی حالات دیکھے ہیں اس نے یہ سب قبول کرلیا تھا' لیکن زینی

URDU PHOTO

مختلف ہے۔

اسے چھوڑ دو سبط' ابھی تو وہ سنبھل ہی جائے گی لیکن کچھ عرصہ بعد جب تم اس کے لیے ناگزیر ہو جاؤ گے تب اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ تمہاری جدائی برداشت کرسکے۔''

سبط نے گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

''جس دن مجھے حتمی طور پر معلوم ہوا کہ زینی حیدر بابا کی بیٹی ہے' تب سے اب تک میں اس سے نہیں ملا۔ آپ کا خیال ہے کہ میں ان کم عمر لڑکوں میں سے ہوں جو سوچتے ہیں کہ وہ ایک جست میں ماؤنٹ ایورسٹ سر کرلیں گے اور یہ ایک جست لگانے کی کوشش میں وہ اس طرح گرتے ہیں کہ پھر اٹھ نہیں سکتے۔

میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ نے مجھے غلط جج کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ راستہ کتنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا احساس مجھے اسی وقت ہوگیا تھا' جب میں نے حیدر بابا کی جیپ زینی کے ہٹ میں جاتے دیکھی تھی۔ مجھے اتنا شدید ڈپریشن تھا کہ......'' اس نے قدرے توقف کیا پھر بولا۔

''لیکن اسے جانے دیں' وہاں رہتے ہوئے میں اس معاملے کے بارے میں کچھ نہیں سوچ سکتا تھا' اس لیے گاؤں چلا آیا۔

گاؤں میں رہتے ہوئے بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا پھر درمیان میں امداد بھائی والا حادثہ ہوگیا۔ وہ اچھے تھے یا برے یا جو کچھ وہ کرنے جا رہے تھے' اس سے قطع نظر وہ میرے بڑے بھائی تھے۔ ان دنوں تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ میں اس بارے میں کچھ سوچتا۔

لیکن کل زینی کا فون آیا تھا۔ اسے یہاں کا نمبر میں نے نہیں دیا تھا۔ وہ یقیناً میرے گھر گئی ہوگی۔ اینی وے' اس وقت بھی میں نے اس سے بات نہیں کی۔ صرف اتنا کہا کہ میں اسے رنگ بیک کروں گا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میرا تب تک اس سے رابطہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا' جب تک میں کوئی فیصلہ نہیں کرلیتا۔ اور پھر کل رات میں نے فیصلہ کرلیا' میں نے اسے فون کیا اور ابھی پہلا رنگ بھی پورا نہیں گیا تھا کہ اس نے فون اٹھالیا۔ یہ شاید رات ڈیڑھ پونے دو بجے کی بات تھی۔

میں شاید اتنی تفصیل کے ساتھ آپ کو یہ سب کچھ نہ بتاتا' اس سے میرا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کو اندازہ ہوجائے کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔ وہ وقت بہت پیچھے رہ گیا ہے' جب ہم میں سے کوئی پیچھے ہٹ سکتا تھا۔''

کھانا یونہی درمیان میں رہ گیا تھا۔ دونوں میں سے کسی کا دل بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

عبداللہ نے سگریٹ کیس اور لائیٹر نکالا۔

''سموکنگ کرتے ہو؟''

''بہت کم' کیونکہ زینی دھوئیں سے الرجک ہے لیکن اس وقت ضرورت محسوس کر رہا تھا۔'' وہ بولا۔

ان دونوں نے سگریٹ سلگا لیے۔

''تم نے مجھے بہت الجھن میں ڈال دیا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

وہ خاموش رہا۔

''میں اتنا بے خبر نہیں ہوں کہ تمہاری حویلی میں جو کچھ ہوتا رہا ہے' اس کا مجھے علم نہ ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ایک مرتبہ مکرم نے تم پر اور ایک مرتبہ تم نے اس پر ریوالور تان لیا تھا' کیوں تانا تھا' یہ بھی میں جانتا ہوں' تم اپنے باقی بھائیوں سے مختلف ہو' یہ بھی میں جانتا ہوں۔

میں نہ تو کوئی افسانوی کردار ہوں اور نہ فرشتہ ہوں مجھ پر یا میرے گھر والوں پر کوئی رائفل اٹھائے گا' تو میں اسے ختم کرنے میں ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کا بھی مظاہرہ نہیں کروں گا' لیکن کوئی دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا تو آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لوں گا۔

ہمارا خاندان ایک ہے' خون ایک ہے۔ میرا کوئی سگا بھائی نہیں ہے' تم سب ہی میرے بھائی ہو لیکن یہ جو دشمنی ہمارے درمیان چل رہی ہے۔ یہ ہمیں ایک نہیں ہونے دے گی۔''

''میری خاطر نہ سہی' زینی کے لیے سہی۔ کیا آپ ہمارا ساتھ نہیں دیں گے؟ کیا ادھر آنے کا آپ کا مقصد صرف یہ تھا' کہ مجھے پیچھے ہٹنے اور زینی کی زندگی سے نکل جانے کے لیے مجبور کریں؟''

''یہ بات نہیں' اس ملاقات کا مقصد یہ تھا کہ میں اور تم ہم دونوں اس سچویشن کو سمجھ سکیں۔ تم جانتے ہو کہ یہ مسئلہ کس قدر الجھا ہوا ہے' یہ بھی ممکن ہے کہ تم دونوں کی دوستی کی مضبوطی کی وجہ یہ ہو کہ اب تک تم دونوں ہی ایک دوسرے کی حقیقت سے بے خبر تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر زینی کو علم ہو کہ تمہارے بھائیوں نے گڑیا کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں تمہارے بھائی کی ڈیتھ ہو گئی اور میں زخمی ہو گیا تھا' تو تم لوگوں کی دوستی میں دڑاڑ آ جائے گی۔

یا اگر آئندہ کبھی تمہارے گھر والوں کی طرف سے ہم میں سے کسی کو نقصان پہنچے تو تم دونوں کی پوزیشن کمپرومائز ہو گی' یہ صورتِ حال زینی کے لیے بہت تکلیف دہ ہو گی۔

اور پھر زینی تمہاری حویلی میں تمہاری بیوی بن کر داخل ہو بھی نہیں سکتی' یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔ چلو ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ سب اس شادی پر ہنستی خوشی راضی ہو جاتے ہیں' لیکن کیا زینی اس ماحول میں رہ سکے گی۔ اگر ہماری غیر تعلیم یافتہ پھوپھیاں اتنے شدید ردِعمل کا مظاہرہ کر سکتی ہیں جنہوں نے باہر کی دنیا بھی نہیں دیکھی تھی تو آزاد فضاؤں میں پرورش پانے والی ایک باشعور لڑکی کے ردِعمل کتنے شدید ہوں گے۔ کیا وہ اس ماحول کو قبول کرے گی

URDU PHOTO

تم جذباتی ہو رہے ہو سبط۔ تھوڑے سے منطقی ہو کر سوچو' سب پرابلم تم ہینڈل نہیں کر سکو گے اور یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اس سے بڑے پرابلمز تمہیں فیس کرنے پڑیں گے۔ زینی کا ابھی میں نے ذکر بھی نہیں کیا۔

مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ تمہیں اس سے محبت ہے' لیکن یہ محبت تم دونوں کو بہت مہنگی پڑے گی۔ مجھے غلط مت سمجھو۔ بہت سوچنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ پیچھے ہٹ جاؤ زینی کی زندگی سے نکل جاؤ۔''

سبط حسن نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''میں نے سوچا تھا کہ آپ مشورہ دیں گے مگر آپ تو فیصلہ کرنے اور حکم سنانے لگے۔''

''ایسی بات نہیں۔''

''ایسی ہی بات ہے۔'' سبط نے اس کی بات کاٹی۔ ''مجھے یہ حکم سنا دینا کہ میں زینی کی زندگی سے نکل جاؤں' لیکن میری اور زینی کی زندگی کا فیصلہ کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟

اس بات کا فیصلہ مجھے اور زینی کو ہی کرنے دیں۔ میں تو اس فیصلے میں اپنے گھر والوں کو بھی شریک نہیں کر سکتا۔ آپ نے خود ہی کہا ہے کہ زینی باشعور لڑکی ہے جو باتیں آپ مجھے سمجھا رہے ہیں' چاہیں تو اسے بھی سمجھا دیں' لیکن فیصلہ وہی ہو گا جو زینی کرے گی۔

میں کیا چاہتا ہوں' یہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ زینی کیا چاہتی ہے۔ ہم اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ یہاں ڈنر ٹیبل پر بیٹھ کر نہیں کر سکتے۔ اس فیصلے میں اسے بھی شامل ہونا ہو گا۔''

عبداللہ ہوٹل سے نکل کر اپنی کار میں بیٹھا تو ایک طرف جہاں اس کی پریشانی میں اضافہ ہوا تھا' وہیں دوسری طرف اس کی پرانی پریشانی کا بوجھ آدھا رہ گیا تھا۔

سبط حسن سمجھ دار لڑکا تھا' زینی سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ خاندان بھی ایک تھا۔ زہرا کے مطابق پڑھائی میں بھی بے حد اچھا تھا اور پُر اعتماد بھی تھا۔

''وہ زینی کا مزاج شناس بھی ہے۔'' عبداللہ گھر کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ ''یہ مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ زینی دھوئیں سے الرجک ہے۔ شاید میں کم وقت کے لیے جاتا ہوں' اس لیے برداشت کر لیتی ہے۔

لیکن سبط کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ اسٹینڈ لے سکتا ہے' شاید اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اتنے مسائل دیکھ کر باعزت طور پر الگ ہو جانے میں ہی عافیت سمجھتا۔ الٹا یہ احسان بھی جتاتا کہ زینی کو پریشانیوں سے بچانے کے لیے اس سے یہ ناتا توڑ رہا ہے' ورنہ تو وہ اب بھی اس کے لیے ستارے توڑ کر لا سکتا ہے اور نہ جانے کیا کیا کر سکتا ہے۔

اس میں قوتِ فیصلہ ہے اور پریشرائز نہیں ہوا جو کہ اچھی بات ہے۔

بہتر تو یہی ہوگا کہ اب زینی انکار کردے، لیکن اگر وہ انکار نہیں کرتی، تب بھی سبط بری چوائس نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ہوگا یہ کہ سب مشکلات اور پریشانیاں مجھے اٹھانا پڑیں گی۔ خیر بہنوں کے لیے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

☆======☆======☆

جنت بائی اور شمیم عرف نوری اس شاپنگ کا جائزہ لے رہے تھے جو انہوں نے تھوڑی دیر پہلے کی تھی۔

''ممی! یہ ساڑھی خوب سجے گی۔'' نوری نے ڈبے سے بنارسی ساڑھی نکالی۔

''اوپر کی ٹیپ ٹاپ تو اچھی ہے، لیکن منہ کھولتے پر وہی شمیم لگتی ہے۔ لہجہ بہت بہتر ہو جانے کے باوجود بھی اچھا نہیں ہے۔'' جنت بائی نے سوچا۔

''ممی دیکھیں تو۔''

''ہاں اچھی لگ گئی، لیکن ابھی یہ سیٹ پہن کر دکھاؤ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں اور کڑے بھی پہنو۔''

اس نے جلدی جلدی سیٹ نکالا اور پہننے لگی۔

''نوری! میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ اپنے انداز میں ٹھہراؤ پیدا کرو۔ ٹھیک ہے تم نے پہلے کبھی اتنے زیور نہیں دیکھے تھے، ایسے کپڑے نہیں پہنے تھے، لیکن لوگوں پر یہ بات مت ظاہر ہونے دو۔ واپس رکھو ڈبے میں اور دوبارہ نکال کر پہنو، ذرا ناز کے ساتھ، نخرے کے ساتھ۔''

''مجھے خیال نہیں رہا تھا۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''کوئی بات نہیں، آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔'' انہوں نے اس کی ہمت بندھائی۔

ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس نے زیور دوبارہ ڈبے میں ڈال کر پھر نکالے اور اسی انداز میں پہننے لگی، جیسے جنت بائی نے کہا تھا۔ کڑے کلائیوں میں ڈال کر اس نے اٹھلا کر ایک ادا سے کہا۔

''ہم کیسے لگ رہے ہیں؟''

جنت بائی نے مسکرا کر اس کی بلائیں لے لیں۔

''یہ ہوئی ناں بات۔ اس بات کو عادت بنالو۔ سامنے کوئی بھی کیوں نہ ہو، ناز و ادا اور نخرے کے ساتھ ہی بات کرو۔''

''ہم لاہور کب جائیں گے؟''

''ابھی کوٹھی سیٹ ہو رہی ہے، جب تیار ہو جائے گی، تب جائیں گے۔''

''بڑی سی کوٹھی میرا خواب ہوتا تھا۔'' نوری نے کہا۔

''تو سمجھو یہ خواب پورا ہونے والا ہے۔ جس کوٹھی میں ہم جائیں گے، تم دیکھو گی تو حیران

ہو جاؤ گی۔ فیصل ٹاؤن میں پورے ایک کنال پر پھیلی ہوئی ہے۔ موٹر گاڑی ہے، نوکر چاکر ہیں اور ایک مرتبہ دھندا چل نکلا تو بس پھر وارے نیارے ہو جائیں گے۔ پھر کوٹھیاں، کاریں ہی کاریں، تجوری دوسروں کی، مال ہمارا اور تمہیں بتاؤں کہ اس غریب ملک کے امیروں کے پاس بہت پیسہ ہے۔ تجوریاں بھری ہوئی ہیں، بڑے بڑے زمیندار اور بزنس مین یوں بھی اپنے گھر والوں کے لیے کم اور ہمارے لیے زیادہ کماتے ہیں بس ان سے نکلوانے کا ڈھنگ آنا چاہیے۔''

''میں فلموں میں کام کرنے کے شوق میں گھر سے نکلی تھی۔'' وہ بولی۔

''یہ شوق بھی پورا ہو جائے گا۔ چندا بائی مرنے سے پہلے کاروبار کی سب کنجیاں میرے حوالے کر گئی تھی۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ اب تک تالے بدل چکے ہوں۔'' نوری نے ڈبے اکٹھے کرتے ہوئے کہا۔

''کچھ تالے اب تک وہیں ہیں۔'' جنت بائی نے پُرخیال انداز میں کہا۔

☆======☆======☆

کالج میں داخل ہوتے ہی اُما کی نگاہ سامنے باتیں کرتے ایڈی اور ماہ بانو پر پڑی۔ اُما کو آتے دیکھ کر ایڈی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''چلو بانو جلدی کرو' آج رافٹنگ کی کلاس ہے پہلے ہی اتنا مشکل سبجیکٹ ہے' دو بجے تک ہم کام مکمل نہیں کرسکیں گے۔'' اُما ایڈی کو نظرانداز کرکے ان کے پاس سے کہتے ہوئے گزرنے لگی۔

''وہ کیا ہے ہاں ''بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے' بانو اپنی دوست کو سمجھاؤ' صبح صبح کسی سے سلام دعا کرلی جاتی ہے۔''

''دعا اور مجھ سے سنو گے تم؟ اس جنم میں تو ممکن نہیں ہے۔'' اُما نے مڑ کر کہا۔

''چلو میں اگلے جنم کا انتظار کرلیتا ہوں۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''پتا ہے' اگلے جنم میں کیا بن کر اٹھو گے؟''

''عاشق۔''

ماہ بانو اور اُما کی ہنسی نکل گئی۔

''دیکھو ایڈی! میں تمہاری باتوں پر ہنس پڑتی ہوں تو صرف ازراہِ ہمدردی۔ چلو بانو ہم لیٹ ہورہے ہیں۔''

''ہمدردی کی ضرورت تو اس وقت تمہیں ہے۔ آج تمہاری ڈرافٹنگ کی کلاس ہے۔ تم دعا نہیں دے سکتیں' لیکن میں کوشش کروں گا کہ دوا کا انتظام کردوں۔ اب جاؤ کلاس میں۔''

وہ دونوں تیزی سے آگے چل پڑیں۔

''یہ صبح صبح کیسے ٹپک پڑا؟''

''کل عبداللہ کو اچانک لاہور آنا پڑا اس لیے یہ سب بھی آگئے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کتنی دیر ہوئی ہے تمہیں آئے ہوئے؟'' اُما نے اس سے پوچھا۔

''بس پانچ منٹ اور ان پانچ منٹوں میں سے چار منٹ ساٹھ سیکنڈ تک ایڈی کی داستانِ الم

ہی سنتی رہی ہوں۔ پورا ریکارڈ اس کی فنگر ٹپس پر ہے۔ کتنی آہیں بھریں' کتنے دردناک گانے سنے' کتنی مرتبہ خواب میں تمہیں دیکھ کر تمہارے پیچھے لپکا اور صحرا میں پہنچ کر کتنی مرتبہ پکارا اُما۔ اُما۔ اور ایسے میں کتنی مرتبہ آنکھ کھلی۔ تمہیں سنانے کے لیے کتنے شعر یاد کیے' جو اتفاق سے سب مکس اَپ ہوگئے وغیرہ یار اُما! یہ بندہ ناقابلِ علاج عاشق ہوچکا ہے۔''

''بہت ڈسٹرب کرتا ہے ایڈی۔ ہر مرتبہ سوچتی ہوں بلکہ تہیہ کرتی ہوں کہ اس کی باتوں پر دھیان نہیں دوں گی' لیکن اس کی باتیں بہت ڈسٹرب کرتی ہیں۔''

کلاس میں پہنچ کر وہ کام میں مشغول ہوگئیں۔ سر افتخار کلاس میں نہیں تھے۔ ماہ بانو اپنے بنائے Low Rise Building (لو رائز بلڈنگ) کے ماڈل کے لیے کٹر کے ساتھ ربڑ کاٹ کر گاڑی کا ماڈل بنا رہی تھی۔ اُما بھی اپنے ماڈل کی نوک پلک سنوارنے میں مصروف تھی۔ جب ایڈی فیصل کے ساتھ کلاس میں داخل ہوا' فیصل تھرڈ ایئر آرکیٹکچر میں پڑھ رہا تھا۔

''کہاں تک پہنچا کام؟'' اس نے جائزہ لیا۔

''بس ہورہا ہے۔'' ماہ بانو نے مسلسل ربڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

''یہ میں ڈرافٹنگ کے لیے ایڈ لایا ہوں۔'' ایڈی نے فیصل کی طرف اشارہ کیا۔

''بس اب تو سمجھو کام ہو ہی گیا ہے فورو ہیل پروجیکٹ تھا۔ یہ اب آخری دن ایڈ لائے بھی تو کیا فائدہ۔''

فیصل ان کے بنائے ہوئے ماڈلز دیکھنے لگا۔ کچھ مشورے بھی دیے۔

''یہ تم اس ربڑ کی جان کی دشمن کیوں ہورہی ہو؟'' ایڈی' ماہ بانو کے قریب آگیا۔

''بلڈنگ میں گاڑی نہیں کھڑی کرنی کیا؟''

''کس کا گھر ہے یہ لگتا ہے فیملی پلاننگ کے قائل نہیں ہیں' یہ گاڑی نہیں بس لگ رہی ہے شیپ تو ٹھیک بناؤ۔''

''تم سر پر کھڑے ہوجاؤ تو اچھا بھلا کام الٹا ہوجاتا ہے اور ابھی میں نے شیپ دی کب ہے اب دیکھو۔''

''ہاں اب بہتر ہے' لگتا ہے مرسڈیز ہے؟'' ایڈی بولا۔

''تم درمیان میں ٹانگ نہ اڑاتے تو یہ رولز رائس ہوتی۔'' اس نے کار کا ماڈل ڈرائیو وے میں کھڑا کردیا۔

''یہ دیوی جی کیوں چپ چپ ہیں؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''خود پوچھ لو دیوی سے۔ آدم خور نہیں ہیں' بے فکر رہو۔''

''مجھے تو آدم خور ہی لگتی ہیں' بالکل کالی۔''

''کیا؟ تمہیں کالی لگتی ہے اُما؟ وہ کالی کب ہے؟'' ماہ بانو نے حیرت سے کہا۔

"شی؟" ایڈی نے کہا۔ "آہستہ بولو، مجھے کچا چبا جائے گی یہ۔ اور تم بھی بالکل جاہل مطلق ہو۔ میں کالی دیوی کی بات کر رہا ہوں۔"

"تو یوں کہو ناں، تم اگر کہو بالکل کالی تو بندہ اور کیا سمجھ سکتا ہے۔"

"اچھا چھوڑو اس بات کو، کیفے ٹیریا چلتی ہو؟"

"اُما سے پوچھ لوں۔"

پھر وہ اُما کی طرف مڑی۔ "کمز چلتی ہو؟"

"بس دو منٹ۔"

"اچھا ہم چلتے ہیں، میں کمز میں ہی ہوں گا، تم لوگ آ جانا۔"

تھوڑی دیر بعد دونوں کلاس سے باہر نکلیں۔

میوزیم کی طرف جاتے ہوئے نہ جانے کہاں پارکنگ سے نکل کر ایڈی بھی ان کے پاس آ گیا۔

"آج بہت فارغ نظر آ رہے ہو؟" اُما نے اسے دیکھ کر کہا۔

"موڈ نہیں بن رہا کام کرنے۔" وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"فیل ہو جاؤ گے تھرڈ ایئر میں۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہو گا، تمہارے ساتھ گزارنے کو زیادہ وقت مل جائے گا۔"

"میں سیریس ہوں ایڈی۔" اُما نے کہا۔

"میں بھی سیریس ہوں۔ خیر جانے دو، یہ بتاؤ کہ کیا کھاؤ گی؟"

"چپس اور کولڈ ڈرنک۔"

ان کے لیے چپس اور کولڈ ڈرنکس اور اپنے لیے چائے منگوا کر اس نے سگریٹ سلگا لیا۔

"تم لوگ آرٹسٹ ہی نہیں لگتے، سگریٹ نہ سہی۔ کم از کم چائے تو پی لیا کرو۔"

"جتنی چائے تم پیتے ہو، اس حساب سے تو تمہارا چائے کا ایک آدھ باغ ہونا چاہیے تھا۔ تمہارے گھر میں چائے کے کتنے ڈبے آتے ہیں۔" ماہ بانو نے کہا۔

"یہ تو نہیں پتا، البتہ وہ ہماری نوکرانی ہے چراغ بی بی وہ بہت گالیاں دیتی ہے۔ چائے اسے ہی بنانی پڑتی ہے ناں۔"

"تم کسی سے بھی دعائیں نہ لینا۔" اُما نے کہا۔

"چلو شکر ہے مزاج بہتر ہے، میں تو سمجھا تھا کہ دیوی جی ناراض ہو گئی ہیں۔"

"تم مجھے اُما نہیں کہہ سکتے؟" وہ اس کے دیوی جی کہنے سے سخت چڑتی تھی۔

"نام کیا ہے تمہارا؟ اُما دیوی، کیا غلط کہہ رہا ہوں میں؟"

"میں نے تم سے کہا بھی ہے اُما کہ ان کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اُڑا دیا

کرو۔" ماہ بانو نے کہا۔

"تمہارا ابھی جواب نہیں بانو، زبانی کلامی ہی دوست کہتی ہو مجھے وقت آتا ہے تو فوراً دشمن کے کیمپ میں گھس کر گولہ باری شروع کر دیتی ہو۔"

"اُما کی بات اور ہے، اس کے سامنے کسی اور کی دوستی نہیں چل سکتی۔"

"تم نے اسے میری داستانِ آہ و فغاں سنائی؟" ایڈی نے ماہ بانو سے پوچھا۔

"یہ سننے میں انٹرسٹڈ ہی نہیں ہے، کہنے لگی ہٹاؤ کیا حماقت ہے؟"

"خیر، کہہ تو ٹھیک رہی تھی، نری حماقت ہے، لیکن اُما کیا یہ حماقت دو طرفہ نہیں ہو سکتی؟"

"میں نے پیپسی پی لی، چپس بھی کھا لیے اب تمہیں مزید برداشت کرنے کا میرا کوئی پروگرام نہیں ہے۔" اُما نے ہاتھ جھاڑے۔

"تم بھی جلدی کرو بانو، ابھی بہت کام کرنا ہے۔"

"تم تو سب کچھ بغیر چبائے معدے میں اتارتی ہو، ابھی بیٹھو، مجھے آرام سے کھا لینے دو۔" ماہ بانو نے کہا۔

"تمہاری طرح چبانے کی سنچری کوئی نہیں کرتا۔ بہت آہستہ کھاتی ہو۔" وہ واپس بیٹھ گئی۔

"تمہارے آہستہ کھانے کا یہ غالباً پہلا اور آخری فائدہ ہوا ہے۔" ایڈی نے ماہ بانو سے کہا۔ پھر اُما کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے یہ بتا دو اُما کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں ہے اور ہو بھی کیوں؟ تم میرے کیا لگتے ہو کہ اعتبار کروں؟ ٹھیک ہے دوستی ہے، لیکن اب بہت بور کرتے ہو۔ یوں بھی دوستی ایسی چیز نہیں ہے کہ توڑی نہ جا سکے۔"

ایڈی چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا "آج کا مہینہ، دن، تاریخ اور وقت نوٹ کر لو کیونکہ میں اعلانِ لاہور کے نام سے ایک اعلان کرنے والا ہوں۔ بانو تمہاری آدھی گواہی کو وقتی طور پر پورا مان لیتے ہیں۔

اعلانیہ ہے کہ میں دیوی جی کے رویے کے خلاف احتجاج کے طور پر جوگ لے رہا ہوں اور اب یہ جوگی دوبارہ اسی وقت عدنان عرف ایڈی کی شکل میں واپس آئے گا، جب دیوی جی ہمارے حق میں فیصلہ دیں گی۔"

"منہ دھو رکھو۔" اُما نے کہا۔

"وہی تو نہیں دھونا۔ بھئی میں جوگ لے رہا ہوں۔"

ماہ بانو خالی بوتل میز پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جتنے پیسے تم نے خرچ کیے ہیں ایڈی! ان میں تمہاری صرف اتنی ہی باتیں سنی جا سکتی ہیں، بائے۔"

وہ دونوں کلاس کی طرف چل دیں۔

☆======☆======☆

زینی' عبداللہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔

''بھائی! آپ نے آنے کی اطلاع بھی نہیں دی مجھے اتنی خوشی ہو رہی ہے آپ کو دیکھ کر کہ کیا بتاؤں۔''

''اتنے دن سے تمہیں دیکھا نہیں تھا'۔ بہت یاد آرہی تھی تمہاری سوچا کہ ایک آدھ دن کے لیے یہاں تمہارے پاس سے ہو آؤں۔''

''مجھے بھی سب بہت یاد آرہے تھے کہ کیا بتاؤں آپ آئیں ناں اندر۔''

دونوں ڈرائینگ روم میں آبیٹھے۔

''اچھا یہ بتائیں کہ سب کیسے ہیں۔ اماں' بابا جان اور گڑیا۔ میرا اتنا دل چاہ رہا سب سے ملنے کو' اور یہ گڑیا تو اتنی بے وفا ہے کہ جب سے گاؤں گئی ہے یہاں مڑ کر بھی نہیں دیکھا اس نے۔''

''سب بالکل ٹھیک ہیں اور تمہارے لیے اتنے پیار بھیجے ہیں سب نے کہ انہیں لانے کے لیے دو پھیرے لگانے پڑیں گے اکٹھے لاتا تو اوور لوڈنگ ہو جاتی۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''ویسے آپ نے آنے کی اطلاع تو دے دی ہوتی' میں کوئی اہتمام ہی کر لیتی۔''

''اہتمام تو لگتا ہے ہو رہا ہے۔ کچن سے بہت خوشبو آرہی ہے۔'' وہ بولا۔

''ہاں یہ خوشبوئیں' یہ تو بس یونہی ہے۔''

''دیدی کہاں ہیں؟''

''وہ اسلام آباد گئی ہیں کام سے' کہہ رہی تھیں کہ رات تک آجائیں گی۔'' اس نے بتایا۔

''اور تم پیچھے اکیلی ہو' انہیں اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میں اکیلی کب ہوں' اپنے گھر میں ہوں۔ سلیمہ ہے شیر دل خان ہے اور اب تو آپ بھی آگئے ہیں' ویسے وہ بھی جانا نہیں چاہتی تھیں' لیکن ان کا کام بہت ضروری تھا۔ اس لیے گئی ہیں۔''

ابھی اس کی بات بمشکل ختم ہوئی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ زینی نے تیزی سے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!''

اس کی کوشش تھی کہ اس کے لہجے سے بیتابی ظاہر نہ ہو لیکن یہ وہ فون نہیں تھا۔ جس کا اسے انتظار تھا۔ اسے بہت مایوسی ہوئی۔

''پلیز مائنڈ نہ کرنا نادرہ! اس وقت میں بزی ہوں' میں تمہیں خود فون کر لوں گی۔ ہاں بائے۔'' یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

URDU PHOTO

''تم آرام سے بات کر لیتیں اپنی فرینڈ سے۔''

''نہیں کوئی بات نہیں پھر بات کر لوں گی۔'' اس نے مایوسی چھپانے کی کوشش کی۔

وہ فون بالکل بزی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ مبادا سبط حسن فون کرے اور اسے نمبر نہ ملے۔

''کیا بات ہے زینی' بہت تھکی تھکی لگ رہی ہو۔ آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں طبیعت تو ٹھیک ہے یا پھر نیند پوری نہیں ہوئی؟'' عبداللہ نے کہا۔

''نہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے' زکام ہو گیا تھا مجھے' شاید اس کی وجہ سے محسوس ہو رہا ہو۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

کتنی دیر تک دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران گھر کی بیل بجی۔

''میں دیکھتی ہوں' دیدی آئی ہوں گی۔'' زینی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

عبداللہ نے رسٹ واچ پر وقت دیکھا' شام کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ طے شدہ پروگرام کے تحت اس وقت سبط حسن کو آنا تھا۔ وہ دونوں ہی نہیں چاہتے تھے کہ زینی کو اچانک شاک پہنچے۔ بجائے اس کے کہ ایک دم ایسی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑے' جس سے اس کے حواس ہی معطل ہو جائیں بہتر تھا کہ صورتِ حال کو آہستہ آہستہ اس پر واضح کیا جائے تا کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی بہتر فیصلہ کر سکے۔ یہی سوچ کر انہوں نے پہلے سے ایک پروگرام بنالیا تھا۔

عبداللہ جان بوجھ کر دروازہ کھولنے باہر نہیں گیا تھا اور وہیں ڈرائینگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔

زینی نے دروازہ کھولا' سامنے سبط حسن کو دیکھ کر وہ چیخ پڑی۔

''سبط تم' مجھے صبح سے لگ رہا تھا جیسے تم آج آؤ گے' اندر آؤ ناں۔''

''تم کیسی ہو اور یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔ نیند پوری نہیں کی یا روتی رہی ہو۔'' وہ اندر آگیا۔

''دونوں ہی باتیں ہیں' مجھے تم اتنے یاد آرہے تھے اور پھر تم نے اس دن کے بعد رنگ بھی تو نہیں کیا میں اسی لیے سوئی بھی نہیں تھی۔ سو جاتی اور تمہارا رنگ آجاتا تو دیدی مجھے کبھی نہ جگاتیں۔

اور ہاں مجھے تمہارے بھائی کا بہت افسوس ہے' مجھے اندازہ ہے کہ تم کیا محسوس کر رہے ہو گے۔ پتا ہے میرے بھائی کو خراش بھی آجائے تو میری آدھی جان وہیں نکل جائے۔''

''مجھے بھی تم بہت یاد آئیں۔ اتنی زیادہ کہ میں تمہیں بتا بھی نہیں سکتا۔''

زینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''پتا ہے' مجھے یقین تھا کہ تم آج آؤ گے میں نے سلیمہ سے کہہ کر تمہاری پسند کا کھانا پکوایا ہے۔''

''اچھا یہیں کھڑا رکھو گی' باقی باتیں اندر چل کر ہو جائیں گی۔'' سبط نے کہا۔

"اوہو میں تو بھول ہی گئی تمہیں بتانا۔ اندر میرے بھائی آئے ہوئے ہیں' ان سے اچھے طریقے سے ملنا اور ہاں میں نے ابھی انہیں تمہارے متعلق بتایا نہیں ہے۔"

"جو حکم۔" سبط نے خوش دلی سے کہا۔

باہر وہ عبداللہ کی کار پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

عبداللہ بھی آنے والے لمحات کے لیے تیار ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے اس سے پہلے کہ زینی ان کا تعارف کرواتی' وہ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے۔

"سبط تم؟" عبداللہ نے ایسے کہا جیسے اسے وہاں دیکھ کر حیران ہوا ہو۔

"آپ زینی کے بھائی ہیں؟ اس نے کبھی بتایا ہی نہیں۔ کدھر ہو زینی تم۔ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ عبداللہ بھائی تمہارے بھائی ہیں؟"

وہ جو ایک طرف کھڑی حیرت سے پلکیں جھپکائے بغیر یہ منظر دیکھ رہی تھی آگے بڑھ آئی۔

"آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں' لیکن کیسے؟ ہائے مجھے تو پتا ہی نہیں تھا' میرا تو خیال تھا کہ......؟" وہ بات ادھوری چھوڑ کر ہنسنے لگی۔

"بیٹھو سبط۔" عبداللہ نے کہا پھر زینی کی طرف مڑا۔

"تم نے آج تک ذکر ہی نہیں کیا کبھی۔"

"میں' اماں' بابا جان اور آپ کو بھی سبط سے ملوانا چاہتی تھی لیکن اتفاق ہے کہ یہ انہی دنوں بزی ہوتا تھا۔ میں نے بھی تہیہ کیا ہوا تھا کہ پہلے سے آپ لوگوں کو بتاؤں گی نہیں' سیدھے ملوادوں گی اور آپ لوگوں نے تو مجھے حیران ہی کر دیا۔"

وہ عبداللہ کے برابر صوفے پر ایک ٹانگ اوپر کر کے اور ایک نیچے لٹکا کر بیٹھ گئی۔ پاس پڑا کشن اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم آج آ رہے ہو؟" عبداللہ نے کہا۔

"ہاں بس میرا پروگرام بھی اچانک ہی بنا ہے۔"

"یہ آپ لوگ کیا پہیلیوں میں باتیں کرنے لگے۔ مجھے تو کوئی پوچھ ہی نہیں رہا۔ مجھے بھی تو اپنی باتوں میں شامل کریں۔" زینی نے کہا۔

"روک کون رہا ہے تم بھی شامل ہو جاؤ۔" عبداللہ نے کہا۔

"کیسے ہو جاؤں' یہ تو پتا چلے پہلے کہ آپ لوگ ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہیں۔"

عبداللہ نے سگریٹ نکال کر ایک سگریٹ سبط کی طرف بڑھایا۔

"نو تھینکس۔ زینی مجھے کچا چبا جائے گی۔"

"کچا چبانے کی کیا بات' تمہیں خود نہیں پتا کہ سموکنگ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔" زینی نے اسے گھورا۔

URDU PHOTO

"اپنے بھائی کو منع نہیں کرتیں۔" سبط نے بھی اسے گھورا۔

"انہیں کیسے منع کر سکتی ہوں' بڑے ہیں مجھ سے۔" وہ بولی۔

عبداللہ نے سگریٹ سلگا لیا۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ لوگ کیسے ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

یہی وہ سب سے مشکل سوال تھا' جس کا جواب انہیں احتیاط سے دینا تھا۔

"نہ جاننے کا کیا مطلب؟ بھئی کزن ہے ہمارا۔" عبداللہ نے کہا۔

"کزن؟ کیسا کزن؟ سب ماموؤں اور خالاؤں کے بچوں بلکہ ان کے بچوں کا بھی مجھے پتا ہے' ویسے اگر سبط کزن ہو تو قسم سے کتنا اچھا ہو' لیکن کیسا کزن؟"

"تمہارے صرف ماموں اور خالہ ہیں؟ کوئی تایا چچا نہیں ہیں؟" سبط نے بھی خوش دلی سے کہا۔

"ان کا تو نام نہ لو' میں نے دیکھا تو نہیں ہے' لیکن سنا ہے کہ وہ سب بہت ڈراؤنے ہیں' کیوں بھائی؟"

"شی' بری بات۔" عبداللہ نے کہا۔

"میں تمہیں ڈراؤنا لگتا ہوں کیا؟" سبط نے آنکھیں نکالیں۔

چند لمحے وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔ اس نے عبداللہ کی طرف دیکھا جیسے اس سے تردید کی توقع کر رہی ہو۔

"سبط ٹھیک کہہ رہا ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

"لیکن......"

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس نے کبھی خاندان کے معاملات میں دلچسپی نہیں لی تھی اور اسے تمام معاملات کا علم نہیں تھا' لیکن اب وہ اس قدر بے خبر بھی نہیں تھی کہ آپس کی شدید دشمنی کا بھی اسے پتا نہ ہو' جب کہ دوسری طرف سبط اور عبداللہ اتنی گرمجوشی سے ملے تھے۔

"میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اٹس سو سرپرائزنگ۔" اس نے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں۔

"بھائی اگر ایسا ہے تو وہ سب کیا تھا' جس کی وجہ سے ہم اپنے گھر سے اتنی دور رہے۔"

"گھر سے تو یوں بھی بہت سے لوگ دور رہتے ہیں۔ ظاہر ہے' تم گاؤں میں تو نہیں پڑھ سکتی تھیں۔ اچھی اسکولنگ کے لیے یہ ضروری تھا کہ ہم گھر سے دور رہتے۔"

"ن تب یہ تو نہ ہوتا' جو ہمارے ساتھ ہوتا رہا ہے' ہمیں اپنے گھر تک جانے کی بھی اجازت نہیں تھی۔ میں اب تک حویلی واپس نہیں جا سکی۔ اپنے گاؤں' اپنے لوگوں میں نہیں

جا سکی۔ یہ۔ یہ سب کیا ہے؟ کیا اب حالات بہتر ہو گئے ہیں؟ وہاں سب کی صلح ہو گئی ہے؟'' اس نے پُر امید لہجے میں پوچھا۔

''نہیں' صلح تو نہیں ہوئی لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ خون کے رشتے تو نہیں ٹوٹ سکتے ناں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اوہ گاڈ! یا تو میں بہت کم عقل ہوں کہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' یا پھر آپ لوگ سیدھی طرح بات نہیں کر رہے۔ بڑے بابا تو ہم لوگوں کے خون کے پیاسے تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ انہوں نے ہم پر فائرنگ کروائی تھی۔ برسوں تک مجھے Night Mares (نائٹ میئرز) آتے رہے تھے۔'' اس نے سبط کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر تناؤ کے آثار تھے۔

''سبط تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کچھ؟''

''مجھے خود ابھی تو پتا چلا ہے' لیکن کیا تمہارے نزدیک یہ سب باتیں اتنی زیادہ اہم ہیں؟''

''بھائی اب تک کچھ تو بدلا ہوگا؟'' وہ سبط کی بات نظر انداز کر کے عبداللہ کی طرف مڑی۔

''بدلا کچھ بھی نہیں ہے' سب کچھ بالکل ویسا ہی ہے بلکہ صورتِ حال زیادہ خراب ہو چکی ہے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے' کچھ تو بدلا ہوگا۔ آپ لوگ اتنی گرمجوشی سے ملے ہیں اور......!''

''بھئی ہم مہذب لوگ ہیں۔ کوئی وحشی جنگلی تو نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر آدم خوری پر اتر آتے۔'' سبط حسن نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کے لیے مسکرا کر کہا۔

''نہیں' اتنے مہذب نہیں ہیں آپ لوگ' کیا سمجھتے ہیں آپ مجھے کہ جاہل ہوں' پاگل ہوں' کچھ سمجھ نہیں سکتی۔ آپ لوگ پہلے مل چکے ہیں تو مجھ سے چھپا کیوں رہے ہیں؟ یہ جاننے کے لیے آئے ہیں ناں کہ میں کیسے ری ایکٹ کروں گی؟ اور میرے ری ایکشن دیکھ کر آپ لوگ نیا کورس آف ایکشن طے کریں گے۔ یہی ہے ناں بات؟ اب بولتے کیوں نہیں ہیں؟''

چند ثانیے وہ ان دونوں کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا پھر کشن پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

''زینی!''

وہ پاس سے گزری تو عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''جا کہاں رہی ہو بیٹھو؟''

وہ عبداللہ کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس کے کندھے کے ساتھ سر ٹکا کر رو پڑی۔

''رونے سے کون سا مسئلہ حل ہو جائے گا زینی۔'' تھوڑی دیر بعد سبط نے کہا۔

''دل کا غبار تو نکل جائے گا۔'' وہ بولی۔

''زینی! اتنا کم حوصلہ نہیں ہونا چاہیے تمہیں' ابھی تو پتا نہیں کیا کچھ فیس کرنا پڑے گا زندگی

URDU PHOTO

میں Look, Life Is Not All Rosse'' عبداللہ نے اس کے آنسو پونچھے۔

''میں نے پھول دیکھے ہی کب ہیں؟ کیا ملا ہے مجھے اب تک زندگی سے؟ پہلے اپنا گھر چھوڑا' اپنے لوگ اور بچپن کی یادیں چھوڑیں' گھر والوں کا پیار ملا تو قسطوں میں' ساری زندگی گزری خوف کے عالم میں' مگر میں نے کبھی شکایت نہیں کی۔

لیکن اب میں کچھ برداشت نہیں کر سکتی' مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ کیا میں ہی رہ گئی ہوں جس سے سب کچھ چھین لیا جائے؟ ایک ہی تو خوشی ملی تھی مجھے' وہ بھی نہ رہی تو میں جان دے دوں گی بھائی!'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

اس لمحے سبط کو ریشماں کا خیال آیا۔ قدرت کی کیا ستم ظریفی تھی۔ وہ اور عبداللہ مل کر دونوں ہی زینی کے مستقبل کو تحفظ دینا چاہتے تھے' لیکن ریشماں؟ کیا عبداللہ اس کے مستقبل کو بھی تحفظ دینے کے لیے تیار ہو جاتا؟

لیکن اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ رہن سہن اور ماحول کا کتنا تضاد تھا دو بھائیوں کے گھروں میں۔ ریشماں ہوش و حواس میں اس سے یہ بات کبھی نہیں کہہ سکتی تھی' جو اس دن کہی تھی' اور یہاں عبداللہ اور زینی کے بیچ کوئی کمیونی کیشن گیپ تھا ہی نہیں۔

''تم سے تمہاری خوشیاں کوئی نہیں چھینے گا زینی' اس بات کا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''لیکن یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ تمہاری خوشیاں ہیں کیا؟ کہیں ایسا نہ ہو زینی کہ تم جنہیں خوشیاں سمجھ رہی ہو' انہیں حاصل کرنے کے بعد تمہیں یہ احساس ہو کہ یہ تو صرف نظر کا دھوکا تھا۔''

آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یہی منحوس خبر سنانے آئے تھے' آپ دونوں مجھے؟ بہت شکریہ یہ انفارمیشن دینے کا۔ آپ نے اپنا فرض پورا کر لیا اور میں نے بھی سن لی یہ خبر۔ اب آپ لوگ چلے جائیں یہاں سے۔''

''زینی پاگل ہوئی ہو کیا؟'' عبداللہ نے پھر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

سبط اس سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا' لیکن عبداللہ کی موجودگی کی وجہ سے خاموش تھا۔

''ہم تم پر دباؤ ڈالنے نہیں آئے۔ فیصلہ جو بھی کرنا ہو وہ تم ہی کرو گی' ہم تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تم تسلی سے ٹھنڈے دل سے صورت حال کا جائزہ لو اور پھر کوئی فیصلہ کرو' جلدی کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹیک یور ٹائم۔ تم جو بھی فیصلہ کرو گی' میں تمہارے ساتھ ہوں گا' اب آنسو پونچھو' یہ کیا بچوں کی طرح رونا دھونا شروع کر دیتی ہو۔ یو آر گرون اَپ ناؤ۔''

وہ سر جھکائے' چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے روتی رہی۔

''یار سبط! اس کا تو آج فل ٹائم رونے کا پروگرام بنا ہوا ہے' یہ ہمیں کھانے کو نہیں پوچھے

گی۔میرا خیال ہے آج ڈنر باہر ہی کرنا پڑے گا۔'' عبداللہ نے کہا۔

سبط جو پہلے ہی بہت دل گرفتہ بیٹھا ہوا تھا' خاموش رہا۔زینی آنسو پونچھتی ہوئی اٹھی۔

''میں کھانا لگواتی ہوں۔''

وہ دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر بعد سلیمہ نے آکر بتایا کہ کھانا لگا دیا گیا ہے۔کھانے کو ان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا' ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کے لیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

ڈائننگ ٹیبل پر پہنچے تو زینی میز پر گلاس رکھ رہی تھی۔سلیمہ باہر نکل گئی تھی۔

کھانا شروع ہوا' لیکن ابھی زینی نے پہلا نوالہ بھی نہیں لیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے پھر برسات شروع ہو گئی۔کانٹا پلیٹ میں اور نیپکن میز پر رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔وہ دونوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

''آئی ایم سوری سبط کہ تم ڈنر بھی نہیں کر سکے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میرا دل بھی نہیں چاہ رہا۔'' وہ بولا۔

''میں زینی کو دیکھتا ہوں۔''

''میں بھی اب چلتا ہوں' شاید رات کو کسی وقت فون کروں۔''

سبط کے جانے کے فوراً بعد دیدی آ گئیں۔عبداللہ ٹرالی میں زینی کے لیے کھانا رکھ رہا تھا۔

''شاہ صاحب آپ؟'' دیدی اس کے پاس آ گئیں۔

عبداللہ نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

''سوری! میں کچھ لیٹ ہو گئی۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کو یوں زینی کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا اور پھر آپ اتنی دیر سے آئی ہیں۔آپ کو خود اس بات کا احساس ہونا چاہیے اور آپ کو یہ بھی پتا ہے کہ وہ کتنی ڈسٹرب ہے۔''

''اس نے کھانا کھا لیا؟'' وہ قدرے شرمندہ ہو گئیں۔

''میں کھانا کھلا دیتا ہوں اسے' آپ آرام کریں اور بی کیئر فل ان فیوچر۔''

دیدی کچھ کہے بغیر کچن سے چلی گئیں۔عبداللہ ٹرالی لے کر اس کے کمرے کے دروازے پر پہنچا۔دروازہ بند تھا' مگر اندر سے سسکیوں کی آواز آ رہی تھی۔

عبداللہ نے دروازے پر دستک دی۔دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آیا' اس نے ناب گھمائی۔دروازہ لاک نہیں تھا' وہ اندر چلا آیا۔زینی بستر پر اوندھی پڑی رو رہی تھی۔

''کمال ہے زینی۔'' وہ ٹرالی بستر کے قریب لایا اور خود بھی بستر پر بیٹھ گیا۔

''مجھے بتاؤ کہ تم نے اتنا سمندر آنکھوں میں چھپا کیسے رکھا ہے۔دیکھو' مجھے تمہارے رونے

URDU PHOTO

پر اعتراض نہیں ہے' دل بھر کر رو لینا' لیکن پہلے کھانا کھا لو' اٹھو۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' اس نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

''لڑنا ہو تو میرے اور سبط کے ساتھ لڑ لینا لیکن کھانے سے کیا لڑائی ہے تمہاری' اٹھو اچھے بچوں کی طرح۔''

''مجھے نہیں کھانا' کھانا۔'' اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''پتا نہیں یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے۔''

☆======☆======☆

سبط حسن گھر پہنچا تو بہت تھکن محسوس کر رہا تھا۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے وہ کمرے میں آیا تو اس کے پیچھے پیچھے اس کا ملازم کرم الٰہی بھی چلا آیا۔

''شاہ صاحب! آپ کے لیے کھانا لاؤں؟''

''نہیں۔'' اس نے ٹائی بستر پر پھینک دی اور آستینوں کے بٹن کھولنے لگا۔

''دشمنوں کی طبیعت خراب لگ رہی ہے سرکار۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔تم جاؤ' کھانا نہیں کھایا تو کھا لو اور آرام کرو' مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔''

''شاہ صاحب! کچھ عرض کرنا تھا۔'' وہ سبط حسن کے قدموں میں بیٹھ کر اس کے جوتے اتارنے لگا۔

''جلدی کہو' کیا ہے۔''

''شاہ صاحب! حوصلہ نہیں پڑ رہا کیسے کہوں۔''

''فضول تمہیدیں مت باندھا کرو کرم الٰہی جلدی کہو' کیا کہنا ہے۔'' سبط نے بیزاری سے کہا۔

''سرکار ناراض مت ہوں' میں نے تو پہلے ہی بتا دیا ہوتا' لیکن زبان ساتھ نہیں دیتی۔میں تو آپ کا نوکر ہوں شاہ صاحب' جب سے حویلی میں آیا ہوں' آپ کی خدمت پر تب ہی سے مامور ہوں۔خدمت گار مالک کی عزت کرتے ہیں' لیکن میں آپ سے محبت کرتا ہوں' آپ جتنا خیال رکھتے ہیں مجھ غریب کا اس پر میرے دل سے آپ کے لیے اتنی دعائیں نکلتی ہیں' یہ میں اور میرا رب ہی جانتا ہے۔آپ کو نقصان پہنچے' یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔''

''مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا' تم بے فکر رہو۔'' اس نے کرم الٰہی کو ٹالنا چاہا۔

''شاید ایسا ہی ہو' لیکن آپ کو آگاہ تو کرنا میرا فرض ہے ناں' مگر ڈرتا ہوں کہ پیر صاحب کو پتا چل گیا کہ جس بات کو انہوں نے چھپانے کا حکم دیا تھا' وہ میں نے آپ کو بتا دی ہے' تو وہ میرے گھر کے ایک فرد کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

سبط نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہو کرم الٰہی؟''

''سچ کہہ رہا ہوں شاہ صاحب۔'' اس نے نظریں جھکا لیں۔

''بابا جان تک کوئی بات نہیں پہنچے گی' یہ میرا ذمہ ہے۔''

''میں آپ پر قربان ہو جاؤں شاہ صاحب' اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔'' پھر وہ قدرے آگے بڑھ کر رازداری سے بولا۔

''گاؤں سے کرم داد آیا ہے' آپ کی جاسوسی کے لیے۔''

''کیا مطلب؟''

''وہ پتا کرنے آیا ہے کہ آپ کی کن کن لڑکیوں سے دوستی ہے۔ پیر صاحب نے حکم دیا ہے کہ یہ پتا کیا جائے کہ آپ کی کن کن اور کتنی لڑکیوں سے دوستی ہے' کن لڑکیوں سے آپ باہر ملتے ہیں اور کون گھر میں آتی ہیں اور خاص طور پر پتا کروایا ہے کہ زینب بی بی کون ہیں' تفصیل مانگی ہے انہوں نے ساری۔

کل جب آپ نہیں تھے تو کرم داد یہاں آپ کے کمرے میں آیا تھا۔ بی بی کی تصویر دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کون ہے؟ پیر صاحب کے حکم کی سرتابی کی مجال نہیں تھی۔ میں نے بتا دیا کہ زینب بی بی ہیں۔ مجھ سے پوچھنے لگا کہ اس تصویر کی کوئی دوسری کاپی ہے' مگر میں نے انکار کر دیا۔

پتا ہے' کیا کیا اس نے؟ اس نے کھٹ سے کیمرے کے ساتھ اس تصویر کی تصویر کھینچ لی۔

آج میں جان بوجھ کر آپ کے ساتھ ساتھ رہا تاکہ کرم داد سے جان بچی رہے' لیکن موقع ہی نہیں ملا کہ آپ کو کچھ بتاتا۔ وہ تو شکر ہوا کہ اس کی وہی گاؤں والی عادت ہے جلدی سونے کی۔ آپ کے نکلنے سے پانچ منٹ پہلے چلا گیا تھا وہ سونے کے لیے' تب سے میں دعا کر رہا تھا کہ آپ جلدی آئیں' کیونکہ کل صبح صبح وہ میرے سر پر سوار ہو جائے گا یہ سب باتیں پوچھنے کے لیے۔''

''اوہ گاڈ!'' اس نے گہرا سانس لیا۔

''اب آپ حکم کریں شاہ صاحب۔''

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا ''تم اس سے کہنا کہ......''

☆======☆======☆

عبداللہ نے تمام تر صورتِ حال زینی کو بتا دی تھی۔ وہ سب پریشانیاں جن کا اسے سامنا ہو سکتا تھا' سب کچھ تفصیل کے ساتھ اسے بتا دیا تھا۔

''میں کسی جلد بازی کی بات نہیں کر رہا' میں نے ساری صورتِ حال تمہارے سامنے رکھ دی ہے' تم اطمینان سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔''

''حالات خواہ کیسے بھی کیوں نہ ہوں خواہ اس سے بھی بدتر ہوں' لیکن میں سبط کو نہیں چھوڑ

سکتی۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''زینی جلد بازی اور جذباتیت کا مظاہرہ مت کرو۔'' عبداللہ نے اسے سمجھایا۔

''آپ آج پوچھیں یا کل یا دس سال بعد' میرا فیصلہ یہی ہوگا۔''

''تم پڑھی لکھی' باشعور لڑکی ہو' ضد کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔''

''مجھے پتا ہے بھائی' آپ کیا چاہتے ہیں۔'' وہ چلائی۔ آنسو پھر اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

''آپ چاہتے ہیں کہ ہم دونوں دور ہو جائیں' لیکن اپنے منہ سے یہ بات کہنا نہیں چاہتے تاکہ کل کو یہ کہہ سکیں کہ یہ فیصلہ زینی کا تھا۔ مجھے پریشرائز کر کے یہ بات کہلوانے سے زیادہ بہتر ہوگا کہ آپ زبردستی مجھے سبط سے دور کریں' کیونکہ نہ تو میں پریشرائز ہوں گی اور نہ وہ سب کہوں گی' جو آپ مجھ سے کہلوانا چاہیے ہیں۔''

عبداللہ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

''زینی! تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو' میرا......!''

''مجھے کچھ نہیں سننا۔'' اس نے عبداللہ کی بات کاٹی۔ ''آپ نے میرا فیصلہ مانگا تھا' میں نے دے دیا۔ بس بہت ہو گئی' زندگی کی جن خوشیوں پر میرا حق تھا' انہیں اپنے گھر والوں کی مجبوری سمجھ کر میں ہمیشہ خاموشی سے اپنے اس حق سے دستبردار ہوتی رہی ہوں لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔''

''اچھا' اب تم آرام کرو۔'' عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں بھی تھکا ہوا ہوں' آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے کمرے سے نکلتے ہی زینی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا اور سبط کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ دوسری طرف پہلے ہی رِنگ پر فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو سبط! میں بھی آج تم سے وہ بات کہنا چاہتی ہوں جو پہلے کبھی نہیں کہی۔'' وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

''میں تم سے محبت کرتی ہوں بہت زیادہ۔ اتنی زیادہ کہ کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ حالات خواہ کیسے ہوں' لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ میں تم سے اسی طرح محبت کرتی رہوں گی ہمیشہ۔'' اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

اور سبط حسن کے دل پر سے بھاری بوجھ اتر گیا۔

☆======☆======☆

لاہور جاتے ہوئے عبداللہ سوچ رہا تھا کہ زینی نے غلط اور جذباتی فیصلہ کیا تھا' لیکن اس کی موجودہ ذہنی حالت میں اس کا یہ فیصلہ تبدیل کرانا مشکل تھا۔

گو کہ عبداللہ نے سبطِ حسن کے ساتھ بہت تھوڑا وقت گزارا تھا' لیکن وہ اسے بھی اچھا لگا تھا اور زینی اور سبط کی دوستی تو تقریباً سال بھر پرانی تھی' دوستی بھی ایسی کہ ان کا اٹھنا' بیٹھنا' پڑھنا لکھنا اور کھانا پینا تک اکٹھے ہوتا تھا۔ ایسے میں زینی سے یہ توقع کرنا کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی فیصلہ کرے گی درست نہیں تھا۔ عبداللہ کا ارادہ تھا کہ وہ ہفتہ بھر بعد دوبارہ چکر لگائے گا' تب تک زینی کی ذہنی حالت بھی بہتر ہو چکی ہوگی۔ یہ بھی ممکن تھا' تب تک وہ صورتِ حال کا منطقی جائزہ لے چکی ہو۔

☆======☆======☆

''جی میں نے بہت اچھی طرح سے معلوم کرلیا ہے' کہ شاہ صاحب کی دوستی صرف ایک لڑکی سے ہے۔'' کرم داد پیر صاحب کو رپورٹ پیش کر رہا تھا۔ ''شاہ صاحب ان سے گھر سے باہر ہی ملتے ہیں۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے گھر نہیں جاتے۔ یہ ملاقات بھی بعض اوقات ایک اور بعض اوقات دو دن چھوڑ کر ہوتی ہے۔''

''نام کیا ہے لڑکی کا؟''

''زینب بی بی ہیں جی۔''

اس نے ایک سفید لفافہ ان کی طرف بڑھایا جس میں زینی کی تصویر تھی۔

''یہ تصویر شاہ صاحب کے کمرے میں لگی ہوئی تھی۔ میں نے اس تصویر کی تصویر کھینچ لی۔''

پیر صاحب لفافے سے تصویر نکال کر اس کا جائزہ لینے لگے۔

''لڑکی کے متعلق تفصیل بتاؤ۔''

''یہ بی بی اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہیں میں نے ان کا بنگلا دیکھا ہے' والدہ کو بھی دیکھا ہے۔''

حالانکہ یہ سراسر جھوٹ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب سب کچھ کرم الٰہی اتنی تفصیل کے ساتھ بتا رہا تھا تو اسے زیادہ تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بقیہ دن یونہی مری اور اسلام آباد کی سیر کر کے واپس چلا گیا۔

''بنگلا ویسا ہی ہے جیسا کہ شاہ صاحب کا ہے۔'' اس کی بات جاری تھی۔

''گاڑی بھی کھڑی ہوئی ہے' کھاتا پیتا گھرانہ لگتا ہے' لیکن بی بی کے والد وہاں نہیں رہتے' شاید ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔''

''یہ اچھی طرح معلوم نہیں کیا کہ اس کا باپ کہاں ہے؟'' پیر صاحب نے سختی سے پوچھا۔

''جی پتا تو کیا تھا۔'' وہ ایک دم بھیگی بلی بن گیا۔ ''لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس ملک میں گئے ہوئے ہیں۔''

''اچھا جاؤ۔''

وہ جلدی سے باہر نکل گیا۔

پیر صاحب مطمئن ہو گئے تھے۔ یہ کوئی پریشان کن صورتِ حال نہیں تھی۔

''لڑکے اس عمر میں ایک آدھ محبت کرتے ہی ہیں پھر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اگر سبط لڑکی کے گھر نہیں جاتا تو اس کا مطلب ہے کہ لڑکی بھی اپنی ماں سے ڈرتی ہے۔ یہ ٹین ایج کی وہی محبت ہے جس میں جتنی تیزی سے ابال آتا ہے' اتنی ہی تیزی سے ختم بھی ہو جاتا ہے۔''

انہوں نے اس کے کالج فون کر کے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں رپورٹ لی تھی۔ اب تک وہ بہترین گریڈز لیتا آرہا تھا' جس سے پتا چلتا تھا کہ اس کے باقی مشاغل پڑھائی پر اثرانداز نہیں ہو رہے تھے۔ سبطِ حسن کی طرف سے انہیں اطمینان ہو گیا تھا۔

☆======☆======☆

''تم نے دیکھا ایڈی کو؟ اس نے تو واقعی تمہارے لیے جوگ لے لیا ہے۔''

ماہ بانو اور اُما گرافک اسٹوڈیوز کے باہر بیٹھی ہوئی تھیں۔ پلیٹ انہوں نے اینچ کرنے کے لیے رکھی ہوئی تھی اور اب وقتی طور پر فارغ ہی تھیں۔

''اس نے تو لگتا ہے واقعی منہ ہاتھ تک دھونا چھوڑ دیا ہے۔ اتنا میلا کچیلا ہو رہا ہے' شیو تک نہیں کر رہا۔'' اُما نے کہا۔

نیہاں بھی ان کے پاس ہی چلی آئی۔

''ایسے لڑکے کالج میں کم تو نہیں ہیں۔'' وہ بولی۔

''لیکن ان میں سے کسی نے اُما کے لیے جوگ نہیں لیا۔'' ماہ بانو ہنسی۔

''ہائے قسم سے اُما؟'' نیہاں کی نیلی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

''چھوڑو بھی۔'' اُما نے جھٹکا۔

''ویسے He Is Looking Very Handsome آنکھوں پر گول شیشوں والا چشمہ چڑھائے' میلی ٹی شرٹ اور اس سے بھی زیادہ میلی جینز کے ساتھ پھٹے ہوئے جوگرز پہنے ہوئے۔'' نیہاں ہنسی۔

''آج میں نے عبداللہ کو بھی دیکھا تھا کالج میں۔'' اُما نے موضوع بدلا۔

''اچھا؟ مجھے تو نظر نہیں آیا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میں لاکر روم میں جا رہی تھی' وہیں راستے میں نظر آیا تھا۔ وہ اور ایڈی دونوں کھڑے تھے۔ مجھے ایڈی نظر آیا تو دور سے ہی واپس آگئی۔''

''ہاں دیکھا تو اسے میں نے بھی تھا۔'' نیہاں نے بھی تائید میں سر ہلایا۔

''اب تو میں نے بھی دیکھ لیا ہے' وہ آرہے ہیں دونوں۔''

ماہ بانو نے سامنے سے آتے ایڈی اور عبداللہ کو دیکھا' وہ دونوں انہی کی طرف آرہے

تھے۔

''ونامن ڈی اُڑائی جارہی ہے اکیلے اکیلے۔'' ایڈی نے انہیں دھوپ میں بیٹھے دیکھا تو بولا۔

''مفت کا مال ہے تم بھی شیئر کر سکتے ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میں دیکھ رہا تھا آج دیوی جی نے اس طرح راستہ بدلا تھا کہ کیا کوئی کالی بلی کود دیکھ کر راستہ بدلتا ہوگا۔'' ایڈی نے کہا۔

''کوئی صفائی پسند انسان تمہارے قریب سے گزر سکتا ہے کیا؟'' اُمانے ناک سکیڑا۔

جس طرح آپ ہم سے ملتے ہیں
آدمی یوں نہ آدمی سے ملے

ایڈی نے مصنوعی آہ بھری۔

''عبداللہ تم بہت Pulled Down لگ رہے ہو، تھکے تھکے سے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ہاں ابھی رات کو دیر سے لاہور پہنچا تھا، نیند کچھ پوری نہیں ہوئی۔''

''تمہیں رات کو ضرور سفر پر نکلنا ہوتا ہے؟ رات آرام کرتے اور صبح سفر کے لیے نکلتے اور پھر تمہیں چوٹ بھی لگی ہوئی ہے۔ ڈرائیونگ تو یوں بھی تمہیں نہیں کرنی چاہیے۔''

''اتنا نازک مزاج نہیں ہوں میں۔ ویسے بھی زخم زیادہ گہرا نہیں ہے بلکہ اب تو ٹھیک ہی ہوگیا ہے۔'' وہ بولا۔ ''اچھا چھوڑو، یہ بتاؤ میرا کام شروع کیا ہے؟''

''ہاں، لیکن ابھی میں نے اباجی سے بات نہیں کی۔'' اس کے انداز میں تامل تھا۔

''تو کرلو اس میں کون سا وقت لگتا ہے۔''

واقعی اس میں کون سا وقت لگتا تھا۔ وہ شام کو ہی اباجی کے پاس بیٹھ گئی۔

''میں نے آپ سے ذکر کیا تھا ناں اباجی، وہی عبداللہ والے پروجیکٹ کا۔''

''ہاں۔'' وہ بولے۔

''اب آپ بتائیں، میں وہ کرلوں یا نہیں؟''

''دیکھ لو تمہاری اسٹڈیز پر اثر انداز نہ ہو۔''

''نہیں اباجی ایسا نہیں ہوگا، پھر اصل بات تو یہ ہے Creativity کی۔ کالج میں جس چیز کو اہمیت دی جاتی ہے وہ یہی تو ہے کہ ہم اپنی پوری تخلیقی صلاحیتیں صرف کرکے آرٹ کو نئے رجحانات دیں۔ یہ جتنا کچھ ہم پڑھ رہے ہیں، ان سب کا مقصد تو یہی ہے کہ ہم میں موجود تخلیقی صلاحیتوں کو نکھارا جائے۔''

''مجھے اعتراض نہیں ہے بانو، لیکن مسئلہ ہے سرمائے کا۔ جو کچھ تم چاہتی ہو، اس کے لیے بہت سا پیسہ چاہیے۔''

''تو اباجی! یہ پیسہ ہمیں تو نہیں لگانا۔ پیسہ تو عبداللہ کو لگانا ہوگا۔''

''لیکن وہ اس وقت پیسہ دے گا جب کام مکمل ہوجائے گا۔'' اباجی نے کہا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں اباجی، یہ آرٹ ہے کوئی دکانداری نہیں۔ سرمایہ وہ ساتھ ساتھ فراہم کرے گا اور پھر یہ بھی تو دیکھیں کہ نئے چاک، نئی بھٹی وغیرہ سے ہم بعد میں کتنا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔'' وہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔

''اور اباجی! آپ نے ہی مجھے یہ سبق دیا تھا کہ اپنی سوچ کو اپنے چھوٹے سے کمرے اور چاک کے روایتی چکر کی طرح محدود مت کرنا۔ ہمیں اباجی ساری زندگی ایک ہی نقطے پر تو کھڑے نہیں رہنا، ہمیں بھی کہیں آگے بڑھنا ہے۔''

اباجی مسکرادیے۔ ''پہلے میں اپنی بیٹی کو حوصلہ دیتا تھا، اب یہ مجھے دیتی ہے۔ ٹھیک ہے گوفارإٹ (Go For It) لیکن شرط یہ ہے کہ سرمایہ ساتھ ساتھ فراہم ہوتا رہے۔ تم جانتی ہو کہ میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔''

''تھینک یو اباجی۔'' اس نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔

''جس کام کی آپ اجازت دے دیتے ہیں، وہ کام میں بہترین انداز میں ہی کرتی ہوں۔''

اور اگلے دن جب عبداللہ نے اس سے پوچھا تو وہ بولی۔

''میں نے اباجی سے بات کرلی ہے، لیکن پہلے میں تمہارے گھر کا لان تو دیکھ لوں۔''

''اینی ٹائم۔'' وہ بولا۔

''آج تو میں نے گھر سے اجازت نہیں لی، کل پوچھ کر بتاؤں گی۔''

''آل رائٹ۔''

اُما ان کے پاس چلی آئی۔

''بانو! میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ میڈم سعدیہ کو تم یاد آرہی ہو، پیشی ہے تمہاری وہاں۔''

''خدا خیر کرے، یہ اچانک طلبی کیوں ہوئی۔'' وہ بولی پھر عبداللہ کی طرف مڑی۔ ''باقی باتیں اس وقت کریں گے جب میں تمہارا لان دیکھ لوں گی۔''

اُما اور عبداللہ وہیں کھڑے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

''مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔'' اُما نے اس سے کہا۔

''ضرور۔''

''تمہیں بانو کیسی لگتی ہے؟''

''اگر ایک دو خامیاں نہ ہوں تو بہت اچھی۔'' وہ بولا۔

URDU PHOTO

''خامیاں کس میں نہیں ہوتیں۔''

''ہاں' ہوتی تو سب میں ہیں لیکن اس کی بعض باتیں مجھے الجھن میں مبتلا کر دیتی ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیسی باتیں؟''

''تم یہ سوال جواب کا سیشن کرنے کلاس چھوڑ کر آئی ہو؟'' اس نے بھی سوال کیا۔

''کلاس تو اس لیے چھوڑ کر آئی ہوں کیونکہ کام تقریباً مکمل ہو گیا ہے اور چھٹی میں ابھی کافی وقت رہتا ہے۔ چھٹی سے پہلے سب کام مکمل ہو جائے گا اور تم سے سوال جواب اس لیے کر رہی ہوں کیونکہ بانو میری سب سے اچھی دوست ہے اور اس کا دل بہت نازک ہے۔ وہ تمہارے لیے کام کرے گی تو تمہیں کچھ باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔''

''حکم کرو۔'' عبداللہ نے خوش دلی سے کہا۔

''حکم نہیں ریکویسٹ ہے۔'' وہ بولی۔ ''کالج میں یہ بات صرف میں اور تم جانتے ہیں کہ وہ ہر وقت کس کامپلیکس میں مبتلا رہتی ہے۔''

''میرا خیال تھا کہ یہاں یہ بات صرف میں جانتا ہوں۔'' وہ آہستہ سے ہنسا۔ ''اور اس کی یہی بات مجھے الجھن میں مبتلا کرتی ہے۔''

''یہ کامپلیکس ہم اس لیے محسوس نہیں کر سکتے عبداللہ کیونکہ ہم ان حالات میں نہیں رہ رہے۔ جن میں اس نے ساری زندگی گزاری ہے۔ خیر اس بات کو جانے دو۔ ابھی جو بات میں کرنے آئی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ بانو غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ تم اسے یہ پروجیکٹ ترس کھا کر یا ہمدردی کے مارے دے رہے ہو۔''

''پاگل ہے وہ۔''

''اتنی زیادہ بھی نہیں' اس قدر سمجھ تو ہے اس میں کہ یہ کام تم کسی اور کو بھی دے سکتے تھے۔ وہ ابھی فرسٹ ایئر میں ہے۔ کالج میں فورتھ ایئر تک اس سے زیادہ لائق اور قابل اسٹوڈنٹس بھی موجود ہیں' جو اس کی نسبت بہت زیادہ کچھ سیکھ چکے ہیں' پڑھ چکے ہیں' اور دور کیوں جائیں۔ تم بھی فورتھ ایئر میں ہو اور بہت اچھے اسٹوڈنٹ ہو۔ تمہارے فرینڈز ہیں' جو بانو سے زیادہ جانتے ہیں اور جب تم پیسے خرچ کر سکتے ہو تو کسی اسٹوڈنٹ ہی کیوں؟ یہ کام کوئی بھی پروفیشنل کر سکتا ہے اور تمہیں اندازہ نہیں ہے' لیکن یہ بات مسلسل بانو کو پینچ کر رہی ہے۔''

''وہ اگر یہ سوچ رہی ہے تو ٹھیک بھی ہے اور غلط بھی۔ میں نہ تو اس پر ترس کھا رہا ہوں اور نہ اس سے ہمدردی کر رہا ہوں' کیونکہ ترس ان پر کھایا جاتا ہے' جن میں کسی چیز' کسی بات کی کمی ہو' جنہیں ہر موڑ' ہر اسٹیج پر سہارے کی ضرورت ہو۔ بانو میں ایسی کوئی کمی نہیں ہے جس پر اسے قابل ترس سمجھا جائے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ میں اسے اس کے کامپلیکس سے نکالنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھ پر اتنا بڑا احسان کر چکی ہے کہ میں چاہوں بھی تو تمام زندگی اس کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ ہاں اتنا کر سکتا ہوں کہ اسے کوئی ایسی چیز' کوئی ایسا گفٹ دوں جو تمام عمر اس کے ساتھ رہے' اور میں اسے خود اعتمادی کا گفٹ دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہ چیز ہے' جو ساری زندگی' ہر میدان میں اس کی مدد کرے گی اور وہ اپنے لیے خود راستہ بنانے کے قابل ہو جائے گی۔''

''عبداللہ تم اور تمہاری سوچ دونوں بہت اچھے ہیں' لیکن اسے یہ سب سمجھانا بہت مشکل ہے۔''

''تم بے فکر رہو' وہ خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گی۔''

''ایک بات اور' وہ یہ کام کرنا چاہتی ہے' لیکن پے منٹ کی بات تم سے نہیں کر سکے گی۔ حالانکہ اس کے ابا جی کے پاس بالکل سرمایہ نہیں ہے۔''

''اس بارے میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تھینک یو عبداللہ' یو آر سو نائس۔''

☆======☆======☆

اگلے دن اسے عبداللہ کے ساتھ اس کے گھر جانا تھا' سوا دو بجے وہ گیٹ سے نکل کر پارکنگ میں آئی تو عبداللہ سامنے ہی کھڑا تھا۔

''چلیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ بولی۔

دونوں کار کے پاس آئے۔

کار کی پچھلی نشستوں پر بیٹھا عبداللہ کا کتا کلر کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔ عبداللہ نے ماہ بانو کے لیے اگلا دروازہ کھولا۔

''میں اس گاڑی میں بیٹھوں گی جس میں اتنا بڑا سا کتا ہے؟'' وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''تم بیٹھو' کچھ نہیں کہے گا تمہیں۔''

''میں اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ڈر کر بے ہوش ہو جاؤں گی' یہ کتنا ڈراؤنا کتا ہے۔''

''میں اسے یہاں چھوڑ کر تو نہیں جا سکتا۔'' وہ بولا۔

''تو مجھے یہاں چھوڑ جاؤ۔''

''بہت ڈرپوک ہو تم۔'' وہ بولا پھر کلر کے جسم پر ہاتھ پھیر کر اسے آرام سے بیٹھ جانے کو کہا۔

''اب یہ نہیں ہلے گا اپنی جگہ سے اور تم بھی اب کار میں گھسو' مجھے ایسی ڈرپوک لڑکیاں بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

URDU PHOTO

ماہ بانو دل ہی دل میں صمٌ بکمٌ پڑھتی گاڑی میں بیٹھ گئی' عبداللہ سامنے سے گھوم کر آیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

''تم نے کچھ کام شروع بھی کیا؟ میں نے کہا تھا مجھے جلدی ہے۔'' وہ کار مال روڈ پر لاتے ہوئے بولا۔

''شی۔''

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے چپ کرایا اور دوپٹا سر پر لے کر آنکھیں موندے وہ سب آیتیں اور سورتیں دہرانے لگی جو اسے حفظ تھیں۔ عبداللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سارا راستہ وہ یونہی بیٹھی رہی۔ گیٹ کے سامنے پہنچ کر جب عبداللہ نے ہارن دیا تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے گیٹ پر کتوں سے ہوشیار رہنے کی تختی لگی دیکھ کر اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں اور وہ دوبارہ آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

گیٹ کھلا۔ کار لمبی سی ڈرائیو وے سے ہوتی ہوئی گیراج میں پہنچ کر رک گئی' عبداللہ نے خود اتر کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

''اتر آؤ نیچے۔'' وہ بولا۔

''باہر کتے تو نہیں ہیں؟'' اس نے ویسے ہی آنکھیں موندے موندے پوچھا۔

''باہر تو نہیں' البتہ کار میں جو دو مسافر بچے ہیں' ان میں سے ایک تم ہو اور ایک کلر۔''

وہ جلدی سے باہر نکل آئی اور ارد گرد دیکھے بغیر اس کے ساتھ گھر کے اندر داخل ہو گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اتنا خوبصورت اور آراستہ گھر اس نے صرف انٹیریئر ڈیکوریشن کی کتابوں میں دیکھا تھا۔

تین حصوں پر تقسیم ڈرائنگ روم' وال ٹو وال کارپٹنگ' ہاتھ سے بنے ہوئے قیمتی قالین' بھاری خوبصورت فانوس' انتہائی قیمتی فرنیچر' ڈیکوریشن کا سامان جو غالباً سارے کا سارا یورپ اور جاپان سے لایا گیا تھا۔ فرنچ کرسٹلز کا ذخیرہ' دیواروں پر خوبصورت بڑی بڑی پینٹنگز اور پرنٹس بہترین انداز سے رکھے گئے آرٹسٹک مجسمے' ہر چیز چمچماتی ہوئی' جیسے ابھی دکان سے خرید کر لائی گئی ہو۔

''آؤ ناں۔''

عبداللہ کی آواز سن کر وہ چونک اٹھی۔

''بیٹھو بھوک تو لگی ہوگی' بس پانچ منٹ میں کھانا لگ جاتا ہے۔''

وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ عبداللہ نے بھی بیٹھ کر سگریٹ سلگا لیا۔

''اتنی خاموشی ہے گھر میں۔''

''ہاں' میرے علاوہ یہاں صرف نوکر ہوتے ہیں' کبھی گاؤں سے اماں اور بابا جان آجاتے

ہیں' گڑیا صرف اس وقت آتی ہے' جب اسے شاپنگ کرنی ہو' ان کے آنے سے گھر میں کافی رونق ہو جاتی ہے۔''

''تمہارا دل نہیں گھبراتا اکیلے میں۔''

''میں خود گھر میں کم ہی ہوتا ہوں۔ زیادہ تر دوستوں کے ساتھ ہی وقت گزرتا ہے۔ کبھی میں ان کی طرف چلا جاتا ہوں۔ کبھی وہ یہاں جمع ہو جاتے ہیں۔''

''اماں جان ٹھیک ہی کہتی ہیں۔'' ماہ بانو نے دل میں سوچا۔ ''ہر اچھی چیز کے لیے یہ ضرور کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔ اب یہ اتنا بڑا مکان ہے لیکن جن کا ہے' ان کے نصیب میں یہ آسائشیں استعمال کرنا نہیں ہے۔ ہر چیز نوکر استعمال کرتے ہیں۔ کیا فائدہ اتنے بڑے اور امیر سارے مکانوں کا۔ ایک اِس شہر میں کھڑا کر دیا اور دوسرا اُس شہر میں۔ پتا نہیں جن کے پاس ڈھیر سارا پیسہ ہوتا ہے' وہ اتنے مکان کھڑے کر کے کیا کرتے ہیں' رہنے کو تو بس ایک گھر ہونا چاہیے ایسا مکان نہیں۔''

''شاہ صاحب! کھانا لگا دیا ہے۔'' ایک ملازم نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی۔

عبداللہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آؤ بانو۔''

چوبیس کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل پر انواع واقسام کے کھانے سجے ہوئے تھے' ڈنر سیٹ بھی نہایت نفیس اور قیمتی تھا۔

''لگتا تو نہیں ہے کہ تم اتنا کچھ کھاتے ہو۔ دیکھنے میں خاصے اسمارٹ ہو۔'' ماہ بانو نے مٹن پلاؤ اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

عبداللہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس کمپلیمنٹ کا شکریہ۔ ویسے کھانا میں اتنا زیادہ نہیں کھاتا' یہ تمہاری آمد کے سلسلے میں اہتمام ہے یوں بھی تمہیں لنچ دینے کا وعدہ کیا تھا میں نے۔''

''وہ گھر پر لنچ دینے کا کب تھا؟'' وہ بولی۔

''یعنی یہ لنچ کسی کھاتے میں ہی نہیں ہے۔'' وہ ہنس پڑا تھا۔

''بالکل نہیں' یہ تو مہمانداری کا تقاضا ہے اگر تم میرے گھر آؤ کھانے کے وقت تو تمہیں بھوکا نہیں چلتا کروں گی' ظاہر ہے کھانا تو کھلاؤں گی ہی' خواہ کسی لنچ کا وعدہ ہو یا نہ ہو۔''

پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''ہاں یہ ہے کہ میری طرف لنچ اتنا شاندار نہیں ہوگا۔''

''وہ تو ظاہر ہے' میں امیر ہوں تم غریب تم ایسا لنچ کیسے دے سکتی ہو۔'' عبداللہ نے اطمینان سے کہا۔

ماہ بانو کھانے سے ہاتھ روک کر چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ہنس پڑی۔

''تم میری ہر ایسی بات کی ٹانگ ضرور پکڑتے ہو۔''

''پکڑتا رہا ہوں گا جب تک تم سدھر نہیں جاتیں ویسے یہ الگ بات ہے کہ تم مجھے لنچ کیا دو گی' جب پہلی مرتبہ تمہارے گھر آیا تھا تو چائے تک نہیں پلوائی تھی تم نے۔''

''کب؟ اوہ یس' وہ اماں جان نے جو پلوا دی تھی۔''

''تم نے تو نہیں پلوائی تھی ناں؟ حالانکہ انہوں نے تم سے کہا تھا چائے بنانے کو اور تم غصے میں پاؤں پٹختی سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی تھیں۔ دروازہ بھی اتنی زور سے بند کیا تھا کہ آدھا محلہ ڈر کر جاگ گیا ہوگا۔''

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی۔'' وہ ہنسی۔ ''اب کے تم آنا تو چائے بنا دوں گی۔ کیا یاد کرو گے تم بھی۔ ویسے میں کچن میں جاتی نہیں ہوں۔''

''پھر تو بہت مہربانی ہوگی' اگر ایک کپ چائے اپنے ہاتھوں کی بنی ہوئی پلاؤ گی تو۔''

کھانے اور فروٹ کے بعد سبز چائے پی کر وہ فارغ ہوئے تو ماہ بانو بولی۔

''اب وہ کام جس کے لیے میں آئی تھی۔''

''چلو اٹھو پھر۔''

''لیکن پہلے اپنے کتے کو کہیں باندھ دو۔ اتنی بری سی شکل ہے اس کی' مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔''

''کیا؟ اس کی شکل بری ہے؟ اگر کتوں کا کوئی عالمی مقابلہ' حسن ہوتا تو تاج کلر کے سر پر رکھا جاتا۔''

''کلر نام بھی ویسا ہی ڈراؤنا۔ رکھنے ہی ہیں کتے تو بندہ پوڈل رکھے یا سپینل' ننھے ننھے کیوٹ سے' دل چاہا تو ہاتھ میں اٹھا لیے' دل چاہا نیچے فرش پر رکھ دیے۔ اتنے کیوٹ لگتے ہیں ناں' جب بال آنکھوں پر آئے ہوتے ہیں اور وہ سر جھٹک کر دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''تمہاری بات سن کر لاحول پڑھنے کو دل چاہ رہا ہے۔ میرے پاس اعلیٰ ترین نسلوں کے کتے ہیں۔ وہ پطرس والے کتے جو ہلکی سی بخ کر کے خاموش ہو جاتے ہیں' وہ اولڈ انگلش لیڈیز کے ساتھ ہی اچھے لگتے ہیں یہ کلر تو ڈوبر مین ہے۔''

''چلو بڑا کتا رکھنا تھا تو السیشین رکھ لیتے' کم از کم شکل وصورت تو اچھی ہوتی ہے اس کی۔''

''تمہیں پتا ہی کیا ہے کتوں کے بارے میں۔ ان کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ شکار کے لیے مختلف کتے ہیں' رکھوالی کے لیے دوسرے اور کچھ ہوتے ہیں جو محض سجاوٹ کے لیے ہوتے ہیں۔ اچھا اب اٹھو' کتے بندھے ہوئے ہیں۔''

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ گیراج میں چمکتی ہوئی چار بالکل نئی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں' جنہیں [illegible] میں گئی تھی اور لان کیا تھا بے حد وسیع وعریض باغ

تھا' جو پہلے ہی بے حد خوبصورت تھا۔ سبز گھاس خوبصورت سی جو باہر سے منگوائی گئی تھی خوشنما اور خوش رنگ پھول۔

وہ اسے باغ کے مختلف گوشے دکھاتا رہا' پھر وہ دونوں برآمدے میں آ کر بیٹھ گئے۔

''یہ ایریا کتنا ہوگا؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''پورا ملا کر بیس کنال ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔ ''دادا جان کی یہاں ساٹھ کنال زمین تھی جو تینوں بھائیوں میں برابر تقسیم ہوگئی تھی۔ اب دائیں طرف بڑے بابا جان اور بائیں طرف فاوت بابا کے مکان ہیں۔''

''ہوں۔'' اس نے دور تک پھیلے باغ کی طرف دیکھا۔

''اب تم نے جگہ بھی دیکھ لی ہے' بتاؤ کام کرنے کا ارادہ ہے؟''

''دیکھو ایسا ہے عبداللہ۔'' وہ تامل سے بولی۔ ''کہ تمہارا یہ لان میری قابلیت کے مقابلے میں بہت بڑا ہے۔''

''اوہ اچھا! اب میں سمجھا۔'' وہ بولا۔ ''یہ تو مجھے پتا تھا کہ تم بہت غریب ہو' لیکن یہ پتا نہیں تھا کہ تمہاری عقل بھی ذرا غربت کا شکار ہے۔''

''قسم سے عبداللہ! اگر تمہاری جگہ کوئی اور مجھے اتنا زچ کرتا تو میں یقیناً اس کا سر پھاڑ دیتی۔''

''تو مجھ پر رحم کرنے کی وجہ؟''

''تم سے کوئی سخت بات کہہ نہیں سکتی' تم کیوں میری کمزوری کا بار بار ذکر کرتے ہو۔''

''کیونکہ تم بار بار یہ ذکر خود شروع کرتی ہو' تمہیں حوصلہ دینے سے تو اب تک کام نہیں بنا' اس لیے اب میں سوچتا ہوں کہ ہمدردی کرنا زیادہ بہتر ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اچھا پلیز! اب ایسے مت کہو' میں کوشش تو کرتی ہوں کہ اب ایسی بات نہ کروں' لیکن کبھی کبھی زبان پھسل جاتی ہے۔''

''تمہاری زبان جتنی مرتبہ پھسلے گی' میں اتنی ہی مرتبہ تمہیں Realize کراؤں گا۔'' وہ بولا۔ ''اور اب ٹھیک طریقے سے بات کرو' میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ یہ کام تمہیں ہی کرنا ہوگا' انکار نہیں سنوں گا میں۔''

''اب میں کیا بات کروں' تم نے انکار کی گنجائش چھوڑی ہی کب ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تم نے کچھ آئیڈیا بنایا؟''

''ہاں۔'' اس نے بیگ سے لائبریری سے ایشو کرائی ہوئی دو کتابیں نکالیں اور اسکیچ بک بھی کھول لی۔ بہت سوچ سوچ کر اور بہت محنت سے اس نے اسکیچ تیار کیے تھے۔

''جو ڈیزائننگ تم چاہ رہے تھے' یعنی سرامکس سے متعلق چیزوں کی' تو اس کے لیے ضروری

ہے کہ لان میں تبدیلی لائی جائے' ورنہ تو اچھا نہیں لگے گا' اس لیے میں نے فلاور پاٹس وغیرہ کی ہی ڈیزائننگ نہیں کی بلکہ پورا پلان بنایا ہے۔''

وہ اسے بتاتی رہی کہ کون سا کیسا ہونا چاہیے' گملے کس انداز کے ہونے چاہئیں اور آج کل کیا نئے ٹرینڈز ہیں۔ بات ختم کر کے وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''ہوں تم نے یقیناً محنت کی ہوگی' لیکن مجھے کوئی نئی چیز چاہیے۔ مختلف انداز۔'' عبداللہ نے کہا۔

اور پھر ہر چیز میں کوئی خامی نکال دی۔ فلاں چیز مکان کی Over All Look سے مطابقت نہیں رکھتی۔ فلاں چیز ہر گھر کے لان میں مل جائے گی' فلاں چیز آرٹسٹک نہیں ہے' ہر چیز میں اسے کوئی نہ کوئی نقص دکھائی دے رہا تھا۔

گھر آ کر بھی وہ پیچ و تاب کھاتی رہی۔

''پتا نہیں نواب صاحب کو کیا چیز اچھی لگے گی۔ اتنی تنقید' اتنے کیڑے' یہ کسی ادارے کا باس بن گیا تو بہت سنکی قسم کا باس بنے گا۔ ماتحتوں کی شامت آئی رہے گی ہمیشہ۔'' اس نے سوچا۔

اور صبح جونہی اسے اُما نظر آئی' وہ اسے اپنا دکھڑا سنانے بیٹھ گئی۔

''یقیناً اس میں امپرومنٹ کی گنجائش ہوگی' تم زیادہ بہتر کر سکتی ہو۔'' اما نے اسے تسلی دی۔

''میں ذرا بھی بہتر نہیں کر سکتی' بس اتنا ہی کر سکتی تھی جتنا کر دیا۔ اف خدا! میرے اتنے دن کی محنت پر پانی نہیں پھیرا' چھری پھیری ہے اس نے' ذبح کر دیا ساری محنت کو۔''

''دیکھو بانو! ایسے پروجیکٹ میں اصل مرضی تو کلائنٹ کی ہی چلتی ہے ناں۔ ہمیں کلائنٹ کو وہی چیز دینی ہوتی ہے' جس سے وہ مطمئن ہو جائے۔''

''یہ تو ساری زندگی مطمئن نہیں ہوگا' تم دیکھ لینا۔'' وہ غصے سے بولی۔

''چلو' اس سے ایک بات تو پتا چل گئی تمہیں کہ وہ تم پر ترس کھانے یا تم سے ہمدردی کرنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ میں نے پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ کسی کے پاس کتنا بھی پیسہ کیوں نہ ہو' وہ یوں نہیں پھینک دیتا۔''

''وہ میری شدید ترین غلط فہمی تھی۔ کاش اسے میرے اوپر تھوڑا سا ترس ہی آیا ہوتا۔ کمبخت کو وہ بھی تو نہیں آیا' اسے مجھ سے ایک فیصد ہمدردی بھی نہیں ہے' یہ تو خود ہی ثابت ہو گیا ہے۔''

کتنے دن تک وہ رات گئے تک اسی کام میں مصروف رہی۔ یہ سوچنا کہ کیا چیز زیادہ بہتر اور منفرد ہوگی' پھر اسکیچ کرنا' ڈیزائننگ یہ سب بہت تھکا دینے والا کام تھا۔

اس دن وہ پھر عبداللہ کے گھر گئی۔

''نہ مجھے کھانا کھانا ہے نہ سبز چائے پینی ہے' بس تم میری بات سنو۔''

''...۔'' وہ مسکرایا۔

''میں نے نئے اسکیچ بنائے ہیں۔''

پھر وہ اسے سب کچھ بتانے لگی۔ باغ کے کس حصے میں کیا ہونا چاہیے' گملے کیسے ہونے چاہئیں' ... کس ڈیزائن کے بنیں گے وغیرہ۔

''... لان ایسٹرن اور ویسٹرن کلچرز کا امتزاج ہوگا۔ میں نے بہت محنت سے' ڈھیر سارے ... مل کر نرسریوں میں جا کر پودوں کا انتخاب کیا ہے اور ہاں' اگر یہ اچھا نہیں لگتا تو کسی اور ... کہو کہ وہ مغز ماری کرے' مجھ سے اور کچھ نہیں ہوگا' تمہیں اچھا لگ جاتا ہے' تو ٹھیک ہے' ورنہ ... نہیں میرا مطلب ہے کہ راستہ تو مجھے ناپنا پڑے گا۔ میں تمہارے گھر میں کھڑی ... ملے ہے کہ میری برداشت کی حد یہیں تک تھی۔ تمہیں یہ اچھا نہیں لگتا' تو نقص ... سب کچھ مجھے واپس کر دو' میں اتنی فالتو نہیں ہوں کہ تم ہر مرتبہ میرے اتنی زیادہ محنت ... کام میں کیڑے نکالتے رہو اور میں برداشت کرتی رہوں۔''

وہ مسکرا دیا۔ ''اب بانو تم نے وہ سب دیا ہے' جو میں چاہتا تھا۔ یہ آئیڈیاز بہترین ہیں۔''

''تمہیں اچھا لگ گیا؟'' اس نے حیرت سے پلکیں جھپکتے ہوئے ماتھے پر آئے بال پیچھے کیے۔

''تمہیں سچ مچ اچھا لگا ہے عبداللہ۔''

''اوہ یس اٹس ایکسیلنٹ۔'' وہ بولا۔

''اوہ؟'' اس نے مطمئن ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ اس لمحے وہ عبداللہ کو بہت اچھی لگی۔ آج جس خود اعتمادی سے اس نے بات کی تھی عبداللہ اس میں یہی خود اعتمادی دیکھنا چاہتا تھا اور جس دھونس کا مظاہرہ اس نے کیا تھا' وہ اسے اچھا لگا تھا۔

آنکھیں کھول کر وہ مسکرا دی۔ ''اب کھانا بھی نہیں کھلاؤ گے کیا' صبح ناشتا بھی نہیں کیا تھا اور کالج میں اتنا وقت نہیں ملا کہ کچھ کھا پی سکتی۔ بھوک سے میرا برا حال ہے۔''

''آتے ہی تو حکم نامہ جاری ہوا تھا کہ نہ کھانا کھانا ہے نہ سبز چائے پینی ہے۔'' وہ ہنس پڑا۔

''اس وقت میں حالتِ جنگ میں تھی' اب صلح کر لی ہے۔'' وہ بھی خوش دلی سے ہنس پڑی۔

☆======☆======☆

کھانے کی میز پر باغ کے سلسلے میں ہی ڈسکشن ہوتی رہی۔

''میں نے سارا پلان تو بنا دیا ہے' لیکن باقی کام میں نہیں کر سکوں گی۔ ہاں سرامکس سے متعلق سب کام میں کر لوں گی۔ باقی جتنا کام ہے وہ تم ہی کروانا۔ مجھ سے اناڑی پن میں کوئی غلطی ہو جائے گی اور تم کھڑے کھڑے نقص نکال دو گے۔''

''میں اتنی زیادہ تنقید بھی نہیں کرتا۔ بس جہاں غلطی محسوس ہوا سے ٹھیک تو کرنا ہی

چاہیے۔ اینی وے، مجھے تم سے سرامکس سے متعلق ہی کام لینا ہے۔''

''تمہیں میرے ڈیزائن کیے ہوئے گملے پسند آئے؟''

''اوہ یس! بہت زیادہ اور اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے خرچ کا اندازہ کتنا لگایا ہے؟'' وہ بولا۔

''یہیں کہیں رکھا ہوا تھا وہ لفافہ۔'' عبداللہ نے باقی کاغذوں میں وہ لفافہ تلاش کیا اور کھول کر پڑھنے لگا۔

''ہوں، تو فی الحال تمہیں کتنا ایڈوانس چاہیے؟''

اس نے کاغذ دوبارہ لفافے میں رکھ دیا۔

''تم خود اندازہ لگا لو میں نے نہیں لگایا۔'' وہ سبز چائے کی پیالی سے کھیلنے لگی۔

عبداللہ نے ملازم کو طلب کیا۔

''میری دراز سے چیک بک لے آنا۔''

''جی شاہ صاحب۔'' وہ بولا اور مڑنے لگا۔

''نہیں عبداللہ۔'' ماہ بانو نے ایک دم کہا۔ ''ہم میں سے کسی کا اکاؤنٹ نہیں ہے۔ اصل میں کبھی اکاؤنٹ کھلوانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

''اوہ اچھا!'' پھر وہ ملازم سے مخاطب ہوا۔ ''اندر سے بیس ہزار روپے لے آنا۔''

جب تک ملازم نہیں آیا وہ سبز چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی رہی۔

''مجھے اب چند دنوں کے لیے مری جانا ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''خیریت ہے ناں؟'' اس کے ذہن میں زہرا سے ہونے والی گفتگو تازہ ہوگئی۔

''ہاں! دعا کرو خیریت ہی رہے۔''

''ایسی کیا بات ہے کہ تم خیریت کے سلسلے میں مشکوک ہو؟'' اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''گڑیا بتا رہی تھی کہ اس نے تم سے بھی بات کی تھی۔'' وہ بولا۔

''ہاں، لیکن مجھے پتا نہیں تھا کہ وہ تم سے بھی بات کر چکی ہے۔''

''کوئی ایک مسئلہ تو ہے نہیں، جسے سیٹل کرنا ہو۔''

''عبداللہ تمہارے مزاج میں اس قدر تحمل اور ٹھہراؤ ہے کہ بعض اوقات تو مجھے حیرت ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار تم پتا نہیں کس جنون میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ کیوں کرتے ہو ایسا۔ اب کیا ضرورت تھی اپنی گاڑی دوطرفہ فائرنگ کے درمیان لے جانے کی؟ اگر خدانخواستہ تمہیں کچھ ہو جاتا تو؟ تم نے پچھلی مرتبہ تو میری بات نہیں مانی تھی، لیکن پلیز اس مرتبہ مان لو اگر زینی اور تمہارا کزن ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہے۔ پلیز انہیں کچھ مت کہنا۔''

''نہیں، میں کسی جنون میں مبتلا نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ وہی صورت ہے کہ میں دھاوا اسی

URDU PHOTO

صورت میں بولتا ہوں جب مدافعت کی کوئی صورت نہیں رہتی۔'' پھر قدرے توقف سے بولا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اس مسئلے کو کیسے حل کروں۔ زینی سوچ سمجھ نہیں رہی۔ میں نے اسے ہر بات سمجھائی ہے اور بار بار سمجھائی ہے، سبط حسن کو بھی سمجھایا ہے لیکن ان دونوں کو معاملے کی نزاکت کا احساس نہیں ہے۔ زینی تو خیر کچھ بھی سننے کی روادار ہی نہیں ہے۔ سبط سمجھتا ہے لیکن اپنی طور پر قبول نہیں کرتا اور میری مشکل یہ ہے کہ میں اپنی کسی بہن کو دکھ میں نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے گھر سے دور رہ کر جتنا ان رشتوں کو سمجھا ہے اتنا قریب رہ کر نہیں سمجھ سکتا تھا۔ میرے لیے سب سے اہم چیز رشتے ہیں۔ اب اپنے سے وابستہ لوگوں کو میں دکھ، تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ زینی میرے لیے اس بیکار کی دشمنی سے زیادہ اہم ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گی۔ میں اس کا ساتھ دوں گا، مگر سبط مجھے یہ گارنٹی تو دے کہ اس کے ساتھ شادی کر کے زینی کی زندگی تباہ نہیں ہوگی۔''

ملازم آیا اور خاموشی سے ایک لفافہ عبداللہ کے سامنے رکھ کر واپس پلٹ گیا۔

عبداللہ نے سگریٹ سلگا لیا۔ ''یہی سب کچھ میں بھی سوچ رہا ہوں اور اسی لیے زینی کو سوچنے سمجھنے کے لیے چند دن کا وقفہ دے کر آیا ہوں۔ شاید وہ جذباتیت سے ہٹ کر کوئی فیصلہ کر لے۔''

''تم نے اپنے بابا اور اماں جان کو بتایا؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''ابھی نہیں، انہیں بھی بتانا ہوگا۔ اماں جان یوں بھی سخت ٹینشن میں مبتلا رہتی ہیں۔ وہ بہت پریشان ہوں گی یہ سن کر۔''

''میں سمجھ رہی ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔ ''لیکن عبداللہ! تم گھر والوں کو ایک بات کا فائدہ ہے کہ تم لوگوں میں کمیونی کیشن گیپ نہیں ہے۔ تم سب کسی مسئلے کو دیکھ کر شور شرابا کرنے کے بجائے اسے مل جل کر حل کرتے ہو۔ تم دیکھنا یہ مسئلہ بھی ان شاءاللہ حل ہو جائے گا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جو دشمنی چل رہی ہے، اس کا اختتام کہیں تو ہونا چاہیے۔ کسی کو تو کرنا چاہیے جس دشمنی کا بیج چوبیس سال قبل بویا گیا تھا اسے اب ختم ہونا چاہیے۔ ایک عورت خواہ کتنی باصورت، کتنی اچھی کیوں نہ ہو اس کی خاطر نسلوں کو دشمنی کی آگ میں نہیں جھونکنا چاہیے۔''

عبداللہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''یہ کس عورت کی بات کر رہی ہو تم؟''

ماہ بانو کو ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ''کچھ نہیں یونہی منہ سے نکل گیا تھا۔''

''کچھ تو تھا۔'' وہ بولا۔ ''جب سے تم سے ملاقات ہوئی ہے۔ تمہاری باتیں سنی ہیں۔ تب سے مجھے مسلسل یہ احساس ہو رہا ہے کہ تم ہمارے خاندان کی کسی ایسی لڑکی سے واقف ہو جسے شاید صرف چند لوگ ہی جانتے ہیں۔ تم نے میرے نام پر بھی ایسے انداز میں تبصرہ کیا تھا، جیسے یہ جانتی ہو کہ یہ نام رکھنے والا کون تھا۔''

"یہ سب بیکار کی باتیں ہیں عبداللہ' جو گزر گیا وہ اتنا اہم نہیں ہے جتنی اہم یہ بات ہے کہ جو ہونے والا ہے اسے بہتر بنایا جائے۔" پھر اس نے موضوع تبدیل کر دیا۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے' میں چلتی ہوں۔"

عبداللہ نے میز پر رکھی گاڑی کی چابی اور روپوں کا لفافہ اٹھا لیا۔

"چلو' لیکن پہلے یہ لے لو۔" اُس نے لفافہ ماہ بانو کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو۔" لفافہ لیتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ پھیل گئی جو اپنی محنت کا سب سے پہلا معاوضہ لیتے ہوئے خود بخود چہرے کو منور کر دیتی ہے۔

☆======☆======☆

زینی اور سبط حسن دونوں قالین پر کشن رکھے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ آس پاس ہمیشہ کی طرح کتابوں اور کاغذوں کا ڈھیر تھا۔ انہی کتابوں اور کاغذوں کے درمیان کیسٹوں کا ریک بھی پڑا ہوا تھا۔ کیسٹیں ریک میں کم اور قالین پر زیادہ تھیں۔ ڈیک پر اونچی آواز میں گو ویسٹ لگا ہوا تھا۔

زینی سر جھکائے فزکس پڑھ رہی تھی۔ بالوں کی ایک لٹ چہرے پر آئی ہوئی تھی جسے بار بار وہ ہاتھوں سے پیچھے کر رہی تھی۔

سبط حسن کے لیے ارتکاز مشکل ہو رہا تھا۔ اس کا ذہن موجودہ مسئلوں میں الجھا ہوا تھا۔ زینی کے ساتھ بھی یہی مسئلہ تھا لیکن اس نے زبردستی خود کو کام میں الجھا رکھا تھا۔

کچھ دیر کام کرتے رہنے کے بعد وہ پنسل کا پچھلا سرا منہ میں ڈال کر گانا سننے لگی۔

"کام ختم کر لیا؟" سبط نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ تھی۔

"میوزک ڈسٹرب کر رہا ہے تو میں بند کر دیتا ہوں۔"

"یہ بند ہو گیا تو جو تھوڑا بہت موڈ بنایا ہے پڑھنے کا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔" اس نے کہا اور وہ کاغذ جس پر لکھ رہی تھی' باقی کاغذوں کی طرف اچھال دیا۔

"اِدھر دو' میں ہیلپ کر دیتا ہوں۔" سبط نے اپنی کتاب بند کر دی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے' مجھے یہ آتا ہے۔ میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔"

"کیا سوچ رہی تھیں؟"

"کتنا اچھا گانا لگا ہوا ہے۔ میرا دل چاہ رہا ہے ہم دونوں بھی ویسٹ چلے جائیں۔"

"وہ کیوں؟"

"سن نہیں رہے؟ وہ اس لیے۔" زینی بولی۔ "کہ وہاں نیلا آسماں ہو گا' زندگی پُر سکون ہو گی' ہر طرف خوبصورتی ہو گی۔ یہاں بہت گھٹن ہے۔"

"یہ صرف Pet Shop Bags کا پروپیگنڈا ہے۔" سبط ہنسا۔ "چاہو تو کلنٹ ایسٹ ووڈ کی کوئی فلم دیکھ لو۔ گولیوں کی بارش میں زندہ رہنا پڑتا تھا وہاں۔"

"ایسا کیوں ہے؟ ہر طرف یہی سب کچھ ہے۔ آخر کیوں؟ کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں سکون ہو۔ یہ ڈر نہ ہو کہ ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر لگ جائے گی۔" زینی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

دروازے میں کھڑا عبداللہ یہ سارا منظر خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

"سکون اور بے سکونی انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ ورنہ کیا یہاں آسمان نیلا نہیں ہے۔ ہر وہ جگہ خوبصورت ہوتی ہے۔ جہاں کے لوگ خوشیوں کے ساتھ زندہ رہنا جانتے ہیں۔"

زینی ایک بار پھر گانے کے سحر میں کھو گئی۔ پھر قدرے توقف سے بولی۔

"کاش! ویسٹ ایسا ہی ہوتا۔ پھر ہم دونوں وہیں چلے جاتے۔ کبھی واپس نہ آتے۔"

عبداللہ نے دروازے پر دستک دی۔ ان دونوں نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ زینی کی نظر جونہی اس پر پڑی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اٹھی اور اس سے لپٹ گئی۔

"بھائی آپ؟"

"ہوں' تم ٹھیک ہو۔"

"ہاں' آئیں بیٹھیں۔"

وہ وہیں ان کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا۔ سبط اس سے ہاتھ ملانے کے بعد جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"میں اب چلتا ہوں۔"

"تم کہاں چلتے ہو' بیٹھو یہاں۔" عبداللہ نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے قریب بٹھا لیا۔

زینی کے ہونٹوں پر سکون بھری مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"یہاں پڑھائی نہیں ہو رہی تھی۔ گانے سنے جا رہے تھے۔" عبداللہ نے کہا۔

"نہیں بھائی' تھوڑی تھوڑی سی پڑھائی بھی ہو رہی تھی۔ گانے سنے بغیر تو نہیں ہو سکتی ناں بھائی۔" زینی نے جلدی سے کہا۔

"ہاں یہ تو ہے۔"

اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ تینوں پھر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

"اب ذرا سیریس بات بھی ہو جائے۔" عبداللہ نے کہا۔

زینی کے چہرے پر تناؤ کے آثار پیدا ہو گئے اور پاؤں کے انگوٹھے سے قالین کھرچنے

لگی۔

''جو بات ہونی تھی بھائی! وہ تو ہو چکی' اب مزید کیا بات کریں گے۔'' وہ بولی۔

''نہیں' ابھی بہت سی باتیں کرنا باقی ہیں۔'' عبداللہ نے سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ منتخب کیا۔ ''تم نے جذبات میں فیصلہ کر لیا اور اب اسی ضد پر قائم ہو' لیکن میں تمہیں محض ایک جذباتی فیصلے کی نذر نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ سبط تمہیں کس حد تک تحفظ فراہم کر سکتا ہے۔''

''یہ غلط ہے بھائی! فیصلے کا اختیار مجھے دینے کے بعد آپ اپنا فیصلہ مجھ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اور......''

''ٹھہرو زینی! مجھے بات کرنے دو۔'' سبط نے اس کی بات کاٹی اور عبداللہ سے مخاطب ہوا۔

''کس قسم کی Securities چاہئیں آپ کو؟ سیکیورٹیز تو نہ کسی کو آپ دے سکتے ہیں اور نہ میں۔ ہم تو یہ تک نہیں جانتے کہ اگلی سانس بھی لے سکیں گے یا نہیں' کسی اور کو کیا تحفظ فراہم کریں گے۔''

''ہم اس اُمید پر مستقبل کی منصوبہ بندی کرتے ہیں کہ ہم اگلا سانس لے سکیں گے اور میں اسی امید کی بات کر رہا ہوں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ ہم سب کا ایمان ہے لیکن یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ قتل اور خودکشی بھی ناجائز ہیں۔''

''This is too much بھائی! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں کہ سبط مجھے قتل کرنے لگا ہے؟'' زینی چلائی۔

''میں نے یہ نہیں کہا ہے' لیکن تمہیں سیکیورٹیز کے بغیر اس حویلی میں لے جانا قتل کرنے کے برابر ہی ہے۔ تم نے کان بند کر لیے ہیں' نہ کچھ سننا چاہتی ہو اور نہ سمجھنا چاہتی ہو مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔

سبط! کیا میں غلط کہہ رہا ہوں تم جانتے ہو کہ حویلی میں اس کی موجودہ پوزیشن تبدیل نہیں ہو گی۔ اس سلسلے میں تم کچھ کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے' ورنہ یہ دوستی تم لوگوں کو یہیں ختم کرنا پڑے گی۔'' عبداللہ کا انداز فیصلہ کن تھا۔

''آپ یہ نہیں کر سکتے' بھائی۔'' زینی کے لیے صورتِ حال پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ ''آپ ہمیں پریشرائز کر رہے ہیں' ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم الگ ہو جائیں' لیکن میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ ہماری زندگی میں ایسا نہیں ہو گا۔''

''زینی پلیز! مجھے بات کرنے دو۔'' سبط نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

''تمہاری منگنی کے بعد کسی بات کی گنجائش ہے بھی نہیں۔''

''زینی! خاموشی سے بیٹھو اور مجھے سبط سے بات کرنے دو۔'' عبداللہ نے اسے سختی سے ڈپٹ دیا۔

''بھائی!'' اس نے بے یقینی سے عبداللہ کی طرف دیکھا' آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

''آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں بھائی! مجھے آج تک کسی نے نہیں ڈانٹا۔ اماں بابا نے بھی نہیں' آپ کو میں اتنی بری لگنے لگی ہوں کہ آپ نے مجھے اتنی سختی سے ڈانٹ دیا۔''

''اوہ گاڈ!'' عبداللہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''انہوں نے تمہیں ڈانٹا نہیں ہے زینی' تمہیں کوئی بھی نہیں ڈانٹ سکتا' پلیز! اب مجھے اور بھائی کو بات کرنے دو۔''

وہ خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھ گئی' لیکن آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اسی تواتر سے بہتے چلے آ رہے تھے۔ عبداللہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''تم نے دیکھا ہے ناں سبط۔ یہ تو اتنی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ وہاں سب کے رویے کیسے برداشت کرے گی۔'' عبداللہ کے لہجے میں تھکن تھی۔

''میں اسے وہاں لے جاؤں گا ہی نہیں۔'' سبط نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

زینی چونک کر ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''بھائی اب تو آپ کو اعتراض نہیں ہے ناں؟''

ہتھیلی سے آنسو پونچھتے ہوئے اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''پھر کہاں لے جاؤ گے؟'' اس نے زینی کی بات نظر انداز کر دی۔

''کہیں بھی' بس یہاں نہیں رہیں گے۔ ابھی ہم پڑھ رہے ہیں۔ بابا جان چاہتے ہیں کہ مجھے مزید تعلیم کے لیے باہر بھجوا دیں۔ جب تک میں اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو جاتا تب تک تو آپ انتظار کر سکتے ہیں ناں۔''

عبداللہ سوچ میں پڑ گیا۔

''کیا سوچ رہے ہیں بھائی! He is right ابھی مجھے بہت پڑھنا ہے۔ بھائی بتائیں ناں۔'' اس نے بے تابی سے کہا۔

''تمہارے بابا جان باہر بھجوانے سے پہلے نکاح نہ سہی تمہاری منگنی ضرور کر دیں گے۔ ٹھیک ہے کہ پہلے خادم اور امداد بھی باہر سے پڑھ کر آئے تھے لیکن وہ بھی تمہارے بابا کے نزدیک انگیجڈ تھے۔''

''اتنی آسانی سے تو میں بھی ہاتھ نہیں لگوں گا۔''

''تم جانتے ہو کہ تمہاری منگنی کے وقت نہ تمہاری وہاں موجودگی کی ضرورت ہو گی اور نہ

مرضی کی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ایسی منگنی کی ذمہ داری بھی نہیں ہوگی مجھ پر۔'' وہ بولا۔

''ہوں۔'' عبداللہ پھر سوچ میں گم ہو گیا۔

زینی امید وبیم کے درمیان معلق پلک جھپکائے بغیر اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''یہ بھی اتنا آسان نہیں ہے لیکن ممکن ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''آپ نے یہی کہا ہے ناں کہ یہ ممکن ہے؟'' زینی کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا تھا۔ دوبارہ تصدیق اس نے ضروری سمجھی۔

''ہاں ایسا ہو سکتا ہے۔''

زینی خوشی سے چیخ کر عبداللہ سے لپٹ گئی۔

سبط حسن کے چہرے پر بھی خوشی کے کتنے رنگ پھیلے ہوئے تھے۔

''اچھا اب اپنے ہاتھ سے ہمیں اچھی سی چائے تو پلواؤ۔'' عبداللہ نے اس سے کہا۔

''اوئیں! ابھی بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ خوشی خوشی کچن کی طرف چلی گئی۔

عبداللہ نے سینے میں اٹکی سانس باہر نکالی۔

''آپ اب بھی زیادہ مطمئن نہیں ہیں۔'' سبط حسن نے اس کے چہرے کا بغور جائزہ لیا۔

''مطمئن تو میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ اب تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ بدترین حالات میں سب سے محفوظ راستہ کون سا ہو سکتا ہے۔''

''میں پڑھنے کے بعد باہر ہی سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔ دنیا میں کروڑوں نہیں' اربوں انسان بس رہے ہیں' ہمیں بھی کوئی نہ کوئی جگہ مل ہی جائے گی۔ مجھے روپے پیسے' جائیداد وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ اتنا پڑھ لکھ جاؤں کہ زندگی میں آسانی سے اپنے اور زینی کے لیے راستہ بنا سکوں۔''

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے' جتنا تم سوچ رہے ہو' لیکن میں زینی سے وعدہ کر چکا ہوں کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے گی' میں اس کا ساتھ دوں گا۔ اینی وے' تمہیں چند باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔ کوشش کرنا کہ یہاں تمہاری منگنی نہ ہو۔ کسی بھی لڑکی کو اس طرح انتظار میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بہت تکلیف دہ بات ہوگی اس کے لیے۔

دوسری بات یہ کہ برطانیہ میں پڑھنے کے بجائے بڑے بابا کو امریکہ کی چوائس دینا۔ کسی صورت میں بھی برطانیہ کا انتخاب مت کرنا۔ بڑے بابا جان' میرے بابا جان' تمہارے بھائی سب وہیں سے پڑھے ہوئے ہیں۔ اور وہاں ہم سب کے بہت سے رابطے ہیں۔ بڑے بابا جان یقیناً یہی چاہیں گے کہ تم برطانیہ میں جاؤ' لیکن یہ بات تمہارے لیے پریشان کن ثابت ہو سکتی ہے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ امتحانوں کے بعد زیادہ عرصہ گاؤں میں مت رہنا۔ بہت سے مسئلوں سے بچ جاؤ گے۔''

''میں بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچ رہا ہوں۔'' وہ بولا۔

''یہ بتاؤ سبط کہ ایک لڑکی کے لیے سب کو چھوڑ سکو گے؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''ایک لڑکی کے لیے نہیں زینی کے لیے۔'' وہ بولا۔

''بہت مشکل دعویٰ کر رہے ہو۔''

''آپ نے پوچھا تھا اس لیے بتا دیا' ورنہ مجھے دعوے کرنے کی عادت نہیں ہے۔ میں صرف فیصلے کرتا ہوں اور ان پر عمل کرتا ہوں۔'' اس نے بہت اطمینان سے کہا۔

اس لمحے وہ عبداللہ کو بالکل پیر صاحب اور اپنے بابا جان کا پرتو لگا۔ فیصلوں کی نوعیت مختلف سہی' لیکن ایک مرتبہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔

خوبی یا خامی لیکن یہ ان کے پورے خاندان کے مزاج کا ایسا حصہ تھا جسے ان میں سے کوئی بھی اپنے سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے لہجے نے عبداللہ کو ایک دم مطمئن کر دیا تھا' لیکن وہ ہر طرح سے تسلی کرنا چاہتا تھا۔

''زندگی کے بہت سے رخ ہیں۔ سبط کیا خبر آئندہ کیا ہو' لیکن پلیز اسے اکیلا کبھی مت چھوڑنا۔ کبھی پچھتاوا محسوس ہو تو مجھے ضرور بتانا' کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کی بھیڑ میں وہ بالکل تنہا ہو جائے۔''

یہ کہتے سمے سبط کو وہ ایسا بھائی محسوس ہوا جو اپنی بہن کی خوشیوں کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اسے ریشماں کا خیال آیا۔

''عبداللہ کو کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی۔'' اس نے کہا تھا۔

اور تب سبط حسن کا دل چاہا تھا کہ دنیا کی سب خوشیاں اپنی بہن کے آگے ڈھیر کر دے۔

''آپ پھر مجھے دعوے پر مجبور کر رہے ہیں جو میں کرنا نہیں چاہتا۔ میں اتنا کہوں گا کہ آپ مجھ پر اعتبار کریں پلیز۔''

''بس' چائے آ گئی۔'' زینی ٹرے اٹھا کر اندر داخل ہوئی۔

''واہ اس وقت یہ جنت کی نعمتوں سے کم نعمت نہیں لگ رہی۔'' عبداللہ نے خوش دلی سے کہا۔

زینی نے دونوں کو کپ پکڑائے۔

''اماں' ابا سے بات کرنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''تو کر لو بات۔''

''انہیں تو میرا خیال ہی نہیں آتا۔ آج تین دن ہو گئے ہیں ان کا فون آئے ہوئے۔''
زینی نے ٹیلی فون اپنے قریب کھسکا لیا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆======☆======☆

گیٹ سے کار اندر داخل ہوئی تو نوری نے پلکیں جھپکا کر بڑے سے مکان کو دیکھا۔ پورے ایک کنال کی کوٹھی جس کے سامنے بڑی سی سڑک تھی۔ دائیں ہاتھ خوبصورت لان تھا' جس میں خوش رنگ پودے لگے ہوئے تھے۔ باہر سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ مکان کتنا خوبصورت ہوگا۔

گیراج میں کار رکتے ہی وہ جلدی سے اتر آئی۔

''ایسے نہیں بے بی!'' جنت بائی نے کار سے اترتے ہوئے سرزنش کی۔ ''شوخی دکھاؤ' جوش اور حیرانگی نہیں۔''

''ہم بھول گئے تھے۔'' اس نے جلدی سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

''یہ بھول چوک اس دروازے سے باہر چھوڑ آؤ۔'' انہوں نے کہا اور گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

نوری بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوگئی۔ سحر زدہ سی وہ سارے بنگلے میں پھرتی رہی۔ ایسا شاندار بنگلہ اس سے پہلے اس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔ دبیز قالین' صوفے' پلنگوں پر فوم کے گدے' تینوں کمروں اور ڈرائینگ روم میں' ایئر کنڈیشنڈ' تین ٹی وی' وی سی آر' صاف ستھرے باتھ روم' جدید ترین کچن۔

یہ سب اس کا خواب تھا اور وہ اسی کی تعبیر پانے کے لیے گھر سے نکلی تھی۔ سفر کچھ طویل ہو گیا تھا' پیچیدہ بھی اور تکلیف دہ بھی۔ اس سفر میں وہ اپنا سب کچھ گنوا بیٹھی تھی۔ زندہ رہنے کی خواہش بھی دم توڑ گئی تھی۔ پھر جنت بائی نے اسے سہارا دیا تھا یا پھر اس نے جنت بائی کو سہارا دیا تھا' لیکن اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئی تھیں۔

اسے یاد تھا جنت بائی نے اس سے کہا تھا۔

''تم یہاں نہیں رہنا چاہتیں' نہ رہو اس کے لیے کوئی تمہیں مجبور نہیں کر سکتا' لیکن ماتم کس چیز کا کر رہی ہو' جب تم یہاں آئی تھیں تو تمہارے ساتھ صرف جسم تھا' عزت تو راستے میں اپنی نادانی کی وجہ سے کھو آئی تھیں۔ جو چیز تم یہاں لائیں ہی نہیں ہم اس کا سودا کیسے کر سکتے ہیں؟ یہاں تو صرف جسم کا سودا ہوتا ہے اور یہ سودا کرنے کے لیے بھی کوئی تمہیں مجبور نہیں کر رہا۔

گھر سے بھاگ کر آنے والی لڑکیوں کا مستقبل یہی ہوا کرتا ہے۔ آج نہیں تو کل یہاں نہ سہی تو کہیں اور' تم یہی کرو گی' پھر یہاں یہ دھندا کرنے میں کیا حرج ہے؟

گھر سے نکلتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں کچھ خواب تھے۔ بڑی اسکرین' چکا چوند کر دینے

URDU PHOTO

والی روشنیاں' پرستاروں کی لمبی قطار' چمکتی گاڑی اور محل نما بنگلہ کے خواب۔ ان خوابوں کی تعبیر میں تمہیں دے سکتی ہوں' صرف میں۔ کہیں اور چلی گئیں تو گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔ میرے پاس رہیں تو وہ سب کچھ حاصل کر لو گی جس کی خواہش میں گھر سے قدم باہر نکالا تھا۔

اور جب اپنے خوابوں کی اتنی بھاری قیمت چکا چکی ہو تو ان سے دستبردار مت ہو' اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔ پھر دیکھو کہ میں تمہیں کن آسمانوں کی سیر کراتی ہوں۔''

اور اس نے اپنا ہاتھ جنت بائی کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔

گھر کے ٹیرس کی ریلنگ پر بازو ٹکا کر سڑک پر تیزی سے گزرتی رنگ برنگی گاڑیاں دیکھ کر یہ سب سوچتے ہوئے اسے اپنا اور سڑک کا دکھ ایک سا لگا۔

سرمئی بجری والی وہ سڑک نئے پرانے ماڈلوں کی گاڑیوں' سائیکلوں اور پھٹے ہوئے جوتوں تلے پل پل روندی جاتی تھی اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کے بعد نئے سرے سے اسے بنانے کا اہتمام ہوتا تھا' گڑھے پڑ جاتے تھے' بجری ڈالی جاتی تھی' تارکول بچھتی تھی' سفید لائنیں لگائی جاتی تھیں اور یوں ایک مرتبہ پھر وہ ٹوٹنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔

''میرے خدا!'' اس نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ''میں نے خواب دیکھے تھے اور ان خوابوں نے مجھ سے ایک غلطی سرزد کروائی تھی۔ عورت کی ایک غلطی کی سزا کتنی طویل' کتنی تکلیف دہ ہوتی ہے اور مرد ہر مرتبہ بچ جاتا ہے۔

میرے مولا میں نے اپنی سزا قبول کر لی ہے' نہ تو میں اپنی غلطی پر پردہ ڈالوں گی اور نہ تاویلیں پیش کروں گی' جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے' میں اسی کی مستحق تھی' لیکن جس نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے وہ کس سزا کا مستحق تھا؟

اگر تیری اس دنیا میں انصاف ہے تو اسے نہ سہی کسی ایسے ہی مرد کو میری آنکھوں کے سامنے سزا ضرور دینا' اس کے علاوہ میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتی۔''

☆======☆======☆

زینی اور سبط حسن واک کے لیے باہر نکلے ہوئے تھے عبداللہ لاہور جا چکا تھا۔

''بھائی' جو کچھ آپ نے میرے لیے کیا ہے' میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' اس نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

''پاگل! بھائی بہنوں پر احسان نہیں کیا کرتے۔ میں نے کچھ سخت باتیں کہی تھیں تو اس لیے نہیں کہ میں تمہیں ہرٹ کرنا چاہتا تھا' بلکہ اس لیے کہ میں تمہیں ہر وقت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میں نے آپ سے بہت مس بی ہیو کیا تھا۔ آپ نے مائنڈ تو کیا ہوگا۔ آپ سے سوری کرنی تھی۔'' اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

''بھول جاؤ وہ سب' صرف ایک بات یاد رکھنا۔'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے بھائی کی طرف دیکھا تھا۔

''بعض اوقات زندگی کے کسی موڑ پر انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے جو فیصلہ کیا تھا' وہ غلط تھا' جو کچھ زندگی سے اس نے چاہا تھا' وہ اسے نہیں ملا۔ اگر کبھی تمہیں اس بات کا احساس ہو تو تمہارا بھائی ہر وقت تمہارے ساتھ ہوگا۔

یہ زندگی ایسی کتاب نہیں ہے' جس کا آخری صفحہ پہلے پڑھ لیا جائے' اس لیے بہت سے ذہین لوگ بھی بعض اوقات غلطی کر لیتے ہیں۔ اندازے کی' سمجھنے کی' رویوں کو پرکھنے کی۔

تم اتنا یاد رکھنا کہ ہمارے دل اور گھر کے دروازے ہر وقت تمہارے لیے کھلے رہیں گے' کبھی تھک جاؤ تو لوٹ آنا۔''

اور اس وقت سبط حسن کے ساتھ چلتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ ہمسفر ایسا ہو تو تھکنے کا کیا سوال؟

''کہاں گم ہو؟''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''سوچ رہی تھی کہ آسمان یہاں بھی نیلا ہے۔ انسان خوش ہو تو ہر جگہ خود ہی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔''

☆======☆======☆

ماہ بانو عبداللہ کے لان کے لیے گملے تیار کرنے میں ابا جی کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ اماں پڑوس میں گئی ہوئی تھیں' جہاں عنقریب ایک شادی تھی۔ برسوں کے مراسم تھے' اماں ہاتھ بٹانے چلی گئی تھیں۔

وہ اور ابا جی کام میں مصروف تھے کہ پڑوس سے چھوٹو ابا جی کو بلانے آ گیا۔

''چاچا جی! ابے نے کہا ہے کہ آپ بھی آئیں۔''

''اپنے ابے سے کہو کہ میرے ابا جی مصروف ہیں۔ پتا نہیں یہ کمبخت شادی کب ختم ہو گی' کب گلی میں سکون ہوگا۔ لگتا ہے ملکہ الزبتھ کی دوسری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں' ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔'' ماہ بانو نے جھلا کر کہا۔

''ابے نے کہا ہے کہ لڑکے والے آئے ہوئے ہیں۔ حق مہر طے کرنے کے لیے محلے کے چار معتبر بندے ہونے ضروری ہیں۔'' چھوٹو نے بقیہ پیغام بھی کہہ سنایا۔

''میں بس پانچ منٹ میں آتا ہوں' بانو!'' ابا جی نے ہاتھ دھوئے۔

''پانچ منٹ؟ لکھوا لیں مجھ سے کہ پانچ گھنٹے سے پہلے نہیں آسکیں گے۔ عجیب حماقت ہے' جن کی بیٹی ہے' وہی حق مہر بھی طے کر لیں' سارا محلہ اکٹھا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ایسے وقت میں انکار تو نہیں کیا جا سکتا ناں' برسوں کے رشتہ داروں کے طرح رہ رہے

ہیں' عین موقع پر کیسے منہ پھیر لیں؟'' ابا جی نے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن پلیز جلدی آئیے آپ' میں دروازہ بند نہیں کر رہی تاکہ آپ جلدی آئیں۔ دیکھیں کتنا کام بکھرا ہوا ہے' مجھ سے اکیلے نہیں ہوگا۔''

''اچھا بابا' تم یہ تو کر لوگی ناں'' انہوں نے گملوں کی طرف اشارہ کیا۔

''سب کام کر لوں گی بس آپ جلدی آ جائیے گا۔''

ان کے جانے کے بعد اس نے اپنا کیسٹ پلیئر لگایا اور کام میں مصروف ہو گئی۔ یہ چھوٹا سا کیسٹ پلیئر اسے ابا جی نے کالج میں داخلے کے وقت انعام کے طور پر دیا تھا۔

گندھی ہوئی مٹی اٹھا کر اس نے چاک پر رکھی اور بڑی مہارت سے اسے گملے کی شکل میں ڈھالنے لگی تھی۔

اسی وقت عبداللہ دروازے پر آیا۔ پہلے دستک دے کر اسے متوجہ کرنے کا ارادہ کیا' لیکن پھر یہ سوچ کر دستک نہیں دی کہ وہ کام کے دوران ڈسٹرب ہوگی۔

سیاہ شلوار قمیص میں ملبوس ایپرن پہنے آستینیں چڑھا کر وہ سر جھکائے پوری توجہ اور انہماک سے گملا بنانے میں مصروف تھی۔ لمبے بالوں کو پیچھے کر کے ڈھیلا سا جوڑا بنا رکھا تھا۔ اس لمحے وہ دل میں اتر جانے کی حد تک اچھی لگ رہی تھی۔

کیسٹ پلیر چل رہا تھا اور لتا کے ساتھ ساتھ وہ بھی گنگنا رہی تھی:

خود سے کہنا' میں جاتی ہوں
خود سے کہنا' میں آتی ہوں
ایسا بھی تو ہوتا ہے ناں ہلکی سی تنہائی میں
تنہائی میں تصویروں کے چہرے بھرتے رہنا
خود سے باتیں کرتے رہنا' باتیں کرتے رہنا
آنکھیں موندے دن میں میٹھی راتیں کرتے رہنا

گملا مکمل کر کے اس نے سر اٹھایا اور اسی وقت اس کی نگاہ دروازے پر پڑی' جہاں عبداللہ سفید کرتے شلوار پر کشمیری دُھسہ لیے کھڑا تھا۔

ماہ بانو نے اسے بے شمار مرتبہ دیکھا تھا اور وہ ہر مرتبہ اس کی مردانہ وجاہت کی معترف ہوئی تھی لیکن اس وقت......!

اس وقت اسے دیکھ کر دل میں عجیب سی ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ پتا نہیں کیوں؟ وہ سمجھ نہیں سکی۔ شاید اس کی وجہ عبداللہ کی آنکھوں میں نظر آنے والے عکس تھے۔ اسے یہ بھی خیال نہ رہا تھا کہ وہ غیر متوقع طور پر نہ جانے کب وہاں آیا تھا۔ ماہ بانو مبہوت کی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''ہاں' اگر زرینہ خالہ حیدر بابا کو دیکھ کر محبت کا شکار ہو گئی تھیں تو یہ غلط نہیں تھا۔'' اس کے

ذہن میں خیال آیا۔ ''کاش! عبداللہ، ریشماں کا نہ ہوتا۔''

''خیریت ہے؟'' وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

''آں...... ہاں!'' وہ واپس پلٹ کر آئی۔ یوں لگا جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

''پوچھوگی نہیں کہ کب اور کیسے آیا؟''

''یہی پوچھنے لگی تھی۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''کل رات مری سے واپس آیا تھا تمہاری ہدایت پر عمل کیا تھا اور رات دس بجے یہاں میں اپنے بستر پر تھا۔ صبح سوچا کہ تم سے ملنا چاہیے' اس لیے یہاں چلا آیا۔ دروازے پر اباجی سے کچھ دیر رسمی باتیں ہوئیں لیکن وہ جلدی میں لگ رہے تھے۔ تمہارے متعلق بتایا کہ اندر ہو۔ یہاں سے تمہاری خوبصورت آواز ابھر رہی تھی' اس لیے پورے گھر میں جھانکنا نہیں پڑا۔ سیدھا یہیں چلا آیا۔''

''میری نہیں لتا کی خوبصورت آواز۔'' اب تک وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

''مجھے تو کوئی کورس سنائی دے رہا تھا۔'' وہ بولا۔

''میں ذرا یہ بھٹی میں رکھ دوں' تب تک تمہیں کھڑا رہنا پڑے گا۔ یہاں کرسی رکھنے کی کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔''

''میں بھی اتنا نازک مزاج نہیں ہوں کہ اتنی دیر کھڑا نہ رہ سکوں۔'' اس نے کہا۔

''بات نازک مزاجی کی نہیں' مہمانداری کی ہے۔'' ماہ بانو نے بھٹی کھول کر گملے اندر رکھے۔

''میرا خیال تھا کہ تم خاصی نکمی ہو۔ اتنے بڑے بڑے گملے اباجی ہی بنائیں گے لیکن آج پتا چلا کہ تم اتنی نکمی بھی نہیں ہو۔''

''چلو تمہیں پتا تو چلا اور میری کوئی چیز اچھی لگی' ورنہ تم نے باغ کے متعلق بنایا ہوا میرا پلان اتنی بے دردی سے رد کیا تھا کہ میں اس پر تمہیں قتل بھی کر سکتی تھی......''

''مقتول ہونے میں' میں کوئی حرج نہیں سمجھتا' بشرطیکہ قتل کرنے والے ہاتھ خوبصورت ہوں۔'' وہ ہنسا۔

ماہ بانو کی نگاہ بے اختیار اپنے ہاتھوں پر پڑی جو بری طرح مٹی میں لتھڑے ہوئے تھے۔

''اچھا پلیز! اپنے لیے صحن سے کرسی لے آؤ' یہیں بیٹھ جاؤ۔ میں ساتھ ساتھ کام بھی کرتی جاؤں گی۔'' اس نے جلدی سے موضوع بدل دیا۔

''میں تمہاری مدد کر دیتا ہوں اگر کوئی ایسا کام ہو جو میں کر سکتا ہوں تو مجھے بتاؤ۔''

''یہاں تم صرف ایک کام کر سکتے ہو کہ بیٹھ کر میرے ساتھ باتیں کرو۔ باقی کام مجھے ہی کرنے ہوں گے۔'' وہ مسکرائی۔

URDU PHOTO

''چلو یونہی سہی۔''

وہ صحن سے کرسی لا کر وہیں بیٹھ گیا۔

''اماں اور اباجی پڑوس میں گئے ہوئے ہیں' مجھ سے اباجی کے بغیر کام نہیں ہوتا۔ اتنے ڈھیر سارے کام کو دیکھ کر سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے کیا کام کیا جائے۔ مجھے تو گھبراہٹ ہوتی ہے ایسے میں۔ اباجی ہوتے تو بتاتے جاتے کہ کس ترتیب سے کام کرنا چاہیے۔ چاہے وہ کام کریں نہ کریں' لیکن ان کی موجودگی سے مجھے تسلی رہتی ہے۔'' ماہ بانو نے مٹی چاک پر رکھی۔

''آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی ذمہ داری اٹھانے کی۔''

''مجھے تو مشکل ہی لگتا ہے۔ اکلوتی ہونے کے باوجود میں نے کبھی ذمہ داری نہیں اٹھائی۔'' وہ ہنسی۔

''اس لیے کہ کبھی ذمہ داری پڑی نہیں ہے تم پر۔''

''اوہ یاد آیا تم مری گئے تھے' خیریت ہی رہی ناں؟'' نظریں چاک پر جمائے ہوئے اور ہاتھوں سے گندھی مٹی کو گملے کی شکل میں لاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''زینی کسی صورت آمادہ نہیں تھی میری بات سننے کے لیے۔''

''پھر............؟''

''پھر مجھے اس کی بات ماننا پڑی۔''

''ایک زینی ہی نہیں تمہارا سارا خاندان ہی بہت مشکل پسند ہے' لیکن عبداللہ یہ ہوگا کیسے؟''

''میرے خیال میں تم میرے خاندان کے بارے میں مجھ سے کچھ زیادہ ہی جانتی ہو۔''

لمحے بھر کے لیے ماہ بانو نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''تم یہ بتاؤ کہ پھر ہوا کیا؟'' اس نے بات کو دوبارہ اصل موضوع کی طرف لاتے ہوئے پوچھا۔

''ان کا ارادہ ہے کہ وہ پاکستان سے باہر ہی کہیں سیٹل ہوں گے۔ آخر ایسی جگہوں کی کمی تو نہیں ہے جہاں تک بڑے بابا یا دوسرے افراد نہ پہنچ سکیں۔''

''اور تمہاری اماں اور بابا جان مان جائیں گے؟''

''انہیں میں مناؤں گا۔ یہ بھی تو دیکھو ناں کہ ہمیں گڑیا اور زینی کی شادیاں کرنی تو ہیں ہی' کسی کو اس بات پر بھی اعتراض نہیں ہے کہ شادیاں ان کی پسند سے ہوں۔

بڑے بابا جان اس وقت بھی بہت فساد کریں گے جب ان دونوں کی شادیاں ہوں گی اور تب بھی وہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اب یہ تو ممکن نہیں ہے ناں پاکستان میں شادی ہونے کی صورت میں گڑیا اور زینی اسی طرح چھپ کر رہیں جیسے آج تک رہتی آئی ہیں۔

دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی شادیاں کسی بہت مضبوط خاندان میں ہوں جن سے ٹکر لیتے ہوئے بڑے بابا کو بہت کچھ سوچنا پڑے اور دوسری صورت یہ ہے کہ شادی کے بعد بہنیں کہیں باہر سیٹل ہو جائیں۔

اب چاہے سبطِ حسن ہو یا کوئی اور ہمارے پاس ان کے علاوہ کوئی Options نہیں ہیں تو پھر زینی کے لیے سبط ہی کیوں نہ ہو؟''

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ زینی اور سبطِ حسن تو خوش رہیں گے مگر یہاں بہت طوفان آئے گا۔''

''جانتا ہوں لیکن یہ ذمہ داری تو اٹھانی ہی پڑے گی۔''

ماہ بانو نے گملا چاک سے اتار لیا اور وہیں ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

''طوفان تو ہر حالت میں آئے گا ہی' چاہے ان کی شادیاں کہیں بھی طے ہو جائیں' لیکن پیر صاحب کا اپنا بیٹا ایسا کرے' اس پر تو وہ ایسی آفت مچائیں گے کہ بس......!'' وہ بولی۔

''تم خود بھی تو یہ چاہتی تھیں کہ زینی اور سبط ایک ساتھ زندگی گزاریں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''یہ تو میں اب بھی چاہتی ہوں مگر یہ سب معاملے اتنے الجھے ہوئے ہیں کہ کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آتا اور یہ جو پیر صاحب ہیں ناں' خاندان کے معاملے میں یوں بھی سخت گیر ہیں۔ خیر اللہ تعالیٰ کرے کہ سب اچھا ہو۔''

''اپنے خاندان کے متعلق اتنی باتیں میں کسی سے نہیں کرتا جتنی تم سے کرتا ہوں۔ گھر میں اماں جان ہر وقت ٹینشن میں مبتلا رہتی ہیں۔ بابا جان منع نہیں کرتے' لیکن ان کے سوچنے کا انداز بالکل مختلف ہے اور زہرا بات بات پر جھلا اٹھتی ہے' اس لیے گھر میں کسی سے اس موضوع پر بات نہیں کرتا میں۔

تم سے کہہ دیتا ہوں کیونکہ اپنائیت کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس تب سے ہے جب تم سے پہلی مرتبہ ملا تھا۔ اپنے گاؤں کی' اپنے لوگوں کی خوشبو آتی ہے تم سے' یوں جیسے پردیس میں جا کر اپنا وطن اور اس میں بسنے والے بہت عزیز ہو جاتے ہیں ناں' اسی طرح جب یہاں ہوتا ہوں تو اپنا گاؤں سب سے اہم لگنے لگتا ہے۔''

ماہ بانو نے پلکیں جھکا لیں اور ہاتھ سے مٹی کھرچنے لگی۔ ''مجھے اچھا لگتا ہے جب تم یہ باتیں مجھ سے شیئر کرتے ہو۔''

عبداللہ مسکرایا۔

''کام تو ہوتا رہے گا' چلو چائے پیتے ہیں۔ یوں بھی تمہیں شکوہ تھا کہ میں نے تمہیں چائے نہیں پلوائی تھی۔'' ماہ بانو نے موضوع تبدیل کیا۔

وہ دونوں کچن میں چلے آئے۔ ماہ بانو نے پانی بھری کیتلی چولہے پر رکھ دی۔

''پکوڑے کھانے کو بہت دل چاہ رہا ہے' بناؤں؟'' اس نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ۔''

وہ بیسن نکال کر گھولنے لگی۔ ''امتحان بھی ہونے والے ہیں۔''

''ہاں' اور کچھ عرصہ بعد مجھے بھی دوبارہ کالج جوائن کر لینا ہے۔ آزادی کا ایک سال ختم ہونے والا ہے۔'' وہ ہنسا۔

''اب تیار ہو جاؤ' فائنل ایئر ویسے بھی ٹف ہوتا ہے' تھیسز کا تصور ہی دل دہلا دیتا ہے۔''

''چھوڑو بھی۔ تم لڑکیاں پڑھائی کو کچھ زیادہ ہی سر پر مسلط کر لیتی ہو۔''

''ابا جی کی اتنی زیادہ توقعات ہیں مجھ سے۔ کبھی تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ نہ جانے میں انہیں پورا کر سکوں گی یا نہیں۔'' وہ پکوڑے تلتے ہوئے بولی۔

''آگے سرامکس لینے کا ارادہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں' ابا جی کو مجسمہ سازی پسند ہے۔''

''اور تمہیں کیا پسند ہے؟''

''مجھے...... مجھے بھی یہی پسند ہے۔''

''اپنی زندگی پر تھوڑا سا حق اپنا بھی رہنے دو بانو' دوسروں کے ماتھے پر ابھرنے والی لکیروں میں اپنا مستقبل مت تلاش کیا کرو۔ خواہ وہ تمہیں کتنا بھی عزیز کیوں نہ ہو۔''

وہ مسکرا دی۔ ''میں نے ان باتوں کے متعلق سوچا ہی نہیں ہے۔ میں بہت چھوٹی سی تھی جب ابا جی نے مجھے یہ خواب دیا تھا۔ یہ تب کی بات ہے جب سب بچے ڈاکٹر اور پائلٹ بننے کی باتیں کرتے ہیں۔

بس اس کے بعد میں نے کسی اور طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ شاید دھیان دیا ہوتا تو کوئی اور فیلڈ بھی اچھی لگ جاتی۔ میں آٹھویں میں تھی جب ابا جی نے مجھے ایک کتاب لا کر دی تھی۔ مائیکل اینجلو اور ڈوناٹیلو کے متعلق اور میں بہت امپریس ہوئی تھی ان سے۔''

''تم نے انہیں اتنی آسانی سے آرٹسٹ مان لیا! آج کل تو بچے انہیں ننجا ٹرٹل ہی سمجھتے ہیں۔''

وہ دونوں ہنس دیے۔

''جب میں آٹھویں میں تھی تو ڈوناٹیلو' مائیکل اینجلو' رافیل اور لیونارڈو ڈاونچی بھی آرٹسٹ سمجھے جاتے تھے' تب تک وہ ننجا ٹرٹل نہیں بنے تھے۔'' وہ چائے کی پتی چینک میں ڈال کر کیتلی کا پانی اس میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''ویسے تم سرامکس میں کام کرو تو بہت کامیاب رہو۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہاں' لیکن یہ کام تو مجھے آتا ہی ہے۔ ویسے میں چاہے کسی فیلڈ میں بھی چلی جاؤں' یہ کام

میں نہیں چھوڑ سکتی۔ شاید یہ خون کا اثر ہے۔''

چائے کے کپ اور پکوڑے لے کر وہ دونوں پھر واپس آ گئے۔ گیلی مٹی' کچھ کچے اور کچھ تیار شدہ برتن ترتیب سے وہاں پڑے تھے۔

''مجھے معلوم تھا کہ ابا جی اتنی جلدی نہیں آئیں گے۔''

وہ چائے کی پیالی رکھ کر ایک مرتبہ پھر کام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ عبداللہ کافی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر کی بے شمار باتیں کیں۔ کالج' گھر' آرٹ اور نہ جانے کن کن موضوعات پر۔

عبداللہ کے جانے کے بعد مٹی سے سنے ہاتھوں سمیت ماہ بانو نے وہیں پیڑھی پر بیٹھ کر پشت دیوار سے ٹکا لی۔

''آج اچانک کیا ہو گیا۔'' اس نے سوچا۔ ''دل میں ایسی ہلچل پہلے تو نہیں ہوئی تھی۔ ہاں اچھا تو وہ ہمیشہ سے لگتا آیا تھا۔ پتا نہیں کب سے' لیکن یہ طے ہے کہ وہ تب سے اچھا لگتا آیا تھا' جب ابھی میں اس سے ملی بھی نہیں تھی۔

اور جب ملی تو وہ زیادہ اچھا لگا۔ شاید اس لیے کہ عام مردوں سے بہت مختلف ہے۔ نرم خو متحمل اور Caring ...... اور دوسری طرف عزم و حوصلے والا' مضبوط اور ضرورت پڑنے پر جارحیت پسند۔

''لیکن ریشماں؟'' وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''کیا ہوا بانو تھک گئی ہو؟''

ابا جی کی آواز اسے سوچ کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

''جی!'' اس نے اسی قدر کہا۔

''میں جلدی آ جاتا' لیکن انہوں نے روک لیا۔ لڑکی والے بہت زیادہ حق مہر رکھوانا چاہتے تھے اور لڑکے والے اتنے زیادہ پر راضی نہیں تھے۔ بس اسی کھینچا تانی میں دیر ہو گئی۔'' ابا جی نے گندھی ہوئی مٹی اٹھا لی۔

''یہ سب فضول باتیں ہیں۔ روپیہ پیسہ بھی کبھی سیکورٹی ہوا کرتا ہے۔ حق مہر چاہے دس لاکھ روپے لکھوا لیں لیکن لڑکی خوش نہ ہو تو دس لاکھ بھی اسے کیا دیں گے؟ اصل بات ہوتی ہے رویوں کی جن کی کوئی بھی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ یہ اچھے ہوں تو ہر مسئلہ خود ہی حل ہو جاتا ہے اور یہ برے ہوں تو روپیہ پیسہ بھی کام نہیں آتا۔'' وہ بولی۔

''لوگ ان باتوں کو نہیں سمجھتے' وہ ہر چیز کی فیس ویلیو دیکھتے ہیں۔'' ابا جی نے کہا۔

''ہماری زرینہ خالہ کے پاس کس چیز کی کمی تھی؟ روپیہ پیسہ' کپڑا' زیور سب کچھ تو تھا۔''

ابا جی کو خیال آیا۔ ''ہاں وہ عبداللہ آیا تھا ناں......؟''

URDU PHOTO

''جی بیٹھا رہا۔''

''اسے گملے اچھے لگے؟''

''بہت اچھے۔''

''بس اس سے سرسری سی بات ہوئی تھی۔ اس وقت میں جلدی میں تھا۔''

''ہوں' بتا رہا تھا مجھے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں اب کالج کا تھوڑا سا کام کر لوں۔''

''تم نے تھیوریز بھی تیار کرنی شروع کی ہیں؟ میں نے تمہیں تھیوریز کو ہاتھ لگاتے کبھی نہیں دیکھا۔'' ابا جی نے کہا۔

''ابا جی! وہ تو ہمارے کالج کی روایت ہے کہ پیپر دینے سے ایک دن پہلے ہی سب تھیوریز کو تیار کرتے ہیں۔ ہسٹری آف کلچر میں کیا ہے۔ اسٹون ایج' میسوپوٹیمیا مصری اور یونانی آرٹ وغیرہ ہیں۔ اس میں ہے کیا ایسی چیز جو اتنے پہلے سے پڑھنا شروع کر دی جائے۔ Visual Arts بھی خالص نہیں ہے اتنی بیسک سی چیزیں ہیں اس میں' ایڈورٹائزنگ' ٹیکسٹائل' منی ایچر' Sculpture (سرامکس) وغیرہ۔ اس میں مشکل کیا ہے اور ہیومن انجینئرنگ ہے۔ ابا جی یہ سب تو اتنا آسان ہے۔''

وہ صحن میں آ گئی اور پیڑھی پر بیٹھ کر حمام کے نیچے ہاتھ دھونے لگی۔

''عبداللہ کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ بھی ....!''

ہاتھ دھوتے ہوئے اس کی ذہنی رو پھر اسی طرف چل پڑی' لیکن بروقت تمام اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے کمرے میں آ کر پلاسٹر آف پیرس کے بلاک کی چیزل اور ہتھوڑی کی مدد سے Non Objective Form بنانے لگی۔ دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا' لیکن اس نے خود کو کام میں جوت رکھا تھا۔

''عبداللہ نے کہا تھا کہ وہ یہ سب باتیں مجھ سے شیئر کرتا ہے کیونکہ مجھ سے اسے اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔''

اس نے چیزل پٹخ دیا۔

''کس قدر فضول باتیں سوچ رہی ہوں میں۔ ریشماں کو پتا چل جائے کہ میں یہ باتیں سوچ رہی ہوں' تو اسے کتنا دکھ ہو۔ اسے مجھ پر اتنا اعتبار ہے اور میں ....'' اس نے سوچا۔

اپنا ذہن اس سمت سے ہٹانے کے لیے اس نے پھر کام کرنا شروع کر دیا' لیکن عبداللہ کی طرف سے ذہن ہٹانا اس کے بس میں نہیں تھا۔

''اب سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ عبداللہ تو بہت پہلے سے میرے دل میں تھا۔ تب سے جب میں نے ابھی اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ ہاں مجھے اس بات کا شعور نہیں تھا یا شعور تھا تو بھی میں اسے دبانے کی کوشش کرتی رہی۔''

اس نے چیزل اور ہتھوڑی رکھ دی اور دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

وہ دن بہت خوبصورت تھے جب میٹرک کے امتحانوں کے بعد وہ چھٹیاں گزارنے گاؤں گئی تھی۔ ایف اے کے امتحان دینے کے بعد بھی وہ گاؤں چلی گئی تھی۔ وہ ہر روز ریشماں سے ملنے جاتی تھی اور پھر دونوں مل کر ڈھیر ساری باتیں کرتی تھیں۔ گھر' اسکول اور کالج کے قصوں کا ڈھیر تھا ماہ بانو کے پاس اور ریشماں کے پاس کچھ نہیں تھا سوائے ایک خواب کے۔

عبداللہ......!

وہ خواب بُنتی رہتی...... بُنتی رہتی حتیٰ کہ ماہ بانو تنگ آ جاتی۔

''تم کیا ہر وقت ایک ہی گردان کرتی رہتی ہو' تنگ بھی نہیں پڑتیں۔''

ریشماں ہنس پڑی۔ ''میں بھی تو تمہاری باتیں سنتی ہوں' تم سے میری ایک بات بھی نہیں سنی جاتی۔''

''میری باتیں اتنی بورنگ تو نہیں ہوتیں اور میں تمہاری طرح ایک ہی قصے کی ٹانگ نہیں پکڑے رہتی۔ اس بے چارے کی تو ہچکی ہی بندھ جاتی ہوگی۔''

''ہچکی بندھتی نہیں ہوگی' ہچکی آتی ہوگی۔'' ریشماں نے تصحیح کی۔

''جتنا ذکر تم کرو ہو' اس سے تو ہچکی بندھتی ہی ہوگی۔ یہ تک تو پتا نہیں کہ موصوف آج کل ہوتے کہاں ہیں؟''

''اس کا تو پتا ہے۔'' ریشماں نے شرارت سے کہا تھا۔

''کہاں؟''

''میرے دل میں۔'' وہ زور سے ہنستی۔

اور اس قہقہے میں ماہ بانو بھی شامل ہو جاتی۔

''سارا وقت کان میرے کھاتی رہتی ہو' اور دل میں رکھا ہوا ہے عبداللہ کو' میرے کان اتنے فالتو ہیں کیا؟''

''ارے نہیں' تم تو میری بہت پیاری بہن ہو' تم بھی میرے دل میں ہی رہتی ہو۔''

''واہ............ واہ کیا زبردست اکاموڈیشن ملی ہوئی ہے ہمیں۔ دل تمہارا ہے اور وہاں رہ رہے ہیں میں اور عبداللہ۔ ذرا دھیان رکھنا' ایسا نہ ہو جائے کہ تمہارے پاس دل ہی رہ جائے اور مکین اکاموڈیشن تبدیل کر لیں۔'' ماہ بانو نے شرارت سے بھرپور لہجے میں کہا۔

''کہیں بھی جانے کی کوشش کر لو' میرے دل سے نہیں نکل سکو گے۔''

''اچھا چلو' اب ایک ہی جگہ رہنا ہوا تو کیا جھگڑتی پھروں عبداللہ سے۔ آج سے اس سے صلح۔ اب تم اس کے متعلق کتنی باتیں کرتی رہو' کبھی بھی میں بور نہیں ہوں گی۔''

URDU PHOTO

رفتہ رفتہ عبداللہ اس کا بھی پسندیدہ موضوع بن گیا تھا۔ اس سے ملنے' دیکھنے اور باتیں کرنے کا شوق بڑھتا جا رہا تھا۔

ہاں اس سے ملنے سے پہلے یہ ڈر تھا کہ کہیں اس سے مل کر مایوسی نہ ہو وہ ویسا نہ ہو جیسا اس نے سوچا تھا۔

مگر وہ تو اس سے بھی زیادہ اچھا تھا' جتنا ماہ بانو نے سوچا تھا۔ اس کے مزاج کے کتنے ہی رنگ تھے اور سب کے سب خوبصورت۔

وہ آہستہ آہستہ اس کے دل میں اترا تھا۔ بالکل دبے قدموں' اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ محض دوست سے بہت اچھا دوست کب بنا تھا اور کب بہت اچھے دوست سے بھی بڑھ گیا تھا۔

''ہاں وہ سعد تھا۔ میرا پاگل پن' میری حماقت...... میری انا کی تسکین کا ایک ذریعہ۔ محبت کیا ہوتی ہے' یہ تو اب پتا چلا ہے۔

میں نے عبداللہ کے سراپے سے محبت نہیں کی' نہ ہی یہ پہلی نظر کی محبت تھی۔ یہ تو تب سے میرے اندر ہے جب میں نے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ ہاں تب سے میں نے اسے تراشنا شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ سب خدوخال واضح ہو گئے۔ ہر روپ ہر سوچ اس پیکر کو نکھارتی گئی۔

اور جب وہ سامنے آیا تو مجھے اسے دیکھ کر حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے بات کی تب بھی نہیں۔ اس نے اپنے رویے ظاہر کیے تب بھی نہیں۔

کیونکہ وہ اس پیکر سے مختلف نہیں تھا' جسے شعوری یا لاشعوری طور پر میں نے تراشا تھا مگر آہ......!''

اس نے بند آنکھیں کھولیں۔ اس کا کمرا ویسا ہی تھا' اسی طرح پلاسٹر آف پیرس کے چھوٹے چھوٹے سفید ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔ چیزل اور ہتھوڑی پاس پڑے ہوئے تھے' سب کچھ ویسا ہی تھا' جیسا آنکھیں موندنے سے پہلے تھا۔ صرف اندر کی دنیا تلپٹ ہو چکی تھی۔

''میں سوچتی تھی ناں' جیسے میرے گرد کوئی کہانی بُن رہا ہے۔ چھٹی حس کہتی رہی کہ مجھے عبداللہ سے دور ہٹ جانا چاہیے اور میں یہی سوچتی رہ گئی کہ کیا صرف چھٹی حس کی بنیاد پر؟

میں نے بے سوچے سمجھے خالہ کی صندوقچی کھول لی اور ساری بلائیں باہر نکل آئیں۔ پتا نہیں آگے کیا ہونے والا ہے۔ کالج کی سرخ اینٹوں سے بنی عمارت' مسجد کے سفید روشن مینار اور ملک صاحب کی حویلی' نہ جانے یہ مثلث سچ مچ مجھے گھیر رہی ہے یا میرا وہم ہے۔

سب کچھ ہو جائے' بس یہ محبت گہری نہ ہو' یہ مٹ جائے۔ ایسے کہ اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ میں اپنی بہن' اپنی ریشماں کے خواب کیسے چھین لوں۔ عبداللہ پر صرف ریشماں کا حق ہے۔''

☆======☆======☆

پورا کالج امتحانوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ ایگزام پرابلمز اور تھیوریز کے پرچوں نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ پھر تھیسز ڈسپلے کی مصروفیت اوراس کے بعد نئے تعلیمی سال کا آغاز۔

ماہ بانو کی کوشش تھی کہ وہ عبداللہ سے دور دور ہی رہے اور عبداللہ کا خیال تھا کہ وہ مصروف تھی۔

نئے سال کے آغاز سے عبداللہ نے دوبارہ کالج جوائن کیا تھا۔ اس کے پاس Sculpture میجر اور پینٹنگ Minor تھا۔ یہی کمبی نیشن ایڈی کا بھی تھا۔

ڈرائنگ کی کلاس کا ایک ہفتہ گزارنے کے بعد اگلے ایک مہینے تک ماہ بانو کے سیکشن کی بھی Sculpture کی کلاس شروع ہوگئی تھی۔ ایک ہی جگہ کام کرتے ہوئے یہ مشکل تھا کہ عبداللہ کو نظر انداز کیا جاتا۔

ماہ بانو کی کلاس کو سب سے پہلے کھوپڑی بنانے اور پھر اس پر چہرہ بنانے کی اسائنمنٹ ملی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ یہی کام کرنے میں مصروف تھی کہ عبداللہ اس کے پاس چلا آیا۔

''اس سے پوچھو بانو کہ اس نے جس لنچ کا وعدہ کیا تھا' وہ اس جنم میں مل جائے گا یا اس کے لیے اگلے جنم کا انتظار کرنا ہوگا؟'' اُما نے کہا۔

''بس لنچ کی آفر ختم۔ بانو نہیں جائے گی تو لنچ بھی نہیں ہوگا۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''بہت کنجوس مکھی چوس ہو اور بانو!'' وہ اس کی طرف مڑی۔ ''تم کیوں نہیں جاؤ گی؟''

''مجھے اجازت نہیں ہے۔'' اس نے کام کرتے ہوئے کہا۔

''اجازت میں لے دوں گا' تم چلنے کی بات کرو۔''

''تم لے دو گے؟'' اس نے سر اٹھایا۔ ''اور تمہارے جانے کے بعد اماں جی سارا حساب مجھ سے لیں گی۔ نہیں جی' بہت شکریہ آپ کا۔ آپ کی اس مہربانی سے مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔''

''اماں کی بات ہے ناں' وہ کچھ نہیں کہیں گی تمہیں۔''

''میری اماں کو تم زیادہ جانتے ہو یا میں؟''

''اچھا چھوڑو' یہ بتاؤ کہ میرے لان کا کیا بنے گا؟''

''بس اس جمعہ کو سب چیزیں تمہارے گھر پہنچ جائیں گی لیکن پلیز اپنے ان بدصورت کتوں کو باندھ کر رکھنا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''سنا اُما! یہ بہترین قسم کے ڈوبرمین کو بدصورت کتے کہہ رہی ہے۔'' وہ اُما سے مخاطب ہوا۔

اُما اور عبداللہ کھڑے باتیں کرتے رہے اور ماہ بانو کام کرنے میں مگن ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد ایڈی بھی ان کے پاس چلا آیا۔

URDU PHOTO

''اُما! تمہارے لاکر میں کچھ گنجائش ہے۔''

''ہاں' کچھ رکھوانا ہے کیا؟''

''ہوں' کچھ چیزیں ہیں' چابی دے دو۔ میں خود رکھ آتا ہوں۔'' ایڈی بولا۔

''چابی تو لے لو لیکن کیا یہ مجھے واپس مل جائے گی یا پھر لائبریری کارڈ کی طرح یہ بھی داغ مفارقت دے جائے گی۔''

''اردو اچھی ہوتی جارہی ہے تمہاری۔'' وہ اس کے ہاتھ سے چابی لیتے ہوئے بولا۔ ''اور لائبریری کارڈ پر اب فاتحہ پڑھ لو۔ ویسے بھی تمہیں اس کا کیا کرنا ہے۔ کتابیں ہوتی ہیں پڑھے لکھے لوگوں کے لیے۔''

''دیکھا ہے مسٹر عالم فاضل کو بانو!'' اُما بولی۔

''اب دیکھا نہیں جاتا' دور سے سونگھا جاتا ہے اسے۔''

''میں نے تو پہلے ہی اپنا ارادہ بتا دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ مہینہ' دن' تاریخ اور وقت نوٹ کر لو۔'' وہ جاتے ہوئے بولا۔

''ویسے Sculpture (مجسمہ سازی) کے سب اسٹوڈنٹس کو مل کر میڈم کے سامنے ایک قرارداد پیش کرنی چاہیے کہ اگر ایڈی یہاں رہے گا تو اسے اپنے خرچ پر سٹوڈیو میں ایک ایگزاسٹ لگوانا ہوگا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اُما! تمہیں بھوک نہیں لگ رہی؟'' نیہاں اس کے قریب چلی آئی۔

''اگر بانو کو لگ رہی ہے تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''ہاں مجھے تو بہت زور کی لگ رہی ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تو پھر چلو۔''

وہ تینوں کولڈ ڈرنک اور چپس کے پیکٹ لے کر باہر ہی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

''میں نے محسوس کیا ہے بانو کہ تم عبداللہ سے کچھ دور دور رہنے لگی ہو۔ شاید اس نے بھی محسوس کیا ہو۔'' اُما نے کہا۔

ماہ بانو نے ایک نظر اسے دیکھا' پھر بولی۔ ''وہم ہے تمہارا۔''

''تمہاری اس بات سے ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ میرا وہم نہیں ہے۔ اگر وہم ہوتا تو تم پہلے حیرت کا اظہار کرتیں' خوب زور شور سے 'نہیں تو' کہتیں' پھر مصروفیت یا ایسی ہی کسی اور وجہ کا ذکر کرتیں۔ اب یہ بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے؟''

''اُما! تم تو ایک منٹ میں سب کچھ ہی سمجھ جاتی ہو۔ وجہ کو جانے دو' بس یونہی۔''

''میری وجہ سے نہیں بتا رہی' میں اٹھ جاتی ہوں۔'' نیہاں نے کہا۔

''کمال کرتی ہو تم بھی۔'' اُما نے نیہاں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا' پھر ماہ بانو سے بولی۔

’’نہیاں کے سامنے کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہم دونوں کا تو سارے وقت کا ساتھ ہے۔ نہیاں بہت مختلف ہے‘ اسے بات اِدھر اُدھر کرنے کی عادت نہیں ہے۔‘‘

’’وہ تو مجھے بھی پتا ہے‘ میں اس لیے نہیں کہہ رہی تھی‘ اصل میں......‘‘ وہ قدرے توقف سے بولی۔ ’’میں خود بھی بھولنا چاہتی ہوں۔‘‘

وہ دونوں خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتی رہیں۔

’’میں اسے سب کچھ بتا دوں گی اُما۔ وہ سب کچھ جو ریشماں اس کے لیے محسوس کرتی ہے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔‘‘ ماہ بانو نے مضطرب ہو کر انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں۔

’’اوہ نو!‘‘ اُما ایک دم سب بات سمجھ گئی۔

’’کیا مصیبت ہے‘ ہر بات‘ ہر کام غلط ہو جاتا ہے۔‘‘ ماہ بانو نے کہا۔

’’میں نے محسوس کیا تھا کہ عبداللہ تم میں انٹرسٹ لے رہا ہے‘ لیکن کہا نہیں۔ یہ سوچ کر کہ تم ڈسٹرب ہو گی۔‘‘ اُما بولی۔

’’ڈسٹرب تو میں اب تک ہوں‘ پتا نہیں امتحانوں میں پاس کیسے ہو سکتی ہوں‘ نہ پڑھا جا رہا ہے‘ نہ کام کیا جا رہا تھا‘ بار بار ریشماں کا خیال آتا تھا۔ اُما! مجھے پتا ہے کہ یہ سب بہت غلط ہے‘ مجھے ایسے سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ میں نے کبھی ریشماں کو کزن نہیں سمجھا‘ ہمیشہ بہن سمجھا ہے‘ لیکن میں کیا کروں۔ بہت کوشش کرتی ہوں کہ یہ سب نہ سوچوں پھر بھی......‘‘ ماہ بانو نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

’’عبداللہ نے کچھ کہا ہے تم سے؟‘‘ نہیاں نے پوچھا۔

’’نہیں‘ لیکن اس کی آنکھیں بہت ایکسپریسو ہیں‘ جو بات نہیں کہتا‘ وہ بھی اس کی آنکھیں کہہ دیتی ہیں۔‘‘

’’تو پرابلم کیا ہے؟ کیا وہ تمہیں پسند نہیں ہے یا پھر تمہاری کزن ریشماں کا کوئی افیئر ہے اس کے ساتھ ہم؟‘‘ نہیاں نے پوچھا۔

’’بہت لمبی کہانی ہے۔ پرابلم یہ ہے کہ ریشماں اس کی منگیتر ہے۔‘‘

’’کیا؟ مجھے نہیں پتا تھا کہ عبداللہ انگیجڈ ہے۔‘‘ وہ بولی۔

’’تم یہ کسی سے مت کہنا۔ اس نے خود کسی کو نہیں بتایا تو ہم کیوں بتائیں۔‘‘ اُما نے کہا۔

’’افسوس کی بات یار! مجھے اتنا احمق سمجھا ہوا ہے تم نے۔‘‘ نہیاں چپس کترتے ہوئے بولی۔

’’ویسے وہ فلرٹ قسم کا بندہ لگتا نہیں ہے‘ لیکن اب وہ تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔ آخر منگنی اس کی مرضی سے کر کے تو نہیں ہوئی ہو گی ناں۔‘‘

’’بچپن کی منگنی ہے۔‘‘

’’پتا نہیں ماں باپ یہ حماقت کیوں کرتے ہیں؟‘‘ نہیاں نے تبصرہ کیا۔

’’یہ منگنی کرتے ہوئے ان کی نیت بری نہیں تھی‘ اپنی طرف سے انہوں نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا تھا۔‘‘ ماہ بانو نے ان کا دفاع کیا۔

‘‘The way to hell is often paved with the best of intentions’’

نیہاں بولی۔

’’یہ بتاؤ بانو کہ تم کس حد تک اس میں انٹرسٹڈ ہو؟‘‘ اُما نے کہا۔

’’میں...... میں اپنی بہن کا حق کیسے چھین سکتی ہوں۔‘‘

’’یہ الگ بحث ہے‘ میرا سوال دوسرا تھا‘ تم عبداللہ میں انٹرسٹڈ ہو یا نہیں؟‘‘ اُما نے کہا۔

’’اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے ناں کہ وہ میری بہن کا منگیتر ہے۔‘‘

’’اصل بات یہ ہے کہ وہ تمہاری بہن سے محبت نہیں کرتا اور اصل بات یہ ہے کہ ان دونوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ کوئی بھی اصل بات نہیں ہے‘ وہ جو بھی منگنی ہوئی تھی‘ اسے ماننے پر اب کون تیار ہے؟ زہرا نے کیا کہا تھا‘ بھول گئیں تم؟ اس نے بہت واضح انداز میں کہا تھا کہ عبداللہ کو یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔‘‘

’’وہ ریشماں سے محبت کرتا ہے یا نہیں‘ اس کی شادی ریشماں سے ہو سکتی ہے یا نہیں‘ اس سے یہ حقیقت تو نہیں بدل سکتی ناں کہ ریشماں اس سے محبت کرتی ہے۔‘‘ ماہ بانو جھلا اٹھی۔

’’لیکن اس ایک بات کو سامنے رکھتے ہوئے عبداللہ سے یہ حق تو نہیں چھینا جا سکتا ناں کہ وہ ریشماں کے علاوہ کسی سے محبت یا شادی نہیں کر سکتا۔ چھوٹا سا پوائنٹ ہے اور تم سمجھ نہیں رہیں آخر وہ کہیں تو شادی کرے گا ناں؟ کسی سے تو محبت کرے گا ناں؟‘‘ اُما نے کہا۔

’’تو کرتا پھرے وہ محبت اور شادی‘ لیکن ایسا وہ میرے ساتھ نہیں کر سکتا۔‘‘ ماہ بانو نے جھلا کر چپس کا پیکٹ میز پر پٹخا اور کرسی پیچھے کر کے کالج کی طرف مڑ گئی۔

’’بانو پلیز! کیا کر رہی ہو؟ میری بات تو سنو۔‘‘ اُما اس کے پیچھے لپکی۔

’’مجھے کچھ نہیں سننا۔‘‘

کلاس میں بھی وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔ اُما کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ایک دو مرتبہ بات کرنے کی کوشش بھی کی‘ لیکن ماہ بانو نے کوئی جواب نہیں دیا۔

چھٹی کے وقت ماہ بانو اپنا سامان سمیٹ کر اسٹوڈیو سے باہر نکلی تو اُما نے لپک کر اس کا راستہ روک لیا۔

’’آئی ایم سوری بانو‘ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔‘‘

’’ہٹو‘ مجھے دیر ہو رہی ہے۔‘‘ اس نے سائیڈ سے نکلنے کی کوشش کی۔

’’مجھے اندازہ ہے کہ تم بہت خفا ہو‘ لیکن کیا دوستی ہی چھوڑ دو گی‘ بات بھی نہیں سنو گی

میری۔"

"ایسی بات نہیں ہے اُما' تم سے ناراض ہوسکتی ہوں میں کبھی؟ دوستی چھوڑنا تو بہت بڑی بات ہے۔" اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"شکر ہے۔" اُما کو اطمینان ہوگیا۔

"اب میں جاؤں؟"

"نہیں۔" وہ بولی۔ "پہلے میری بات سنو' پھر بیشک چلی جانا۔"

"اس ایک موضوع کے علاوہ ہر موضوع پر بات کرلو۔"

"کیا مطلب؟ تم پریشان ہو اور میں اطمینان سے بیٹھی تمہیں دیکھتی رہوں' دوستی ایسی ہوتی ہے کیا؟"

"اُما! مجھے لگتا ہے میں پاگل ہوجاؤں گی۔ میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔" وہ بولی۔

"اور میں تمہیں اس پریشانی سے نکالنا چاہتی ہوں۔ اس وقت بھی جو کچھ میں نے کہا اس کا مطلب وہ نہیں تھا' جو تم نے سمجھا۔ میں نہیں چاہتی بانو کہ تم خواہ مخواہ کے کسی گلٹ میں مبتلا ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم ایک پریشان کن اور تکلیف دہ صورت حال سے دوچار ہو' لیکن فرار اختیار کر لینا کسی مسئلے کا حل نہیں ہوتا' نہ ہی تم خود کو موردِ الزام ٹھہرا کر اپنے یا ریشماں کے ساتھ کوئی بھلائی کررہی ہو۔"

"یہ فرار...... نہیں ہے اُما! میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ مجھے عبداللہ سے دور ہو جانا چاہیے۔ میں ریشماں کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی۔"

"ٹھیک ہے' اس سے دور ہو جاؤ' لیکن اس طرح نہیں' یوں چھپتے پھرنے' کنی کترانے یا کھنچے کھنچے رہنے سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔" وہ بولی۔

"پھر میں کیا کروں اُما! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ یوں لگتا ہے جیسے دماغ بالکل ماؤف ہوگیا ہو۔"

"وہ تم سے اظہار ضرور کرے گا' ہوسکتا ہے جلدی کردے' ہوسکتا ہے دیر سے کرے' لیکن اتنا مجھے یقین ہے کہ وہ تم سے اپنے سب محسوسات کہہ دے گا۔ اب دیکھو بانو! میری بات مائنڈ نہ کرنا' دو صورتیں ہیں۔"

"کون سی؟"

"مجھے اندازہ ہے کہ تم بھی اسے پسند کرتی ہو۔ ریشماں کی محبت یک طرفہ ہے' لیکن تمہاری اور عبداللہ کی نہیں۔ منطقی لحاظ سے دیکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ریشماں سے منگنی قریباً ٹوٹ ہی چکی ہے وہاں شادی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ عبداللہ' ریشماں کے لیے کوئی جذبات نہیں رکھتا۔ ان سب باتوں کو مدِنظر رکھا جائے تو تمہیں کوئی بھی موردِ الزام نہیں ٹھہرا

سکتا۔ تم اس سے محبت کرو یا شادی' اس سے ریشماں کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"پلیز اُما! یہ سب مت کہو۔ ریشماں تو جیتے جی مرجائے گی۔" ماہ بانو نے کہا۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ تم عبداللہ کو یہ باور کرا دو کہ تم اس سے محبت نہیں کرتیں بلکہ تمہاری کزن ریشماں اس کی منتظر ہے اور تمہاری اس سے دوستی کی وجہ' بھی صرف ریشماں تھی' لیکن یہ سب اسے جلد از جلد بتادو' اس کے اظہار سے پہلے۔"

"مگر میں اسے یہ سب کب بتاؤں...... کیسے بتاؤں؟ کالج میں نہ تو وقت ملتا ہے اور نہ ہی یہ اس بات کے لیے مناسب جگہ ہے۔"

"کیسے بتاؤں کا جواب تو یہ ہے کہ ویسے ہی بتادو جیسے مجھے بتادیا کرتی ہو اور کب بتاؤں کا جواب یہ ہے کہ وہ تمہارے گھر آئے یا تم اس کے گھر جاؤ تو موقع مناسب دیکھ کر بتادو۔ کالج تو واقعی اس قسم کی بات کرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔" اُما نے کہا۔

"میرے گھر میں تو ممکن نہیں ہے۔ وہاں اماں اور اباجی ہوتے ہیں۔ ایک دن تو اتفاق تھا کہ وہ دونوں ہی گھر پر نہیں تھے' لیکن ہر مرتبہ تو یہ ممکن نہیں ہے اور اس کے گھر میں جانا نہیں چاہتی۔"

"تم الگ سے مت جاؤ بے شک' اس نے سب دوستوں کو لنچ پر بلایا ہوا ہے' تب چلی جاؤ۔ اس بات سے وہ کسی غلط فہمی کا شکار بھی نہیں ہوگا اور تم موقع دیکھ کر بات بھی کرلینا۔"

"تو اُما! کیا وہ یہ سب سن کر ریشماں سے محبت کرنے لگے گا؟" ماہ بانو نے پُرامید لہجے میں پوچھا۔

"یہ تمہارا دردِ سر تو نہیں ہے۔ تم اسے سب کچھ بتا سکتی ہو' لیکن اسے کسی سے محبت کرنے پر مجبور تو نہیں کرسکتیں۔"

"شاید ریشماں کے متعلق سن کر وہ اس سے محبت کرنے لگے۔" ماہ بانو نے کہا۔

☆======☆======☆

ریشماں اپنے کمرے میں سوچوں میں گم بیٹھی ہوئی تھی کہ کریمن آگئی۔

"بی بی آپ کی نانی اماں آئی ہیں۔" اس نے آتے ہی اطلاع دی۔

"میری نانی اماں یا بڑی اماں؟" اس نے پوچھا۔

اپنی سگی نانی کو وہ نانی اماں اور یاسمین بیگم کی والدہ کو بڑی اماں کہتی تھی۔

"آپ کی اپنی نانی اماں آئی ہیں۔" کریمن نے اسے بتایا۔

"کہاں ہیں؟"

"بڑی بیگم سے مل کر یہیں آئیں گی۔"

ابھی کریمن کی بات منہ ہی میں تھی کہ نانی اماں اس کی خواب گاہ میں داخل ہوئیں۔ وہ اٹھ

کران سے لپٹ گئی۔

''جیتی رہو' خوش رہو۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

''بیٹھیں نانی اماں!'' اس نے انہیں صوفے پر بٹھایا۔

''کتنی کمزور ہوگئی ہے میری بچی' دیکھ تو کریمن کیسی پیلی ہو رہی ہے یہ؟'' انہوں نے کریمن کی طرف تصدیق طلب نظروں سے دیکھا۔

''آپ کو کیا بتاؤں جی' نہ کچھ کھاتی پیتی ہیں' نہ وقت پر سوتی ہیں۔ ہنسنا بولنا تو بالکل چھوڑ دیا ہے انہوں نے۔ ہر وقت سوچوں میں گم رہتی ہیں!'' کریمن نے جلدی جلدی بتایا۔

''بیٹا! جانے والے کے ساتھ جایا تو نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' انہوں نے آہ بھری۔

''تجھے کیا پتا کہ تیری ماں کتنی لاڈلی تھی ہم سب کی' وہ مری تو میرا دل چاہا کہ اس کے ساتھ ہی قبر میں جا سوؤں' لیکن ایسا کب ہوا ہے۔

اور پھر یہ بھی تو دیکھ کہ تیرے ایک بھائی کی جان اللہ تعالیٰ نے بچالی۔ وہ اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے' جو وہ دے دیتا ہے' اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔'' انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''نانی اماں' میرے تو آنسو بھی خشک ہو گئے ہیں' اب رونا بھی نہیں آتا مجھے۔''

''کتنا روئے گی؟'' انہوں نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔ ''دریا تو بہا دیے میری بچی نے۔''

''چھوڑیں' نانی اماں! آپ نے ہمیشہ مجھے بابا جان کی بیٹی سمجھا ہے' کبھی اپنی بیٹی کی بیٹی سمجھا ہوتا تو غیروں کی طرح چار چھ مہینے بعد ملنے نہ آتیں اور نانا جی ہیں تو وہ عید کے علاوہ کبھی مجھ سے ملنے نہیں آتے۔ آپ کو یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں آپ لوگوں کو کتنا یاد کرتی ہوں۔''

''نہیں بیٹا' ایسا نہیں ہے۔'' انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''تجھے کیا پتا کہ میں کتنا یاد کرتی ہوں تجھے' اتنا تو میں نے کبھی ماہ بانو کو بھی یاد نہیں کیا۔ کتنا تڑپتی ہوں تجھ سے ملنے کو۔ بس مجبوریاں راستہ روک لیتی ہیں۔ تجھے نہیں پتا ناں کہ بیٹیوں کے سسرال جاتے ہوئے کیا کیا سوچنا پڑتا ہے۔ میں اور تیرے نانا جی تجھے اور ماہ بانو کو یاد کیے بغیر تو کھانا بھی نہیں کھاتے۔

میری دو بیٹیاں تھیں۔ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں کیا کہ اس نے مجھے بیٹا نہیں دیا۔ سوچا کہ جس طرح میرا مولا خوش ہے' میں بھی اسی طرح خوش ہوں۔ دونوں بچیاں بیاہی گئیں اور ہم بڈھا بڈھی اکیلے رہ گئے' پھر بھی شکوہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ سے۔ مگر اب آخری عمر میں کبھی کبھی دل میں یہ خلش اٹھتی ہے' کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہیں دیا تو اس نعمت سے میری بیٹیوں کو ہی نواز دیتا۔''

URDU PHOTO

ریشماں نے کریمن کی طرف دیکھا۔ ''کریمن تم باہر جاؤ۔''

''جی اچھا بی بی!'' وہ باہر نکل گئی۔

''نانی اماں! میرے دل پر بہت بوجھ ہے' میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ غبار کچھ دیر اور میرے اندر رہا تو شاید میں پاگل ہو کر ان دیواروں سے سر ٹکرانے لگوں گی۔ نانی اماں! مجھے بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے' مجھے کہیں لے چلیں' یہاں سے بہت دور۔''

''ہوا کیا میری چندا! میں ہوں ناں تمہارے پاس' مجھ سے سب کچھ کہہ دو' دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔'' انہوں نے کہا۔

''نہیں' آپ سمجھ نہیں سکتیں' بہت گھٹن ہے یہاں' مجھے لے چلیں اپنے ساتھ۔'' اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

نانی اماں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ان شربتی آنکھوں میں بہت نیچے طوفان اٹھ رہے تھے۔

''گھٹن اس لیے ہے کہ تم نے سب کچھ اپنے دل میں بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ کسی سے کہہ دو گی تو سب گھٹن ختم ہو جائے گی۔''

''بانو آئی تھی نانی اماں' لیکن میں مل ہی نہیں سکی اس سے' وہ ہوتی تو سب کچھ اس سے کہہ دیتی۔ میں نے سوچا تھا کہ شاید وہ پھر آئے لیکن وہ آئی ہی نہیں۔''

''اس کے امتحان تھے ناں' کالج سے چھٹی بھی نہیں کر سکتی وہ۔ مجبوری نہ ہوتی تو ضرور آتی وہ۔'' انہوں نے سمجھایا۔

''اسے بلوا دیں خدا کے لیے۔'' اس نے منت کرنے والے انداز میں کہا۔

''ہاں بلوا دوں گی' آج جاتے ہی خط لکھ لوں گی لیکن اسے آتے ہوئے کچھ وقت لگے گا' تب تک تم سب کچھ مجھ سے کہہ دو۔ یہ سمجھ لو کہ میں بانو ہوں۔''

''کیسے کہوں؟'' اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

''مجھے نہ بتایا تو میں سمجھوں گی کہ تم مجھے غیر سمجھتی ہو۔'' انہوں نے ریشماں کی جذباتی کمزوری پر ہاتھ رکھا۔

''پلیز ایسا مت کہیں۔'' چند لمحے وہ خاموش رہی پھر کسی غیر مرئی نقطے پر نظریں جما کر بولی۔

''آپ کو پتا ہے بھائی کو میں نے قتل کیا ہے؟''

''کیا؟ باؤلی تو نہیں ہو گئی؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں نانی اماں' امداد بھائی کو میں نے قتل کیا ہے۔''

انہوں نے دکھ سے ریشماں کی طرف دیکھا۔ ''کتنا زیادہ صدمہ ہوا ہے میری بچی کو۔ دیکھو

ریشماں بیٹا' اس کی زندگی کی سانسیں اتنی ہی تھیں۔ تم نے اسے کچھ نہیں کیا' اس کی موت آئی ہوئی تھی جسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا۔'' انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''چھوڑیں نانی اماں' آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ بانو ہوتی تو سب سمجھ جاتی۔ وہ میری ہر بات سمجھ جاتی ہے۔ امداد بھائی کو میں نے گولیاں نہیں ماریں' لیکن وہ میری وجہ سے قتل ہوئے۔''

''ایسے نہیں کہتے بیٹا!''

''کیوں نہ کہوں؟ میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔'' اس نے ان کی بات کاٹی۔ ''میں نے بانو کو خط نہ لکھا ہوتا تو شاید وہ زندہ ہوتے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟ تم نے بانو کو کب خط لکھا؟'' نانی اماں کچھ نہ سمجھیں۔

''جب میں نے اماں اور باباجان کی باتیں سنی تھیں وہ......!'' اس نے چند لمحے رک کر آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''وہاں باباجان کہہ رہے تھے کہ وہ زہرا کو اغوا کرلیں گے۔ وہ مارنا چاہتے تھے' قتل کرنا چاہتے تھے زہرا کو' میں نے یہ سب کچھ بانو کو لکھ دیا۔''

''پھر؟ بانو کیا کرسکتی تھی؟'' وہ اب تک کچھ نہیں سمجھی تھیں۔

''میں نے کہا تھا بانو سے کہ وہ انہیں سب کچھ بتادے۔'' وہ بولی۔

''کسے بتادے سب کچھ؟''

''انہیں۔'' اس نے ہونٹ کاٹے۔ ''حیدر بابا کے بیٹے کو' وہ وہیں کالج میں پڑھتے ہیں بانو کے ساتھ۔''

''کیا؟'' نانی اماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''میں کیا کرتی نانی اماں۔ ایک طرف بھائی تھے اور دوسری طرف......!'' اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو ریشماں بیٹا کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ مجھے لگتا ہے کہ صدمے سے تمہارا دماغ اُلٹ گیا ہے۔'' وہ اس کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھیں۔

''میں جھوٹ نہیں کہہ رہی نانی اماں' ان کی حویلی بچاتے ہوئے میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی حویلی میں آگ لگا دی۔ مجھے نہیں پتا نانی اماں کہ میں کس سے زیادہ محبت کرتی ہوں۔ میں چکی کے دونوں پاٹوں میں پس رہی ہوں نانی اماں۔ نہ بھائیوں کو کھونا چاہتی ہوں نہ انہیں۔

بھائیوں نے امداد بھائی کی میت پر کھڑے ہوکر ان کے زخموں سے رستے خون اور میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو گواہ بنا کر قسم کھائی تھی کہ وہ انہیں جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ انہیں ویسے ہی قتل کریں گے' وہیں قتل کریں گے جیسے اور جہاں امداد بھائی کو قتل کیا گیا تھا۔

نانی اماں میں کسی کو کھو نہیں سکتی۔ نہ بھائیوں کو نہ عبداللہ کو' میں سب سے محبت کرتی ہوں

URDU PHOTO

میں کیا کروں؟'' وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر رو پڑی۔

نانی اماں چند لمحے بے یقینی کے سے عالم میں اسے دیکھتی رہیں' پھر اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

اس عرصے میں پیر صاحب نے ہر ایسے شخص کو سخت سزا دی تھی' جس پر انہیں مخبری کا شک بھی گزرا تھا' لیکن پھر بھی انہیں یہ علم نہیں ہوسکا تھا کہ یہ سیندھ کہاں سے لگائی گئی تھی۔

''ریشماں' یہ بات کسی سے مت کہنا۔ ان دیواروں سے بھی نہیں۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولیں۔

ریشماں بدستور رو رہی تھی۔

''بھول جا اسے جو ہوچکا ہے' خواب میں بھی یہ سب یاد نہ کرنا' جیسے تُو اپنے بھائیوں اور عبداللہ کو نہیں کھونا چاہتی' ویسے ہی زرینہ کے بعد میں تجھے نہیں کھونا چاہتی۔ ریشماں سن رہی ہے ناں میری بات؟ مجھ سے کہہ دے جو کہنا ہے لیکن اور کسی سے مت کہنا۔''

تھوڑی دیر بعد جب وہ وہاں سے اٹھیں تو ان کا دل بھی بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ یاسمین بیگم کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ سیدھی ہو بیٹھیں۔

''آیئے ملانی جی' مل آئیں ریشماں سے؟''

''جی مل آئی۔''

''ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتایئے؟'' یاسمین بیگم نے کہا۔

''مجھے گناہ گار مت کریں' جو عزت آپ دیتی ہیں ہم اس کے قابل کہاں؟'' نانی اماں بولیں۔

''آپ ہماری ریشماں کی نانی ہیں اور ہمارے لیے بہت قابلِ عزت ہیں۔''

''آپ کی مہربانی ہے۔'' پھر قدرے توقف کے بعد بولیں۔ ''میں پیر صاحب سے مل سکتی ہوں؟''

''میں پتا کرواتی ہوں کہ وہ کہاں ہیں' یہاں ہوئے تو آپ سے ملنے ضرور آئیں گے۔'' یاسمین بیگم نے کہا اور ایک ملازمہ کو پیر صاحب کی تلاش میں بھجوا دیا۔

پانچ منٹ میں ہی پیر صاحب اپنی خواب گاہ میں ان کے روبرو تھے۔

''جی فرمایئے!'' ان کے الفاظ میں انکساری تھی' لیکن لہجے میں معمول کے مطابق حکم تھا۔

''ایک درخواست تھی اگر آپ قبول کرلیں تو آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔'' نانی اماں نے کہا۔

''کہیے' ہمارے بس میں جو کچھ ہوا ہم کریں گے۔''

''میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا پیر صاحب آج اس امید سے آپ کے پاس آئی

ہوں کہ خالی ہاتھ نہیں لوٹوں گی۔'' انہوں نے ملتجی انداز میں کہا۔

''زرینہ میری بہت پیاری بیٹی تھی' اسے بھول تو کبھی نہیں سکتی' لیکن آج وہ اس طرح یاد آ رہی ہے کہ دل غم سے پھٹتا ہوا لگ رہا ہے۔

جی چاہتا ہے پیر صاحب کہ ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ ریشماں کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں' اسے وہاں چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' ہنستے بولتے دیکھوں' اس کے بالوں میں تیل لگاؤں۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر اتنی باتیں کروں کہ برسوں کی تشنگی مٹ جائے۔ یوں لگے جیسے میری زرینہ زندہ ہوگئی ہو۔ صرف ایک مرتبہ پیر صاحب!'' آنسو ان کے جھریوں بھرے چہرے کو بھگونے لگے۔

پیر صاحب نے ان کی بات سنی اور ملائمت سے بولے۔ ''ہم آپ کے جذبات سمجھتے ہیں' لیکن جو آپ چاہتی ہیں' وہ ممکن نہیں ہے۔ آپ یہاں جب بھی آنا چاہیں' آئیں۔ ریشماں سے جب ملنا چاہیں' ہمیں آپ کے آنے سے خوشی ہوگی' لیکن ہماری بیٹی اس گھر میں نہیں جاسکتی۔ اس کے علاوہ ہم آپ کے لیے کچھ اور کرسکیں تو ضرور بتائیں۔''

نانی اماں نے دھندلی آنکھوں سے انہیں دیکھا پھر اوڑھنی کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆======☆======☆

ماہ بانو نے جمعہ کو عبداللہ کے گھر لنچ پر جانے کی اجازت لے لی تھی۔ اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ موقع ملتے ہی عبداللہ کے سامنے ریشماں کا ذکر چھیڑ دے گی۔

عبداللہ نے سب کو اپنے گھر پر ہی انوائیٹ کیا تھا۔ کل افراد ہی کتنے تھے۔ اس کے تین کلاس فیلوز جن میں ایڈی' جیمز اور ظہیر شامل تھے اور ان کے علاوہ ماہ بانو' اُما اور نیہاں تھیں۔ نیہاں کو ان دونوں نے اس لنچ میں شامل کروایا تھا۔

''لنچ پر جیمز آرہا ہے' اس لیے نیہاں کو بھی ضرور جانا چاہیے۔'' اُما نے کہا تھا۔

''لیکن نیہاں سے عبداللہ کی اتنی زیادہ دوستی نہیں ہے اور پھر یہ بھی تو ہے کہ لنچ وہ دے رہا ہے جسے انوائیٹ کرنا چاہے' یہ اس کی مرضی ہے۔'' ماہ بانو نے اعتراض کیا تھا۔

''یہ تم مجھ پر چھوڑ دو' بس دعا کرو کہ جیمز بھی نیہاں کو چاہنے لگے۔ نیہاں بہت اچھی ہے' اس کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔''

اور اُما' عبداللہ کے پاس پہنچ گئی۔

''اگر میں تمہارے گھر لنچ پر چلی آئی تو میری روم میٹ اکیلی رہ جائے گی' اس لیے شاید میں نہ آسکوں۔''

''کیا مطلب؟ تمہیں ضرور آنا ہے ہر حالت میں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مشکل ہوجائے گی ناں' میری روم میٹ کا کیا بنے گا؟''

''مشکل کیا ہے' اسے بھی ساتھ لے آؤ۔ ہے کون تمہاری روم میٹ۔'' عبداللہ نے پوچھا۔

''نیہاں ہے۔''

''تو اسے لے آؤ' مسئلہ کیا ہے؟''

''لنچ تم دے رہے ہو' اس لیے انویٹیشن بھی تو تم ہی دو۔'' اُما نے فوراً کہا۔

اور جب عبداللہ نے نیہاں کو انوائیٹ کرلیا تھا تو اُما' ماہ بانو کے پاس آکر بہت ہنسی تھی۔

''دیکھی میری ترکیب۔''

جب کہ نیہاں حیران تھی۔

''پتا نہیں' عبداللہ نے مجھے کیوں انوائیٹ کیا ہے میری تو اس سے کوئی خاص فرینڈشپ بھی نہیں ہے۔''

''تمہیں کیا؟ یہ شکر نہیں ہے کہ ایک دن کے لیے ہی سہی ہوسٹل کے کھانے سے نجات ملے گی۔'' اُما نے بات ہنسی میں اڑا دی۔

''اس نے ہمیں انوائیٹ کیا ہے تو یہ سوچا ہوگا کہ تم ہماری دوست ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''زیادہ سوچو مت' ایک تو اتنے مزیدار کھانے ہوں گے اور پھر وہاں جیمز بھی ہوگا۔'' اُما نے اسے وہاں جانے کے فوائد گنوا دیے۔

نیہاں ہنس پڑی۔ ''وہ آرٹ اور ورلڈ پالیٹکس پر بولتا رہے گا اور اس وقت ان موضوعات میں میری دلچسپی صفر ہوگی' پھر بھی میں پورے ذوق شوق سے یوں اس کی باتیں سنتی رہوں گی جیسے اس سے زیادہ دلچسپ باتیں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتیں۔''

وہ تینوں ایک ساتھ ہنس پڑیں۔

عبداللہ نے خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد وہ سب مل کر بیٹھے تو مشترکہ موضوعات پر گفتگو کرنے کے باوجود تقریباً سبھی اپنے سے متعلق معاملات پر سوچ رہے تھے۔ ماہ بانو ایسے موقع کی تلاش میں تھی جب عبداللہ سے ریشماں کا ذکر چھیڑ سکے۔ یوں تو عبداللہ کو دیکھ کر' اس سے مل کر باتیں کر کے اس کے ارادوں میں دراڑیں پڑنے لگتی تھیں' لیکن اس وقت وہ آنکھیں بند کر کے سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی' اسے یقین تھا کہ ایک مرتبہ عبداللہ کو ریشماں کے بارے میں بتانے کے بعد وہ یقیناً اس سے دور ہونے میں کامیاب ہوجائے گی۔

اور عبداللہ' ماہ بانو کی آنکھوں میں کسی مسئلے سے الجھنے کے واضح آثار دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ وہ کس سوچ میں غرق تھی' کون سا مسئلہ اسے تنگ کر رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ وہ مسئلہ عبداللہ کی ذات سے متعلق تھا۔

ایڈی تھا' جس نے سچ مچ اعلانِ لاہور کے بعد سے جوگ ہی لے لیا تھا۔ یہ الگ بات ہے

کہ اس کے جوگ میں صرف پرانے کپڑے اور پھٹے ہوئے جوگرز استعمال کرنا ہی شامل تھا۔ ہاں اس نے شیو بنانا بھی چھوڑ دی تھی اور اس دن کے بعد سے اب تک کسی حجام کی دکان کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے علاوہ وہ ہر طرح سے پرانا والا ایڈی تھا۔ کام کے وقت بے حد سنجیدہ اور فراغت میں اتنا ہی لاابالی۔ اس وقت اس کی سوچوں کا محور اُما ہی تھی جو سادہ سی شلوار قمیص میں لمبے بال کھولے ہوئے دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

اور اُما تھی‘ جو ایڈی کی نظریں پڑھ رہی تھی‘ اور اس کے باوجود کچھ جاننا‘ کچھ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔

نیہاں تھی جو جیمز کی ہر بات بڑے غور سے سنتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس کی زندگی میں کون سی لڑکی آئے گی۔

اور جیمز تھا جس کا خیال تھا کہ کیا نیہاں جیسی بے نیاز لڑکی کبھی اس کی طرف متوجہ ہوگی یا اسے اس کی کلاس کا کوئی فرد‘ کوئی بیوروکریٹ‘ یا کوئی بزنس مین اپنے سنگ‘ اپنے محل میں لے جائے گا۔

اور ان سب سے الگ ظہیر تھا جو خود کو سب سے بڑا احمق سمجھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ان سب کے درمیان ہونے والی اتنی دلچسپ باتوں کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہو رہی تھیں جو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اور یہ سب باتیں بغیر ایک لفظ ادا کیے پورے ڈرائینگ روم میں پھیلی ہوئی تھیں۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ایڈی نے میز بجا کر گانا شروع کر دیا۔

”پلیز ایڈی! اتنی بھونڈی آواز میں گانا مت گاؤ میرے سر میں پہلے ہی درد ہے۔“ نیہاں نے کہا۔

”میں بھونڈی آواز میں گانا گا رہا ہوں؟ اُما تم فیصلہ کرو‘ کیا میری آواز بھونڈی ہے؟“ ایڈی فوراً اُما کو درمیان میں لے آیا۔

”اتنی زیادہ نہیں‘ بس باغ میں بیٹھے کوے شکست مان کر اُڑ گئے ہیں۔“ وہ بولی۔

”مجھے لگتا ہے اُما کہ عبداللہ تنگ آ کر ہمیں گھر سے نکالنا چاہتا ہے اور اسی لیے اس نے ایڈی کی خدمات لی ہیں۔“ ماہ بانو نے کہا۔

”حد ہو گئی بھئی‘ میں تو سمجھتا تھا کہ میں لڑکیوں میں خاصا پاپولر ہوں۔“ ایڈی نے افسوس سے سر ہلایا۔

”لڑکیاں الگ محاذ بنا رہی ہیں ایڈی۔“ ظہیر نے اسے خبردار کیا۔

”دیکھتا ہوں تم میں سے کون گا سکتا ہے‘ مجھ سے اچھا گانا کسی نے گا لیا تو سو روپے دوں گا اور نہ گایا تو تین سو روپے وصول کروں گا۔“

”ہم تینوں تو میدانِ جنگ میں کودنے کی کیا ضرورت ہے‘ ہماری طرف سے اُما ہی کافی

ہے۔“ نیہاں نے کہا۔

”اُما سے تو یوں بھی بہت سے بدلے لینے ہیں۔“ ایڈی بولا۔

”مجھے تمہارے سو روپوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے رکھو اپنے پاس۔“ اُما بے نیازی سے بولی۔

”میرے گانے سے تو کوے اُڑے ہیں‘ یہ گانے لگی..... تو مینڈک ہار مان لیں گے۔“

”تو پھر تم دونوں مل کر گا لو‘ میرا گھر بغیر تردد کے صاف ستھرا ہو جائے گا۔“ عبداللہ ہنسا۔

”بھئی کوئی اور ہے جو ٹڈیوں اور کاکروچوں کو بھگا سکے۔“

”ایڈی کے کہنے سے نہیں تو ہمارے کہنے سے گاؤ۔“ جیمز نے کہا۔

”ہاں پلیز اُما!“ نیہاں نے کہا تو یہ تھا‘ لیکن اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ اب تو گا لو اب تو جیمز نے فرمائش کی ہے۔

اس کے تاثرات دیکھ کر اُما کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

”ٹھیک ہے میں ہمز اور نیہاں کے کہنے پر سنا رہی ہوں۔“ اس نے کہا اور گانا شروع کیا۔

رادھا نے مالا جپی شام کی
میں نے اوڑھی چنریا تیرے نام کی
تیرے نام کی ہاں پیا تیرے نام کی
کیا ترنگ ہے‘ کیا امنگ ہے
مورے انگ انگ لاگی کا رنگ ہے
شرم آئے کیسے کہوں بات شام کی
رادھا نے مالا جپی شام کی
پالیا تجھے‘ پائی ہر خوشی!!
چاہوں بار بار چڑھوں تیری پالکی
صبح شام کی یہ پیاس بڑے کام کی
رادھا نے مالا جپی شام کی

سب مبہوت ہو کر سن رہے تھے۔ اس کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔ جب گانا ختم ہوا تو سب نے تالیاں بجا کر اسے داد دی۔

”اس گانے پر تو میں سو کیا ہزار کی شرط ہارنے پر بھی تیار ہوں۔“ ایڈی نے کہا۔

”تو نکالو ہزار روپے۔“ نیہاں نے فوراً کہا۔

”ہم فقیروں کے پاس اتنے روپے کہاں‘ یہ پیروں سے لے لو۔“ ایڈی نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا۔

سب ہنس پڑے۔

’’ویسے اُما ذرا روشنی ڈالو‘ یہ رادھا کیسی تھی؟‘‘ ایڈی نے کہا۔

’’رادھا!‘‘ وہ جیسے کھوسی گئی۔ ’’بے حد حسین اور اس سے بھی زیادہ باوفا۔‘‘

’’یعنی ہر حسین اور باوفا عورت کو رادھے کہا جا سکتا ہے۔‘‘ ایڈی بولا۔

’’رادھے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟‘‘ نیہاں نے دریافت کیا۔

’’رادھا جیسی......‘‘ اُما بولی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’تم لوگ باتیں کرو‘ میں دیکھوں کہ عبداللہ کا باغ کیسا ہے؟‘‘

وہ پھر سے باتوں میں مصروف ہو گئے اور اُما باہر نکل آئی۔ موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ دھوپ تھی لیکن اس کی شدت نہیں تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی‘ جس سے موسم خوشگوار ہو رہا تھا۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں ٹکائے وہ سامنے لان کی طرف دیکھ رہی تھی‘ جہاں پھول اور ہوا آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ اس کا ذہن ایڈی کی طرف ہی تھا۔ اس طرح بیٹھے پتا نہیں کتنی دیر گزر چکی تھی کہ پیچھے سے ایڈی کی آواز آئی۔

’’دیوی جی!‘‘

وہ چونک گئی‘ لیکن یہ بات ایڈی پر ظاہر نہیں کی‘ سنی ان سنی کر کے ویسے ہی بیٹھی رہی۔

’’دیوی جی!‘‘ اس نے پھر پکارا۔

وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔ اُما نے اس مرتبہ بھی اسے نظر انداز کر دیا۔

’’رادھے!‘‘

اُما کو جیسے کرنٹ لگا۔ وہ ایک دم پیچھے مڑی۔

’’ایڈی! پھر مجھے کبھی رادھے مت کہنا۔‘‘

وہ اس کے برابر آ بیٹھا۔ ’’کیوں؟‘‘

’’کیونکہ میں رادھے نہیں بننا چاہتی۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ جانتے ہو رادھا کے ساتھ کیا ہوا تھا؟‘‘

ایڈی اس کے چہرے پر ابھرنے والے اضطراب کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رادھا کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ کرشن چندر نے لکھا تھا۔

’’کرشن جی نے برندابن کی گوپیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک بار پھر برندابن آئیں گے اور ہر گوپی کے گھر کا دروازہ تین مرتبہ کھٹکھٹائیں گے‘ جس گھر میں روشنی ہوگی اور جو گوپی دروازہ کھٹکھٹانے پر ان کا خیر مقدم کرے گی وہ اس کے عشق کو سچا جانیں گے۔ اس بات کو کئی برس بیت

گئے۔

ایک اندھیاری طوفانی رات میں جب بجلی کڑک رہی تھی اور بارش موسلا دھار برس رہی تھی۔ کسی نے برندابن کے دروازے کھٹکھٹانے شروع کیے۔ سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا اجنبی ہر ایک مکان پر تین بار دستک دیتا اور پھر آگے بڑھ جاتا۔

لیکن سب مکانوں میں اندھیرا تھا۔ سب لوگ سوئے پڑے تھے‘ کسی نے اٹھ کر دروازہ نہ کھولا۔

اجنبی ناامید ہو کر واپس جانے والا تھا کہ اس نے دیکھا کہ دور ایک جھونپڑے میں مٹی کا دیا جھلملا رہا ہے وہ اس جھونپڑے کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھا‘ لیکن اسے دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ دروازہ کھلا تھا۔ جھونپڑے کے اندر دیئے کی روشنی کے سامنے رادھا بیٹھی تھی‘ اپنے محبوب کے انتظار میں رادھا کے سر کے بال سپید ہو چکے تھے‘ چہرے پر لاتعداد جھریاں۔

کرشن جی نے گلوگیر آواز میں کہا۔ ’’رادھا! میں آ گیا ہوں‘‘

لیکن رادھا خاموش بیٹھی رہی۔ دیئے کی لو کی طرف تکتی ہوئی۔

’’رادھا! میں آ گیا ہوں۔‘‘ کرشن جی نے چلا کر کہا

لیکن رادھا نے کچھ نہ دیکھا نہ سنا۔ اپنے محبوب کی راہ تکتے تکتے اس کی آنکھیں اندھی ہو چکی تھیں اور کان بہرے۔

زندگی سے پرے‘ موت سے پرے‘ انصاف سے پرے۔‘‘

’’اُما! تمہیں اتنا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔‘‘ ایڈی نے کہا۔

اُما نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر اٹھ کر اندر چلی گئی۔

پوری کوشش کے باوجود ماہ بانو کو عبداللہ سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

☆======☆======☆

زینی اور سبط حسن کے فائنل ایگزام ختم ہو چکے تھے اور پڑھائی کی طرف سے بالکل فراغت تھی۔ تقریباً سارا دن ہی ان کا اکٹھے گزرتا تھا۔

’’تم گاؤں کب جاؤ گے؟‘‘ زینی نے سبط حسن سے پوچھا۔

’’جب تم جاؤ گی۔‘‘

’’بابا جان نے بتایا ہی نہیں کہ وہ کب لینے آئیں گے مجھے اور لینے بھی آئیں گے یا نہیں‘ کیا پتا مجھے یہیں رہنا پڑے۔‘‘

’’عبداللہ بھائی سے کوئی بات ہوئی؟‘‘

’’نہیں‘ وہ بھی کالج میں مصروف ہو گئے ہیں‘ انہیں بھی نہیں پتا۔ کہہ رہے تھے کہ بابا جان کو

فون کریں گے۔'' وہ بولی۔

''چھوڑو ان باتوں کو' بھوک لگ رہی ہے' کچھ کھانا چاہیے۔'' سبط نے کہا۔

''ہاں' چلو انڈوں کا حلوہ بناتے ہیں۔'' زینی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''انڈوں کا بھی ستیاناس ہوگا اور بھوک بھی ویسی ہی رہے گی۔ تمہیں انڈوں کا حلوہ بنانا کب آتا ہے۔''

''سیکھنے سے آئے گا ناں۔ تم بھی میری مدد کرو گے' چلو اٹھو۔'' وہ بولی۔

دونوں کچن میں چلے آئے۔

''آج اس اصول پر حلوہ بنے گا کہ "Try, try and try again and spoil as many eggs as you oan"

سبط حسن نے اونچے والیوم میں ڈیک لگا دیا۔ گھر میں بون ژوئی کی آواز پھیل گئی۔

Cause you were born to be my baby and baby i was made to be young man.

گیٹ سے حیدر علی شاہ کی گاڑی اندر داخل ہوئی۔ گاڑی سے اترتے ہی انہیں احساس ہوا کہ گھر میں خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ گانوں کی آواز باہر تک آرہی تھی۔ بیل دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔ تھوڑا سا آگے بڑھے' کچن سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہیں دروازے سے کچھ پرے رہتے ہوئے اندر کا منظر با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔

زینی اور سبط حسن کچھ پکانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ گانے اونچی اونچی آواز میں لگے ہوئے تھے۔ زینی انڈا توڑ کر فرائی پین میں ڈالنے لگی تھی کہ سبط چلایا۔

''پیچھے ہٹو' دشمن کا اٹیک آگیا۔''

گھبرا کر زینی کے ہاتھ سے انڈا فرش پر گر گیا۔

''کون سے دشمن کا اٹیک؟'' اس نے حیرت سے اس سے پوچھا۔

''بھئی گھی چھینٹے اُڑا رہا تھا۔'' سبط حسن نے کہا۔

زینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''اور یہ جو فرش پر نقش و نگار بنے ہیں' اب انہیں صاف کون کرے گا؟''

''تم سے بنے ہیں لہٰذا تم ہی صاف کرو گی' میں کیوں کروں؟'' وہ صاف مکر گیا۔

''تمہاری غلطی سے انڈا گرا ہے۔'' وہ زور دے کر بولی۔

''میری غلطی سے نہیں' تمہاری حماقت سے گرا ہے۔'' وہ اس سے بھی زیادہ زور سے بولا۔

''تو پتا ہے کیا سبط؟''

''کیا؟''

URDU PHOTO

''ہم دونوں ہی صاف نہیں کریں گے' یہ سلیمہ صاف کرے گی۔''

وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

اسی وقت سبط حسن کی نگاہ دروازے سے کچھ دور کھڑے حیدر علی شاہ پر پڑی۔ اس کی ہنسی وہیں رک گئی۔ واضح طور پر انہیں دونوں کی بے تکلفی اچھی نہیں لگی تھی۔

''تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا؟'' زینی نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

''بابا جان!'' ایک لمحے کو وہ جھجکی پھر دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''آپ نے آنے کا بتایا ہی نہیں۔''

سبط حسن بھی ان کے قریب آگیا۔

''جیتے رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ لیکن ان کے انداز میں سرد مہری تھی۔

''بابا جان' یہ سبط حسن ہے۔'' زینی نے جھجک کر بتایا۔

ان کے تاثرات اس نے بھی بھانپ لیے تھے۔

''میں جانتا ہوں۔'' وہ بولے۔

''اور اب بیٹا' آپ جلدی سے تیار ہو جائیں' ہمیں آج ہی گاؤں جانا ہے۔''

دونوں نے کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''جی بابا جان!'' وہ اندر کی طرف مڑ گئی۔

''آپ کے پرچے کیسے ہوئے؟'' حیدر بابا نے سبط سے پوچھا۔

''اچھے ہو گئے۔'' پھر قدرے توقف سے بولا۔ ''میں چلتا ہوں اب۔''

''ٹھیک ہے۔''

وہ انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

☆=====☆=====☆

''تم نے عبداللہ سے ذرا سا ذکر بھی نہیں کیا؟'' اُما نے ماہ بانو سے پوچھا۔

''موقع ہی نہیں ملا۔ اتنے لوگوں کے درمیان کیسے کہہ دیتی۔ وہاں جیمز اور ظہیر بھی تھے۔ اسے یقیناً ان کے سامنے ریشماں کا ذکر اچھا نہ لگتا۔''

''پھر؟'' اُما نے کہا۔

''اس نے لنچ پر بلایا ہے۔ ذنہار میں۔ وہ چاہتا ہے کہ میں جائزہ لے لوں وہاں کا اور وہیں کوئی سرامکس کی ایگزیبیشن کرواؤں۔''

''تم جا رہی ہو پھر؟''

''جانا ہی پڑے گا۔ ایک تو اس لیے کہ میں واقعی دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہاں ایگزیبیشن کس حد تک کامیاب رہے گی۔ آج کل وہاں کپڑوں کی نمائش لگی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہاں

صرف میں اور عبداللہ ہوں گے' اس لیے ریشماں کے متعلق بات کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے' لیکن اپنا ذہن پہلے ہی بنا کر جانا کہ کیا کہو گی اس سے۔''

''یہ تو ہے۔'' ماہ بانو بولی۔ ''ویسے اس نے کہا تو پہلے بھی تھا کہ وہ الگ سے مجھے لنچ دے گا' لیکن بہت غور کرنے کے بعد میں نے سوچا تھا کہ اس نے بلایا تب بھی میں نہیں جاؤں گی' پر اب تو جانا ہی ہوگا۔''

ڈنہار میں داخل ہو کر ماہ بانو نے عبداللہ کی تلاش میں نظریں ادھر اُدھر دوڑائیں۔ میرون چنری کے کرتا شلوار پر بڑا سا گوٹے کا کام کا دوپٹا اوڑھے وہ بہت کھلی کھلی لگ رہی تھی۔

''یہاں!''

اپنے کان کے قریب عبداللہ کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔

''تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔''

''آؤ۔''

وہ دونوں ایک میز پر آبیٹھے۔ بیرے کو آرڈر دے کر وہ اس سے متوجہ ہوئی۔

''مجھے تمہیں ایک بہت مزے دار بات بتانی تھی۔''

''اور مجھے تم سے ایک بہت دلچسپ بات کہنی تھی۔'' وہ بولا۔

''دلچسپ بات...... کیا بات ہے؟''

''تم مزے دار بات بتا دو پھر میں اپنی دلچسپ بات بتا دوں گا۔'' اس نے کہا۔

''میری بات تو بہت لمبی ہے۔''

''اور میری بہت مختصر ہے۔''

''تو پھر پہلے تم دلچسپ بات بتا دو۔'' ماہ بانو نے ماتھے پر آئے بال پیچھے کیے۔

''جو میں کہنے لگا ہوں وہ بات دن میں ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں' بہت عام سی بات ہے' لیکن ہر کہنے والے کے لیے یہ نئی اور خوبصورت ہوتی ہے۔''

ماہ بانو کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ وہ عبداللہ کو روکنا چاہتی تھی لیکن الفاظ کہیں گم ہو گئے تھے۔

''بانو! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

☆=====☆=====☆

چند لمحے تو ماہ بانو بالکل گنگ سی اسے تکتی رہ گئی۔

''تمہیں معلوم ہے عبداللہ تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''ہاں مجھے معلوم ہے میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کہی ہے اور کہنے کا مرحلہ تو بہت بعد میں آیا ہے میں نے اچھی طرح اپنے محسوسات کو پڑھا ہے۔ پھر تم سے کہا ہے۔''

''پھر یقیناً تمہیں یہ علم نہیں ہوگا کہ ریشماں میری بہن ہے۔''

''میں اتنا بے خبر نہیں ہوں جتنا تم مجھے سمجھتی ہو۔'' وہ بولا۔

''یہ تم کہہ رہے ہو عبداللہ' تم نے کیسے سوچ لیا کہ میں اپنی بہن سے اس کی خوشیاں چھین سکتی ہوں۔ اسے دکھ دے سکتی ہوں۔''

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ریشماں کے لیے میں نے کبھی کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ یہ میری زندگی ہے جس کے فیصلے میری مرضی کے بغیر کرنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں ہے۔ ایک تو بچپن کی منگنی اور پھر ایسی منگنی جس کی اب کوئی اہمیت ہی نہیں رہی۔ اگر میں اس سے محبت کرتا تو آگ کے سمندر میں کود کر بھی اسے نکال لاتا لیکن اب میں یہ حماقت کیوں کروں؟''

''پلیز عبداللہ! تم اس کے لیے سوچو تو۔ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے۔'' ماہ بانو کا انداز منت کرنے والا تھا۔

''محبت تو تم بھی کرتی ہو۔ کیا جھوٹ کہہ رہا ہوں میں؟'' اس نے ماہ بانو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

ماہ بانو نے نظریں چرالیں۔ ''میں یہ کیسے بھول جاؤں کہ ریشماں میری بہن ہے اور وہ تم سے محبت کرتی ہے۔''

''اصل مسئلہ یہ ہوا ناں۔ تم ریشماں کی وجہ سے پیچھے ہٹنا چاہتی ہو۔''

''کیونکہ وہ میری بہن ہے۔''

''اس وقت سے بہن بہن کہہ رہی ہو اسے۔ وہ تمہاری بہن نہیں سرف کزن ہے۔ ہم دونوں سے اس کا ایک جیسا قریبی رشتہ ہے۔ اگر تمہاری خالہ کی بیٹی ہے تو میرے بھی تایا کی بیٹی ہے۔ نہ وہ میری بہن ہے اور نہ تمہاری۔'' عبداللہ نے کہا۔

وہ مضطرب تھی۔ انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے سوچ میں گم بیٹھی تھی۔

''میں تمہیں ایک بہت پرانی بات بتانا چاہتی ہوں۔'' بالآخر اس نے کہا۔

عبداللہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ جہاں ماضی کی کچھ ایسی پرچھائیاں تیر رہی تھیں جنہیں نہ سننا ہی اس کے حق میں بہتر تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ''میں کوئی پرانی بات نہیں سننا چاہتا۔ ماضی میں اگر کچھ ہوا تھا تو آج یقیناً اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈالی جا سکتی اور نہ ہی میں کسی اور کی غلطیوں یا گناہوں کے کفارے کے طور پر اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کو بھینٹ چڑھا سکتا ہوں۔ مجھے یہ زندگی ایک ہی مرتبہ ملی ہے اور میں اس ایک زندگی میں دوسروں کا اتنا ہی خیال رکھوں گا جتنے سے میری زندگی پر اثر نہ پڑے۔

ٹو بی فرینک۔ بانو میں ایک عام سا انسان ہوں۔ کوئی پیغمبر یا ولی نہیں ہوں۔ مجھے صرف

URDU PHOTO

دوسروں کا نہیں اپنا بھی خیال رکھنا ہے۔ میں اپنے سے قریب لوگوں کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہوں لیکن کسی کے ماضی کا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں اٹھا سکتا۔''

''تم نے شروع سے ایک بالکل مختلف ماحول دیکھا ہے عبداللہ۔ اس لیے تم وہ سب محسوس نہیں کر سکتے۔ میں پاگل ہو جاؤں گی ان حالات میں۔'' اس نے ہونٹ کاٹے۔

عبداللہ خاموشی سے اس کے چہرے پر پھیلے اضطراب کا جائزہ لیتا رہا۔

''میں ساری زندگی اس احساسِ جرم کے ساتھ نہیں گزار سکتی کہ ریشماں کی محبت کے متعلق جاننے کے باوجود بھی میں......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''تم خواہ مخواہ کے احساسِ جرم میں مبتلا ہو رہی ہو' لیکن ظاہر ہے کوئی تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں' کرتا رہوں گا۔ تم اس احساسِ جرم سے پیچھا چھڑا سکو تو مجھے اپنا منتظر پاؤ گی۔''

ماہ بانو نے دھندلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور بیگ کندھے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

''بانو!'' عبداللہ نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔'' میں یہ یقین چاہتا ہوں کہ ہم اب بھی پہلے کی طرح دوست ہیں۔''

ماہ بانو نے ٹشو پیپر سے آنکھیں صاف کیں اور اثبات میں سر ہلا کر ریسٹورنٹ سے باہر نکل گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اندر بہت غبار جمع ہو رہا تھا۔ آنسو آنکھوں سے نکلنے کو بے چین ہو رہے تھے' لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ بڑے سے خوبصورت گوٹا لگے دوپٹے کو دیکھ کر اسے خیال آیا کہ یہ سوٹ بھی اسے ریشماں نے دیا تھا۔

''تاکہ عبداللہ کی نگاہ اس پر پڑے اور اس کی خوشبو اس میں رچ بس جائے۔'' ماہ بانو نے سوچا۔'' ایسا کیوں ہو جاتا ہے۔ میں چاہوں تب بھی اس کی طرف کیسے بڑھ سکتی ہوں۔ میرا احساسِ جرم ایک دن مجھے پاگل کر ڈالے گا۔

ان اونچی بے حد مضبوط دیواروں کے بیچ ریشماں صرف اس امید پر زندگی کے دن کاٹ رہی ہے کہ ایک نہ ایک دن عبداللہ اسے وہاں سے نکال لے جائے گا۔ اس کی محبت اسے مل جائے گی۔ اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

کاش سب ٹھیک ہو سکتا لیکن زندگی اتنی آسان کب ہے اور کیا پتا زندگی کیا ہے؟ ٹریجڈی ہے یا اے کامیڈی آف ایررز۔ ساری زندگی سرپٹ دوڑتے رہتے ہیں اور آخر میں حیرت سے پوچھتے ہیں کہ کون سی الجھن کو سلجھاتے رہے ہم اور پھر تھک کر بیٹھ جاتے ہیں یہ سوچتے ہوئے کہ

مچ آڈو اباؤٹ تھنگ۔

اس دوڑ میں ہم میں سے کوئی ایک ہی جیت سکتا ہے۔ ریشماں یا میں۔ اور میں یہ دوڑ جیتنا نہیں چاہتی۔ میرے ہٹ جانے سے شاید عبداللہ ریشماں کی طرف بڑھ جائے۔ شاید کوئی معجزہ رونما ہو جائے۔ شاید۔''

☆=====☆=====☆

زینی نے گاؤں جانے کی تیاری کے دوران لاہور فون کیا۔

''شاہ صاحب تو گھر پر نہیں ہیں۔'' ملازم نے جواب دیا۔

''لیکن آج تو چھٹی ہے۔'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''انہوں نے باہر لنچ پر جانا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ہی نکلے ہیں۔''

اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ بابا جان کے انداز کی سرد مہری کی وجہ سے اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بابا جان کا رویہ پہلی مرتبہ دیکھا تھا اس نے۔ وہ تو سراپا شفقت اور محبت تھے۔ اب بھی انہوں نے اسے نہ ڈانٹا تھا اور نہ ہی ایسے انداز میں بات کی تھی جس سے ناگواری کا احساس ہو۔ بس ان کے رویے میں سرد مہری تھی۔

''میں کیسے سامنا کروں بابا جان کا۔ اگر ان کا انداز اب بھی ویسا ہی ہوا تو میرا دم ہی نکل جائے گا۔ پتا نہیں میرے چلے آنے کے بعد انہوں نے سبط کو کیا کہا ہوگا۔ شاید ڈانٹا ہو' شاید مجھ سے ملنے سے منع کیا ہو۔ ایسا ہوا پھر کیا ہوگا؟''

جب کچھ نہ سوجھا تو اس نے سبط حسن کا نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف فون اسی نے اٹھالیا۔

''تمہیں بابا جان نے ڈانٹا تو نہیں؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''نہیں!''

''اُف اللہ۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ بھائی کو لاہور میں فون کیا ہے لیکن وہ گھر پر نہیں ہیں ورنہ وہ بابا جان سے بات کر لیتے۔''

''اب اس وقت کیا بات کرو گی ان سے۔ ابھی خاموشی سے ان کے ساتھ چلی جاؤ۔ گاؤں جا کر بھائی سے فون پر بات کر لینا۔ وہ سنبھال لیں گے معاملہ۔'' وہ بولا۔

''لیکن اگر بابا جان نے راستے میں کچھ پوچھ لیا تو؟''

''نہیں پوچھیں گے بے فکر رہو۔'' سبط حسن نے کہا۔

''تمہیں کیسے پتا؟''

''میں اپنے خاندان کے لوگوں کا مزاج جانتا ہوں۔''

''پھر بھی اگر پوچھ لیا تو میں کیا کروں گی؟'' اس کے انداز میں گھبراہٹ تھی۔

''میں جو کہہ رہا ہوں کہ نہیں پوچھیں گے اور اگر پوچھ لیا تو بتا دینا انہیں۔ آخر عبداللہ بھائی سے بھی تو بات کی تھی تم نے۔''

''وہ میرے بھائی ہیں۔ میرے دوست ہیں لیکن بابا جان تو میرے بابا ہیں ناں۔ ان سے اس انداز میں بات نہیں کر سکتی میں جیسے بھائی سے کی تھی۔ قسم سے سبط مجھے بہت رونا آ رہا ہے۔''

''تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو اور بات بے بات رونا تمہاری پرانی عادت ہے۔ میں بتا رہا ہوں تمہیں کہ وہ براہِ راست تب تک تم سے بات نہیں کریں گے جب تک کہ یہ بہت ناگزیر نہ ہو جائے۔''

''اچھا!'' اس نے کہا پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''تمہیں یقین ہے ناں کہ وہ نہیں پوچھیں گے؟''

''سو فیصد یقین ہے۔''

''تم آج گاؤں جاؤ گے ناں؟''

''شاید کل تک جاؤں۔'' اس نے بتایا۔

''فون تو کرو گے ناں؟''

''ہاں۔ اور وہ واکی ٹاکی سنبھالی ہوئی ہے ناں تم نے؟''

''تمہارا دیا ہوا تحفہ ہے کیسے نہیں سنبھالوں گی بلکہ تم ایسا کرنا سبط کہ واکی ٹاکی پر ہی بات کرنا مجھ سے۔''

''اب تم تیار ہو جاؤ اور پلیز یہ رونے دھونے کا پروگرام شروع مت کرنا۔''

''وہ تو میں تیار ہو جاؤں گی لیکن پتا ہے کیا؟''

''کیا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہ میرا یہاں رہنے کو دل چاہ رہا ہے اور نہ یہاں سے جانے کو۔ میری اتنی زیادہ خواہش تھی گاؤں جانے کی۔ اپنی حویلی میں' اپنے گھر میں' اپنے گھر میں اماں اور بابا جان کے ساتھ رہنے کی مگر جب سوچتی ہوں کہ تم اتنے دور ہو جاؤ گے تو میرا یہاں سے کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا۔''

''یہی زندگی ہے۔ میرے لیے بھی کب آسان ہے کہ میں تم سے دور رہوں' لیکن یہ وقتی سی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔''

☆=====☆=====☆

حیدر علی شاہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ایک رسالے کی ورق گردانی کر رہے تھے جب دیدی ان کے پاس آئیں۔

''آپ نے بلایا تھا؟''

URDU PHOTO

انہوں نے رسالہ رکھ دیا۔ ''تشریف رکھیں آپ۔''

وہ بیٹھ گئیں۔

حیدر علی شاہ نے زہرا یا زینب سے براہ راست کچھ نہیں پوچھا تھا۔ انہوں نے دیدی سے ساری تفصیل معلوم کر لی۔

''آپ کو دونوں بچیوں کی گورنس بنایا گیا تھا مگر آپ نے تب تک مجھے سبط حسن کے سلسلے میں انفارم نہیں کیا جب تک میں نے آپ سے خود نہیں پوچھا۔ آپ نے زینی کو روکنے یا سمجھانے کی بھی کوشش نہیں کی۔''

''پہلے تو میں آپ کو یہ بتا دوں شاہ صاحب کہ میں بہر حال ایک ملازمہ ہوں۔ آپ لوگوں کی بھی اور بچیوں کی بھی۔ زینی نہیں چاہتی تھی کہ میں آپ کو سبط کے بارے میں بتاؤں۔ وہ یہ بات آپ کو خود بتانا چاہتی تھی' میں یہ سوچ کر خاموش رہی کہ ہم دونوں کے بتانے کا انداز مختلف ہوگا۔ میرے خیال میں بہتر یہی تھا کہ یہ بات آپ کو زینی یا گڑیا میں سے کوئی بتائے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کیسے چھوٹے شاہ صاحب کو اس بات کا علم ہو گیا' وہ یہاں آتے رہتے تھے۔ سبط بھی آیا کرتا تھا۔ مجھے نہیں پتا کہ دونوں بہن بھائیوں اور سبط حسن کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ انہوں نے مجھے شامل کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مجھے بھی یہ اچھا نہیں لگا کہ اس بات کو کریدوں۔''

''آپ کو یاد ہے بی بی کہ آپ جب ملازمت لینے آئی تھیں تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ میری صرف ایک ریکوائرمنٹ ہے کہ بچیوں کی دیکھ بھال اس طرح کی جائے جس طرح ایک ماں کرتی ہے۔'' حیدر علی شاہ نے کہا۔

''پتا نہیں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں' شاید یہ کہ میں نے بچیوں کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کی حالانکہ خدا گواہ ہے کہ میں نے دانستہ کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی۔ سبط کے سلسلے میں بھی میں نے زینی سے تفصیلی بات کی تھی اور زینی نے کہا تھا کہ دیدی ہم آپ کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔ معاف کیجئے شاہ صاحب' آپ بچیوں کو دنیا سے الگ تھلگ نہیں رکھ سکتے۔ نہ ہی میں سمجھتی ہوں کہ یہ بچیوں کے لیے کوئی اچھی بات ہو سکتی ہے۔ میں نے بچیوں کی دیکھ بھال ماں کی طرح ہی کی ہے لیکن شاید میں ایک مختلف ماں ہوں۔ قدرے لبرل اور قدرے آزاد خیال۔ اور آپ کے گھرانے کے متعلق بھی میں یہی سمجھتی رہی۔''

''میں بھی اتنا تنگ نظر نہیں ہوں بی بی لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اپنی اولاد' خاص طور پر بیٹیوں کے بارے میں باخبر رہوں۔''

''یہ میری غلطی ہے۔ شاید میں معاملات کو صحیح طور پر جج نہیں کر سکی۔''

''اینی وے' اب تو جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ آپ زینی سے کہیے کہ وہ بس ضروری سامان لے

کر آ جائے باقی سب کچھ بعد میں آ تا رہے گا۔“

”جی بہتر۔“ دیدی اٹھ کر ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئیں۔

ان کی گفتگو کے دوران ڈرائینگ روم کی ایکس ٹنشن پر دو مرتبہ نمبر ڈائل کرنے کی آوازیں ابھری تھیں۔ انہوں نے ایک نظر فون کی طرف دیکھا پھر دوبارہ رسالہ اٹھا لیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد فون رکھنے کی آواز ابھری۔

وہ چائے پی رہے تھے جب زینی سفری بیگ کندھے پر رکھے کمرے سے باہر نکلی۔

”بابا جان میں تیار ہوں۔“ اس نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

”تو پھر چلیں۔“ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے باہر نکل آئے۔ زینی نے ایک نظر ہٹ پر ڈالی۔ کتنی ہی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔

”بیٹھو بیٹا!“

وہ چونک گئی۔ ”جی“ پھر گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے رک گئی۔ ”بابا جان ہم لاہور میں بھائی کے پاس رکیں گے ناں؟“ اس نے ملتجی انداز سے پوچھا۔

حیدر علی نے دیکھا' زینی کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جیسے رو کر آئی ہو یا رونے والی ہو۔

”بہت تھوڑی دیر کے لیے۔ گاؤں میں آپ کی اماں جان بہت بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ بابا جان بھی اس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور گاڑی سڑک پر لے آیا۔

ان کی گاڑی جانے پہچانے سب راستوں کو چھوڑتی ہوئی آگے بڑھتی جا رہی تھی اور زینی کا دل بھرّا رہا تھا۔ ہر پل کے ساتھ وہ آگے ہی آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ اونچے نیچے راستے جہاں وہ اور سبط واک کیا کرتے تھے۔ وہ جگہ جہاں سبط نے اس کی تصویر کھینچی تھی' وہ درخت جس کے تنے پر بیٹھ کر وہ دنیا جہان کی باتیں کرتے تھے' مال روڈ کی وہ دکان جہاں سے وہ سٹرابیری کے ڈبے خرید کر اسے گفٹ کیا کرتا تھا۔ سب پیچھے رہ گیا تھا۔

اس نے بہت ضبط کرنا سیکھ لیا تھا لیکن بالکل اچانک سب کچھ چھوڑ جانے کے خیال سے اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ سب سے زیادہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ وہ ڈرائینگ روم میں لگی اپنی بڑی سی تصویر نہیں لا سکی تھی۔

”میری بیٹی رو رہی ہے۔“ حیدر علی نے اس کی طرف دیکھا اور اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

”نہیں بابا جان مجھے یونہی رونا آ گیا تھا۔“ اس نے سختی سے اپنی آنکھیں رگڑ دیں۔

”یہ کیا؟ میری بیٹی اپنی اتنی پیاری آنکھوں کے ساتھ یہ ظلم کرتی ہے۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔“

ان کی بات سن کر وہ اور زیادہ رو پڑی اور بالآخر ان کے کندھے سے سر ٹکا کر نہ جانے کب سو گئی۔

لاہور پہنچنے تک رات ہو چکی تھی۔ عبداللہ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ اپنے بیڈ روم سے باہر نکل آیا۔ ابھی کچھ پہلے ہی اس کی آنکھ لگی تھی۔

”بھائی!“ اسے دیکھتے ہی زینی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

”کیسی ہو؟ لگتا ہے موڈ کچھ بگڑا ہوا ہے۔ کیا بات ہے؟“

”میں نے آپ کو فون کیا تھا۔ کہاں تھے آپ؟“ اس نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔

”میں باہر لنچ پر گیا ہوا تھا اور جیسے ہی مجھے تمہارے فون کا پتا چلا' میں نے تمہیں رنگ بیک کیا تھا لیکن وہاں سے معلوم ہوا کہ تم گاؤں کے لیے چل پڑی ہو۔“

”تم دونوں بہن بھائی یہیں ایک دوسرے کی ایکس پلینیشن کال کرتے رہو گے؟ کہیں بیٹھنے کا ارادہ نہیں ہے؟“ بابا جان نے کہا۔

”آئی ایم سوری' زینی کو یہاں دیکھ کر اتنا اچھا لگا کہ باقی سب کچھ بھول گیا۔ آئیں لاؤنج میں آ جائیں۔“

وہ تینوں لاؤنج میں آ گئے۔

”آپ لوگوں نے کھانا تو نہیں کھایا ہو گا؟“ عبداللہ نے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ زینی بولی۔

”تم کھانے سے انکار کر دو میں مان ہی نہیں سکا۔ ویسے سٹرابیری کے ڈبے بھی پڑے ہوئے ہیں۔“

”میں نے کچھ نہیں کھانا' مجھے رونا آ رہا ہے بہت زیادہ۔“

”یہ دیکھ بہن! میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔“ عبداللہ نے سچ مچ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ ”رونا مت پلیز۔ مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ تمہیں چپ کروا سکوں اور یوں بھی زینی اگر کبھی آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر روؤ تو تمہیں اندازہ ہو کہ کتنی بھیانک لگتی ہو روتے ہوئے۔ بلکہ ایک مرتبہ یہ تجربہ کر ہی لو' آئندہ کبھی نہیں روؤ گی۔“

”میں بھیانک لگتی ہوں بھائی؟ بابا جان' بھائی مجھے بدصورت کہہ رہے ہیں۔ میں کوئی بدصورت ہوں؟“ وہ ان کی طرف مڑی۔

”میری بیٹی کو کوئی بدصورت کہہ کر تو دیکھے۔ اتنی پیاری سی ہے میری زینب!“ بابا جان نے پیار سے کہا۔

''بس سن لیا؟ بدصورت ہوگی آپ کی ہونے والی بیوی۔ آپ کی منگیتر۔ میں کیوں ہونے لگی بدصورت اور پتا ہے سبط بھی کہتا ہے۔'' تیزی سے بولتے بولتے وہ اچانک رک گئی۔ کن انکھیوں سے بابا جان کی طرف دیکھا جو بظاہر سگار سلگانے میں مصروف تھے۔ وہ اندازہ نہیں لگا سکی کہ انہوں نے اس کی بات سنی تھی یا نہیں۔ بات تو اس نے خاصی اونچی آواز میں کی تھی اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ ان کے کانوں تک نہ پہنچی ہو لیکن اگر انہوں نے سن لی تھی تب بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔

''جسے تم بدصورت کہہ رہی ہو' اسے تم دیکھ لو تو دیکھتی رہ جاؤ۔'' عبداللہ نے زینی کو پریشانی سے نکالنے کے لیے بات مذاق میں اُڑانا چاہی۔

''سچ بھائی' ریشماں بھابی بہت خوبصورت ہیں۔'' اس نے پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ''سبط حسن بھی کہتا ہے۔'' اس نے پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کی بات سبط حسن کے ذکر کے بغیر پوری ہی نہیں ہوتی تھی۔ سب کے سامنے بات کرتے ہوئے اسے اس بات کا خیال ہی نہیں رہتا تھا۔

''ریشماں کہاں سے آ گئی درمیان میں۔'' عبداللہ نے زیرلب کہتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے منع کیا۔ پھر بولا۔ ''میں ملازم سے کھانے کے لیے کہتا ہوں بھوک ہے یا نہیں تمہیں کھانا تو کھانا پڑے گا۔''

وہ حیرت سے عبداللہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بہن کو کھانا کھلا دو تاکہ پھر ہم نکلیں۔''

اس نے ملتجی انداز میں بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ عبداللہ سے بات کرنا چاہتی تھی جو اس طرح کرنا ممکن نہیں تھا۔

''اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہے زینی' آپ لوگ رات کو آرام کریں' صبح نکل جائیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''تمہاری اماں جان انتظار کر رہی ہیں ناں۔'' وہ بولے۔

''انہیں فون کر کے بتا دیں کہ آپ لوگ صبح چلیں گے۔ زینی پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی ہے' اسے گھر تو دیکھ لینے دیں۔ جلدی کیا ہے آپ کو جانے کی؟''

''پہلی مرتبہ نہیں دوسری مرتبہ بھائی۔ پہلی مرتبہ جب آئی تھی تو بہت چھوٹی سی تھی پھر بھی مجھے بیڈروم یاد ہے۔ یہ لاؤنج اور ڈرائنگ روم بھی یاد ہے اور پیچھے جھولے لگے ہوئے تھے' وہ بھی یاد ہیں۔''

''بڑی اچھی یادداشت ہے تمہاری۔'' عبداللہ ہنسا۔

''آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں مذاق کر رہی ہوں؟ بے شک سبط سے پوچھ لیں۔ میں نے

اسے بھی پوری تفصیل سے بتایا تھا یہ والا گھر اور حویلی بھی مجھے یاد ہے۔ وہ بھی بتائی تھی میں نے اسے۔'' وہ جوش سے بولتی گئی۔

اپنی رو میں بات کرتے ہوئے اس مرتبہ زینی کو احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے بہت آرام سے سبط حسن کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ عبداللہ نے بابا جان کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں سوچ کی واضح پرچھائیاں تھیں۔

''میں اپنے بیڈروم میں جا رہا ہوں۔ بہن کو کھانا کھلانے کے بعد میرے پاس آنا۔'' بابا جان نے اٹھتے ہوئے عبداللہ سے کہا۔

''آپ کھانا نہیں کھائیں گے؟'' زینی نے کہا۔

''نہیں!''

''میں لاؤں پھر بھی نہیں کھائیں گے؟'' زینی بولی۔

''میں ضرور کھاتا لیکن بیٹا ابھی طبیعت نہیں چاہ رہی۔'' وہ بولے۔

''میں اماں جان کو فون کردوں آپ لوگوں کے رکنے کا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

''میں خود کر دوں گا۔ تم جیسے ہی فارغ ہوتے ہو' میرے کمرے میں آؤ۔''

عبداللہ کو معلوم تھا کہ یہ طلبی کس سلسلے میں تھی مگر آج نہیں تو کل اس مسئلے کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

بابا جان کے جاتے ہی زینی جلدی سے اس کے برابر آ بیٹھی۔

''بھائی! آپ سچ مچ ریشماں کی بات نہیں کر رہے تھے؟ چچی سے وہ بہت خوبصورت اور اچھی ہیں۔ مجھے خود سبط نے بتایا ہے۔'' وہ صوفے پر آلتی پالتی مار کر کشن گود میں رکھتے ہوئے بولی۔

''تم نے اسے بھابی کہاں سے بنالیا؟ وہ یقیناً اچھی اور خوبصورت ہوگی لیکن تمہاری بھابی نہیں ہو سکتی۔ بہت شوق ہے اسے بھابی بنانے کا تو بھائی تبدیل کرلو۔''

''اللہ نہ کرے۔'' اس نے جلدی سے کہا۔ ''کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ دیکھیں سبط اچھا ہے ناں؟ اسی طرح ریشماں بھابی بھی بہت اچھی ہیں۔ پتا ہے سبط نے مجھے ان کی اتنی باتیں بتائی ہیں کہ مجھے لگتا ہے جیسے میں ان سے بہت مرتبہ مل چکی ہوں اور بھائی وہ آپ کی منگیتر بھی تو ہیں۔'' اس نے عبداللہ کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

ملازم کھانے کی ٹرالی اندر لے آیا اور کھانا چن کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

''یہ باتیں تمہاری چھوٹی سی عقل میں نہیں آئیں گی۔ اس لیے تم اپنا دماغ خرچ کرنے کے بجائے کھانا کھاؤ۔'' عبداللہ بولا۔

''پتا ہے بھائی کیا ہوا؟ آج بابا جان اچانک آ گئے مجھے لینے کے لیے۔'' اس نے چاول

پلیٹ میں ڈالے۔

''پھر؟''

''بہت مسئلہ ہو گیا ناں۔ وہاں سبط بھی تھا۔ ہم اس وقت انڈوں کا حلوہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنا ہنگامہ برپا تھا گھر میں جب بابا جان آئے۔ اُف اللہ کیا بتاؤں کہ اس وقت میرا کیا حال ہوا۔ بابا جان نے ہمیں کچھ نہیں کہا لیکن ان کا رویہ میں کبھی نہیں بھولوں گی۔ مجھے تو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ میرے بابا جان ہی ہیں۔ اتنی سرد مہری تھی ان کے رویے میں۔ اگر وہ مجھے ڈانٹ دیتے تب بھی مجھے اتنا محسوس نہ ہوتا جتنا ان کے سرد قسم کے رویے سے ہوا تھا۔''

''میں نے بتایا تھا تمہیں کہ یہ سب تو ہو گا۔ تم میں برداشت کا حوصلہ نہیں ہے' اسی لیے کہتا ہوں کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ سبط تمہارا کزن ہے' دوست ہے بس دوستی رہنے دو اور باقی قصے کو ختم کرو۔ میں جانتا ہوں ناں تمہیں۔ جن رویوں کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا' وہ تم بالکل برداشت نہیں کر سکو گی۔'' عبداللہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

زینی نے کھانا ادھورا چھوڑ کر پلیٹ ٹرالی میں رکھ دی۔ ''آپ تو چاہتے ہی یہی ہیں۔ مجھ میں بہت حوصلہ ہے۔ میں سب کچھ برداشت کر لوں گی۔ آپ سے اس لیے کہتی ہوں سب کچھ کہ آپ میرے بھائی ہیں لیکن آپ کو بھی میرا خیال نہیں ہے۔'' اس کی آواز بھر آگئی۔

''میں کچھ اور کہتا ہوں' تم کچھ اور سمجھتی ہو۔ چلو جلدی سے کھانا کھاؤ۔ میں نہ دیکھوں کہ چاول کا ایک بھی دانا پلیٹ میں بچا ہوا ہو۔''

اس نے خاموشی سے پلیٹ اٹھائی اور چاول کھانے شروع کر دیے۔

''اور اب یہ اپنا موڈ بھی ٹھیک کرو' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنا رو کیسے لیتی ہو تم۔ کتنا بڑا سمندر چھپایا ہوا ہے آنکھوں میں تم نے کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میرا موڈ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔''

''کیوں؟ اب کیا ہوا؟''

''پتا ہے بھائی! کیا ہوا؟ وہاں ڈرائینگ روم میں بابا جان بیٹھے ہوئے تھے ناں۔ اس لیے میں اپنی تصویر تک نہیں لا سکی۔ دل بہت چاہ رہا تھا کہ اتار لاؤں لیکن بس سوچتی رہ گئی۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں بابا جان مائنڈ نہ کریں۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھ سے ناراض ہو اور خاص کر آپ کو اور بابا جان کو تو میں بالکل ناراض نہیں دیکھ سکتی۔ ویسے ناراض تو میں اماں جان اور گڑیا کو ہوتے ہوئے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ سب سے اچھا سبط ہے' وہ ناراض ہوتا ہی نہیں ہے مجھ سے۔ آج تک ایک منٹ کو بھی ناراض نہیں ہوا۔''

''باقی سب کب ناراض ہوتے ہیں تم سے؟''

''اماں جان اور گڑیا ہی نہیں ہوئیں۔ بابا جان تو آج ہی ناراض ہو گئے تھے۔ میرا تو قسم

سے دل ڈوبنے لگا تھا۔'' وہ بولی۔

''اور میں؟ میں تو کبھی تم سے ناراض نہیں ہوا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''واہ اتنی جلدی بھول بھی گئے۔ اتنا سخت ڈانٹا تھا آپ نے مجھے ایک دفعہ۔ وہاں سبط بھی تھا۔ یاد نہیں آیا آپ کو؟''

''اچھا بابا اگر کبھی ڈانٹا تھا تو اس کے لیے معافی دے دو اور اب کھانا ختم کر لیا ہے تو جا کر سو جاؤ۔ یہ ساتھ والا بیڈ روم تمہارا ہے۔''

''وہ تو میں چلی جاتی ہوں لیکن بابا جان نے آپ کو کیوں بلایا ہے؟''

''مجھے کیا پتا۔ یہ تو ان کے پاس جا کر ہی معلوم ہو گا ناں۔'' عبداللہ نے بات ٹالنا چاہی۔

''اگر انہوں نے سبط کے متعلق کچھ پوچھا پھر؟''

''جب یہ معاملہ تم نے میرے ہاتھ میں دے دیا ہے تو بے فکر ہو جاؤ اس کی طرف سے اور جا کر سو جاؤ۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن... بابا جان کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟'' اسے دوسرا خیال آیا۔

''بتایا تو تھا انہوں... کہ ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''لیکن مس جارج کہتی تھیں کہ رات کو کچھ نہ کچھ کھانا چاہیے۔ وہ زبردستی ہمیں کھانا کھلایا کرتی تھیں۔'' زینی نے کہا۔

''تو تم زبردستی بابا جان کو کچھ کھلا دو لیکن میرے سر سے ٹلو۔ مجھے بابا جان سے بات کر کے سونا بھی ہے۔ صبح کالج جانا بہت ضروری ہے میرا۔''

''اچھا تو پھر آپ جائیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

عبداللہ بابا جان کی خواب گاہ میں داخل ہوا تو وہ صوفے پر بیٹھے سگار پیتے ہوئے کسی سوچ میں گم تھے

''آپ نے یاد کیا تھا؟'' اس نے کہا۔

''ہوں۔ بیٹھو۔'' انہوں نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا' پھر قدرے توقف سے بولے۔ ''جانتے ہو ناں کیوں بلایا ہے میں نے تمہیں؟''

''اندازہ ہے۔'' وہ بولا۔

''تم نے سبط حسن کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا؟''

''فی الحال میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ ایک تو ابھی دونوں کم عمر ہیں اور پھر میں دونوں ہی کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ ضروری نہیں کہ جو محسوسات ان کے آج ہیں' کل یا سال بھر بعد بھی وہی ہوں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت کچھ تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ ابھی دونوں کو دنیا میں بہت کچھ دیکھنا ہے' بہت کم بھی لگا لیں تو کم از کم چھ سال تو لگیں گے ہی ان کی شادیاں

وغیرہ طے کرنے میں۔ تب تک نہ جانے حالات کیا ہوں' یہ بھی ممکن ہے کہ اتنے سال گزرنے کے بعد وہ اتنے قریب نہ رہیں جتنے آج کل ہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''یہ سب مفروضات ہیں۔ اور ہر بات کے برابر چانسز ہیں۔ تم جانتے ہو کہ زینی جو چاہتی ہے' وہ ہرگز ممکن نہیں ہے۔ میں اپنی بیٹی کو کسی جہنم میں نہیں دھکیل سکتا۔ یہی سب کرنا ہوتا تو امداد میں کیا برائی تھی؟ مجھے اپنے بچوں کو اپنے اور ماں سے دور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''آپ سبط سے مل لیں۔ وہ بہت مختلف لڑکا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ امداد سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''بھول جاؤ کہ وہ کتنا اچھا ہے۔ وہاں زینی کی شادی ممکن نہیں ہے۔ نو وے!'' انہوں نے سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

''میں آپ سے تفصیل سے بات کروں گا اس سلسلے میں لیکن میرا مشورہ ہے کہ ابھی آپ اس مسئلے کو نہ چھیڑیں۔''

''تفصیل سے بات کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔'' انہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔'' آج کل گڑیا اور زینی کے لیے بہت اچھے پرپوزل آئے ہوئے ہیں اور میں سنجیدگی سے ان کے متعلق سوچ رہا ہوں۔''

''لیکن دونوں ابھی بہت چھوٹی ہیں بابا جان اور ان کی تعلیم بھی نامکمل ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میری اور تمہاری نظر میں تو وہ ہمیشہ چھوٹی رہیں گی۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری اماں جان کتنی پریشان رہتی ہیں۔ ہر وقت تم لوگوں کی طرف سے پریشان رہتی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب بچیوں کے گھر بس جانے چاہئیں۔

اور پھر یہ کوئی انہونی بات تو ہے نہیں۔ خاندان کی بیشتر بچیوں کی شادیاں بہت کم عمری میں ہی ہوئی ہیں اور وہ بہت آرام سے گھر بار کی ذمہ داریاں اٹھا لیتی ہیں۔ تمہاری امی بہت کم عمر تھیں شادی کے وقت۔''

''وقت بدل گیا ہے بابا جان۔ خاندان کی باقی عورتیں اس لیے خوش ہیں کہ انہوں نے ایک خاص قسم کی طرز زندگی کو اپنا مقصد سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ اور اماں جان اس لیے اپنے گھر میں خوش ہیں کیونکہ انہیں آپ جیسا لائف پارٹنر ملا ہے۔

مسئلہ یہ ہے بابا جان کہ آپ نے اپنی اولاد کی پرورش جدید دور کے مطابق کی ہے۔ ان کے ذہنوں کو پالش کیا ہے۔ آزادی رائے کی اجازت دی ہے انہیں۔ ہم سب آپ سے ہر بات ڈسکس کر لیتے ہیں۔ ہم آپ کا احترام اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں آپ سے محبت ہے۔ صرف اس لیے نہیں کہ والدین کا احترام کرنا چاہیے۔

URDU PHOTO

جب آپ نے یہ سب خود ہمیں سکھایا ہے تو آپ کا تمام تر احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہم اپنے ذہنوں میں ابھرنے والے سوال آپ سے ضرور پوچھیں گے۔ آپ نے سکھایا ہے کہ سوال کرو۔ کسی بات کو محض اس لیے قبول مت کر لو کہ وہ کسی بزرگ نے کہی ہے۔ بلکہ اسے پرکھو۔ اب آپ بتائیں بابا جان کہ جب زینی آپ سے سوال کرے گی تو آپ کس طرح اسے مطمئن کریں گے۔''

''یہ جو پرپوزل آئے ہیں ہر لحاظ سے اچھے ہیں۔ تمہاری اماں جان کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں دونوں۔ ایک سول سرونٹ ہے ڈی ایم جی میں اور دوسرا ابھی باہر سے ایم بی اے کر کے آیا ہے۔ پڑھی لکھی فیملی ہے۔ گڑیا اور زینی ایڈجسٹ کر لیں گی۔ میں لڑکوں سے بھی ملا ہوں۔ بہت اچھے ہیں دونوں۔ آج کل کے لڑکوں کی طرف کھلنڈرے اور لا ابالی نہیں ہیں۔ میں اس میں بھی حرج نہیں سمجھتا کہ زینی اور گڑیا ان سے مل لیں مجھے یقین ہے کہ وہ دونوں ہی بہت خوش رہیں گی۔'' بابا جان نے کہا۔

''آپ کو اتنا یقین کیسے ہے؟ بابا جان خوش رہنے کے لیے صرف یہ ضروری نہیں ہوتا کہ لڑکا .Well- Established ہو۔ گڑیا کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ زینی کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اپنی بہنوں کی طرف سے بے خبر ہوں۔ میری اس معاملے پر سبط اور زینی دونوں سے بہت تفصیل کے ساتھ بات ہوئی ہے اور ایک بار نہیں بار بار ہوئی ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ گھر میں دونوں کو ہلا گلا کرتے دیکھ لیا تو یہ سمجھے کہ سبط کھلنڈرا اور لا ابالی ہے۔ عمر کی جس حد میں سبط ہے اصولاً اس عمر میں اسے لا ابالی ہونا ہی چاہیے لیکن وہ نہیں ہے۔ وہ بہت میچورڈ اپ اور اسٹینڈ لینے والا لڑکا ہے۔ آپ اس سے ملنے سے پہلے اس کے بارے میں کوئی اندازہ مت قائم کریں کیونکہ آپ کا اندازہ ٹھیک نہیں ہوگا۔''

''تم زینی کی کسی حماقت میں اس کا ساتھ دے سکتے ہو لیکن میں اس کی پوری زندگی تباہ نہیں کر سکتا۔ تم نے جو کچھ سبط کے لیے کہا' میں نے وہ سب مان لیا۔ ٹھیک ہے' وہ اچھا ہے' میچورڈ اپ ہے' اسٹینڈ لے سکتا ہے پھر بھی وہاں زینی کی شادی نہیں ہو سکتی۔ میں بڑی حویلی اور اس کے مکینوں کے مزاج کو جانتا ہوں۔ زینی کے لیے وہ لوگ' وہ ماحول مناسب نہیں ہے۔'' بابا جان کا انداز حتمی تھا۔

☆=====☆=====☆

صبح عبداللہ کالج آیا تو تھکا تھکا سا تھا۔ اُما' ماہ بانو کے قریب کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی کہ کل لنچ پر عبداللہ سے ملاقات کیسی رہی۔

''میں بہت ڈپریسڈ ہوں اُما!'' ماہ بانو نے کہا۔

''کیوں؟ کیا پھر اس سے بات نہیں کر سکیں۔'' اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس کی نگاہ سامنے سے آتے ہوئے عبداللہ پر پڑی۔ "بعد میں بتاؤں گی۔ وہ آ رہا ہے۔"

وہ پلاسٹر آف پیرس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"خیر تو ہے عبداللہ' تھکے تھکے سے لگ رہے ہو؟" اُما نے اس سے پوچھا۔

"کیا خیر ہونی ہے۔ کل ساری رات بابا جان کو قائل کرنے کی کوشش میں لگا رہا لیکن وہ قائل ہونے پر بالکل تیار نہیں تھے۔"

"کس سلسلے میں قائل کرنا تھا انہیں؟" اس نے پوچھا۔

"پرسنل مسئلہ ہے۔ میری چھوٹی بہن ہے زینب' اس کے متعلق۔" وہ بولا۔

ماہ بانو نے سر گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ "نہیں مانے تمہارے بابا؟"

"ابھی تو نہیں مانے لیکن میں منوالوں گا۔ میں آخری لمحے تک جنگ لڑنے کا قائل ہوں۔ ہتھیار نہیں ڈالا کرتا۔"

"ہر چیز غلط ہو جاتی ہے۔ جو نہیں ہونا چاہیے وہ ہو جاتا ہے۔ جو ہونا چاہیے' وہ نہیں ہوتا۔" وہ بولی۔

"کیا ہونا چاہیے؟"

"کیا پتا؟" وہ دوبارہ اپنے کام کی طر متوجہ ہوگئی۔

"اب تمہارا گاؤں جانے کا ارادہ ہے؟" اُما نے اس سے پوچھا۔

"بہت مشکل ہے لیکن جانا پڑے گا۔ آگے تھیسز بھی آ رہا ہے اور خاندان کے اتنے بکھیڑے ہیں۔ سٹیج بھی مجھے ہی کرنا پڑتا ہے سب کچھ۔"

"واقعی تمہارے لیے مشکل ہوگا۔ تھیسز تو بہت ٹف ہوتا ہے۔" اُما نے کہا پھر ماہ بانو کی طرف متوجہ ہوئی۔ "تمہارا ارادہ ہے گاؤں جانے کا؟"

"پتا نہیں۔ ویسے اماں زبردستی ہر گرمیوں کی چھٹیوں میں لے جاتی ہیں اپنے ساتھ۔" وہ بولی۔

"تمہارا بھی تو ریشماں سے ملے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔" اُما نے چیزل اور ہتھوڑی ایک طرف رکھ دی۔

ماہ بانو نے کن اکھیوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ وہ نظریں چرا کر پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تمہارے بابا جان یہیں ہیں یا گاؤں چلے گئے؟" اُما نے پوچھا۔

"آج صبح ہی بابا جان اور زینی گاؤں کے لیے نکل گئے ہیں۔"

"تم نے انہیں بتایا نہیں کہ سبط حسن نے تمہیں مطمئن کر دیا ہے؟" ماہ بانو نے کہا۔

"ایک لیول پر وہ بھی زینی کی طرح ہی اپنی بات منوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" وہ بولا۔

"چلو کمرز چلنا ہے۔" ایڈی ان کے قریب آ کر بولا۔

"تم دونوں چلو گی؟" عبداللہ نے پوچھا۔

"کیسے نہیں چلیں گی یہ دونوں۔ ویسے بھی انہوں نے کون سا مائیکل اینجلو یا ڈوناٹیلو بننا ہے۔" ایڈی نے کہا۔

وہ چاروں میوزیم کی طرف چل دیے۔

"لیکن عبداللہ انہوں نے کوئی دلیل تو دی ہوگی؟ کوئی ٹھوس بات تو کی ہوگی؟" ماہ بانو کا ذہن ابھی تک زینی کے مسئلے میں ہی الجھا ہوا تھا۔

"ان کا کہنا ہے کہ کوئی بھی اپنے خونی رشتوں کو مکمل طور پر نہیں چھوڑ سکتا۔ سبط کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ یہ کہنے اور کرنے میں کیا فرق ہے اور بابا جان کا خیال ہے کہ ان کے درمیان یہ انڈرسٹینڈنگ صرف وقتی بات ہے۔ تھوڑی دیر کا ابال ہے خود ہی ختم ہو جائے گا۔" عبداللہ نے کہا۔

وہ چاروں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ایڈی کولڈ ڈرنک لانے خود ہی چلا گیا۔

"تھوڑی دیر کا ابال؟" ماہ بانو کے انداز میں تلخی تھی۔ "ہاں۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں۔ مردوں کی زندگی میں یقیناً یہ تھوڑی دیر کا ہی ابال ہوتا ہے۔ اور تمہارے بابا جان بھی مرد بن کر سوچ رہے ہیں۔ ضروری نہیں کہ عورت بھی ایسی سچویشن میں خود کو ایڈجسٹ کر سکے۔"

عبداللہ نے گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ مضطرب تھی۔ پریشان تھی لیکن خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم اپنے بابا جان سے کہنا عبداللہ۔"

"جو بھی کہنا ہو تم خود ان سے کہہ دینا۔" عبداللہ نے ماہ بانو کی بات کاٹی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ جو بھی بات کہنے والی تھی' اس کا تعلق کسی ماضی کی کسی کڑی سے تھا۔

"میں؟ میری بات میں وہ وزن تو نہیں ہو سکتا جو تمہاری بات میں ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ بات سن کر وہ اپنی ضد چھوڑ دیں گے۔" ماہ بانو نے کہا۔

"نہیں بانو! جو بات بھی تم مجھے بتانا چاہتی ہو وہ انہی سے کرنا۔ میں اپنے انداز سے فائٹ کروں گا۔ دلیل سے' منطق سے' ماضی کے کسی حوالے سے نہیں۔ میں اس بارے میں نہ سننا چاہتا ہوں اور نہ جاننا چاہتا ہوں۔" اس کا انداز فیصلہ کن تھا۔

"لیکن میں ان سے کیسے بات کر سکتی ہوں؟" اس نے الجھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا گاؤں میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ بابا جان بھی یہاں آتے رہتے ہیں۔ کسی بھی جگہ تم ان سے کوئی بھی بات کر سکتی ہو۔"

''میرے لیے مشکل ہوگا۔ ان سے کچھ کہنا اور پھر میں کس حیثیت میں ان سے بات کروں گی۔ تمہارے خاندانی معاملات میں' میں کیسے مداخلت کر سکتی ہوں' یہ حق میرے پاس نہیں ہے۔''

''تمہیں پورا حق ہے ہمارے خاندانی معاملات میں اپنی رائے دینے کا کیونکہ یہ حق میں نے تمہیں دیا ہے اور یہ حق کسی اور لڑکی کے پاس نہیں ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

ماہ بانو پہلے ٹینشن میں مبتلا تھی۔ عبداللہ کی بات سن کر پہلے سے زیادہ ٹینس ہوگئی۔ اُما نے بے یقینی سے پہلے عبداللہ اور پھر ماہ بانو کی طرف دیکھا۔ ایڈی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ عبداللہ نے ایسے ظاہر کیا جیسے اس نے کسی کا ردِعمل دیکھا ہی نہیں اور مالبرو کی ڈبیا سے سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

''میں چلتی ہوں۔ میرا بہت کام پڑا ہوا ہے۔'' ماہ بانو نے بیگ کندھے پر ڈال لیا۔

''تم کیوں چلتی ہو۔ میں چلا جاتا ہوں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میں نے اس لیے نہیں کہا' میرا واقعی بہت کام رہتا ہے۔'' اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔

''جب تم یہاں آ رہی تھیں' تب بھی تو تمہارا کام رہتا تھا ناں؟'' ایڈی نے اسے دوستانہ انداز میں ڈپٹا۔

ماہ بانو نے خاموشی سے بیگ واپس کرسی پر لٹکا دیا۔ باتوں کے دوران وہ دونوں کولڈ ڈرنکس پیتی رہیں اور عبداللہ اور ایڈی چائے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ماہ بانو خاصی غائب دماغی کے عالم میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا ذہن ریشماں' اپنی اور عبداللہ کی مثلث میں اٹکا ہوا تھا۔ کبھی اس کی سوچ زینی اور سبط کی طرف مڑ جاتی تھی۔

''تم کہاں غائب ہو؟'' ایڈی نے ماہ بانو کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

''نہیں' نہیں' نہیں' تم سب کی باتیں سن رہی تھی۔'' وہ چونک گئی۔

''لگتا تو نہیں ہے لیکن چلو مان لیتے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''اُما چلو ہاسٹل چلتے ہیں۔'' ماہ بانو نے اچانک کہا۔

''چلو۔ نیہاں سے بھی پوچھ لیتے ہیں۔'' اُما اٹھ کھڑی ہوئی۔

نیہاں کو بھی ساتھ لے کر وہ ہوسٹل چلی آئیں۔

''تمہیں اچانک یہاں آنے کا خیال کیسے آیا؟'' اُما نے بیگ بستر پر رکھ دیا اور خود بھی وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

''میں تم سے بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہاں کالج میں موقع مل ہی نہیں رہا تھا۔ اسٹوڈیو میں بھی عبداللہ قریب ہی ہوتا ہے۔ وہ قریب نہ ہو تو کوئی اور سر پر سوار ہو جاتا ہے۔'' ماہ بانو نے بھی

کھُسے اتار کر پاؤں اوپر کر لیے۔

''ہوں۔ میں نے اس وقت اس لیے کچھ نہیں پوچھا تھا کیونکہ میرا خیال تھا تم نے یہ فرمائش بلاوجہ تو نہیں کی ہوگی۔ ویسے مجھے حیرت ضرور ہوئی تھی کہ اچانک ہوسٹل کی یاد کیسے آئی تمہیں؟'' اُما بولی۔

''مجھے شدید ڈپریشن ہو رہا ہے۔ مجھے بتاؤ اُما کہ میں کیا کروں؟'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''آج عبداللہ کی بات سے اندازہ ہوا ہے مجھے کہ اس نے تم سے اظہار کر دیا ہے۔'' اُما نے اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا۔

''ہاں۔'' اس نے گویا کسی جرم کا اعتراف کیا۔

''رئیلی؟'' نیہاں کے انداز میں حیرت تھی۔ ''پھر تم نے کیا کہا اس سے؟''

''میں نے اسے ریشماں کا حوالہ دیا لیکن وہ بہت مختلف انداز میں سوچ رہا ہے۔ مجھے بتاؤ میں اب ریشماں کا سامنا کیسے کروں گی؟''

''تم پوری بات تو بتاؤ کہ ہوا کیا؟''

ماہ بانو نے انہیں اول تا آخر ہر بات کہہ سنائی۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا بانو کہ تم عبداللہ سے یہ حق نہیں چھین سکتیں کہ وہ ریشماں کو چھوڑ کر کسی اور سے محبت کرنے لگے۔'' اُما بولی۔

''ہاں' یہ ممکن ہے کہ تم عبداللہ سے محبت نہ کرو۔'' نیہاں نے کہا۔

''یہ بھی کب ممکن ہے۔'' اس کی آواز مدھم تھی۔

''دیکھو بانو' یہ تکلیف دہ صورت حال ضرور ہے لیکن سوچو کہ تم تینوں میں سے کوئی ایک بھی خوش نہ رہے' اس سے بہتر یہ نہیں کہ تین میں سے دو افراد تو خوش رہیں۔'' اُما نے کہا۔

''تم میری فیلنگز نہیں سمجھ سکتیں اُما کیونکہ تم اتنی پریشان کن صورت میں مبتلا نہیں ہو۔''

''دیکھا جائے ناں بانو تو میں تم سے زیادہ پریشان کن صورت حال کا سامنا کر رہی ہوں۔ میں یہ بات خود سے بھی نہیں کہنا چاہتی لیکن آج کہہ رہی ہوں کہ مجھے ایڈی......'' وہ چند لمحوں کو رکی۔ ''ہاں۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔''

ماہ بانو اور نیہاں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''میں جانتی ہوں کہ ایڈی سے محبت کرنا خود کو آگ میں جھونک دینے کے برابر ہے۔ تم کہتی ہو ناں نیہاں کہ وہ میرے لیے اسٹینڈ لے سکتا ہے۔ میں بھی یہ بات جانتی ہوں' مجھے یہ بھی پتا ہے کہ وہ مجھے ساری دنیا سے بچا لے گا لیکن اس دوران اسے معاشرے کے کتنے پتھر کھانے پڑیں گے۔ مجھے نہ پا کر اسے جو تکلیف ہوگی' وہ اتنی زیادہ نہیں ہوگی' جتنی مجھے پانے کے بعد

URDU PHOTO

اسے اٹھانا پڑے گی۔ اور میں اسے دکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ اب بھی تکلیف تو اسے ہوگی لیکن بڑی تکلیف کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔''

''اُما تم نے کبھی یہ سب مجھ سے شیئر بھی نہیں کیا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کیا تو ہے۔'' وہ مسکرائی۔ ''خود سے بھی آج ہی کیا ہے۔ اس کا خیال آتا ہے تو میں خود کو ذہنی طور پر کسی دوسری طرف مصروف کر لیتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ ان سب تکلیف دہ باتوں کے متعلق بار بار سوچتی رہوں۔

اور بانو تم سے بھی میں یہی کہوں گی کہ اگر تم نے عبداللہ سے دور ہٹ جانے کا فیصلہ کیا ہے تو سب سے پہلے ذہنی طور پر اس سے دور ہٹو۔ تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم احساسِ جرم میں بھی مبتلا ہو اور اس سے محبت کرنا چھوڑ بھی نہیں سکتیں۔''

''تمہیں اندازہ نہیں ہے اُما مجھے اس سے اچانک محبت نہیں ہوئی۔ اب غور کرتی ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ تو برسوں پہلے سے میرے اندر موجود ہے اور اب اتنی توانا ہو چکی ہے کہ میں اسے جڑ سے نکال کر نہیں پھینک سکتی۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔'' اُما نے کہا۔ ''کیونکہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ مجھے بھی ایڈی سے اچانک محبت نہیں ہوئی۔ قطرہ قطرہ کر کے میرے اندر جمع ہوئی ہے اتنی آہستگی سے کہ میں کچھ سمجھ ہی نہیں سکی۔''

نیہاں خاموشی سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کے لیے اُما ہنس پڑی۔ ''ہم دونوں تو زیرو پوائنٹ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ تم بتاؤ نیہاں کہ تمہاری کیا پروگریس ہے؟''

وہ مسکرا دی۔ ''ہم تینوں ہی زیرو پوائنٹ پر کھڑے ہوئے ہیں' لیکن اس دن عبداللہ کے گھر لنچ کرنا اچھا لگا۔ کبھی مجھے لگتا تھا کہ جیمز میری طرف زیادہ متوجہ ہے لیکن اگلے ہی لمحے یہ خیال غلط ہو جاتا تھا۔ وہ باقی سب کی طرف بھی اتنا ہی متوجہ تھا جتنا میری طرف۔ پھر بھی انجوائے کیا۔''

''ایک دن تم نے کہا تھا کہ جیمز نے بھی پریشانیاں اٹھائی ہیں' وہ کیا تھا؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''جانے دو اس کی پرسنل لائف ہے۔'' وہ بولی۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ ہم تمہارے سامنے ہر بات کہہ دیتے ہیں مگر تم بہت گھنی ہو۔ بھاپ بھی نہیں نکالتیں۔'' اُما نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''ویسے ایک بات ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔ ''کہ ہم دونوں ہی جیمز کے متعلق زیادہ نہیں جانتے۔

URDU PHOTO

''تم دونوں ہی کیا' اس کے متعلق بہت کم لوگ جانتے ہیں۔'' نیہاں بولی۔ ''اصل میں وہ کسی ایک کا دوست نہیں ہے۔ سب کا دوست ہے اور ایسے شخص کے متعلق جاننے کے بارے میں کسی کو دلچسپی نہیں ہوتی' لیکن میری بات تو اور ہے ناں۔'' وہ پھر ہنسی۔

''اچھا بکو تو۔'' ماہ بانو نے دلچسپی سے کہا۔

''اس کی ممی پاکستانی نہیں ہیں' البتہ ڈیڈی پاکستانی ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے پاکستانیوں کا حال۔ باہر جا کر نیشنلٹی کے چکر میں یا پھر وقت گزاری کے خیال سے شادی وغیرہ کر لیتے ہیں' بعد میں ان عورتوں سے جان بھی چھڑانا چاہتے ہیں لیکن طلاق نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہاں کی طرح یہ تو ہے نہیں کہ عورت کو تین لفظ کہہ کر گھر سے نکال دیا اور خود کمرے میں جا کر اطمینان سے اخبار پڑھنے لگے۔ وہ عورتیں تو طلاق کی صورت میں چمڑی تک کھینچ کر لے جاتی ہیں مرد کی۔

جیمز کے ڈیڈی نے بھی شادی تو کر لی تھی پتا نہیں کس چکر میں لیکن پانچ سال بعد وہ پاکستان واپس آ گئے اسے ساتھ لے کر۔ نہ تو انہوں نے جیمز کی ممی کو طلاق دی تھی اور نہ ہی انہیں بتا کر آئے تھے۔ پھر بھی اس کی ممی پاکستان آئیں اور تقریباً سال بھر بعد جیمز کو اپنے ساتھ واپس لے گئیں۔''

''اس کے ڈیڈی نے ان کے حوالے کر دیا جیمز کو؟'' اُما نے پوچھا۔

''نہیں عدالت کے ذریعے لے کر گئی تھیں۔'' نیہاں نے کہا۔ ''پھر وہاں وہ مختلف اسکولوں میں پڑھتا رہا۔ اس کی ممی نے دوسری شادی کر لی۔ انہوں نے جیمز کو بہت پیار اور محبت سے رکھا لیکن سوتیلے باپ نے روایتی سوتیلے پن کا...... سلوک رکھا۔

تب یہ گیارہ سال کا تھا جب اس نے گھر چھوڑ کر پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں اسے احساس تھا کہ اس کی ممی کی زندگی اس کی وجہ سے تلخ ہو رہی تھی۔ پہلے تو اس نے یہ کیا کہ بورڈنگ میں چلا آیا اور پھر اس نے اردو سیکھنی شروع کی۔ تین سال بعد پھر یہ پاکستان آ گیا اور تب سے اب تک یہاں ہے۔''

''اپنے ڈیڈی کے پاس؟''

''نہیں۔ لیکن اس کا خیال ہے کہ وہ انہیں ڈھونڈ لے گا۔''

''تو اب انہیں ڈھونڈ کر بھی کیا کرے گا؟'' ماہ بانو نے تبصرہ کیا۔

''پتا نہیں کیوں ڈھونڈنا چاہتا ہے انہیں۔ میں بھی تو ابھی زیرو پوائنٹ پر کھڑی ہوں۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو کسی نہ کسی کی زبانی کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے سن کر میں نے ترتیب دی ہیں۔ اس کے اندر کیا ہے' وہ کیا سوچ کر یہاں آیا ہے اور اس قسم کی دوسری باتیں مجھے معلوم نہیں ہیں۔ ابھی میں اس کے اتنے قریب نہیں ہوں کہ یہ سب پتا چل سکے۔''

''تمہاری ممی بھی غالباً فارنر ہیں؟'' ماہ بانو نے کہا۔

وہ ہنس پڑی۔ ''امریکن ہیں لیکن ڈیڈی نے نہ تو وقت گزاری کے لیے شادی کی تھی اور نہ نیشنلٹی لینے کے لیے اور میری مما کو بھی بہت کریڈٹ جاتا ہے۔ انہوں نے خود کو بہت بدلا ہے۔ شاید امریکہ میں رہتیں تو خود کو نہ بدل سکتیں۔ ماحول کی بھی بات ہوتی ہے ناں۔ اب یہاں ہیں تو بالکل پاکستانیوں کی طرح رہتی ہیں بلکہ مزے کی بات بتاؤں' مجھے بعض اوقات ڈانٹ بھی دیتی ہیں کہ میں سکرٹ نہ پہنوں۔ ٹراؤزر پہننے سے منع نہیں کرتیں لیکن سکرٹ پہننے کی ہم بہنوں کو بالکل بھی اجازت نہیں ہے۔''

''ایک پرسنل سا سوال ہے نیہاں۔ اگر مائنڈ نہ کرو تو پوچھوں؟'' اُما نے جھجک کر کہا۔

''مجھے یقین ہے کہ تم مائنڈ کرنے والا کوئی سوال نہیں پوچھوگی' اس لیے پوچھ لو۔''

''تمہاری مما تو ایک بالکل مختلف ماحول سے آئی تھیں لیکن تمہارے ڈیڈی کے گھر والوں نے انہیں قبول کرلیا۔ میرا مطلب ہے مذہب وغیرہ پر اعتراض نہیں کیا؟'' اس نے تذبذب کے سے عالم میں پوچھا۔

نیہاں اور ماہ بانو کو اس سے ہمدردی محسوس ہونے لگی لیکن انہوں نے اظہار نہیں کیا۔

''تھوڑا بہت شاید کیا بھی ہو لیکن مما نے خود کو بالکل بدل دیا تھا اور مذہب بھی تبدیل کرلیا تھا' مما مسلمان ہیں۔ اب ان کا نام بھی فاطمہ ہے۔''

اُما چپ سی ہوگئی۔

''پتا ہے بانو! آج کل میں ہر دوسرے تیسرے روز اُما سے بالوں میں تیل لگواتی ہوں۔'' نیہاں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے موضوع تبدیل کردیا۔

''اچانک تیل لگوانے کا خیال کیسے آیا؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''اسے بال لمبے کرنے کا شوق ہو رہا ہے۔ چھ پراندے بھی لے آئی ہے۔'' اس کی جگہ اُما نے جواب دیا۔

''کیوں' جیمز کو لمبے بال پسند ہیں؟'' ماہ بانو نے اسے چھیڑا۔

اس نے ہنس کر اثبات میں جواب دیا۔

''جیمز نے خود کہا ہے تم سے؟'' اُما نے دلچسپی سے دریافت کیا۔

''ہاں' لیکن جیسے تم سمجھ رہی ہو ویسے نہیں۔ چند دن پہلے ہم کچھ فرینڈز اکٹھے باتیں کر رہے تھے۔ پتا نہیں کیسے لمبے بالوں کا ذکر چلا تب اس نے کہا تھا کہ کٹے ہوئے بال اچھے لگتے ہیں' لیکن جو خوبصورتی لمبے بالوں میں ہوتی ہے' وہ چھوٹے بالوں میں نہیں ہوتی اور پتا ہے کیا؟ اس نے بطور خاص تم دونوں کا ذکر کیا تھا کہ کالج میں سب سے خوبصورت بال اُما اور بانو کے ہیں۔ سچ میں تو بہت جلی تھی۔'' نیہاں ہنسی۔

وہ دونوں بھی ہنس پڑیں۔

''دیکھو ناں کتنی ناانصافی کی بات ہے۔ اتنے تھوڑے سے دنوں میں ایڈی کے بال کتنے لمبے ہوگئے ہیں۔ میرے ذرا سے بھی نہیں ہو رہے۔'' اس نے ایسے کہا جیسے شکایت کر رہی ہو۔

''تم ایڈی کے ساتھ مقابلہ کر رہی ہو؟'' اُما ہنسی۔

''ظاہر ہے تم دونوں کے ساتھ تو نہیں کرسکتی نا' اتنے لمبے تو دس سالوں میں بھی نہیں ہوسکتے میرے بال' جتنے تم دونوں کے ہیں۔''

''بھئی ہمت نہ ہارو۔'' ماہ بانو نے کہا پھر اُما سے مخاطب ہوئی۔ ''اس کے بالوں میں روز تیل لگایا کرو تاکہ جلدی جلدی لمبے ہوں۔''

''تم دونوں نے کیسے لمبے کیے ہیں بال؟ کوئی نسخہ تو ہوگا؟'' نیہاں نے کہا۔

وہ دونوں اسے بال لمبے کرنے کے نسخے بتانے لگیں۔ ارنڈی اور ناریل کے تیل میں مکھن ملا کر بالوں میں لگانا۔ بیری کے پتوں' یا آملوں' ریٹھوں کا استعمال وغیرہ۔ نیہاں نے بھی کاپی کھول کر سب نسخے نوٹ کرنے شروع کردیے۔

☆=====☆======☆

پیر صاحب رجب علی شاہ کمرے میں داخل ہوئے تو ریشماں اخبار سامنے پھیلائے سوچوں میں گم تھی۔

''ریشماں گڑیا!'' انہوں نے اسے مخاطب کیا۔

اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

پیر صاحب پر نظر پڑتے ہی وہ یوں گڑبڑا کر رہ گئی' جیسے چوری پکڑی گئی ہو۔

''اخبار پڑھا جا رہا تھا؟'' وہ چند قدم آگے بڑھ آئے۔

''جی!'' اس نے جلدی سے دوپٹا سر پر رکھا۔ ''آئیں بابا جان بیٹھیں۔''

وہ بیٹھ گئے۔ ریشماں ایک موڑھے پر ٹک گئی۔

''یہ آپ کا بھائی ہے ناں سبط۔ پتا نہیں یہ سارا دن کہاں غائب رہتا ہے؟'' پیر صاحب نے کہا۔

''میرے پاس بیٹھا ہوا تھا' ابھی پانچ دس منٹ پہلے اٹھا ہے۔''

''آپ کی نانی اماں آخری مرتبہ کب یہاں آئی تھیں؟'' انہوں نے پائپ جلا کر سرسری انداز میں پوچھا۔

''اب تو بہت دن ہوگئے ہیں۔'' اس نے دل گرفتگی سے کہا۔

''آپ کا دل چاہ رہا ہے ان سے ملنے کے لیے؟''

اس نے ایک نظر پیر صاحب کی طرف دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

''انہیں بلا لیا ہوتا یہاں۔'' وہ بولے۔

URDU PHOTO

"میں نہیں بلاؤں گی۔ انہیں خیال ہوتا تو میرا خود ہی آ جاتیں۔"

"ایسے نہیں سمجھتے' انہیں آپ کا بہت خیال ہے۔"

وہ چپ رہی۔

"ہماری بیٹی اتنی چپ چپ اور اداس کیوں رہنے لگی ہے؟ کیا بات ہے بیٹا اپنے بابا سے بھی نہیں کہیں گی؟"

"بابا جان!" اس نے ہونٹ کاٹے۔ "مجھے' میرا دل بہت گھبرا رہا ہے' بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔ یوں لگتا ہے' جیسے یہ دیواریں......" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

پیر صاحب ایک پل کو بالکل سن ہو کر رہ گئے۔ بہت برسوں پہلے کی ایک رات کے تمام منظر چند لمحوں میں ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔

زیب النساء کے سفید لباس پر لگے اچھو کے خون کے دھبے' اس کی وحشت' دیوانگی' آنکھوں میں شدید نفرت' سب کچھ۔

وہ بابا جان سے بات کر رہی تھی تو انجام سے بے پروا تھی۔ وہ الفاظ اب بھی رجب علی شاہ کو یاد تھے۔

"جس طرح یہ گڑیاں میری ملکیت تھیں' اسی طرح میں آپ کی ملکیت تھی۔" زیب النساء نے کہا تھا۔ "جس طرح میں انہیں الماری میں بند کر کے بھول گئی تھی' اسی طرح آپ مجھے اس کمرے میں بند کر کے بھول گئے تھے۔

لیکن مجھ میں اور ان گڑیوں میں ایک بنیادی فرق تھا۔ ان میں روح نہیں تھی' مجھ میں تھی' ان میں دل نہیں تھا' مجھ میں تھا' یہ سوچ نہیں سکتی تھیں' میں سوچ سکتی تھی۔ میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ بہت سے 'کیوں' میرے گرد چکراتے رہے' لیکن ادب آداب کی تہوں میں ملفوف ہونے کی وجہ سے مجھ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ میں اپنے 'کیوں' کا جواب آپ سے طلب کر سکتی' بس اس لیے میں نے نظریں چرانا شروع کر دیں۔ اپنی سوچوں سے بھی اور اپنے سوالوں سے بھی اور ان پر دھول بیٹھتی گئی۔ اتنی زیادہ کہ اس میں سب کچھ دفن ہو گیا۔

جب کبھی یہ سوچیں سر اٹھانے کی کوشش کرتی تھیں تو میں خوفزدہ ہو کر مذہب میں پناہ ڈھونڈنے لگتی تھی۔ جب دھند کی دبیز تہہ سے کوئی ہیولا میری طرف بڑھتا تھا تو میں سجدے میں گر جاتی تھی۔ آپ کو نہیں معلوم کہ اس آنکھ مچولی کے ساتھ دن کیسے گزرتے ہیں' لیکن مجھے معلوم ہے' ان اذیت ناک لمحوں کی چبھن میں اب بھی محسوس کر سکتی ہوں۔

میں جانتی ہوں کہ آپ کے پاس اپنی بیٹیوں کو زندگی اور موت دینے کے علاوہ کچھ ہے بھی نہیں' مجھے میرا تحفہ دے دیں۔"

جب بابا جان پیر صاحب جلال الدین شاہ نے اسے زہر دینے کے بعد اس کی آخری

خواہش پوچھی تھی تو اس نے بند ہوتی آنکھوں اور اکھڑی سانسوں کے درمیان کہا تھا۔

"آئندہ جو شخص بھی آپ کی گدی پر بیٹھے گا' اگر اس کی کوئی بیٹی ہوئی تو اسے یہی والا کمرا دینا' اسی مسہری اور اسی آئینے کے ساتھ۔"

اور ریشماں اسی کمرے میں' اسی مسہری اور آئینے والی خواب گاہ میں رہتی تھی۔

پیر صاحب نے گہری سانس لے کر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"کیا ہماری بیٹی بھی؟"

لیکن اپنے ذہن میں ابھرتی سوچوں کو انہوں نے سختی کے ساتھ دبا دیا۔

"ہماری ریشماں گڑیا کو جو کمرا اچھا لگے' وہ اس میں چلی جائے۔ اس خواب گاہ میں واقعی کچھ گھٹن ہے۔" وہ بولے۔

"میں اسے چھوڑنا بھی نہیں چاہتی' اس میں رہنا بھی نہیں چاہتی۔ یہاں کی دیواریں میری باتیں سنتی ہیں اور میں ان کی۔ میں کیا کروں بابا جان' میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ میں......!" وہ قدرے جھجک کر بولی۔ "قبرستان جا سکتی ہوں بابا جان؟"

"کیا کریں گی وہاں جا کر؟" انہوں نے نرم سے لہجے میں پوچھا۔

"اپنے بھائی کی قبر پر فاتحہ پڑھوں گی۔" وہ بولی۔

"صرف بھائی کی؟"

"باقی سب پر بھی پڑھوں گی۔"

پیر صاحب کی آنکھوں کے سامنے زرینہ کا سراپا آ گیا۔ وہ بھی وہیں آبائی قبرستان میں دفن تھی' لیکن ریشماں نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا' اسے بھی سب میں شامل کر دیا تھا۔

"بات یہ ہے بیٹا کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا غیر شرعی ہے۔ آپ جہاں بیٹھ کر اپنے بھائی کے لیے فاتحہ خوانی کریں گی' اسے ثواب پہنچتا رہے گا۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

وہ بجھ کر رہ گئی۔ جانتی تھی کہ یہ صرف بہانا ہے۔ وہ اسے کسی نہ کسی دلیل سے مطمئن کرنا چاہتے تھے' ورنہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ان دیواروں سے باہر نہیں نکل سکتی تھی۔

"آپ کو اپنی ماں جی کا خیال آتا ہے کبھی؟" انہوں نے اس سے پوچھا۔

اس نے سر اٹھا کر ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلایا۔

"میری تو بس اماں جان ہیں' وہی میرے لیے سب کچھ ہیں۔"

"آپ اپنی سہیلیوں کو بلا لیا کریں۔ دل لگا رہے گا۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بابا جان! آپ کو تو یہ بھی علم نہیں کہ میری کوئی سہیلیاں ہی نہیں ہیں۔" اس نے انہیں خواب گاہ سے نکلتے دیکھ کر سوچا۔ "دوستی برابری کا رشتہ ہوتی ہے اور یہاں ہمارا گھرانہ سب سے

اونچا ہے۔ کوئی عورت ہمارے برابر نہیں بیٹھ سکتی۔ ایسے میں بتائیں میری دوستی کس سے ہو؟ ہاں ماہ بانو ہے' صرف ایک دوست' اور وہ اتنی دور رہتی ہے کہ اس سے ملنا بھی خواب سا لگتا ہے۔''

اور پیر صاحب غلام گردش میں چلتے ہوئے یاسمین بیگم کے متعلق سوچ رہے تھے جنہوں نے کہا تھا۔

''میں نے اپنی ایک ایک سانس کے ساتھ اس حویلی کی ایک ایک اینٹ سے محبت کی ہے اور آپ نے مجھے ان محبتوں کے جواب میں کیا دیا؟ سوتیلی ماں ہونے کا طعنہ۔ میں نے سوتیلی ماں ہونے کے باوجود ریشماں کے دل میں اٹھنے والی ٹیسیں محسوس کر لیں' آپ تو سگے باپ ہیں' کیا آپ جان سکے کہ وہ عبداللہ کو کس قدر چاہتی ہے؟''

پیر صاحب نے اپنے اندر ابلنے والے لاوے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''اولاد واقعی بہت بڑا امتحان ہوتی ہے۔'' انہوں نے سوچا۔

☆=====☆=====☆

ان لوگوں کو اپنے نئے مکان میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے' لیکن اتنے تھوڑے سے دنوں میں ہی نوری نے محسوس کر لیا تھا کہ چندا بائی جنت بائی کو کاروبار کی جو کنجیاں سونپ کر گئی تھیں' وہ اب بھی کارآمد تھیں۔ وقت گزرتا جا رہا تھا' لیکن قفل تبدیل نہیں ہوئے تھے۔

اور نوری نے تو یوں بھی خود کو تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ جو کچھ جس انداز میں اس کے سامنے آ رہا تھا' وہ بغیر حجت کے قبول کرتی جا رہی تھی۔ شعوری طور پر وہ اس کوشش میں مصروف تھی کہ نئی زندگی کے مطابق خود کو ڈھال لے۔ جن باتوں پر اس سے ہنسنے کی توقع کی جاتی ہے' ان پر شوخی سے ہنسے اور جہاں لیے دیے رہنے کا وقت آئے تو ماتھے پر کم از کم اتنی تیوریاں ضرور ڈال لے' جس سے اس کے حسن میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔

اب تو جنت بائی نے اسے یہ خوشخبری بھی سنا دی تھی کہ جلد ہی اسے فلمیں ملنا شروع ہو جائیں گی۔ یوں بھی ان معاملات میں جنت بائی کے تعلقات بہت وسیع تھے۔

☆=====☆=====☆

ریشماں نے نانی اماں کو بلوایا تھا' لیکن اس وقت تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی' جب ان کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے نانا جی بھی اس کی خواب گاہ میں داخل ہوئے۔ وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ بھی آئیں گے۔'' وہ انہیں بٹھا کر خود قالین پر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''نہ ریشماں بیٹا' ایسے نہ بیٹھو اوپر بیٹھو۔'' انہوں نے کہا۔

''پلیز نانا جان' مجھے یہیں بیٹھا رہنے دیں۔'' وہ بولی۔

URDU PHOTO

''یہ مناسب نہیں ہے' حویلی میں یہ بات کسی کو اچھی نہیں لگے گی۔''

''رہنے دیں نانا جی! اس حویلی میں تو سب کو پتا نہیں کیا اچھا لگتا ہے اور کیا نہیں۔ کیا کبھی میری اماں جی یوں آپ کے قدموں میں نہیں بیٹھی ہوں گی' لیکن آپ اور نانی اماں دونوں مجھے بابا جان کی بیٹی سمجھتے ہیں' کبھی یہ نہیں سمجھا کہ میرا آپ لوگوں سے بھی کوئی رشتہ ہے۔''

''ایسا سوچنا بھی مت کبھی' پہلے رضیہ اور زرینہ سب کچھ تھیں ہمارے لیے' اب تم اور بانو ہو۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو سلامت رکھے۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا پھر قدرے توقف سے نانی اماں سے مخاطب ہوئے۔

''ریشماں کو دیکھ کر یوں نہیں لگتا' جیسے ہماری زرینہ زمین پر اتر آئی ہو؟''

''ہاں۔'' نانی اماں کے لہجے میں آزردگی تھی۔

''مجھ سے بہت ظلم ہوا اس پر' لیکن میں کیا کرتا؟ تب مجھے عزت کا خوف تھا اپنی بھی اور اپنی بیٹی کی بھی۔ میری نیت بری نہیں تھی۔ اس وقت میں مرنے اور مار دینے پر بھی تیار تھا' کیونکہ مجھے سمجھ نہیں تھی کہ...... رشتے کھو جاتے ہیں تو کیسا لگتا ہے۔'' انہوں نے حسرت بھرے انداز میں کہا۔

''آپ کیا باتیں کر رہے ہیں نانا جی؟'' ریشماں کچھ نہ سمجھی تھی۔

وہ چونک گئے۔ ''کچھ نہیں' بس یونہی کبھی ذہن اِدھر اُدھر بھٹک جاتا ہے۔''

''پھر بھی کچھ تو تھا۔ آپ کو کس سے عزت کا خوف تھا' کس بیٹی پر ظلم کیا آپ نے' کیا ماں جی پر؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر نانی اماں کی طرف مڑے۔ ''چلو گھر چلیں' دیر ہو رہی ہے۔''

''نہیں نانا جی! پلیز اتنی جلدی نہیں' آپ نہیں چاہتے تو میں آپ سے کچھ نہیں پوچھوں گی' لیکن اتنی جلدی مت جائیں۔'' اس نے منت کی۔

وہ پھر بیٹھ گئے۔

''نانی اماں! آپ نے کہا تھا کہ آپ بانو کو خط لکھ کر بلوا دیں گی' آپ نے خط لکھا اسے؟''

''ہاں لکھا تھا۔'' انہوں نے جھوٹ بولا۔ ''وہ کہہ رہی تھی کہ جلد ہی آئے گی۔''

''کب؟ یہ نہیں لکھا؟''

''لکھا تو ہے کہ جلدی آئے گی' اب دیکھو کب آتی ہے۔''

''اگر میں اسے خط لکھوں تو آپ اسے پوسٹ کروا دیں گے نانا جی؟'' اس نے تامل کرتے ہوئے' لیکن پُرامید لہجے میں پوچھا۔

''نہیں ریشماں' تم اسے خط مت لکھنا۔'' نانی اماں نے گھبرا کر کہا۔ ''میں خود لکھ دوں گی' تم

فکرمت کرنا۔''

''میں نے اگر اس سے دل کی بات نہ کہی تو میں پاگل ہو جاؤں گی' مجھے بہت گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔''

☆=====☆=====☆

ماہ بانو' اباجی کے ساتھ ڈسکشن کر رہی تھی۔ اس متوقع اگزیبیشن کے بارے میں جو انہوں نے ذہنار میں کرنی تھی۔

''اباجی! آپ منی ایچر میں پاٹری کیوں نہیں ٹرائی کرتے؟''

''میں سمجھا نہیں کہ اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ تمہارا مطلب ہے کہ چھوٹی چھوٹی سی ہانڈیاں اور گھڑے وغیرہ؟'' انہوں نے پوچھا۔

''جی میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔ پاٹری کے سائز کو اگر ہم بہت زیادہ چھوٹا کر دیں اور شیشے کے کیس میں اس کی کمپوزیشن کریں تو بڑی زبردست چیز لگے گی۔ آپ کو پتا ہے ناں اباجی کہ سرامک پیسز (Pieces) کی ڈیکوریشن کی کتنی ڈیمانڈ ہے اور یہ کتنے قیمتی اور کس قدر خوبصورت ہوتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''ہوں۔ یہ اچھی چیز بنے گی۔'' انہوں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''اور اباجی' اب جب کہ کپڑوں میں براؤن رنگ کا استعمال اتنا زیادہ ''اِن'' ہو چکا ہے تو ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی کے بٹن بنائیں۔ آپ یقین کریں اباجی کہ یہ آئیڈیا بہت پسند کیا جائے گا۔''

''تم نے وہ پورسلین والا آئیڈیا چھوڑ دیا؟'' اباجی نے پوچھا۔

''بالکل نہیں' لیکن اس میں شاید ہمیں وقت لگ جائے' اس لیے کہہ رہی ہوں کہ پہلے چکنی مٹی میں ہی اس نئے انداز کو ٹرائی کرتے ہیں۔''

اماں جی ایک لفافہ اٹھائے اس کے پاس چلی آئیں۔

''بانو! یہ دیکھنا تمہارے نام کا خط آیا ہے' لکھائی تو اباجی کی لگتی ہے۔'' انہوں نے لفافہ اسے تھمایا۔

ماہ بانو نے لفافہ کھول کر تہہ شدہ کاغذ باہر نکالا۔

''جلدی دیکھنا کیا لکھا ہے؟'' اماں جی وہیں پر بیٹھ گئیں۔

اس نے تہہ شدہ کاغذ کھولا۔ خط نانا جی کا نہیں ریشماں کا تھا۔ اس کے چہرے پر تناؤ کے آثار ابھر آئے۔

''پیاری بہن بانو!

کیسی ہو؟ میں آج اس قدر اداس ہوں کہ کیا بتاؤں۔ تم سے ملنے اور ڈھیر

ساری باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ کاش تم اس وقت میرے ساتھ ہوتیں۔

اب جب تم اتنی دور ہو تو تم سے بات کرنے کی اس کے علاوہ کیا صورت ہو سکتی ہے۔ بڑی مشکلوں سے نانا جی اور نانی اماں کو راضی کیا ہے کہ وہ میرا خط پوسٹ کر دیں۔ اللہ کرے تمہیں یہ مل جائے۔ پلیز' مجھے جواب ضرور دینا۔ حویلی کے پتے پر تو یہ ممکن نہیں' تم نانا جی کے پتے پر خط بھیج دینا' مجھے مل جائے گا۔

بانو! مجھے حویلی میں اتنی گھٹن محسوس ہو رہی ہے کہ کیا بتاؤں۔ احساسِ جرم نے میری راتوں کی نیندیں چھین لی ہیں۔ یہ خیال جب آتا ہے کہ میرا بھائی میری وجہ سے قتل ہوا' مجھ سے اتنی دور چلا گیا کہ کبھی واپس نہیں آ سکتا' تو میرا دل چاہتا ہے کہ انہی دیواروں سے سر پھوڑ کر مر جاؤں۔

خادم بھائی اب تندرست ہو چکے ہیں' لیکن انہوں نے اس دوران کتنی تکلیف برداشت کی ہے۔ جب ان کی اس تکلیف کا خیال آتا ہے تو دل کٹنے لگتا ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس صورتِ حال میں کیا کروں؟ کس کو بچاؤں اور کس کو مر جانے دوں؟ لگتا ہے پاگل ہو جاؤں گی۔ تم آئی بھی تھیں' لیکن میں مل نہیں سکی۔ اس بات کا اب تک افسوس ہے۔ تم سے ملاقات ہو جاتی تو سب کچھ تم سے کہنے کے بعد شاید میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ اب یہ غبار اندر ہی اندر بڑھتا جا رہا ہے۔ جانتی ہوں کہ تمہارا آنا مشکل ہے' لیکن کیا کروں امیدوں کے سہارے ہی تو جی رہی ہوں۔

وہ کیسے ہیں؟ ضرور لکھنا۔

رات بہت ہو گئی ہے' بھائیوں نے دیکھا کہ میرے کمرے کی بتی جل رہی ہے تو انہیں تشویش ہوگی' اس لیے اجازت دو' خدا حافظ۔

تمہارے جواب کی شدت سے منتظر

تمہاری بہن ریشماں''

ماہ بانو نے کاغذ دوبارہ تہہ کر دیا۔

''خیر کی خبر ہے ناں؟'' اماں جی نے پوچھا۔

''جی!'' وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ''ریشماں کا دل چاہ رہا ہے مجھ سے ملنے کے لیے' لیکن ابھی تو یہ ممکن نہیں ہے ناں۔'' پھر وہ اباجی سے مخاطب ہوئی۔

''باقی تفصیلات بعد میں ڈسکس کر لیں گے۔''

اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ ٹانگیں اوپر کر کے بستر پر بیٹھ گئی۔ ریشماں کے خط نے

اس کے اضطراب میں اضافہ کر دیا تھا۔ اس کے ایک چھوٹے سے فقرے نے اس کے اندر ہلچل مچا دی تھی۔

''وہ کیسے ہیں' ضرور لکھنا''

اس چھوٹی سی بات میں اس نے ماہ بانو سے سب کچھ پوچھ لیا تھا۔

☆=====☆=====☆

''میں نے ریشماں کو خط لکھنے کی کوشش بہت دیانتداری سے کی تھی۔ میں اسی وقت کمرے میں گئی تھی اور کاغذ قلم لے کر اسے خط لکھنے بیٹھ گئی تھی' لیکن ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکی۔'' ماہ بانو نے اُما سے کہا۔

وہ دونوں اس وقت کالج کے گرافکس اسٹوڈیو میں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ رات کے تقریباً آٹھ بج چکے تھے اور اندھیرے کی چادر پھیل چکی تھی۔ ان دونوں کو ہی ابھی پرنٹس نکالنے تھے' اور عین وقت پر لائٹ چلی گئی تھی۔ انہوں نے موم بتی روشن کر لی تھی' لیکن اتنے بڑے اسٹوڈیوز میں اس کی روشنی ناکافی تھی۔ کچھ اور اسٹوڈنٹس بھی تھے' جو بجلی کے جاتے ہی باہر نکل گئے۔ اسٹوڈیوز میں وہ دونوں ہی تھیں۔

کالج کے دوسرے حصوں میں اسٹوڈنٹس کام میں مشغول تھے۔ خاص طور پر فائن آرٹس آرکیٹیکچر اور ڈیزائن کے فورتھ ایئر کے بہت سے طالب علم دیر تک رک کر کام کر رہے تھے۔ یوں بھی فائنل ایئر نے تھیسز کی تیاری شروع کر دی تھی۔ گرافکس کے طالب علموں کو اکثر کافی دیر ہو جایا کرتی تھی۔

''کسی بھی طرح لیکن اسے تسلی کے دو حرف لکھ دو' مجھے تو اس بات کا خیال ہی نہیں آیا تھا کہ وہ کس قدر احساسِ جرم میں مبتلا ہو گی۔'' اُما نے ماہ بانو سے کہا۔

''یقین کرو اُما! بہت کوشش کر چکی ہوں' لیکن ذہن میں اتنی باتیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں کہ کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آتا۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔'' اُما نے ہمدردی سے کہا۔

''اور اس نے بھی تو ایک ہی فقرے میں سب کچھ پوچھ لیا۔ چاہتی ہے کہ میں اسے عبداللہ کے متعلق بتاؤں کہ وہ کیسا ہے۔ یہ میرا پسندیدہ موضوع ہے' جس پر میں گھنٹوں بول سکتی ہوں۔ صفحوں کے صفحے کالے کر سکتی ہوں اور یہی وہ موضوع ہے جسے میں سب سے زیادہ نظرانداز بھی کرنا چاہتی ہوں۔ ریشماں نے کہا تھا کہ میں عبداللہ کو اس کی آنکھوں سے دیکھوں اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی۔''

اُما کھڑکیوں کے ساتھ رکھے ہوئے لاکرز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ باہر لان میں لگے فوارے کے گرد بنی چھوٹی سی دیوار پر ایڈی گٹار لیے بیٹھا تھا۔ اس کے کلاس فیلوز اور دیگر

دوست وہیں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ اسی وقت اس نے گٹار پر ہلکی ہلکی دُھن بجانا شروع کی۔ اُما نے مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

''کتنا اچھا لگ رہا ہے' کون گٹار بجا رہا ہے؟'' ماہ بانو نے آگے بڑھ کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔

اُما خاموشی سے باہر تکتی رہی۔ ایڈی نے دُھن تبدیل کی۔ اس کے گرد کھڑے دوست بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے' پھر سب گٹار کے ساتھ ساتھ چٹکیاں بجا کر گانے لگے۔

''آئی ہوئی بہاروں میں' پھیلے ہوئے نظاروں میں
بھیگے ہوئے چناروں میں' یونہی کبھی اشاروں میں
نظریں جو ملیں اک بار صنم سے
جینا ہو جاتا آسان قسم سے
کتنی سنہری یادیں ہیں' کیسا نظر میں سپنا ہے
کیسے اسے میں پالیتا' کہتا میں کیسے اپنا ہے
وہ جو نبھاتا ساتھ' اسی طرح میں بھی نبھاتا ساتھ
وہ جو بڑھاتا ہاتھ' اسی طرح میں بھی بڑھاتا ہاتھ
چاہا اسے میں نے' ڈھونڈا اسے میں نے
وہ نہ مجھے مل سکا
رنگوں بھرے جھمیلے میں' یا پھر کبھی اکیلے میں
نظریں جو ملتیں اک بار صنم سے
جینا ہو جاتا آسان قسم سے
سوچا نہیں تھا میں نے یہ ہاروں گا ایسی بازی میں
اس کو کبھی بھی چاہت سے کر نہ سکوں گا راضی میں
ہو کے رہے گی مات یونہی کبھی بگڑے گی میری بات
کتنی رُتیں بیتیں' کتنے سے بیتے' کم نہ ہوئے فاصلے
یونہی سدا رہی دوری' خواہش کہاں ہوئی پوری
پلکیں ذرا اٹھانے سے' چاہے کسی بہانے سے
نظریں جو ملتیں اک بار صنم سے
جینا ہو جاتا آسان قسم سے''

سب نے تالیاں بجا کر داد دی۔ اسی وقت بجلی آ گئی۔ سب کام کرنے اپنے اپنے اسٹوڈیوز کی طرف بڑھ گئے۔ گرافکس اسٹوڈیوز میں بھی لڑکے لڑکیاں واپس آ گئے۔ اُما کھڑکی سے ہٹ کر

بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔

''اُما کہاں......؟'' ماہ بانو نے آواز دی۔

''ابھی آئی۔'' وہ جلدی سے باہر نکل گئی۔

ایڈی ابھی تک وہیں فوارے کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اُما اس کے برابر بیٹھ گئی۔

''پلیز ایڈی' ایک بار پھر یہی دھن بجانا۔'' اس نے کہا۔

ایڈی نے قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا' پھر مسکرا کر گٹار بجانے لگا

☆=====☆=====☆

''بھائی' میں صبح سے آپ کو ٹرائی کر رہی تھی' آپ کہاں تھے؟''

گھر پہنچتے ہی عبداللہ کو زینی کا فون آیا۔ اس کا انداز رونے والا ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا تمہیں؟ خیر تو ہے؟'' اس نے تشویش سے پوچھا۔

''آپ تھے کہاں' میرا کوئی خیال نہیں ہے آپ کو۔'' وہ سخت ناراض لگ رہی تھی۔

''میں کالج میں تھا' لیٹ آورز میں رک گیا تھا' کام کرنے کے لیے۔''

''آپ نے بابا جان کو کچھ نہیں بتایا تھا؟'' اس نے دریافت کیا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''میرے کانوں میں کچھ اُڑتی اُڑتی سی بات پڑی ہے کہ بابا جان ہم دونوں بہنوں کی شادی کر رہے ہیں کہیں' اب کیا ہوگا بھائی؟''

''کچھ نہیں ہوگا' میں بات کرتا ہوں بابا جان سے۔''

''آپ بس اتنا کہہ دیتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوگا' کرتے کچھ بھی نہیں' آپ بس گاؤں آ جائیں۔''

''یہ ممکن نہیں ہے زینی کہ بابا جان میری غیر موجودگی میں کوئی فیصلہ کریں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سلسلے میں تمہاری رائے نہ لیں۔ ابھی سب کارڈز ہمارے ہاتھ میں ہیں۔'' عبداللہ نے اسے تسلی دی۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بھائی' آپ گاؤں آ جائیں ناں جلدی سے۔''

''ابھی تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں' جیسے ہی چھٹیاں ہوں گی' میں آ جاؤں گا۔''

''پرامس؟''

''پکا پرامس!'' وہ بولا۔

''ایک بات بہت تنگ کر رہی ہے مجھے بھائی۔'' زینی نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''آپ سچ مچ ریشماں بھابی کے علاوہ کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں؟''

''ایک گھر میں ہم ایک ہی رشتہ جوڑیں گے اور بڑے بابا جان کی فیملی میں ہم تمہارا رشتہ جوڑ رہے ہیں۔'' اس نے بات ٹالی۔

''ہوں' میں سمجھ گئی۔'' اس نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''اچھا اب اگر میری جان بخشو تو میں تھوڑا سا کام کرلوں۔''

''اب کیا کام کرنا ہے' کالج میں کام نہیں کیا؟'' وہ بولی۔

''میں فائنل ایئر میں ہوں' اور مجھے پاس بھی ہونا ہے۔ میرا تو گاؤں آنے کا بھی ارادہ نہیں تھا' ابھی تھیسز پر کام شروع کرنے لگا ہوں' صرف تمہاری خاطر وہاں آ رہا ہوں۔''

''آپ کا خیال ہے کہ میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی تو یہ بالکل غلط ہے' میرا ساتھ تو آپ کو دینا ہی ہے۔''

عبداللہ ہنس پڑا۔ ''وقت پڑنے پر تم بھی میرا ساتھ دینا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ بھی خوش دلی سے ہنس پڑی۔

☆=====☆=====☆

کالج میں خبر گرم تھی' ہر کوئی ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

''آج ایڈی کو دیکھا ہے؟''

اور ایڈی یوں لگ رہا تھا جیسے نئی نئی پیکنگ سے ابھی ہی نکلا ہو۔ بال اب بھی لمبے تھے لیکن اتنے زیادہ نہیں۔ شیو بنی ہوئی تھی۔ پرانی میلی جینز کے بجائے لیوائس کی نیلی جینز اور مارکس اینڈ سپنسر کی قمیص میں ملبوس صاف ستھرا' نکھرا نکھرا۔

''اُما! تم نے ایڈی کو دیکھا؟'' ماہ بانو نے اس سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اُما تم نے؟'' ماہ بانو نے بات ادھوری چھوڑ کر قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں بانو' پتا نہیں اچھا کیا یا برا' لیکن میں نے سوچا کہ:

It is better to have loved and lost than not to have loved at all.

''لیکن اُما! یہ سب جو تم کرنے جا رہی ہو' یہ ہوگا کیسے؟'' ماہ بانو کے انداز میں گھبراہٹ اور پریشانی تھی۔

''پتا نہیں بس ابھی تو میں ان سب باتوں کے متعلق سوچنا بھی نہیں چاہتی۔'' پھر اُما نے گفتگو کا رخ پلٹ دیا۔ ''تم' گاؤں کب جا رہی ہو؟''

''میرا ارادہ نہیں تھا' لیکن ابھی عبداللہ سے میری بات ہوئی ہے۔ کل زینی کا فون آیا تھا

اسے‘ اس کے بابا جان اس کی شادی پر مُصر ہیں۔‘‘

’’اور تم انہیں سمجھانا چاہ رہی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ تمہاری بات مان جائیں گے؟‘‘ اُما بولی۔

’’چند دن کے لیے ہی سہی‘ لیکن مجھے گاؤں جانا ہی تھا۔ اماں جی کب ٹلنے والی ہیں‘ ورنہ تم جانتی ہو کہ میں وہاں کیوں نہیں جانا چاہتی۔ اب جب وہاں جاؤں گی تو اس کے بابا جان سے ملوں گی ضرور چاہے وہ مانیں یا نہ مانیں‘ لیکن خود سوچو اُما‘ وہ کس قدر زیادتی کر رہے ہیں زینی کے ساتھ‘ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔‘‘

’’لیکن تم کس حیثیت سے ان کے ساتھ بات کرو گی؟‘‘

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ’’یہ حق مجھے عبداللہ نے دیا ہے‘ وہ میرا دوست ہے‘ اور اسی رشتے کی وجہ سے میں ان سے بات کروں گی۔‘‘

’’اور یہاں تم لوگوں کی سرامکس کی ایگزیبیشن کب ہوگی؟‘‘ اُما نے پوچھا۔

’’اس میں ابھی مہینہ بھر رہتا ہے اور میں اور اباجی بہت محنت کر رہے ہیں‘ اس کے لیے‘ بلکہ یہ گاؤں سے جلدی آنے کا بہانا ہو جائے گا۔‘‘

’’مجھے بھی گھر بہت یاد آ رہا ہے۔ دل چاہ رہا ہے جلدی سے چھٹیاں ہوں اور میں سکھر جاؤں۔‘‘ اُما نے کہا۔

☆=====☆=====☆

سبط حسن کو پیر صاحب نے طلب کیا تھا۔ وہ اس وقت اماں جان کے پاس تھا۔

’’اماں جان کچھ اندازہ ہے کہ بابا جان نے کیوں بلایا ہے؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’بیٹا! مجھے کب پتا چلتا ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے۔‘‘ وہ بولیں۔

’’ایسا کیوں ہے اماں جان‘ اس طرح ہونا تو نہیں چاہیے؟‘‘

’’جو کچھ بھی ہوتا ہے‘ وہ اس سے بہت مختلف ہوتا ہے‘ جو ہونا چاہیے۔‘‘ انہوں نے کہا۔ ’’تم اپنے بابا جان کے پاس جاؤ‘ انہوں نے تمہیں یاد کیا ہے۔‘‘

گول کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اماں جان اور بابا جان کے درمیان کس طرح کا رشتہ قائم تھا۔ ایک چھت کے نیچے رہنے کے باوجود‘ ایک دوسرے کی زندگی کے ساتھی ہونے کے باوجود وہ دونوں بہت الگ دنیاؤں کے باسی تھے۔ اسے یہ رشتہ کبھی ساتھیوں اور دوستوں والا نہیں لگا تھا‘ اسے ہمیشہ یونہی محسوس ہوا تھا‘ جیسے یہ آقا اور غلام والا رشتہ ہو اور یہ بات اسے کبھی پسند نہیں آئی تھی۔

گول کمرے میں بابا جان اس کے منتظر تھے۔

URDU PHOTO

’’ہوں!‘‘ وہ بیٹھ گیا تو انہوں نے پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ’’تم نے سوچا

ہے کہ آگے کیا کرو گے؟ ایف ایس سی میں داخلہ لینے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تمہارا؟‘‘

’’ارادہ کیوں نہیں ہے‘ لیکن بابا جان میں یہاں پاکستان میں نہیں پڑھنا چاہتا۔‘‘

’’تو برطانیہ چلے جاؤ‘ لیکن یوں ہم تمہیں فارغ بیٹھے نہیں دیکھنا چاہتے۔‘‘ انہوں نے کہا۔

’’تھینک یو بابا جان! میں یہی چاہتا ہوں‘ لیکن اگر برطانیہ کے بجائے امریکہ میں ایڈمیشن لے لوں تو؟‘‘

’’اس میں حرج تو کوئی نہیں ہے‘ مگر برطانیہ میں ہمارے کنٹریکٹ ہیں‘ وہاں تمہیں زیادہ سہولت رہے گی‘ دیکھ بھال بھی ہوتی رہے گی۔‘‘

’’یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں‘ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے لیے امریکہ زیادہ بہتر ہے۔ برطانیہ کا ماحول مجھے کلف زدہ سا لگتا ہے۔‘‘

پیر صاحب مسکرائے۔ ’’یہی تو وہاں کی خوبی ہے اور وہاں پڑھنے کا جو لطف ہے‘ وہ دنیا میں اور کہیں بھی نہیں ہے۔ اینی وے ہم اس سلسلے میں تم پر کوئی پابندی نہیں لگا رہے۔ تم کسی تعلیمی ادارے کا انتخاب کر لو اور ہمیں بتا دو۔ ہمیں یقین ہے کہ تم کسی بہترین انسٹی ٹیوشن کا ہی انتخاب کرو گے۔ برطانیہ ہو تو اچھا ہے‘ لیکن ہمیں امریکہ پر بھی اعتراض نہیں ہے۔‘‘

☆=====☆=====☆

''گڑیا مجھے لگتا ہے کہ بھائی کو ریشماں بھابی سے اس لیے کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ وہ انہیں جانتے ہی نہیں ہیں۔ سوچو کہ وہ انہیں جانتے ہوتے تو بھلا کیوں اعتراض کرتے۔ سبط نے مجھے خود بتایا ہے کہ وہ اتنی زیادہ خوبصورت ہیں کہ بس بندہ دیکھتا ہی رہ جائے' اور پتا ہے سبط نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بھائی سے بہت محبت کرتی ہیں۔'' زینی نے زہرا سے کہا۔

وہ دونوں لیونگ روم میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

''یہ بات سبط کو کیسے پتا چلی کہ ریشماں بھابی بھی بھائی سے بہت محبت کرتی ہیں۔'' زہرا نے پوچھا۔

''اس نے خود بتایا تھا مجھے' چاہے تو تم بھی پوچھ لینا۔ بھئی ہمیں بھی تو پتا ہے ناں کہ بھائی کو ان سے دلچسپی نہیں ہے' اسی طرح اسے بھی پتا ہے کہ اس کی بہن کو ان سے محبت ہے۔'' زینی نے کہا۔

''بھائی جو انہیں ناپسند کرتے ہیں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درمیان میں کسی اور لڑکی کا چکر ہو۔'' زہرا نے خیال ظاہر کیا۔

''مجھے یقین ہے کہ ایسی بات نہیں ہے' ورنہ وہ مجھے ضرور بتاتے اور پھر گڑیا میں تو بہت جذباتی ہوں۔ اس معاملے میں۔ وہ سبط کی بہن ہیں' بھائی کو پسند کرتی ہیں تو بھلا وہ کیوں نہ ہماری بھابی بنیں۔ مجھے تو بالکل اچھا نہیں لگے گا کہ کوئی اور لڑکی ان کی جگہ لے لے۔''

''تم جذباتی ہو رہی ہو اور یہ بھول گئی ہو کہ بھائی انہیں ناپسند کرتے ہیں۔'' زہرا نے کہا۔

''وہ انہیں ناپسند نہیں کرتے بلکہ وہ ان کے سلسلے میں Indifferent ہیں۔ نہ پسند کرتے ہیں اور نہ ہی ناپسند' لیکن سوچو گڑیا کہ اگر بھائی کو ان کے متعلق معلومات ملیں یا وہ ان کی تصویریں دیکھیں' ان سے ملیں یا ان کی باتیں سنیں تو بھائی کا یہ Indifferent رویہ ختم ہو سکتا ہے' وہ ریشماں بھابی سے محبت کر سکتے ہیں۔'' زینی کے انداز میں جوش تھا۔

''تم کن مفروضوں کی بات کر رہی ہو' نہ تو بھائی ان سے مل سکتے ہیں' نہ ان کی تصویریں

دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی باتیں سن سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ خواہ مخواہ سب کو مصیبت میں مت ڈالو۔ خود تو پھنسی ہوئی ہو' باقی سب کو بخشو۔''

''یہ مفروضے نہیں ہیں۔ میں ان باتوں کو حقیقت بناؤں گی۔'' اس نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہے۔'' زہرا نے کہا اور اٹھ کر ٹی وی لگا لیا۔

زہرا ٹی وی دیکھتی رہی اور وہ نظریں اسکرین پر جمائے سوچنے لگی۔ جلد ہی ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔ زہرا کو وہیں چھوڑ کر وہ اٹھی اور اپنے کمرے سے بڑی سی چادر لے کر بابا جان کے ڈرائیور کے پاس آ گئی۔

''بشیر! گاڑی نکالو۔'' اس نے کہا۔

''بی بی! کہاں جانا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''جہاں میں کہوں وہاں لے چلو۔'' وہ بولی۔

''گن مین ساتھ لے لیں بی بی؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے' تم گاڑی نکالو۔''

''لیکن بی بی' بڑی بیگم اور شاہ صاحب نے سختی کے ساتھ منع کیا ہے کہ گن مین کے بغیر بیبیاں کہیں باہر نہیں نکلیں گی۔'' وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کیا خیال ہے' میں گاڑی خود ڈرائیو نہیں کر سکتی؟ مجھے پتا ہوتا کہ تم اتنی بحث کرو گے تو کبھی نہ کہتی تم سے۔'' اسے غصہ آ گیا۔

''بی بی! میں تو نوکر ہوں' شاہ صاحب کا حکم کیسے ٹال سکتا ہوں۔''

''گاڑی کی چابی مجھے دے دو۔'' اس نے چڑچڑے انداز میں کہا۔ ''اتنا بڑا قید خانہ ہے یہ جگہ' کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا جا سکتا۔''

''آپ بیٹھیں جہاں کہیں گی میں لے چلتا ہوں۔''

گاڑی لے کر وہ ندی تک آ گئی۔

''اب تم جاؤ بشیر' دو ڈھائی گھنٹے میں یہیں آ جانا۔'' وہ اترتے ہوئے بولی۔

''لیکن بی بی! آپ کو یہاں چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں؟'' وہ متذبذب تھا۔

''تو مت جاؤ' میرا دماغ مت کھاؤ' مجال ہے کہ اس حویلی میں ہماری بات بھی کوئی سنے۔'' وہ غصے سے بولی اور ندی کے اوپر بنے پُل کی طرف چل دی۔

''بی بی! یہ پیر صاحب کا علاقہ ہے' یہاں مت جائیں۔'' وہ گھبرا کر اس کے پیچھے لپکا۔

مگر وہ سنی اَن سنی کر کے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

حویلی کچھ زیادہ دور نہیں تھی' لیکن اس کے لیے راستہ اجنبی تھا' پھر بھی وہ اطمینان سے چلتی

جارہی تھی۔ چہرہ اس نے بڑی سی چادر میں چھپا رکھا تھا۔ بشیر نے دیکھا کہ وہ واپس پلٹنے کے موڈ میں نہیں تھی' تو وہ تیزی سے پیچھے مڑا اور گاڑی لے کر حویلی کی طرف چل دیا۔ اسے حیدر علی شاہ سے جھاڑ پڑنی یقینی تھی' لیکن فوری طور پر ان تک یہ خبر پہنچانی ضروری تھی۔

☆=====☆=====☆

زینی کو راستہ ڈھونڈنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور وہ جلد ہی پیر صاحب کی حویلی میں پہنچ گئی۔

متجسس آنکھوں کے ساتھ حویلی کی غلام گردشوں میں گھومتے ہوئے بالآخر وہ زنان خانے میں اماں جان کے کمرے میں پہنچ گئی۔ اپنا چہرہ اب بھی اس نے چادر میں چھپا رکھا تھا۔ کمرے میں ڈھیر ساری عورتیں موجود تھیں۔ وہ بھی سلام کرکے اپنے بیٹھنے کے لیے کوئی مناسب سی جگہ کی تلاش کرنے لگی۔

وہاں آنے والی عورتیں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتی تھیں۔ زینی ان سب کے لیے اجنبی تھی۔ یوں بھی وہاں آکر پردہ کرنے والی عورتیں بھی نقاب اتار دیا کرتی تھیں۔

یاسمین بیگم بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ اپنے لباس اور انداز سے وہ کسی تعلیم یافتہ گھرانے کی لڑکی لگتی تھی۔ چادر سے نظر آنے والی اس کی آنکھیں بھی اس کے ذہین ہونے کا ثبوت دے رہی تھیں۔ انہوں نے اب سے قبل اسے کبھی نہیں دیکھا تھا' وہ غیر محسوس انداز میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی قالین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

''بچی تم کون ہو؟ آج سے پہلے تمہیں یہاں کبھی نہیں دیکھا۔'' یاسمین بیگم نے کہا۔

اس نے راستے میں سوچی ہوئی کہانی کے مطابق جواب دیا۔

''میرا نام ہاجرہ ہے۔ ملتان سے آئی ہوں۔''

''کوئی رشتے دار ہیں یہاں تمہارے؟''

''نہیں۔ کسی نے بتایا تھا کہ پیر صاحب کی دعا میں بہت اثر ہے۔ اس لیے ان سے دعا کروانے چلی آئی۔'' وہ بولی۔

یاسمین بیگم نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ ان کا اندازہ تھا کہ وہ جان بوجھ کر اپنے لہجے میں گنوار پن پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پیر صاحب اس وقت کچھ مصروف ہیں۔ میں ان سے تمہارے لیے دعا کرنے کا کہوں گی۔ وہ ضرور مدد کریں گے۔ اتنی دیر تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ یہ چادر بھی اتار دو بے شک۔''

''نہیں جی' میں ٹھیک ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''ارے ایسا بھی کیا پردہ۔ یہ پیروں کی حویلی ہے۔ کوئی محلے کی گلی یا بازار کی سڑک نہیں ہے

جو کوئی یہاں کسی لڑکی کی طرف نظر بھر کر بھی دیکھے۔'' ایک عورت نے منہ بنایا۔

''گھبراؤ مت بچی۔ اطمینان سے بیٹھو۔ یہاں کوئی مرد بغیر اجازت اندر داخل نہیں ہوتا'' یاسمین بیگم نے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے جی۔ دراصل میرا چہرہ جلا ہوا ہے' اس لیے میں منہ چھپا کر رکھتی ہوں۔''

''چچ چچ' آئے ہائے بے چاری۔''

سب ہی اس کی طرف ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

''شادی ہوگئی تمہاری یا نہیں؟'' دوسری عورت نے کہا۔

''شادی کے لیے ہی بے چاری دعا کروانے آئی ہوگی۔ اپنی ذات بتا دینا۔ پیر صاحب کہیں نہ کہیں تمہاری شادی طے کروا دیں گے۔'' دوسری عورت نے کہا۔

''اوہ گاڈ۔ یہ عورتیں۔'' زینی نے دل ہی دل میں سوچا۔

''لڑکی میں نے پوچھا تھا کہ شادی ہوگئی تمہاری یا نہیں؟'' پہلے والی عورت نے اپنا سوال دہرایا۔

''میری شادی کی تمہیں اتنی فکر کیوں ہے؟'' وہ تنک کر بولی۔

''بڑی نک چڑھی ہے۔'' اس عورت نے ناک سکیڑ کر منہ پھیر لیا۔

عورتیں ایک مرتبہ پھر باتوں میں مصروف ہوگئیں۔ زینی دیوار سے ٹیک لگائے حویلی اور اس کے مکینوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ اس حویلی کے متعلق اس نے بہت کچھ سنا تھا۔ بچپن میں ان پر فائرنگ کی گئی۔ زہرا کو اغوا کرنے کی کوشش ہوئی۔ زبردستی رشتے طے ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سبط کے بھائیوں نے عبداللہ کو قتل کرنے کی قسم اٹھائی۔

وہ یاسمین بیگم کے چہرے پر نگاہ ڈالتی تھی تو اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس کی اماں جان کی طرح ہوں۔ محبت کرنے والی' حساس دل رکھنے والی اور اولاد کے لیے ہر وقت فکرمند رہنے والی۔

''تو کیا جو کچھ ہوا اس کی ذمہ داری صرف بڑے بابا جان پر عائد ہوتی ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔

''اگر اس وقت کسی کو میری اصلیت معلوم ہو جائے تو کیا ہو؟ کیا یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے؟ یا پھر سبط مجھے بچا لے گا۔ اور سبط کی اماں جان کا کیا ردِعمل ہوگا؟ بھائی نے بتایا تھا کہ یہ اب بھی مجھے امداد حسین کی منگیتر ہی سمجھتی ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مرنے والے بیٹے کی محبت پر زندہ بیٹے کی محبت غالب آ جائے اور یہ سبط کا ساتھ دے دیں۔ منوالیں بڑے بابا جان سے کہ میری اور سبط کی شادی ہو سکتی ہے؟''

وہ خود سے سوال پوچھ رہی تھی۔ اور اس کے پاس اپنے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ وہاں موجود عورتوں کی باتوں سے اکتا گئی۔ وہ گاؤں کے اور خاندانوں کے متعلق نہ جانے کون کون سے بکھیڑے لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ بالآخر تنگ آ کر وہ یاسمین بیگم سے مخاطب ہوئی۔

''میں جی چھوٹی بی بی سے مل سکتی ہوں؟''

''ہاں مل لو۔ اس کا بھی دل بہل جائے گا۔'' وہ بولیں۔

''لیکن مجھے پتا نہیں ہے جی کہ ان کا کمرا کہاں ہے؟''

یاسمین بیگم نے ایک عورت اس کے ساتھ کر دی جو اسے ریشماں کے کمرے میں چھوڑ گئی۔

کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر زینی نے اندر کا جائزہ لیا۔ اس بڑے سے کمرے کی آرائش بہت خوبصورتی سے کی گئی تھی لیکن آرائش کے انداز میں جدت نہیں تھی۔ سامنے ہی صوفے پر ریشماں ٹانگیں اوپر کیے بیٹھی تھی۔ گود میں کوئی کتاب تھی لیکن اس کی نگاہیں دروازے میں کھڑی زینی پر ہی لگی ہوئی تھیں۔

زینی نے اسے دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی۔ شہد آگیں رنگت' خوبصورت نین نقش جیسے بہت فرصت کے عالم میں بنائے گئے ہوں۔ گھٹنوں تک لمبے گھنے بال جن سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

''کون ہو؟ اندر آ جاؤ۔''

ریشماں نے کہا تو وہ چونکی اور اندر بڑھ گئی۔

''بیٹھو۔'' ریشماں نے کہا۔

''اے بی بی' یہ چادر ہٹا لو منہ سے اور آرام سے بیٹھو۔'' وہاں موجود کریمن نے اس سے کہا۔

''ہاں'' وہ بولی پھر گردوپیش کا جائزہ لیتے ہوئے کریمن سے مخاطب ہوئی۔ ''باہر بہت گرمی ہے مجھے سخت پیاس محسوس ہو رہی ہے۔ ایک گلاس پانی مل جائے گا۔''

''ارے کیوں نہیں۔ دنیا کی کون سی نعمت ہے جو اس بڑی حویلی میں نہ ہو۔ اللہ پیر صاحب کو سلامت رکھے۔'' کریمن اٹھی۔

زینی اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ جب اس نے باہر نکل کر اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا تو زینی ریشماں کی طرف مڑی۔

''مجھے آپ سے بہت کچھ کہنا ہے لیکن صرف آپ سے کسی اور کی موجودگی میں آپ سے کچھ نہیں کہہ سکوں گی اور میرا آپ سے بات کرنا بہت ضروری ہے۔''

ریشماں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ ''تم کون ہو؟ میں اس طرح کسی سے بھی نہیں ملا کرتی۔''

''پلیز میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ابھی آپ کو تفصیل سے بتا دیتی ہوں کہ میں کون ہوں۔ ابھی صرف اتنا کہوں گی کہ میں آپ کی دوست اور ہمدرد ہوں۔ آپ سے محبت کرتی ہوں۔''

''دیکھو لڑکی تم جو بھی ہو' میں تمہیں نہیں جانتی۔ نہ ہی مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت ہے۔ یوں بھی میں ہر آئی گئی عورت سے نہیں ملتی۔ میری ایک بہت اچھی دوست بھی ہے اور میرے ہمدرد' مجھ سے محبت کرنے والے بھی بہت ہیں۔ مجھے تو تم کوئی مشکوک سی لڑکی لگ رہی ہو۔''

''اوہ گاڈ۔ ایک تو آپ کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں۔ میں آئی گئی عورتوں میں سے نہیں ہوں اور نہ ہی مشکوک ہوں۔ میں آپ کی کزن ہوں زینی یعنی زینب۔''

''زینب؟'' ریشماں نے بڑی سی چادر میں لپٹی زینی کی طرف بے یقینی سے دیکھا۔ ''تم حیدر بابا کی بیٹی ہو؟''

''ہاں' اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ سے کسی کے سامنے بات چیت نہیں کر سکتی۔ یہاں کسی کو نہیں پتا کہ میں اصل میں کون ہوں۔ آپ......''

ابھی اس کی بات منہ ہی میں تھی کہ کریمن دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

''یہ لو۔ ایسی لسی تو تم نے کبھی نہیں پی ہوگی۔'' وہ گلاس لے کر زینی کی طرف بڑھی جو اب تک کھڑی ہوئی تھی۔

ریشماں گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ گود میں رکھی ہوئی کتاب قالین پر گر گئی۔

''تم نے تو چادر بھی نہیں اتاری۔ بیٹھی بھی نہیں ہو۔''

''تمیز سے بات کرو کریمن!'' ریشماں نے اسے جھاڑا۔

کریمن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ''میں نے کوئی غلطی کی بی بی؟''

''بحث کیوں کر رہی ہو اور یہاں کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو۔ باہر جاؤ اور اسی وقت آنا جب میں تمہیں آواز دوں۔'' ریشماں واضح طور پر کنفیوز ہو چکی تھی۔

''جی اچھا بی بی۔''

کریمن کمرے سے باہر نکل گئی۔

''تم وہاں کیوں کھڑی ہو زینی!'' ریشماں لپک کر اس کی طرف بڑھی اور اسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ صوفے تک لے گئی۔ ''بیٹھو ناں' اور ہاں یہ چادر اتار دو۔ یہاں بغیر اطلاع دیے کمرے میں کوئی نہیں آتا۔ تم بالکل محفوظ ہو۔ اطمینان سے بیٹھو۔''

زینب ہنس پڑی۔ ''اصولاً اتنا زیادہ کنفیوز مجھے ہونا چاہیے اور ہو آپ رہی ہیں۔ ویسے ایک بات ہے۔'' وہ چادر تہہ کرتے ہوئے بولی۔ ''کہ اس ایڈونچر کو میں نے بہت انجوائے کیا ہے۔ ہاں جب گھر واپس جاؤں گی تو میری خیر نہیں۔ بہت جھاڑ پڑے گی سب سے۔''

URDU PHOTO

وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئیں۔

''وہاں کسی کو نہیں پتا تمہارے یہاں آنے کا؟'' ریشماں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''وہاں کسی کو پتا چل جاتا تو میں یہاں آ سکتی تھی؟'' اس نے جوتے پاؤں سے اتار کر قالین پر اچھال دیے اور ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھ گئی۔

''تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تم نے کتنا بڑا رسک لیا ہے۔ اس پاگل پن کی کیا ضرورت تھی؟''

''ضرورت تھی' تب ہی تو آئی ہوں۔ ویسے آپ بہت خوبصورت ہیں۔'' زینی نے کہا۔

ریشماں ہنس پڑی۔ ''یہ کیا بات ہوئی؟ کہاں کی بات تھی اور تم کہاں لے گئیں۔''

''میری اکثر باتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ زیادہ تر لوگ میری بے ربط باتوں سے پریشان ہو جاتے ہیں لیکن سبط نہیں ہوتا۔ اصل میں جو جو بات میرے ذہن میں آتی جاتی ہے' میں وہی بات کہتی جاتی ہوں۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ میری زبان ذرا آہستہ چلتی ہے اور دماغ ذرا تیز۔ آپ یہ نہ سمجھنا کہ میرا دماغ چلنے سے دوسرا مطلب ہے۔ میرا مطلب سوچ کی رفتار سے ہے۔''

ریشماں ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''تمہاری زبان کی رفتار کا عالم تو میں نے دیکھ لیا ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ دماغ چلنے کی رفتار کیا ہوگی؟''

زینی بھی اس کی ہنسی میں شامل ہوگئی۔

''اب یہ بتاؤ کہ وہ سبط کون ہے جو تمہاری باتوں سے پریشان نہیں ہوتا؟''

''اُف!'' زینی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر ہنستی چلی گئی۔

''کیا ہوا؟'' ریشماں نے اس کے ہاتھ چہرے کے سامنے سے ہٹائے۔

''کچھ نہیں۔ یونہی ہنسی آ گئی تھی۔ مجھے ہنسی بہت آتی ہے۔'' اس نے بمشکل اپنی ہنسی نٹرول کی۔

ریشماں کی آنکھوں کے سامنے امداد حسین کا چہرہ ابھرا۔

''کتنی اچھی لگتی زینب امداد بھائی کے ساتھ۔ یونہی ہنستی ہوئی۔'' ریشماں نے دکھی دل کے ساتھ سوچا۔ پھر قدرے الجھن سے پوچھا۔ ''مگر یہ سبط کون ہے؟''

''اس کا مطلب ہے کہ......'' زینی نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کیا؟''

''کچھ نہیں۔ بس اتنا سمجھ لیں کہ سبط میرے لیے سب کچھ ہے۔ مجھے سوچنے دیں کہ اس کے متعلق آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''

ریشماں ایک ٹک اسے دیکھے گئی۔ دل میں جیسے کچھ چبھ سا گیا ہو۔

URDU PHOTO

''کیا زینب کو مجھ سے بات کرتے ہوئے ایک لمحے کو بھی یہ خیال نہیں آیا کہ میرے بھائی کی جگہ وہ کسی اور شخص کا نام اتنی آسانی سے میرے ہی سامنے لے رہی ہے۔ میرا وہ بھائی جس کے ساتھ اسے اپنی ساری زندگی گزارنی تھی' وہ بھائی جواب اس دنیا میں نہیں رہا۔''

''آپ افسردہ سی لگ رہی ہیں' کیا ہوا؟'' زینی نے تشویش سے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' وہ سوچ کی دنیا سے پلٹ آئی۔

''ویسے قسم سے بھائی آپ کو ایک نظر دیکھ لیں بس ایک نظر تو آپ پر فدا ہی ہو جائیں۔'' زینی نے کہا۔

ریشماں کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

''ایک بات بتاؤں آپ کو بھابی!'' وہ اس کے قریب کھسک آئی۔ ''ہم سب چاہتے ہیں کہ آپ ہماری بھابی بنیں اور سب سے زیادہ یہ خواہش میری ہے۔ گڑیا ہے ناں' میری بہن زہرا۔ چاہتی تو وہ بھی یہی ہے لیکن اس کا خیال ہے کہ ایسا ہو نہیں سکتا۔ اماں اور بابا جان بھی چاہتے ہیں لیکن ان کا بھی یہی خیال ہے۔ بس صرف میں ہوں جس نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا چاہے مجھے کچھ بھی کرنا ہو۔

اور آپ سوچ رہی ہوں گی کہ میں نے سب کی خواہش کا ذکر کر دیا' بھائی کے متعلق کچھ نہیں بتایا آپ کو۔ میں آپ کو ان کی ایک پرابلم بتاتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ دل دل میں وہ بھی آپ کو پسند کرتے ہیں لیکن اوپر اوپر سے کہتے نہیں ہیں۔ بس ایک مرتبہ آپ کو دیکھ لیں تو مجھے یقین ہے کہ سب کچھ بھول جائیں گے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ ابھی ان کی زندگی میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو مجھے ضرور پتا ہوتا۔''

ریشماں پلکیں جھپکاتے ہوئے اس کی طرف دیکھے گئی۔ وہ بھی ماہ بانو کی طرح ہی اسے لگی تھی۔ ویسی ہی دلچسپ باتیں کرنے والی۔ عبداللہ کے متعلق باتیں وہ صرف ماہ بانو سے ہی کیا کرتی تھی لیکن زینی کو دیکھ کر اس سے مل کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس سے بھی سب کچھ کہہ سکتی ہو۔

''آپ نے بھی تو بھائی کو نہیں دیکھا ہوا لیکن خیر میں ان کی تصویر لائی ہوں۔ آپ کو بھی وہ بہت اچھے لگیں گے۔'' زینی نے اپنے بیگ کو صوفے پر الٹ دیا۔ اس کا ہیئر برش' بالوں میں لگانے والے مختلف رنگوں کے بہت سے بینڈز' ایک کی رنگ جس میں چند چابیاں بھی لگی ہوئی تھیں' خوشبو میں بھیگے ٹشو پیپرز' چند پرانی بیکار رسیدیں' ایک بال پین' چند تصویریں اور نہ جانے کیا کیا بیگ سے نکل کر صوفے کے کشن پر پھیل گیا۔

اپنی اور سبط کی تصویریں اس نے ایک دم سے اٹھا کر واپس بیگ میں ڈال دیں اور عبداللہ کی دو تصویریں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔

"ویسے تو مجھے پتا ہے کہ آپ کو بھائی سے بہت محبت ہے لیکن اب انہیں دیکھیں گی تو یہ محبت بہت اسپیس شٹل کی رفتار سے آگے بڑھے گی۔" زینی ہنسی۔

ریشماں کے ہاتھ میں تصویریں تھیں اور وہ اب تک یہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ کیا کرے۔ زینی ہر کام بہت تیزی سے کرنے کی عادی لگتی تھی۔ اس نے اچانک ہی عبداللہ کا ذکر شروع کیا تھا اور اب اسے تصویریں بھی تھمادی تھیں۔

اسی وقت دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ ریشماں کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ پاؤں سے جان نکال دی ہو۔

☆=====☆=====☆

بشیر گھبرایا ہوا حویلی پہنچا تو سب سے پہلے اس کا سامنا حیدر علی شاہ سے ہی ہوا۔

"کہاں غائب تھے تم؟ پچھلے دس منٹ سے تمہیں پوچھ رہا تھا۔"

"جی میں۔ وہ دراصل......" اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا تمہیں، لگتا ہے کوئی بھوت دیکھ لیا ہے۔" زہرا بھی وہیں چلی آئی تھی۔

"خیریت تو ہے بشیر، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی" حیدر بابا نے کہا۔

"جی وہ اصل میں چھوٹی بی بی۔" وہ ہکلا کر خاموش ہو گیا۔

"کیا ہوا چھوٹی بی بی کو؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ پیر صاحب کے علاقے میں چلی گئی ہیں۔ میں نے بہت روکا لیکن انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو گھاس تو نہیں کھالی۔" انہوں نے اسے گھورا پھر زہرا سے مخاطب ہوئے۔ "گڑیا بیٹے، زینی کہاں ہے؟"

"پتا نہیں بابا جان، میرا خیال تھا کہ اپنے کمرے میں گئی ہوگی۔" زہرا نے بوکھلا کر کہا۔

"اسے جا کر دیکھو کہ وہ کہاں ہے۔" وہ سگار ایش ٹرے میں مسل کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شاہ صاحب میری گردن حاضر ہے۔ وہ میری آنکھوں کے سامنے پیر صاحب کے علاقے میں گئی ہیں۔ انہوں نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں انہیں لے کر جاؤں۔" بشیر نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

زہرا چیخ کر ان سے لپٹ گئی۔ "بابا جان وہ وہیں گئی ہوگی۔ اب کیا ہوگا، وہ اسے مار دیں گے۔ وہ سبط کی خاطر وہاں گئی ہوگی۔ بھابی کے لیے گئی ہوگی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ ایسا کرے گی ورنہ میں اسے روک ہی دیتی۔"

بابا جان نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ غصہ قطرہ قطرہ ان کے پورے وجود میں جمع ہو رہا تھا۔

"بی بی کو تم لے کر گئے تھے؟" وہ دہاڑے۔

"میری غلطی شاہ صاحب لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ وہ وہاں جائیں گی۔ میں تو جی......" بشیر کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ اس نے کبھی انہیں اس قدر غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

"تم سے تو میں آکر ملتا ہوں۔ چابی دو گاڑی کی۔"

"آپ کا وہاں جانا مزید خطرناک ہوگا شاہ صاحب خدا کے واسطے آپ وہاں مت جائیں۔"

"بکواس بند کرو اور گاڑی کی چابی دو۔" وہ ایک بار پھر غصے میں دہاڑے۔

اماں جان ساتھ والے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ لاؤنج سے پریشان کن ملی جلی آوازیں سن کر وہ بھی وہیں چلی آئیں۔ انہوں نے کبھی بھی حیدر علی شاہ کو غصے میں اس طرح چلاتے نہیں سنا تھا۔

"کیا ہوا؟" انہوں نے دروازے میں کھڑے ہو کر کمرے کے منظر کا جائزہ لیا۔

بشیر مجرموں کی طرح سر جھکائے ہانپ رہا تھا۔ زہرا بابا جان سے لپٹی رو رہی تھی اور وہ خود سخت غصے میں بھرے ہوئے تھے۔

زہرا نے ماں کو وہاں کھڑے دیکھا تو بابا جان کو چھوڑ کر ان کی طرف بڑھی اور ان سے لپٹ گئی۔

"اماں، بابا جان کو منع کریں وہاں مت جائیں۔ وہ انہیں بھی مار دیں گے۔"

"گڑیا اپنی ماں کو لے کر اندر جاؤ اور رونا دھونا بند کرو۔" وہ بولے۔

اماں جان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

"عبداللہ تو خیریت سے ہے؟ ہوا کیا ہے؟ کچھ تو بولیں۔"

"اماں میں بھائی کو فون کرتی ہوں۔ آپ بابا جان کو وہاں جانے سے روکیں۔" زہرا کو عبداللہ کے نام سے اسے فون کرنے کا خیال آیا۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

"گڑیا! حماقت کا ثبوت مت دو۔" بابا جان نے اسے ڈپٹا پھر بشیر کی طرف مڑے۔ "اور تم دفع ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے۔ یہ خبر اگر باہر نکلی تو میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ نکالوں گا۔"

بشیر خاموشی سے واپس پلٹ گیا۔ زہرا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"گڑیا میں نے کیا کہا ہے تمہیں؟" وہ غصے سے بولے۔

"میں بھائی کو فون کر رہی ہوں۔" وہ مسلسل روتے ہوئے بولی۔

"وہ کیا کرے گا یہاں آکر؟ اور فوراً چل پڑا تب بھی گھنٹوں میں پہنچے گا۔ رکھو ریسیور نیچے، اسے خواہ مخواہ کی پریشانی میں مبتلا مت کرو۔"

URDU PHOTO

''کچھ تو بولیں کہ ہوا کیا ہے؟'' اماں جان پریشانی سے بولیں۔

''کچھ نہیں ہوا' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔'' انہوں نے گاڑی کی چابی اٹھالی۔

''میں آپ کو وہاں نہیں جانے دوں گی بابا جان۔ اماں انہیں روکیں ناں۔ وہ زینی کو بھی ماردیں گے اور بابا جان کو بھی۔''

''زینی...... میری زینی کہاں ہے؟ علی' زینی کہاں ہے؟'' اماں جان نے انہیں جھنجھوڑا۔

اماں جان کا بلڈ پریشر پہلے ہی ہائی رہتا تھا اب جو یہ افتاد ٹوٹی تو اور زیادہ ہائی ہوگیا۔ انہیں جیسے ہی خبر ہوئی کہ زینی بڑی حویلی گئی ہے' ان کے ہوش وحواس جواب دے گئے۔

''بابا جان' اماں کو کیا ہوگیا ہے؟'' زہرا کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی۔

''تم انہیں سنبھالو' پانی کے چھینٹے دو۔ کچھ دیر میں ہوش آجائے گا انہیں۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

''اللہ کے واسطے بابا جان' آپ مت جائیں۔ اماں کو کچھ ہوگیا ہے۔'' وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔

انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ لگتا تھا کہ وہ کسی بھی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑے گی۔

انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

''ریلیکس گڑیا کچھ نہیں ہوا بیٹا۔ ریلیکس!''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

''اگر تم اپنا یہ حال کرلوگی تو تمہاری اماں کو کون سنبھالے گا۔ جاؤ پانی لاؤ۔'' انہوں نے کہا۔

زہرا قریب رکھے جگ سے پانی نکال لائی۔ وہ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے ڈالنے لگے اور زہرا ان کی ہتھیلیاں سہلانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں اماں جان کو ہوش آگیا۔ زہرا کے ذہن میں اچانک ایک خیال کوندا۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

''کسے فون کر رہی ہو گڑیا؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''سبط کو۔'' اس نے کہا اور دوبارہ فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

اماں جان بھی اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ گو انہیں ہوش آگیا تھا لیکن ان کی حالت بہت غیر تھی۔

تین چار گھنٹیوں کے بعد سبط نے ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو!''

''ہیلو سبط۔ میں گڑیا بول رہی ہوں۔'' اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟ تم رو رہی ہو کیا؟ زینی تو ٹھیک ہے ناں؟'' اس نے ایک ہی سانس

میں ڈھیر سارے سوال کردیے۔

''کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے سبط۔ زینی سخت خطرے میں ہے۔''

''کیا ہوا اسے؟'' وہ گڑیا کی بات کاٹ کر پریشانی سے بولا۔

''وہ احمق لڑکی تم لوگوں کی حویلی میں آئی ہوئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ تم سے مل چکی ہوگی لیکن تم سے نہیں ملی تو ریشماں بھابی سے ضرور ملی ہوگی۔ پلیز اسے دیکھو وہ کس حال میں ہے' کہاں ہے۔ اماں جان کا بہت برا حال ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو تم۔ وہ یہاں ہے؟ اوہ گاڈ۔''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اماں جان کی حالت بہت بری ہے اور بابا جان مُصر ہیں کہ وہ ابھی زینی کے پیچھے جائیں گے۔ پلیز کچھ کرو اس کے لیے۔'' گڑیا رو پڑی۔

بابا جان نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''تم بالکل فکر مت کرو۔'' دوسری طرف سے سبط کہہ رہا تھا۔ ''میں ہوں ناں یہاں اس کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں خود چھوڑ کر جاؤں گا اسے تم لوگوں کے پاس۔ وہ بالکل محفوظ ہے' اسے کچھ نہیں ہوگا۔''

''اسے کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے۔'' بابا جان نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اگر میری بیٹی کو کچھ ہو گیا تو میں وہاں کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس سے زیادہ شرافت کا مظاہرہ نہیں کرسکتا میں جتنا اب تک کرتا آیا ہوں۔''

''حیدر بابا آپ؟'' اس نے کہا پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔ ''اسے کچھ ہوا تو آپ بعد میں کچھ کریں گے' پہلے میں اس حویلی کو آگ لگاؤں گا۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا۔

☆=====☆=====☆

ریشماں کے ساتھ زینی بھی گڑبڑا گئی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر اس کی جان میں جان آگئی کہ آنے والا سبط حسن تھا۔ اتنے دن بعد اسے دیکھ کر وہ کھل اٹھی۔

''سبط!'' وہ خوشی سے چلائی۔ اس لمحے وہ ریشماں کی وہاں موجودگی کو بھی فراموش کرچکی تھی۔

اسے خیریت سے دیکھ کر سبط نے سکون کا سانس لیا اور کمرے کے اندر آکر دروازہ بند کر دیا۔

''تمہیں حیرت ہوئی ہے ناں۔ میں بھی تمہیں حیران کرنا چاہتی تھی اور تم اتنے بے وفا ہو۔ جب سے یہاں آئے ہو کبھی خود سے مجھے فون نہیں کیا۔ میں ہی کروں تو کروں۔'' زینی نے کہا۔

ریشماں نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں قبل زینی سے ہونے والی گفتگو اس کے ذہن میں تازہ ہوگئی۔

URDU PHOTO

"بس اتنا سمجھ لیں کہ سبط میرے لیے سب کچھ ہے۔" اس کے ذہن میں زینی کے کہے ہوئے الفاظ گونجے۔

"ویسے تو مجھے تم سے اسی قسم کی حماقت کی توقع ہونی چاہیے تھی لیکن ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید تم اس قدر احمق نہیں ہوگی۔ یا شاید یہاں آ کر تم میں کچھ بہتری پیدا ہوگئی ہو گی لیکن نہیں۔" سبط نے زینی سے کہا۔

"تم مجھے ڈانٹ رہے ہو؟ میں نے سب سے کہا تھا۔ بھائی سے بھی کہ تم مجھے کبھی نہیں ڈانٹ سکتے لیکن تم نے بالآخر مجھے ڈانٹ ہی دیا ناں۔"

"ابھی تم واپس اپنی حویلی میں پہنچو گی تو پتا چلے گا کہ ڈانٹ کیا چیز ہوتی ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

اسی وقت سبط کو اچانک ریشماں کا خیال آیا۔

"آئی ایم سوری آپی! مجھے خیال ہی نہیں رہا کہ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔" وہ قدرے شرمندہ ہوگیا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی تصویریں غیر محسوس انداز میں کشن کے نیچے سرکا دیں۔

"بھابی میں نے کہا تھا کہ سوچوں گی آپ کو سبط کے بارے میں بتاؤں یا نہیں۔ اب مجھے کچھ سوچنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ آپ کو پتا چل ہی گیا ہوگا۔ میرے لیے دنیا میں ہر چیز سبط کے بعد ہے۔" وہ ہنس پڑی پھر اچانک اس کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔ "سبط تم کیوں کہہ رہے تھے کہ گھر واپسی پر مجھے ڈانٹ پڑے گی۔"

"میں یہاں محض اتفاقاً نہیں نازل ہوگیا۔ گڑیا کا فون آیا تھا۔ وہاں سب تمہارے لیے پریشان ہیں۔" اس نے دانستہ اس کی اماں جان کا ذکر نہیں کیا۔

"لیکن انہیں میری یہاں موجودگی کا پتا کیسے چلا؟" پھر وہ خود ہی بولی۔ "بشیر کے پیٹ میں بات نہیں رہی ہوگی۔ اسی نے بتایا ہوگا۔ اُف اب تو واقعی بہت ڈانٹ پڑے گی اور اس بات سے مجھے سخت ڈر لگتا ہے۔"

سبط وہیں بیٹھ کر اپنے موبائل فون پر ان کا نمبر ملانے لگا۔ سلسلہ ملنے پر اس نے فون زینی کو تھمانا چاہا۔

"میں بات نہیں کروں گی۔ تم کہو کہ میں بس تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔"

"تم بات کرو، تسلی دو اپنے بابا جان کو اور فوراً اٹھو واپسی کے لیے۔" سبط حسن نے کہا۔

"بابا جان سے؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا قسم سے۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

URDU PHOTO

اسے انکار کرتے دیکھ کر سبط نے خود فون پر بات کرنا شروع کی۔

"حیدر بابا وہ آپی کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ بس میں ابھی اسے لے آتا ہوں اپنے ساتھ۔"

"میری بات کراؤ اس سے۔" انہوں نے اسی سرد مہر انداز میں کہا۔

"وہ تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" سبط حسن نے زینی سے کہا۔

"میں بات نہیں کرسکوں گی۔ پلیز سبط میری جگہ تم تھوڑی سی ڈانٹ کھالو۔ بس تب ہی میں مانوں گی کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔"

اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر ریشماں ہنس پڑی اور سبط کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

"تم دونوں کی جگہ میں ڈانٹ کھانے لگی ہوں تاکہ تم دونوں کو پتا چل سکے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر فون کان سے لگالیا۔

"حیدر بابا میں ریشماں بول رہی ہوں۔ السلام علیکم!"

اس کی آواز بھی زرینہ جیسی ہی تھی۔ اور یہ آواز برسوں بعد بھی اب تک ان کی سماعت میں محفوظ تھی۔

"جیتی رہو بیٹا!" وہ بولے۔

"آج میں بہت خوش ہوں بلکہ امداد بھائی کی وفات کے بعد آج ہی صحیح معنوں میں خوش ہوئی ہوں۔ زینی کے آنے سے لگا ہے جیسے کوئی گمشدہ خزانہ ہاتھ آگیا ہو۔"

انہوں نے گہری سانس لی۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ کی ملاقات زینی سے ہوگئی لیکن بیٹا اس کے لیے وہاں خطرہ ہے۔ آپ اس سے کہیں کہ وہ فوراً گھر آجائے۔ اس کی اماں جان کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں بابا جان۔ یہاں وہ بالکل محفوظ ہے۔ وہ میرے کمرے میں ہے اور یہاں کوئی بغیر اجازت نہیں آسکتا۔ آپ چچی اماں کو بھی تسلی دیں۔" وہ بولی۔

"اس کی اماں جب تک اسے دیکھ نہیں لیں گی تب تک انہیں تسلی نہیں ہوگی۔" انہوں نے کہا۔

"پلیز بابا جان' پھر پتا نہیں میں کبھی زندگی بھر زینی کو دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔ آج اسے تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس ہی رہنے دیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ سبط خود اسے آپ کے پاس چھوڑ جائے گا۔ میں یہاں بہت اکیلی ہوتی ہوں بابا جان' بس چھٹیوں میں ماہ بانو آجاتی ہے ورنہ تو دن کاٹنے بھی مشکل ہو جاتے ہیں۔ آج بہت اچھا لگ رہا ہے۔ گھٹن بھی محسوس نہیں ہو رہی۔ پلیز بابا جان!" اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔

ان کے ذہن میں ایک لمحے میں ہی کتنی باتیں کتنی یادیں تازہ ہوگئیں۔

''ہاں وہاں بہت گھٹن ہے۔''انہوں نے سوچا۔''بڑی آپا' زیبی آپی اور گوری سب ہی اس گھٹن کا شکار ہوگئیں۔ میں ان تینوں سے بے تحاشہ محبت کرتا تھا اور پھر بھی تینوں کے لیے کچھ نہ کر سکا۔

ریشماں اسی کمرے میں رہتی ہے جہاں زیبی آپی رہا کرتی تھیں۔ اسے بھی اتنی ہی گھٹن محسوس ہوتی ہوگی جتنی انہیں ہوتی تھی۔ وہ بھی شاید اسی طرح تڑپتی ہو جیسے زیبی آپی تڑپتی تھیں لیکن اس کی تڑپ کی باہر کسی کو خبر نہیں ہوتی ہوگی۔

اور گوری کہتی تھی کہ وہ اس حویلی میں نہیں جانا چاہتی۔ اسے بھی وہاں گھٹن محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس حویلی میں روحیں چلتی پھرتی ہوں۔ ایک ہی خواہش تھی اس کی کہ میں اسے کبھی حویلی آنے پر مجبور نہ کروں لیکن اس کی قسمت کہ اس کی زندگی اور موت دونوں کی ڈور بڑی حویلی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

اور اب ریشماں ہے۔ گوری کی بیٹی۔ اسے تو شاید احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے کیا کہہ دیا ہے۔ آج اسے گھٹن محسوس نہیں ہو رہی۔ کاش کوئی ایسا طریقہ ہو کہ ریشماں آبرو کے ساتھ اپنی حویلی کو چھوڑ کر یہاں عبداللہ کی دلہن بن کر داخل ہو۔ پھر اسے زندگی میں کبھی گھٹن محسوس نہیں ہوگی۔''

ریسیور ہاتھ میں تھامے وہ سوچ میں گم تھے۔ تھوڑی دیر تک ریشماں نے ان کے بولنے کا انتظار کیا پھر مایوس ہوگئی۔

''اچھا بابا جان! آپ نہیں چاہتے تو نہ سہی۔ میں اسے ابھی بھیج دیتی ہوں۔''

اس کے لہجے کی مایوسی سے انہیں بہت دکھ ہوا۔''نہیں ریشماں بیٹا' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ اس سے باتیں کریں لیکن کوشش کریں کہ اسے زیادہ دیر نہ ہو اور بیٹا محتاط رہیں۔''

''تھینک یو! تھینک یو ویری مچ!''ریشماں کھل اٹھی۔

''تھینک یو کہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بھی میرے لیے زہرا اور زینب کی طرح ہی ہیں۔''انہوں نے شفقت سے کہا۔

''ایک بات اور بابا جان!''اس نے جلدی سے کہا۔

''کیا بات؟''

''آپ گھر آنے پر اسے ڈانٹیں گے تو نہیں؟ پلیز اسے کچھ مت کہیے گا۔''

''اچھا آپ کہتی ہیں تو میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔''

''وعدہ؟''ریشماں نے کہا۔

''بالکل پکا وعدہ۔''

''تھینک یو بابا جان!''وہ ہنس پڑی۔''اور خدا حافظ۔ اپنا خیال رکھیے گا۔''

اس نے فون بند کر دیا۔

''ہائے ریشماں بھابی! آپ نے تو کمال کر دیا۔''زینی نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''اب یہ بتاؤ کہ تم دونوں ایک دوسرے سے کب ملے' کیسے ملے؟ اور سبط اب تک تم نے مجھے یہ سب کچھ بتایا کیوں نہیں؟''ریشماں نے کہا۔

زینی اور سبط نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر زینی کشن گود میں رکھتے ہوئے بولی۔''میں بتاتی ہوں بھابی۔''

☆=====☆=====☆

عبداللہ اور ایڈی کالج کے گرافک اسٹوڈیوز میں داخل ہوئے تو وہاں ہمیشہ کی طرح خاصی گہما گہمی تھی۔ فائن ایئر پبلسٹی ڈیزائننگ کے اسٹوڈنٹس میزوں اور اسٹول پر بیٹھے کولڈ ڈرنک سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ باآواز بلند گیتیں بھی لگا رہے تھے۔ فوٹو اچنگ کے لیے انہوں نے اپنی پلیٹیں ایسڈ میں اچ ہونے کے لیے رکھی ہوئی تھیں اور اب فارغ تھے۔ ایک طرف کچھ لڑکے لڑکیاں نیوز پرنٹ شیٹس کاٹ رہے تھے۔ انہی کے قریب ماہ بانو اور نیہاں اپنی زنک کی پلیٹوں سے نیوز پرنٹ شیٹ کی مدد سے سیاہی وائپ کر رہی تھیں۔ اُما لیتھوگرافک پریس کے پاس کھڑی چلا رہی تھی۔

''پلیز کوئی تو میری مدد کرے۔ میں اکیلی کیسے کروں یہ سب۔''

''بس ایک منٹ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں ذرا کیسٹ پلیئر میں کوئی ڈھنگ کا گانا لگا دوں پھر تمہاری مدد کرتی ہوں۔''نیہاں اپنی پلیٹ وہیں رکھ کر کیسٹ پلیئر میں نئی کیسٹ لگانے لگی۔

Tears for Fear کے بریک اِٹ ڈاؤن اَگین کی آواز پورے اسٹوڈیو میں پھیل گئی۔

''کچھ خوف کرو نیہاں۔ بند کرو یہ گانا۔ ابھی تو میں نے اور ایڈی نے محبت کا بھی ٹھیک سے ذائقہ نہیں دیکھا اور تم نے بریک اِٹ ڈاؤن اَگین لگا دیا ہے۔ بہت برا شگون ہے یہ۔ کوئی اور گانا لگاؤ۔''اُما نے ہنستے ہوئے کہا۔

ماہ بانو اور نیہاں بھی ہنس پڑیں۔ ایڈی جو اُما کی بے خبری میں اس کے عین پیچھے پہنچ چکا تھا اس کے کان میں بولا۔

''یہ نہیں تو پھر آئی کینٹ ہیلپ' فالنگ ان لو وِد یو لگا دیتے ہیں۔''

اُما اچھل ہی پڑی۔''تم؟ تم کب نازل ہوئے؟ میری جان نکال دی تھی ابھی تم نے۔''

اس نے اُما کی بات نظر انداز کر دی اور آگے بڑھ کر یوبی فورٹی کا can't help falling in love with you لگا دیا۔

''تم اپنا کام کرتی رہو نیہاں۔ اُما کی مدد میں کروا دیتا ہوں۔'' ایڈی نے کہا اور اُما کے پاس چلا گیا۔

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے لیتھوگرافک پریس کے پاس کھڑے کام بھی کرتے جا رہے تھے۔ ایڈی پلیٹ میں اسفنج سے پانی لگاتا جا رہا تھا اور اُما رول سے انک رول کرتی جا رہی تھی۔

عبداللہ' ماہ بانو کے برابر ہی ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ماہ بانو اسے نظرانداز کیے کام میں مصروف رہی۔

''ایگزیبیشن کی تیاری کہاں تک پہنچی؟'' بالآخر عبداللہ نے اس سے پوچھا۔

''کر رہے ہیں۔ زیادہ کام تو ابا جی کو ہی کرنا پڑ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''اب تو چھٹیاں ہونے والی ہیں۔ تم ان کی مدد کروا سکتی ہو۔''

''چھٹیوں میں مجھے گاؤں جانا ہے۔'' اس نے کہا۔

''نمائش سے پہلے ہی جاؤ گی یا بعد میں؟''

''پہلے۔ میں ساری چھٹیاں وہاں نہیں گزارنا چاہتی۔ گزار سکتی بھی نہیں ہوں۔''

''میں نے تمہارے لیے آواری اور پرل کانٹی نینٹل میں بھی بکنگ کروا دی ہے۔ وہاں بھی نمائش کے لیے تیار رہنا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیا؟'' ماہ بانو نے پلیٹ سے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''لیکن کیوں؟''

''کیوں کا کیا مطلب؟ بکنگ اس لیے کروائی ہے تاکہ وہاں سرامکس کی نمائش کی جا سکے۔'' وہ بولا۔

''لیکن وہاں بکنگ بہت مہنگی ہے۔''

''تو؟''

''تو عبداللہ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میرا ہاتھ تمہارے سامنے پھیلا ہوا ہے۔'' اس کے انداز میں تلخی تھی۔

''میرا دل چاہ رہا ہے بانو کہ اسی پلیٹ سے تمہارا سر پھاڑ دوں۔'' وہ بولا۔

''نہ نہ۔ پلیز یہ غضب مت کرنا۔ بہت مشکل سے پلیٹ ایچ کی ہے۔'' نیہاں نے جلدی سے کہا۔

''تم مجھے بکنگ کے پیسے واپس کر دینا۔ مجھے یقین ہے کہ سب سرامک پیسز (Pieces) بک جائیں گے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اور انہیں خریدنے والے بھی تم ہی ہو گے۔ مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔'' ماہ بانو کے انداز میں ابھی تک تلخی برقرار تھی۔

''تمہاری شکل ہی ایسی ہے کہ ترس کھانے کو دل چاہتا ہے۔''

ماہ بانو نے پلیٹ وہیں میز پر پٹخ دی۔ ''پلیز عبداللہ میرا پیچھا چھوڑ سکتے ہو؟''

''نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''اور بانو مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔ چلو کمز چلتے ہیں۔''

''میرا کام بہت رہتا ہے۔'' اس نے پلیٹ اٹھالی۔

''میں تمہیں ہاتھ سے پکڑ کر لے جاؤں گا۔''

''چلی جائے گی۔'' نیہاں نے عبداللہ سے کہا پھر بانو سے مخاطب ہوئی۔ ''تمہیں جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر عبداللہ سے مخاطب ہوئی۔ ''دیکھو عبداللہ! بانو تم سے بہت محبت کرتی ہے لیکن درمیان میں جو تمہاری کزن ہے ناں ریشماں اس کی وجہ سے تمہیں نظرانداز کرتی ہے۔ حالانکہ میں نے اور اُما نے اسے سمجھایا بھی ہے لیکن یہ سمجھ نہیں رہی۔''

ماہ بانو نے پہلے حیرت اور بے یقینی سے نیہاں کی طرف دیکھا پھر گھبرا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا کہ کسی نے ان کی گفتگو سنی تو نہیں ہے لیکن وہاں سب اپنے آپ میں مگن تھے۔ کسی نے ان کی باتیں نہیں سنی تھیں۔

''اب چلو بھی۔ عبداللہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔'' نیہاں نے اسے گھورا۔

''میں یہاں کوئی سین نہیں تخلیق کرنا چاہتی لیکن تم سے میں بعد میں پوچھوں گی نیہاں!'' ماہ بانو نے دانت پیسے۔

عبداللہ کے ساتھ میوزیم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ بہت الجھی ہوئی تھی۔

''میری دھونس کا غصہ ختم نہیں ہوا؟'' عبداللہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے تم پر نہیں اپنے آپ پر غصہ ہے۔'' وہ کرسی چھاؤں میں کھسکا کر بیٹھ گئی۔

''آئی ایم سوری۔ میں اس قسم کا رویہ اختیار نہیں کرتا۔ بس تمہیں تھوڑا سا تنگ کرنا تھا۔ کوئی تو ایسا شخص ہو جس پر دھونس جمائی جا سکتی ہو۔''

''اچھا تم نے بات کیا کرنی تھی؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''تم سے پوچھنا تھا کہ آج کل آلو اور پیاز کس طرح تلو مل رہے ہیں؟'' اس نے جیب سے مالبرو کی ڈبیا نکال کر ایک سگریٹ سلگا لیا۔

ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ جاننے کے لیے تو تمہیں اماں جی سے رجوع کرنا پڑے گا۔''

''تمہارا موڈ ٹھیک کرتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ کیا لو گی۔ وہی چپس اور پیپسی؟''

''تمہارا کیا خیال ہے میرا موڈ چپس اور پیپسی سے ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ بولی۔

''تو پھر کس چیز سے ٹھیک ہو گا؟''

''میں تم سے تفصیل سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ تم میری بات سن لو اور سمجھ لو تو میرا موڈ خود

بخود ٹھیک ہو جائے گا۔''

''یعنی تم چاہتی ہو کہ میں بھی تمہاری حماقت میں شریک ہو جاؤں؟''

''تم بھی تو یہی چاہتے ہو کہ میں تمہاری حماقت میں شریک ہو جاؤں۔''

''وہ تو تم ہو چکیں۔ جو بات تمہیں مجھ سے کہنی چاہیے وہ تم اُما اور نیہاں سے کہتی ہو۔'' عبداللہ نے کہا۔

''تم میری بات سنتے کب ہو؟''

''سنتا ہوں۔ وہ بات بھی سن لیتا ہوں جو تم نہیں کہتیں۔ لیکن باتیں بعد میں' پہلے تمہارا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ایک ٹھنڈی سی پیپسی منگوا لوں۔'' عبداللہ نے کہا اور اپنے لیے چائے اور ماہ بانو کے لیے پیپسی کا آرڈر دے کر دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''مجھے ریشماں نے خط لکھا تھا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اچھا؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ بڑی حویلی میں عورتوں کے خط لکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔'' اس نے سگریٹ کا بقیہ حصہ زمین پر پھینک کر جوتے تلے رگڑ دیا۔

''پابندی تو ہے۔ اس نے چھپ کر لکھا تھا اور نانا جی کے ہاتھ پوسٹ کرایا تھا۔ تم نہیں سمجھ سکتے لیکن میں اندازہ کر سکتی ہوں کہ اس نے نانا جی کی کتنی منتیں کی ہوں گی۔ وہ بہت سخت اپ سیٹ ہے۔'' ماہ بانو نے بیگ سے اس کا خط نکال کر عبداللہ کی طرف بڑھایا۔ ''یہ پڑھ لو۔''

''ریشماں کا خط؟'' اس نے ہاتھ آگے بڑھائے بغیر پوچھا۔

''ہاں!''

''نہیں۔ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' عبداللہ نے بانکے کے ہاتھ سے چائے کی پیالی اور پیپسی کی بوتل لے لی۔

''پلیز عبداللہ! پڑھ لو۔''

''کیوں پڑھوں؟ نہ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اور نہ ہی یہ خط میرے نام ہے۔ بانو' تم سے بھی کہہ رہا ہوں میں۔ اپنی اس چھوٹی سی زندگی میں دوسروں کا اتنا ہی خیال رکھا کرو جس سے تمہیں تکلیف نہ پہنچے اور تم اپنی خوشیاں نہ کھو بیٹھو۔''

''اس نے تمہارے متعلق بھی پوچھا ہے۔ بتاؤ کیا جواب دوں اسے۔'' اس نے پیپسی کی بوتل سے کھیلتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے کوئی بات تم سے چھپا کر نہیں رکھی۔ اس نے یقیناً کوئی ایسی بات نہیں پوچھی ہوگی جس کا جواب تمہارے پاس نہ ہو۔''

''جواب تو ہے میرے پاس۔ بہت کوشش کی کی اسے لکھنے کی لیکن ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکی۔'' اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

URDU PHOTO

''تم خواہ مخواہ خود کو اذیت میں مبتلا کر رہی ہو۔ میری محبت منڈی میں پڑے آلو پیاز یا تمہارے بنائے ہوئے سرامک پیسز (Pieces) نہیں ہیں کہ تم کسی کو بھی اپنی مرضی سے پکڑا دو۔'' اس نے چائے کا چھوٹا سا گھونٹ لیا اور پھر بولا۔ ''اپنی احمقانہ باتوں میں تم نے میری چائے بھی ٹھنڈی کروا دی ہے۔''

''تمہیں پتا ہے عبداللہ کہ مجھے زہرا پر حملے کی خبر کیسے ہوئی تھی؟''

''یہ بات بھی تمہیں یقیناً ریشماں نے بتائی ہوگی اور تم چاہتی ہو کہ میں اس بات پر اس کا شکرگزار رہوں۔ ٹھیک ہے میرا شکریہ اس تک پہنچا دینا۔''

''تمہیں اندازہ ہے کہ ایسا کر کے' تمہیں بچا کر اس نے اپنا بھائی کھو دیا ہے۔''

''میں نے کہا تھا اسے ایسا کرنے کے لیے؟ اس کے کسی عمل کی ذمہ داری میرے اوپر عائد نہیں ہوتی۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صورتِ حال پیدا ہو سکتی تھی۔'' عبداللہ نے ماتھے پر بل ڈال کر قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''اسے تم نے نہیں کہا تھا یہ کرنے کے لیے' میں مانتی ہوں۔ یہ جو کچھ کیا' اس نے تمہاری محبت میں کیا۔''

''تو میں کیا کروں؟ کیا میں نے کبھی اسے یہ باور کروایا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ کبھی اس سے کوئی کمٹمنٹ کی ہے؟ کوئی وعدہ؟ کبھی نہیں۔ اپنی یک طرفہ محبت میں وہ کیا کرتی ہے اور کیا نہیں' اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' عبداللہ کو غصہ آ گیا۔

''ٹھیک ہے سارا غصہ تم میرے اوپر ہی نکال دو۔ اور کوئی نہیں ملتا اس کام کے لیے تمہیں!''

عبداللہ ہنس پڑا۔ ''غصہ تمہیں ہی برداشت کرنا پڑے گا۔ ایک تو چائے ٹھنڈی کروا دی اور پھر یہ فضول باتیں جو تم کر رہی ہو۔''

پیپسی پیتے ہوئے وہ کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

''کہاں گم ہو؟''

عبداللہ کی آواز پر وہ چونک گئی۔

''سوچ رہی ہوں گاؤں جا کر ریشماں سے کیا کہوں گی۔''

''اوہ خدا۔ تم یہ ذکر ختم نہیں کر سکتیں؟'' اس نے تنگ آ کر کہا۔

''کیسے ختم کر دوں یہ ذکر۔ تمہیں تو یہ اندازہ بھی نہیں ہے کہ میں کتنی اَپ سیٹ ہوں۔''

''مجھے اندازہ ہے لیکن تم تو دونوں صورتوں میں اَپ سیٹ رہو گی۔ چاہے میں تمہاری طرف بڑھوں یا ریشماں کی طرف۔ ابھی جو صورت حال ہے' یہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گی۔ ابھی جو تم اَپ سیٹ ہو' یہ وقتی سی بات ہے۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جاؤ گی۔ پر اگر اس وقت میں کسی

وجہ سے ریشماں کی طرف بڑھ گیا تو یہ صدمہ سہارنا تمہارے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ بتاؤ میں غلط کہہ رہا ہوں کیا؟'' عبداللہ نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تم بہت خوش قسمت ہو عبداللہ۔ تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔ میری تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں ریشماں کا کیسے سامنا کروں گی۔'' پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''یہ کہانی بہت پہلے شروع ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری پیدائش سے بھی بہت پہلے۔ اور ہماری بدقسمتی کہ کسی بھی خواہش کے بغیر ہم اس کہانی میں شامل ہو گئے ہیں۔ میرے ذہن پر بہت بوجھ ہے۔ عبداللہ تم یہ بوجھ بانٹو گے نہیں؟''

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''میں ہر وہ بوجھ بانٹ سکتا ہوں جو آج ہماری زندگی میں ہماری وجہ سے موجود ہے لیکن وہ بوجھ میں نہیں اٹھا سکتا جو ہم دونوں میں سے کسی کا نہیں ہے۔ پلیز بانو میں بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ جو گزر چکا ہے' وہ ہماری زندگی کا حصہ نہیں ہے۔ جو کہانی تم نے سنی' دیکھی یا جانی' وہ ہم دونوں کی نہیں ہے۔ بھول جاؤ اسے' اپنے اور میرے حوالے سے سوچو۔ تمہاری بیکار کی ضد کی وجہ سے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔''

ماہ بانو سر جھکائے سنتی رہی۔

''تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارے انکار کے بعد میں ریشماں کو اپنا لوں گا؟ نہیں۔ اگر تم ضد کر سکتی ہو تو میری بھی یہ ضد ہے کہ تمہارے بعد بھی ریشماں مجھے نہیں پا سکے گی۔ وہ میری زندگی میں نہ آج آ سکتی ہے نہ کل۔ ہم تینوں کو بیک وقت خوشیاں نہیں مل سکتیں۔ خوشی یا تو ہم دونوں کو مل سکتی ہے یا پھر کسی کو بھی نہیں۔''

ماہ بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں چلتی ہوں۔ ابھی بہت کام رہتا ہے میرا۔''

☆=====☆=====☆

ریشماں کے پاس کافی دیر بیٹھنے کے بعد زینی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں چلتی ہوں اب۔ ذرا دل مضبوط کر کے جانا ہوگا۔ پتا ہے کیا بھابی۔ آپ ایسا کریں کہ بابا جان کو ایک مرتبہ پھر فون کر دیں۔ کہیں وہ بھول ہی نہ گئے ہوں کہ وہ مجھے نہیں ڈانٹیں گے۔''

''انہوں نے ایک مرتبہ مجھ سے وعدہ کر لیا ہے تو وہ تمہیں بالکل نہیں ڈانٹیں گے۔''

''آپ کو کیسے پتا؟''

''ایسے کہ میرے بابا جان کبھی مجھ سے جو وعدہ کرتے ہیں' وہ ضرور پورا کرتے ہیں۔'' ریشماں بولی۔

''میں نے سنا ہے بھابی کہ آپ کے بابا جان کی دعاؤں میں بہت اثر ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟'' زینی نے پوچھا۔

''تم کو [illegible] پڑ گئی [illegible] بابا جان کی دعا میں بھی اتنا ہی اثر ہوگا۔ اب واپسی

کی فکر کرو۔'' سبط نے کہا۔

''تمہیں کیوں جلدی ہے سبط؟'' ریشماں نے اسے گھورا پھر زینی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہاں زینی! بابا جان کی دعاؤں میں بہت اثر ہے۔ تم نے کوئی دعا کروانی ہے؟''

''اوہ یس!'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے ان سے یہ دعا کروانی ہے کہ جسے میں دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی ہوں وہ مجھے مل جائے۔''

''جسے تم چاہتی ہو اور جو تمہیں چاہتا ہے' وہ تمہیں ضرور مل جائے گا۔ میری طرف سے مکمل گارنٹی ہے۔ کہو تو یہ دعا بابا جان کی جگہ' میں تمہیں دے دیتا ہوں۔ لیکن پلیز اب واپس چلو۔'' سبط نے اس کی چادر اس کی طرف پھینکی۔

''دیکھیں بھابی کس طرح مجھے حویلی سے نکال رہا ہے۔'' زینی نے چادر اوڑھی۔

''یہ تمہیں کیسے نکال سکتا ہے۔'' ریشماں ہنسی۔

''سبط میں تمہارے ساتھ باہر نکلوں گی تو لوگ مشکوک تو نہیں ہو جائیں گے؟''

''ہوتے رہیں۔ تمہیں لوگوں کی فکر کب سے ہو گئی ہے؟'' وہ بولا۔

''اچھا بھابی۔ میں جاؤں اب۔'' وہ ریشماں کے گلے لگ گئی۔ ''خدا حافظ۔ اور ہاں بابا جان کو یاد دہانی کروانا مت بھولنا۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے ڈانٹیں گے نہیں۔''

''اچھا۔'' ریشماں ہنسی۔

''تم اپنا فون تو یہاں چھوڑتے جاؤ۔'' اس نے سبط کے ہاتھ سے فون لے کر ریشماں کو تھمایا۔ ''پلیز بھابی بھولنا مت۔''

سبط کے قدموں سے قدم ملا کر چلتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ بہت سی نگاہیں ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی ایک دالان عبور کر کے وہ دوسرے دالان میں داخل ہوئے' سامنے سے آتا ہوا اکرم یکدم چونک کر رک گیا۔

''سبط تمہارا بھائی ہے یہ؟'' زینی نے ساتھ چلتے سبط حسن سے سرگوشی میں پوچھا۔

''خاموشی سے چلتی جاؤ۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''ایک منٹ' مجھے اچھی طرح دیکھ تو لینے دو۔ ویسے ایک بات ہے۔ تم سے زیادہ ہینڈسم ہے۔'' زینی نے تبصرہ کیا۔

وہ اس کے قریب پہنچے ہی تھے کہ اکرم بول اٹھا۔ ''کہیں جا رہے ہو سبط؟''

بات اس نے سبط حسن سے کی تھی لیکن اس کی نگاہیں زینی کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ بھی تنقیدی نگاہوں سے اکرم کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''جی۔'' سبط نے مختصراً کہا۔

''کب تک واپس آؤ گے؟'' اکرم نے پوچھا۔

''شاید گھنٹہ بھر لگ جائے۔ شاید اس سے پہلے ہی آ جاؤں۔''

''واپسی پر مجھ سے ملنا'' مکرم نے کہا۔

''جی بہتر۔''

وہ دونوں آگے چل پڑے۔

''ڈانٹ تو نہیں پڑے گی تمہیں؟ انہوں نے کیوں ملنے کے لیے کہا ہے؟'' زینی نے پوچھا۔

''تمہارے سر پر ڈانٹ کیوں اتنی سوار ہے؟''

''ڈانٹ سوار نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگا۔ اچھا چھوڑو اسے' یہ بتاؤ' یہ تمہارے بھائی ہیں؟''

''ہاں۔''

''تعارف ہی کروا دیا ہوتا۔ اُف بہت ہینڈسم ہیں۔ نام کیا ہے ان کا؟'' زینی نے تبصرہ اور سوال اکٹھے کیے۔

''تعارف کروا دیتا تو تم میرے ساتھ اتنی آسانی سے چلتی نہ جا رہی ہوتیں۔ یہاں ہم دونوں بھائیوں میں سے کسی ایک کی لاش پڑی ہوتی۔''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''اینی وے' ان کا نام مکرم ہے۔ امداد بھائی سے چھوٹے اور مجھ سے بڑے ہیں۔'' سبط نے اپنی جیپ کا دروازہ زینی کے لیے کھولا۔

اپنے گاؤں کی طرف واپس جاتے ہوئے زینی خاموش تھی۔

''کیا ہوا؟ زبان وہیں بھول آئی ہو؟'' سبط نے کہا۔

''نہیں۔ سوچ رہی ہوں کہ شاید اچھا ہی ہے کہ ہمارا صرف ایک بھائی ہے۔ دیکھو ناں۔ میرے اور تمہارے بابا جان اور پھر سخاوت بابا تین بھائی ہیں اور ان کے درمیان آپس میں اختلاف ہی نہیں۔ خون کے جھگڑے اور دشمنیاں ہیں۔ پھر تم چھ سوری پانچ بھائی ہو۔ میری وجہ سے تم بھائیوں کے بیچ بھی دشمنیاں ہوگئی ہیں اور آگے نہ جانے یہ کیا صورت اختیار کریں۔ اگر میرے زیادہ بھائی ہوتے تو شاید وہ بھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے۔ کیا فائدہ ہوتا اس طرح کے رشتوں کا؟''

''اپنے چھوٹے سے دماغ کو اتنی مشکل باتوں میں مت الجھاؤ۔ اپنی سائیڈ میں نے سنبھالنی ہے اور تمہاری سائیڈ عبداللہ بھائی سنبھالیں گے۔ اس لیے تم دونوں طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ تم یہ بتاؤ کہ گاؤں آنا کیسا لگا؟'' سبط نے گاڑی ٹوٹی پھوٹی سڑک پر ڈال دی۔

''تھوڑا سا اچھا' تھوڑا سا برا۔ ایک تو یہاں تم سے ملنے کو ترس گئی ہوں۔ باتیں بھی احتیاط سے کرنی پڑتی ہیں کہ کہیں درمیان میں تمہارا نام نہ آ جائے۔ اب تو میں نے فالتو بات کرنی ہی

چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ تمہارے ذکر کے بغیر میری کوئی بات مکمل ہی نہیں ہوتی۔''

''اس لیے گاؤں برا لگ رہا ہے؟'' وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔

''صرف اس لیے بھی نہیں۔ یہاں تو سختی ہی اتنی زیادہ ہے کہ کبھی مس جارج نے بھی ہم پر نہیں کی ہوگی۔ یہ کرنا ہے اور وہ نہیں کرنا۔ سمجھتے ہی سارا دن گزر جاتا ہے۔ حویلی سے فالتو باہر نہیں نکلنا اور نکلنا ہو تو اماں اور بابا جان کی اجازت لے کر نکلنا ہے جو کبھی ملتی ہی نہیں۔ کسی چیز میں لطف نہیں آتا۔ شاپنگ تک ہم خود نہیں کرتے۔ لسٹ بنا کر اماں جان کو تھما دی اور تھوڑی دیر میں سب چیزیں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی زندگی ہے؟ رنگینی ہی نہیں ہے کوئی؟''

''اچھا تو یہ شکوے ہیں تمہیں؟''

''صرف یہی کہاں ہیں۔ پتا ہے ہم بغیر گن مین کے باہر بھی نہیں نکل سکتے۔ یہ دیکھو کتنے اچھے لگ رہے ہیں کھیت۔ یہاں تک تو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ گاڑی میں باہر نکلتے ہیں تو اتنے بڑے بڑے پردے لٹکے ہوتے ہیں۔ ایک دن میں نے کونے سے پردہ ہٹا کر باہر دیکھنا چاہا تو اماں جان نے منع کر دیا۔ بالکل تھوڑا سا پردہ اٹھایا تھا کونے سے پھر بھی اماں نے فوراً ہی منع کر دیا۔''

''چچ چچ'' وہ ہنسا۔ ''یہ تو بہت بری صورتِ حال ہے۔ پھر آج اتنی بڑی سی چادر اوڑھ کر خاصی پریشانی ہوئی ہوگی تمہیں۔''

''اس میں اتنی پریشانی نہیں ہوئی۔ کم از کم اردگرد نظارہ تو کیا جا سکتا ہے ناں۔ اور چادر نہیں لیکن دوپٹا لینے کی بچپن سے مس جارج نے عادت ڈلوائی تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ اذان کے وقت اور اسلامیات پڑھتے وقت ہم دوپٹا ضرور سر پر رکھیں۔ اگر ہم بھول جاتے تو بہت ڈانٹ پڑتی تھی ان سے۔ مجھے تو ہمیشہ بھول جاتا تھا کہ میرا دوپٹا کہاں ہے۔ کبھی الماری میں ڈھونڈتی تھی اور کبھی تکیے کے نیچے۔'' اس نے ہنستے ہوئے بتایا۔

گاڑی اسی وقت حویلی میں داخل ہوئی۔ بابا جان باہر ہی منتظر تھے۔ انہیں دیکھ کر زینی کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ پلیز تم آگے چلنا۔'' اس نے سبط حسن کی طرف دیکھا۔

''تاکہ سارا نزلہ میرے اوپر گرے۔ بہت اچھے۔'' وہ ہنسا۔

وہ نیچے اتر کر بابا جان کی طرف بڑھے۔ سبط آگے تھا اور زینی اس کے پیچھے۔

''السلام علیکم۔'' اس نے کہا۔

''جیتے رہو۔'' وہ بولے۔

''میں زینی کو لایا تھا' اس سے جو کچھ ہوا اس کے نتائج کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ اب یہ ایسا نہیں کرے گی۔'' سبط نے ابا سے کہا پھر آہستگی سے زینی کو مخاطب ہوا۔ ''سوری کر دو ناں۔''

''ہاں' سوری بابا جان۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''زینی آپ اندر جائیں۔'' بابا جان نے اس سے کہا۔

اس نے ایک نظر سبط کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر اندر چلی گئی۔

''تھینک یو کہ آپ زینی کو حفاظت سے یہاں تک لائے۔'' اس کے جانے کے بعد بابا جان نے کہا۔ ''اسے واقعی نتائج کا اندازہ نہیں تھا لیکن آپ کو ضرور ہوگا۔ مری میں آپ دونوں دوست تھے اور آپ دونوں ہی کو معلوم نہیں تھا کہ دونوں کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ ہمارے گھرانوں کے درمیان اب کوئی اور رشتہ باقی نہیں ہے سوائے دشمنی کے رشتے کے۔ میں اپنی اولاد کو کسی آگ میں نہیں جھونکنا چاہتا اور مجھے یقین ہے کہ آپ بھی نہیں چاہیں گے کہ زینی کو کوئی نقصان پہنچے۔ میرے تھوڑے کہے کو بہت سمجھیں۔ مجھے امید ہے کہ جو کچھ میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں' وہ آپ سمجھ چکے ہیں۔''

''ہوں۔'' سبط نے کہا۔ ''جو آپ نے کہا ہے' وہ بھی میں نے جان اور سمجھ لیا ہے اور جو نہیں کہا وہ بھی۔ میں آپ کو بابا جان کہہ سکتا ہوں؟''

''ضرور۔'' وہ بولے۔

''بات یہ ہے بابا جان کہ کچھ نہ کہہ کر بہت کچھ کہہ جانے کا سلیقہ مجھے نہیں آتا۔ شاید آپ کی عمر تک پہنچ کر میں بھی سیکھ جاؤں۔ شاید تب بھی نہ سیکھ پاؤں۔ میں جب اپنے بابا جان سے بات کرتا ہوں تب بھی بعض اوقات ایسی باتیں کہہ دیتا ہوں یا شاید ایسے انداز میں کہہ دیتا ہوں جو انہیں ناگوار گزرتا ہے۔ شاید آپ کو بھی میری باتیں اچھی نہ لگیں۔

کیا آپ کو یقین ہے بابا جان کہ جو آگ آپ بھائیوں کے درمیان بھڑک رہی ہے وہ بس صرف آپ بھائیوں تک ہی محدود رہے گی۔ آپ چاہتے ہیں کہ یہ آگ اولاد تک نہ پہنچے لیکن وہ تو ہم سب تک پہنچ بھی چکی ہے۔ آپ بھائیوں کی غلطیوں کا خمیازہ ہم سب بھگت رہے ہیں۔ مائنڈ نہ کریں لیکن میں یہ کہوں گا کہ ان غلطیوں میں بابا جان کے ساتھ ساتھ آپ بھی برابر کے شریک ہیں۔ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں کہ صرف زینی اور گڑیا کی پڑھائی اس فساد کی وجہ بنی ہے۔ اصل بات کچھ اور ہے جس کا ہمیں علم نہیں ہے۔

میں نہیں جانتا کہ وہ کون سے حالات تھے جن کے تحت آپ لوگوں نے بچپن میں اپنی اولاد کے رشتے طے کر دیے۔ زینی اور گڑیا کا رشتہ خادم اور امداد بھائی سے طے ہوا اور اس میں آپ کی مرضی شامل نہیں تھی۔ تب بھی ریشماں آپی اور عبداللہ بھائی کا رشتہ آپ کی مرضی اور پسند سے طے ہوا تھا۔ آج جو آگ ہم تک پہنچی ہے اس کی وجہ انہی رشتوں کا طے ہو جانا ہے ورنہ بہت ممکن ہے کہ حالات اس حد تک نہ بگڑتے۔

بابا جان اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ آگ آپ کی اولاد تک نہ پہنچے تو اسے بجھانا ضروری ہے

URDU PHOTO

لیکن آپ کا اور میرے بابا جان کا مسئلہ ہی یہی ہے کہ آپ دونوں اس آگ کو بجھانا نہیں چاہتے۔ صرف چند لوگوں کو اس سے بچا کر دور لے جانا چاہتے ہیں۔ باقی سب چاہے اس آگ میں جل جائیں۔ آپ دونوں کو اس کی پروا نہیں ہے۔''

''آپ اپنی بات کر چکے؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔ کہنا چاہتا بھی ہوں لیکن آپ سننا پسند نہیں کریں گے۔''

''اب آپ جا سکتے ہیں۔ زینی کو بحفاظت واپس لانے کا شکریہ۔''

سبط نے گہرا سانس لیا اور واپس مڑ گیا۔

☆=====☆=====☆

حویلی پہنچ کر سبط کا سامنا ایک مرتبہ پھر مکرم سے ہو گیا۔

''کب آئے؟'' مکرم نے اس سے پوچھا۔

''ابھی ابھی آیا ہوں اور آپ کے پاس ہی آ رہا تھا۔'' سبط نے انگلی میں کی چین گھماتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' کہہ کر مکرم گول کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اس وقت کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

''جی؟'' سبط نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''پہلے تمہیں کسی اور وجہ سے بلایا تھا اب وجہ مختلف ہو گئی ہے۔'' مکرم نے کہا۔

''آپ کھل کر بات کریں۔ میں سن رہا ہوں۔''

''پہلے تمہارے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر تعجب ہوا تھا۔ وجہ تم جانتے ہو' یہ نہیں تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی لڑکی کیوں تھی۔ وجہ یہ تھی کہ تمہارے ساتھ کوئی لڑکی تھی بھی تو یہاں کیوں تھی۔ کسی بھی لڑکی کے ساتھ کے لیے یہ حویلی غیر مناسب جگہ ہے۔''

''وہ کوئی لڑکی نہیں تھی۔'' سبط نے مکرم کی بات کاٹی۔

''مجھے معلوم ہو گیا ہے۔'' مکرم نے کہا۔ ''اور ابھی یہ بات میں نے بابا جان کو نہیں بتائی۔ وہ گاؤں کی کوئی عام کمی کمین لڑکی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ تعلیم یافتہ لڑکی ہے۔ تم اسے چھوڑنے حیدر علی شاہ کی حویلی گئے تھے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ وہ زہرا تھی یا زینب؟''

چند لمحے سبط اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتا رہا پھر بولا۔ ''میں آپ کے سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔''

''تم اپنے لیے مصیبت کو دعوت دے رہے ہو۔'' مکرم کے انداز میں دھمکی تھی۔

''میں آپ کی دھمکیوں سے مرعوب ہونے والا نہیں ہوں اور آپ کے سوالوں کا جواب دینے کا پابند بھی نہیں ہوں۔''

''چاہوں تو تم سے اپنے ہر سوال کا جواب حاصل کر سکتا ہوں لیکن صرف اس وجہ سے ایسا نہیں کر رہا کہ بات بہت دور تک نکل جائے گی۔ ٹھیک ہے تم مجھے کسی بات کا جواب مت دو لیکن ایسی صورت میں مَیں مجبور ہوں گا کہ یہ بات بابا جان تک پہنچا دوں۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے اور وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆=====☆=====☆

پہلی فلم سائن کرتے ہی نوری ہر اخبار' ہر رسالے کے ٹائٹل پر دکھائی دینے لگی۔ شو بزنس سے منسلک صحافی اس کے انٹرویو لینے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ جنت بائی نے اس سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا تھا۔ فیصل ٹاؤن میں واقع اس کی کوٹھی پر مہربانوں اور فن کے قدر دانوں کی بھیڑ جمع رہتی تھی' جن کے ساتھ نوری پورے رکھ رکھاؤ کے ساتھ ملتی تھی۔

لیکن وہ شخص اب تک نہیں آیا تھا جس کا جنت بائی کو انتظار تھا۔ تاہم انہیں یقین تھا کہ وہ آئے گا ضرور۔ یہ ساری محنت جو انہوں نے برسوں تک کی تھی۔ یونہی ضائع نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ تحمل سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب وقت کے پہیے پر اپنی گرفت مضبوط کر کے وہ اسے اپنی مرضی سے اپنے حق میں موڑ سکیں اور برسوں پہلے جس آگ نے ان کی روح کو جلایا تھا' اسی آگ سے اس شخص اور اس کے تمام تر خاندان کو جلا کر خاکستر کر دیں۔

☆=====☆=====☆

بہت دن ہو گئے تھے' ماہ بانو نے خط کا جواب نہیں دیا تھا۔ ریشماں ایک ایک دن گن کر گزار رہی تھی۔ جب مزید صبر نہ ہو سکا تو اس نے ایک مرتبہ پھر کاغذ قلم سنبھال لیا۔

پیاری بہن بانو

ڈھیروں پیار

تمہارے خط کا بہت انتظار کیا کیونکہ کرنے کے لیے میرے پاس انتظار کے سوا کچھ ہے بھی نہیں۔ اب اتنے دن گزر گئے لیکن تمہارا کوئی خط نہیں آیا تو سوچا کہ میں ہی تمہیں لکھ لوں۔ تمہاری طرف سے بہت سے عذر بھی خود ہی تراش لیے۔ شاید تمہارا خط ڈاک میں گم ہو گیا ہو۔ شاید تمہاری مصروفیت نے تمہیں مہلت نہ دی ہو۔ آخر تم میری طرح بیکار تو نہیں۔ اور بھی نہ جانے کیا کیا۔

خیر جانے دو۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ تمہاری گرمیوں کی چھٹیوں کا تاکہ تم آؤ اور ہم ڈھیر ساری باتیں کریں۔ تم کہتی جاؤ اور میں سنتی جاؤں۔ میرے پاس بھی کچھ باتیں جمع ہو گئی ہیں تمہیں سنانے کے لیے۔ یوں تو اندر بہت غبار ہی جمع ہو گیا ہے لیکن تمہارے علاوہ کوئی ہے بھی نہیں جس سے کہہ سکوں۔

ایک دلچسپ بات بتاتی ہوں۔ ان کی بہن ہے ناں زینب۔ ایک دن بالکل

غیر متوقع طور پر ہماری حویلی میں چلی آئی۔ ہے ناں حیران کن بات۔ پہلے تو مجھے خبر ہی نہیں ہوئی کہ وہ اصل میں کون ہے۔ جب اس نے بتایا تو میری تو جان ہی نکل گئی۔ تم اندازہ کر سکتی ہو کہ یہ اس کی حماقت کی انتہا تھی کہ وہ یہاں کس طرح چلی آئی۔ ویسے ایک بات ہے زینی ہے بہت اچھی۔ مجھے بالکل تمہاری طرح لگی۔ بہت فرینک بھی ہے۔ صوفے پر بیٹھتے بیٹھتے اس نے جوتے ہوا میں اچھال دیے۔ ایک اگر شمال میں گرا تو دوسرے نے جنوب کی راہ لی۔ میں تو اسے بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

اور پتا ہے' اس نے ان کے متعلق بھی بہت سی باتیں بتائیں مجھے۔ ان کی دو تصویریں بھی دیں۔ یقین کرو کہ میں نے اپنے خوابوں کا ایسا ہی پیکر تراشا تھا۔ ان کی تصویریں دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ میں کس قدر خوش قسمت ہوں جس کی زندگی کی ڈور ان کے ساتھ بندھی ہے۔

لیکن سب سے حیران کن بات تو میں نے ابھی تمہیں بتائی ہی نہیں ہے۔ زینی اور سبط حسن ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ جب مجھے اس بات کی خبر ہوئی تو میں اپنے محسوسات سمجھنے' سے بھی قاصر تھی۔ میرے ذہن میں مسلسل امداد بھائی کا خیال آ رہا تھا۔ زینی چلی گئی تب بھی کتنی دیر تک میں یہ سوچتی رہی کہ یہ بات اچھی ہے یا بری؟ امداد بھائی یا سبط؟ یہ بات میرے لیے بہت تکلیف دہ تھی کہ امداد بھائی کی منگیتر کسی اور کے ساتھ اظہارِ محبت کرے لیکن وہ کوئی اور بھی تو نہیں۔ میرا ہی دوسرا بھائی ہے جسے وہ پسند کرتی ہے۔ بہت سوچنے کے بعد میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچی کہ یہ برا نہیں اچھا ہے۔ زینی ہمارے گھر کی عزت ہے' اسی گھر میں رہے گی لیکن کیا بابا جان اس بات پر راضی ہو جائیں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

اور سب سے دلچسپ بات سنو۔ زینی مستقل مجھے بھابی کہتی رہی۔ مجھے اتنا اچھا لگا کہ کیا بتاؤں۔ کتنا خوبصورت رشتہ ہے یہ اور کتنا خوبصورت لفظ۔ مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا' جب زینی کے منہ سے اپنے لیے یہ لفظ سنا۔

اگر فرصت ہو تو مجھے خط ضرور لکھنا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں کس شدت سے تمہارا اور تمہارے خط کا انتظار کرتی ہوں۔ اب باقی باتیں اگلی دفعہ۔

خدا حافظ!

تمہارے خط کی شدت سے منتظر

تمہاری بہن

ریشماں

ابھی اس نے بمشکل خط لکھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے گھبرا کر خط صوفے کے کشن کے نیچے رکھ دیا۔

''ہاں آجاؤ۔'' وہ بوکھلا کر بولی۔

آنے والا سبط حسن تھا۔

''میں بہت بور ہو رہا تھا' اس لیے آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ کو تنگ تو نہیں کیا؟''

''بالکل نہیں۔ تمہارے آنے سے میں بھلا تنگ ہو سکتی ہوں۔'' ریشماں نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں' زینی نے فون کیوں نہیں کیا۔ میں نے ٹرائی کیا ہے لیکن وہاں سے حیدر بابا اٹھاتے ہیں اور مجھے فون بند کرنا پڑتا ہے۔ ویسے بھی وہ مجھ سے خاصے ناراض ہیں۔'' سبط دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر قالین پر بیٹھ گیا۔

''وہ تم سے ناراض کیوں ہیں؟ تم تو زینی کو حفاظت کے ساتھ خود وہاں پہنچا کر آئے تھے۔''

''ہمارے خاندان کے بزرگ چاہتے ہیں کہ جو کچھ وہ سوچتے ہیں' کرتے ہیں۔ ہم بھی سر جھکا کر' آنکھیں بند کر کے اسی پر چلتے جائیں۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا ناں۔ کم از کم مجھ سے کسی کو ایسی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ 'میرے پاس یوں بھی اپنا دماغ ہے سوچنے کے لیے۔''

''تم حیدر بابا سے لڑ کر آئے ہو؟ کیا کہا تم نے انہیں؟'' ریشماں نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''میں لڑا نہیں ہوں لیکن میں انہیں بھی نہیں سمجھ سکا۔ ایک لیول پر وہ اتنے روشن خیال بنتے ہیں اور دوسری طرف اچانک اتنے تنگ نظر ہو جاتے ہیں کہ ناقابلِ برداشت لگنے لگتے ہیں۔ ان سے اچھے تو عبداللہ بھائی ہیں۔ کم از کم ان میں بات سننے اور حقیقت کا سامنا کرنے کا حوصلہ تو ہے۔''

''سبط کسی بزرگ کے متعلق اس طرح تو بات نہیں کرنی چاہیے۔''

''میں نے کیا غلط کیا ہے؟ حیدر بابا ایسے ہی ہیں جیسا میں نے کہا ہے۔ بہت اچھا شخص بھی بہرحال عام انسان ہی ہوتا ہے۔ اس میں بھی خوبیوں کے ساتھ خامیاں ہوتی ہیں۔ اچھے اور برے شخص میں فرق ہی کتنا ہوتا ہے صرف اتنا کہ اچھے میں اچھائیاں زیادہ ہوتی ہیں اور برے میں برائیاں۔ نسبت تناسب کی بات ہے ورنہ اچھائیاں اور برائیاں ہر انسان میں ہوتی ہیں۔'' سبط نے کہا۔

''پھر بھی اس طرح تو نہیں کہتے۔''

''اچھا بابا! غلطی ہوگئی۔'' وہ بدمزگی سے بولا۔ ''لیکن یہ بتائیں کہ میں زینی سے کیسے بات

کروں۔ بہت دل چاہ رہا ہے اس سے بات کرنے کا اور ہر مرتبہ وہ حیدر بابا۔'' سبط بات کرتے کرتے ایک لمحے کو رک گیا۔ ''آئی ایم سوری۔ میں کچھ غلط بات کہنے لگا تھا کہہ دیتا تو بہت جھاڑ پڑتی آپ سے۔''

''نمبر ملا کر فون مجھے دے دو۔ میں بات کرنا چاہوں تو شاید حیدر بابا اسے بلوا دیں۔ پھر تم بات کر لینا اس سے۔'' ریشماں نے ترکیب بتائی۔

سبط نے نمبر ڈائل کرنے کے بعد فون اس کی طرف بڑھا دیا۔ دوسری طرف سے حسب توقع فون بابا حیدر نے ہی اٹھایا۔

''میں ریشماں بول رہی ہوں بابا جان۔'' سلام کرنے کے بعد اس نے کہا۔

''کیسی ہیں بیٹا آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟ چچی اماں کیسی ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔''

''میں اکیلی تھی۔ بہت بور ہو رہی تھی۔ میرا بہت دل چاہا کہ زینی سے باتیں کروں۔ آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں تھوڑی دیر اس سے باتیں کر لوں۔'' ریشماں نے کہا۔

وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولے۔ ''میں ابھی آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔ آپ ہولڈ کریں۔''

ریشماں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ سبط آ کر اس کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

''تھینک یو آپی۔''

''پہلے میں بات کروں گی۔'' ریشماں نے کہا۔

''جلدی کرنا۔ ورنہ درمیان میں کہیں وہ یو پائے دا سیلر والا جن نہ آ جائے۔'' وہ بولا۔

''یو پائے دا سیلر والا جن؟ وہ کیا ہوتا ہے؟''

''ایک تو آپ کو یو پائے دا سیلر کا بھی نہیں پتا لیکن جن تو جن ہوتا ہے ناں اور ہمارے معاملے میں حیدر بابا یہ رول کر رہے ہیں۔''

''تم بہت بدتمیز ہو۔'' ریشماں کی ہنسی نکل گئی۔

اسی وقت دوسری طرف سے ریسیور اٹھانے کی آواز آئی۔

''ہیلو بھابی!'' زینی کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

''شکر ہے تمہاری آواز سنائی دی ہے۔''

''میں کیا کروں۔ یہاں بہت گڑبڑ ہے۔'' اس نے آواز مدھم کر کے کہا۔ ''لیکن بھابی سب سے پہلے یہ بتائیں کہ سبط کہاں ہے؟ اس بے ہودہ جگہ آنے کے بعد تو میں اس سے باتیں کرنے کو بھی ترس گئی ہوں۔''

''اب مزید مت تر سو وہ بھی اتنی مسکین سی شکل بنا کر بیٹھا ہوا ہے۔''

''پلیز بھابی میری بات کروا دیں۔''

اسی وقت سبط نے فون ریشماں کے ہاتھ سے لے لیا۔

''زینی کیسی ہو؟''

''شکر ہے تمہاری آواز تو سنی لیکن میں لمبی بات نہیں کر سکوں گی۔''

''کیوں؟''

''یہاں بہت گڑبڑ ہے ناں۔ فون پر بات کرنا بھی مشکل ہے۔'' وہ مدھم آواز میں بولی۔

''کیوں؟ حیدر بابا نے منع کیا ہے؟''

''منہ سے تو منع نہیں کیا لیکن ہر بات کہنے سے تو سمجھ میں نہیں آتی۔ کچھ باتیں بغیر کہے بھی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اس دن بابا جان نے تمہیں کچھ کہا تو نہیں تھا؟''

''وہی بات کہ کچھ نہ کہہ کر بھی انہوں نے بہت کچھ کہہ دیا اور مجھ سے حماقت یہ ہوئی کہ میں نے بھی اسی موقع پر اظہارِ خیال شروع کر دیا۔''

''بابا جان نے مجھے ڈانٹا تو نہیں لیکن ان کا موڈ سخت آف تھا۔ اماں جان نے پہلے تو مجھے بہت پیار کیا اور پھر اتنا زیادہ ڈانٹا کہ کیا بتاؤں۔ گڑیا الگ ناراض تھی۔ میری بات کسی نے سننے یا سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔'' زینی نے بے چارگی سے کہا۔

''میں نے فون کی طرف سے مایوس ہو کر ڈاک کی بھی استعمال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کی رینج ہی اتنی زیادہ نہیں تھی۔''

''ایک بہت گڑبڑ ہے سبط۔ یہاں میرے اور گڑیا کے لیے پروپوزل آئے ہوئے ہیں اور بابا جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ ہماری شادیاں وہیں پر کر کے رہیں گے۔''

''کیا کہہ رہی ہو؟''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میری تو آخری امید صرف بھائی ہیں۔ اتنا تو طے ہی ہے کہ بابا جان ان کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔'' پھر اسے اچانک خیال آیا۔ ''ہاں، وہ تمہارے بہت ہینڈسم بھائی ہیں وہی مکرم بھائی۔ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا تمہیں؟''

''تم انہیں بار بار ہینڈسم کہہ کر شدید قسم کی جلن میں مبتلا کر دیتی ہو مجھے۔''

زینی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''ویسے ان کا جاسوسی کا نیٹ ورک بہت اچھا ہے۔ انہیں اندازہ ہو گیا ہے کہ تم یا تو زینب ہو یا پھر گڑیا۔ خاصی انکوائری کی انہوں نے لیکن میں نے کچھ نہیں بتایا۔ اب یہ مسئلہ بابا جان کی عدالت میں پہنچے گا۔''

''اف۔ پھر کیا ہو گا؟'' وہ گھبرا گئی۔

''کچھ نہیں ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اب تک ہر بات بابا جان تک پہنچ گئی ہو گی لیکن انہوں نے ابھی طلبی نہیں کی۔''

''بس چند دنوں میں بھائی آنے والے ہیں۔ تم اپنا اینڈ سنبھال کر رکھو۔ میرا اینڈ بھائی سنبھال لیں گے اور ہاں پتا ہے کیا کرو۔''

''کیا؟''

''تم ریشماں بھابی کی چند اچھی سی تصویریں کھینچ کر مجھے بھجوا دو۔ ڈاک سے ہی بھجوا دینا۔ میرا خط کوئی نہیں کھولتا۔''

سبط نے ایک نظر ساتھ بیٹھی ہوئی ریشماں پر ڈالی پھر اس سے ایکسکیوز کر کے ذرا دور جا بیٹھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا زینی کہ تم آپی کو بھابی مت کہا کرو۔''

''کیوں؟''

''ایک تو پہلے ہی حالات اتنے اچھے نہیں ہیں کہ انہیں خوبصورت خواب دکھائے جائیں اور پھر ضروری تو نہیں کہ عبداللہ بھائی بھی ایسا ہی چاہتے ہوں۔''

''اپنے فلسفے اپنے پاس رکھو۔ وہ میری بھابی ہیں تو میں انہیں بھابی کہوں کیوں نہ؟ بس تم ان کی تصویریں بھجوا دو۔ حالات خود بخود اچھے ہو جائیں گے۔''

''میں مناسب نہیں سمجھتا۔''

''کیا مطلب؟ ہو تو تم بھی اسی خاندان کے۔ سوچنے کا انداز تمہارا بھی ویسا ہی ہے۔ باہر تمہیں کوئی لڑکی دکھائی دے تو تم ایک سیکنڈ میں اس کی تصویر کھینچ لیتے ہو۔ یہ سوچے بغیر کہ یہ بات مناسب ہے یا نہیں لیکن جب تمہاری بہن کی بات کی جائے تو تمہیں ان کی تصویر کھینچ کر مجھے بھجوانا مناسب نہیں لگتا۔ چچ چچ، بہت افسوس کی بات ہے۔ مجھے کم از کم تم سے اس بات کی امید نہیں تھی۔''

زینی کی بات درمیان میں ہی تھی کہ پیچھے سے اس کی اماں جان نے قدرے سختی سے اسے آواز دی۔

''زینی کب سے فون کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو۔ بات ختم نہیں ہوئی کیا؟''

''بس ایک منٹ۔'' اس نے ان سے کہا اور سبط کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''اماں اور بابا جان دور بیٹھے ہیں لیکن انہیں شک نہیں پورا یقین ہے کہ میں اس وقت تم سے باتیں کر رہی ہوں۔ اب سوچتی ہوں تو وحشت ہوتی ہے مجھے کہ اس جگہ آنے کے لیے میں اتنی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ پلیز سبط کبھی کبھار ریشماں بھابی کے ذریعے فون پر بات کر لیا کرو۔''

''تم نے جو تھوڑی دیر پہلے باتیں کی ہیں ناں، ان پر تمہارے کان کھینچنے کو دل چاہ رہا ہے۔

مگر جانے دو۔ تمہاری عقل ابھی ذرا چھوٹی ہے۔''

''ہر وقت میری عقل کے پیچھے مت پڑے رہا کرو۔ میری بات سنی ہے ناں۔ ایک تو ریشماں بھابی کی اچھی سی تصویریں بھجواؤ مجھے اور دوسرے پلیز فون اٹھا کر لیا کرو۔ سن رہے ہو ناں۔''

''بالکل سن رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

پیچھے سے ایک مرتبہ پھر آواز آئی۔ ''زینی۔''

''ایک منٹ اماں جان پلیز۔'' وہ بولی پھر دوبارہ سبط کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''دیکھا تم نے۔ اگر اس وقت میں ریشماں بھابی کے ساتھ باتیں کر رہی ہوتی تو یوں گھڑی گھڑی مجھے کوئی نہ پکارتا۔ اس لیے کہ بھابی کے لیے یہاں سب کے دل میں بہت جگہ ہے۔ اماں اور بابا جان دونوں چاہتے ہیں کہ وہ ان کی بہو بنیں لیکن دونوں میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ میں بڑے بابا جان کی بہو بنوں۔ کتنی افسوس ناک صورتِ حال ہے۔''

سبط ہنس پڑا۔ ''افسوس ناک صورتِ حال نہیں، تشویش ناک صورتِ حال۔''

''زینی۔'' اماں جان نے ایک مرتبہ پھر اسے جھڑکا۔ ''میں کہہ رہی ہوں کہ اب فون بند کرو۔ بہت کر لیں باتیں، چلو اب کچن میں۔''

''دیکھا سبط تم نے کہ مجھ پر کتنا ظلم ہو رہا ہے۔ یہ سب اہتمام ہو رہا ہے مجھے اس ایم بی اے والے کے سپرد کرنے کا۔ خیر اب فون بند کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ ابھی اماں جان نے ہاتھ سے چھین کر بند کر دینا ہے۔'' وہ بولی۔

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب فون بند کر دو ورنہ مزید گڑبڑ بھی ہو سکتی ہے۔''

''بھولنا مت، تصویریں اور فون یاد ہے ناں۔''

''سو فیصد۔'' وہ بولا۔

''اچھا بائے ٹیک کیئر۔''

☆=====☆=====☆

اُما اور نیہاں تیار ہونے کے لیے ماہ بانو کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ کل سے کالج میں چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں اور چھٹیوں سے قبل عبداللہ نے ان سب کو اپنے گھر چائے پر بلا رکھا تھا۔

''میں تم لوگوں کو لینے آؤں گا۔'' اس نے کہا تھا۔

کالج سے وہ تینوں سیدھی یہیں چلی آئی تھیں اور اب اپنے اپنے کپڑے استری کر رہی تھیں۔

''مجھے بتاؤ کہ میں کون سے کپڑے پہنوں؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''مجھے دکھاؤ اپنے کپڑے، میں بتاتی ہوں۔'' نیہاں نے کہا۔

ماہ بانو نے الماری کھول دی۔ ریشماں نے اسے بہت سے سوٹ دیئے تھے اور وہ سب ہینگروں پر لٹک رہے تھے۔

''واہ تمہارے پاس تو ایک سے ایک اچھا سوٹ ہے۔ یہ چنری والا پہن لو۔''

''پہن چکی ہوں۔''

''کب؟ میں نے تو نہیں دیکھا۔'' نیہاں نے کہا۔

''جسے دیکھنا چاہیے تھا اس نے دیکھ لیا تھا۔ عبداللہ نے جو اسے الگ سے لنچ دیا تھا اس میں اس نے یہی سوٹ پہنا تھا۔'' اُما اپنے کپڑے استری کرتے ہوئے بولی۔

''اُما بالکل پاکستان کا جھنڈا لگو گی۔ سبز کرتے اور سفید شلوار میں۔'' نیہاں نے کہا۔ پھر ماہ بانو سے مخاطب ہوئی۔ ''میں اس سے کہتی رہی کہ کوئی اور کپڑے پہن لو لیکن اس نے میری سنی ہی نہیں۔''

''اتنا تو سوٹ کرتا ہے اس پر سبز رنگ۔'' ماہ بانو نے اُما کی طرف داری کی۔

''اسے اور ایڈی کو بالکل اچھے طریقے سے ڈریس اپ ہونا نہیں آتا۔'' نیہاں نے ماہ بانو کے کپڑے الٹ پلٹ کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''خبردار جو تم نے ایڈی کے متعلق ایسا تبصرہ کیا۔ اس پر تو ہر کپڑا اچھا لگنے لگتا ہے۔ بالکل ماڈلز والی Looks ہیں اس کی۔'' اُما نے اسے گھورا۔

''چھوڑو بھی۔ ایک زمانہ ہوا فائیو اون جینز آؤٹ آف فیشن ہوئے۔ وہ اب تک وہی رگڑے جا رہا ہے۔''

نیہاں اپنی بات پر مُصر تھی۔

''بھئی مجھے مردوں کے فیشن کا بالکل نہیں پتا ورنہ ابھی تمہیں جھٹلا دیتی۔'' اُما بولی۔

''پلیز نیہاں، تم اُما اور ایڈی کی فکر چھوڑ کر یہ بتاؤ کہ میں کیا پہنوں؟'' ماہ بانو نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

''مجھے دیکھنے تو دو۔'' اس نے ایک ایک کپڑا الٹنا شروع کیا پھر ہلکے گلابی کرتے اور چوڑی دار پاجامے والا ہینگر نکال دیا۔ ''تم یہ پہنو۔''

''اونہوں۔ یہ رنگ مجھ پر سوٹ نہیں کرے گا۔'' ماہ بانو نے نفی میں سر ہلایا۔

''تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ اُما تم بتاؤ، یہ کتنا سجے گا اس پر۔''

''بانو! یہاں میں نیہاں سے پوری طرح متفق ہوں۔ تمہارا دماغ واقعی خراب ہے۔ اتنا زبردست سوٹ ہے۔ یہ تم نے اب تک کیوں نہیں پہنا؟''

''سن لی اُما کی بات؟ بس تم یہی پہنو گی۔ میں نے اور اُما نے کہہ دیا ہے۔''

''اس کا دوپٹا ساڑھے تین گز کا ہے۔ سنبھلے گا نہیں۔'' ماہ بانو نے احتجاج کیا۔

''میں پن اپ کروادوں گی۔'' نیہاں نے فوراً کہا۔

''اور اسے پریس کرنا بھی مشکل ہے۔ اس پر کلف لگی ہوئی ہے۔'' اس نے دوسرا بہانا بنایا۔

''تمہیں پریس نہیں کرنا پڑے گا۔ میں کردوں گی۔'' اُما نے کہا۔

''پتا ہے' یہ رنگ مجھ پر اچھا نہیں لگے گا۔ میں بہت کالی ہوں۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔ پتا نہیں کس نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ تم کالی ہو۔'' اُما نے غصے سے کہا۔

''کسی نے کیا کہنا ہے۔ مجھے خود پتا ہے۔''

''اُما اس لڑکی کو صرف تم ہی سنبھال سکتی ہو۔ میری سمجھ سے یہ بالکل بالاتر ہے۔'' نیہاں نے کہا۔

''اچھا پہن لیتی ہوں یہی لیکن نیہاں مجھے تم سے پہلے کا بہت گلہ ہے۔'' ماہ بانو نے باقی کپڑے الماری میں واپس رکھے۔

''مجھ سے؟ میں نے کیا کیا ہے؟''

''اس دن جو تم نے عبداللہ سے کہا تھا۔ وہ مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔''

''کس دن؟ کیا کہا تھا؟'' نیہاں نے ذہن پر زور دیا۔

''یہی کہ میں عبداللہ سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن ریشماں کی وجہ سے اسے Avoid کرتی ہوں۔''

''تو غلط کب کہا ہے۔''

''ٹھیک ہے غلط نہیں تھا لیکن ہر بات کہہ دینے والی تو نہیں ہوتی۔'' ماہ بانو واپس چارپائی پر آبیٹھی۔

''کم آن یار۔ کس دور میں رہ رہی ہو؟ ساری زندگی رونے کا ارادہ ہے کیا؟ دیکھو بانو' محبت مل رہی ہو تو ناشکری نہیں کرتے۔ قسمت ہر کسی پر اتنی مہربان نہیں ہوتی کہ جسے ہم چاہیں وہ بھی ہمیں چاہنے لگے۔ تم تو بہت خوش قسمت ہو تمہیں ایک ایسا شخص مل رہا ہے جسے تم چاہتی ہو۔ جو تمہیں چاہتا ہے۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ اس دن میں نے جو کچھ کہا وہ اس لیے کہا تھا کہ تم سے جو دیوار اپنے اور عبداللہ کے بیچ کھڑی کی ہے۔ وہ کسی صورت میں گر پڑے' نہیں گرتی تب بھی اس میں شگاف ہی پڑ جائے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم ساری زندگی اس دکھ کے ساتھ گزارو کہ جو تمہیں مل سکتا تھا۔ تم نے اسے اپنی حماقت سے کھو دیا۔''

''پتا ہے بانو' ہمدردی اور قربانی کا جذبہ ایک وقت میں بہت قوی ہوتا ہے لیکن یہ بہت وقتی جذبہ ہوتا ہے۔ جب انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے تو تنہائی میں ضرور پچھتاتا ہے۔ کڑھتا ہے۔ تم

کیوں نہیں سمجھتیں۔'' نیہاں نے کہا۔

''اس پر میرا حق نہیں ہے۔'' ماہ بانو کمزور سے لہجے میں بولی۔

''تو پھر کس کا حق ہے؟ حالات کیسے بھی ہوں نہ ہوں' کسی کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار ماں باپ تک کے پاس بھی نہیں ہوتا۔ ایک جیتے جاگتے انسان کی قسمت کا فیصلہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ بچپن کی منگنی سے زیادہ فرسودہ بات اور کوئی نہیں ہوتی۔ آج صرف اس ایک فیصلے کی وجہ سے تم تین لوگ دکھ میں مبتلا ہو رہے ہو اور قصور تم تینوں میں سے کسی ایک کا بھی نہیں ہے۔''

''آئی ایم سوری لیکن بانو تم اپنے لیے بہت غلط فیصلہ کر رہی ہو۔ عبداللہ پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ صرف تم ہو کیونکہ وہ تم سے اور تم اس سے محبت کرتی ہو۔ ریشماں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے وہ محض اس کی بدقسمتی ہے۔ لیکن پلیز اپنے کسی غلط فیصلے کی وجہ سے ریشماں کی بدقسمتی کو اپنی اور عبداللہ کی زندگی پر بھی مت پھیلاؤ۔''

''نیہاں اسے سمجھانا پتھر سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔'' اُما نے کہا اور ماہ بانو کے کپڑے اٹھا کر استری کرنے لگی۔

''کیا کروں۔ میری قسمت میں پتھروں سے سر پھوڑنا ہی لکھا ہوا ہے۔'' نیہاں ہنسی۔

''لیکن ایک پتھر بہت خوبصورت اور دوسرا بہت ہینڈسم ہے۔'' اُما بھی ہنسی۔

''جیمز والی بات تو ٹھیک ہے لیکن میں خوبصورت؟ مذاق مت کیا کرو۔''

نیہاں نے تکیہ اٹھا کر اسے مارا۔ ''حد ہوتی ہے ناشکری کی۔ تم صرف یہ چاہتی ہو کہ ہم دونوں ہر وقت تمہارے حسن کے قصیدے پڑھتے رہیں۔''

''تمہاری آنکھوں پر دوستی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ تمہیں میں خوبصورت ہی دکھائی دوں گی۔'' ماہ بانو ہنسی۔

اسی وقت باہر سے اماں جی کی آواز سنائی دی۔ ''بانو۔''

''ابھی آئی۔'' اس نے کرسی پر پڑا دوپٹا اٹھا لیا اور ان دونوں کی طرف مڑی۔ ''جلدی تیار ہو جاؤ۔ عبداللہ آتا ہی ہوگا۔''

''یہ بھی خوب رہی۔ مجھے یقین ہے بانو کہ تم سب سے آخر میں تیار ہوگی۔'' اُما نے کہا۔

ماہ بانو کمرے سے باہر نکل آئی۔ اماں صحن میں ہی تھیں۔

''جی اماں۔''

''بانو مجھے تمہاری حرکتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''اب کیا ہوا اماں جی؟''

''ابھی تو تم جا رہی ہو عبداللہ کی طرف لیکن مجھے تمہارا اس سے زیادہ میل جول پسند نہیں ہے۔'' وہ بولیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
URDU PHOTO

وہ بجھ سی گئی۔ ''اماں! کالج میں اکٹھے پڑھتے ہیں میل جول تو ہو ہی جاتا ہے۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''بہرحال میں اسے پسند نہیں کرتی۔'' اماں نے ماتھے پر بل ڈال دیئے۔ ''تمہارا بندوبست میں کرتی ہوں۔ ان چھٹیوں میں ہی کہیں تمہارا رشتہ طے کرتی ہوں۔''

''جو دل چاہے وہ کریں لیکن پلیز میرے ساتھ ایسی باتیں مت کیا کریں۔ ایک تو عبداللہ ہمارے لیے اتنا کچھ کر رہا ہے۔ پہلے اس نے اپنے لان کی ڈیزائننگ کا پروجیکٹ دیا اور اماں جی یہ اسی پروجیکٹ کی وجہ سے ممکن ہوا ہے کہ اب ہم دنیا میں نمائش کر سکتے ہیں۔ اپنے بنائے ہوئے برتنوں کی اور اب اس نے آواری اور پرل کانٹی نینٹل میں بھی بکنگ کروا دی ہے۔ پلیز اماں جی میں کیسے اس سے میل جول چھوڑ دوں' آپ خود سوچیں ناں۔''

''یہی باتیں تو میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجاتی ہیں۔ وہ کیوں کر رہا ہے اتنا کچھ ہمارے لیے۔ دیکھنا بانو اس بن ماں کی بچی پر کوئی ظلم نہ کرنا۔''

ماہ بانو چند لمحے وہاں کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر مڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''کیا ہوا؟ تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟'' اُما نے کہا۔

''کچھ نہیں۔ میرا جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ تم دونوں جاؤ' میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''اچانک کیا ہوا تمہیں؟'' نیہاں نے تشویش سے پوچھا۔

''اماں جی نے کچھ کہا ہے؟'' اُما اس کے پاس آ بیٹھی۔

''میں بہت اَپ سیٹ ہوں۔ مجھے کوئی راستہ نہیں مل رہا۔'' اس نے آزردگی سے کہا۔

''اوہ گاڈ' میری اتنی لمبی تقریر کا یہ نتیجہ نکلا۔'' نیہاں بولی۔

''پتا ہے اماں جی نے کیا کہا ہے؟''

''کیا؟''

''کہنے لگیں کہ دیکھنا بانو' اس بن ماں کی بچی پر ظلم مت کرنا۔''

''وہ تمہیں اپنے جذبات کی نذر کر رہی ہیں۔'' نیہاں بولی۔

''ایسے مت کہو' وہ میری اماں جی ہیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں کچھ نہیں کہتی۔ اس بن ماں کی بچی کو کچھ نہ ہو اور جن کے ماں باپ سر پر موجود ہیں وہ چاہے زندگی میں ہی جہنم کاٹتے رہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتے یہ لوگ۔'' نیہاں اس سے کچھ فاصلے پر پڑی کرسی پر ٹک گئی۔

''پلیز بانو' ابھی اس بات کو جانے دو۔ تمہارے پاس سوچنے کے لیے بہت وقت ہے۔ فیصلے کے لیے دوسروں کی طرف مت دیکھو۔ یہ مت سوچو کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔ بس یہ دیکھو کہ

تمہاری خوشی کس بات میں ہے اور تم کس فیصلے پر بغیر کسی پچھتاوے کے قائم رہ سکتی ہو۔ جو فیصلہ تم کرو گی وہی سب سے اچھا ہو گا۔'' اُما نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''اُما اتنی تکلیف دہ صورتِ حال میں اگر تمہاری دوستی میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید میں پاگل ہو چکی ہوتی اب تک۔''

''چلو اب اٹھو اور تیار ہو جاؤ۔ میں نے تمہارے کپڑے پریس کر دیئے ہیں۔ عبداللہ لینے کے لیے آتا ہی ہو گا۔''

وہ تینوں بمشکل تمام تیار ہوئی تھیں کہ عبداللہ انہیں لینے آ گیا۔ آخری چند ٹچز انہیں بھاگ دوڑ میں ہی دینے پڑے۔

اُما کو لپ اسٹک ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ نیہاں کو پرفیوم نہیں مل رہا تھا اور ماہ بانو بالوں کا برش ہاتھ میں لیے اپنے گلابی کڑھائی والے کھسے ڈھونڈ رہی تھی۔

''بچیو اور کتنی دیر ہے؟'' اماں جی نے اندر سے جھانکا۔

''میرے کھسے پتا نہیں کہاں گئے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ٹھہرو' میں لاتی ہوں۔ یہاں جگہ نہیں ہے۔ وہ تو میں نے اپنے کمرے میں رکھ دیئے تھے۔'' اماں اس کے کھسے لینے چلی گئیں۔

''میں نے بال تک برش نہیں کیے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کھلے چھوڑ نا۔'' نیہاں نے بالآخر چارپائی کے نیچے فرش پر پڑا اپنا پرفیوم ڈھونڈ نکالا۔

اماں جی اس کے کھسے لے کر آئیں تو بے اختیار اس کا ماتھا چوم لیا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔''

''مجھے اپنی ممی یاد آ گئیں۔ وہ بھی مجھے ایسے ہی پیار کر کے اسی طرح کہتی ہیں۔'' نیہاں نے کہا۔

''میری ممی نے مجھے اتنا سر نہیں چڑھایا ہوا۔'' اُما ہنسی۔

''تم دونوں بھی میری بیٹیاں ہی ہو۔'' اماں نے آگے بڑھ کر باری باری ان دونوں کا ماتھا چوما۔ ''نظر بد دور تم تینوں ہی بہت پیاری لگ رہی ہو۔''

''جلدی کرو ورنہ عبداللہ یہی کہے گا کہ لڑکیاں تیار ہونے میں بہت دیر لگاتی ہیں۔'' نیہاں نے کہا۔

وہ کمرے سے باہر نکلیں تو عبداللہ صحن میں ابا جی کے ساتھ آئندہ ہونے والی نمائش کے متعلق بات چیت میں مصروف تھا۔

''ہم تیار ہو گئے۔'' اُما نے گویا اسے اطلاع دی۔

''بہت جلدی تیار ہو گئے ہو۔ میں پچھلے بیس منٹ سے یہاں کھڑا ہوں۔''

''اچھا اماں جی' ابا جی خدا حافظ۔ واپسی میں بھی عبداللہ چھوڑ جائے گا۔'' ماہ بانو نے کہا اور وہ سب بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔

''بانو ایک منٹ رکنا۔ میں بھول گئی۔'' اماں جی نے اسے پیچھے سے پکارا۔

''کیا چیز بھول گئیں؟''

وہ سب دروازے میں کھڑے ہوگئے۔ ماہ بانو وہیں سے پلٹ آئی۔

''یہ خط آیا ہے گاؤں سے۔ دیکھنا ریشماں کا تو نہیں ہے۔'' اماں نے اسے خط تھمایا۔

ماہ بانو نے کن اکھیوں سے دروازے میں کھڑے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ پھر خط الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ ''جی ریشماں کا ہی ہے۔''

''تم نے اسے پہلے بھی خط کا جواب نہیں دیا۔ خیر کل تو ہم گاؤں چلے جائیں گے لیکن دیکھنا کھول کر' خیریت لکھی ہے ناں؟'' اماں جی نے کہا۔

''ابھی جلدی میں ہوں۔ بعد میں پڑھ لوں گی۔ یوں بھی مجھے پتا ہے کہ اس نے کیا لکھا ہے۔'' اس نے خط مٹھی میں دباتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گئی۔

بے شمار تنگ گلیوں سے گزرنے کے بعد بالآخر وہ سڑک پر آ گئے۔ عبداللہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ماہ بانو اس کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی جبکہ اُما اور نیہاں پیچھے بیٹھ گئیں۔

''تم لوگ کل گاؤں جا رہے ہو؟'' عبداللہ نے گاڑی مال روڈ سے ظفر علی روڈ پر موڑتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں۔ شاید دو ہفتے رہیں۔ شاید اس سے بھی کم۔'' ماہ بانو نے جواب دیا۔

''میرا خیال ہے کہ میں بھی رات کو گاؤں کے لیے نکل جاؤں۔ زیادہ دن میں بھی وہاں رک نہیں سکتا۔ واپس آ کر تھیسز پر بھی کام شروع کرنا ہے۔''

وہ عبداللہ کی طرف پہنچے تو ایڈی' جیمز اور ظہیر پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ڈرائنگ روم میں سگریٹوں کا دھواں اور مختلف قسم کے پرفیوم کی ملی جلی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ قالین پر کشن رکھ کر وہ تینوں آڑے ترچھے لیٹے ہوئے تھے۔ یہاں وہاں پھلوں کے بہت سے چھلکے بکھرے پڑے تھے۔ چائے کے استعمال شدہ برتنوں کا بھی ڈھیر لگا ہوا تھا۔

ماہ بانو' اُما اور نیہاں ڈرائنگ روم کے دروازے میں ہی رک گئیں۔

''یہ تمہارے دوستوں نے کیا مچھلی بازار بنایا ہوا ہے۔'' ماہ بانو نے عبداللہ کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر ڈیک بند کر دیا۔

جیمز نے سر اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ''کون ہے؟ ڈیک کیوں بند کیا ہے؟''

''اف خدایا تم لوگوں نے ڈرائنگ روم کا کیا حشر کیا ہے۔ اٹھو فوراً۔'' ماہ بانو نے انہیں ڈپٹا۔

URDU PHOTO

''اس جگہ کا یہ حال تم تینوں نے کیا ہے؟'' اُما نے حیرت سے کہا۔

''تمہیں کیوں شک ہے؟'' ایڈی اٹھ بیٹھا۔

''اصولاً شک ہونا تو نہیں چاہیے تھا کیونکہ مجھے تمہاری صلاحیتوں کا علم ہے لیکن یونہی خیال سا آیا تھا کہ شاید یہ تین نہیں تیس افراد کا پھیلایا ہوا گند ہے۔'' اُما صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کسی نوکر کو بلوا کر یہ چیزیں اٹھواؤ۔'' ماہ بانو نے عبداللہ سے کہا۔

''جو حکم۔'' وہ ہنس پڑا۔

''یار اس نے کچھ جلدی چارج نہیں سنبھال لیا۔ یہ تو ہمیں یہاں آنے سے صاف منع کر دیا کرے گی۔ برداشت نہیں کرے گی ہمیں۔'' ایڈی نے عبداللہ سے کہا۔

''ایڈی تم قتل ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں۔'' ماہ بانو کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ''میرا کیا جاتا ہے۔ بیٹھے رہو اسی گندی جگہ پر لیکن پھر ہم تینوں لڑکیاں یہاں نہیں بیٹھیں گی۔''

''اُما اس سازش میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوگی۔ پوچھ لو بے شک اس سے۔'' جیمز نے فوراً کہا۔

اُما بغیر کچھ کہے ہنس پڑی۔

عبداللہ کے نوکر نے آ کر کمرے کی بکھری چیزیں سمیٹیں اور چائے کے استعمال شدہ برتن اٹھا کر لے گیا۔

''یہ گرمیوں کی چھٹیاں کچھ زیادہ لمبی نہیں ہیں۔'' جیمز نے کہا۔

''خدا کو مانو یار۔ یہ تمہیں لمبی لگ رہی ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ہمیں تھیسز کے لیے بالآخر ایکسٹینشن لینی پڑے گی۔'' ظہیر بولا۔

''گرمیوں کی چھٹیاں مجھے بھی کچھ لمبی لگ رہی ہیں کہیں ہم دونوں کا مسئلہ ایک ہی تو نہیں ہے؟'' ایڈی ہنسا۔

نیہاں بظاہر بے نیازی سے جیمز کی طرف دیکھنے لگی لیکن درحقیقت اسے اس کے جواب کا انتظار تھا۔

''کالج کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔'' بالآخر جیمز بولا۔

ایڈی' ظہیر اور عبداللہ نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا۔

''کس رونق کی بات کر رہے ہو؟ تینوں فورتھ ایئرز تو کم از کم کالج میں ہی ہوں گی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میں ایک خاص رونق کی بات کر رہا ہوں۔ پھر کبھی بتاؤں گا۔''

''ہم باہر چلے جاتے ہیں۔ تم نے جو کچھ اپنے دوستوں کو بتانا ہے' بتا دو۔'' نیہاں نے کہا۔

ماہ بانو اور اُما کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''نہیں' اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بھی میرے اچھے دوستوں میں سے ہو۔ باقی سب کے ساتھ تمہیں بھی ضرور بتاؤں گا۔'' جیمز نے کہا۔

''باقی سب کے ساتھ۔'' نیہاں نے دل ہی دل میں دانت پیستے ہوئے دہرایا اور ساتھ کی میز پر پڑا ہیرالڈ کا تازہ شمارہ اٹھا کر بلاوجہ ورق گردانی کرنے لگی۔

وہ سب اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے جب اچانک اُما کی نگاہ جیمز پر پڑی اور وہ یکدم ہنس پڑی۔

''کیا ہوا؟ مجھے یقین ہے میں نے مسخروں والی کوئی حرکت نہیں کی۔'' جیمز نے اس سے کہا۔

''بانو' فائیو او وَن (5.0.1)۔'' اُما نے سرگوشی میں کہا۔

ماہ بانو نے جیمز کی طرف دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''یہ لڑکیاں کوئی سازش کر رہی ہیں۔'' ظہیر بولا۔

''نہیں' سازش کوئی نہیں ہے۔ ہمیں آج ہی نیہاں نے بتایا ہے کہ فائیو او ون آؤٹ آف فیشن ہو گئی ہے۔ آج کل Guess P Jeans اِن ہیں۔ جیمز تم اب تک فائیو او وَن پر گزارا کر رہے ہو۔'' اُما نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی۔

نیہاں نے رسالے سے سر اٹھا کر جیمز کو دیکھا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے ہونق بنا انہیں دیکھ رہا تھا۔

''شرم کرو تم دونوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے رسالہ اُما کو مارا۔

''میرے سامنے اُما سے یہ سلوک؟ یہاں خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور تمہیں بچانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔'' ایڈی نے کہا۔

''کوئی نہ کوئی تو بچا ہی لے گا مجھے۔'' نیہاں نے کن اکھیوں سے جیمز کی طرف دیکھا۔

''ویسے تو بانو اور اُما کی اس سازش میں تم بھی برابر کی شریک لگ رہی ہو مجھے لیکن اس وقت تم پر بہت ترس آ رہا ہے۔ تمہیں میں بچا لوں گا۔'' جیمز نے کہا۔

وہ تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''یہ تم نے مٹھی میں کیا بند کر رکھا ہے بانو۔ میرا مطلب ہے اپنی اور عبداللہ کی تقدیر کے علاوہ۔'' ایڈی نے کہا۔

ماہ بانو کو ایک دم احساس ہوا کہ نہ جانے کب سے اس نے ریشماں کا خط مٹھی میں دبا رکھا تھا۔

''اوہ یہ کچھ نہیں۔'' وہ بولی۔

سب ایک مرتبہ پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ عبداللہ اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھا اس

URDU PHOTO

کے چہرے پر بکھرے اضطراب کا جائزہ لیتا رہا۔

وہ پریشان تھی۔ کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی۔ کسی نتیجے پر پہنچنا چاہتی تھی اور عبداللہ چاہتا تھا کہ اپنی زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ماہ بانو خود کرے۔

بالآخر ماہ بانو نے قالین پر سگریٹ کی ڈبیا کے ساتھ رکھا ہوا عبداللہ کا لائٹر جلایا اور ریشماں کے خط کو آگ لگا کر آتشدان کی طرف اچھال دیا۔

''تھینک یو بانو۔'' عبداللہ نے آہستگی سے کہا۔

☆=====☆=====☆

جی ٹی ایس کی ہچکولے کھاتی بس میں کھڑکی کے پاس بیٹھ کر پہلے کتنی دیر ماہ بانو تیزی سے پیچھے بھاگتے درخت گنتی رہی' پھر اس کے ذہن میں کل شام کے بہت سے مناظر تازہ ہو گئے۔ عبداللہ کے ہونٹوں اور آنکھوں میں ابھرنے والی مسکراہٹ۔ جب اس نے ریشماں کا خط جلا کر آتش دان میں اچھال دیا تھا۔ یہ فیصلہ کرنا بے حد مشکل تھا مگر ایک دن کرنا تو تھا ہی۔ سو جتنا جلد کر لیا جاتا' بہتر تھا۔

''دیکھنا یہ تھا کہ عبداللہ کو پانا میرے لیے زیادہ تکلیف دہ تھا یا اسے کھو دینا۔'' اس نے دور تک پھیلے کھیتوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

جب معاملے کو اس زاویئے سے دیکھا تو احساس ہوا کہ اسے کھو دینا کتنا تکلیف دہ تھا۔ شاید میں بہت خود غرض ہوں۔ شاید یہ اخلاقی گراوٹ ہو۔ شاید ریشماں میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کرے' لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے پوری کوشش کی کہ عبداللہ اس کی طرف متوجہ ہو جائے' مجھے بھول کر اسے اپنا لے' مگر میں اس پر زور دے سکتی ہوں' اسے مجبور تو نہیں کر سکتی تھی۔

یا پھر یہ سب غلط ہے۔ جیسے انتخاب کا حق ہم تینوں میں سے کسی کے پاس تھا ہی نہیں' جیسے یہ سب تقدیر کا لکھا ہوا کوئی کھیل ہے' جسے کھیلنے پر ہم سب مجبور ہیں یا شاید یہ بھی غلط ہے۔ صرف خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کا ایک بہانا۔ ایک بے حد کمزور سی دلیل محض اپنے اطمینان کے لیے۔

نہ جانے سچ کیا ہے اور غلط کیا ہے۔ شاید سچ صرف ہماری اپنی زندگی ہے جو ہمارے لیے سب سے اہم ہے اور اس زندگی کو گزارتے ہوئے اس کے لیے فیصلے کرتے ہوئے شدت سے یہ احساس ہوتا ہے کہ بالآخر ہمیں بھی تھک کر اپنے لیے ایک پناہ گاہ تلاش کرنی ہے۔ ہمیں بھی آج نہیں تو کل کسی کے سہارے' کسی کے کندھے کی ضرورت محسوس ہو گی' تب ایثار اور قربانی کا جذبہ ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ ہمارے پاس صرف پچھتاوا رہ جائے گا۔

زندگی کی راہیں کبھی کبھار بہت پُر پیچ اور پُر خار ہو جاتی ہیں۔ نہ جانے حقیقت کہاں افسانے میں اور افسانہ کب حقیقت میں مدغم ہو جاتا ہے۔ جو کسی کو یہ کتھا سنانے بیٹھو تو شاید کوئی

یقین ہی نہ کرے، لیکن یہی حقیقت ہے، یہی سچ ہے کہ شاہراہِ حیات پر یوں بھی ہوتا ہے، جب چلتے چلتے تھک کر ہم کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نگاہ دوڑاتے ہیں تو دور کہیں ٹمٹماتی روشنی دکھائی دیتی ہے لیکن اس تک بڑھتے بڑھتے پتا چلتا ہے کہ یہ تو ممنوعہ علاقہ ہے۔ یہ ہماری نہیں کسی اور کی پناہ گاہ ہے۔ تب یہ احساس شدت اختیار کر جاتا ہے کہ ان راہوں پر چلنے والے کے لیے گناہ وثواب محض ضمنی باتیں ہوتی ہیں اور اس گناہ وثواب کے درمیان جو حدِ فاصل شیخ و برہمن نے کھینچ رکھی ہے وہ کتنی بے معنی ہے۔

اس نے گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں اور کل شام کا ایک اور منظر اس کے تصور میں تازہ ہو گیا۔

چائے پینے کے بعد جب وہ سب دوبارہ ڈرائینگ روم میں جمع ہوئے تو چاروں لڑکے پہلے فلور کشنز پر بیٹھے، پھر نیم دراز ہوئے اور بالآخر پہلے کی طرح آڑے ترچھے لیٹ گئے۔

''میں تو سخت تھکا ہوا ہوں، دو دن اور رات مسلسل کام کیا ہے۔'' ایڈی نے سگریٹ سلگا کر کہا۔

''اور مجھ پر ویسے ہی سُستی سوار ہے۔'' ظہیر بھی اس کی تقلید میں نیم دراز ہو گیا۔

اور ان کے بعد سب ہی آہستہ آہستہ سگریٹ کے کش لگاتے، اپنے کام کی تھکن کا بہانا کر کے آرام کرنے لگے۔

''اٹھو اُما! یہ سب سُستی کے بورے ہیں۔ چلو باہر لان میں نکلتے ہیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میزبان کو بھی خیال نہیں ہے ذرا سا، مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک، بہت بری بات ہے۔'' اُما نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میزبان بھی انسان ہے، کام کر کے تھک جاتا ہے دو دن اور دو راتیں صرف ایڈی نے ہی نہیں، میں نے بھی کام کیا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''بلکہ ایڈی اور میزبان نے مل کر، میزبان کے گھر میں ہی کام کیا ہے۔'' ایڈی بولا۔

''تو پھر ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ میزبان اور ایڈی نے مل کر کیا کام کیا ہوگا۔'' نیہاں نے کہا۔

''باہر کہیں میزبان کے کتے تو نہیں ہیں؟'' ماہ بانو کو باہر جاتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

''اتنے بہادر مہمانوں کی موجودگی میں میزبان انہیں کھلا چھوڑ دینے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔'' عبداللہ نے کہا۔

وہ تینوں باہر لان میں نکل آئیں۔

''ویسے بانو یہ مت سمجھنا کہ میں دوستی نبھانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ تم نے بہت خوبصورت گملے بنائے ہیں۔'' نیہاں نے تعریفی نظروں سے باغ کا جائزہ لیا۔

''تھینک یو لیکن اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ صرف ابا جی کی محنت ہے۔'' وہ

مسکرائی۔

''یہ Pavement بہت زبردست ہے۔'' نیہاں جھک کر گھاس میں پھولوں کی طرز پر بنائے گئے راستے کی طرف دیکھنے لگی۔

''Pavement کے بہت سے ڈیزائن میرے ذہن میں تھے۔ ایک یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ مسلسل Solid Surface کے بجائے بکھرا ہوا راستہ بنایا جائے لیکن پھر اس آئیڈیئے کو میں نے ڈراپ کر دیا۔ میں نے سوچا کہ باغ کی لکس کو زیادہ قدرتی بنانا چاہیے، اس لیے سوچا کہ چھ پتیوں والا ایک مسلسل پھول بنایا جائے۔ ایک پھول اورنج رنگ کا ہو اور ایک گلابی جبکہ درمیان میں جو دو مشترکہ پتیاں ہوں، وہ ان دونوں رنگوں کا امتزاج ہوں۔ بیچ کے خالی حصے میں گھاس ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ہاں، ایسی چیز تو نیچر سے جتنی قریب ہوگی، اتنی ہی اچھی لگے گی۔'' اُما بولی۔

''لیکن یہ بتاؤ کہ تم نے انہیں اتنے اچھے رنگوں میں کیسے بنا لیا؟ مجھے بہت حیرت ہے یہ تم نے خود بنایا ہے بانو؟'' نیہاں نے کہا۔

''یہ تو کہہ دے گی کہ اس کے ابا جی نے بنایا ہے حالانکہ اس میں آدھی چیزیں اس نے اپنے ہاتھ سے بنائی ہیں۔ تم کبھی اسے کام کرتے دیکھو چاک پر، بہت حیران ہو گی۔'' اُما نے کہا۔

''بانو! ایک بات کہنی ہے۔'' اُما نے کہا۔

''کیا؟''

''میں نے تمہیں پہلے اس لیے نہیں بتایا تھا کہ تم ڈسٹرب ہو گی لیکن اب بتا دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی۔''

''پہلے کیوں نہیں اور اب کیوں؟'' ماہ بانو نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

''پہلے اس لیے نہیں کیونکہ تم نے اپنے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، آج کر لیا ہے۔'' وہ بولی۔

ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ ''تم نے دیکھ لیا تھا؟''

''ٹھیک ہے ہم باتیں کر رہے تھے لیکن اس قدر بے خبر بھی نہیں تھے۔ اینی وے یہ اچھا ہوا کہ تم نے فیصلہ تو کیا۔''

''پتا نہیں صحیح فیصلہ کیا یا غلط!'' اس نے خود سے ہی کہا۔

''بانو! یہ تو کبھی کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط اور صحیح یا غلط ہوتا کیا ہے؟ صحیح وہ چیز ہے جس سے مستقبل میں ہمیں فائدہ حاصل ہوتا ہو اور غلط وہ ہے جس سے آئندہ کبھی نقصان اٹھانا پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحیح یا غلط دونوں Relative Terms ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ صحیح درحقیقت صحیح ہے اور نہ غلط، غلط۔'' نیہاں نے کہا۔

''نہیں نیہاں' یہ فلسفے خود کو بری الذمہ ثابت کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اور کچھ نہیں۔'' ماہ بانو بولی۔

''چھوڑو یار' تم بتاؤ اُما کہ تم کیا کہہ رہی تھیں؟'' نیہاں نے کہا۔

''ہاں وہ بات تو درمیان میں ہی رہ گئی۔'' ماہ بانو کو خیال آیا۔

''وہ سعد ہے ناں' یاد ہے؟'' اُما نے کہا۔

''ہاں یاد ہے۔''

''وہ بہت مرتبہ کالج آیا ہے تھیسز ڈسپلے کے بعد پتا ہے ناں تمہیں اسے آنرز ملا تھا۔''

''ہاں پتا ہے' تم اصل بات کرو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''آنرز کے بعد نوکری ملنا مشکل تو تھا نہیں' اُس لیے نوکری مل گئی ہور نوکری ملنے کے بعد بظاہر وہ مجھے یہ خبر ہی سنانے آیا تھا' لیکن درحقیقت وہ تمہارے متعلق جاننا چاہتا تھا۔''

''پھر؟'' ماہ بانو نے سوالیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔

''پھر میں نے اُسے کوئی ایسی خاص بات نہیں بتائی۔ یہی سمجھ لو کہ گول مول جواب دے کر ٹال دیا۔ تین چار مرتبہ ملا ہے' وہ مجھ سے تاکہ میں تم سے اُس کی سفارش کر سکوں۔''

''تمہیں پتا تو ہے اُما کہ میرے دل یا میری زندگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تمہیں صاف صاف اس سے کہہ دینا چاہیے تھا' مجھے اس سے کبھی بھی محبت نہیں رہی تھی۔ ہاں' مجھے ہلکا سا شبہ تھا کہ شاید ایسی کوئی بات میں اس کے لیے محسوس کرتی ہوں' لیکن ایک دن جب میں نے اس بات پر غور کیا تو یہ شبہ خود ہی رفع ہو گیا اور میں نے اُسے تب بھی بہت صاف صاف الفاظ میں یہ بات بتا دی تھی۔''

''اُسے بھی یہ شبہ تھا کہ تم نے جو کچھ کہا' وہ کسی وقتی غصے کی وجہ سے کہا تھا۔'' اُما بولی۔

لیکن تمہیں تو اس سلسلے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ تم یا اُسے میرے پاس بھیج دیتیں تاکہ میں اُس کے بقیہ شکوک وشبہات رفع کر دیتی یا پھر تم خود ہی اُسے منع کر دیتیں۔''

''مائنڈ نہ کرنا بانو' میں نے جو اُسے صاف منع نہیں کیا تھا تو اُس کے پیچھے ایک وجہ تھی جو تمہیں اچھی نہیں لگے گی۔''

''کیا وجہ تھی؟''

''جانے دو۔'' اُما نے کہا۔

''نہیں' تم مجھے بتاؤ گی' وجہ تو ہوگی' مجھے بھی پتا ہونی چاہیے''۔ ماہ بانو نے اصرار کیا۔

''وجہ یہ تھی کہ تم نے ابھی تک عبداللہ کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا' اگر تم اس سے انکار کر دیتیں تو بھی کہیں تو شادی کرتیں' چاہے وہ کمپرومائز ہی ہوتی۔ میں نے سوچا کہ پھر سعد میں کیا برائی ہے۔ کم از کم وہ تم سے محبت کرتا تو ہے۔'' اُما نے کہا۔

''اوہ گاڈ! اتنی دور کی کوڑی۔'' ماہ بانو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''یہ چاہ رہی تھی کہ تمہاری سب کشتیاں نہ جلیں۔'' نیہاں بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی۔

''مذاق مت اُڑاؤ میرا' میں نے ذرا بزرگوں کی طرح سوچا تھا۔'' اُما نے کہا۔

''بس اب بزرگ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ سعد آئے تو اُسے بتا دینا کہ اس وقت اس کا شک بے معنی تھا' لیکن آج میں واقعی عبداللہ سے محبت کرتی ہوں۔ بہت شدید اور بہت مشکل سے اس فیصلے پر پہنچی ہوں لیکن بہرحال پہنچ گئی ہوں۔'' ماہ بانو بولی۔

بس کے ہچکولوں کے درمیان یہی سب سوچتے ہوئے وہ نہ جانے کب سو گئی۔ آنکھ اُس وقت کھلی جب اماں جی نے اُسے جھنجھوڑا۔

''اب اُٹھ بھی جاؤ بانو!''

''لیکن اماں گاڑی تو اب تک چل رہی ہے' ابھی بہت راستہ رہتا ہے۔'' اُس نے نیند بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''راستہ نہیں رہتا' ابھی ایک منٹ میں نیاز پور کا موڑ آ جائے گا' اُٹھو سامان اکٹھا کرو۔''

''ایک تو آپ پتا نہیں کیا کیا پوٹلیاں باندھ لاتی ہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے سامان اکٹھا کرنے لگی۔

''سب کی فرمائشیں ہوتی ہیں۔ میں کہتی ہوں ہر ایک کا سامان الگ الگ ہی باندھوں۔ امانت ہوتی ہے لوگوں کی' بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

''فرمائشیں سب اس طرح کرتے ہیں' جیسے ہم لاہور سے نہیں نیویارک سے آ رہے ہوں۔'' وہ بڑبڑاتی گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں گاڑی بڑی سڑک پر ہی رُک گئی۔ وہ دونوں سامان اُٹھا کر نیچے اُتر آئیں۔ ایک تانگہ پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔

''مولوی نعمت اللہ کے گھر چلنا ہے۔'' اماں جی نے کوچوان سے کہا۔

''جی بسم اللہ باجی! آؤ بیٹھو۔''

تانگے پر بیٹھ کر وہ اِردگرد دور تک پھیلے کھیتوں کا نظارہ کرتی گئی۔ عبداللہ کے گاؤں کی طرف اسی سڑک سے داہنے ہاتھ واقع ایک اور سڑک جاتی تھی۔ وہ اس امید پر اس طرف دیکھتی رہی کہ شاید اسے کہیں عبداللہ دکھائی دے جائے' لیکن اس کی یہ اُمید پوری نہیں ہوئی۔ دور کھیتوں میں کچھ مزارعے کام کر رہے تھے اور بس۔ یوں بھی شام ہونے والی تھی اور اکا دکا لوگ جو دکھائی دے رہے تھے' وہ بھی اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ رہے تھے۔

وہ مسجد پہنچے تو نانا جی شام کی اذان دینے ہی والے تھے۔ بڑی اماں نے بہت خوشی سے ان کا استقبال کیا۔

''بانو کے ابا نہیں آئے ساتھ؟'' بڑی اماں نے انہیں صحن میں بچھی چار پائیوں پر بٹھا کر پنکھا چلا دیا۔

''نہیں' انہیں کچھ کام تھا۔'' اماں جی نے بتایا۔

''ایک آدھ دن کو ہی آجاتا۔''

''اماں جی' اللہ کا بڑا فضل ہو گیا ہے' اُن کا کام بہت چلنے لگا ہے' اب تو بانو بھی اُن کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ کالج میں پڑھ رہی ہے ناں' روز نت نئی چیزیں سیکھ کر آتی ہے اور انہیں بتاتی جاتی ہے۔ پھر دونوں باپ بیٹی مل کر نہ جانے کیسے کیسے برتن' گملے بناتے رہتے ہیں بس اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ ہمارے بھی دن پھر جائیں۔'' اماں جی نے کہا۔

''اللہ کرے ہم بڈھا بڈھی تو بس یہی دعا کرتے ہیں۔'' بڑی اماں نے کہا۔ پھر انہیں خیال آیا۔

''تم دونوں کو میں لسی لا دیتی ہوں' تم وہ پیو' تو اتنی دیر میں' میں روٹیاں پکا لوں۔''

''اتنی جلدی؟ اُف میں بھول جاتی ہوں کہ میں گاؤں آچکی ہوں' لیکن پلیز بڑی اماں' میں کھانا کچھ ٹھہر کر کھاؤں گی۔ پہلے ٹھنڈے پانی سے نہاؤں گی تا کہ فریش ہو جاؤں اور گرد و غبار سے نجات ملے۔ قسم سے سفر کے دوران کم از کم من بھر گرد پھانکی ہے۔''

''اُس بے چاری کا حال تو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ اتنی کمزور ہو گئی ہے۔ جب سے بھائی مرا ہے تب سے تو بالکل سُوکھ کر کانٹا ہو گئی ہے۔'' بڑی اماں نے بتایا۔

''اُسے دیکھتی ہوں تو زرینہ یاد آجاتی ہے۔ دل کٹنے سا لگتا ہے۔'' اماں جی نے کہا۔

''ایک غلطی کی میری بچی نے اور اس کی سزا اس کی بیٹی تھی بھگت رہی ہے۔ اللہ نے اُسے اولاد دینی ہی تھی تو بیٹا دے دیا ہوتا۔ کم از کم لڑ جھگڑ کر اپنا حق تو وصول کر لیتا۔ پر اللہ نے دی بھی تو بیٹی چلو اس کے کام نرالے ہیں' نہ جانے اس میں کیا مصلحت ہے۔'' بڑی اماں نے آہ بھری۔

''آپ ملنے تو جاتی ہیں ناں اُس سے؟ دو خط بھی آئے تھے اس کے بانو کے نام۔ ایک تو کل ہی ملا تھا۔'' اماں جی نے انہیں بتایا۔

''ہر دوسرے روز وہ بلوا بھیجتی ہے تو اپنے سب کام چھوڑ کر اُس کی خاطر دوڑی چلی جاتی ہوں۔ تمہارے ابا جی کو بھی ایک دو مرتبہ ساتھ لے کر گئی تھی' انہیں ہی منت کر کے اپنے خط دے دیتی ہے وہ۔ بتا رہی تھی کہ اُس کے پہلے خط کا بھی بانو کی طرف سے جواب نہیں آیا۔''

''اماں! بانو بے چاری کیا کرے' ان کا تو کالج بھی نرالا ہے۔ پڑھائی نہیں ہوتی ان کے یہاں' بس عملی کام ہوتا ہے۔ بعض دفعہ تو صبح سے شام ہو جاتی ہے پھر گھر آ کر بھی یا کالج کے کام میں لگی رہتی ہے یا پھر اپنے ابا جی کے ساتھ مدد کرانے لگتی ہے۔ اس غریب کے پاس تو ایک لمحہ نہیں ہے فرصت کا' ورنہ دل اس کا بھی بہت بے چین رہتا ہے ریشماں کے لیے۔ آپ کو تو پتا

ہے کہ یہاں آتے ہی ریشماں سے ملنے کی ضد کرنے لگتی ہے۔'' اماں جی نے فوراً ماہ بانو کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

''اب لگ رہا ہے کہ انسان کی جون میں واپس آئی ہوں۔'' ماہ بانو تولیے سے بال سکھاتی غسل خانے سے باہر نکلی۔

''چلو اب کھانا کھا لو اور سو جاؤ' سویرے اٹھنا بھی ہو گا۔'' بڑی اماں نے پیار سے کہا۔

''ابھی سو جاؤں اور سویرے اٹھوں' مرغ کی پہلی بانگ کے ساتھ' دونوں کام ناممکن ہیں۔ ہاں کھانا ابھی کھا سکتی ہوں' کوئی گھاس واس تو نہیں پکائی بڑی اماں؟'' اس نے دیگچیوں میں جھانکنا شروع کیا۔

''حد ہوتی ہے ناشکری کی۔'' اماں جی نے اسے گھورا۔ ''مت اس طرح جھانکا کرو دیگچیوں میں' بے برکتی ہوتی ہے۔''

''نہ ڈانٹا کرو بچی کو رضیہ!'' بڑی اماں نے ان سے کہا پھر ماہ بانو سے مخاطب ہوئیں۔ ''مجھے پتا تھا کہ میری بانو کو سبزی اچھی نہیں لگتی' اس لیے مرغی پکائی ہے تمہارے لیے۔''

''تھینک یو بڑی اماں!'' اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''یہ لڑکی بہت سر پر چڑھ گئی ہے' اس کا کوئی علاج کرنا ہی پڑے گا۔'' اماں جی بولیں۔

''نہ نہ رضیہ' اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی پیارا نہیں ہوتا' تمہیں تب احساس ہو گا اس بات کا جب یہ بیاہ کر اپنے گھر چلی جائے گی۔''

''اماں کا بس چلے تو یہ آج ہی مجھے کسی شیدے یا گلو کے حوالے کر دیں۔ انہیں بڑی اماں تب بھی احساس نہیں ہو گا' یہ لکھوا لیں مجھ سے۔''

''اس کی زبان کو بھی لگام نہیں ہے۔'' اماں بڑبڑائیں۔

''اتنی باتیں کر لیں تم نے بانو آج ریشماں کا نہیں پوچھا۔'' بڑی اماں نے چنگیر اور پلیٹیں ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

ماہ بانو کے چہرے پر تناؤ کے آثار پیدا ہو گئے۔

''تھکی ہوئی ہے ناں اس لیے خیال نہیں رہا۔'' اماں جی نے ایک مرتبہ پھر اس کی صفائی پیش کی۔

''میں پوچھنے ہی لگی تھی۔ ابھی کل ہی اس کا خط ملا تھا' اس سے پہلے بھی ایک ملا تھا' لیکن میں جواب نہیں دے سکی تھی۔''

''اسے تو بہت انتظار تھا تمہارے آنے کا' دن گن رہی تھی۔ مجھ سے کہتی تھی کہ نانی اماں' آپ بانو کو لکھیں کہ وہ جلد سے جلد یہاں آجائے۔'' انہوں نے بتایا۔

''آج اسے چھٹیاں شروع ہوئی ہیں اور آج ہی ہم آگئے ہیں۔ اس سے زیادہ جلدی تو

نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ہمارا کام کتنا ٹف ہے۔ پہلے میں سوچتی تھی کہ فرسٹ ایئر بہت مصیبت ہے' ہر روز کے کام کی ہر روز مارکنگ۔ ایک دن بھی چھٹی نہیں کر سکتے تھے ہم۔ فرسٹ ائیر سے نکلے تو اندازہ ہوا کہ سیکنڈ ایئر بھی کم مصیبت نہیں ہے' روز مارکنگ نہیں ہوتی' لیکن ڈیڑھ مہینے کی کلاس میں ڈیڑھ سال کا کام نپٹانا پڑتا ہے اب' پاگل ہو جاتے ہیں کام کرتے ہوئے۔''

''وہ تو مجھے پتا ہے کہ تمہارا کام بہت ہوتا ہے لیکن میں بتا رہی تھی کہ ریشماں بے چاری کی تو کوئی سگی سہیلی بھی نہیں ہے' جو کچھ ہو وہ تم ہی ہو۔ بہن بھی اور سہیلی بھی۔ پتا نہیں کیسے زندگی کے دن کاٹ رہی ہے اس قید خانے میں۔'' بڑی اماں کی آواز بھرا گئی۔

اس ذکر سے ماہ بانو کی بھوک مر گئی تھی۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا۔ جتنا وہ موضوع بدلنے کی کوشش کر رہی تھی بڑی اماں رہ رہ کر وہی ذکر نکال رہی تھیں۔

''کیوں بانو' کھاؤ گی نہیں کیا؟''

''نہیں' مجھے نیند آ رہی ہے۔ سفر کی تھکن بھی ہے' میں سونے جا رہی ہوں۔''

وہ اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''اندر گرمی ہو گی بانو' میں نے تمہارے لیے باہر ہی چارپائی بچھائی ہے۔'' بڑی اماں نے کہا۔

''بڑی اماں مجھے عادت نہیں ہے باہر سونے کی۔'' وہ کمرے میں گھس گئی۔

بستر پر لیٹ کر کتنی دیر تک وہ اپنے' عبداللہ اور ریشماں کے متعلق سوچتی رہی۔ پھر نہ جانے کب اسے نیند آ گئی۔

صبح بھی وہ دیر تک سوتی رہی۔ بڑی اماں نے جلدی جگانے سے منع کر دیا تھا۔

ناشتا کرتے ہوئے اماں نے ایک مرتبہ پھر ریشماں کا ذکر چھیڑ دیا۔

''میں تمہارے انتظار میں اب تک بیٹھی ہوں بانو' ورنہ مجھے حویلی جانا تھا ریشماں سے ملنے کے لیے۔'' انہوں نے کہا۔

''میرے انتظار کی کیا ضرورت تھی' آپ چلی جاتیں۔'' وہ ناشتا کرتے کرتے رک گئی۔

''کیا مطلب؟ تو میں چلی جاتی؟ تم نے نہیں جانا کیا؟''

''جانا ہے' اور چلی جاؤں گی لیکن اس کے لیے اتنی بھاگ دوڑ کی کیا ضرورت ہے' آپ چلی جائیں' میں نانا جی یا بڑی اماں کے ساتھ پیچھے پیچھے آ جاتی۔'' وہ چڑ سی گئی۔

''تم کیوں اتنی چڑچڑی ہو گئی ہو بانو' ذرا بات کرو تو لڑنے لگتی ہو۔'' اماں نے بیزاری سے کہا۔

''بیز اماں میں لڑتی کب ہوں!

URDU PHOTO

اسی وقت نانا جی مسجد سے صحن میں داخل ہوئے۔

''جلدی کرو ناشتہ اور تیار ہو جاؤ۔'' اماں نے کہا۔

ناشتا ختم کر کے بھی وہ وہیں چارپائی پر ہی بیٹھی رہی۔

''کس سوچ میں گم ہو؟'' بڑی اماں نے پوچھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ اگر میں اور ریشماں بیک وقت ڈوب رہی ہوں تو آپ لوگ کسے بچائیں گے مجھے یا ریشماں کو؟''

''اللہ نہ کرے تم دونوں میں سے کوئی ڈوبے' کیسی بدشگونی کی باتیں کرتی ہو۔'' بڑی اماں نے کہا۔

''پھر بھی اگر ایسا ہو جائے تو' مجھے یقین ہے کہ اماں ریشماں کو بچائیں گی' بلکہ آپ سب ریشماں کو ہی بچائیں گے' مجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔''

''کیا فضول باتیں شروع کر دی ہیں' اٹھو تیار ہو جاؤ' وہ بے چاری کتنا انتظار کر رہی ہو گی۔'' اماں بولیں۔

''آپ جائیں اماں' مجھے نہیں جانا۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔

''کیا؟ ہر وقت مزاج مت دکھایا کرو بانو' جلدی اٹھو۔''

''میں نے کہا ناں اماں کہ مجھے نہیں جانا' آپ جائیں' میں کہیں اور جاؤں گی۔'' اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

پہلے تو اماں اسے دیکھتی رہیں' جیسے ابھی کچا چبا جائیں گی پھر دانت پیس کر بولیں۔

''مجھے اتنا بچہ نہ سمجھو بانو۔ تمہاری سب حرکتیں جانتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم وہاں کیوں نہیں جا رہی اور تمہیں جانا کہاں ہے۔ ذرا مجھے یہاں سے واپس ہو لینے دو' پھر دیکھو۔''

''آپ صرف جانتی ہیں اماں' سمجھتی کچھ نہیں ہیں۔ آپ کو ہر وقت اپنی بہن کی اولاد کی فکر رہتی ہے' کبھی میرے متعلق بھی سوچا ہے آپ نے کہ میری خوشی کس میں ہے۔ مجھے پتا ہے کہ اب بھی وقت پڑا آپ ریشماں کا ہی ساتھ دیں گی۔ میں آپ کی کیا لگتی ہوں؟'' اسے خود بخود ہی رونا آ گیا۔

بڑی اماں اور نانا جی ان کی گفتگو سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکے۔ اماں پہلے تو خاموشی سے اسے روتے ہوئے دیکھتی رہیں پھر ان کا دل پگھل گیا۔ اس کے قریب بیٹھ کر انہوں نے اسے خود سے لپٹا لیا اور اسے چپ کرانے لگیں۔

''چھوڑیں اماں' آپ کو مجھ سے کوئی محبت نہیں ہے۔ آپ جائیں ریشماں کے پاس۔'' وہ ان کو چھڑا کر کمرے میں چلی آئی۔

اماں اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئیں۔

''بانو! تم کیا سمجھتی ہو' مجھے تم سے محبت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے میں تم پر سختی کرتی ہوں' لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ مجھے تم پیاری نہیں ہو۔ مائیں اگر اولاد پر سختی کرتی ہیں تو ان کی بہتری کے لیے ہی کرتی ہیں ناں۔'' انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا۔

وہ کچھ نہیں بولی' خاموشی سے بیٹھی روتی رہی۔

''میری کون سی ڈھیر ساری اولادیں ہیں' ایک تم ہی تو ہو' تم سے پیار نہیں کروں گی تو پھر کس سے کروں گی اور جو میں تمہیں منع کرتی ہوں تو اس لیے کہ مجھے خبر ہے' یہ آگ کیسی ہے جس سے تم کھیلنا چاہتی ہو۔ میری بہن اس آگ میں جل چکی ہے' میں تمہیں کیسے جلنے دوں گی اس آگ میں۔''

''اماں! وہ وقت اور حالات مختلف تھے۔'' اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میں نے ریشماں کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈالا۔ آپ جانتی ہیں کہ پیر صاحب' اس کی شادی عبداللہ کے ساتھ کرنے پر راضی نہیں ہیں۔ خود عبداللہ نے بھی کبھی ریشماں کے متعلق نہیں سوچا۔ ایسے میں یوں بھی اس کی اور عبداللہ کی شادی ممکن نہیں ہے۔ میں تو تب قصوروار ہوتی' جب وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کر رہے ہوتے اور میں ان کے درمیان آجاتی۔''

''بات یہ نہیں ہے بانو' عبداللہ چاہے کسی اور سے شادی کرے' لیکن یہ رشتہ اس نے تمہارے ساتھ جوڑا تو ریشماں کو ہی نہیں' میری مرحومہ بہن کی روح کو بھی بہت صدمہ ہوگا۔''

''اماں جی! آپ مرے ہوؤں کو ہی خوش کرتی رہیں' میری فکر چھوڑ دیں' میں صرف آپ کی بہن کی خاطر اپنی خوشیاں کیوں برباد کروں؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کو اعتراض کس بات پر ہے' وہ کسی سے بھی شادی کرے' آپ کو اعتراض نہیں' پھر اگر وہ مجھ سے شادی کرتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟''

''تمہاری خوش فہمی ہے بانو کہ وہ ہمارے خاندان میں رشتہ طے کریں گے۔ وہ کسی چھوٹے خاندان میں رشتہ طے نہیں کرتے۔'' اماں جی نے ایک اور اعتراض کیا۔

''ہم اٹھارہویں صدی میں نہیں رہ رہے اماں جی' وقت بہت تبدیل ہو گیا ہے' میرا خاندان چھوٹا نہیں ہے۔ میرے باپ نے مجھے کم دیا ہے' لیکن حلال رزق کھلایا ہے ہمیشہ' ہم چھوٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''میرا دل تم نے بہت دکھایا ہے بانو' مجھے یہی خدشہ تھا پہلے دن سے۔ میں ان پڑھ' جاہل' میرے پاس تمہاری دلیلوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میں پرانے خیالات کی عورت ہوں۔ ہمارے ہاں خاندان کی کسی ایک لڑکی کا رشتہ ٹوٹ جاتا تھا تو سارا خاندان لڑکے والوں کے خلاف

ایکا کر لیتا تھا اور کوئی بھی اپنی بیٹی اس گھر میں نہیں دے سکتا تھا۔ آج وقت تبدیل ہو گیا ہے' لیکن میں وہی پرانی عورت ہوں' میں کیسے اس جگہ اپنی بیٹی کا رشتہ دوں گی جہاں میری بہن کی بیٹی کا رشتہ ٹوٹا ہے۔'' اماں نے دکھ سے کہا۔

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اماں اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

☆=====☆=====☆

عبداللہ اپنے کمرے میں بیٹھا ایم ٹی وی دیکھ رہا تھا جب زہرا اس کے پاس چلی آئی۔

''آپ کے مہمان آئے ہیں۔'' اس نے اندر آ کر خبر دی۔

''میرے مہمان! او وہ بانو آئی ہوگی۔'' اسے اچانک خیال آیا۔

''بہت اچھا اندازہ ہے آپ کا' میں نے اسے ڈرائینگ روم میں بٹھا دیا ہے۔'' وہ بولی۔

وہ ڈرائینگ روم میں آ گیا۔ ماہ بانو بیٹھی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

''میں صبح جاگی ہی دیر سے تھی۔ پھر اماں جان سے بحث اور نہ جانے کیا کیا۔'' اس نے رسالہ واپس رکھ دیا۔

''تم اماں جی سے بحث مت چھیڑا کرو' خواہ مخواہ ان سے الجھتی ہو۔''

''میں کیا کرتی' اماں مُصر تھیں کہ میں فوراً ریشماں سے ملنے چلی جاؤں' میں جانا نہیں چاہتی تھی۔ For obvious reasons ویسے ہی میری اماں کی ناک بہت تیز ہے' فوراً ہی خطرے کی بو سونگھ لیتی ہیں۔ پھر میں نے بھی کہا ہے کہ آج نہیں تو کل مجھے ان سے یہ ذکر تو کرنا ہی ہے تو آج ہی کیوں نہ کر لیا جائے۔'' وہ بولی۔

''تم کیوں اپنے آپ کو مجرم محسوس کرتی ہو۔ جا کر اس سے مل آتیں۔ تمہیں کسی کے سامنے اپنی صفائیاں پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے ناں۔ میرے لیے ریشماں کا سامنا کرنا بہت مشکل ہے۔ حالانکہ میں نے خود کو یہ یقین دلا دیا ہے کہ میں غلطی پر نہیں ہوں۔ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جو غلط ہو' لیکن عبداللہ پھر بھی ریشماں کو بہت دکھ ہوگا۔ میں سب کو Convince کر سکتی ہوں مگر اسے کیسے کروں۔''

''تمہیں کسی کو کنوینس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ریشماں سمیت اور میرے سامنے اس کا نام پھر مت لینا۔ میں تمہاری بے تکی باتوں سے عاجز آ چکا ہوں۔ اب جب فیصلہ کر لیا ہے تو پچھتاتی کیوں ہو؟'' عبداللہ نے کہا۔

''نہیں' میں پچھتا نہیں رہی' تم بھی تو کچھ نہیں سمجھتے' کوئی بھی نہیں سمجھتا میری بات۔''

''آتے ہی فضول باتیں شروع کر دیں تم نے۔ میں نے تمہیں بتانا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے اُما کا فون آیا تھا۔''

''اُما کا' کیا کہہ رہی تھی؟'' ماہ بانو کھل اٹھی۔

''کہہ رہی تھی کہ سکھر پہنچنے پر اسے پتا چلا کہ اس کی ممی نے پہلے سے انڈیا جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا اور اب وہ ایک آدھ دن میں ان کے ساتھ انڈیا جا رہی ہے۔''

''کتنے دن کے لیے جا رہی ہے؟''

''شاید چھٹیاں وہیں گزارے۔ تم اس سے آج فون پر بات کر لینا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اچھا۔'' پھر اسے خیال آیا۔

''زینی سے تو ملواؤ۔''

''وہ گھر میں بہت بور ہو رہی تھی' بلکہ بوریت تو بہت چھوٹا لفظ ہے' یہاں اس پر پابندیاں بھی بہت ہیں' تنگ آ کر ماموں کی طرف گئی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کب تک آئے گی وہاں سے؟''

''آج ہی کسی وقت آ جائے گی۔''

''تمہارے ماموں وغیرہ کیسے ہیں؟ تمہارے خاندان کی طرح ہی ہیں' یا وہ مختلف ہیں۔''

''نہ بہت قدامت پسند' نہ بہت روشن خیال۔ اصل میں ماموں جتنے بھی ہیں' ان سب کے بچے ہم سے کافی بڑے ہیں۔ شادی شدہ ہیں سب اور آگے سے ان کے بھی بچے ہیں' کچھ چھوٹے' کچھ بڑے' ہر سائز کے' زینی بچوں کے ساتھ کھیلنے گئی ہے۔''

''اس کے سلسلے میں کچھ معاملات بہتر ہوئے؟''

''بہتر تو ہوئے یا نہیں' لیکن اس نے حالات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' عبداللہ نے کہا اور اسے زینی کے بڑی حویلی چلے جانے کا قصہ سنانے لگا۔

"Very daring i must say" ماہ بانو نے تبصرہ کیا۔

''لیکن وہ وہاں گئی کیوں؟''

''پتا نہیں' آج آئے گی تو پوچھوں گا۔ گھر میں کسی نے اس سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ ہمارے گھر میں کچھ اسی طرح ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے۔''

''تمہاری اور بابا جان کی بات چیت ہوئی؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''نہیں' ابھی بات نہیں ہوئی۔ البتہ اماں جان اس کے سلسلے میں بہت پریشان ہیں۔ انہیں بھی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ سبط کو پسند کرتی ہے اور تب سے ہی وہ بہت فکر مند ہیں۔''

''میں بات کروں تمہارے بابا جان سے؟''

''Oh, sure, why not میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا' باقی سب کے لیے تم اس گھر کی فرد کل بنو گی۔ میرے لیے تو تم آج ہی اس کی ایک فرد بن چکی ہو۔''

وہ مسکرا دی۔

''اچھا یہ بتاؤ عبداللہ کہ تمہارے گھر میں کسی کو میرا اس طرح آنا برا تو نہیں لگے گا؟ پہلے جب میں آئی تھی تو بات دوسری تھی' تب باقی دوست بھی یہاں موجود تھے اور پھر تب تک میرے ذہن میں بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی یا تھی بھی تو میں اسے سمجھ نہیں سکی تھی مگر اب بہت فرق ہے۔''

''اول تو یہ کسی کو برا نہیں لگے گا۔ ہمارے گھر میں بہت کم باتوں پر برا منایا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر کسی کو برا لگا تب بھی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے' جو میرے مسائل ہیں' انہیں میں سنبھال سکتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''زہرا اور اماں جان کہاں ہیں؟''

''اماں جان تو ماموں کی طرف گئی ہوئی ہیں زینی کو لینے کے لیے اور زہرا یہیں کہیں تھی' میں پتا کرواتا ہوں۔''

تھوڑی ہی دیر میں زہرا چائے کی ٹرالی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

''میں نے سوچا کہ آج بانو کو اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزیں کھلاتی ہوں۔'' زہرا نے کہا۔

''دھیان سے بانو! اس نے ذرا نیا ہی کچن میں جانا شروع کیا ہے۔'' عبداللہ نے اسے خبردار کیا۔

''گویا تجربات کے لیے ہمیں گنی پگ بنایا جا رہا ہے۔'' ماہ بانو ہنسی۔

''بھائی کی باتوں میں مت آنا' میں اتنی گئی گزری بھی نہیں ہوں۔ بہت اچھی چیزیں بناتی ہوں۔'' اس نے ٹرالی ماہ بانو کے سامنے رکھ دی۔

''لیکن زہرا' میں اتنا کچھ نہیں کھایا کرتی' پوچھ لو' بے شک عبداللہ سے۔'' ماہ بانو نے بھری ہوئی ٹرالی پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ ایک چپس کے پیکٹ اور ایک پیپسی کی بوتل پر گزارا کرتی ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مگر آج تمہیں سب کچھ کھانا پڑے گا۔ چاہے تھوڑا ہی سہی' لیکن ہر چیز ضرور چکھنی پڑے گی اور ہاں چائے بھی خود ہی بنانی پڑے گی' بلکہ مجھے اور بھائی کو بھی دینی ہوگی۔ قسم سے میری تو کمر ٹوٹ گئی ہے بیکنگ کے لیے کھڑے رہ رہ کر۔ اب مزید کام نہیں ہوگا مجھ سے۔'' زہرا بولی۔

''اس میں اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت تھی؟'' ماہ بانو نے ہاف پلیٹیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اس ٹرالی میں موسم اور بے موسم کی ہر چیز مل جائے گی تمہیں۔ حیران مت ہونا' میں کیونکہ سیکھ رہی ہوں' اس لیے ہر قسم کی ڈش ٹرائی کرتی رہتی ہوں۔ پتا ہے کل میں نے اسنیکس بھی بنائے تھے۔'' زہرا نے کہا۔

''اسنیکس! اتنی گرمی میں؟'' ماہ بانو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہی تو کہہ رہی تھی کہ حیران مت ہونا' سب کچھ سیکھ رہی ہوں آج کل۔''

''اور وہ کھائے کس نے؟ اس موسم میں تو وہ کوئی نہیں کھا سکتا۔'' ماہ بانو بولی۔

''بھائی اور زینی زندہ باد۔ یہ دونوں ایسی ہر چیز کھا لیتے ہیں۔ بہت خوش خوراک ہیں دونوں۔ کل تو خیر زینی نہیں تھی' ہوتی تو بھائی سے بھی پہلے ہاتھ صاف کرتی ان پر۔''

''ویسے سب کچھ اچھا بنا ہوا ہے' لیکن ایپل پائی بہت زبردست ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تھینک یو۔'' زہرا بولی۔

''تم سیکھ لو پھر بانو کو بھی سب ترکیبیں لکھ کر دے دینا۔ یہ بھی بہت نکمی ہے کچن کے معاملے میں۔'' عبداللہ نے ہنس کر کہا۔

''مجھ سے نہیں گھسا جاتا کچن میں' وہ بھی اتنی گرمی میں۔ پھر کالج کا کام بھی اتنا ہوتا ہے' میرے لیے تو ممکن ہی نہیں ہے کہ اتنے کام کے ساتھ کچن میں جھانک بھی سکوں۔'' ماہ بانو نے صاف انکار کر دیا۔ ایئر

''تم کس ایئر میں ہو بانو؟'' زہرا نے پوچھا۔

''میں سیکنڈ ایئر میں ہوں۔''

''اور تمہارا تھیسس ہوگا فورتھ ایئر میں۔'' زہرا نے کہا۔

''ابھی دو سال رہتے ہیں تھیسس میں' ابھی سے مت ڈراؤ۔ میری جان نکل جاتی ہے سوچ کر۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اتنا بھیانک ہوتا ہے آپ کا تھیسس؟ ویسے بھائی کی بے فکری دیکھ کر تو نہیں لگتا کہ یہ کوئی اتنی ڈراؤنی چیز ہوتی ہوگی۔''

''تمہارا بھائی اس لیے بے فکر ہے کیونکہ خاصا لائق اسٹوڈنٹ ہے۔ میں اتنی لائق نہیں ہوں' اور عبداللہ نے تو تھیسس کا موضوع بھی بہت ہی ٹف چنا ہے۔ میری تو اب تک سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ وقت پر کام کیسے ختم کرے گا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''باقی سب کے موضوع آسان ہیں؟'' زہرا نے دریافت کیا۔

''نہیں' سبھی کے مشکل ہیں۔ آخر تھیسس ہے' کوئی مذاق تو نہیں ہے۔''

''تو سب کیا کر رہے ہیں؟ کیا موضوع ہیں سب کے؟'' زہرا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تم ہی بتاؤ بانو! کیونکہ یہ آرٹ کے معاملے میں بالکل اَن پڑھ ہے' اسے سمجھانا میرے بس سے باہر ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے' ٹھیک ہے کہ میں سائنس اسٹوڈنٹ ہوں' لیکن یہ تو نہیں کہ آرٹ کو سمجھ ہی نہ سکوں۔'' زہرا نے منہ بنایا۔

''ٹھہرو' میں تمہیں بتاتی ہوں۔ ان کی کلاس میں چار اسٹوڈنٹ ہیں' جیمز اپنا کام کر رہا ہے میں۔

URDU PHOTO
Tera Wta

''اور وہ کیا ہوتا ہے؟'' زہرا نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔

''اس کا مطلب ہوتا ہے Baked Clay یعنی چکنی مٹی سے پہلے مجسمہ یا کوئی بھی چیز بنائی جاتی ہے۔ پھر اسے بیک کر لیتے ہیں اور جیمز نے اپنے کام کے لیے انسپائریشن لی ہے موہنجوداڑو سے اور وہ بہت چھوٹے سائز کے' تم منی ایچر بھی کہہ سکتی ہو' بہت چھوٹے فگرز بنا رہا ہے۔''

''تھوڑا تھوڑا سمجھ میں آیا ہے۔ خیر' جتنا سمجھ میں آیا ہے' میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' زہرا نے کہا۔

''پھر ظہیر ہے' وہ کاپر اور برونز میں زیورات ڈیزائن کر رہا ہے۔ یہ تو آسان سی بات ہے' تمہاری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔''

''ہاں' ایسی جیولری میں نے بہت دیکھی ہے' بلکہ پہنی بھی ہے۔''

''میں نے کہا بھی تھا ظہیر سے کہ سب یہی کہیں گے کہ یہ پرانا کام ہے' گھسا پٹا ہے' لیکن وہ مانا ہی نہیں۔'' ماہ بانو نے عبداللہ سے کہا۔

''دیکھتے ہیں کہ اس کے ذہن میں کیا آئیڈیا ہے' ہوسکتا ہے' وہ کوئی نئی چیز دے۔''

''مشکل ہے' وہ کتنی ہی نئی چیز دے گا' لیکن سننے اور دیکھنے والے کے ذہن میں پہلے ہی یہ خیال بیٹھ چکا ہوگا کہ یہ پرانا موضوع ہے۔ خیر چھوڑو۔'' پھر وہ زہرا سے مخاطب ہوئی۔

''پھر ایڈی ہے' وہ اپنا کام کر رہا ہے فائبر گلاس میں اور اس کا موضوع شاید Nude ہے' ہیں عبداللہ!''

''نہیں اس کا موضوع ہے Intricacies Of Female Figure دراصل نیوڈز کہنے سے بات کچھ Crude سی لگتی ہے۔'' وہ بولا۔

''اور بھائی کیا کر رہے ہیں؟'' زہرا نے پوچھا۔

''عبداللہ پتھروں پر کام کر رہا ہے۔ پہلے میں تمہیں تکنیک بتا دوں' پھر تمہاری سمجھ میں آئے گی کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ ہمارے پاس دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک کہلاتا ہے Additive Process اور دوسرا ہوتا ہے Subtractive جیسے نام سے ہی پتا چل جاتا ہے کہ پہلی قسم میں ہم آہستہ آہستہ مٹی یا پلاسٹر آف پیرس یا کسی بھی چیز سے ایک شکل بناتے جاتے ہیں۔ مثلاً ہمیں کسی انسان کا مجسمہ بنانا ہے چکنی مٹی سے تو ہم تھوڑی تھوڑی مٹی لگا کر بالآخر شکل یا مجسمہ مکمل کر لیتے ہیں۔ لیکن جو دوسری صورت ہے Subtractive Process کی' اس میں ہم کسی چیز کو کاٹ کر اس کی شکل واضح کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے پاس ایک پتھر ہے اور ہمیں اس سے مجسمہ بنانا ہے تو اس پتھر کو کاٹ کر ہم مجسمے کی شکل میں لاتے ہیں اور یہ بہت مشکل کام ہے' لیکن کیونکہ تمہارا بھائی بہت مشکل پسند ہے' اس لیے اس نے اپنے تھیسس کے لیے یہی طریقہ اختیار

کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''یہ تو واقعی سوچنے میں ہی اتنا مشکل لگ رہا ہے' کرنے میں کتنا مشکل ہوگا۔'' زہرا نے تبصرہ کیا۔

''عبداللہ نے اپنے کام کے لیے انسپائریشن لی ہے زمانہ قبل از تاریخ سے' یعنی پتھر کے زمانے سے۔ یہ بنائے گا ریلیف۔ پتا ہے ریلیف کیا ہوتا ہے؟''

''جو انگریزی میں ہوتا ہے وہ پتا ہے' جو آرٹ میں ہوتا ہے' اس کا نہیں پتا۔ یہ شاید دیواروں پر کچھ بناتے ہیں۔'' زہرا نے کہا۔

''کسی بھی سپاٹ سطح پر جب ہم کوئی نقش ابھار کر بناتے ہیں تو اسے ریلیف کہتے ہیں۔ ہاں تو عبداللہ ریلیف بنائے گا اور مجسموں کو کمپوز کرے گا نئے طریقے سے۔ ویسے تکنیک تو بہت قدیم ہے' ظاہر ہے قبل از تاریخ کی تکنیک ہے' لیکن اس کا موضوع اس صدی کا' آج کے دور کا ہے۔ یعنی Contemporary Issue ہے' بلکہ ہمارے دور' ہمارے ملک کا اہم ترین اور نازک ترین مسئلہ ہے۔ یوں تو اسے سوشل ٹیبو سمجھا جاتا ہے' لیکن جب تک ہم اسے فیس نہیں کریں گے' تب تک یہ حل بھی نہیں ہوگا۔''

''اور وہ موضوع کیا ہے؟''

''موضوع ہے ریپ ...... زنا بالجبر اور اس موضوع کو ہینڈل کرنا اور اس تکنیک میں ہینڈل کرنا اچھا خاصا پریشان کن کام ہے۔ پتا نہیں تمہارا بھائی کیوں اس قدر بے فکر بیٹھا ہوا ہے؟''

''فکر کرنے سے کیا ملے گا؟ میں خواہ مخواہ کی فکریں نہیں پالتا تمہاری طرح۔'' عبداللہ نے کہا اور پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ اماں اور زینی کہاں رہ گئی ہیں؟''

''کہا تو تھا انہوں نے کہ کھانے سے پہلے ہی آئیں گی۔'' زہرا بولی۔

''تم بابا جان سے ملنا چاہتی تھیں' چلو تمہیں ان سے ملوا دوں۔'' عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہ بانو بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ڈرائینگ روم سے نکل کر مختلف راہداریوں سے ہوتے ہوئے اسٹڈی میں پہنچ گئے۔

''یہ بابا جان کی اسٹڈی ہے' تم یہاں بیٹھو' میں انہیں لاتا ہوں۔''

وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

ماہ بانو شیلفوں میں رکھی مختلف کتابیں دیکھنے لگی۔ اسٹڈی میں اس کی دلچسپی کی بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ آرٹ سے متعلق کتابیں' ویڈیو کیسٹس اور نہ جانے کیا کیا۔ ایک کمپیوٹر بھی تھا اور ایک ٹی وی جو بڑی سی ڈش کے ساتھ منسلک تھا۔

ابھی وہ اسٹڈی کا جائزہ لے رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور عبداللہ اپنے بابا جان کے ساتھ اندر

URDU PHOTO

داخل ہوا۔

''بابا جان! یہ بانو ہے' میرا مطلب ہے ماہ بانو اور بانو یہ میرے بابا جان ہیں۔'' عبداللہ نے تعارف کرایا۔

اس نے انہیں سلام کیا۔

''جیتی رہو۔'' انہوں نے کہا اور بیٹھ گئے۔ وہ دونوں بھی بیٹھ گئے۔

''ویسے بانو! تمہارا غائبانہ تعارف ہے بابا جان سے۔'' عبداللہ بولا۔

''بالکل' ہم تو بیٹا آپ کے جتنے شکر گزار ہوں' اتنا ہی کم ہے۔ آپ نے ہماری بہت مدد کی تھی' اگر اس دن آپ نے عبداللہ کو نہ بتایا ہوتا تو بہت بڑا حادثہ رونما ہو سکتا تھا ہمارے ساتھ۔'' انہوں نے کہا۔

''آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں' مجھے تو بس اتفاقاً علم ہوا تھا اور میں نے عبداللہ کو بتا دیا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا میں نے۔'' اس نے کہا' پھر اسٹڈی کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''آپ کے پاس تو زبردست کولیکشن ہے ہر موضوع پر۔ ان کتابوں کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا کہ آپ کا اصل سبجیکٹ کیا ہے۔''

''دراصل زندگی مسلسل سیکھنے کا عمل ہوتی ہے۔ تعلیم تو میری کچھ زیادہ نہیں ہے' لیکن کوشش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ نئی چیزیں' نئے علوم ضرور سیکھیں۔ ان بچوں سے بھی یہی کہتا ہوں' لیکن یہ ذرا کم ہی سنتے ہیں۔ ویسے میرے سبجیکٹس تھے لٹریچر اور فلاسفی' اب ہر چیز پڑھتا ہوں۔''

''لگتا ہے آپ کو آرٹ سے بھی دلچسپی ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ہاں' لیکن اس دلچسپی سے مختلف جو عبداللہ کو ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''بابا جان آرٹ کی کتابی دنیا میں رہتے ہیں اور میں عملی دنیا میں ہوں۔ یہ فرق تو موجود ہے اور رہے گا۔'' عبداللہ نے کہا۔

ماہ بانو ہولے سے ہنس پڑی۔ ''یہی فرق مجھ میں اور ابا جی میں بھی ہے۔ ویسے تو وہ ایک حد تک آرٹ کی عملی دنیا سے بھی وابستہ ہیں' لیکن یہ ان کا خیال ہے' میں اس سے ذرا کم ہی متفق ہوں۔''

عبداللہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بانو! تم بابا جان کے ساتھ باتیں کرو' مجھے تھوڑا سا کام ہے' ابھی آ جاؤں گا۔ ویسے تم بور نہیں ہوگی ...... بابا جان کی کمپنی میں۔ چاہو تو ان سے اختلاف بھی کر لو۔ ہاں کتابوں سے ہٹ کر جب عملی زندگی میں داخل ہو جائیں تو بعض اوقات انہیں اختلاف رائے اچھا نہیں لگتا۔ بہرحال یہ اسٹڈی ہم سب کے لیے ہائیڈ پارک ہے' کیونکہ یہاں بابا جان ہر چیز کو دلیل پر پرکھ کر دیکھ سکتے ہیں۔ لاؤنج اور بیڈ رومز میں ایسا نہیں ہو سکتا۔''

"عبداللہ!" انہوں نے مسکراتے ہوئے سرزنش کے انداز میں کہا۔

وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گیا۔

"مجھے فلسفے سے بنیادی اختلاف ہی یہ ہے کہ فلسفی اتنے زیادہ Logical ہو جاتے ہیں، کہ جذبات کا خون کر دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ دنیا کو جذبات سے محروم کر رہے ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے، فلسفہ تو ہمیں زندگی کے اسرار و رموز سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔"

وہ ہنس پڑی۔ "میرا ارادہ بحث کرنے کا نہیں تھا۔ میں صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ آپ کا اختلاف رائے کتنا زوردار ہوتا ہے تاکہ اسی حساب سے اپنا دفاع تیار کر سکوں، لیکن آپ نے تو بہت نرم و ملائم قسم کا اختلاف کیا ہے۔"

بابا جان بھی مسکرا دیے۔

"بانو بیٹا! جب زندگی کے اتنے برس اس انداز میں گزارے جائیں، جس طرح میں نے گزارے ہیں تو ندی کے پانی کا شور کم ہو جاتا ہے۔ وہ جا کر دریا میں اور دریا سمندر میں مل جاتا ہے، گہرائی بڑھ جاتی ہے، سکون بڑھ جاتا ہے، جوار بھاٹے اٹھتے ہیں، موجیں چڑھتی بھی ہیں، اترتی بھی ہیں، لیکن ندی کے پانی اور سمندر کی موجوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"ہوں۔" وہ ان کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"میرا آپ سے ملنے کو دل چاہتا تھا، لیکن ایک انجانا سا خوف تھا کہ پتا نہیں آپ کیسے ہوں گے ..... بزرگوں سے ملتے ہوئے انسان کو بہت محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اصل میں، میں نصیحتوں سے سخت الرجک ہوں اور مجھے یہی ڈر لگتا ہے کہ ادھر میں نے کوئی بات کہی اور اُدھر کوئی نصیحت سننے کو مل گئی، لیکن آپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے یہ خوف ختم ہو گیا ہے۔"

"جب میں آپ کی عمر کا تھا تو مجھے بھی نصیحتیں پسند نہیں تھیں، میں بھی ان سے اسی طرح الرجک ہوتا تھا، یہ عمر کا تقاضا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"پھر تو آپ اب کسی کو نصیحت نہیں کرتے ہوں گے۔ مجھے ایسے لوگ اچھے لگتے ہیں جو اپنا پرانا وقت بھولتے نہیں ہیں۔"

"نہیں نصیحت تو کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ ہر عمر کا اپنا تقاضا ہوتا ہے۔ آپ کی عمر کے لوگوں کو نصیحتیں سننا اچھا نہیں لگتا اور میری عمر کے لوگوں کو اپنے تجربات کے حوالے سے نصیحتیں کرتے رہنا اچھا لگتا ہے۔ یہ زندگی کا ایک سائیکل ہے، ایسے ہی چلتا رہے گا۔" وہ مسکرا دیے۔

"یعنی آج سے تئیس چوبیس سال بعد میں بھی ایسی ہی ہو جاؤں گی؟ نہیں میں ایسی نہیں ہوؤں گی۔

URDU PHOTO

"اگر ہو گئیں تو اس وقت مجھے ضرور یاد کرنا، کیونکہ شاید اس وقت میں نہ ہوں۔"

"اللہ نہ کرے، آپ کیوں نہ ہوں؟"

"اچھا، وہ آپ اپنا دفاع کس غرض سے تیار کرنا چاہتی تھیں؟" وہ بات کو اصل موضوع کی طرف لے آئے۔

"اگر یہ سچ مچ ہائڈ پارک ہو تو بلا جھجک کہہ دوں گی، ورنہ پہلے جان کی امان طلب کرنی پڑے گی۔" وہ شرارت سے بولی۔

"یہ ہائڈ پارک نہ ہو، تب بھی میں اتنا خونخوار نہیں ہوں، آپ بات کریں۔" انہوں نے سگار سلگایا۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔

"مجھے یقین ہے کہ آپ اتنے Logical نہیں ہوں گے کہ منطق کی تلوار پر جذبات کا خون کر دیں۔"

"میں ان فلسفیوں میں سے نہیں ہوں۔" انہوں نے دلچسپی سے کہا۔

وہ بھی ماہ بانو کی باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"آپ کو عبداللہ نے کچھ بتایا کہ میں کس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہوں؟"

"نہیں۔"

"اچھا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"مجھے عبداللہ نے زینی اور سبط حسن کے متعلق بتایا تھا۔"

ان کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی، لیکن فوراً ہی انہوں نے اپنے تاثرات چھپا لیے۔

"پھر......؟"

"آپ کو اچھا نہیں لگا ہوگا کہ میں آپ کے خاندان کے معاملات میں مداخلت کر رہی ہوں۔"

"نہیں، میرے پاس کوئی تخت و تاج تو نہیں ہے جس کا عبداللہ وارث ہو، لیکن وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے اور اگر اسے معلوم ہے کہ آپ یہاں کیا بات کرنے آئی ہیں اور اسے اس پر اعتراض نہیں ہے، تو مجھے بھی نہیں ہے۔ مجھے اپنے بیٹے پر بہت اعتماد ہے۔" وہ سگار انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے بولے۔

"مجھے سب حالات کا پتا ہے۔ تھوڑا سا اس لیے بھی کہ ریشماں میری خالہ زاد بہن ہے اور کچھ اس لیے کہ عبداللہ میرا دوست ہے۔ میں وہ تمام حالات دہرا کر وقت ضائع نہیں کروں گی۔ میں صرف اتنا کہوں گی کہ اس معاملے میں آپ بہت زیادہ لوجیکل ہو رہے ہیں اور زینی کے جذبات کو نظر انداز کر رہے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ اس قسم کا سلوک کر کے آپ زینی کے ساتھ

کوئی ہمدردی کر رہے ہیں۔''

''بانو بیٹا! زینی ابھی اپنا برا بھلا نہیں سوچ سکتی۔ میں جو کچھ اس کے لیے چاہتا ہوں' جہاں اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں' وہاں وہ زیادہ خوش' زیادہ محفوظ رہے گی۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں' تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے ہیں۔ ان کے گھر کا سیٹ اپ اور ماحول بھی ہم سے ملتا جلتا ہے۔ میں بھی تو اس کی بہتری کے لیے بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔''

''آپ نے پھر منطق کا سہارا لے لیا بابا جان' چونکہ وہ لوگ اچھے ہیں' اس لیے زینی خوش رہے گی۔ آپ بتائیں گے کہ یہ فارمولا آپ نے کیسے ایجاد کیا؟ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ خوش رہے گی؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''زندگی میں ہر چیز کو جذباتی نقطہ نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ جذبات بہت وقتی چیز ہوتے ہیں۔ شروع میں شاید زینی کو میرا فیصلہ اچھا نہ لگے' لیکن جب وہ غیر جانبداری سے جائزہ لے گی تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ میں نے اس کے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔''

''آپ نے تو فیصلہ کر بھی لیا' اب میں جتنا بھی آپ کو کیوں نہیں کنوینس کر لوں گی' آپ میری بات مانیں گے ہی نہیں۔ مجھے یہ بتائیں بابا جان کہ زینی کب غیر جانبداری سے جائزہ لے گی' کبھی نہیں وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی اور ابھی دو دن پہلے ہی ہم تین دوست باتیں کر رہے تھے تو میری دوست نیہاں نے بہت اچھی بات کہی تھی۔

ہم بھی غلط اور صحیح فیصلے کی بات کر رہے تھے تو اس نے کہا تھا کہ یہ تو کبھی کوئی نہیں جان سکتا کہ اس کا فیصلہ صحیح ہے یا غلط اور صحیح یا غلط ہوتا کیا ہے؟ صحیح وہ چیز ہے' جس سے مستقبل میں فائدہ ہوتا ہو اور غلط وہ ہے جس سے آئندہ کبھی نقصان اٹھانا پڑے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غلط یا صحیح...... دونوں Relative Terms ہیں اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ نہ صحیح درحقیقت صحیح ہے اور نہ غلط' غلط۔

بہت ممکن ہے بابا جان کہ آپ اپنے فیصلے کو ساری زندگی صحیح سمجھتے رہیں اور زینی محض آپ کی عزت کی خاطر آپ کے فیصلے کو غلط سمجھنے کے باوجود یہ سمجھوتا کر لے اور باقی تمام زندگی یہی سمجھتی رہے کہ اس نے ایک غلط فیصلے کو مان کر نقصان اٹھایا ہے۔''

''آپ کی گفتگو بہت دلچسپ ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ آپ سے زیادہ باتیں کی جائیں' لیکن مجھے کچھ کام ہے' مجھے یقین ہے کہ آپ آئندہ جب بھی آئیں گی تو مجھ سے ضرور ملیں گی۔''

بابا جان نے واضح طور پر گفتگو کا سلسلہ ختم کرنے کا اشارہ دے دیا۔

''ایک منٹ بابا جان! آپ کا کوئی کام بھی زینی کے مستقبل سے زیادہ اہم نہیں ہوگا۔ آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ اب بھی اپنے فیصلے پر قائم ہیں؟''

''بانو بیٹا! میں نے اس سلسلے میں بہت سوچا ہے۔ حالات آپ بھی جانتی ہیں میں اس

URDU PHOTO

موضوع پر کوئی بحث کرنا ہی نہیں چاہتا' ورنہ میں آپ کو مطمئن کر سکتا تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ آپ کو بھی زینی کی فکر ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''گویا آپ فیصلہ کر چکے ہیں۔'' وہ بولی پھر قدرے توقف سے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ میں آپ کو قائل کر لوں گی' لیکن افسوس کہ نہیں کر سکی۔ میں چلتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی پھر واپس پلٹی۔

''آپ ایک منٹ مجھے دے سکتے ہیں بابا جان؟ زینی کے لیے نہیں' میرے لیے۔''

''اوہ شیور......!'' انہوں نے کہا۔

''میں ایک معمہ حل کر رہی ہوں' حل نہیں ہو رہا۔'' وہ بولی۔

''کون سا معمہ؟ ویسے میں ہر روز اخباروں میں آنے والے پزلز ضرور حل کرتا ہوں' بڑھاپے میں یہ مشغلہ دلچسپ لگتا ہے۔''

''یہ ذرا مختلف ہے۔'' اس نے کہا۔

''دکھائیں کیسا معمہ ہے؟'' انہوں نے دلچسپی سے اس سے کہا۔

کام تو انہیں کوئی خاص تھا نہیں۔ اس وقت جو انہوں نے کام کا کہا تھا تو اس لیے کہ وہ گفتگو ختم کرنا چاہتے تھے۔

ماہ بانو نے بیگ کھول کر ایک خاکی پھولا ہوا لفافہ نکال لیا۔

''کسی کتاب میں ہے؟'' انہوں نے خاکی لفافے کی طرف دیکھ کر کہا۔

ان کا خیال تھا کہ لفافے میں کوئی کتاب ہے۔

''نہیں' یہ معمہ کسی کی زندگی کا ہے۔ بہت پہلے کی بات ہے' ایک لڑکی ہوا کرتی تھی' بہت خوبصورت عام فلمی سی لو اسٹوری تھی اس کی۔ گاؤں کی لڑکی' پڑھا لکھا لڑکا' ظالم سماج اور کچھ بدقسمتی۔ نہ تو اس میں کوئی نیا پن ہے' نہ ہی کوئی ایسا گوشہ جس کی کسی کو خبر ہی نہ ہو سکے' پھر بھی ایک گرہ ہے۔''

بابا جان الجھن سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''یہ دیکھیں!'' وہ صوفے کی ہتھی پر بیٹھ گئی اور لفافے سے باری باری چیزیں نکال کر صوفے پر ڈھیر کرتی گئی یہ...... ایک پرفیوم کی شیشی خالی ہے۔ یہ کچھ ٹوٹی ہوئی کانچ کی چوڑیاں ہیں' یہ کچھ سوکھے پھول ہیں۔ اس لفافے میں کچھ کاغذوں کی راکھ ہے' یہ سونے کی زنجیر ہے' ویسے ٹوٹی ہوئی ہے۔ یہ کسی کی قمیص کا نیلا بٹن ہے' اور یہ جو اوڑھنی ہے غالباً سرخ رنگ کی تھی' پرانی ہے' اس لیے رنگ اڑ گیا ہے اور یہ وہ رومال ہے جو اس لڑکی نے اپنے بوائے فرینڈ کو دینے کے لیے کاڑھا تھا۔ چچ...... چچ...... بے چاری کی بدقسمتی کہ دے نہیں سکی۔''

بابا جان کا چہرہ پُرسکون تھا' لیکن آنکھوں میں جوار بھاٹا صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کیا کہنا چاہتی ہیں بانو بیٹا؟'' بالآخر انہوں نے کہا۔

''میں تو کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ میں صرف آپ کی مدد سے ایک معمہ حل کرنا چاہتی ہوں اور وہ معمہ یہ ہے کہ کیا جذبات واقعی وقتی چیز ہوتے ہیں؟ اگر جذبات وقتی چیز ہوتے ہیں تو کیا کسی اور سے شادی کرنے کے بعد وہ عورت اپنے بوائے فرینڈ کو بھول گئی ہوگی؟ اس بات کا جواب مل نہیں سکا مجھے۔ وہ عورت میرے پیدا ہونے سے بھی پہلے مرگئی تھی یا شاید قتل کر دی گئی تھی یا پھر شاید اس نے خودکشی کر لی تھی۔ ویسے آپ کا کیا خیال ہے بابا جان اگر کسی کو خودکشی پر مجبور کر دیا جائے' میرا مطلب ہے کہ حالات ایسے بنا دیے جائیں کہ زندہ رہنا اس کے لیے محال ہو جائے اور وہ خودکشی کر لے تو کیا یہ عمل خودکشی کہلایا جائے گا یا قتل؟ پتا نہیں تکنیکی سا سوال ہے۔''

بابا جان صوفے پر بکھری چیزوں پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے۔

''میرا خیال ہے بابا جان کہ مرد بہت لوجیکل اور عورتیں بہت جذباتی ہوتی ہیں۔ شاید میرا خیال غلط ہو اور خیال تو کسی کا بھی غلط ہو سکتا ہے' لیکن میرا اندازہ ہے کہ مردوں کے لیے محبت بالکل ایسی ہی چیز ہے جیسی ......'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔

''جیسے کسی Object یا کسی چیز کو پسند کر لیا جائے مثلاً ایک کار کے ہوتے ہوئے دوسری کار پسند آ سکتی ہے یا ایک حویلی کے ہوتے ہوئے ایک اور مکان بنایا جا سکتا ہے' مگر عورتوں کے لیے بات قدرے مختلف ہوتی ہے۔ کم از کم میرا یہی خیال ہے' جو بہت بہادر ہوتی ہیں' وہ نقاب چڑھا کر خوشی کا اظہار کرتی رہتی ہیں' لیکن کچھ عورتیں اتنی بہادر نہیں ہوتیں' وہ مر جاتی ہیں قتل کر دی جاتی ہیں یا پھر خودکشی کر لیتی ہیں۔''

بابا جان نے نگاہیں اٹھائیں۔

''بانو بیٹا! آپ جیتیں' میں ہارا۔''

اس نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

''میں یہ چیزیں اپنے پاس رکھ سکتا ہوں؟''

''نہیں بابا جان! آپ کو دکھ ہی ہوگا۔ میں نہیں چاہتی تھی' لیکن میں نے آپ کے زخم کرید دیے۔ جو زندگی جیسے چل رہی ہے اسے ویسے ہی چلنے دیں۔ ماضی میں رہنے سے حال تکلیف دہ ہوتا ہے اور اپنی تکلیف میں ہم بہت سی وہ باتیں یاد رکھتے ہیں جو یاد نہیں رکھنی چاہئیں اور وہ بھول جاتے ہیں' جن کا یاد رکھنا ضروری ہوتا ہے۔''

اس نے سب چیزیں واپس خاکی لفافے میں ڈال کر لفافہ بیگ میں رکھ لیا۔

''ان میں سے کسی بات کی عبداللہ کو خبر نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئی۔ ایم سوری بابا جان!''

''اٹس آل رائٹ بیٹا! آپ کی کمپنی بہت دلچسپ ہے۔ یہاں آتی رہنا اور جب بھی آنا مجھ

سے ضرور ملنا۔'' وہ مسکرائے۔

''تھینک یو بابا جان!'' وہ بھی مسکرا کر باہر نکل آئی۔

عبداللہ اور زہرا باہر لاؤنج میں بیٹھے باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی اور عبداللہ پر نظر پڑتے ہی ہنس پڑی۔

''کیا رہا؟'' عبداللہ نے پوچھا۔

ماہ بانو وکٹری کا نشان بنا کر ہنستے ہوئے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

''سچ مچ مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''بانو تم زینی اور سبط کے متعلق کہہ رہی ہو؟'' زہرا نے بے یقینی سے کہا۔

''بالکل میں اسی کے متعلق کہہ رہی ہوں۔''

زہرا اپنی جگہ سے اٹھ کر ماہ بانو کے پاس آ بیٹھی۔

''لیکن یہ ہوا کیسے؟ بابا جان تو ماننے کے لیے کسی طور پر تیار نہیں تھے اور پھر اماں جان ہیں' وہ تو کسی صورت نہیں مانیں گی۔'' وہ بولی۔

''جب تمہارے بابا جان مان گئے تو سب مان جائیں گے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''پھر بھی تمہارے پاس کون سی جادو کی چھڑی تھی۔ میں تو اس مرتبہ پوری طرح تیار تھا ایک جنگِ عظیم کے لیے' شکر ہے اس کی نوبت نہیں آئی۔'' عبداللہ بولا۔

''پہلے تو میں نے کوشش کی کہ بابا جان کو باتوں میں قائل کر لوں۔''

''اس طرح تو وہ قائل ہو ہی نہیں سکتے' ان کے پاس ہر بات کے سو جوابات تیار پڑے رہتے ہیں۔'' زہرا نے کہا۔

''خیر' میرے ساتھ انہوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ شاید وہ خاندان کے معاملات پر میرے ساتھ زیادہ تفصیل کے ساتھ بات نہیں کرنا چاہتے تھے یا شاید عبداللہ کی فرینڈ سمجھ کر میرا لحاظ کر رہے تھے۔ جب میں نے دیکھا کہ اس طرح تو وہ کسی صورت نہیں مانیں گے تو پھر میں نے دوسری طرف سے حملہ کیا۔''

''کیا مطلب؟ دوسری طرف سے کیسا حملہ؟''

''ہوا یہ کہ جب انہوں نے سمجھا کہ وہ تو میرا لحاظ کر رہے ہیں' لیکن میں بالکل لحاظ نہیں کر رہی تو انہوں نے بہت مہذب انداز میں مجھے گیٹ آؤٹ ...... کہہ دیا۔ اب اٹھ کر جانا تو تھا ہی مجھے اور میرے پاس ترپ کا ایک آخری پتا تھا جو میں کھیلنا نہیں چاہتی تھی' لیکن ہر طرح سے ناکامی کے بعد میں نے سوچا کہ اب یہ کارڈ بھی کھیل ہی لینا چاہیے۔

تب میں نے کچھ Theatrics والا کام لیا۔ ویسے بھی ایڈی کے ساتھ رہتے ہوئے اتنا ڈراما کرنا تو آ ہی گیا ہے۔ جب میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں پسپا ہو کر واپس پلٹ رہی ہوں

اور شکست مان چکی ہوں' اسی وقت میں دروازے سے پلٹ آئی اور میں نے بہت آرام سے' آہستہ آہستہ پورے ڈرامائی تاثر اور ڈائیلاگز کے ساتھ اپنا آخری کارڈ کھیلا اور بس پھر جیت گئی۔ کم از کم بابا جان نے اپنے منہ سے یہ کہہ دیا ہے کہ بانو بیٹا آپ جیتیں' میں ہارا۔'' وہ ہنس پڑی۔

''اور وہ آخری کارڈ کون سا تھا؟'' زہرا نے بے تابی سے پوچھا۔

''یہ تمہیں نہیں بتاؤں گی' بلکہ تمہارے بھائی کو بھی نہیں بتاؤں گی۔ بلی کو ایک داؤ تو بچا کر رکھنا چاہیے ناں۔''

اسی وقت لاؤنج میں زینی داخل ہوئی۔ نیلی جینز اور ٹی شرٹ پہنے جسے آگے سے اس نے گرہ لگا رکھی تھی' اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔

''بھائی!'' وہ آتے ہی چلائی اور تقریباً اچھل کر اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بہت غضب ہو گیا ہے' مجھے اماں جان سے بچا لینا۔''

''زینی! آ کر کسی سے سلام دعا کرتے ہیں' یہ کیا طریقہ ہے تمہارا؟۔'' زہرا نے اسے گھورا۔

''وہ تو بعد میں بھی ہو سکتی ہے' لیکن اماں جان سیدھی گئی ہیں بابا جان سے شکایت کرنے۔'' وہ بولی۔

''بھائی اتنے دن کے بعد آئے ہیں' بھائی کی فرینڈ آئی ہوئی ہیں' کچھ تو شرم کرو۔'' زہرا نے اسے ڈپٹا۔

''اچھا ناں! السلام علیکم بھائی اور آپ کو بھی ہیلو۔'' اس نے بانو کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر دوبارہ عبداللہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''بابا جان تو پہلے ہی مجھ سے سخت خفا ہیں' میں کیا کروں۔''

''ہوا کیا ہے بتاؤ تو؟'' عبداللہ نے کہا۔

''وہ ہے ناں مسٹر ایم۔ بی۔ اے' وہ بھی ماموں جان کی طرف آیا ہوا تھا۔''

''پھر؟''

''پھر یہ کہ بہت ذوق وشوق سے مجھ سے ملا اور پھر پتا ہے کیا ہوا؟''

''بک بھی چکا دیا ہوا؟'' زہرا نے کہا۔

''میں نے اس سے صاف کہہ دیا کہ مجھے اس سے کوئی شادی وادی نہیں کرنی' کیونکہ میں اپنے ایک اور کزن کو پسند کرتی ہوں۔''

''کیا؟'' زہرا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''اماں جان کے سامنے کہا؟'' عبداللہ نے کہا۔

''پاگل ہوں میں؟ احمق نہیں ہوں۔ کہا تو میں نے اماں جان کے سامنے نہیں ہے' لیکن وہ

جو پہلے اس کا ذوق شوق تھا' وہ یہ بات سننے کے بعد نہیں رہا اس لیے اماں جان کو شک ہو گیا ہے۔ میں کیا کروں بھائی؟''

ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے زینی اچھی لگی تھی' گو کہ اس کے لہجے میں انگریزی پن نمایاں تھا' لیکن اس کا بات کرنے کا انداز ماہ بانو کو بہت اچھا لگا۔

''پہلے الٹی سیدھی حرکتیں خود کر آتی ہو پھر بھائی بھائی چلانے لگتی ہو کہ نتیجہ وہ بھگتے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''بھائی ڈانٹ رہے ہیں؟'' اس نے ڈانٹ کھا کر رونے سے پہلے تصدیق ضروری سمجھی۔

''نہیں' ڈانٹ نہیں رہا۔ میرے پاس اتنا بڑا رومال نہیں ہے' جو تمہارے آنسو پونچھ سکے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اب کیا ہو گا بھائی؟''

''کچھ بھی نہیں ہو گا کیونکہ یہاں تمہارا معاملہ سیٹ ہو گیا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیا؟ آپ سچ کہہ رہے ہیں؟'' زینی نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل سچ۔''

''اوہ بھائی تھینک یو۔'' وہ عبداللہ کے ساتھ لپٹ گئی۔

''نہیں' اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' وہ بولا۔

''پھر؟ بابا جان خود بخود ہی مان گئے کیا؟ واہ میری دعائیں تو اللہ میاں بہت قبول کرتا ہے۔ میں نے دعا کی تھی کہ بابا جان خود بخود ہی مان جائیں۔ انہیں خود سے ہی سمجھ آ جائے کہ بس میرے لیے سبط ہی ٹھیک ہے۔''

''ابھی اللہ میاں تم پر اتنا مہربان نہیں ہوا کہ تمہاری ایسی احمقانہ دعائیں بھی قبول کر لے۔ یہ خود بخود نہیں ہوا۔ کسی نے بہت کوشش کی ہے اس کے لیے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کوشش کی ہے' لیکن آپ نے نہیں کی تو کس نے کی ہے؟ زہرا نے تو کبھی نہیں کی ہو گی۔'' وہ بولی۔

''تمہیں بتا دیا تو تم اسی جوش وخروش سے اس کے ساتھ بھی لپٹو گی اور اس کی ہڈیاں اتنی مضبوط نہیں ہیں۔'' عبداللہ نے ماہ بانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آئی ایم سوری! میں اتنی پریشان تھی کہ آپ سے ٹھیک طرح سے مل بھی نہیں سکی۔ میں زینی ہوں اور آپ؟'' اس نے ماہ بانو کی طرف دیکھا۔

''ٹھہرو بانو! میں تعارف کرواتا ہوں۔ زینی سے بھی اور گڑیا سے بھی۔'' وہ بولا۔

''گڑیا سے تو میرا تعارف ہے۔''

''نہیں یہ تعارف ذرا نیا اور دھماکہ خیز قسم کا ہو گا۔'' عبداللہ مسکرایا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ اب اس خوشی کے موقع پر جب زینی کا مسئلہ بھی آدھا حل ہو چکا ہے۔ مجھے تمہارا صحیح قسم کا تعارف کروا ہی دینا چاہیے۔"

ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہائے جلدی کرائیں بھائی۔ آج تو میری خواہش ہے کہ ڈھیر سارے دھماکے ہوں۔" زینی نے بے تابی سے کہا۔

"زینی تمہیں اپنی ہونے والی بھابی کے متعلق جاننے کا بہت شوق تھا ناں، تو آج اس سے مل لو یہ ہے تمہاری ہونے والی بھابی ماہ بانو۔" عبداللہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا؟" زینی نے بے یقینی سے پہلے ماہ بانو اور پھر عبداللہ کی طرف دیکھا۔

"آپ یہ نہیں کر سکتے بھائی!" اس نے حقارت سے ماہ بانو کی طرف دیکھا اور پاؤں پٹختی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

زہرا کو پہلے ہی اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ عبداللہ ماہ بانو کو پسند کرتا ہے اور فی الحال وہ اس موضوع پر خاموش تھی، یوں بھی اسے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ان تینوں کے لیے زینی کا ردعمل غیر متوقع تھا۔

"اس کا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا۔" عبداللہ کو زینی کی اس حرکت پر بہت سخت غصہ آیا تھا۔

"ٹھیک کب ہے اس کا دماغ، بانو پلیز تم مائنڈ مت کرنا۔" زہرا کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔" اس نے بہت مشکل سے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکائی اور بیگ کندھے پر ڈال لیا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ اماں جی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"تم اس طرح نہیں جاؤ گی بانو، پہلے وہ تم سے ایکسکیوز کرے گی۔ اسے اس بدتمیزی کی معافی مانگنی ہو گی۔" عبداللہ نے کہا۔

"چھوڑو بھی، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس پر وہ مجھ سے معافی مانگے۔"

"خیر، تم بیٹھو، اس طرح نہیں جاؤ گی تم، کھانا کھا کر جاؤ گی۔" عبداللہ نے کہا۔

"ایکسکیوز می!" زہرا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔"

"مجھے آج بہت غصہ آیا ہے زینی پر اس نے بہت بدتمیزی کی ہے۔"

"جانے بھی دو۔" ماہ بانو نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"نہیں بانو یہ بات غلط ہے۔ ہم اس کا اتنا خیال رکھتے ہیں۔ اس کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر

بھی توجہ دیتے ہیں۔ اتنے لاڈ اٹھاتے ہیں اسے بھی سب کا خیال رکھنا چاہیے۔ زندگی صرف لینے رہنے کا نام نہیں ہے اسے کچھ نہ کچھ دینا بھی آنا چاہیے۔"

"عبداللہ! تم مائنڈ نہ کرنا لیکن اب میں چلتی ہوں۔ کھانے کا کیا ہے، وہ تو میں اکثر تمہاری طرف کھا لیتی ہوں۔ لاہور کی بات فرق ہے اور یہاں کی بات فرق۔ ہو سکتا ہے، میرا یوں چلا آنا تمہاری اماں جان کو بھی اچھا نہ لگے۔ چند دنوں کی تو بات ہے پھر ہم دونوں نے واپس لاہور چلے جانا ہے۔" وہ بولی۔

"تم میری مہمان ہو، اگر کوئی اپنا مزاج دکھا سکتا ہے تو میں بھی مزاج دکھا سکتا ہوں اور تم یہاں آئی کس لیے تھیں؟ زینی کے لیے آئی تھیں ناں۔ یہ چھوٹی قسم کی ذہنیت ویسے ہی میری برداشت سے باہر ہے۔ تم کیوں آئیں اور کیوں نہیں آئیں، قسم کی باتیں میں برداشت نہیں کیا کرتا اور گھر میں یہ بات سب کو معلوم ہے۔"

"میں آئی تو زینی کے لیے ہی تھی، لیکن یہ بات نہ زینی جانتی ہے اور نہ اماں جان، یوں بھی اگر اماں جان کو خبر ہوئی کہ میں زینی کی سفارش کرنے آئی تھی تو میرے نمبر انہوں نے ویسے ہی کاٹ لینے ہیں۔" اس نے بات مذاق میں ٹالنی چاہی۔

"اچھا تم فون پر اُما سے بات کر لو، اتنی دیر میں میرا مزاج بھی کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔"

عبداللہ اسے دوسرے کمرے میں لے آیا اور نمبر ملا کر خود باہر نکل گیا۔

"میں نے تو ایک دن ہی میں تمہیں اتنا مس کیا ہے بانو، باقی چھٹیاں کیسے گزاروں گی؟ یہ چھٹیاں کچھ زیادہ لمبی نہیں ہیں؟" اُما نے چھوٹتے ہی کہا۔

"ہاں تمہیں تو لگیں گی ہی۔ سچ سچ بتاؤ مجھے مس کر رہی تھیں یا ایڈی کو؟" ماہ بانو ہنسی۔

"ہائے دونوں کو۔ ایڈی سے تو دو مرتبہ بات بھی ہو چکی ہے، کل بھی اس کا فون آیا تھا اور آج بھی۔" اُما نے بتایا۔

"میں یہاں عبداللہ کی طرف آئی تو اس نے بتایا کہ تمہارا فون آیا تھا۔"

"اسی امید پر کیا تھا کہ شاید تم اس وقت وہاں ہو۔ خیر عبداللہ سے بھی خاصی دیر گپ شپ رہی۔ اور تم سناؤ، کیسی جا رہی ہے عبداللہ کے ساتھ؟"

"بس یار! ٹھیک جا رہی ہے۔"

"ریشماں سے ملیں؟"

"نہیں۔"

اور پھر اس نے پوری تفصیل کے ساتھ صبح اماں جی کے ساتھ ہونے والا اپنا معرکہ بھی اسے سنا دیا۔

"میں تو کہتی ہوں بانو اچھا ہی ہوا، وہ ذہنی طور پر تیار ہو جائیں گی۔" اُما نے کہا۔

''میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے۔'' وہ بولی۔

''کیوں کوئی اور گڑبڑ ہو گئی کیا؟'' اُما نے تشویش سے پوچھا۔

جواب میں ماہ بانو نے اسے تفصیل سے اپنی اور حیدر بابا کی گفتگو کے علاوہ زینی سے ملاقات کے بارے میں بھی بتا دیا۔

''بہت بدتمیز لڑکی ہے' اس کے پیٹ میں کیوں درد ہو گیا تمہارا نام سن کر؟''

''جانے دو' اس عمر کی لڑکیوں کو اپنے ردعمل پر قابو نہیں ہوتا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اتنی بدتمیزی کرے۔ ایک تو تم نے اس کی اتنی طرف داری کی ہے' جو کام اس کے بہن بھائی اس کے لیے نہیں کر سکے' وہ تم نے کیا' پھر بھی اس نے یہ حرکت کی۔ مجھے تو بہت غصہ آ رہا ہے۔''

''اچھا چھوڑو' یہ بتاؤ کہ تم نے گھر میں کوئی Feeler چھوڑا ایڈی کے بارے میں؟''

''میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔ مجھے تو پتا ہے کہ میں نے خود کنویں میں چھلانگ لگا دی ہے۔ اب گرنے کے بعد کتنا نقصان پہنچتا ہے' وہ سب میری ہی ذمہ داری ہو گی۔'' اُما بولی۔

''تم نے اور ایڈی نے کچھ طے بھی نہیں کیا؟''

''نہیں' ایک دو مرتبہ ایڈی نے اس سلسلے میں بات کرنے کی کوشش کی تھی مجھ سے' آنے سے پہلے بھی وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا' لیکن میں نے ٹال دیا۔ بلکہ ٹالا کیا' میں نے اسے صاف منع کر دیا کہ فی الحال میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے پتا ہے کہ میں غلط کر رہی ہوں' لیکن میں چاہتی ہوں کہ جتنے دن یوں ٹل جائیں' اتنا ہی اچھا ہے۔ رونا تو ہے ہی' جو کچھ دن اس کے ساتھ ہیں' وہ تو خوشی سے گزریں۔''

''اچھا چھوڑو اس موضوع کو' یہ بتاؤ کہ انڈیا کتنے دن رہنے کا ارادہ ہے؟'' ماہ بانو نے اس کے ڈپریشن کا اندازہ کر کے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

''پتا نہیں ممی کے موڈ کا' مجھے تو خواہ مخواہ اپنے ساتھ گھسیٹ رہی ہیں۔ جانے کا موڈ تو میرا بھی ہے' لیکن یہ سوچتی ہوں کہ ایڈی سے بات چیت بھی مشکل ہو جائے گی وہاں جا کر' بس پھر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ تم بتاؤ تمہارے لیے وہاں سے کیا لاؤں؟''

''بس تم خیریت سے آ جاؤ اور جلدی آ جاؤ۔''

''اور آتے ہی تمہارے سر پر بھی سوار ہو جاؤں' ہیں ناں۔'' وہ ہنسی۔

''اوہو! باتوں میں خیال ہی نہیں رہا' میں عبداللہ کے گھر سے فون کر رہی ہوں اور خاصا لمبا بل آ جائے گا اس کا۔''

''کوئی فرق نہیں پڑتا' بہت پیسے ہیں اس کے پاس۔'' اُما نے ہنستے ہوئے کہا۔

''[illegible] باقی باتیں تمہاری [illegible] کالی بانے۔''

ماہ بانو نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ کر صبح سے پیش آنے والے واقعات کے متعلق سوچنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اسے محسوس ہوا' جیسے کوئی تیز تیز آواز میں بولتا ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا ہے۔

''میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی اور میں اس سے ایکسکیوز نہیں کروں گی۔'' زینی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو زینی۔'' زہرا نے اسے ڈپٹا۔

''تم سب مجھے ہی ڈانٹ رہے ہو' یہ کوئی نہیں سوچتا کہ وہ ہماری بھابی کیسے بن سکتی ہے؟''

''وہ بھابی بنے یا نہ بنے' تمہیں اس سے معافی مانگنی ہو گی۔'' زہرا نے زور دے کر کہا۔

''کہہ دیا ہے نہیں مانگوں گی معافی اور میں کیوں معافی مانگوں اس سے؟ میں نے اس سے کچھ بھی نہیں کہا۔ بھائی سے بات کی تھی میں نے۔'' وہ مُصر تھی۔

''تمہیں یہ بھی احساس نہیں ہے زینی کہ بابا جان سے تمہارے اور سبط کے لیے بانو نے منوایا ہے۔''

''کوئی احسان نہیں کیا مجھ پر۔ میں نے نہیں درخواست دی تھی اسے کہ میری سفارش کرو۔ یوں بھی میں اس مسٹر ایم۔ بی۔ اے سے کہہ آئی تھی کہ مجھے سبط اچھا لگتا ہے۔ غیرت والا ہو گا تو پروپوزل لے کر اب وہ اس گھر میں خود ہی قدم نہیں رکھے گا۔'' زینی نے تیزی سے کہا۔

''تمہیں تکلیف کیا ہے؟ برائی کیا ہے بانو میں؟'' زہرا نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

''کام کا سوال تم لوگ سب سے آخر میں پوچھتے ہو۔'' زینی بولی۔

ماہ بانو ٹینشن کے عالم میں وہیں بیٹھی ان کی لڑائی سن رہی تھی۔

''یہ لڑکی بانو' ریشماں بھابی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ان سے مل کر آئی ہوں۔ قسم سے گڑیا تم دیکھو گی انہیں تو دیکھتی ہی رہ جاؤ گی اور پھر وہ نیچر کی اتنی اچھی ہیں...... کبھی ملو گی ان سے تو یہ بانو ان کے سامنے کچھ نہیں لگے گی تمہیں۔ بھائی دیکھیں گے تو دیوانے ہو جائیں گے۔ سبط نے ان کی اتنی تعریفیں کی تھیں میرے سامنے اور جب میں ملی تو وہ ان تعریفوں سے بھی کہیں زیادہ اچھی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ وہ بھائی کی منگیتر ہیں اور یہ منگنی یک طرفہ نہیں تھی۔ بابا جان اور بڑے بابا جان دونوں کی پسند سے طے ہوا تھا یہ رشتہ۔ وہ تو اتنی اچھی ہیں ریشماں بھابی' یہ کالی کلوٹی کچھ نہیں ہے ان کے سامنے۔''

''شٹ اپ زینی! بہت ہو گیا' اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری شادی بابا جان کی پسند کی بجائے اپنی پسند سے ہو تو بھائی کے اوپر اپنی پسند کیوں مسلط کرتی ہو۔ وہ چاہے کسی کالی کلوٹی سے کریں شادی یا کسی حور سے تم کون ہوتی ہو ان کے معاملے میں بولنے والی؟ وہ کالی کلوٹی ہے اور تم بہت خوبصورت ہو؟ اور اگر کل تمہیں سبط سے زیادہ ہینڈسم لڑکا مل گیا تو تم اس کے پیچھے دیوانی ہو جاؤ

گی کیا؟'' زہرا نے غصے سے کہا۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ میں کسی پر اپنی پسند مسلط نہیں کر رہی۔ وہ میرا پہلا ری ایکشن تھا اور پہلا ری ایکشن چھپایا نہیں جا سکتا۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ بھائی اور ریشماں بھابی کی باقاعدہ منگنی ہوئی تھی۔ جواب تک ٹوٹی نہیں ہے۔ جس دن میں بڑی حویلی گئی تھی' اس سے دو ہی دن پہلے اماں جان اور بابا جان باتیں کر رہے تھے اور بابا جان یہی کہہ رہے تھے کہ ان بگڑے ہوئے حالات کا ایک ہی حل ہے اور وہ ہے بھائی اور ریشماں کی شادی۔ بابا جان صرف بھائی کی تعلیم مکمل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں' اس کے بعد وہ بڑے بابا جان کے پاس جائیں گے اس شادی کے سلسلے میں۔'' زینی نے کہا۔

''مجھے جھوٹ بول کر کیا کرنا ہے۔ کبھی آج سے پہلے جھوٹ بولا ہے میں نے؟ جاؤ جا کر چاہے اماں جان سے پوچھ لو۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا تھا یہ سب کچھ' یوں بھی بھائی پر اگر کسی کا حق ہے تو وہ صرف ریشماں بھابی ہیں۔ وہ اتنی محبت کرتی ہیں بھائی سے' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اچانک کوئی لڑکی کہیں سے اٹھ کر آ جائے اور ان سے ان کی محبت چھین لے۔ یہ بالکل جائز بات نہیں ہے۔''

''بانو کہاں ہے گڑیا؟'' عبداللہ ساتھ والے کمرے میں داخل ہوا۔

''پتا نہیں۔'' میں نے نہیں دیکھا۔

''ساتھ والے کمرے میں فون کر رہی تھی وہ۔'' عبداللہ اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''اوہ گاڈ! وہ یہاں تھی؟'' زہرا کے انداز میں پریشانی تھی۔

عبداللہ کمرے میں داخل ہوا تو ماہ بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئی۔ ایم سوری! اُما سے بات کرتے ہوئے وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ ابھی فون بند کیا ہے میں نے۔'' وہ بولی۔

''کوئی بات نہیں' تم آؤ کھانا تیار ہے۔''

''نہیں عبداللہ' میں اب چلوں گی' اماں جی کا موڈ اب سخت آف ہو چکا ہوگا۔''

''چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔'' وہ بولا۔

وہ ساتھ والے کمرے میں داخل ہوئے تو زہرا اور زینی شرمندہ شرمندہ سی لگ رہی تھیں۔

''اچھا زہرا' میں جا رہی ہوں' بائے۔ اور زینی کبھی لاہور آنا ہوا تو مجھ سے ضرور ملنا' خدا حافظ۔'' اس نے ایسے انداز میں کہا جیسے کچھ بھی نہ سنا ہو اور عبداللہ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

''کیا ہوا بانو' اب تک زینی کی بات سے ڈسٹرب ہو؟'' عبداللہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

URDU PHOTO

''نہیں' یونہی سر میں درد ہو رہا ہے۔ شاید کل کے سفر کی تھکن ابھی باقی ہے۔'' اس نے کھڑکی کے باہر دور تک پھیلے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ورنہ حقیقت یہ تھی کہ زینی کی باتوں نے اسے اندر تک کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ اسے اتنی تو ہین محسوس ہوئی تھی کہ اس کا دل پھوٹ پھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔

''زینی نے پھر تو کچھ نہیں کہا؟'' عبداللہ کو شک سا گزرا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''میری طرف دیکھو بانو۔''

''میں کہہ رہی ہوں کچھ نہیں ہوا پھر تم کیوں کریدتے ہو؟'' اسے رونے کا بہانا چاہیے تھا اور عبداللہ کی بات سن کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

''بانو رو رہی ہو؟'' اس نے گاڑی کو بریک لگا دیے۔

''پلیز عبداللہ! مجھے کچھ نہیں ہوا' تم بار بار ایک ہی بات مت دہراؤ۔'' اس نے آنسو پونچھ لیے۔

''یہاں آ کر تم خواہ مخواہ ڈسٹرب ہو گئی ہو' کوشش کرو کہ جلدی واپس چلی جاؤ۔'' وہ بولا۔

''ہاں' میں بھی زیادہ دن رکنا نہیں چاہتی' لیکن اماں جی...... میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رو دی۔

''بانو! تم اتنی کم حوصلہ تو نہیں ہو۔'' اس نے ماہ بانو کے ہاتھ تھام لیے۔

''نہیں' میں بہت کم حوصلہ ہوں' مجھے قدم قدم پر ضرورت ہے تمہارے سہارے کی۔''

''میں ہوں ناں تمہارے ساتھ' تم اکیلی تو نہیں ہو۔ اچھا برا وقت ہم مل کر کاٹیں گے۔'' اس نے رسان سے کہا اور ماہ بانو کے آنسو پونچھ دیے۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم تو ہر قدم پر میرا ساتھ دو گے' لیکن شاید میں ہی کہیں تھک کر بیٹھ جاؤں گی۔''

''تمہیں خود پر بھی بھروسا رکھنا چاہیے۔''

''بھروسا تم پر بھی ہے اور خود پر بھی ہے' تقدیر پر نہیں ہے۔ بعض اوقات تقدیر ایسے کھیل کھیلتی ہے کہ انسان دم بخود ہو کر دیکھتا رہ جاتا ہے۔ کچھ نہیں کر سکتا۔'' اس نے آزردگی سے کہا۔

''تمہاری عادت ہے ان باتوں پر بھی پریشان ہونے کی جن پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مجھے گھر پہنچنا ہے عبداللہ' ابھی آگے پتا نہیں اماں کا موڈ کیا ہوگا۔ نہ جانے گھر پہنچ کر کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا۔'' عبداللہ نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔

ماہ بانو نے ندی کے کنارے ہی گاڑی رکوا دی۔

''آگے میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''بیٹھی رہو۔ میں چھوڑ کر آتا ہوں۔''

''تمہیں میری قسم عبداللہ! تم آگے نہیں آؤ گے۔ میں پہلے ہی بہت سخت ٹینشن میں مبتلا ہوں' اس میں اور اضافہ مت کرو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں ٹینشن کس بات کی ہے۔''

''تم نہیں جانتے کہ یہ پیر صاحب کا علاقہ ہے۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو......!''

''کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ بولا۔

''تم سمجھتے نہیں ہو میری بات۔ ٹھیک ہے تمہیں کچھ نہیں ہوگا' لیکن میں تمہاری خیریت کی طرف سے کیسے مطمئن ہوں گی۔''

''اچھا یہ بتاؤ کہ کل کب آرہی ہو؟''

''میں نہیں آؤں گی۔ اب لاہور میں ملاقات ہوگی۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میرے گھر نہیں آنا چاہتیں؟''

''ابھی نہیں' پھر کبھی۔'' وہ بولی۔

''تو ٹھیک ہے کل شام کو میں یہاں ندی پر تمہارا انتظار کروں گا۔''

''چند دن کی تو بات ہے' شاید ہفتہ یا پھر دو ہفتے۔'' وہ متذبذب تھی۔

''ہفتہ دو ہفتے بہت لمبا عرصہ ہے۔ پھر ہم چھپ کر بھی نہیں مل رہے ہیں۔ کسی کو تکلیف ہوتی ہے' تو ہوا کرے۔ تمہیں پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اچھا دیکھوں گی۔'' وہ اترتے ہوئے بولی۔

''دیکھو گی نہیں' تمہیں آنا ہے۔ مجھے اپنا تھیسس بھی ڈسکس کرنا ہے تم سے۔'' وہ بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے بائے...... ٹیک کیئر۔''

وہ چلی گئی اور عبداللہ اسے تب تک جاتے دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

گھر پہنچی تو اماں جی اس کی منتظر تھیں۔

''بنی تو تم منہ لپیٹی ہو کبھی ماں کی بات بھی مان جایا کرو۔'' وہ اس سے مخاطب ہوئیں۔

''جی اماں۔'' وہ تھک کر چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''بیٹا! ریشماں تمہاری بہن ہے۔ بہت انتظار کر رہی ہے تمہارا' آج تو مجھ سے گلے مل کر اتنا روئی ہے کہ میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔ تمہارے متعلق اتنا زیادہ پوچھا اس نے اور مجھے بہانا بنانا پڑا کہ تم بیمار ہو۔ اس سے مل آؤ ناں میری جان۔''

''مل آئی ہوں۔'' اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''اس غریب کا ہے کون۔ ایک تم ہی تو ہو' جس سے وہ دل کی بات کہہ دیتی ہے۔ تم نے بھی منہ موڑ لیا اس سے' تو کیا سہارا رہ جائے گا اس کے پاس۔''

''اماں میں کہہ تو رہی ہوں کہ اس سے مل آتی ہوں ابھی۔'' وہ بولی۔

''کھانا کھا لو پھر میں تمہیں لے چلتی ہوں۔'' اماں نے اس سے کہا۔

''کھانا نہیں کھانا مجھے آپ کھا لیں۔''

''میں نے تو کھا لیا ہے' تمہارے لیے لاتی ہوں۔'' اماں اٹھیں۔

''میں نے نہیں کھانا۔''

''کیوں نہیں کھانا' بھوکی رہو گی کیا؟''

''میں کھا آئی ہوں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

کھانا کھانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''تو پھر چلو اٹھو۔'' اماں جی نے چادر سنبھالی۔

☆=====☆=====☆

جنت بائی کے دل کی کلی کھل اٹھی۔ خادم حسین نے ان کی کوٹھی میں قدم رکھا تو انہیں یوں لگا گویا برسوں سے اندر جلتے انگاروں پر کسی نے پہلی مرتبہ پانی کے ٹھنڈے چھینٹے ڈالے ہوں۔

''بے بی! ان سے ملو۔'' انہوں نے نوری سے کہا۔

''یہ بہت بڑے رئیس ہیں' بہت بڑے جاگیردار اور فن کے تو بہت قدردان ہیں۔ سمجھو آج تو اس گھر کے نصیب کھلے ہیں۔''

خادم حسین اس قسم کی عورتوں کی ایسی باتوں کا عادی تھا۔ جنت بائی اس کے سامنے نوری کے قصیدے پڑھ رہی تھیں اور وہ ان کی گفتگو سے بے نیاز نوری کی طرف متوجہ تھا۔

وہ بہت خوبصورت تھی' اس سے کہیں زیادہ حسین جتنی رسالوں کے ٹائٹل پر دکھائی دیتی تھی۔

''بے بی! شاہ صاحب کے لیے چائے تو بناؤ۔'' جنت بائی نے کہا پھر خادم حسین سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں۔

''بے بی بہت مصروف رہتی ہے' بے چاری تھک جاتی ہے اتنا کام کر کے۔''

خادم حسین کے چہرے پر بیزاری کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔

''آپ باتیں کریں' مجھے ذرا شاپنگ کے لیے باہر نکلنا ہے۔'' اس کی بیزاری بھانپ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کتنی چینی لیں گے آپ؟'' نوری نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

خادم حسین کے چہرے پر بدمزگی پھیل گئی۔ وہ جتنی خوبصورت تھی' اس کا لہجہ اتنا ہی گنوار

تھا۔

''ڈیڑھ چمچ۔'' اس نے کہا۔

نوری نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''خیر' مجھے کون سا اپنے گھر لے کر آنا ہے۔'' اس نے چائے کی پیالی تھامتے ہوئے سوچا۔ ''وقت گزاری کے لیے خوب ہے۔''

اسے ذہین اور خوبصورت لڑکیاں پسند تھیں۔ ایسی لڑکیاں جو جدید دور کے تقاضوں کو سمجھتی ہوں' لیکن اس کے بہاؤ میں نہ چلی جائیں۔ نوری کی قسم کی لڑکیاں محض وقت گزاری کا ذریعہ تھیں' جنہیں روپے پیسے خرچ کر کے خریدا جا سکتا تھا اور روپیہ خرچ کرنا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

جنت بائی اپنے کمرے میں آرام دہ بستر پر لیٹی سوچ رہی تھیں کہ قدرت ان کا ساتھ دینے لگی تھی۔ کتنے برس پہلے کی بات تھی' وہ بہت تڑپی تھیں' بہت سسکی تھیں' سب نے انہیں دھتکار دیا تھا۔ یوں لگتا جیسے اپنے' اپنے نہ رہے ہوں۔ وہی سب جو محبت کرتے تھے' ان پر جان چھڑکتے تھے' ان سے دور ہو گئے تھے۔ وہ شخص جس نے بڑے بڑے دعوے کیے تھے ان کا ساتھ نبھانے کے وعدے کیے تھے' وہ بھی منہ پھیر گیا تھا۔

وہ رات بہت تاریک تھی' جب ان کی زندگی میں پیر صاحب کا بڑا بیٹا رجب علی شاہ داخل ہوا تھا۔ صرف ایک رات کے لیے۔ وہ تو کب کا اس بات کو بھول چکا ہوگا' لیکن جس کی روح پر زخم لگا تھا' اس نے نہ اس واقعہ کو بھلایا تھا اور نہ اس شخص کو۔

انہیں وہ وقت یاد تھا جب انہوں نے فریاد کی تھی' سارے گاؤں کے سامنے رجب علی شاہ کا نام لیا تھا لیکن ان کی فریاد کسی نے نہیں سنی تھی۔ معاملہ پیر صاحب تک بھی پہنچا تھا' لیکن انہوں نے بھی کچھ نہیں کیا تھا۔ بظاہر وہ غیر جانبدار تھے' لیکن ان کے دل میں اپنے بیٹے کے لیے نرم گوشہ ضرور تھا' اسی لیے انہوں نے اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی' جس پر یہ ظلم ٹوٹا تھا۔

اچانک ہی وقت بہت ظالم ہو گیا تھا۔ گھر والے تک بیگانے ہو گئے تھے۔ مایوس ہو کر انہوں نے اس شخص کی طرف دیکھا تھا' جس پر انہیں سب سے زیادہ بھروسا تھا' لیکن وہاں سب کو اپنی عزت عزیز تھی یا پھر رجب علی شاہ کا خوف۔

قصور ان کا نہیں تھا' لیکن ان سے ایسا سلوک ہو رہا تھا' جیسے وہ خود اپنے پاؤں پر چل کر رجب علی شاہ کے پاس گئی ہوں۔ وہ مرنا چاہتی تھیں' لیکن کوئی انہیں مرنے بھی نہیں دیتا تھا' زندہ رہنا چاہتی تھیں تو زندگی اجیرن بنا دی جاتی تھی۔ زندگی بہت بوجھل ہو گئی تھی اور ایسے میں ایک دن انہیں یہ احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ کب اپنے گھر سے نکلیں اور کب چندا بائی تک جا پہنچیں۔ وہیں انہوں نے نوری کو جنم دیا۔

نوری کو دیکھ کر انہیں ایک لمحے کے لیے بھی خوشی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان کی زندگی کی تاریک ترین رات کی نشانی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ رجب علی شاہ کی بیٹی تھی یا پھر شاید اس لیے کہ وہ بھی ایک عورت تھی۔ آج چھوٹی سی بچی تھی' کل اسے عورت ہی بننا تھا۔ انہی جیسی عورت' وہ جس نے ایک کوٹھے پر جنم لیا تھا اور بن بھی کیا سکتی تھی۔

چندا بائی نے انہیں تسلی دی تھی کہ ماں بنتے ہی عورت کے اندر کی ممتا خود ہی بیدار ہو جاتی ہے' لیکن وہ تو نوری کو جنم دے کر بھی ویسی ہی رہی تھیں' مگر نہیں وہ ویسی نہیں رہی تھیں۔ ان کے اندر روز بہ روز زہر بھرتا جا رہا تھا۔

اور پھر گرمیوں کی ایک رات بستر پر لیٹ کر ستارے تکتے ہوئے ان کے ذہن میں ایک انوکھا خیال ابھرا اور باقی تمام زندگی انہوں نے اس خیال کو پرورش دیتے ہوئے گزار دی تھی۔

لیکن پھر نوری مر گئی اور وہ خیال' وہ تمام منصوبے خود ہی ختم ہو گئے۔ انہوں نے ماتم کیا۔ نوری کے مرنے کا نہیں' اپنے منصوبوں اور خیال کے مرنے کا۔ اسی ماتم میں ایک عرصہ بیت گیا' مگر قدرت شاید ان پر مہربان تھی۔ انہیں نوری کا نعم البدل مل گیا' شمیم کی صورت میں۔

اور آج خادم حسین کی آمد کے ساتھ ہی ان کے منصوبوں اور ان کے خیال کا پہلا حصہ تکمیل کی طرف گامزن ہو گیا تھا۔

وہ ایک ڈراما کھیل رہی تھیں' اور اس ڈرامے میں موجود کرداروں کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ وہ ان کی لکھی ہوئی کہانی میں اپنی مرضی کے بغیر' وہ کردار ادا کر رہے تھے جو جانتے بوجھتے ہوئے وہ کبھی ادا نہ کر سکتے۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو حویلی پہنچی تو اس کا ذہن بہت منتشر تھا۔

''ریشماں نے عبداللہ کے متعلق پوچھا تو میں کیا جواب دوں گی۔ کیا میں اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے سچ بتا سکوں گی؟ یہ کہہ سکوں گی کہ عبداللہ تمہارا نہیں میرا ہے؟ نہیں میں اس سے یہ سب نہیں کہہ سکوں گی۔''

اس کا دل چاہا کہ وہیں سے واپس بھاگ جائے لیکن اماں جی اس کے ساتھ تھیں اور وہ دونوں چلتے ہوئے ریشماں کے کمرے کے دروازے تک پہنچ چکی تھیں۔

اماں جی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ کریمن نے دروازہ کھولا۔

ماہ بانو کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ یوں چلتے ہوئے کمرے میں پہنچی' جیسے مقتل میں اپنے پاؤں پر چل کر جا رہی ہو۔

مگر اس کے سامنے عجیب منظر تھا۔ ریشماں اپنی مسہری پر گھٹنوں میں سر دیے بری طرح رو رہی تھی۔

"ریشماں کیا ہوا میری جان!" اماں جی آگے بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

ماہ بانو کا دل ڈوبنے لگا۔

"کیا زینی نے فون کر کے ریشماں کو بتا دیا ہے۔"

ریشماں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر ہو رہا تھا۔ ماہ بانو کو دیکھ کر پہلے تو چند لمحے وہ خاموش رہی' پھر چلاتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

"بانو! مجھے بچالو" وہ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ریشماں؟" لفظ اٹک اٹک کر اس کے حلق سے نکلے۔

"چھوٹی چچی کے گھر اولاد ہونے والی ہے' اگر ان کا بیٹا ہو گیا تو ......!" بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر بری طرح سے رو دی۔

"کیا مطلب؟" وہ کچھ نہ سمجھی۔

"بابا جان نے کہا تھا کہ وہ میری شادی سخاوت بابا کے بیٹے سے کریں گے۔ اب اگر ان کے گھر بیٹا ہوا تو کیا ہوگا!" ریشماں کی آواز میں اندیشے ہی اندیشے تھے۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو نے اسے واپس مسہری پر بٹھا دیا۔ تم نے تو مجھے خوفزدہ کر دیا ریشماں' تمہارے بابا جان ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور پھر یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ سخاوت بابا کے ہاں بیٹا ہی ہو بیٹی بھی تو ہو سکتی ہے۔" اس نے ریشماں کو تسلی دی۔

"نہیں بانو اس حویلی میں کسی لڑکی کو جنم نہیں لینا چاہیے۔ جو دکھ میں کاٹ رہی ہوں جو اذیت میں سہہ رہی ہوں وہ کسی اور لڑکی کا مقدر نہیں بننا چاہیے تمہیں نہیں پتا میں روز گھٹ گھٹ کر مر رہی ہوں اور پھر زندہ ہوتی ہوں۔ دوبارہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر مرنے کے لیے۔"

ماہ بانو کے دل میں بہت سی کرچیاں پیوست ہو گئیں۔ اماں جی کی شکی نگاہیں بھی اس کی برداشت سے باہر تھیں لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہی۔

"کچھ نہیں ہوگا ریشماں' سب تمہارے خدشے ہیں اور پھر یوں رونے سے کیا حاصل؟ اپنا دل جلا کر تمہیں کیا ملے گا؟" اس نے آہستہ آہستہ ریشماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ سب قسمت کی بات ہے بانو۔ پتا نہیں میری قسمت میں کوئی خوشی بھی لکھی ہے یا یونہی خواب بننے اور مستقبل کے خوف سے ڈرتے ہوئے میں بھی اپنی ماں کے پہلو میں جا سوؤں گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" ماہ بانو کے منہ سے بے اختیار نکلا! پھر وہ کریمن سے مخاطب ہوئی۔

"تم باہر جاؤ۔"

"جی بہتر۔" وہ باہر نکل گئی۔

URDU PHOTO

"تم تو بہت حوصلے والی تھیں ریشماں پھر آج کیوں بے حوصلہ ہو رہی ہو۔ یہ تو کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ آنے والا وقت اس کی جھولی میں کیا ڈالے گا لیکن اچھے دنوں کی امید تو رکھنی چاہیے ناں!" ماہ بانو نے اس کے آنسو پونچھ ڈالے۔

"کب تک صرف امید کے سہارے جیوں گی؟ کوئی حد بھی تو ہو کہیں' کوئی امید تو نظر آئے؟ مجھے ایسی زندگی بسر کرنی تھی تو میری تخلیق کا مقصد کیا تھا؟ میں کس بات کی سزا کاٹ رہی ہوں ان دیواروں کے بیچ؟"

"صرف اس بات کی کہ مجھے میری مرضی کے بغیر میرے ماں باپ نے اس دنیا میں لا پھینکا۔ میں ایسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ تم نہیں جانتیں کہ میں عذابوں کا سفر طے کر رہی ہوں۔ یہ صرف مجھے پتا ہے کہ ان دیواروں کی قید میں دن کیسے گزرتے ہیں راتیں کیسے کٹتی ہیں۔" وہ پھر رو دی۔

"تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ ان دیواروں کے باہر بھی کوئی تمہارا اپنا موجود ہے۔" ماہ بانو نے اپنے دل میں اٹھنے والی ٹیس پر قابو پانے کی کوشش کی۔

ریشماں نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہ کب آئیں گے بانو؟ میں تو انتظار کرتے کرتے تھک گئی ہوں۔ تم تو ان کے ساتھ پڑھتی ہو ان سے بات کر سکتی ہو۔ تم نے انہیں کبھی نہیں بتایا کہ میں کس حال میں ہوں کس امید پر جی رہی ہوں۔"

ماہ بانو کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ اس نے سہارے کی خاطر دھندلی آنکھوں سے اماں جی کی طرف دیکھا لیکن وہ منہ پھیر کر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں چلتی ہوں تم دونوں باتیں کرو۔"

"پلیز اماں جی' اس وقت مت جائیں۔" اس نے ملتجی انداز میں کہا۔

"جو تم بو چکی ہو بانو اس کی فصل تمہیں تنہا کاٹنی ہوگی۔" انہوں نے آہستہ سے کہا اور کمرے سے باہر نکلتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بالکل تنہا رہ گئی ہو۔

"انہیں خبر نہیں ہوگی ورنہ وہ ضرور آتے۔" ریشماں نے ہولے سے یوں اسے کہا جیسے خود سے باتیں کر رہی ہو۔

ماہ بانو سر جھکائے مجرم بنی بیٹھی تھی۔ اس کے تصور میں عبداللہ کا سراپا ابھر آیا۔ وہ دونوں Xinhua میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے اور عبداللہ کہہ رہا تھا۔

"جو میں کہنے لگا ہوں وہ بات دن میں ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ بہت عام سی بات ہے لیکن ہر کہنے والے کے لیے یہ نئی اور خوبصورت بات ہے بانو میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

ماہ بانو نے آنکھیں موند لیں۔

''یا پھر میری محبت میں کشش ہی نہیں ہے۔'' ریشماں کہہ رہی تھی شکستہ تھکے ہوئے لہجے میں۔

''نہیں ریشماں محبت میں بہت کشش ہے۔'' ماہ بانو نے پلکیں جھکائے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟ کیا انہوں نے تم سے میرے متعلق کچھ کہا؟'' اس کے انداز میں بے تابی تھی۔

''ہاں اس نے کہا کہ جو بات میں کہنے لگا ہوں وہ بات دن میں ہزاروں لوگ کہتے ہیں۔ بہت عام سی بات ہے لیکن ہر کہنے والے کے لیئے یہ نئی اور خوبصوت ہوتی ہے۔ بانو تم ریشماں سے کہنا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' ماہ بانو نے اٹکتے ہوئے بمشکل کہا۔

''کیا؟'' ریشماں کی شربتی آنکھوں میں بے یقینی نمایاں تھی۔ ''تم سچ کہہ رہی ہو۔''

ریشماں نے اسے لپیٹ کر بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔

''پھر بتاؤ بانو تم سچ کہہ رہی ہو؟'' ریشماں نے کہا۔

''ہاں۔''

''مجھے یقین نہیں آرہا۔ کیا قدرت مجھ پر اتنی مہربان بھی ہوسکتی ہے۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے بانو کہ یہ بات بتا کر تم نے مجھے پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں بانو کہ آج میں کتنی خوش ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں روؤں یا ہنسوں۔'' وہ بیک وقت رو بھی رہی تھی اور ہنس بھی رہی تھی۔

''اتنی بڑی خوشی میں سنبھالوں گی کیسے؟''

ماہ بانو سر جھکائے ہونٹ کاٹتی رہی۔

☆=====☆=====☆

عبداللہ ندی کے کنارے بیٹھ کر چھوٹے چھوٹے کنکر پھینکتا ہوا ماہ بانو کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

''اب تک تو اسے آجانا چاہیے تھا۔'' اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے سوچا۔

تھوڑی دیر بعد اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ماہ بانو اسی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''بہت دیر کردی۔'' اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھایا۔

ماہ بانو اس کا ہاتھ تھام کر اس کے برابر ہی آبیٹھی اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور جسم بھی تپ رہا تھا۔

''کیا ہوا بانو؟ تمہیں تو بخار ہے۔'' عبداللہ نے تشویش سے کہا۔

''کچھ نہیں یونہی تھکن سے ہو گیا ہے۔'' اس نے بات ٹالی۔

''تھکن! کس بات کی تھکن ہے اب؟ سفر کی تھکن اتنے دن تک نہیں رہتی۔'' وہ بولا۔

''میں ڈاکٹر تو ہوں نہیں' دوا لے لی تھی اب ٹھیک ہوں تم فکر مت کرو۔''

''تمہیں یہ جگہ سوٹ ہی نہیں کی زیادہ دن مت رکو بانو واپس چلو۔''

''ہاں چلی جاؤں گی۔'' اس نے چھوٹا سا کنکر ندی میں پھینکا۔

''سچ سچ بتاؤ' تم نے زینی کی باتوں کا اثر لیا ہے ناں؟'' عبداللہ نے کہا۔

''تم تو خواہ مخواہ اس بے چاری کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں تو بھول بھی گئی تھی اور پھر اس نے کچھ ایسی بات تو کہی نہیں تھی جسے ذہن پر سوار کر لیا جاتا۔ ٹھیک ہے وہ میرے علاوہ کسی کو بھابی بنانے کے متعلق سوچتی رہی ہوگی اس لیے اس نے ایسا کہہ دیا۔ ابھی تو وہ بالکل بچی ہے اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوگا اپنی بات کا۔'' ماہ بانو نے بات ٹالنا چاہی۔

''میری طرف دیکھو بانو!'' اس نے ماہ بانو کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔

''تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ زینی نے صرف ایک بات پر بس نہیں کیا تھا۔ اس نے اس وقت بھی بہت کچھ کہا تھا جب تم اُما کو فون کر رہی تھیں۔''

''پلیز عبداللہ جانے دو۔ اس نے اگر کچھ کہا تھا تو اسے اپنے خیالات ظاہر کرنے کا حق ہے تم یا میں اسے روک نہیں سکتے۔'' اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تمہیں مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔'' وہ بولا۔

''یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں کہ تمہیں ضرور بتائی جاتی اور پھر تمہیں بتانے کا فائدہ کیا ہوتا؟ تم بہن بھائی ایک دوسرے سے اس قدر محبت کرتے ہو اور میرے آتے ہی تم لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں میں ایسا نہیں چاہتی۔''

''یہ بات کر کے تم نے ثابت کر دیا ہے کہ میری چوائس غلط نہیں ہے۔'' وہ مسکرایا۔

ماہ بانو کے ہونٹوں پر بھی پھیکی سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ عبداللہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ڈسٹرب تھی اور اس کا خیال تھا کہ ایسا ڈرائنگز ینی کی باتوں کی وجہ سے ہوا تھا۔

ماہ بانو کا ذہن اس طرف سے ہٹانے کے لیے وہ اس کے ساتھ اپنا تھیسس ڈسکس کرنے لگا۔ اسٹون ایج کی ڈرائنگ اور مجسموں کے متعلق باتیں کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ ماہ بانو اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ کہیں اور گم تھی۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکائے' گھاس کے تنکے سے مٹی پر عبداللہ کا نام لکھ رہی تھی۔

''بانو کیا ہوا ہے؟'' اس نے الجھن سے کہا۔

وہ چونکی۔ ''کچھ نہیں میں تمہاری باتیں سن رہی ہوں۔''

''جھوٹ مت بولو۔'' عبداللہ نے بانو کا چہرہ اوپر کیا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔

''کچھ تو بتاؤ ہوا کیا ہے؟'' وہ کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔

''کچھ ہو تو بتاؤں' بہت دیر ہوگئی ہے؟ میں چلتی ہوں اب' اماں جی کو اچھا نہیں لگے گا میرا اتنی دیر کے لیے باہر رہنا۔'' وہ اٹھنے لگی۔

''تم کہیں نہیں جا سکتیں سمجھیں؟ مجھے بتاؤ کیا بات ہے کیوں اتنی پریشان ہو؟''

وہ ہنس پڑی۔ ''میری پریشانیوں کا تو تمہیں پتا ہے۔ اس وقت تو یہی ایک پریشانی ہے کہ اماں جی سے ڈانٹ پڑے گی' لیکن چلو تمہارے لیے ڈانٹ بھی کھا لوں گی۔ ویسے عبداللہ یہ کتنی خوبصوت اور کتنی پُرسکون جگہ ہے۔''

''مجھے اتنا ہی احمق سمجھتی ہو تم؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے اس فضول سے جواب سے مطمئن ہو جاؤں گا' مجھے بتاؤ کیا پرابلم ہے؟''

ماہ بانو پہلے تو چند لمحے خالی خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر گھٹنوں پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ریشماں سے ملنے کے بعد سے اب تک اس کے اندر بہت سا غبار جمع ہو چکا تھا۔ اب عبداللہ کے محبت بھرے اصرار پر اس کے ضبط کے سب بندھن جواب دے گئے۔ عبداللہ نے بھی تھوڑی دیر تک اسے رونے دیا۔ اندر کا غبار نکل جانے کے بعد وہ ہلکی پھلکی ہو کر اس سے اپنا مسئلہ بیان کر سکتی تھی۔

رونے سے جب اس کا دل ہلکا ہوا تو اس نے نظریں اٹھا کر عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''عبداللہ میں بہت اَپ سیٹ ہوں' مجھے کوئی راہ نہیں مل رہی میں کیا کروں۔''

وہ ماہ بانو کی پلکوں پر اٹکے آنسو دیکھتے ہوئے بولا۔

''اگر تمہیں اندازہ ہو جائے کہ تمہارے آنسو مجھے کتنی تکلیف پہنچاتے ہیں تو شاید تم کبھی نہ روؤ۔ ماہ بانو میں ہوں ناں تمہارے ساتھ تم اکیلی نہیں ہو تمہیں راہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے جب میں ہوں تمہیں راستہ دکھانے کے لیے۔''

ماہ بانو کو لگا جیسے عبداللہ کی باتیں اس کے دل پر ٹھنڈے پانی کی پھوار کی طرح برسی ہوں۔

''میں ریشماں سے ملی تھی اور میں نے اسے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی' سب سے خوبصورت چیز دے دی۔''

''کیا چیز؟'' عبداللہ کچھ نہ سمجھا۔

''وہ لمحہ جو صرف میرا تھا' میرے لیے تھا۔ وہ میں اسے دے آئی۔ وہ لمحہ جب تم نے کہا تھا کہ بانو میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' اس نے بمشکل کہا اور ایک مرتبہ پھر اس کا ضبط جواب دے گیا۔

''کیا کہہ رہی ہو بانو' میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔''

ماہ بانو نے روتے ہوئے اسے ریشماں سے اپنی ملاقات کی تفصیل بتادی۔

''[illegible] تم نے یہ تو ٹھیک نہیں کیا۔'' عبداللہ نے اس کی بات سن کر کہا۔

''تم سمجھ ہی نہیں سکتے کہ اس وقت میری ذہنی حالت کیا تھی۔''

''وہ ہسٹیرک ہو رہی تھی' خود کو نقصان بھی پہنچا سکتی تھی اور پھر قصور بھی تو میرا ہی تھا' وہ تو زندہ ہی صرف ایک امید کے سہارے پر ہے۔ یہ امید بھی نہ رہتی تو اس کے پاس کیا بچتا' اس کے تو دن رات خواب دیکھتے' خواب بُنتے گزرتے ہیں۔ میں نے اس سے اس کے خواب بھی چھین لیے۔ مجھے بتاؤ عبداللہ تمہارے دل میں ریشماں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے؟ چاہے تھوڑی سی ہی پلیز عبداللہ۔''

''اس وقت تم بھی ہسٹیرک ہو رہی ہو بانو' تمہیں خود اندازہ نہیں ہے کہ تم ریشماں کے لیے مجھ سے کیا طلب کر رہی ہو؟''

''مجھے اندازہ ہے کہ میں تم سے کیا مانگ رہی ہوں میں اس وقت پورے ہوش و حواس میں ہوں۔'' وہ بولی

''تو سنو میں نے مانا کہ وہ بہت حسین ہے' بہت اچھی ہے' بہت تنہا ہے' مجھ سے بہت محبت کرتی ہے لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں' صرف تم سے' میں ریشماں سے ہمدردی کر سکتا ہوں' محبت نہیں اور تم بھی اسے یہ خواب دکھانے چھوڑ دو۔''

وہ خاموشی سے عبداللہ کی طرف دیکھے گئی۔

''اور یہ جو احمقانہ فرمائشیں تم مجھ سے کرتی ہو' یہ کرنا ختم کر دو۔ آج تم نے اسے اپنی طرف سے ایک کہانی گھڑ کر سنادی ہے' کل مجھ سے کہو گی کہ میں اس کے لیے ایک لَو لیٹر بھی لکھ کر تمہارے حوالے کروں اور پرسوں کہو گی کہ میں اس سے شادی کرنے چلا جاؤں سمجھا کیا ہوا ہے تم نے اپنی اور میری زندگی کو؟

میری بات غور سے سنو بانو۔'' اس سے اتنی ہی ہمدردی کرو' جس سے ہماری زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ آج تو تم نے اسے مطمئن کر دیا کل جب ہم ایک گھر کی بنیاد رکھیں گے تب اسے کیسے مطمئن کرو گی۔''

''میں بہت اکیلی تھی عبداللہ' اس احساسِ جرم سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی تھی کہ میں نے اس سے اس کے خواب بھی چھین لیے ہیں۔ میں تو بس اسے اس کے خواب لوٹا رہی تھی۔ اور میں نے تو صرف ایک بات کہی تھی' وہ خواب بُنتی گئی' بُنتی گئی۔'' ماہ بانو نے آنسوؤں کے درمیان کہا۔

عبداللہ کو محسوس ہوا کہ ماہ بانو کی ذہنی حالت اس وقت ایسی نہیں تھی کہ وہ اس کی بات سمجھ سکتی۔ اس سے کچھ کہنا بیکار تھا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ میں تھی۔

''اچھا کوئی بات نہیں۔'' اس نے اپنے رومال سے ماہ بانو کے آنسو پونچھے۔

''اب تم روؤ گی نہیں' مجھے روتی ہوئی بانو بالکل پسند نہیں۔''

''اب میں کیا کروں؟'' ماہ بانو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میری بات مانو تو میں پھر یہی کہوں گا کہ لاہور واپس چلو' یہاں جب تک رہو گی اسی طرح کسی نہ کسی بات پر ڈسٹرب ہوتی رہو گی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میں اماں جی سے کہوں گی تو کیا وہ مان جائیں گی؟'' وہ بولی

اس بات کا جواب عبداللہ کے پاس نہیں تھا لیکن وہ اسے مایوس نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''مانیں گی کیوں نہیں' تم کہہ کر تو دیکھو۔''

تھوڑی دیر وہ خاموشی سے بیٹھی رہی' پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں' بہت دیر ہو گئی ہے۔''

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جو ڈپریشن تمہیں ہو رہا ہے یہ عارضی ہے' بس زیادہ سوچو مت۔'' واپس جانے سے پہلے عبداللہ نے اسے ہدایات دیں۔

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''سوچوں کیسے نہ عبداللہ۔'' وہ واپس جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ''یہاں گزرنے والا ایک ایک لمحہ مجھے احساسِ جرم میں مبتلا کرتا جا رہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں نے کسی کو قتل کرنے سے بھی زیادہ بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہو۔ میں ریشماں کو اس سلسلے میں کیا مطمئن کروں گی' جب ابھی تک میں بھی مطمئن نہیں ہوں۔''

☆=====☆=====☆

اس کی پوری کوشش کے باوجود بھی اماں جی دو ہفتے سے پہلے جانے پر تیار نہیں تھیں۔

''لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے۔ سال بھر میں ہمارے چکر ہی کتنے لگتے ہیں گاؤں کے...... اب جب تمہاری چھٹیاں ہیں تو ہم دو ہفتے بھی یہاں نہ رہے تو خود سوچو کہ لوگ کیا کہیں گے؟'' وہ اماں سے بحث نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اسے ان کی بات سن کر بہت الجھن ہوئی تھی۔

''لوگوں کو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ اگر ہم زیادہ دن تک گاؤں میں رہیں یا کم دن تک' آخر لوگ اس قدر فالتو کیوں ہوتے ہیں کہ دوسروں کے معاملات کے متعلق سوچیں اور باتیں کریں۔ میرے پاس تو اتنا وقت نہیں ہوتا کہ کسی اور کے کام میں مداخلت کروں یا اس کے متعلق سوچوں۔'' وہ عبداللہ سے کہتی تھی۔

گھر میں ایک عجیب سے کھنچاؤ کی کیفیت طاری تھی۔ اماں جی نے غالباً بڑی اماں کو بھی اپنے خدشات بتا دیے تھے۔ اسے ہر ایک کی نگاہوں میں اپنے لیے نفرت اور حقارت محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہر شخص ہی اسے موردِ الزام ٹھہرا رہا ہو حالانکہ کسی نے کبھی زبان سے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔

وہ ریشماں سے ملنا نہیں چاہتی تھی لیکن ملتی تھی۔ کبھی اماں اور بڑی اماں کے اصرار پر کبھی ریشماں کے بلاوے پر اور کبھی اپنے احساسِ جرم کے مغلوب ہو۔ بڑی حویلی کی طرف قدم

بڑھاتے ہوئے ہر لمحہ ہر پل وہ واپس پلٹ جانے کی خواہش کرتی اور پھر بھی اس خواہش کا گلا گھونٹتی تھی ریشماں کے کمرے میں داخل ہو کر اس کے ساتھ بیٹھ کر بھی اس کا ذہن اس سے کوسوں دور ہوتا تھا۔

جس دن ماہ بانو نے ریشماں سے عبداللہ کے متعلق جھوٹ بولا تھا تب سے ہی وہ بہت خوش تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔ بات بے بات کھلکھلا کر ہنس پڑتی تھی اس کی باتوں میں وہ شوخی اور آواز میں وہ کھنک لوٹ آئی تھی' جو چند سال پہلے تک اس کی ذات کا حصہ تھی اور پھر آہستہ آہستہ نہ جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔

''تمہیں یہ تو پتا ہو گا بانو کہ انہیں کیسی لڑکیاں پسند ہیں؟'' وہ اس سے بے تابی سے پوچھتی۔

''اسے خوش رہنے والی لڑکیاں پسند ہیں۔'' وہ کہتی۔

اور ریشماں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں کٹے ہوئے بالوں والی لڑکیاں پسند ہوں؟ اسے ایک اور خیال آتا۔

''نہیں وہ تو لمبے بال ہی پسند کرتا ہے بلکہ لمبے بالوں کا دیوانہ ہے۔'' ماہ بانو کہتی۔

''پھر ٹھیک ہے مجھے بھی اپنے لمبے بال ہی پسند ہیں۔'' وہ مطمئن ہو جاتی۔

''انہیں کھانے میں کیا پسند ہے؟'' تھوڑی دیر بعد وہ ماہ بانو سے پوچھتی۔

''زیادہ تر چائنیز فرنچ ور اٹالین لیکن وہ بہت خوش خوراک ہے ہر اچھی بنی ہوئی چیز شوق سے کھاتا ہے۔''

''وہ کہیں مزاج کے تیز تو نہیں ہیں؟ کسی کو غصہ آ جائے تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' ریشماں کہتی۔

''نہیں وہ بہت نرم مزاج ہے لیکن جب اسے غصہ آتا ہے تو بہت زوردار آتا ہے۔''

''انہوں نے میرے متعلق کوئی اور بات نہیں کہی تھی؟'' اس کے لہجے میں شوق سمٹ آتا۔

اور ماہ بانو الجھ جاتی احساسِ جرم بچھو کی طرح ڈنک مارنے لگتا اس کا دل چاہتا کہ وہاں سے بھاگ نکلے لیکن کہاں؟ ہر طرف ہر شخص کی آنکھوں میں نفرت تھی حقارت تھی یوں لگتا تھا جیسے ہر کوئی اسے یہ احساس دلا رہا ہو کہ اس نے ریشماں کے حق پر ڈاکہ ڈالا تھا زبان سے نہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں۔

اس کا دل شدت سے رونے کو چاہتا تھا وہ سب کو چیخ چیخ کر بتانا چاہتی تھی کہ اس نے ریشماں کو چاہا ہی نہیں تھا وہ تو اسے چاہتا ہے اس سے محبت کرتا ہے صرف اور صرف ماہ بانو سے۔

لیکن ایسے میں اسے ریشماں کی آواز چونکا دیتی تھی۔

''بانو کہاں گم ہو میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟''

اور جواب میں ماہ بانو اسے وہ سب کہہ سناتی جو عبداللہ نے کہا تو ہوتا تھا لیکن ریشماں کے لیے نہیں ماہ بانو کے لیے۔

پھر جب وہ عبداللہ سے ملتی تھی تو اس کا ضبط جواب دے جاتا تھا

''سب مجھے کیوں الزام دیتے ہیں عبداللہ' میرا کیا قصور ہے؟'' وہ اسے ریشماں سے کی ہوئی باتیں سناتے ہوئے رو دیتی۔

''تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہا تمہارا وہم ہے بانو پلیز باہر نکلو اس وہم سے۔'' وہ اسے سمجھاتا۔

''ہر روز میں اس خوف کے ساتھ حویلی جاتی ہوں کہ ریشماں کو میرے اور تمہارے متعلق علم ہو گیا ہو گا۔ اگر اسے پتا چل گیا تو کیا ہوگا؟'' وہ اس کی بات نظر انداز کر کے اپنے ہی خدشات میں گھر جاتی۔

''تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے بانو کہ تم اپنے ساتھ کتنا ظلم کر رہی ہو۔ ذرا شیشے میں دیکھنا خود کو آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے پڑتے جا رہے ہیں۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام لیتا۔

''اگر اسے ہمارے متعلق معلوم ہو گیا تو کون سا آسمان ٹوٹ پڑے گا؟ کچھ نہیں ہو گا بلکہ اسے معلوم ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔''

''تم میری پریشانی سمجھ ہی نہیں سکتے شیئر کیا کرو گے۔'' وہ الٹا عبداللہ سے اُلجھ پڑتی۔

''تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ میں کس ذہنی اذیت سے گزر رہی ہوں تمہارے لیے بہت آسان ہے کہہ دینا کہ کچھ نہیں ہو گا۔ آسمان نہیں ٹوٹے گا لیکن میں جانتی ہوں کہ کیا ہو گا۔ میں سب کی نظروں سے تو گر ہی چکی ہوں اس کی نظروں سے بھی گر جاؤں گی اور ایسا ہوا ناں عبداللہ تو میں اپنی نظروں سے بھی گر جاؤں گی۔''

جب اسے احساس ہوتا کہ عبداللہ کے ساتھ وہ خواہ مخواہ ہی لڑنے لگی ہے تو اسے اپنے آپ پر غصہ آ جاتا سخت شرمندگی ہوتی۔

''آئی ایم سوری پتا نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ لگتا ہے میں پاگل ہونے والی ہوں' بلاوجہ تم سے الجھنے لگتی ہوں حالانکہ سچ تو یہ ہے کہ میں تم سے لڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

اور عبداللہ ہنس پڑتا۔ ''مجھے پتا ہے کہ تم مجھ سے لڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتیں لیکن تمہارا پرابلم یہ ہے بانو کہ تم ہر کام سوچے سمجھے بغیر کر دیتی ہو۔''

☆=====☆=====☆

زینی بہت الجھی ہوئی تھی جب سے اسے علم ہوا تھا کہ عبداللہ کی زندگی میں ریشماں کی جگہ ماہ بانو [illegible] گرفتار تھی۔ اپنے پہلے ردِعمل پر اسے کوئی پشیمانی

نہیں تھی لیکن بعد میں جو کچھ اس نے زہرا سے کہا تھا اور وہ سب باتیں اس کی لاعلمی میں ماہ بانو نے سن لی تھیں ان پر اسے یقیناً افسوس تھا۔ اگر اسے علم ہوتا کہ اس کی اور زہرا کی لڑائی ماہ بانو کے کانوں تک بھی پہنچ سکتی تھی تو وہ کبھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اتنی شدت سے نہ کرتی۔ آپس کی بات اور تھی آپس میں تو بہن بھائی ایک دوسرے سے کچھ بھی کہہ سن سکتے تھے۔

''مگر مجھے بہت شاک لگا تھا بھائی کی یہ بات سن کر۔'' اس نے زہرا سے کہا تھا۔ ''قسم لے لو گڑیا جو مجھے خبر ہوتی کہ وہ لڑکی ساتھ والے کمرے میں ہے تو میں کبھی بھی ایسی بات نہ کرتی۔''

''تم ایسی حرکت کرتی تو نہیں ہو زینی اس دن تو میں اور بھائی دونوں حیران بھی ہوئے تھے اور ہمیں غصہ بھی بہت آیا تھا۔ یوں بھی اس میں بانو کا کیا قصور بھائی ہی ریشماں سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو ہم میں سے کوئی کیا کر سکتا ہے۔'' زہرا نے کہا تھا۔

''مجھے تو یقین ہے کہ وہ فوراً بھائی سے میری شکایت کرے گی ہر بات بتائے گی کہ میں اس کے متعلق کیا کیا کہہ رہی تھی مجھے ڈر لگتا ہے اگر بھائی کو غصہ آ گیا تو پھر کیا ہو گا؟'' زینی نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

لیکن کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ ماہ بانو نے عبداللہ کو زینی کے بعد کے رویے کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔ عبداللہ نے زینی کو بلایا تھا اور اس کے سامنے پہنچنے تک وہ یہی سوچتی رہی تھی کہ ماہ بانو نے اس کی شکایت لگا دی تھی مگر جب عبداللہ نے بہت نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

''بھائی آپ کو غصہ نہیں آیا؟''

''غصہ آیا تھا مگر تم پر اُتارنے سے کیا فائدہ ہے' تم روتیں تو تمہیں چپ کیسے کراتا ویسے بھی جتنی لڑکیاں آج کل مجھے روتے ہوئے مل رہی ہیں اتنے رومال میرے پاس نہیں ہیں۔'' وہ مسکرا دیا۔

وہ ہنس پڑی۔ ''میرے علاوہ کتنی لڑکیاں رو رہی ہیں؟''

''ایک وہ ہے جس کے ساتھ تم نے انتہائی جنگلی پن کا مظاہرہ کیا تھا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مجھے یقین تھا کہ وہ آپ کو میری شکایت ضرور لگائیں گی، لیکن آپ اتنے اچھے ہیں کہ غصہ ہوئے۔''

''اس نے کیوں شکایت لگانی تھی، تم نے میرے سامنے ہی تو اس سے بدتمیزی کی تھی۔''

زینی تھوڑی دیر چپ رہی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ ماہ بانو نے عبداللہ کو کچھ نہیں بتایا۔

''اب تم بھاگ جاؤ یہاں سے، مجھے ایک پینٹنگ بنانی ہے۔'' عبداللہ نے اس سے کہا۔

''میں ڈسٹرب نہیں کروں گی آپ بنائیں۔'' وہ وہیں بیٹھی رہی۔

عبداللہ کینوس ایزل پر رکھ کر کام کرنے میں مصروف ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد زینی نے اسے پکارا۔

''بھائی۔''

''کیا ہوا؟'' وہ رنگ نکالتے ہوئے بولا۔

''آئی ایم سوری بھائی، مجھ سے بہت بدتمیزی ہوگئی تھی۔'' وہ اس کے پاس آ کر بولی۔

''کوئی بات نہیں، آئندہ مت کرنا۔'' اس نے کینوس پر برش چلاتے ہوئے کہا۔

''سنیں تو، جس بات پر میں سوری کہہ رہی ہوں وہ تو آپ کو پتا ہی نہیں ہے۔'' اس نے عبداللہ کا بازو پکڑ کر اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''زینی! تم نے کہا تھا کہ تم مجھے ڈسٹرب نہیں کرو گی۔''

''آپ بھی تو میری بات سنیں۔ اصل میں میں اور گڑیا لڑ رہے تھے اور ہمیں نہیں پتا تھا کہ ساتھ والے کمرے میں آپ کی فرینڈ ہیں۔ میں نے اس وقت بہت برے برے سے ریمارکس دیے تھے۔ آپ کی فرینڈ کے متعلق۔'' اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر کہا۔

''کیا کہا تھا تم نے؟'' عبداللہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''کالی کلوٹی کہا تھا اور بھی پتا نہیں کیا کچھ کہا تھا۔ اصل میں، میں ریشماں بھابی کی تعریف کر رہی تھی ناں ساتھ ساتھ۔'' اس نے اٹکتے اٹکتے بتایا۔

اس لمحے عبداللہ کو زینی پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

ماہ بانو تو یونہی قدم قدم پر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ ریشماں کا ذکر آتے ہی شدید قسم کے احساسِ جرم میں مبتلا ہو جاتی تھی جب اس نے زینی کی باتیں سنی ہوں گی تو اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔

''تب ہی وہ واپسی پر اس قدر ڈسٹرب تھی اور اس نے مجھے یہ بتایا بھی نہیں کہ زینی نے اس کے متعلق کیا کہا تھا۔'' عبداللہ نے سوچا۔

''تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے زینی کہ تم نے بانو کو کتنی تکلیف پہنچائی ہے اور تمہیں یہ بھی اندازہ نہیں ہے کہ بانو کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ مجھے تم پر غصہ بھی ہے اور میں تم سے سخت ناراض بھی ہوں۔ ناؤ گیٹ لاسٹ اور مجھے اپنی شکل مت دکھاؤ۔'' اس نے غصہ ضبط کرتے ہوئے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

زینی خاموشی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس کے بعد کتنے دن گزر چکے تھے لیکن عبداللہ نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ یہ اس کے غصے اور ناراضگی کا سب سے بڑا اظہار تھا۔ بہنوں کو وہ ڈانٹتا ڈپٹتا نہیں تھا اور ہاتھ اٹھانے کا تو سوال ہی نہیں تھا سو غصے کا اظہار خاموشی سے ہی کیا کرتا تھا۔

اس عرصے میں سبط حسن نے بہت مرتبہ اسے فون کیا تھا اور اس کا ہر فون ریشماں کے

توسط سے آیا کرتا تھا۔ کتنی مرتبہ اسے خیال آیا تھا کہ وہ سبط کو ماہ بانو کے متعلق بتا کر اس سے مشورہ لے پھر اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ سبط نے تو اسے ریشماں کو بھابی کہنے سے بھی منع کیا تھا مگر اس وقت اسے یقین تھا کہ وہ عبداللہ کو منا لے گی۔ اسی وجہ سے اس معاملے میں وہ خاموش ہی رہی۔

اس روز عبداللہ کھیتوں میں جانے کے لیے اپنے کمرے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ زینی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''بھائی!''

عبداللہ اسے نظر انداز کر کے کمرے سے نکلنے لگا۔

''بھائی!'' وہ آگے بڑھ کر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ ''میں نے آپ سے سوری تو کیا تھا۔ آپ تو کبھی ناراض نہیں ہوتے مجھ سے پھر اب صرف اتنی سی بات پر اتنے زیادہ ناراض ہوئے کہ بات تک نہیں کر رہے مجھ سے۔''

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے زینی' تم یہ چاہتی ہو کہ ہر کوئی تم سے محبت سے پیش آئے تمہارے جذبات کا احترام کرے تو ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے۔'' اس نے اسے سمجھایا۔

''مگر اب تو میں نے سوری کر دیا ہے ناں۔'' وہ اور زیادہ شدت سے رونے لگی۔

''ٹھیک ہے لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ آئندہ تم اس قسم کی حماقت نہیں کرو گی۔''

''نہیں بھائی پھر نہیں کروں گی ایسے۔''

''تو بس میں بھی تم سے ناراض نہیں ہوں اب۔'' وہ بولا۔

''سچ مچ؟''

''بالکل سچ مچ۔'' عبداللہ نے پیار سے کہا۔

''تھینک یو بھائی۔ تھینک یو ویری مچ۔''

''اب تم جاؤ میں ذرا کھیتوں میں جا رہا ہوں۔''

''نہیں بھائی ایک منٹ یہاں بیٹھیں میں نے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''جلدی بتاؤ۔''

''پتا ہے جب میں نے گڑیا کو بتایا کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں تو وہ بھی مجھے ہی ڈانٹنے لگی۔ کہہ رہی تھی کہ زینی تمہارے پیٹ میں بھی بات نہیں رہتی کیا ضرورت تھی بھائی کو یہ بات بتانے کی لیکن مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ اتنی زیادہ گلٹی فیلنگ ہو رہی تھی پہلے میں نے سوچا کہ نہ بتاؤں آپ کو کوشش بھی کی کہ نہ ہی بتاؤں مگر دل نہیں مانا۔''

''اب جانے دو تمہیں افسوس ہے یہی بہت ہے لیکن تم نے بانو کو بہت زیادہ ڈسٹرب کیا۔

تمہیں معلوم ہے اسی نے بابا جان سے تمہاری سفارش کی تھی میں تو ان سے کسی بھی صورت یہ سب نہیں منوا سکتا تھا۔'' عبداللہ نے کہا۔

''وہ تو اپنی جگہ لیکن میں بھی اس مسٹر ایم بی اے سے کہہ آئی تھی' سارے فساد کی جڑ وہی تو تھا جب میں نے اسے منع کر دیا تو خود ہی سارا مسئلہ ختم ہو گیا۔ وہ بابا جان سے نہ بھی سفارش کرتیں تو معاملہ حل ہو گیا تھا۔'' اس کے انداز میں بے رخی آ گئی پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا تو جوش سے بولی۔

''بھائی آپ کو بتاؤں بابا جان نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ایف اے کا امتحان پرائیویٹ دے لوں جیسے گڑیا نے دیا ہے۔''

''اور پھر اس کے بعد؟''

''اماں جان تو کہہ رہی تھیں کہ پھر میں اور گڑیا پرائیویٹ بی۔ اے کر لیں لیکن مجھ سے تو گھر میں بالکل نہیں پڑھا جاتا اور پھر میرے پاس سائنس ہے میں آرٹس نہیں پڑھ سکتی۔'' وہ بولی۔

''تو اب چاہتی کیا ہو تم؟'' عبداللہ نے کہا۔

''آپ کو پتا تو ہے بھائی' سبط کے بابا جان اسے ملک سے باہر بھجوا رہے ہیں اس نے امریکہ کے لیے کہا انہیں اور وہ مان گئے۔'' زینی نے اسے بتایا۔

''اسے جانے دو اور تم یہاں سے ہی کالج ایجوکیشن مکمل کر لو اور پھر ہائر اسٹڈیز کے لیے باہر چلی جاؤ۔''

''کالج ایجوکیشن ایسے نہیں کر سکتی ناں۔ اماں جان بالکل نہیں چاہتیں کہ ہم مزید یہاں کے کسی کالج یا اسکول وغیرہ میں پڑھیں۔ مری کی بات اور تھی وہاں کسی کا ذہن ہی نہیں گیا مگر اب یہاں سب کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کہاں پڑھ رہے ہیں۔ یوں بھی تو پاکستان میں لڑکیوں کے چند گنے چنے اچھے کالج ہیں اب تو یوں بھی سب کو اندازہ ہو گیا ہے کہ ہم کہیں ملک سے باہر نہیں تھے بلکہ یہیں پاکستان میں تھے۔ اماں کو ڈر ہے کہ اب حویلی سے باہر ہر جگہ ہمارے لیے غیر محفوظ ہے۔''

''یہ بات بھی بابا جان سے اگر کوئی منوا سکتا ہے تو صرف ماہ بانو۔'' عبداللہ نے کہا ویسے تو وہ خود بھی ان سے یہ بات منوا سکتا تھا لیکن اس وقت وہ زینی کی نظر میں ماہ بانو کی اہمیت ظاہر کرنا چاہتا تھا۔

''میرے لیے تو صرف آپ ہی ہیں اور آپ کو ہی یہ کام کرنا ہے۔ کیسے کرتے ہیں یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے بہنوں والی دھونس دی۔

''بابا جان راضی ہو گئے تب بھی تم دونوں کو کسی ایسی جگہ بھجوائیں گے جہاں تم دونوں کی

URDU PHOTO

دیکھ بھال کرنے کے لیے مس جارج قسم کی کوئی چیز موجود ہو۔''

''اُف مس جارج قسم کی نہیں دیدی جیسی کوئی ہوں تو ٹھیک مگر مس جارج جیسی عورت ناقابلِ برداشت ہو گی۔'' زینی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''باہر جا کر پڑھنا ہے تو یہ برداشت کرنا ہو گا ورنہ یہیں پڑھو۔'' عبداللہ نے کہا۔

''آپ بابا جان سے بات تو کریں ناں۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''اچھا کروں گا۔'' اس نے بات ختم کی۔

''کب کریں گے؟''

''آرام سے موقع دیکھ کر بات کروں گا تمہاری طرح وقت بے وقت کسی کے سر پر سوار ہونے کی عادت نہیں ہے میری۔''

☆=====☆=====☆

ماہ بانو کا گاؤں میں آخری دن تھا۔ اگلے روز صبح سویرے اسے اور اماں جی کو لاہور کے لیے نکل جانا تھا۔ اس وقت وہ ریشماں کے پاس اس کے کمرے میں بیٹھی تھی اور ریشماں بہت مطمئن' بہت خوش لگ رہی تھی۔

''اتنے دنوں میں مجھے خیال نہیں آیا۔ تمہارا اور سعد کا افیئر کیسا جا رہا ہے؟'' ریشماں نے اس نے پوچھا۔

''وہ ختم ہو گیا۔'' ماہ بانو نے مختصراً کہا۔

''کیوں؟'' ریشماں نے حیرت اور افسوس کے ملے جلے انداز میں پوچھا۔

''بس مجھے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کے ساتھ مخلص نہیں تھی' اس لیے چھوڑ دیا اسے۔'' ماہ بانو نے اکتاہٹ سے کہا۔

''نہیں بانو ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اصل بات کوئی اور ہو گی۔ تم تو اتنی سویٹ ہو' ہر ایک کے ساتھ مخلص' ہر ایک سے پیار محبت سے پیش آنے والی۔'' ریشماں اس کی کسی طور ماننے پر تیار نہیں تھی۔

''ریشماں! کسی کے متعلق اتنے یقین سے کوئی بات مت کیا کرو۔ انسان کو اپنے آپ کو جاننے میں ہی ایک عرصہ لگ جاتا ہے۔ کسی اور کے متعلق وہ کیا جان سکتا ہے۔ میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے' وہ بالکل صحیح ہے سو فیصد۔''

ریشماں کچھ نہ سمجھتے ہوئے چند لمحے تک اسے تکتی رہی پھر بولی۔ ''تمہیں دکھ تو ہوگا؟''

''دکھ کس بات کا؟ دکھ تو تب ہوتا جب مجھے اس سے محبت ہوتی اور کوئی تیسرا فرد ہمارے درمیان آ جاتا۔ اب کیسا دکھ؟ اسے میں نے خود چھوڑا ہے کیونکہ مجھے اس سے محبت ہی نہیں تھی' مجھے کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی اپنے متعلق۔'' ماہ بانو نے اطمینان سے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' ریشماں اب بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔

''لیکن بانو! محبت کے بارے میں غلط فہمی کیسے ہوسکتی ہے؟ محبت یا تو ہوتی ہے یا نہیں اور بس۔ مثلاً میں جانتی ہوں کہ مجھے محبت ہے تو اس معاملے میں مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔''

''ریشماں! تم جس جگہ جن حالات میں رہ رہی ہو' وہ اس جگہ اور حالات سے بہت مختلف ہیں۔ جہاں میں رہ رہی ہوں۔ یہ کمرا اور اس حویلی کا ایک حصہ تمہاری مملکت ہے اور تم اس مملکت میں All In All ہو۔ یہاں عورتیں آتی ہیں۔ تمہارے اور تمہاری اماں جان کے پاؤں دباتی ہیں۔ تم لوگوں کا حکم سنتی اور مانتی ہیں۔ تم لوگوں کے سامنے سر جھکاتی ہیں' تم لوگوں کا لائف پیٹرن ایک مخصوص انداز میں صدیوں سے چلا آرہا ہے۔

مگر میں جس سوسائٹی میں رہ رہی ہوں' وہ بہت مختلف ہے۔ وہاں زندگی اتنی سادہ اور آسان نہیں ہے۔ ہمارا سیٹ اَپ بہت کامپلیکس ہے۔ تم اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکو گی۔ کیونکہ تم میرے سیٹ اَپ سے بالکل ناواقف ہو۔ اصل میں ریشماں ایک ہی ملک میں رہنے کے باوجود ہم سب مختلف صدیوں میں رہ رہے ہیں۔ ہماری سوسائٹی بہت سے مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ جو بات تمہارے لیے ناقابلِ یقین یا ناقابلِ فہم ہے' یقین کرو وہ بھی وقوع پذیر ہو رہی ہے اسی سوسائٹی میں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''یہ تو ہے۔ میں بعض باتوں پر بہت حیران ہوتی ہوں۔ مثلاً تمہیں دیکھ کر حیران ہوتی ہوں۔ زینی کو دیکھا تب بھی مجھے بہت حیرت ہوئی۔ وہ اور سبط ایک دوسرے سے اس قدر فری ہیں کہ یہ بات میری سوچ سے بھی باہر ہے اور پھر تم ہو۔ میں تمہارے کالج کے متعلق باتیں سنتی ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ تم لڑکوں کے ساتھ نہ صرف باتیں کر لیتی ہو بلکہ دوستی بھی کر لیتی ہو' ان کے ساتھ کینٹین تک چلی جاتی ہو اور سب سے بڑھ کر تم لوگ کلاس روم میں گانے بھی سن لیتے ہو۔'' ریشماں بولی۔

''جیسا ہمارے کالج کا ماحول ہے ویسا تو خیر تمہیں یہاں شاید ہی کسی دوسرے کالج کا ماحول ملے گا۔ میں یہی فرق تو تمہیں بتا رہی ہوں۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ سب غلط ہے۔ بعض کے نزدیک کچھ ٹھیک اور کچھ غلط ہے اور بعض ایسے ہیں جنہیں ان میں سے کوئی بات بری نہیں لگتی۔ یہ اپنے اپنے ماحول اور اپنی اپنی صدی کی بات ہے۔''

''لڑکے تم لوگوں کو تنگ نہیں کرتے؟'' ریشماں نے دریافت کیا۔

''تنگ۔ کیوں؟ ہم کسی گلی محلے کی سڑک پر تو نہیں ہوتے' کالج میں ہوتے ہیں۔ چھوٹا سا کالج ہے اور سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ چاہے کوئی کسی بھی ڈیپارٹمنٹ کسی بھی سال میں زیرِ تعلیم ہو۔ کوئی لڑکا بدتمیزی کرے تو اگلے ہی لمحے مال روڈ پر پڑا ہوگا۔ بعض پسماندہ علاقوں سے آنے والے لڑکے اچھے خاصے بیوقوف ہوتے ہیں' لیکن بس شروع میں' بعد میں وہ بھی ماحول کو

سمجھ جاتے ہیں اور اس میں ایڈجسٹ کر جاتے ہیں۔

یوں بھی کام اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ کسی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ کالج میں برے سے برے حلیے والا اسٹوڈنٹ بھی مل جائے گا اور اچھے سے اچھے حلیے والا بھی۔ پتلونیں اور اسکرٹیں پہننے والی لڑکیاں بھی ملیں گی' لیکن کبھی کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ کون کیسے آرہا ہے' کیا پہن رہا ہے۔ جس چیز پر توجہ دی جاتی ہے' وہ یہ ہے۔'' ماہ بانو نے اپنے سر کو انگلی سے چھوا۔

''یہاں دماغ میں کچھ ہونا چاہیے' یہاں کچھ نہیں ہے تو آپ کچھ نہیں ہیں اور یہاں کچھ موجود ہے تو آپ قابلِ توجہ ہیں۔''

''میرے حلق سے یہ بات نہیں اترتی۔'' ریشماں نے کہا۔

''اترے گی بھی نہیں' کم از کم اس چار دیواری میں رہتے ہوئے تو کبھی نہیں اترے گی۔ اس لیے تم اسے حلق سے اتارنے کی زحمت کرو بھی نہیں۔''

''خیر مجھے کیا' میرا تو فائدہ ہی ہے۔'' ریشماں ہنسی۔ ماہ بانو خاموش رہی' لیکن اس کا ذہن تیزی سے یہ سوچ رہا تھا کہ ریشماں کو اس موضوع سے کیسے ہٹائے جس کی طرف وہ دونوں رفتہ رفتہ بڑھ رہے تھے۔

''تم نے انہیں میرے متعلق کیا کچھ بتایا؟'' ریشماں نے پوچھا۔

اس کے لہجے میں شوق بھی تھا اور بے تابی بھی' جسے چھپانے کی اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

''سبھی کچھ۔ یہ کہ تم بہت خوبصورت ہو' اس سے بہت محبت کرتی ہو اور یہ بھی کہ زہرا کے متعلق بھی تم نے مجھے بتایا تھا۔''

''پھر؟''

''پھر کیا؟'' ماہ بانو کو الجھن ہونے لگی تھی۔

''تفصیل سے بتاؤ ناں۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ انہیں ویسے دیکھنا جیسے میں دیکھ رہی ہوں اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ میں ہوتی تو ہر بات کا خاصی باریک بینی سے جائزہ لیتی۔'' ریشماں ہنسی۔

''میرے سر میں درد ہو رہا ہے ریشماں۔'' اس نے بہانا بنایا۔

''یہ اچانک تمہارے سر کو کیا ہوگیا ہے۔ روز ہر دس منٹ کے بعد درد ہوتا ہے' کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھایا؟'' اس نے تشویش سے کہا۔

''اتنی سی بات کے لیے کیا ڈاکٹر کے پاس دوڑے جانا۔'' اس نے جان چھڑانے کے لیے کہا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے' ہر وقت سر میں درد ہونا اچھا تو نہیں ہوتا' تم ضرور چیک اَپ

URDU PHOTO

کراؤ۔''

''اچھا! اب کل تو واپس جا ہی رہے ہیں' وہیں جا کر ڈاکٹر کو دکھاؤں گی۔''

ماہ بانو نے گفتگو کا رخ پلٹ دیا تھا' لیکن تھوڑی دیر کے بعد گفتگو میں عبداللہ کا ذکر آ جاتا تھا۔ ماہ بانو اٹھنے کی کوشش کرتی رہی' لیکن ریشماں اسے جانے نہیں دے رہی تھی۔

''تھوڑی دیر تو میرے پاس بیٹھو' کل تو یوں بھی تمہیں چلے جانا ہے۔''

اور ماہ بانو کو پھر بیٹھنا پڑتا۔ دوپہر کا کھانا لگ رہا تھا' جب وہ بہت مشکل سے جان چھڑا کر وہاں سے نکلی۔

☆=====☆=====☆

''میرا ارادہ بھی آج رات کے وقت نکلنے کا ہے۔'' عبداللہ نے اسے بتایا۔

''میں نے منع بھی کیا ہے کہ رات کو مت سفر کیا کرو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''رات کو بہتر رہتا ہے۔ نہ زیادہ ٹریفک ہوتی ہے نہ وہ دن والا ہنگامہ اور شور شرابا' اطمینان سے سفر طے ہوتا۔''

''تم نے بھی قسم اٹھائی ہوئی ہے کہ میری بات نہیں سنو گے۔'' ماہ بانو نے ندی میں کنکر پھینکا اور گھٹتی بڑھتی لہریں دیکھنے لگی۔

''نہیں تمہاری باتیں سننے میں' میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کیونکہ دوسرے کان کا مصرف ہی یہی ہے کہ اس سے تمہاری سنی ہوئی باتیں نکالتا جاؤں۔''

ماہ بانو نے اسے گھورا اور پھر ایک اور کنکر پھینک کر لہریں دیکھنے لگی۔

''ویسے عبداللہ! کتنا رومانٹک لگتا ہے۔ ہماری پہلی ملاقات بھی یہیں ہوئی تھی' اس ندی کے کنارے اور تم نے میری بنائی ڈرائنگ ٹھیک کی تھی' تب میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم دونوں پھر کبھی یہاں اکٹھے بیٹھیں گے' اس طرح۔''

''اب تو بہت مرتبہ یہاں اس طرح بیٹھیں گے۔'' وہ مسکرایا۔

''مجھے تو شک ہی ہے۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں ندی میں دھکا دے دوں' سخت موڈ آف کرتی ہو۔'' اس نے بانو کو گھور کر دیکھا۔

''دے ہی دو دھکا' ایک ہی مرتبہ جان اس عذاب سے چھوٹے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

لیکن جیسے ہی اسے اندازہ ہوا کہ عبداللہ کو اس کی باتوں پر غصہ آنے لگا ہے' اس نے بات کو مزاح کا رنگ دے دیا۔

''یوں بھی تمہیں اتنی اچھی سوئمنگ آتی ہے کہ مجھے ڈوبنے کا خدشہ نہیں ہے۔ دھکا دینے کے بعد بچانے تو آؤ گے ناں۔''

"تمہاری یہ حرکتیں جاری رہیں تو ہرگز نہیں۔" اس نے سگریٹ سلگا لیا پھر بولا۔

"اُما کا خط آیا ہے۔"

"اُما کا خط؟ کہاں ہے؟" وہ کِھل اٹھی۔

"گھر پر پڑا ہوا ہے۔" اس نے سگریٹ کا کش لے کر کہا۔

"ساتھ ہی لے آئے ہوتے۔"

"ساتھ اس لیے نہیں لایا کیونکہ ابھی تمہیں اپنے ساتھ ہی گھر لے جانے کا ارادہ ہے۔" وہ بولا۔

"تم جانتے ہو عبداللہ! میں تمہاری حویلی میں نہیں جانا چاہتی۔"

"جانا تو ہوگا تمہیں۔ کل تم جا رہی ہو' بابا جان کو خدا حافظ تو کہہ دو اور ایک اور سفارش بھی کردینا ساتھ میں۔"

"کیسی سفارش؟"

"زینی کے متعلق ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بابا جان صرف تمہاری بات مانیں گے۔" اس نے سگریٹ کے دھوئیں کے رنگز بناتے ہوئے کہا۔

بات تو وہ خود بھی کرسکتا تھا' لیکن اس وقت وہ چاہتا تھا کہ زینی اور ماہ بانو کے تعلقات بہتر ہوسکیں۔

وہ چند لمحے ندی کے شفاف پانی کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

"ٹھیک ہے۔"

عبداللہ کو احساس تھا کہ وہ وہاں جانا نہیں چاہتی تھی اور صرف اس کی خاطر وہاں جانے پر تیار ہوئی تھی۔

"چلو۔" اس نے سگریٹ کا بقیہ حصہ ندی کی طرف اچھال دیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ تو بتادو کہ بابا جان سے کیا کہنا ہے؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"راستے میں بتادوں گا۔"

"اور اگر بابا جان نے میری بات نہ مانی؟ یہ ضروری تو نہیں کہ وہ میری ہر بات مان لیں۔"

"میں تمہارے ساتھ ہی ہوں گا اور کسی بھی صورت بابا جان سے تمہیں منوانا ہی ہوگا۔" عبداللہ نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

حویلی میں داخل ہوتے ہوئے عبداللہ نے ماہ بانو کی طرف دیکھا۔ وہ مطمئن نظر آنے کی کوشش کررہی تھی' لیکن اندر سے یقیناً شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔

سب سے پہلے زہرا سے ان کی ملاقات ہوئی لیکن اس کی مسکراہٹ اور باتیں بھی ماہ بانو کو

اس دباؤ سے نجات نہ دلا سکیں۔

"بابا جان اپنی اسٹڈی میں ہیں' اماں جان آرام کررہی ہیں اور زینی فون پر سبط کے ساتھ باتیں کررہی ہے۔" زہرا نے انہیں بتایا۔

"پھر پہلے بابا جان سے ہی مل لیتے ہیں۔" عبداللہ نے کہا اور اس کے ساتھ اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔

بابا جان راکنگ چیئر پر بیٹھے اخبار میں چھپا کوئی کراس ورڈ پزل حل کررہے تھے۔

"آؤ بیٹھو۔" انہیں اندر آتے دیکھ کر انہوں نے اخبار تہہ کر کے ساتھ میز پر رکھ دیا۔

"آپ کی چھٹیاں کیسی گزر رہی ہیں بانو؟"

"ٹھیک ہی گزر رہی ہیں۔ کل صبح میں اور اماں جان واپس لاہور جارہے ہیں۔"

"یہاں گاؤں میں دل نہیں لگ رہا۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں' ایسی بات نہیں ہے' اصل میں اباجی سرامکس کی نمائش کرنے والے ہیں' تھوڑے ہی دن رہ گئے ہیں اب تو' مجھے ان کی مدد کرنا ہے۔" وہ بولی۔

"اچھا! دراصل عبداللہ کو بھی جلدی ہے واپسی کی' میں چاہ رہا تھا کہ چند دن کے لیے رک جاتا۔"

"آپ کو پتا تو ہے کہ مجھے تھیسس شروع کرنا ہے۔ یہ مسئلہ نہ ہوتا تو میں ساری چھٹیاں یہیں گزارتا' لیکن ابھی تو ہمارے لیے چھٹیاں بھی بس نام کی ہیں۔ کالج تو روزانہ ہی جانا پڑے گا۔" عبداللہ نے کہا۔

ماہ بانو خاموشی سے بیٹھی رہی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ زینی نے زہرا سے کہا تھا کہ بابا جان' عبداللہ کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ریشماں کے لیے پروپوزل لے کر جائیں گے۔ کیا وہ سچ کہہ رہی تھی؟ کیا بابا جان کا یہی ارادہ تھا؟ اور اگر ان کا ارادہ یہی تھا تو اس کا کیا نتیجہ نکل سکتا تھا؟

"بابا جان! آپ نے زینی کے متعلق کیا سوچا ہے؟" عبداللہ نے ان سے پوچھا۔

"ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان تو دے لے پہلے پھر دیکھیں گے۔" وہ بولے۔

"سمجھیں کہ اس نے امتحان دے دیا پھر؟"

"انجینئرنگ کی طرف وہ نہیں جانا چاہتی اور پڑھنا بھی سائنس ہی چاہتی ہے۔ میتھ اور فزکس' اس کے لیے کسی اچھے سے ٹیوٹر کا انتظام کردیں گے۔" بابا جان نے اپنا پائپ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز بابا جان' اسے اور گڑیا کو اس چار دیواری میں قید مت کریں وہ اسے قبول نہیں کرسکیں گی۔"

URDU PHOTO

''مجبوری ہے ناں بیٹا۔ لاہور یا کسی بھی اور شہر میں اب وہ محفوظ نہیں رہیں گی۔ بڑے نقصان سے بچنے کے لیے بعض اوقات چھوٹا نقصان برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''تو آپ انہیں باہر بھجوادیں' لیکن ان کے ساتھ یہ سلوک مت کریں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''اگر بات چند دن کی ہوتو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' وہ کہیں بھی جانا چاہیں اور چند دن گزار کر واپس آجائیں' لیکن انہیں لمبے عرصے کے لیے کہیں بھیجنے کو دل نہیں چاہتا۔ ابھی دونوں بہت چھوٹی ہیں اور زینی تو بہت امیچور اور غیر ذمہ دار ہے' اسے ہر وقت راہنمائی کی ضرورت ہے۔ پھر دونوں بچیاں گھر سے اتنی دور جا کر گھبرا جائیں گی۔''

''آپ ان سے پوچھ کر تو دیکھیں' ممکن ہے وہ خود بھی یہی چاہتی ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''لیکن بانو بیٹا! میرے مسائل بہت ہیں' ان کی اماں ہیں' وہ ہر وقت ان کے سلسلے میں پریشان رہتی ہیں بلکہ اب تو وہ بہت بیمار رہنے لگی ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب اپنے بچوں کے ساتھ وقت گزاریں۔ ہماری اولاد ساری زندگی ہم سے دور رہی ہے اور یہ بات خاصی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ اولاد کے ہوتے ہوئے صرف ان کے تحفظ کی خاطر انہیں اپنے سے دور کرلیا جائے۔''

''چھوڑیں بابا جان!'' عبداللہ نے پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے کہا۔ ''ابھی آپ ان کی شادیاں کرنا چاہتے تھے' تب بھی وہ آپ سے اور اماں جان سے دور ہو جاتیں۔''

''وہ بات اور ہے۔ شادیاں ہو جائیں تو ماں باپ مطمئن ہو جاتے ہیں' کتنی فکریں ختم ہو جاتی ہیں۔''

''میں آپ سے اتفاق نہیں کرتا۔ آپ لوگ صرف اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے انہیں اس حویلی میں بند کر رہے ہیں۔ انہیں ایک اچھا اور بہتر ماحول دکھانے کے بعد اگر آپ ان سے امید رکھیں کہ وہ گاؤں کے اس ماحول کو قبول کرلیں گی تو یہ بہت ناانصافی ہوگی ان کے ساتھ۔ بہترین تعلیم حاصل کرنے کا انہیں بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ مجھے یا اور کسی کو ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

بابا جان مسکرا دیے۔

''تمہارا کیا خیال ہے عبداللہ کہ مجھے یہ علم نہیں ہے کہ تم دونوں بہنوں بلکہ خاص طور پر زینی کو ملک سے باہر کیوں بھجوانا چاہتے ہو؟''

عبداللہ سر جھکا کر ہنس دیا۔

''جب آپ کو پتا ہے تو آپ انکار کیوں کر رہے ہیں؟''

''تم صرف ایک مسئلے کو دیکھ رہے ہو' میرے سامنے بے شمار مسائل ہیں۔'' بابا جان نے

کہا۔

''آپ گڑیا اور زینی کو ان مسائل سے دور ہی رکھیں یہاں کے مسائل یوں بھی ہمیں ہی سنبھالنے ہیں۔ بس بابا جان آپ انہیں باہر بھجوادیں۔''

''ایسے کیسے بھجوادوں انہیں باہر ان کی دیکھ بھال کون کرے گا۔ اور ابھی تو پتا نہیں انہیں داخلہ بھی کہیں ملتا ہے یا نہیں' یہ سب کچھ سوچے سمجھے بغیر یونہی تو انہیں کہیں بھجوایا نہیں جا سکتا۔''

''اماں جان کو میں راضی کرلوں گا' داخلہ بھی دونوں کو مل جائے گا' ان کے گریڈ اتنے اچھے ہیں کہ کم از کم داخلہ مسئلہ نہیں ہوگا۔ دیکھ بھال کے لیے جہاں پہلے انتظام ہوتا رہا ہے' اب بھی ہو جائے گا۔ ظاہر ہے جب ہاتھ پاؤں ہلائیں گے تب ہی ہر انتظام ہوگا ناں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مجھے پتا کرنے دو کہ مس جارج آج کل برطانیہ میں کہاں ہوتی ہیں۔''

''لیکن داخلہ تو انہیں امریکہ میں لینا ہے۔'' وہ بولا۔

''برطانیہ بہتر ہے' وہاں بہت سے جاننے والے ہیں۔ بچیوں کو پریشانی نہیں ہوگی۔'' بابا جان نے کہا۔

''وہاں آپ کے ہی نہیں بڑے بابا جان کے جاننے والے بھی ہیں' وہاں دونوں کو زیادہ پریشانی ہوگی۔''

اور پھر کتنی دیر کی بحث کے بعد عبداللہ نے بابا جان کو اس بات پر راضی کرلیا کہ زہرا اور زینی امریکہ میں ہی تعلیم حاصل کریں گی۔ بابا جان اس بات پر مشروط طور پر راضی ہوئے تھے۔

''اگر مس جارج ان کے ساتھ امریکہ گئیں تو' ورنہ کچھ اور سوچیں گے۔'' بابا جان نے کہا۔

عبداللہ کو اندازہ تھا کہ مس جارج انکار نہیں کریں گی' وہ سخت تھیں لیکن انہیں زہرا اور زینی دونوں سے بہت پیار تھا۔

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر لاؤنج میں آگئے جہاں زہرا اور زینی باتوں میں مصروف تھیں۔

''مجھے لگتا ہے کہ آپ لوگ بابا جان کے پاس کسی خاص مشن کے سلسلے میں گئے تھے۔'' زہرا نے کہا۔

''او یس۔'' عبداللہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بانو' زینی کی سفارش کرنے گئی تھی بابا جان کے پاس!''

ماہ بانو خاموشی سے بیٹھی رہی۔ زینی کن انکھیوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''یہ بہت اچھا موقع تھا بابا جان سے بات منوانے کا' لیکن افسوس میرا ایسا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے' جس کے منوانے کی ضرورت پیش آئے' ورنہ بانو میں فوراً تمہاری خدمات لے لیتی۔'' زہرا ہنسی۔

''بھائی! بابا جان مانے؟'' زینی نے پُر امید لہجے میں اس سے پوچھا۔

''ایک بہت کڑی شرط پر مانے ہیں۔''

''وہ کیا؟'' زینی کے انداز میں بے چینی تھی۔

''وہ یہ کہ تم لوگوں کے ساتھ مس جارج جائیں گی اگر نہ گئیں تو پھر نہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہائے' اللہ کرے وہ ساتھ چلنے پر راضی ہو جائیں۔'' زینی بولی۔

''یہ دن بھی آنا تھا۔'' زہرا نے افسوس سے سر ہلایا۔

''جب زینی یہ دعائیں مانگ رہی ہے کہ مس جارج ہمارے سر پر مسلط ہو جائیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تو اسی انتظار میں بیٹھی ہوں گی کہ ادھر بابا جان انہیں ہمارے ساتھ چلنے کے لیے کہیں اور اُدھر وہ ہمیں مصیبت میں مبتلا کرنے پر تیار ہو جائیں۔ اس طرح امریکہ جانے کا کیا فائدہ کہ ساتھ مس جارج دُم بنی چلی جا رہی ہوں۔''

''وہ سبط کو گھر میں داخل ہی نہیں ہونے دیں گی۔ بھائی آپ نے بابا جان سے کہنا تھا کہ ہم دیدی کے ساتھ چلے جائیں گے۔'' زینی نے کہا۔

''میری بات تو وہ سن ہی نہیں رہے تھے' یہ جو تھوڑا بہت مان گئے ہیں' یہ بھی بانو کی وجہ سے مانے ہیں۔'' وہ بولا۔

اس لمحے وہ ماہ بانو کو بہت اچھا لگا تھا۔ جتنی بحث کی تھی' وہ بابا جان سے عبداللہ نے کی تھی۔ اسی نے ان سے سب کچھ منوایا تھا' لیکن اس کا تمام تر کریڈٹ وہ بانو کے کھاتے میں ڈال رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ اس کی بہنوں کے دل میں اس کے لیے جگہ بن جائے۔

لیکن زینی اب بھی اسے نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ اس نے ماہ بانو کا شکریہ تک ادا نہیں کیا تھا۔

''بانو تم بیٹھو میں اُما کا خط لاتا ہوں۔'' عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے پیچھے زہرا بھی کچن کی طرف چل دی۔

اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد زینی ماہ بانو کی طرف متوجہ ہوئی۔

''اس دن میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی تھی آپ کے متعلق پتا نہیں کیا کیا الٹے سیدھے ریمارکس دیے تھے۔ مجھے آپ سے سوری کرنا تھی۔''

''کس بات کی سوری؟ مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ تم نے کیا کہا تھا۔'' ماہ بانو نے کہا۔ حالانکہ اسے ایک ایک بات اچھی طرح یاد تھی۔

''نہیں' ڈائریکٹ تو میں نے آپ سے کوئی بدتمیزی نہیں کی تھی' وہ گڑیا سے جھگڑتے ہوئے میں نے کچھ ریمارکس دیے تھے۔ میرا خیال تھا کہ آپ نے سن لیے ہوں گے' لیکن اچھا ہوا کہ آپ نے نہیں سنے۔ میں خواہ مخواہ ہی گلٹی فیل کر رہی ہوں۔ اتنے دن تک بھائی نے بھی بول چال بند رکھی۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ آپ نے نہیں سنے تو مجھے سوری بھی نہ کرنا پڑتا آپ سے۔'' وہ

بولی۔

ماہ بانو خاموش رہی۔

''آپ ریشماں بھابی کی کزن ہیں ناں؟'' زینی نے اس سے پوچھا۔

''ہاں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''انہوں نے آپ کا ذکر کیا تھا مجھ سے' وہ تو مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ آپ ان کی واحد سب سے اچھی اور راز دار دوست ہیں۔''

ماہ بانو نے خاموشی میں ہی عافیت سمجھی۔

''آپ کو پتا ہے ناں کہ وہ بھائی کے ساتھ انگیجڈ ہیں؟'' زینی نے پوچھا۔

اسی وقت عبداللہ کمرے میں داخل ہوا۔ ماہ بانو نے سکون کا سانس لیا۔ زینی اسے الزام دینے والی نظروں سے دیکھتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''یہ لو خط۔'' عبداللہ نے خط اس کی طرف بڑھایا۔

زینی کی نظروں نے ایک مرتبہ پھر اسے ڈپریشن میں مبتلا کر دیا۔

''زینی کیا کہہ رہی تھی۔'' عبداللہ اس کے محسوسات بھانپ کر بولا۔

''کچھ نہیں سوری کر رہی تھی۔'' اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا اور خط کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ڈیر ماہ بانو اور عبداللہ!

آج تم سب اتنے زیادہ یاد آ رہے ہو کہ کیا بتاؤں۔ ابھی ابھی ایڈی کو خط لکھا ہے اور اب نیہاں کو بھی لکھنے کا ارادہ ہے۔ اتنے دن ہو گئے' تم سب سے ملے اور بات کیے ہوئے۔

ویسے میں یہاں بہت انجوائے کر رہی ہوں' لیکن ہر اچھی جگہ یہی خیال آتا ہے کہ اگر ہم سب یہاں ہوتے تو کتنا اچھا لگتا۔ آج کل سارا دن گھومنے پھرنے اور شاپنگ کرنے میں گزر جاتا ہے اور پتا ہے میں کس چیز کی شاپنگ کر رہی ہوں؟ کتابوں کی۔ (ظاہر ہے اپنے لیے نہیں' ایڈی کے لیے کیونکہ میں اس کے مطابق جاہل مطلق ہوں)

ان دنوں یہ حال ہے کہ کوئی ایک ٹھکانا نہیں ہے۔ کبھی ایک شہر میں ہوتے ہیں اور کبھی دوسرے میں' اس لیے تم لوگوں کو نہ ایڈریس دے سکتی ہوں اور نہ فون نمبر۔ ویسے آج کل بمبئی میں ہوں۔

ایک بہت مزے کی بات بتاؤں تم لوگوں کو۔ میرا بھائی ہے ناں اجے' اس کا ایک دوست ہے آنند' بہت ہینڈسم ہے' وہی یہاں پر ہمارا گائیڈ بنا ہوا ہے' وہ مجھے

''جھوٹ مت بولو' بتاؤ کیا بات ہے۔''

''میں نے گڑیا کو یہ دکھانا تھا۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑے لفافے کی طرف دیکھا۔

''ادھر دو میں دیکھوں کہ اس میں کیا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

پھر لفافہ کھولتے ہوئے اسے خیال آیا۔

''کوئی پرسنل چیز تو نہیں ہے؟''

''نہیں' تصویریں ہیں۔'' وہ بولی۔

''تصویریں! کس کی؟'' عبداللہ نے کہتے ہوئے تصویریں لفافے سے نکال لیں اور دیکھنے لگا۔

''واہ! یہ بیوٹی کون ہے؟'' اس نے سوالیہ نگاہوں سے زینی کی طرف دیکھا۔

''یہ ریشماں بھا......!'' وہ بھابی کہتے کہتے رک گئی۔ اور پھر جلدی سے بولی۔

''ریشماں آپی ہیں۔ سبط سے میں نے کہا تھا کہ مجھے ان کی تصویریں بھجوائے۔''

ماہ بانو کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے ساتھ والی میز پر پڑا رسالہ اٹھایا اور یونہی اس کے ورق پلٹنے لگی۔

''اچھی تصویریں ہیں۔'' عبداللہ نے انہیں لفافے میں واپس ڈال کر لفافہ زینی کو پکڑا دیا۔

''تصویریں نہیں۔ وہ خود اچھی ہیں۔ تصویر میں تو وہ ویسی ہی آئیں گی ناں جیسی وہ خود ہیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ضروری نہیں ہے' لیکن تم جاؤ' میں بحث نہیں کروں گا۔''

وہ کمرے سے نکل گئی تو ماہ بانو بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اب چلتی ہوں۔''

''چائے پی کر چلی جانا۔'' وہ بولا۔

''نہیں' دیر ہو رہی ہے۔''

''اچھا' اماں جان سے تو مل لینا۔ ان کی طبیعت آج ٹھیک نہیں تھی' اس لیے سوئی ہوئی تھیں۔''

''پھر سہی' تم معذرت کر لینا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

☆=====☆=====☆

لاہور پہنچ کر ماہ بانو اس قدر مصروف ہوئی کہ ہفتہ بھر عبداللہ سے مل بھی نہ سکی۔ فون تو تھا نہیں کہ اس سے بات کی جا سکتی اور کالج جانے کا اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ ابا جی کے ساتھ مل کر مسلسل ایگزیبیشن کی تیاری میں مصروف رہی۔ گاؤں میں جو کچھ گزرا تھا' اس مصروفیت کے دوران اس نے ان سب باتوں کو بھی ذہن سے جھٹک دیا تھا۔

انہوں نے تمام تر کام سرخ چکنی مٹی اور اسٹون ویئر میں ہی کیا تھا۔ سرخ چکنی مٹی تو خیر وہاں بھی دستیاب تھی' لیکن اسٹون ویئر (Stone Wear) لانے کے لیے ابا جی خود گجرات گئے تھے۔

اور اب سب کچھ تیار تھا۔ ماہ بانو اپنے اور ابا جی کے کام کو دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

''میں نے جب دوستوں کو بتایا تھا ناں ابا جی' تو سب بہت حیران ہوئے تھے کہ ہم نے چاک پر اتنی چھوٹی چھوٹی چیزیں کیسے بنا لیں۔ سرامک میں منی ایچر کی طرف کسی کی توجہ ہی نہیں گئی تھی۔'' اس نے ننھے منے سے گھڑے کو چھوتے ہوئے کہا۔

''تم نے شیشوں کے کیس میں کمپوزیشن بھی کر لی یا نہیں۔'' ابا جی نے اس سے پوچھا۔

''کر تو لی ہے لیکن میں چاہ رہی تھی کہ اپنے دوستوں کو بھی دکھا دوں' وہ سب بہت اچھے مشورے دیں گے۔''

''تو انہیں گھر پر ہی بلوا لو۔ یہ اتنی چیزیں لے کر تم کالج تو نہیں جا سکتیں۔'' ابا جی نے مشورہ دیا۔

''آپ بھی کمال کرتے ہیں۔'' پاس بیٹھی اماں جی نے مداخلت کی۔ ''آپ کو پتا بھی ہے کہ ہم محلے میں رہ رہے ہیں' اس کے تو آدھے دوست لڑکے ہیں' محلے والے کیا کہیں گے؟ پہلے بھی اتنی باتیں مجھے ہی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ ہر کوئی پوچھتا ہے کہ رات دس بجے تک آخر کون سا کالج لگا رہتا ہے؟ ذرا کسی کو اس کے کالج کا نام بتا دو' وہی کانوں کو ہاتھ لگانے لگتا ہے کہ کیا ضرورت تھی بانو کو وہاں بھیجنے کی۔''

''پتا ہے امی! ارسل کہتا ہے کہ ہمارے ناخوش رہنے کے بہت سے اسباب ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں اور ان کی باتوں سے ڈرتے ہیں یعنی فیئر آف پبلک اوپینین۔ اگر ہم اپنے اندر سے مضبوط ہوں اور سارے زمانے کے سامنے اپنی صفائیاں پیش کرنا چھوڑ دیں تو ہم بہت خوش رہ سکتے ہیں۔''

''مجھے نہیں پتا کون کیا کہتا ہے اور کیا نہیں' جس نے یہ سب کہا ہے' پتا نہیں وہ کس کونے کھدرے میں رہتا ہے۔ میں انسانوں کے درمیان رہ رہی ہوں مجھے سب کی پروا کرنی پڑتی ہے' کیسے کیسے پردے ڈالنے پڑتے ہیں اس لڑکی پر مجھے۔ قیامت کے آثار ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو کوئی لڑکی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ماں باپ کے سامنے کسی لڑکے کا نام بھی منہ سے نکالے' کجا یہ کہ لڑکوں سے اس کی دوستی ہو' لڑکوں کے ساتھ کالج میں پڑھے۔'' اماں بولیں۔

''اماں ہر زمانے کے بزرگوں کو ہر وقت قیامت کے آثار ہی دکھائی دیتے ہیں حالانکہ ذرا سے مختلف انداز میں وہ بھی یہی سب کچھ کر چکے ہوتے ہیں' جو ہم آج کر رہے ہیں' مگر یقین کریں قیامت اتنی جلدی آئے گی نہیں۔ ہم تو مفت میں بدنام ہیں۔ میں جانتی نہیں کیا کہ گاؤں

میں کیا کچھ ہوتا ہے۔ یورپ اور امریکہ ایک طرف اور ہمارے گاؤں ایک طرف ۔ بس ذرا اسٹائل کی کمی ہے اور کچھ نہیں۔'' ماہ بانو چیزیں ترتیب سے لگاتے ہوئے بولی۔

''میری بات کان کھول کر سن لیں آپ دونوں' اس گھر میں اس کے کالج کا کوئی لڑکا داخل نہیں ہوگا۔ ہمیں محلے میں سب کے درمیان رہنا ہے' غمی خوشی اکٹھے کاٹنی ہے۔ یہاں یہ من مانی نہیں چلے گی ہاں۔''

''رہنے دیں ابا جی! میں خود ہی سب کچھ کرلوں گی۔'' وہ بولی۔

''بانو بیٹا! میں تمہارے بھلے کے لیے یہ سب کچھ کرتی ہوں' تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔'' اماں جی نے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے اماں! میں آپ کی بات مان تو گئی ہوں۔ یوں بھی بدا اچھا ہوتا ہے' بدنام برا' ورنہ ہر ایک کے کرتوت سے میں بھی واقف ہوں۔ سب پتا ہے مجھے کہ محلے میں کون کیا کررہا ہے' مگر جانے دیں اس بات کو۔'' وہ ابا جی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''ابا جی! مجھے کپڑے بنانے ہیں۔''

''وزیر خزانہ سے پوچھو' اگر خزانے میں کچھ ہوا تو لے لو۔'' انہوں نے اماں جی کی طرف اشارہ کیا۔

''اماں جی' خزانے کی کیا صورت حال ہے؟''

''سب کچھ تو تم باپ بیٹی اس نمائش کے نام پر خرچ کرچکے ہو' میں کہاں سے لاؤں؟'' وہ بولیں۔

''دیکھا ابا جی! ذرا پیسوں کی بات کرو تو اماں سے یہی جواب سننے کو ملتا ہے۔''

''کمی کون سی ہے تمہارے پاس کپڑوں کی' الماری بھری پڑی ہے۔''

''ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو میں پہن سکوں اور اماں جی اتنی محنت کرنے کے بعد مجھے نمائش میں نئے کپڑے تو پہننے چاہئیں ناں۔''

''کتنے سے کام چل جائے گا؟'' انہوں نے پوچھا

''ذرا مہنگے سے ہی چلے گا۔'' اس نے دبے دبے سے انداز میں کہا۔

''پھر بھی؟''

''اماں! ابھی کپڑا لے کر سلوانے کا وقت تو رہا نہیں ہے۔ کسی بوتیک سے ہی لینے پڑیں گے۔'' وہ بولی۔

''یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کتنے سے کام چل جائے گا۔''

''چار یا پانچ ہزار۔'' اس نے کہا۔

''کیا؟'' اماں کو جھٹکا لگا۔

URDU PHOTO

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟''

''ایک بھی تو ڈھنگ کا سوٹ نہیں ہے میرے پاس' میں کیا کروں؟''

''غضب خدا کا' پانچ سو تک تو میں دے دیتی' لیکن ایک نہ دو' پورے پانچ ہزار۔ باپ نے ٹیکسٹائل مل نہیں کھولی ہوئی یہاں۔ میں ایک ایک پیسہ جوڑ رہی ہوں' اس کی شادی کے لیے اور یہ شہزادی ایک جوڑے پر پانچ ہزار پھونک رہی ہے۔'' اماں جی چلائیں۔

اس نے مدد طلب کرنے کے لیے ابا جی کی طرف دیکھا۔

''وزیر خزانہ میری سفارش پر دے دو' بعد میں اس کے اور میرے جیب خرچ سے کاٹ کر پورے کر لینا۔'' ابا جی نے کہا۔

''آپ کی شہ پر یہ ایسی حرکتیں کرتی ہے۔'' اماں بولیں۔

ابا جی نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کردیا۔

''آپ دیکھ لیں ابا جی! میں نے قیمتوں کا تعین خود ہی کر کے کارڈز لگا دیے تھے۔'' وہ اندر سے احتیاط کے ساتھ شیشے کے کیس باہر لے آئی۔ ان کیسوں میں سرامکس پیس کمپوز کر کے رکھے گئے تھے۔

''جو قیمتیں تم نے لگائی ہیں' ٹھیک ہوں گی' مجھے صرف کمپوزیشن دیکھنی ہے۔'' وہ بولے۔

اماں بھی شوق سے سب چیزیں دیکھنے لگیں۔

''بانو اس کی کیا قیمت رکھی ہے؟'' اماں نے ایک کیس کی طرف اشارہ کیا' ماہ بانو باری باری سب کی قیمت بتانے لگی۔

''یہ ہے اماں جی دو ہزار کا' یہ والا ہے ڈیڑھ ہزار کا اور یہ ہے پانچ ہزار کا۔''

''کیا۔ کیا؟ تم ہوش میں تو ہو بانو؟ اتنی قیمتوں میں یہ کون خریدے گا؟ یہ ہانڈیاں اور گھڑے تو کسی کام کے بھی نہیں ہیں نہ کھانا پکایا جاسکتا ہے ان میں اور نہ پانی رکھنے کے کام آسکتے ہیں۔ کیا غضب کیا تم نے توبہ ایسی مہنگائی۔'' اماں جی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''میرا دل چاہ رہا ہے اماں جی کہ خودکشی کرلوں' ابھی اور اسی وقت' او گاڈ! اماں یہ ہانڈیاں کھانا پکانے کے لیے نہیں ڈرائنگ روم میں سجانے کے لیے ہیں۔ ٹھیک ہے ہمارے لیے بنانا زیادہ مشکل نہیں ہے' لیکن یہ تو دیکھیں کہ ہم نے اتنی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی چاک پر بنائی ہیں۔ ہینڈل تک لگائے ہیں ان کے ساتھ ہر چیز گلیزڈ ہے اور پھر ان کی کمپوزیشن۔''

''بہت پاگل ہوں گے کہ اتنی زیادہ قیمتوں میں خریدیں گے۔'' اماں نے کہا۔

''آپ کو اس لیے پاگل لگ رہے ہیں وہ کہ گھر کی مرغی ہمیشہ دال برابر ہوتی ہے۔'' وہ بولی۔

ابا جی ایک بے حد خوبصورت کمپوزیشن کا جائزہ لے رہے تھے' جس پر این۔ ایف۔ ایس کا

کارڈ لگا ہوا تھا۔

''بانو اس پر ناٹ فار سیل کیوں لگا رکھا ہے' یہ بیچنے کا ارادہ نہیں ہے؟ میرے خیال میں تو یہ ان سب سے زیادہ خوبصورت کمپوزیشن ہے۔'' ابا جی نے کہا۔

''یہ سب سے خوبصورت ہے' اسی لیے نہیں بیچ رہی' پھر بتاؤں گی کہ کیوں نہیں بیچ رہی۔''

اس کے ذہن میں عبداللہ کا تصور ابھر آیا۔ اس کمپوزیشن پر اس نے سب سے زیادہ محنت کی تھی اور اسے وہ عبداللہ کو تحفے میں دینا چاہتی تھی۔

رات کو وہ سونے ہی لگی تھی۔ ابا جی اس کے کمرے میں آ گئے۔

''یہ لو بانو!'' انہوں نے اس کی طرف روپے بڑھائے۔

''یہ کیا ہے؟''

''پیسے ہیں' تمہارے کپڑوں کے لیے۔'' انہوں نے کہا۔

''سچ ابا جی!'' اسے یقین نہ آیا۔

''بالکل سچ۔ محسوس کر کے دیکھ لو'' انہوں نے روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیے۔

''تھینک یو ابا جی! یو آر گریٹ لیکن......'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر دبی آواز میں پوچھا۔

''وزیر خزانہ نے اتنی آسانی سے دے کیسے دیے؟''

''یہ کام مجھ پر چھوڑ دیا کرو' تمہاری اماں کو قائل کر ہی لیا بالآخر میں نے کہ ہر کوئی ان جیسا عقل مند نہیں ہے کہ مٹی کی ان بیکار ہانڈیوں پر روپے نہ پھونکے۔ ابھی کچھ بیوقوف موجود ہیں جو ان پر روپے پھونکیں گے اور بخوشی پھونکیں گے اور انہی بے وقوفوں کے دم سے ہماری ہانڈی روٹی چلتی رہے گی۔''

وہ ہنس پڑی۔

☆=====☆=====☆

زینی کو حویلی میں آئے اتنے دن گزر چکے تھے کہ اب سبط حسن اس بارے میں مطمئن ہو چکا تھا کہ مکرم کی بات پر یا تو پیر صاحب نے ہی توجہ نہیں دی یا پھر مکرم نے ہی انہیں کچھ بتانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

مگر ابھی اس کے اس اطمینان کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اسے پیر صاحب کا بلاوا آ گیا۔

''جی بابا جان؟'' وہ گول کمرے میں ان کے پاس پہنچ کر کہنے لگا۔

''ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم یونہی بیکار پھر رہے ہو' پڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے تم نے؟''

''نہیں' میں نے امریکہ میں اپلائی کیا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

انہوں نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

''جس طرح لقیوں میں تم پڑے ہو وہاں میں صرف وقت ضائع ہوتا ہے' یہ لو اور امریکہ جانے

کی تیاری شروع کرو۔ میں تمہیں اس طرح بیکار پھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔''

''اس میں کیا ہے؟'' اس نے لفافہ لے کر پوچھا۔

''تمہارا ایڈمیشن ہو گیا ہے نیویارک میں۔'' انہوں نے کہا۔

سبط نے لفافہ کھول کر اندر سے تہہ شدہ کاغذ نکال لیا۔ اس پر کالج میں ایڈمیشن اور دیگر تفصیلات درج تھیں۔

''تھینک یو بابا جان؟'' وہ کھل اٹھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جلد از جلد یہ خوش خبری زینی کو بھی سنائے۔ یوں بھی وہ انتظار کر رہی تھی کہ سبط کا داخلہ جس کالج میں ہو وہ بھی وہیں داخلہ لے۔

''میں جاؤں بابا جان!'' اس نے کاغذ دوبارہ لفافے میں ڈال دیے۔

''نہیں ابھی بیٹھو۔'' وہ پائپ سلگاتے ہوئے بولے۔

''جی بابا جان۔'' وہ منتظر تھا۔

''تم حیدر علی کی حویلی میں کیوں گئے تھے اس دن؟'' انہوں نے پائپ کا کش لے کر پوچھا۔

''بابا جان آپ نہ پوچھیں تو اچھا ہے۔ میں سچ بتانا نہیں چاہتا اور جھوٹ بول نہیں سکتا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''ہوں۔'' وہ چند لمحوں تک پُر خیال انداز میں اس کی طرف دیکھتے رہے پھر بولے۔

''تو گویا یہ زینب' حیدر علی شاہ کی بیٹی ہے کرم داد کی کارکردگی نے مجھے مایوس کیا ہے۔''

انہوں نے بآسانی زینب اور حیدر علی شاہ کا لنک ملا لیا تھا۔ پہلے وہ زینب سے متعلق کرم داد کی اطلاع پر مطمئن ہو گئے تھے' لیکن جب مکرم نے انہیں سبط کے کسی لڑکی کے ساتھ حیدر علی شاہ کی حویلی جانے کا واقعہ بتایا تھا اور ساتھ یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ وہ لڑکی زہرا یا زینب ہو سکتی تھی تو انہیں اصل بات سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

''جی بابا جان! وہ زینب تھی' حیدر بابا کی بیٹی۔'' اس نے کہا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آج نہیں تو کل اسے یہ بات گھر والوں تک پہنچانی تو تھی ہی پھر آج میں کیا مضائقہ تھا۔ خاص طور پر اس صورت میں جب یہ بات اس کے بجائے خود بابا جان نے شروع کی تھی۔

''کیوں؟'' پیر صاحب نے اسی قدر کہا۔

''اس لیے بابا جان کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ شروع میں ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ ہمارا خاندان ایک ہی ہے لیکن اب کچھ عرصہ پہلے ہمیں اس بات کی خبر ہوئی تب بھی اس سے ہمارے تعلقات متاثر نہیں ہوئے۔

اس روز وہ یہاں ریشماں آپی سے ملنے آئی تھی بلکہ سبھی سے ملنا چاہتی تھی۔ آپ سے بھی لیکن ریشماں آپی کے علاوہ وہ کسی پر اپنا آپ، اپنی شناخت ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے بھی علم نہیں تھا کہ وہ اس طرح حویلی میں چلی آئی ہے۔ جب خبر ہوئی تو میں اسے واپس حضرت صاحب والی حویلی میں چھوڑ آیا۔"

کچھ دیر تک پیر صاحب سوچتے رہے پھر بولے۔

"اس کے گھر والوں کو اس بات کی خبر ہے؟"

"جی، اب تو ہے۔ ان کا ماحول خاصا مختلف ہے ہمارے گھر سے، خاص طور پر عبداللہ بھائی کی سوچ بہت مختلف ہے۔"

"تم غالباً اسی عبداللہ شاہ کی بات کر رہے ہو، جس نے تمہارے بھائی کو قتل کیا تھا۔"

"نہیں، میں اس عبداللہ شاہ کی بات کر رہا ہوں، جس پر بے مقصد گولیاں برسائی گئیں اور پھر بھی اس نے اپنے اوپر گولیاں برسانے والے کو خود بھی زخمی ہونے کے باوجود اپنا خون دیا۔" سبط حسن نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"سبط حسن! اس حویلی میں کبھی کسی نے اپنے والد کے سامنے ایسے لہجے میں بات نہیں کی۔"

"آئی ایم سوری بابا جان! میرا مقصد آپ کے سامنے بدتمیزی کرنا نہیں تھا۔ میں تو صرف ریکارڈ درست کر رہا تھا۔" وہ بولا۔

"تمہیں خبر ہے سبط کہ زینب کے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے؟"

"جی بابا جان! ہم دونوں فرسٹ کزن ہیں۔"

"ایک اور رشتہ بھی ہے۔ وہ اس گھر کی بہو بھی ہے تمہارے مرنے والے بھائی کی بیوہ۔" انہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"یہ کس الہامی کتاب میں درج ہے بابا جان کہ نکاح کے بغیر کوئی لڑکی بیوہ ہو سکتی ہے؟" اس نے کہا۔

اسی وقت مکرم کمرے میں داخل ہوا اور خاموشی کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"شریعت اپنی جگہ، لیکن اس حویلی کی روایات کسی صورت نہیں توڑی جاسکتیں۔" پیر صاحب بولے۔

"For Heayen Sake بابا جان، اس دور میں یہ بات اچھی نہیں لگتی۔ دنیا کہاں پہنچ گئی ہے اور ہم اب تک لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔ پلیز بابا جان! اس حصار سے باہر نکلیں۔ اول تو میں زینی اور گڑیا کی کسی بچپن کی منگنی کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ آپ کا یک طرفہ فیصلہ تھا اور اگر یہ دو طرفہ فیصلہ ہوتا تب بھی یہ فیصلہ آپ کر سکتے تھے اور نہ حیدر

بابا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی کی زندگی کا فیصلہ اس کی مرضی کے بغیر کرنے کا اختیار کسی کو ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں۔

لیکن ایک لمحے کو ہم یہ فرض بھی کر لیں تو بابا جان، اگر گڑیا کی منگنی خادم بھائی اور زینی کی امداد بھائی سے ہوئی تھی اور اس کی اب تک کوئی اہمیت ہے تو ریشماں آپی اور عبداللہ بھائی کی منگنی بھی اب تک برقرار ہے اور اس کی بھی وہی اہمیت ہے۔"

"یہ تو قوتِ بازو کی بات ہے۔ وہ ریشماں آپی کی طرف آنکھ بھی اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہم میں اتنا حوصلہ ہے کہ گھی اگر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو انگلیاں ٹیڑھی کر سکتے ہیں۔" مکرم نے کہا۔

"تو جن میں انگلیاں ٹیڑھی کر کے گھی نکالنے کا حوصلہ ہے، وہ بھی اپنے ارمان پورے کر لیں۔" سبط نے اسے گھورا۔

"سبط! میں صرف بابا جان کی وجہ سے لحاظ کر رہا ہوں، ورنہ اتنی بات کاش کسی اور نے کہی ہوتی۔" مکرم نے دانت پیسے۔

"آپ بالکل کسی کی وجہ سے لحاظ نہ کریں۔ تعلیم نے مجھے مہذب بنا دیا ہے، لیکن خاندان کا اثر اتنی آسانی سے نہیں جاتا۔ اندر سے میں بھی اتنا ہی جنگلی ہوں جتنے آپ یا ہمارے پچھلے جنگلی تھے۔"

"کیا بکواس کی تم نے؟ کسے جنگلی کہا ہے؟ بابا جان کو، دادا جان کو۔" مکرم غصے سے سرخ ہوتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مکرم۔" پیر صاحب نے اسے سرزنش کے انداز میں ڈپٹا۔

"آپ دیکھ رہے ہیں بابا جان کہ یہ کیا بکواس کر رہا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ میں خاموش ہو جاؤں۔" وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"بیٹھ جاؤ مکرم۔" بابا جان نے سختی سے کہا۔

وہ بیٹھ گیا، لیکن اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سبط کا حشر نشر کر دے۔

"سیدھی بات کرو سبط! تم زینب کے ساتھ صرف وقت گزار رہے ہو یا اس کے سلسلے میں سنجیدہ ہو۔" پیر صاحب نے کہا۔

"میں سو فیصد سنجیدہ ہوں۔" وہ بولا۔

"شادی کرنا چاہتے ہو اس سے؟"

"جی بابا جان، لیکن ابھی نہیں تعلیم مکمل کر کے۔" اس نے کہا۔

"آل رائٹ! ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ابھی تمہیں جلدی نہیں ہے، ہمیں بھی نہیں ہے۔ کچھ عرصے بعد ہم خود تمہارا پرپوزل لے کر جائیں گے اس کے لیے۔" پیر صاحب نے

کہا۔

مکرم نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور سبط نے الجھن سے۔ پیر صاحب کے منہ سے نکلنے والی بات بہت غیر متوقع تھی۔

''اب تم جاؤ سبط۔'' انہوں نے کہا۔

''یہ کیا بابا جان؟'' مکرم نے اس کے اٹھنے کے بعد کہا۔

پیر صاحب نے پائپ کا کش لیا اور سبط کے کمرے سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

جب وہ جا چکا تو بولے۔

''وقت آنے پر تمہیں سب کچھ سمجھ میں آجائے گا سانپ کو ایسے مارنا چاہیے کہ لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ ہمارے بابا جان درست کہتے تھے کہ اولاد انسان کی سب سے بڑی کمزوری اور سب سے بڑا امتحان ہوتی ہے۔ ہم ایک لڑکی کی خاطر اپنے بیٹے سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔ ایک بیٹے کو کھو چکے ہیں اور کسی کو کھونا نہیں چاہتے۔ سانپ ہم ضرور ماریں گے لیکن ایسے کہ اس سے ہماری لاٹھی نہ ٹوٹے۔''

پھر وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

''اور تم کچھ دنوں کے لیے لاہور چلے جاؤ۔''

''لیکن کیوں بابا جان؟'' مکرم نے پوچھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم میں اور سبط میں مزید کوئی لڑائی جھگڑا ہو۔ خادم حسین بھی آج کل وہیں ہے، تم بھی کچھ دن لاہور گزار آؤ۔''

''جی بہتر۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆=====☆=====☆

سبط حسن کمرے سے باہر نکلا تو بہت الجھا ہوا تھا۔ پیر صاحب کا یوں مان جانا اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا، لیکن خطرے کی نوعیت وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہاں سے وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور زینی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ دوسری طرف فون زینی نے ہی ریسیو کیا۔

''سب سے پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تمہارے ایڈمیشن کا کیا بنا؟'' سبط نے اس سے پوچھا۔

''ابھی کیا بننا ہے، میں انتظار کر رہی تھی کہ پہلے یہ تو پتا چلے تمہارا ایڈمیشن کہاں ہو رہا ہے۔ یہ تو نہ ہو کہ میں ہوں نیو یارک میں اور تم کیلیفورنیا میں ہو اس کا کیا فائدہ۔'' وہ بولی۔

''مجھے خبر بھی نہیں تھی اور بابا جان نے نیو یارک میں میرا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کہاں پر؟''

URDU PHOTO

سبط اسے تفصیل بتانے لگا۔

''اور تمہیں بتاؤں سبط، بابا جان نے مس جارج سے بات کی اور وہ تو جیسے اس انتظار میں تھیں کہ تلوار بن کر ہمارے سروں پر لٹک جائیں۔ وہ فوراً راضی ہو گئیں۔ دیکھو تمہاری خاطر کیا کیا برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔''

''میں نے تم سے کہا تھا زینی کہ جب تک پاکستان میں ہو محتاط رہو، کوشش کرو کہ حویلی سے زیادہ باہر مت نکلو اور اگر نکلنا پڑے تو گن مین ضرور ساتھ رکھنا۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر سختی سے عمل کرنا ہے۔'' اس نے کہا۔

''لیکن کیوں؟ ایک تو ویسے ہی یہاں اتنی پابندیاں ہیں کہ میرا دم گھٹنے لگتا ہے اور اب میں حویلی سے باہر بھی نہ نکلوں۔ یہ کیا بات ہوئی۔ ذرا ایک آدھ دن کے لیے ماموں کی طرف چلی جاتی ہوں۔ وہاں بہت انجوائے کرتی ہوں۔ وہ بچے اتنے پیارے اور اتنے شرارتی ہیں کہ کیا بتاؤں۔'' وہ بولی۔

''کبھی کسی کی بات مان بھی لیا کرو زینی۔''

''میں نے کب تمہاری بات نہیں مانی ہے مگر وجہ تو بتاؤ۔ اچانک تمہیں یہ خیال آیا کیسے؟''

''یوں سمجھ لو کہ میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے اور زینی کم از کم اس معاملے میں، میں تمہیں من مانی نہیں کرنے دوں گا۔''

''تم مجھ سے کچھ کہو اور میں نہ مانوں، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تم چاہتے ہو کہ میں حویلی سے نہ نکلوں تو میں نہیں نکلوں گی، لیکن سبط میں بچوں کو اپنی حویلی میں بلوا لیا کروں؟''

''حویلی کے اندر جو مرضی کرو۔''

وہ سبط کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی۔

اماں جان اور زہرا لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور زہرا ان سے اپنے کپڑوں کے متعلق بات کر رہی تھی۔

''اماں جان! اتنی اچھی کڑھائی کرتی ہیں یہ عورتیں میں سوچ رہی ہوں کہ ان دو سوٹوں پر سادہ کڑھائی کروا لوں اور اس میرون سوٹ پر گوٹا لگوا لوں بہت اچھا لگے گا۔'' زہرا نے کہا۔

''زینی سے بھی پوچھ لو کہ وہ کیا چاہتی ہے تاکہ میں ایک ہی مرتبہ سب کپڑے دے دوں۔ یہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی کو بلانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' اماں جان بولیں۔

''میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ زینی صاف انکار کر دے گی، اسے کوئی شوق نہیں ہے ان چیزوں کا۔''

اسی وقت عبداللہ اندر داخل ہوا۔ اس کا ارادہ کافی دن پہلے لاہور چلے جانے کا تھا، لیکن اماں جان نے اسے روک لیا تھا۔ ان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی، اس لیے اس نے واپسی ملتوی

کردی تھی۔

''عبداللہ بیٹا! کہاں گم ہو جاتے ہو؟ تین مرتبہ تمہارے لیے کھانا گرم کروا چکی ہوں۔'' اماں جان نے اسے دیکھ کر کہا۔

''اور اماں نے بھی اب تک کھانا نہیں کھایا' نہ بابا جان تھے اور نہ آپ۔'' زہرا نے بتایا۔

''اماں! آپ تو کھانا کھالیا کریں وقت پر' میں اپنا کام کرنے میں مصروف تھا' تھیسس کے سلسلے میں۔'' وہ ان کے صوفے کی ہتھی پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے بابا جان شہر گئے ہوئے ہیں' لیکن تم تو یہیں ہو' تمہارے بغیر کیسے کھانا کھا سکتی ہوں۔'' انہوں نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''گڑیا! تم نے اور زینی نے کھالیا؟''

''بھئی' مجھے بہت بھوک لگی تھی' اس لیے میں نے تو کھالیا۔ زینی کچن سے دو سینڈوچ اچک کر لے گئی تھی اور فون پر باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ سینڈوچ بھی کترتی جا رہی تھی۔ اب مجھے نہیں پتا کہ اس نے کھانا کھانا ہے یا نہیں۔'' زہرا نے کہا۔

''تو چلیں اماں جان' ہم کھانا کھا لیتے ہیں۔'' وہ بولا۔

لیکن اماں جان پھر پریشان نظر آنے لگی تھیں۔

''تم میں سے کوئی زینی کو منع کیوں نہیں کرتا۔ کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے اسے۔ گھنٹوں فون پر اس لڑکے کے ساتھ باتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ تو نا سمجھ ہے' اسے نہیں پتا کہ یہ لوگ اس کی زندگی میں زہر گھول دیں گے۔''

''اچھا میں کہہ دوں گا اسے' آپ آئیں' کھانا کھالیں۔'' اس نے انہیں اٹھانے کی کوشش کی۔

''تم کیا کہو گے اسے' سب سے زیادہ شہ تو دی ہی اسے تم نے ہے۔''

''آپ پریشان نہ ہوں' اسے کچھ نہیں ہوگا۔''

''کیسے نہ پریشان ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ گڑیا اور زینی کی شادی ہو جائے تو میرے ذہن سے ان کا بوجھ اتر جائے۔ اتنے اچھے رشتے تھے' لیکن زینی نے پتا نہیں کیا کہا اس سے۔ چلو وہاں شادی نہیں ہوئی' ان کے لیے رشتوں کی کون سی کمی ہے' لیکن رہیں تو یہ میری نظروں کے سامنے۔ ساری زندگی میں اولاد ہونے کے باوجود ترستی رہی۔ میرے اپنے بچے مجھ سے الگ تھے۔ سینے پر صبر کی سل رکھ لی میں نے' ایک بیٹا تھا' سو وہ کوسوں دور۔ یہ زندگی گزاری ہے میں نے۔ آخر کب تک میرے بچے مجھ سے دور رہیں گے۔ اب یہ پڑھنے امریکہ چلی جائیں گی۔ تم بھی ساتھ رہے نہیں۔ اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا یہ سب۔'' وہ رونے لگیں۔

''اماں پلیز۔'' عبداللہ نے ان کا ہاتھ تھام کر انہیں چپ کرانے کی کوشش کی۔

''رہنے دو تم بھی۔ تم لوگوں کو ماں باپ کی ضرورت نہیں رہی۔ اپنی من مانی کرتے ہو تم سب لیکن میں کیا کروں' مجھے تو ضرورت ہے ناں تم بچوں کی۔''

''اماں جان! میں آپ سے کب دور ہو رہا ہوں اب تو چند مہینوں کی بات ہے' تھیسس مکمل ہو گیا تو میں یہیں پر آ جاؤں گا۔ جب تک تھیسس مکمل نہیں ہو جاتا آپ میرے پاس آ جائیں۔'' اس نے انہیں تسلی دینے کے لیے کہا۔

''اور اماں جان جہاں تک ان دو چڑیلوں کا تعلق ہے تو انہیں جانے دیں جہاں جاتی ہیں یہ۔ ہمارا کیا؟ شادی کرتی ہیں یا پڑھائی کرتی ہیں' ہم دونوں کو بھلا کیا؟ یہ بابا جان کی بیٹیاں ہیں' وہ جانیں میں آپ کا بیٹا ہوں۔

اور یوں بھی اماں جان یہ لڑکیاں بہت بے وفا ہوتی ہیں۔ ماں باپ کے گھر ہوتی ہیں تو ان سے محبت کے دعوے کرتی ہیں اور سسرال چلی جاتی ہیں تو اپنے پیچھے سب کو بھول جاتی ہیں۔ ایسی بے وفا مخلوق کے لیے آپ کیوں روتی ہیں۔ آپ تو شکر کریں کہ یہ ٹل رہی ہیں سر سے کسی طرح۔''

اماں جان نے اس کا ماتھا چوم لیا پھر زہرا کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''دعا کرو بیٹا کہ انہیں بھی ایسی سسرال ملے کہ یہ اپنی خوشیوں میں مگن ہو کر ہمیں بھول جائیں' بس یہ خوش رہیں۔''

''اچھا اماں! اب آپ بیٹھیں' میں خود کھانا لگاتا ہوں۔'' وہ اٹھا۔

''آپ کیا لگائیں گے بھائی' ہر چیز کی تباہی پھیر دیں گے۔'' زہرا بھی اس کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''تم لوگ اماں کو مصروف رکھا کرو تا کہ وہ زیادہ نہ سوچیں۔'' عبداللہ نے ڈائننگ ٹیبل پر برتن لگاتی زہرا سے کہا۔

''میں کیا کروں بھائی' پتا ہی نہیں چلتا اماں جان کا' ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں۔ ابھی تو قسم سے میرے ہاتھ پاؤں سے جان نکل گئی تھی اماں کو روتے دیکھ کر۔ آپ نہ ہوتے تو شاید میں بھی ساتھ ہی رونا شروع کر دیتی۔'' اس نے سالن کے ڈونگے ٹیبل پر رکھے۔

''رونے کے علاوہ بھی کچھ کر لیا کرو۔ ہر بات کا اختتام رونے پر ہوتا ہے تم لوگوں کا اب جاؤ اماں جان کو لے کر آؤ۔''

☆=====☆=====☆

نوری کے ساتھ خادم حسین کا وقت بہت اچھا گزر رہا تھا' لیکن اس کی تمام تر خوبصورتی کے باوجود اس میں جو کنوارپن تھا' وہ اسے الجھن میں ڈال دیتا تھا۔ خادم حسین کو نفاست پسند لڑکیاں اچھی لگتی تھیں۔ ایسی لڑکیاں جن کے انداز نشست و برخاست میں تمکنت اور شاہانہ پن ہو۔ نوری

میں ان میں سے کوئی بات نہیں تھی' بس نخرہ ہی نخرہ تھا۔

نوری کی شوخی میں بازاری پن تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ایسے خول میں بند کردی گئی ہو' جو اس کے لیے بنا ہی نہیں تھا۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود خادم حسین اس کے ساتھ اچھا وقت گزار رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قبیل کی عورتوں کے ساتھ یہ مسائل تو ہوتے ہی ہیں۔

☆=====☆=====☆

نی پُین ہال سے باہر نکلتے ہوئے ماہ بانو کی نگاہ نیہاں پر پڑی۔

''نیہاں۔'' اس نے آواز دی۔

''ارے بانو! تم کہاں؟'' وہ گرم جوشی سے اس کے گلے لگ گئی۔

''میرا تو شہر ہے' یہ بتاؤ کہ تم اسلام آباد سے کب اور کیسے آ نئیں؟''

''اتنی سختی سے تاکید کی تھی اُما نے کہ میں نے ہر حالت میں تمہاری ایگزیبیشن دیکھنی ہے' اس کے لیے آئی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اور یہاں اس لیے دکھائی دے رہی ہوں تمہیں کہ ابھی میں آف بیٹ پر کیٹیں دیکھ رہی تھی۔ پھر Hentage پر کچھ سوٹ دیکھنے تھے۔''

''میں بھی سوٹوں کے لیے ہی آئی ہوں۔ اماں جی سے کچھ پیسے مارے تھے۔ سوچا تھا توپ کا لائسنس مانگوں گی پستول کا ملے گا' لیکن اباجی کی سفارش پر لائسنس کیا پوری توپ ہی مل گئی۔'' وہ ہنسی۔

''یعنی؟''

''یعنی میں نے کہا کہ چار پانچ ہزار روپے چاہئیں۔ سوچا تھا بہت بھی ہوا تو ہزار ڈیڑھ ہزار مل جائیں گے لیکن مجھے تو اباجی نے پورے پانچ ہزار دلوادیے۔ میں نے سوچا کہ چلو دو زبردست قسم کے سوٹ لے لوں۔''

وہ دونوں Hentage میں داخل ہو گئے۔

''مجھے یہ تو بتاؤ کہ جیمز کیسا ہے' کیا کر رہا ہے؟'' نیہاں کپڑے دیکھتے ہوئے بولی۔

''پتا نہیں۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے کپڑوں کی طرف سے توجہ ماہ بانو کی طرف مبذول کردی۔

''مطلب یہ کہ مجھے تو عبداللہ کی خبر نہیں کہ وہ کیسا ہے' کیا کر رہا ہے' جیمز کا کیا پتا ہوگا۔ آج اتنی مشکل سے گھر سے نکلی ہوں۔ میں تو بہت بزی تھی۔ ایک لمحے کی فرصت نہیں تھی۔''

''بہرحال میں نے فون پر عبداللہ سے بات کی تھی' وہ کل رات ہی گاؤں سے آیا تھا۔'' وہ پھر کپڑوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''کیا؟ لیکن اسے تو مجھ سے بھی ایک دن پہلے آنا تھا۔''

''اس کی ممی نے روک لیا تھا اسے۔ میں نے اس لیے فون کیا تھا اسے تاکہ کنفرم کرلوں ایگزیبیشن کے بارے میں۔ جس وقت میرا فون آیا اس سے بمشکل پانچ منٹ پہلے پہنچا تھا وہ۔'' اس نے بتایا۔

''اور تم اس وقت کہاں رہ رہی ہو؟''

''ہوسٹل زندہ باد' مما چاہ رہی تھیں کہ یہاں آنٹی انکل کی طرف رہ جاؤں' لیکن بابا میں تو ان کے گھر نہیں رہ سکتی۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا نہیں۔ ہوسٹل لاکھ برا سہی' لیکن وہاں پھر بھی رہ لوں گی۔'' اس نے کہا۔

''اب واپس کیسے جاؤ گی؟'' ماہ بانو نے اس سے دریافت کیا۔

''کیب لے لوں گی۔'' وہ بولی۔

''اس طرح مت جاؤ۔ اگر مناسب سمجھو تو ہوسٹل کے بجائے میری طرف چلی چلو' اگر ہوسٹل میں ہی رہنا ہے تب بھی میں اور اباجی تمہیں وہاں چھوڑتے ہوئے گھر چلے جائیں گے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تمہارے گھر رہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے' لیکن انکل ہیں کہاں؟ وہ بھی تمہارے ساتھ آئے ہیں۔''

''ہاں' وہ بک اسٹال گئے ہوئے ہیں' کچھ کتابیں دیکھ رہے ہیں۔''

''تو چلو وہیں چلتے ہیں۔''

☆=====☆=====☆

ایگزیبیشن والے دن ماہ بانو خاصے اہتمام کے ساتھ تیار ہوئی تھی۔ سیاہ اور سنہرے نیٹ کے کُرتے اور سیاہ پاجامے پر نیٹ کا بڑا سا سنہرا دوپٹا لیے' جیل کے ساتھ بال پیچھے کرکے اس نے جوڑا باندھ لیا تھا۔ میک اپ کا بھی اس نے پورا خیال رکھا تھا اور سنہرے رنگ کی مناسبت سے ہی کر رکھا تھا۔

عبداللہ نے اسے دیکھا تو چند لمحے کے لیے پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا۔ اسے اپنی طرف یوں دیکھتے پاکر وہ مسکرادی تھی۔

''تم اسی طرح ڈھنگ سے تیار ہوکر نہیں رہ سکتیں؟'' وہ بولا۔

''اتنا وقت نہیں ہوتا میرے پاس' پورا ایک گھنٹہ لگ گیا اس تیاری میں' روزانہ اتنا وقت کہاں سے لاؤں۔'' وہ ہنسی۔

''پھر بھی جتنی جھلی بن کر تم کالج میں آتی ہو' یہ میری ہی نظر کا کمال تھا کہ ایسے میں بھی تمہاری خوبصورتی ڈھونڈ لی۔''

URDU PHOTO

''ڈھونڈ لی۔'' وہ پھر ہنسی۔ ''بہت دقت ہوئی ہوگی تمہیں میری خوبصورتی ڈھونڈنے میں۔ واقعی یہ تمہاری نظر کا ہی کمال تھا۔''

ایڈی ایگزیبیشن میں رکھے ہوئے سرامکس پیس دیکھتے ہوئے ان کی طرف چلا آیا۔

''بہت زبردست ہے' یہ سب کچھ' لیکن جو سب سے خوبصورت پیس ہے وہ تم نے این ایف ایس کرر کھا ہے' میں وہ خریدنا چاہتا ہوں۔''

''مائنڈ مت کرنا ایڈی' لیکن وہ میں نے صرف دیکھنے کے لیے رکھا ہے' بیچنے کے لیے نہیں۔''

''مگر مجھے وہی اچھا لگا ہے۔'' وہ مُصر تھا۔

''کوئی اور دیکھ لو' اتنے زیادہ پیس ہیں' تم صرف ایک کی تعریف کرکے میرا دل توڑ رہے ہو۔ میں نے اور اباجی نے سب پر بہت محنت کی ہے۔''

''مجھے بھی وہی پیس اچھا لگا ہے جو ''ناٹ فارسیل'' ہے' لیکن ایڈی یہ آرٹسٹ کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ کیا پیس آف آرٹ بیچے اور کیا نہیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

وہ سب دوست ماہ بانو کے اباجی سے سرامکس ڈسکس کرتے رہے' جو پیس ناٹ فارسیل' تھا' اس کے لیے بہت سے لوگ ماہ بانو کے پاس آئے تھے۔

''پلیز! یہ بیچ دیں۔''

لیکن اس نے سب سے نہایت شائستگی کے ساتھ معذرت کرلی اور انہیں نمائش کے لیے رکھی باقی چیزیں دکھانے لگی۔

اس وقت اباجی' ایڈی اور عبداللہ کو ساتھ لے کر لبرٹی گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ماہ بانو کو بتایا نہیں تھا لیکن وہ اس کے لیے کوئی اچھا سا تحفہ لینا چاہتے تھے۔ اس نے ان کے ساتھ مل کر محنت بھی تو بہت کی تھی۔ وہاں پر ماہ بانو' نیہاں اور جیمز ہی کھڑے باتیں کررہے تھے۔

''مبارک ہو نمائش بہت کامیاب جارہی ہے۔'' نیہاں نے اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم نے محنت کی اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامیابی دی لیکن میں اصل کریڈٹ عبداللہ کو ہی دوں گی اس کے لیے۔'' وہ بولی۔

''وہ تم دوگی ہی' لیکن آخر کیوں؟'' نیہاں نے کہا۔

''اس لیے کہ یہ آئیڈیا اسی کا تھا' ابھی تو اس نے پرل کانٹی نینٹل اور آواری میں بھی بکنگ کروادی ہے۔ دعا کرو کہ وہاں بھی ہمیں اسی طرح کامیابی ملے۔ میں شدید کامپلیکس کا شکار تھی۔ یہ عبداللہ ہی تھا' جس نے مجھے اس احساس کمتری سے نکالا۔ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ جو کچھ اس نے میرے لیے کیا' میری پوری شخصیت ہی تبدیل کردی ہے اس نے۔'' ماہ بانو نے اس سے کہا۔

''میری سمجھ نہیں آتا کہ آخر عبداللہ ہر جگہ کلف لگا کُرتا شلوار کیوں پہن آتا ہے۔ دور سے ہی لگتا ہے' جیسے کوئی زمیندار' جاگیردار چلا آرہا ہو۔'' نیہاں نے عبداللہ پر تبصرہ کیا۔

''اس لیے کہ وہ اس میں بہت ہینڈسم لگتا ہے۔ ویسے تو وہ ہر طرح ہینڈسم لگتا ہے' لیکن گرمیاں ہیں' کُرتا' شلوار تو پہنے گا ناں۔'' ماہ بانو نے فوراً اس کی سائیڈ لی۔

''کوئی تبدیلی تو ہونی چاہیے۔'' وہ مُصر تھی۔

''تبدیلی ہی ہے' کالج میں وہ اس طرح ڈریس اَپ نہیں ہوتا۔'' اب کے جیمز بھی میدان میں کود پڑا تھا۔

''خیر جیمز تم تو چپ کرجاؤ' تمہیں تو مردوں کے فیشن کا کچھ بھی نہیں پتا۔'' نیہاں اس پر الٹ پڑی۔

''ہاں سخت شرمندہ کروایا تم نے جیمز۔'' ماہ بانو ہنس پڑی

''کیسے؟'' وہ کچھ نہ سمجھا۔

''آئی وِل کِل یو ماہ بانو۔'' نیہاں نے ہنستے ہوئے اسے گھور کر دیکھا۔

''تم فائیو او وَنز کب کوڑے کے ڈرم میں ڈال کر Guessp Jeans پہنو گے؟'' ماہ بانو مسلسل ہنس رہی تھی۔

''اس صدی میں تو یہ ممکن نہیں ہے' بہت مہنگی جینز ہیں میری۔'' وہ بولا۔

''فیشن کے ساتھ ساتھ چلا کرو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا' تمہارے اتنے خوبصورت بال ہیں جیمز' لمبے بھی ہیں بلکہ افسوس میرے بالوں سے بھی زیادہ لمبے ہیں۔ آخر تم اسی پرانے اسٹائل میں بال پیچھے کرکے پونی کیوں بنا لیتے ہو' رومال کیوں نہیں باندھتے۔'' نیہاں نے کہا۔

''ہاں تمہیں تو بالکل Male Fashion کا نہیں پتا جیمز۔'' ماہ بانو نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔

''یہ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو' آج کل جسے دیکھو رومال باندھے پھر رہا ہے' اس لیے کبھی میرا موڈ نہیں ہوا۔''

''ظاہر ہے فیشن میں ہے' فیشن تو کریں گے سب' ایک تم ہی پرانے ماڈل کے نظر آؤ گے۔'' نیہاں نے کہا۔

''ویسے جیمز! تم یہ کرلو تو بالکل اسکاٹ کیمپل لگو گے۔'' ماہ ماہ بانو نے بھی کہا۔

''چلو اسکاٹ کیمپل والا کام مت کرو لیکن پلیز! Guessp Jeans پہننا شروع کردو' ورنہ نیہاں بے چاری اسے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

جیمز کو ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں اور وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس رہی تھیں۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین اور مکرم علی ڈنر کرنے کے لیے Xinhua آئے ہوئے تھے۔ وہیں ان کا ارادہ ایگزیبیشن دیکھنے کا بھی بن گیا۔ جب وہ دونوں اس کمرے میں پہنچے تو کھنکھناتی ہنسی نے ان کا استقبال کیا۔ خادم حسین نے ہنستی ہوئی لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ ایک لڑکی بالکل امریکن لگ رہی۔ اور دوسری خالص مشرقی حسن کا شاہکار تھی۔ ایک لڑکا بھی تھا' وہ بھی غیر ملکی لگ رہا تھا۔

خادم حسین کی نگاہیں سانولی لڑکی پر ٹک گئیں۔ وہ خوبصورت تھی' اس کی ہنسی بھی کھنک دار تھی لیکن جو چیز خادم حسین کو اس میں سب سے خوبصورت لگی تھی' وہ اس کے انداز کی تمکنت اور شاہانہ پن تھا۔

جب ماہ بانو کو احساس ہوا کہ کوئی اس کی طرف دیکھ رہا ہے تو اس نے بھی اس سمت میں نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ ایک لمحے میں ہی اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس ہو گیا' وہ ریشماں کے بھائیوں کو پہچانتی تھی اور یہ بھی جانتی تھی کہ وہ کیسے عبداللہ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے اور عبداللہ کسی بھی وقت لبرٹی سے واپس آ سکتا تھا۔

ماہ بانو کو احساس ہوا کہ اسے فوری طور پر کچھ کرنا تھا' ورنہ عبداللہ کے آنے پر صورت حال بگڑ بھی سکتی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر خادم حسین نے اپنے اوپر بے نیازی کا خول چڑھا لیا تھا اور نمائش میں رکھے سرامکس پیسز (Pieces) کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مکرم بھی اس کے ساتھ ساتھ ہی تھا۔

ماہ بانو' جیمز کو بازو سے پکڑ کر کمرے سے باہر لے گئی۔ نیہاں بھی کچھ نہ سمجھتے ہوئے ان کے پیچھے ہی باہر نکل آئی۔

''کیا ہوا بانو' تم پریشان لگ رہی ہو۔'' جیمز نے کہا۔

''میری بات سنو جیمز! پلیز کسی بھی صورت عبداللہ کو یہاں مت آنے دینا' یہاں اس کے لیے خطرہ ہے۔''

''کیا مطلب؟'' وہ کچھ نہ سمجھا۔

''یہ جو دو لڑکے ہیں' یہ دونوں اس کے وہی کزن ہیں جو اس کی جان کے دشمن ہو رہے ہیں' یہاں بہت مشکل پیش آ جائے گی اگر ان کا سامنا ہو گیا تو۔''

''اچھا! میں اسے باہر ہی روک کر بتا دوں گا' تم بالکل فکر مت کرو۔'' جیمز نے اسے تسلی دی۔

''نہیں' اسے بتانا مت' تمہیں پتا ہے ناں کہ اس کے دماغ کی ایک چول ڈھیلی ہے۔ اس نے کہنا ہے کہ ان کی ایسی کی تیسی' میں دیکھتا ہوں کہ کیا کر سکتے ہیں یہ۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔ تم اسے بتانا بالکل مت اور باہر بھی مت روکنا۔ کسی بہانے سے دوبارہ لبرٹی

لے جانا' میں کوشش کرتی ہوں کہ یہ ٹل جائیں' بس تم ان کے جانے کے بعد ہی اس کے ساتھ آنا۔''

''آل رائٹ' تم فکر مت۔''

''بانو! تمہیں تو کوئی خطرہ نہیں ہے ناں؟ ان میں سے ایک تو مجھے لگ رہا۔ہے جیسے پٹے ہوئے ہو' آنکھیں دیکھی ہیں اس کی۔'' نیہاں نے کہا۔

''مجھے بالکل کوئی خطرہ نہیں ہے' میرا ان سے کیا لینا دینا۔ میرے متعلق فکر مت کرو۔'' اس نے انہیں تسلی دی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو ناں؟'' نیہاں نے دوبارہ تصدیق ضروری سمجھی۔

''بالکل سچ کہہ رہی ہوں' مجھے کیوں کچھ کہیں گے۔ مجھ سے بھلا کیا دشمنی ہے ان کی۔''

''پھر ٹھیک ہے' اگر تم مائنڈ نہ کرو تو میں بھی جیمز کے ساتھ باہر چلی جاؤں۔'' اس نے کہا پھر آگے جھک کر اس کے کان میں بولی۔

''مجھے اس کے اکیلے پن پر ترس آ رہا ہے۔''

ماہ بانو ہنس پڑی۔

''کیوں نہیں اور ہاں اسے Male Fashion سے ذرا اچھی طرح آگاہ بھی کر دینا۔''

نیہاں مسکراتے ہوئے جیمز کے ساتھ باہر نکل گئی۔ ماہ بانو واپس اس کمرے میں چلی آئی۔ جس میں ایگزیبیشن لگی ہوئی تھی۔

''یہ سرامکس پیس آپ نے بنائے ہیں؟'' خادم حسین اس کی طرف بڑھ آیا۔

''جی' میں نے اور میرے فادر نے بنائے ہیں۔''

''مجھے ایک پیس خریدنا ہے لیکن اس پر ''ناٹ فار سیل'' کا کارڈ لگا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

''پھر تو ظاہر ہے آپ وہ نہیں خرید سکتے۔ وہ پیس ''ناٹ فار سیل'' ہے' یہاں اور بہت سے ایں بھی موجود ہیں' آپ کو ضرور کوئی نہ کوئی اچھا لگ جائے گا۔'' اس نے شائستگی سے کہا۔

''لیکن میں وہ خریدنا چاہتا ہوں' آپ اس کی قیمت کا تعین کر کے مجھے بتا دیں۔''

''یہ آرٹسٹ کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز بیچ دے اور کیا نہیں۔ میں اسے نہیں بیچنا چاہتی۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں سب سے مہنگا پیس پانچ ہزار تک کا ہے' میں آپ کو اس پیس کے لیے دس ہزار بھی دے سکتا ہوں۔''

''دیکھیں مسٹر! آپ اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔''

''بیس ہزار۔''

''بیس لاکھ میں بھی نہیں۔'' اس نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

وہ پیس اس نے عبداللہ کو تحفے میں دینے کے لیے رکھا ہوا تھا اور یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ عبداللہ کو دینے والا تحفہ کسی اور کے ہاتھ بیچ دیتی۔

''یہ پیس دیکھ لیں' یہ بھی بہت خوبصورت ہے۔'' اسے اپنے لہجے میں موجود سختی کا اندازہ ہوا تو اس نے قدرے توقف سے شائستگی کے ساتھ کہا۔

''اور کوئی نہیں' مجھے صرف یہی پیس چاہیے' اور آپ کو بھی یہ بیچنا ہوگا۔''

''مسٹر خادم حسین؟'' ماہ بانو نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''نہ تو یہ نیاز پور ہے اور نہ ہی میں وہاں رہنے والے آپ کے کسی مزارعے کی بیٹی ہوں' یہ رعب مجھ پر جمانے کی ضرورت نہیں ہے' نہ ہی میں آپ جیسوں کا رعب برداشت کرتی ہوں' یہ میری مرضی ہے کہ میں کیا بیچنا چاہتی ہوں اور کیا نہیں' جو چیزیں فاریسل ہیں آپ ان میں سے جو چیزیں چاہیں خرید سکتے ہیں۔''

خادم حسین نے پُرخیال نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مکرم بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں' جنہیں وہ کم ہی پورا کھول کر رکھتا تھا۔ نیہاں نے اسی کے متعلق تبصرہ کیا تھا۔

''بی بی! اگر تم انہیں جانتی ہو تو یہ بھی جانتی ہو گی کہ ''فاریسل'' چیزیں تو ہر کوئی خرید سکتا ہے لیکن ہم وہی چیزیں حاصل کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں' جو 'ناٹ فاریسل' ہوتی ہیں۔'' مکرم نے ادھ کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ماہ بانو کے لیے اس کے لہجے میں چھپی دھمکی کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرسی لہر دوڑ گئی۔

پھر مکرم' خادم حسین کی طرف مڑا۔ ''یہاں دو خوبصورت چیزیں ''ناٹ فاریسل'' ہیں' دونوں ہمارے بنگلے میں اچھی لگیں گی' کیا خیال ہے؟''

ماہ بانو کا دل چاہا کہ وہ چیخ کر عبداللہ کو مدد کے لیے پکارے' لیکن بہت مشکلوں سے اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے۔

''نہیں بانو! تم نے گھبرانا نہیں ہے' یہاں یہ کچھ بھی نہیں کر سکتے' صرف تمہیں ڈرا رہے ہیں۔ ڈرو مت اور انہیں محسوس ہونے دو کہ تم ان سے خوفزدہ ہو۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور خود کو تسلی دی اور پھر چہرہ سپاٹ رکھتے ہوئے ان سے مخاطب ہوئی۔

''دنیا بدل گئی لیکن تم لوگ وہی رہے۔ اس قسم کی دھمکیاں اپنے مزارعوں کو دو' مجھے نہیں۔ اینڈ ناؤ گیٹ لاسٹ۔''

وہ کہہ کر ان کی طرف پشت کر کے شیشوں کے ترتیب سے رکھے کیسوں کو بغیر وجہ کے نئی ترتیب دینے لگی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی

کہ اس کے الفاظ کا نتیجہ کیا نکلے گا اور اس کے لیے اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ خادم حسین کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''نہیں مکرم' نہیں' جو چیزیں بیک وقت خوبصورت اور ناٹ فاریسل ہوں' انہیں خوبصورتی سے ہی حاصل کرنا چاہیے' واپس چلو۔''

قدموں کی آوازوں نے اسے بتایا کہ وہ دونوں کمرے سے نکل چکے تھے۔ ماہ بانو گہری سانس لے کر وہیں دیوار سے ٹک گئی اور اپنے ہاتھ سے کنپٹیاں دبانے لگی۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے' اور چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ ان دونوں کی وہاں موجودگی تک نہ جانے کس طرح اس نے خود پر قابو پائے رکھا تھا' لیکن ان کے جاتے ہی اسے اپنے اعصاب جواب دیتے لگ رہے تھے۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اسے اسی طرح کھڑے ہوئے چند لمحے گزرے تھے یا چند منٹ جب عبداللہ سب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا' اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''کیا ہوا بانو؟ آر یو آل رائٹ؟''

''تم عبداللہ؟'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''ڈونٹ وری' ایوری تھنگ ہیز بین ٹیکن کیئر آف۔'' جیمز نے جلدی سے کہا۔

نیہاں نے بھی ہاتھ کے اشارے سے اسے بتایا کہ وہ دونوں جا چکے ہیں۔

ماہ بانو نے سکون کا گہرا سانس لیا۔ اباجی جو سب سے آخر میں کمرے میں داخل ہوئے تھے' وہ بھی گھبرا کر اس کے پاس آ گئے۔

''بانو بیٹا! کیا ہوا' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''جی اباجی' بس سر میں درد ہو گیا تھا۔'' اب تک اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔ خود کو اپنے لوگوں میں گھرے دیکھ کر وہ خاصا بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''بیٹھ جاؤ بیٹا!'' انہوں نے پیار سے کہا۔ وہ پریشان ہو چکے تھے۔

''اباجی! آپ فکر مت کریں' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تھوڑے سے سر درد سے کیا ہوتا ہے۔'' وہ ان کی تسلی کے لیے ہنس پڑی۔

عبداللہ اور ایڈی بغور اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی' لیکن اس وقت اسے کریدنے کی کسی نے کوشش نہیں کی۔

''دیکھو بانو! میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔'' اباجی نے خوبصورت کاغذ میں لپٹا ایک پیکٹ اس کی طرف بڑھایا۔

''کیا ہے؟'' اس نے شوق سے کہتے ہوئے پیکٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا' لیکن اس

کے لینے سے پہلے ہی پیکٹ ایڈی نے اچک لیا۔

''گیس کرو۔'' وہ بولا۔

''اتنی دور سے کیا اندازہ لگا سکتی ہوں۔'' اس نے چھیننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''جب تک بوجھو گی نہیں' تب تک نہیں ملے گا' ایڈی اسے بالکل مت دینا۔'' نیہاں نے جلدی سے اسے ہدایت دی۔

''کیا ہو سکتا ہے؟'' اس نے ذہن پر زور دیا۔

''اتنی مصیبت کی کیا ضرورت ہے۔'' عبداللہ نے اسے کہا اور پیکٹ ایڈی کے ہاتھ سے کھینچ کر ماہ بانو کو پکڑا دیا۔

''یہ سراسر فاؤل ہے۔'' ایڈی بولا۔

ماہ بانو نے ہنستے ہوئے پیکٹ کھولا۔ اندر حسبِ توقع World Mythology رکھی ہوئی تھی۔ اس کتاب کے خریدنے کا اسے بہت شوق تھا۔ وہ خوشی سے چیخ پڑی۔

''تھینک یو ابا جی!''

بظاہر ہر چیز ٹھیک ہو چکی تھی۔ وہ سب کے ساتھ ہنس بول رہی تھی' لیکن اس کا ذہن اب تک تھوڑی دیر پہلے پیش آنے والے واقعے میں اٹکا ہوا تھا۔ مکرم کی دھمکی تو بہت واضح تھی' لیکن جو کچھ خادم حسین نے کہا تھا' اس کا مطلب کیا تھا؟ وہ ان الفاظ کو بھول نہیں سکتی تھی۔

''نہیں مکرم نہیں' جو چیزیں بیک وقت خوبصورت اور ناٹ فار سیل ہوں' انہیں خوبصورتی سے ہی حاصل کرنا چاہیے۔''

وہ کیا کہنا چاہتا تھا' کیا کرنا چاہتا تھا؟ اس کے انداز میں دھمکی نہیں تھی۔ اَنا کا غرور تھا' جیسے اسے یقین ہو کہ وہ جو چیز جیسے چاہے حاصل کر سکتا تھا۔ حاصل کرنے سے اس کا مطلب کیا تھا؟ اور اس نے مکرم کو کس بات سے منع کیا تھا؟ کیا مکرم' ماہ بانو کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہتا تھا؟

وہ سوچ رہی تھی اور الجھ رہی تھی۔ کیا کروں عبداللہ کو بتا دوں یا ریشماں سے مدد طلب کروں؟

بہت دیر تک سوچنے کے بعد اسے یہ دونوں خیال ہی غلط محسوس ہوئے۔

نہیں عبداللہ کو خبر ہوئی تو وہ پتا نہیں کیا ردِعمل ظاہر کرے۔ وہ تو اب بھی پانچ بھائی ہیں' ان کے بے شمار وفادار ملازم ہیں اور وہ سب ہی عبداللہ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں' اگر انہوں نے عبداللہ کو نقصان پہنچا دیا تو؟ یوں بھی عبداللہ کو غصہ آجائے تو پھر وہ اپنے آپ کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اسے اندازہ ہوا کہ انہوں نے مجھے کوئی دھمکی دی ہے تو وہ برداشت نہیں کر سکے گا اور بات بہت زیادہ بگڑ جائے گی۔

پھر کیا ریشماں سے کہہ دوں؟ لیکن اس سے کیسے کہوں؟ پہلے اس سے عبداللہ کو چھین لیا'

URDU PHOTO

اب کیا اسے اس کے بھائیوں سے بھی دور کر دوں؟ وہ جیسے بھی ہیں' اس کے تو بھائی ہیں اور اس سے بے تحاشا محبت بھی کرتے ہیں۔ میں اس کی زندگی میں مسلسل زہر نہیں گھول سکتی۔ اسے ساری زندگی شاید ان ہی در و دیوار کے درمیان رہنا پڑے۔ ابھی تو وہ سب کی محبتوں کے درمیان وہ عذاب ناک دن اور رات بسر کر ہی لیتی ہے' لیکن اگر اسے ان سے نفرت ہو گئی' اگر چاہنے کے باوجود وہ ان سے محبت نہ کر سکی تو ذہنی طور پر وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔

''اوہ گاڈ! یہ بھی نہیں تو پھر کیا کروں؟'' آرڈرز کے فارمز دیکھتی وہ یہی سب سوچے جا رہی تھی۔

''کہاں گم ہو؟''

عبداللہ کی آواز سن کر وہ چونک گئی۔

''کہیں نہیں' یہ دیکھ رہی تھی کہ کتنے آرڈرز ملے ہیں اور کس کس پیس کے۔''

''اونہوں! کم از کم مجھ سے تو مت چھپاؤ۔''

''مگر میں کیا چھپا رہی ہوں اور میرے پاس چھپانے کے لیے ہے کیا۔''

''مجھے افسوس ہوتا ہے' اس وقت جب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں۔'' اس نے کہا۔

''پلیز عبداللہ' نتیجے اخذ کرنے میں اتنی جلد بازی سے کام مت لیا کرو۔'' وہ مضطرب نظر آنے لگی تھی پھر قدرے توقف سے بولی۔

''میں اکیلی ہوتی ہوں تو وہ سب سوچنے لگتی ہوں جس کے متعلق سوچنا بے کار ہے' جس کے لیے میں کچھ نہیں کر سکتی' سوائے اچھے وقت کا انتظار کرنے کے۔ میں ہر وقت تمہیں انہی باتوں میں الجھائے نہیں رکھنا چاہتی۔''

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

''جو کچھ تم نے کہا وہ بالکل درست کہا۔ تم وقت بے وقت یہی بے کار کی باتیں سوچتی ہو لیکن اس وقت یہ سب سوچنے کی وجہ ہے' کیا وجہ ہے یہ میں نہیں جانتا اور تم بتانا نہیں چاہتیں۔ میں شخصی آزادی کا قائل ہوں۔ نہیں بتانا چاہتیں تو یہ تمہاری مرضی ہے لیکن اگر مجھ پر اعتبار کرتی ہو تو کبھی مجھ سے کوئی ایسی بات نہ چھپانا' جس کے چھپانے سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو۔''

ماہ بانو کا دل دھڑک اٹھا تھا۔ ''عبداللہ میری سوچوں کو کیسے پڑھ لیتا ہے۔'' اس نے سوچا' پھر جلدی سے منہ پھیر لیا۔

''پتا نہیں ابا جی کہاں چلے گئے۔'' وہ بولی۔

''کچھ امریکی ٹورسٹ آئے ہوئے ہیں' ان ہی سے باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ بولا۔

''اگر تم لوگ ڈسٹرب نہ ہو تو میں آجاؤں؟'' نیہاں نے کہا۔

''اوہ شیور! کیوں نہیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

"میرے پاس ایک بہت دھماکا خیز خبر ہے۔" اس کے انداز میں جوش و خروش نمایاں تھا۔

"کیا خبر؟" ماہ بانو نے زبردستی دلچسپی کا اظہار کیا' ورنہ اس وقت اسے کسی خبر سے دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"یہ جو امریکی ٹورسٹ ہیں ناں' ان میں سے دو Polters ہیں۔ امریکی ہیں اس لیے Polter کہہ رہی ہوں' ورنہ ہیں کمہار ہی۔" وہ ہنسی۔

"اور ابھی وہ ابا جی سے یہی بات ڈسکس کر رہے ہیں؟" ماہ بانو نے پوچھا۔

"ہاں' اور پتا ہے کیا؟ وہ تو بس پاگل ہو گئے ہیں یہ Poltery دیکھ کر۔ ویسے بھی وہاں اوکسی ڈینٹل کی جگہ اورینٹل اِن ہو رہا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ وہ کوئی بزنس ڈیل کر رہے ہیں۔"

"لیکن وہ ہیں کہاں؟ میں نے تو دیکھا بھی نہیں۔" ماہ بانو نے حیرت سے کہا۔

"وہ خاصی دیر یہاں رہے تھے۔ چیزیں بھی دیکھی تھیں انہوں نے لیکن تم اس وقت آرڈرز فارمز دیکھنے میں مصروف تھیں۔" عبداللہ نے سگریٹ کیس سے مالبرو کا ایک سگریٹ منتخب کرتے ہوئے کہا۔

ماہ بانو کو احساس تھا کہ اس بات سے عبداللہ کا مطلب اسے یہ باور کروانا تھا کہ وہ اپنی پریشانی میں بری طرح گم ہونے کے باوجود اس پر اعتبار نہیں کر رہی تھی۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ وہ عبداللہ کو سب کچھ بتا دے اور اسے یہ یقین دلا دے کہ اس پر تو وہ اپنی ذات سے بڑھ کر اعتماد کرتی تھی۔ وہ اگر اس سے کچھ چھپا رہی تھی تو اس لیے نہیں کہ وہ اس پر اعتبار نہیں کرتی تھی۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ عبداللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور بس۔

"ایڈی اور جیمز بھی انکل کے ساتھ ہی ہیں۔ ویسے ہی انکل کی نالج اتنی زیادہ ہے اور پھر دونوں بھی آرٹ کے حوالے سے لیکچر دیتے جا رہے ہیں۔ وہ دونوں امریکی تو بہت زیادہ امپریس ہو رہے ہیں۔" نیہاں نے مزید اطلاع دی۔

ماہ بانو کو ایک دم ڈھیروں خوشی کا احساس ہوا۔

"جب کوئی ابا جی سے ایسے امپریس ہوتا ہے انہیں اور ان کے کام کو سراہتا ہے تو مجھے لگتا ہے جیسے مجھے ایک نئی دنیا مل گئی ہو۔ انہوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے خود کیا ہے۔ ان کی ہر Achievement ان کی اپنی ہے۔ وہ مکمل طور پر سیلف میڈ انسان ہیں۔ میرے ابا جی جیسا تو اور کوئی بھی نہیں ہوگا۔"

"پتا ہے بانو' وہ امریکی بھی یہی ناٹ فار سیل والا پیس خریدنا چاہتے تھے۔ وہ اس کا آرڈر دینا چاہتے ہیں شاید۔" نیہاں نے اسے بتایا۔

"نہیں یہ ایک ہی پیس ہے اور اس جیسا کوئی دوسرا پیس کبھی نہیں بنے گا۔" اس نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"کیوں؟ کوئی وجہ تو ہو؟ اس کا تو میں بھی آرڈر دینا چاہتی تھی۔" نیہاں بولی۔

"اس لیے کہ اس میں میری محنت سے زیادہ میری محبت شامل ہے۔" ماہ بانو نے کہا۔

"اوہ اب سمجھی' تو یہ عبداللہ کے لیے ہے۔ تم نے پہلے بتا دینا تھا' پھر ہم تم سے کبھی یہ تقاضا نہ کرتے۔" نیہاں ہنسی۔

ماہ بانو اور عبداللہ نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"محبت اور شکریے کے اظہار کے لیے مجھے ہمیشہ لفظ بہت چھوٹے' بہت تھوڑے لگتے ہیں۔" وہ بولا۔

ماہ بانو ہنس پڑی۔ سکون اور طمانیت بھری ہنسی تھی۔

اسی وقت ابا جی' ایڈی اور جیمز کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وہ تینوں بھی کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

"یہ بتاؤ بانو کہ ڈنر کہاں دوگی؟ بہت شاندار سا۔" ایڈی نے آتے ہی کہا۔

"وہ کس خوشی میں؟" وہ کچھ نہ سمجھی۔

"ابھی کچھ طے کہاں ہوا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ سوچ کر جواب دوں گا۔" ابا جی نے کہا۔

"کیا باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ' میرے تو سر پر سے گزر رہی ہیں۔" ماہ بانو بولی۔

"چار انچ ہیل پہن کر بھی سر پر سے گزر رہی ہیں۔ فوراً کرسی پر کھڑی ہو جاؤ۔" ایڈی نے کہا۔

"کچھ بکو گے بھی کہ بات کیا ہے۔ بغیر کچھ جانے بوجھے ڈنر نہیں مل سکتا۔ یہ میں پہلے کلیئر کر رہی ہوں۔"

"یعنی جو کچھ میں فرما رہا ہوں' وہ تمہاری نظر میں بکواس ہے۔ ٹھہرو' میں نوٹ کر لوں۔"

ایڈی نے جیب سے نوٹ پیڈ اور بال پوائنٹ نکال لیا۔

وہ ہر اہم بات نوٹ کرنے کا عادی تھا' اور ایک نوٹ پیڈ اور بال پوائنٹ ہمیشہ اس کے پاس رہا کرتے تھے۔

"یہ تو کچھ نہیں بتائے گا ابا جی پلیز آپ بتا دیں۔" وہ ان کی طرف مڑی۔

"ابھی ہماری بات ہو رہی تھی یہاں دو امریکی Polters سے۔ انہیں ہمارا کام اچھا لگا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ امریکہ جاؤں اور بس۔ اتنی سی بات ہے۔" ابا جی نے بتایا۔

"کیا؟ یہ اتنی سی بات ہے۔ یہ آپ کو اتنی سی بات لگتی ہے ابا جی؟" اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"بس انکل آپ یہ آفر فوراً قبول کر لیں۔" نیہاں نے جلدی سے انہیں مشورہ دیا۔

"دیکھیں گے بیٹا! کوئی فیصلہ اتنی جلدی تو نہیں کیا جاسکتا۔ بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے۔" انہوں نے شفقت سے کہا۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین اور مکرم ریسٹورنٹ سے باہر آ کر کار میں بیٹھے تو مکرم کا موڈ خاصا بگڑا ہوا تھا۔

"بہت غصے میں ہو؟" خادم حسین نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہونا نہیں چاہیے؟ اس دو ٹکے کی لڑکی نے ہماری بے عزتی کردی اور ہم خاموشی سے واپس پلٹ آئے۔"

"نہیں مکرم! تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔" وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔

"کیوں؟ اس وقت بھی آپ نے مجھے منع کردیا تھا' کوئی خاص وجہ ہے کیا؟"

"ہاں وجہ تو خاص ہے' بلکہ بہت خاص ہے۔ تم نے دیکھا تھا مکرم کہ اس لڑکی میں کتنی شان کتنی تمکنت تھی۔ مجھے ایسی ہی کسی لڑکی کی تلاش تھی۔ میرا آئیڈیل ایسی ہی لڑکی ہے۔"

"کیا؟" مکرم علی کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"ہاں اسی لیے میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے یا اس کی چھوٹی سی انا پر کوئی ضرب لگے۔" خادم حسین نے کہا۔

"آپ سنجیدہ ہیں؟" مکرم نے تصدیق چاہی۔

"یہ کوئی فیصلہ نہیں ہے' میں اس کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔ اس کا پہلا امپریشن تو اچھا ہے مگر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ویسی نہ ہو جیسا کہ میں نے اسے سمجھا ہے۔ جلد بازی مجھے پسند نہیں ہے' ہاں اگر وہ میرے معیار پر پوری اتری تو پھر میں دیر نہیں کروں گا۔"

کچھ دیر تک کار میں خاموشی رہی۔ مکرم چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔

"گویا آپ ایک حد تک سنجیدہ ہی ہیں۔"

"ہاں' تم کہہ سکتے ہو۔" خادم حسین نے کہا۔

"مگر کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟"

"ممکن کیوں نہیں؟ ہمارے گھرانے کے رشتے کو کون ٹھکرا سکتا ہے۔" وہ بولا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ وہ تو کسی کی جرأت نہیں ہے کہ نیاز پور کی گدی کے وارث کا رشتہ رد کرسکے' میرا خیال دوسری طرف تھا' اپنے گھر' اپنی حویلی کی طرف۔ آپ کا کیا خیال ہے باباجان اس بات کی اجازت دے دیں گے؟"

گھر کا گیٹ آ گیا تھا۔ خادم حسین کے ہارن دیتے ہی گھر کا دروازہ کھلا اور وہ اپنی کار ڈرائیو وے میں لے آیا۔

"میرا خیال ہے باہر ہی بیٹھتے ہیں۔" خادم حسین نے کہا اور لان کی طرف بڑھ گیا۔

مکرم بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

"میں نے باباجان کے متعلق پوچھا تھا۔ کیا وہ اجازت دے دیں گے؟" مکرم نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوال دہرایا۔

"یقیناً دیں گے۔" اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے مشکل دکھائی دے رہا ہے اور پھر میرے خیال میں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ آپ کو لڑکی پسند آ گئی ہے تو یہاں بھی اسے اٹھوالینا کوئی مسئلہ نہیں ہے' آپ ایک مرتبہ اشارہ کردیں اور بس۔"

"نہیں مکرم! میں ہر اس عورت کو عزت ضرور دیتا ہوں' جو قابلِ عزت ہو' جو بکنے پر تیار ہو' اس کی قیمت لگانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا' لیکن جو بکاؤ نہیں ہے' اسے کسی نچلی سطح پر گرانا مجھے منظور نہیں ہے۔" خادم حسین نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن اسے بطور بہو کون قبول کرے گا؟"

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ مرد کو بہت مضبوط ہونا چاہیے اتنا مضبوط کہ اس سے غیر ضروری سوالات کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہو' کوئی بھی اس پر دباؤ ڈال کر اس کا فیصلہ تبدیل نہ کرسکے اور مجھے معلوم ہے کہ مجھ میں یہ مضبوطی ہے۔

میں کوئی عورت نہیں ہوں' جس کے لیے معاشرے نے اور ہماری حویلی نے کچھ روایتیں بنا ڈالی ہیں اور اس کے لیے ان روتیوں کی پابندی ضروری ہے۔ مردوں کے لیے کسی اور کے وضع کیے ہوئے قوانین اور روایتیں نہیں ہوا کرتیں۔ وہ اپنی روایتیں خود بناتے ہیں' انہیں کسی کے پہلے سے تیار کردہ راستوں پر نہیں چلنا ہوتا' اپنے لیے خود راستہ بنانا ہوتا ہے۔

وہ یہاں آئے گی تو اسے ویسے ہی رہنا ہوگا جیسے حویلی میں عورتیں رہا کرتی ہیں' لیکن اسے اپنی حویلی میں لانے سے مجھے روکنے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔ وہ دادا ابا تھے جو حویلی کے مردوں کو بھی باندھ کر رکھنا چاہتے تھے۔ اب وقت تبدیل ہوگیا ہے۔ یہ وقت ہمارا ہے۔ باباجان تنگ نظر نہیں ہیں۔ وہ بدلتے وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہیں' انہیں یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ باباجان سے کچھ زیادہ کی توقع کررہے ہیں۔ ایسا ممکن ہوتا تو زہرا اور زینب میں کیا برائی تھی؟" مکرم بولا۔

"میں باباجان کے اس سے کہیں زیادہ قریب ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔ زہرا اور زینب اسی حویلی کی لڑکیاں تھیں اور کوئی بھی لڑکی حویلی کی روایات سے انحراف نہیں کرسکتی اور پھر یہاں معاملہ تعلیم کا ہی کب تھا؟ یہاں تو مسئلہ جائیداد اور زمینوں کا بھی تھا اور سب سے بڑھ کر ایک عورت کا تھا' لیکن ان سب باتوں کو جانے دو' اب تو دونوں گھرانوں کے درمیان صرف ایک تعلق اور ایک رشتہ ہے اور وہ ہے دشمنی کا' نفرت کا۔"

"عورت کا' کون عورت؟" مکرم نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اس بات کو رہنے دو' یہ بات میرے لیے بھی تکلیف دہ تھی' تمہارے لیے بھی تکلیف دہ ہوگی' یوں بھی اسے دہرا کر کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ بات مجھے بھی بابا جان نے نہیں بتائی۔"

"پھر کس نے بتائی ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے خادم حسین کی طرف دیکھا۔

"میں اس گدی کا وارث ہوں مکرم' جس پر آج بابا جان بیٹھے ہوئے ہیں' مجھ سے کیا چھپا رہ سکتا ہے۔"

"آپ کہہ رہے تھے کہ زہرا اور زینب اس حویلی کی لڑکیاں ہیں اور کوئی بھی لڑکی حویلی کی روایات سے انحراف نہیں کرسکتی' لیکن انحراف انہوں نے کب کیا تھا؟ وہ بہت چھوٹی تھیں جب ان کے متعلق یہ فیصلہ ان کے باپ نے کیا تھا۔ سو یہ فیصلہ ان کا نہیں' ان کے باپ کا تھا۔ جو اسی حویلی کا ایک مرد تھا اور مرد اپنی روایتیں خود بناتے ہیں' اپنے لیے راستہ خود چنتے ہیں' پھر اگر حیدر علی شاہ نے ایک نئی روایت کی بنیاد رکھ دی تو اس سے دشمنی کا سبب؟ آپ یہ مت سوچنا کہ مجھے حیدر علی شاہ سے ہمدردی ہے' قطعاً نہیں۔ وہ شخص ناقابلِ معافی ہے' میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایسا ہی ایک محاذ آپ کے خلاف بھی کھل سکتا ہے اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

خادم حسین مسکرایا۔ "میرے خلاف محاذ کون کھول سکتا ہے؟ رہ گئی حیدر علی شاہ کی بات تو اسے اپنے لیے روایتیں بدلنے اور راستے بنانے کا اختیار تھا لیکن حویلی کی کسی بھی لڑکی کو اپنے بنائے ہوئے راستے پر چلانے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔"

"مجھے الجھن محسوس ہورہی ہے۔ وہ لڑکی آپ کا نام جانتی تھی۔ جس انداز سے اس نے بات کی تھی' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ صرف نام ہی نہیں اور بھی بہت کچھ جانتی ہے' کیسے؟" مکرم علی نے کہا۔

"کل تک اس کے متعلق تمام تفصیلات مل جائیں گی۔ ویسے میرا اندازہ ہے کہ یا تو اس کا اپنا تعلق نیاز پور سے ہے یا پھر وہاں اس کی کسی طور کوئی واقفیت یا رشتہ داری ہے۔" خادم حسین نے کہا۔

وہ باتیں کررہے تھے کہ ساتھ والے گھر کے گیٹ کے سامنے سے ہارن بجنے کی مدھم سی آواز آئی۔ رات گہری ہوچکی تھی اور ٹریفک نہ ہونے کی وجہ سے دور ہونے کے باوجود آواز صاف سنائی دی تھی۔

"یہ ضرور عبداللہ ہوگا۔" مکرم نے کہا۔

"ہاں۔"

"یہ سوچ کر کہ یہ شخص اب تک زندہ و سلامت پھر رہا ہے' میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ میں امداد بھائی کی خون میں بھیگی لاش اور ریشماں آپی کے آنسو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اسے بھائی کے

خون کے ایک ایک قطرے اور آپی کی آنکھوں سے بہنے والے ایک ایک آنسو کا حساب دینا ہوگا۔"

"ہاں' لیکن ذرا انتظار' اسے وہیں مرنا ہوگا جہاں امداد کو گولیاں لگی تھیں' اسے امداد کی طرح ویسے ہی تڑپنا اور سسکنا ہوگا۔ اس روز میرا بچ جانا مشکل نہیں ناممکن تھا' لیکن میں بچ گیا۔ شاید اس لیے کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے۔ اپنے بھائی کا بدلہ لینا ہے' اس کے سینے میں اتنی ہی گولیاں اتارنی ہیں' جتنی امداد کے جسم میں پیوست تھیں۔" خادم کے لہجے میں نفرت اتر آئی۔

☆=====☆=====☆

"تم نے تو ٹھیک کہا تھا بانو' اتنے سارے لوگوں نے وہ بیکار برتن خریدے' مجھے حیرت ہے۔" اماں جی نے کہا۔

وہ تینوں صحن میں چارپائیوں پر پیڈسٹل فین کے سامنے بیٹھے ہوئے سبز چائے پی رہے تھے۔

ماہ بانو ان کی بات سن کر مسکرادی۔ "تب ہی تو آپ سے کپڑوں کے لیے اتنے پیسے مانگے تھے اور اب تو اماں گھر میں ڈالر آئیں گے۔"

"ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ یہ تو نہیں کہ منہ اٹھا کر نیویارک چل دیے۔" انہوں نے کہا۔

"چھوڑیں اباجی۔ دیکھنا کیا ہے۔ اتنی زبردست آفر ہے۔ آپ نے خود ہی تو مجھ سے کہا تھا۔ کہ اپنی سوچ کو کبھی محدود نہ ہونے دینا۔ آپ ہی کہتے تھے کہ کوشش کرنے سے انسان سب کچھ پالیتا ہے اور اباجی وہ جو شخص آپ کو برسوں پہلے ہمارے کالج میں ملا تھا اس نے سب سے اچھی بات کہی تھی۔ آپ کو یاد ہے اس نے کیا کہا تھا؟"

"وہ تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ اس بابو کی باتوں نے میری زندگی کا رخ ہی تبدیل کردیا تھا۔" اباجی نے کہا۔

"اور صرف ایک مرتبہ سننے کے باوجود مجھے وہ سب باتیں یاد ہیں اباجی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر تمہارا کام اچھا ہے تو تمہارے لیے ترقی کے دروازے ضرور کھلیں گے' آج نہ سہی کل سہی۔ نہ تو آج تک خوشبو کے راستے میں کوئی دیوار کھڑی کرسکا اور نہ ہی روشنی کو بیڑیاں پہنائی جاسکتی ہیں۔ اچھا کام کسی کالج کی سند کا محتاج نہیں ہوتا۔ وہ تو دیکھنے میں ہی اچھا نظر آتا ہے۔

اس نے کہا تھا' اباجی کہ کوشش سے تو انسان خدا کو بھی پالیتا ہے' اپنے لیے اپنے قوت بازو سے جگہ بناؤ۔ یاد رکھو یہاں ہر کوئی آگے بڑھنے کی دھن میں سرپٹ دوڑ رہا ہے اور کوئی بھی یہ زحمت نہیں کرتا کہ پیچھے رہ جانے والے لوگوں پر رحم اور ہمدردی کی ایک نظر ہی ڈال لے کیونکہ اتنی دیر میں کارواں آگے نکل جائے گا۔

URDU PHOTO

اباجی یہ موقع قدرت کی طرف سے انعام ہے آپ کی محنت اور جدوجہد کا۔ ایک مرتبہ آپ نے مجھ سے کہا تھا اور آج میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ پلیز اباجی اپنی سوچ کو محدود نہ ہونے دیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کی محنت رائیگاں نہیں جانے دیتا لیکن خوش قسمتی بھی بار بار دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ پلیز اباجی! اس آفر کے متعلق سنجیدگی سے سوچیں۔''

اباجی اس کی باتیں سن کر مسکرادیے۔ ''ہماری بیٹی خاصی سمجھ دار ہوگئی ہے' کیوں بانو کی ماں؟''

''سمجھداری ہی تو نہیں ہے اس میں۔'' اماں نے کہا۔

ماہ بانو کو اندازہ تھا کہ اماں جان کا اشارہ کس طرف تھا۔ اس کے دل میں ایک مرتبہ پھر کانٹا سا چبھ گیا' لیکن اس نے یوں ظاہر کیا' جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''نہیں ہماری بیٹی بہت سمجھ دار ہے۔'' اباجی نے اس کا دفاع کیا۔ پھر اس سے مخاطب ہوئے۔ ''بانو! میں جو فیصلہ کرنے سے کتراتا رہا تھا تو صرف اس لیے کہ میرے جانے کے بعد تمہاری اور تمہاری ماں کی دیکھ بھال کون کرے گا۔''

''اباجی ہم دونوں اتنے بڑے ہوچکے ہیں کہ اپنی دیکھ بھال خود کرسکیں۔'' اس نے کہا۔

''مجھے تو تم چھوٹی سی لگتی ہو۔'' اباجی نے پیار سے اس سے کہا۔

''آپ کو تو چھوٹی سی ہی لگوں گی لیکن میں چھوٹی ہوں یا بڑی' اپنی دیکھ بھال کرسکتی ہوں اور پھر اباجی ہم لوگ اپنوں کے درمیان رہ رہے ہیں اپنے دیس میں اپنی مٹی پر۔ اتنے لوگ باہر جاتے ہیں۔ اپنی فیملی چھوڑ کر' یہ کوئی نئی بات تو نہیں ہے اور پھر آپ نے کون سا ساری زندگی باہر گزار دینی ہے' بس دو چار سال پھر یہاں اپنا کاروبار سیٹ کرنا۔'' ماہ بانو نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

''یہی سب میرے خواب تھے کبھی' لیکن اب نہیں رہے۔ اب تم اور تمہاری اماں میرے لیے سب سے پہلے ہیں' باقی سب کچھ بعد میں' اور سچ تو یہ ہے کہ تمہاری اماں کے بغیر تو میں کہیں رہ ہی نہیں سکتا۔'' اباجی نے مسکرا کر اماں کی طرف دیکھا۔

''چھوڑیں اباجی' وہاں ایک سے ایک میم ہوگی۔ آپ کو اپنے فیصلے پر افسوس نہیں ہوگا۔'' اس نے اپنی ہنسی دبا کر شرارت سے کہا۔

''بے حیائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اپنے باپ کے سامنے ایسی بکواس۔'' اماں کا پارا چڑھ گیا تھا۔

''کوئی میم تمہاری ماں کا کیا مقابلہ کرسکتی ہے اگر میں نے جانے کا فیصلہ کرہی لیا تو تمہاری اماں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔''

''کیا مطلب ہے اور میں کہاں جاؤں گی؟ میری کوئی جگہ ہی نہیں اباجی۔''

''تمہاری جگہ جس گھر میں ہوگی' تمہیں وہاں بھجوادیں گے اور ہم دونوں اپنی مزے کی زندگی گزاریں گے۔''

اماں جان خوش ہوگئیں۔ ''شکر ہے آپ کو بھی بانو کی شادی کا خیال آیا۔ اس کے ساتھ کی لڑکیاں دودو بچوں کی مائیں بن چکی ہیں۔''

''ابھی اس سال تو بیس سال کی ہوگی ہماری ماہ بانو۔'' اباجی نے کہا۔

''اس کے ساتھ کی لڑکیوں کی پندرہ سولہ سال کی عمر میں شادی ہوچکی ہے۔ دیکھ لیں خاندان بھر میں اس کی عمر کی کوئی کنواری لڑکی نہیں ملے گی آپ کو۔ میری سنی ہوتی آپ نے تو اب تک یہ بھی اپنے گھر میں میاں اور بچوں کے درمیان ہوتی۔''

''پلیز اماں! اسٹاپ اِٹ' اس موضوع کو یہیں ختم کردیں۔'' اس نے کہا اور وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''دیکھا آپ نے؟ دیکھ لیا؟ پڑھ لکھ گئی ہے تو اماں باوا کی عزت دو کوڑی کی ہوگئی ہے اس کی نظر میں۔'' اماں نے کہا۔

''بچی ہے' میں نے تو مذاق میں کہہ دیا تھا' جانے دو اس بات کو۔'' اباجی چارپائی پر لیٹ گئے۔

''بس بہت ہوگئی بانو کے ابا' اٹھیں اور میری بات سنیں۔ میرا تو آدھا خون جل گیا ہے سوچتے سوچتے اور آپ کو پرواہ ہی نہیں۔''

''ہوا کیا ہے؟ وہ اتنی جلدی شادی نہیں کرنا چاہتی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے' کون سی اس کی عمر نکل گئی ہے۔ ان شاء اللہ' اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔ ابھی اسے ماں باپ کے گھر کے سکھ اٹھانے دو۔'' اباجی اٹھ بیٹھے۔

''آپ نے تو آنکھیں بند کررکھی ہیں' کھلی رکھیں تو آپ کو پتا چلے کہ قیامت ٹوٹ چکی ہے۔ میں ہر ایک کے سامنے اس پر پردے ڈالتی ہوں' لیکن اس سے حقیقت تو نہیں بدلے گی' اس سے پہلے کہ پانی سر سے اونچا ہوجائے' آپ کو اس کی شادی کرنا ہوگی۔''

''کیا کہہ رہی ہو بانو کی ماں؟ کون سی قیامت؟ ارے بھئی کہاں پانی سر سے گزرنے والا ہے' سیدھی بات تو تم کبھی کرتی ہی نہیں۔''

''میں کیا بات کروں جب آنکھیں رکھتے ہوئے آپ انجان بنے ہوئے ہیں۔ پہلے اس خاندان کے ہاتھوں میری بہن برباد ہوئی ہے' اب میں اپنی بیٹی کو اسی کنویں میں چھلانگ نہیں لگانے دوں گی' یہ بھی اسی طرح سیدھی سادی اور معصوم ہے' اسے نہیں خبر کہ یہ کیا کررہی ہے' لیکن ہم تو اسے بچاسکتے ہیں ناں؟ اس سے پہلے بانو کے ابا کہ یہ اس اندھے کنویں میں گر جائے' آپ کو اللہ واسطہ دیتی ہوں کہ اس کی شادی کردیں۔'' اماں جان کی آواز بھرآ گئی۔

''کچھ نہیں ہوتا بانو کی ماں' تم خواہ مخواہ گھبرا رہی ہو' وہم ہے تمہارا۔'' ابا جی نے انہیں تسلی دی۔

''وہم ہے' یہ وہم ہے میرا؟ اس کمبخت لڑکے نے پتا نہیں کیا پڑھ کر پھونک دیا ہے میری بچی پر کہ اسے ایک عبداللہ کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اس روز گاؤں میں اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہوں' اگر وہ عبداللہ سے شادی کرتی ہے۔'' اماں باقاعدہ آنسوؤں کے ساتھ رونے لگیں۔

''بانو کی ماں یہ ایک دم جل تھل نہ کر دیا کرو' ٹھنڈے دل سے سوچو۔'' ابا جی نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے بہت سوچا ہے جی' اور بانو صرف آپ کی نہیں میری بھی بیٹی ہے۔ ایک ہی ایک تو اولاد ہے میری۔ میں اسے ایسی شہ نہیں دے سکتی کہ اس کی زندگی تباہ ہو جائے۔ اپنی بہن کو رو چکی ہوں میں' اپنی بیٹی پر نہیں رونا چاہتی۔'' اماں ان کی بات کاٹ کر تیزی سے بولیں۔

''جذباتی باتیں مت کرو' ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو' ابھی یہ سب باتیں قبل از وقت ہیں' اور پھر عبداللہ میں برائی کیا ہے' تعلیم یافتہ ہے' روزگار کی اسے فکر نہیں' ان کی حویلی بھی اپنے ہی گاؤں میں سمجھو' ملنے جلنے میں بھی مجھے اس سے اچھا لڑکا اور کوئی نہیں لگا۔ پھر یہ ہے کہ ان کی حویلی کا ماحول بھی مختلف ہے سب پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ بڑی حویلی والی پابندیاں بھی نہیں ہیں وہاں' اس سے بہتر گھر کہاں ملے گا بانو کو۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں اور میں اس میں کوئی برائی بھی نہیں سمجھتا۔ یوں بھی ہم بانو کی مرضی کے بغیر اس کا رشتہ کہیں بھی طے نہیں کر سکتے۔'' ابا جی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''آپ نے بھی حد کر دی بانو کے ابا! یہ لوگ ناقابلِ اعتبار ہیں اور پھر ریشماں اس لڑکے کی منگیتر ہے۔ کیا اپنی منگیتر کو چھوڑ کر وہ اس سے شادی کر لے گا؟ اپنی مانگ چھوڑ سکتا ہے اس حویلی کا کوئی فرد؟ اور پھر پتا نہیں دونوں بھائیوں کی آپس کی دشمنی کیا رنگ لائے' نہ جانے کیسی آگ بھڑکے' میری بیٹی کیوں اس آگ کا شکار ہو۔ ایک مرتبہ بچ گیا عبداللہ لیکن ہر مرتبہ بچ جائے گا؟ نہ بابا نہ' میں باز آئی وہاں اپنی بیٹی دینے سے' اور آپ بھی سن لیں کہ وہاں بانوں کی شادی نہیں ہو سکتی۔

اور بانو کی مرضی کی کیا اہمیت؟ ہماری شادی کے وقت ماں باپ نے ہم سے پوچھا تھا؟ جہاں انہوں نے کہا' ہم نے گردن جھکا دی اور پھر اچھی بھلی پرسکون زندگی گزاری۔ اچھے برے دن مل کر گزارے کبھی لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ دو وقت کی روٹی چاہے روکھی سوکھی کھائی' لیکن عزت کے ساتھ وقت گزارا۔ اس کے علاوہ اور کیا چاہیے۔''

اچھا پھر بات کریں گے اس بارے پر۔ ابھی میں تھکا ہوا ہوں۔ کل سے کام بھی بہت بڑھ

URDU PHOTO

گیا ہے۔'' ابا جی لیٹ گئے۔

''ٹھیک ہے آپ آرام کریں' یوں بھی اب مزید کیا بات رہ گئی ہے کرنے والی۔'' اماں جی نے کہا۔

''ماہ بانو اپنے کمرے میں بیٹھی اماں اور ابا جی کی گفتگوں سن رہی تھی۔

''یا اللہ کیا کروں۔'' اس نے سوچا۔ ''لگتا ہے پاگل ہو جاؤں گی۔ اماں جی نے ابا کو کتنے ملفوفوں میں گاؤں والے واقعے کا حوالہ دیا ہے' حالانکہ جو کچھ ہوا اس میں حیدر بابا کا قصور کب تھا اور اب عبداللہ مجھ سے فلرٹ تو نہیں کر رہا۔ وہ جو چاہتا ہے' اسے منوانے کی صلاحیت بھی ہے اس میں وہ اسٹینڈ لے سکتا ہے میرے لیے۔

مجھے تو اب خبر ہوئی ہے کہ محبت کسے کہتے ہیں۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایک شخص کی محبت مجھے اس قدر بدل دے گی۔ وہ کون سا لمحہ ہے جب عبداللہ میرے ساتھ نہیں ہوتا۔ ہر وقت ہر لمحہ اس کا تصور میرے ساتھ رہتا ہے۔

پتا نہیں کس کی نظر لگ رہی ہے ہماری محبت کو' ایک مسئلہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ گھر میں اماں جان' گاؤں میں ریشماں اور زینی اور اب خادم حسین شاہ' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟''

☆=====☆=====☆

سبط حسن' نوازش اور حضور علی رات کا کھانا کھا کر ریشماں کے کمرے میں آ بیٹھے تھے۔ سبط اپنے کالج کے قصے سنا رہا تھا اور وہ دونوں یہ بتا رہے تھے کہ وہ اپنے ٹیوٹروں کا کیسے ناک میں دم کیے رکھتے تھے۔

''تم اچھے رہے سبط۔'' نوازش بولا۔ ''کسی انسٹی ٹیوشن میں پڑھنے کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ ہم یہیں حویلی میں ٹیوٹروں کے حوالے کر دیے گئے ہیں۔ اس طرح نہ تو پڑھنے میں مزا ہے اور نہ اُلٹی سیدھی حرکتیں کرنے میں۔''

''اور یہاں ہر وقت بابا جان سر پر رہتے ہیں۔ ذرا سی غفلت ہو پڑھائی میں تو شامت آ جاتی ہے' کبھی تو بالکل اچانک رات کو اس وقت طلبی ہوتی ہے' جب ہم سونے کے لیے ابھی لیٹے ہی ہوتے ہیں۔ بھاگ دوڑ کر بابا جان کے پاس پہنچتے ہیں تو حکم جاری ہوتا ہے کہ اپنی فلاں کتاب لاؤ اور وہیں پہ جان نکل جاتی ہے۔'' حضور علی نے ہنستے ہوئے نوازش کی تائید کی۔

''اتنے ناشکرے ہو تم دونوں' یہاں سب کے درمیان رہ رہے ہو' وہ بے چارا سبط گھر سے دور ہوتا ہے' پتا نہیں کتنی مصیبت ہوتی ہوگی اسے۔ یہاں تو بابا جان ہوتے ہیں اور وہ تو اتنا اچھا پڑھاتے ہیں۔ کاش مجھے پڑھایا کریں۔'' ریشماں نے کہا۔

وہ تینوں اس کی بات سن کر ہنس پڑے۔

''ہاں یہ سبط بے چارا گھر سے دور بہت مصیبتیں بھگت رہا تھا۔ ایسی مصیبتیں تو سب ہی بھگتیں۔''نوازش نے کہا۔

''دیکھیں آپی! میں آپ کا معصوم سا بھائی' یہ مجھ پر کیسے کیسے الزام لگا رہے ہیں' بھلا میں ایسی حرکتیں کر سکتا ہوں۔'' سبط نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سبط تو واقعی بہت پیارا ہے۔'' ریشماں نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

''آپی یہ!''نوازش' سبط کو تکیہ مار کر بولا۔''اس کی شکل پر نہ جائیں آپ' یہ اتنا پیارا ہے نہیں' جتنا نظر آتا ہے۔''

''تمہارا پروپیگنڈا سیل بہت اچھا ہے سبط' آپی تو کبھی مانیں گی ہی نہیں کہ تم وہاں ہمیں مس نہیں کرتے تھے۔''حضور علی نے کہا۔

''ان کی باتوں میں مت آنا آپی' میں کیا کرتا تھا سارا دن۔ صبح کالج' واپسی پر کھانا کھا کر کچھ دیر آرام اور پھر ساری شام اس کے ساتھ' جس کے بغیر میں رہ ہی نہیں سکتا۔ اتنے معصوم سے طریقے سے سارا دن گزارتا تھا۔'' وہ بولا

''یہ تفصیل بتاؤ کہ تم کس کے بغیر نہیں رہ سکتے؟''نوازش نے شرارت سے کہا۔

''تمہیں بتانے کی کیا ضرورت ہے' آپی کو بتا چکا ہوں میں۔'' وہ مزے سے بولا۔

''آپی! اس نے آپ کو کیا بتایا ہے' جلدی بتائیں۔''

ریشماں کھلکھلا کر ہنس پڑی۔''ایسے تو نہیں بتا سکتی ناں۔ سبط سے پوچھو' وہ اجازت دے دے تو بتا دوں گی۔''

''سبط! تم نے کتنی رشوت دی ہے آپی کو؟''حضور علی نے کہا۔

''یہ رشوت کی وجہ سے نہیں ہے' تم سب بھی اپنے سیکریٹ مجھے بتاؤ گے تو میں وہ بھی کسی کو نہیں بتاؤں گی۔'' ریشماں ہنسنے لگی۔

''شکر ہے آپی آپ بھی خوش رہنے لگی ہیں۔''نوازش بولا۔

''میں ہوں ہی بہت خوش' اس لیے خوش دکھائی بھی دیتی ہوں۔''

''ویسے تو اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے لیکن خصوصاً آج کل کیوں؟ لگتا ہے کوئی بہت خاص بات ہے اور آپ اپنا یہ سیکریٹ ہم سے شیئر نہیں کر رہیں کیوں سبط یہ غلط بات ہے ناں؟'' نوازش نے کہا۔

''وہم ہے تمہارا' کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' وہ پلکیں جھکا کر پھر ہنس دی۔

اسی وقت دروازے پر دستک دے کر کریمن اندر داخل ہوئی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اس کے پاس حویلی کے متعلق کوئی خاص خبر تھی۔

''کیا ہوا کریمن؟ کوئی خاص بات ہے؟'' ریشماں نے پوچھا۔

URDU PHOTO

''ہاں بی بی! بڑی بیگم نے کلام پاک کے ختم کا ارادہ کیا ہے۔ پرسوں حویلی میں ہی انتظام ہوگا تاکہ چھوٹی مالکن کے گھر بیٹا پیدا ہو۔''

ریشماں کا چہرہ متغیر ہوگیا۔

''اوہ گاڈ! ابھی اماں کا دل نہیں بھرا بیٹوں سے۔''حضور علی بولا۔

''میں تو کہتا ہوں کہ اب کے بیٹی ہو' مجھے چھوٹی چھوٹی پونی ٹیل والی بچیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔'' سبط نے کہا۔

''خدا کو مانو یار! وہ کوئی سگی بہن نہیں ہوگی' کزن ہوگی اور بابا جان اسے ہم میں سے ہی کسی کے متھے لگا دیں گے۔''نوازش ہنستے ہوئے بولا۔

''ہاں اور سخاوت بابا کا بھی دل چاہ رہا ہوگا کہ بیٹا ہو۔''حضور علی نے کہا۔

''بی بی خیر تو ہے' کہیں دشمنوں کی طبیعت خراب تو نہیں ہوگئی۔'' کریمن نے ریشماں کو دیکھا تو تشویش سے بولی۔

''نہیں' میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے بمشکل کہا۔

وہ تینوں بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''آپ کو کیا ہوا آپی؟''

انہیں مطمئن کرنے کے لیے وہ ہنس پڑی۔

''مجھے کیا ہونا ہے' میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم لوگ تو میرے لیے ایک لمحے میں ہی پریشان ہو جاتے ہو اور تم لوگوں کو پریشان دیکھ کر میں پریشان ہو جاتی ہوں۔''

انہیں کمرے سے رخصت کر کے وہ اماں جان کی خواب گاہ میں چلی آئی۔ وہ ابھی سوئی نہیں تھیں' البتہ قرآن پاک پڑھ کر لیٹ چکی تھیں۔ دو ملازمائیں ان کی ٹانگیں دبا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔

''ریشماں بیٹے! نیند نہیں آ رہی کیا؟'' یاسمین بیگم نے اسے اپنے قریب ہی مسہری پر بٹھا لیا۔

''نہیں۔''

''تھکی تھکی لگ رہی ہو' کیا ہوا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اماں جان! بہت بے چینی محسوس ہو رہی ہے' گھبراہٹ ہو رہی ہے بہت۔'' وہ بولی۔

''کیوں چندا؟ بھائیوں نے تو کچھ نہیں کہہ دیا؟''

''نہیں بھائی تو کبھی کچھ نہیں کہتے مگر......'' وہ کہتے کہتے رک گئی۔

انہوں نے ریشماں کی طرف بغور دیکھا۔ وہ مضطرب تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی' لیکن کہہ نہیں پا رہی تھی۔

''تم دونوں جاؤ اب۔'' انہوں نے ملازماؤں سے کہا اور ان کے جانے کے بعد ریشماں سے مخاطب ہوئیں۔

''اپنی اماں کو بھی نہیں بتاؤ گی چندا کہ کیا ہوا' کیوں پریشان ہو؟''

اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ یاسمین بیگم تڑپ اٹھیں۔ اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''کیا ہوا میری جان کچھ تو بولو' روتے نہیں ہیں بیٹا! میں ہوں ناں۔ تمہارے سب دکھ اپنی جھولی میں ڈال لوں گی' لیکن تم پر آنچ نہیں آنے دوں گی' مگر منہ سے تو بولو' ایسے کیسے پتا چلے گا مجھے؟''

''اماں جان! آپ سچ مچ چاہتی ہیں کہ چھوٹی چچی کے گھر بیٹا پیدا ہوا؟'' اس نے کہا۔

یاسمین کے دل میں جیسے کسی نے برچھے پیوست کر دیے۔ وہ جانتی تھیں کہ ریشماں نے یہ سوال کیوں پوچھا تھا؟

''بیٹا! میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے یہ تو قدرت کے کھیل ہیں' اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندوں کے لیے بہتر سمجھتا ہے' وہی کرتا ہے' اس کی خدائی میں کون دخل دے سکتا ہے' اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو میں دعا کرتی کہ تمہاری چھوٹی چچی بے اولاد رہتیں' لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ بھی دکھی عورت ہے' کتنی منتوں مرادوں کے بعد اس کے بعد اس کے گھر خوشی آ رہی ہے۔

ہاں خدا کی خدائی میں تو میں دخل نہیں دے سکتی۔ البتہ جو خدشے تمہارے ذہن میں ہیں انہیں جھٹک دو' مجھے مرنا پڑا تو یہ بھی کر گزروں گی' لیکن وہ سب نہیں ہونے دوں گی' جس کے لیے تم پریشان ہو رہی ہو۔''

''اماں جان!'' وہ ان سے لپٹ کر رو پڑی۔

پیر صاحب خواب گاہ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ سامنے ریشماں کو روتے اور یاسمین بیگم کو اسے چپ کراتے دیکھ کر وہ تیزی سے آگے بڑھے۔

''کیا ہوا ریشماں کو؟''

ان کی آواز سن کر ریشماں' یاسمین بیگم سے الگ ہو گئی اور بھیگی آنکھوں سے پیر صاحب کی طرف دیکھا۔

''بیٹا! کیوں رو رہی ہیں آپ؟'' انہوں نے مسہری پر بیٹھ کر اس کا سر اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔

''نہیں بابا جان کچھ نہیں۔'' اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''اپنے بابا جان کو بھی نہیں بتائیں گی؟''

آنسو ایک مرتبہ پھر بہنے لگے۔ اسے یاد نہیں تھا کہ کتنے برس بیت گئے تھے' جب بابا جان نے یوں اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ساری زندگی یوں ہی ان کی آغوش میں بسر کر دے یوں لگا جیسے ساری دنیا میں بس یہی چھاؤں اور یہی پناہ گاہ تھی۔

وہ جانتی تھی کہ بابا جان کو اس سے بہت محبت تھی اور یہ بھی کہ خود وہ ان سے بے تحاشا محبت کرتی تھی' مگر پھر بھی بہت سی باتیں تھیں جو وہ ان سے نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ان سے اس قدر قریب نہیں تھی بلکہ وہ تو کسی سے بھی اس قدر قریب نہیں تھی سوائے ماہ بانو کے۔ اماں جان تھیں جن سے کبھی کبھار وہ اپنے دل کی کوئی بات کہہ دیتی تھی۔ وہ خود البتہ سب کچھ سمجھ جاتی تھیں۔

''یاسمین بیگم! ہماری بیٹی کیوں رو رہی ہے؟ آپ نے اسے کچھ کہا ہے؟'' پیر صاحب کے لہجے میں سختی تھی۔

''پیر صاحب! آپ کی سگی اولاد ہے پھر بھی آپ کو پتا کیوں نہیں چلتا کہ کیوں رو رہی ہے؟'' انہوں نے دکھ کے ساتھ کہا۔

یاسمین کی بات سے پیر صاحب کا مزاج برہم تو کیا' لیکن ریشماں کی موجودگی میں انہوں نے اس کا اظہار مناسب نہیں سمجھا اور اسے چپ کراتے رہے۔

''بابا جان! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''کیوں بیٹا؟ ہم ہیں ناں آپ کے ساتھ' آپ کے بھائی ہیں' آپ کی اماں جان ہیں پھر کیوں ڈر لگتا ہے آپ کو؟''

''یہ کچھ نہیں بتا پائے گی پیر صاحب کیونکہ اس کی زبان پر حویلی کی روایتوں نے تالے لگا رکھے ہیں' اور اس سے پوچھتے بھی کیوں ہیں؟ میں اس کی سوتیلی ماں ہوں' مگر آپ کی یہ سگی اولاد ہے' اس کے آنسو اپنی داستان خود سنا رہے ہیں؟ آپ سن نہیں سکتے یا سننا نہیں چاہتے ہیں؟'' یاسمین بیگم نے تلخی سے کہا۔

ریشماں گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی بھیگی ہوئی شربتی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں بہت واضح تھیں' چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بننے لگے تھے۔

پیر صاحب جو یاسمین بیگم کو کچھ کہنے لگے تھے ریشماں کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ٹھٹک کر رہ گئے۔ وہ خوفزدہ تھی' کمزور ہو گئی تھی اور کچھ نہ کہہ سکنے کے باعث اندر ہی اندر گھٹ رہی تھی۔

اس لمحے انہیں شدت کے ساتھ اپنی شکست کا احساس ہوا۔ انہیں لگا جیسے وہ سب کچھ ہار چکے ہوں۔ انہوں نے ہر موقع پر حیدر علی شاہ کو زک پہنچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں بہت حد تک کامیاب رہے تھے۔ اپنا بہت پیارا بیٹا گنوا دینے کے باوجود بھی انہیں شکست کا ایسا احساس نہیں ہوا تھا' جیسا کہ ریشماں کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر ہوا تھا۔

وہ رو رہی تھی۔ حیدر علی شاہ کے بیٹے کے لیے اور انہوں نے زرینہ سے اپنی روح کی گہرائیوں کے ساتھ محبت کی تھی' مگر اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ نہ محبت نہ ہنسی' نہ آنکھوں کی چمک۔ ہاں جاتے جاتے وہ اپنی سب سے خوبصورت' سب سے قیمتی نشانی چھوڑ گئی تھی۔

وہ اذیت ناک دن وہ کبھی نہیں بھول سکتے تھے' جب زرینہ سے دور ہو کر انہیں ایک ہی خیال ستاتا تھا۔

''جب وہ میرے پاس ہوتی ہے تو کس کے متعلق سوچتی ہے' جب اس کا جسم میرے پاس ہوتا ہے تو اس کا دل اور اس کی روح کس کے پاس ہوتی ہے کسے ڈھونڈتی ہے؟''

تب انہیں لگتا کہ قدرت ان کو کسی بات کی سزا دے رہی تھی۔ یہ تازیانے جوان کے جسم پر نہیں روح پر گھاؤ لگا رہے تھے' اس سے کہیں زیادہ سخت تھے جو انہوں نے اچھو کے جسم پر لگائے تھے۔

اور ان باتوں کے سوچتے ہی وہ قدرت سے انتقام لینے پر تل جاتے تھے۔ وہ ساری دنیا کو نیچا دکھا دینا چاہتے تھے۔ زرینہ کی خون میں بھیگی لاش دیکھنا چاہتے تھے اور جب اس کے کمرے میں پہنچتے تھے' اسے دیکھتے تھے تو ہر ارادہ خود بخود پانی کے بلبلے کی طرح لمحوں میں ختم ہو جاتا تھا۔

پھر ایک دن انہیں خبر ہوئی کہ محبت کی منزل تو انہیں مل گئی تھی' مگر حیدر علی شاہ نے اس کے باوجود انہیں شکست دے دی تھی۔ اس لمحے حیدر علی شاہ کے لیے' اپنے چھوٹے بہت پیارے بھائی کے لیے نفرت کا جو احساس ان کے دل میں جاگا تھا' برسوں بیت جانے کے باوجود بھی ختم نہ ہو سکا تھا۔

زرینہ ان کی زندگی میں داخل ہوئی تو اس کے پاس صرف سانس کی ایک چلتی ڈور تھی' باقی سب کچھ حیدر علی کا تھا۔ پھر وہ ڈور بھی نہ رہی اور وہ منوں مٹی تلے سکون کی نیند جا سوئی' مگر ان کے دل میں ایسی خلش چھوڑ گئی جو پھانس بن کر آج تک چبھ رہی تھی۔ کبھی وہ حساب لگانے بیٹھتے تھے کہ کہاں کہاں انہوں نے حیدر علی کو شکست دی اور کس جگہ وہ ہارے' یہ حساب بہت سادہ تھا۔

حیدر علی نے محبت کی اور اس کی محبت کو حاصل کیا انہوں نے۔ یہ واضح فتح تھی حیدر علی شاہ پر' لیکن جب انہیں یہ احساس ہوتا کہ پا لینے کے بعد بھی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تو ان کی فتح خود بخود شکست میں بدل جاتی تھی' مگر وہ اسے ماننے پر تیار نہیں تھے پھر انہوں نے ریشماں کا رشتہ عبداللہ کو دینے کے باوجود دل میں یہ ٹھان لی کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی صورت وہاں نہیں کریں گے۔ انہیں اندازہ تھا کہ خود حیدر علی کو بھی اس شادی کی کتنی شدت سے آرزو ہو گی اور کم از کم اس مقام پر وہ اسے فتح سے ہمکنار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے پیر صاحب جلال الدین کی وفات کے بعد حیدر علی کو بہت کم اور سب سے بری زمینیں دی تھیں' جن کا مقدمہ آج تک لاہور

URDU PHOTO

کی عدالتوں میں زیر سماعت تھا۔ انہوں نے خود سے خادم حسین اور امداد علی کے رشتے زہرا اور زینب سے طے کر دیے تھے۔ جب حیدر علی نے دونوں بچیوں کو پڑھانا چاہا تھا تو ان پر فائرنگ کروادی تھی' اس کی اولاد کو اس سے دور کر دیا تھا' کھڑی فصلوں میں آگ لگوا دی تھی اور بھی ہر حربہ آزمایا تھا اسے تنگ کرنے کا' اشتعال دلانے کا' اس سے انتقام لینے کا۔

مگر ہوا کیا تھا؟ ایک مرتبہ انہوں نے اپنی بہنوں کی آنکھوں میں خوف دیکھا تھا۔ اپنے بھائی کے لیے اور آج وہ ریشماں کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں دیکھ رہے تھے' اس کے اپنے باپ کے لیے' اور زرینہ تھی جو غم اور خوشی' خوف اور بے خوفی کے تمام حصار توڑ چکی تھی۔

زرینہ کو کھو کر احساس ہوا تھا کہ وہ اس سے کتنی شدید محبت کرتے تھے اور انہوں نے سوچا تھا کہ کیا کسی چیز' کسی شخص کی قدر و قیمت جاننے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ کھو جائے؟ انہوں نے اس کی نشانی کو بہت محبت' بہت پیار سے پالا تھا' اس کی خاطر اپنے کئی اصول توڑے تھے' اس نے پڑھنا چاہا تھا اور انہوں نے انکار نہیں کیا تھا کیونکہ زرینہ نے مر کر انہیں بہت بڑا سبق دیا تھا کہ محبت میں انا نہیں ہوتی' محبت تو بس صرف محبت ہوتی ہے۔

یہ سبق ان کے مزاج کے خلاف تھا اسے جان لینے اور سمجھ لینے کے باوجود بھی وہ اس پر عمل نہیں کر سکے تھے' مگر ریشماں کی آنکھوں کے خوف اور زرد پڑتی رنگت نے انہیں وہ بھولا بسرا سبق یاد کروا دیا تھا۔

''لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔'' انہوں نے اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر سوچا۔

''ہم سب اپنی انا اور اپنی دشمنی میں اتنے آگے بڑھ آئے ہیں کہ واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا۔''

☆=====☆=====☆

خادم حسین اور مکرم اپنے گھر کے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خادم حسین کے ہاتھ میں کاغذ تھا جس پر لکھی تفصیلات وہ مکرم کو سنا رہا تھا۔

نام:۔ ماہ بانو

عمر:۔ تقریباً بیس سال

باپ کا نام:۔ منظور حسین۔ (نیاز پور شریف کے مولوی نعمت اللہ صاحب کا داماد)

پیشہ:۔ کمہار

ماہ بانو کی تعلیم:۔ زیر تعلیم سال دوم' آرٹس کالج

شعبہ:۔ فائن آرٹس

دوستوں کے نام:۔ تعداد بہت زیادہ ہے چند گنے چنے نام یہ ہیں۔ اُما دیوی (جو کہ ایک ہندو لڑکی ہے) والد بزنس مین۔

نیہاں:۔اسلام آباد میں مقیم ایک بڑے بیوروکریٹ کی بیٹی۔

عبداللہ:۔حیدر علی شاہ کا بیٹا۔

عدنان:۔(جسے عموماً ایڈی کہا جاتا ہے) والد ریٹائرڈ آرمی آفیسر۔

ظہیر:۔والد ریٹائرڈ پروفیسر۔

جاوید:۔(جسے عموماً جیمز کہا جاتا ہے) اکیلا رہتا ہے' والد یا والدہ کا پتا نہیں مل سکا۔

فہرست طویل تھی اور ان ناموں کے بعد بھی بیس پچیس نام موجود تھے۔خادم حسین' مکرم کو بتاتا جا رہا تھا۔

''عبداللہ اور یہ لڑکی ایک ہی کالج میں پڑھ رہے ہیں اور اتفاق سے ایک دوسرے کے دوست بھی ہیں' مگر کیا یہ محض اتفاق ہے۔'' مکرم نے خادم حسین کی بات سننے کے بعد کہا۔

''اس بارے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہے کہ کیا یہ محض اتفاق ہے؟ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ تفصیل کے مطابق یہ ریشماں کی کزن ہے اور اکثر ریشماں اس کا ذکر کرتی رہا کرتی تھی اور مجھے خبر بھی نہیں ہوسکی کہ جیسی لڑکی میں چاہتا تھا' وہ مجھ سے اتنے قریب تھی۔'' وہ بولا۔

''اپنے گاؤں کی لڑکی ہے' مولوی صاحب کی نواسی ہے' اس کا تو مسئلہ ہی نہیں ہے' بس ایک چٹکی بجانے کی دیر ہے۔''

''نہیں مکرم' میں اس کے لیے ایسا نہیں چاہتا۔یہ بھی مت بھولو کہ وہ ریشماں کی کزن ہے' اس کی دوست ہے اور مولوی صاحب کی نواسی ہے' ویسے بھی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ابھی بہت سے اور کام بھی ہیں کرنے کے لیے' وہ نپٹا کر پھر اس طرف توجہ دیں گے۔'' خادم حسین نے کہا۔

''ایک اور مسئلہ بھی ہے سبط کا۔'' مکرم بولا۔

''ہاں' میری بابا جان سے بات ہوئی تھی اس بارے میں۔ابھی بچہ ہے وہ امریکہ جائے گا تو اس کے رنگوں میں سب کچھ بھول جائے گا۔میں نے بابا جان سے بھی کہا ہے کہ اس سلسلے میں زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ابھی بہت وقت پڑا ہے سبط کے کچھ بننے میں۔برسوں بعد اسے یاد بھی نہیں ہوگا کہ اس کی زندگی میں زینب نام کی کوئی لڑکی بھی آئی تھی' یہ اسے بھول جائے گا' وہ بھی اسے بھول جائے گی' یونہی یہ زندگی چلتی ہے' آج کل کس کے پاس وقت اتنا ہے کہ بچپن کی محبت کو یاد رکھے۔''

''میرا نہیں خیال کہ ایسا ہے' آپ سب ایک سنجیدہ بات کو بہت لائٹلی لے رہے ہیں۔''

''تم ضرورت سے زیادہ سیریس ہو رہے ہو اور کچھ نہیں۔جب عبداللہ شاہ کی خون میں لت پت لاش اس کی حویلی پہنچے گی تو کیا اس کی بہن اسے قتل کرنے والوں کی حویلی میں بہو بن کر داخل ہونا پسند کرے گی؟ نہیں۔'' خادم حسین نے کہا۔

''میں اس لڑکی کی دیدہ دلیری پر حیران ہوں۔وہ ہماری حویلی میں داخل ہوئی' اماں جان اور ریشماں آپی سے ملی اور پھر سبط کے ساتھ مزے سے چلتی ہوئی واپس چلی گئی' بلکہ جب میں نے سبط کو روکا تو وہ تنقیدی نظروں سے میرا جائزہ لیتی رہی۔''

خادم حسین ہنس پڑا۔''یقین کرو اسے تم پر تنقید کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔تم اتنے ہینڈسم ہو کہ کوئی بھی لڑکی باآسانی تم پر پھسل سکتی ہے۔''

☆=====☆=====☆

پرل اور آواری میں ہونے والی نمائش بھی بے حد کامیاب رہی تھی۔انہیں ان کی توقعات سے بڑھ کر رسپانس ملا تھا۔ماہ بانو تو خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔بس اسے ایک بات کا افسوس تھا کہ تھیسس کی مصروفیت کے باعث عبداللہ دونوں جگہوں پر بمشکل تمام آدھا گھنٹہ رک سکا تھا۔

وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی تھی' اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس دوران کیا کیا واقعات پیش آئے تھے۔لوگوں نے کس کس انداز میں ان کے بنائے ہوئے سرامکس پیس کی تعریف کی تھی اور یہ بھی کہ اماں جی اس پر کس قدر مہربان ہو رہی تھیں۔انہیں فکر تھی کہ اگر بانو نے اتنی زیادہ محنت کی تو وہ کمزور رہ جائے گی اور بھی نہ جانے کیا کیا۔ایک مرتبہ باتیں شروع ہو جاتیں تو شاید ختم ہی نہ ہوتیں۔

اس روز بھی عبداللہ اور اپنے باقی دوستوں سے ملنے کے لیے اس کا دل شدت کے ساتھ مچل رہا تھا۔

''ابا جی! یہ بات ہوئی بھلا۔ہمارے گھر فون بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''کسے کرنا ہے فون؟ ساتھ والوں کے گھر سے کرلو۔'' ابا جی نے کہا۔

''سب دوستوں کو کرنا ہے' اماں جی نے انہیں گھر آنے سے منع کر دیا ہے' کالج میں نہیں ہوتی' اب میرا بہت دل چاہ رہا ہے سب سے ملنے کے لیے' ہائے قسم سے اُما ہی ہوتی یہاں۔''

''ٹک کر بیٹھو گھر میں' زیادہ دھوپ میں نکلو گی' تو کالی ہو جاؤ گی۔'' اماں نے کہا۔

''اس سے زیادہ کالی نہیں ہوسکتی' اب تو اتنی کالی ہو چکی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو ترس کھا کر مجھے گورا کر دینا چاہیے۔''

''حد ہوتی ہے ناشکری کی بھی۔'' اماں نے بگڑ کر کہا۔

''میں نے تمہیں شکل و صورت کے معاملے میں کبھی خوش نہیں دیکھا بانو' کیا کمی ہے بیٹا تم میں؟ ایسے نہیں کہا کرتے۔'' ابا جی بولے۔

''چھوڑیں ابا جی! خوش تو میں تب ہوتی' اگر میں بھی ریشماں جیسی خوبصورت ہوتی' خوبصورتی تو اسے کہتے ہیں۔''

''تمہارے بس میں ہوتا تو تم اس کی صورت شکل بھی چھین لیتیں۔'' اماں کے انداز میں تلخی آ گئی۔

ماہ بانو کا چہرہ خفت سے سرخ ہوگیا۔ احساسِ توہین اور ذلت سے اس کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ ابا جی کو ایک لمحے میں ہی صورتِ حال کی سنگینی کا احساس ہوگیا۔ ماہ بانو ان کی اکلوتی اولاد تھی اور بے حد لاڈلی بھی جب وہ بہت چھوٹی سی تھی تب سے ان کے دل میں یہ حسرت تھی کہ وہ اپنی بیٹی کے سامنے دنیا بھر کی ہر نعمت ڈھیر کردیں' مگر یہ ان کے بس میں نہیں تھا اور جب بھی وہ اس کی کوئی خواہش پوری نہیں کر سکتے تھے۔ دکھ کے احساس کی وجہ سے کتنے دن تک ٹھیک سے سو بھی نہیں سکتے تھے' انہیں تب تک چین نہیں آتا تھا جب تک وہ اس کی مطلوبہ چیز اس کے سامنے لا کر رکھ نہیں دیتے تھے' وہ تو ایک لمحے کے لیے بھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے اور اب وہ بار بار پلکیں جھپکا کر آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جنگل میں مور ناچا' کس نے دیکھا' ہوگی ریشماں خوبصورت' ہمیں کیا پتا' ہم تو اپنی بیٹی کو دیکھتے ہیں اور جیتے ہیں۔ کیوں بانو! سچ بتاؤ کہ ایسی شکل وصورت کا کیا فائدہ' جسے کوئی دیکھتا ہی نہ ہو' ایسی زندگی کا کیا فائدہ جو ایک کونے میں پڑے پڑے گزاری جائے جس پر دنیا کے دروازے بند ہوں' نہیں بھئی نہیں' ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کے صلے میں ویسی ہی پیاری بیٹی دی ہے' جیسی ہم چاہتے تھے۔ یہی ہماری آنکھوں کی روشنی اور نور ہے' یہی ٹھنڈک ہے۔'' ابا جی نے کہا۔

ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆=====☆=====☆

کالج میں چھٹیاں ختم ہونے والی تھیں۔ نیہاں بھی لاہور آئی ہوئی تھی۔ اس کا اور ماہ بانو کا عبداللہ کی طرف جانے کا پروگرام بن گیا۔

ملازم نے دونوں کو ڈرائینگ روم میں بٹھایا اور خود عبداللہ کو اطلاع دینے چلا گیا۔

''شاہ صاحب سوئے ہوئے ہیں۔ میں ابھی انہیں جگا کر اطلاع کرتا ہوں۔'' اس نے کہا تھا۔

اور وہ اس کے جانے کے بعد وہیں بیٹھی اس کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔

''مجھے عجیب سا لگ رہا ہے نیہاں' دیکھو اتنے خوبصورت کرسٹلز کے درمیان میرا بنایا ہوا سرامکس پیس کچھ غلط نہیں لگ رہا۔ یوں جیسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تم خواہ مخواہ کیوں کامپلیکس میں مبتلا ہو جاتی ہو۔ اتنا اچھا تو لگ رہا ہے۔ میں تو عبداللہ کے گھر کے انٹیریئر پر عاشق ہوں۔ ہر چیز اتنی خوبصورت ہے اور اتنے مناسب انداز میں رکھی ہوئی ہے' بھی کسی بڑے گھر میں داخل ہو جاؤ تو لگتا ہے کہ کسی دکان میں داخل ہو گئے ہوں۔ قیمتی

اور امپورٹڈ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوتا ہے' لیکن یہاں آ کر ایسا محسوس نہیں ہوتا۔''

''سنو نیہاں' یہ پیانو کہاں بج رہا ہے؟'' ماہ بانو نے کان لگائے۔

''ہاں' کافی دیر سے بج رہا ہے اور بہت اچھا' لگتا نہیں ہے کہ ریکارڈنگ ہو' ایسا محسوس ہو رہا ہے' جیسے کوئی یہیں کسی کمرے میں بجا رہا ہو' ہیں نا؟''

ابھی وہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ پیانو کی آواز آنا بند ہوگئی اور پھر کچھ ہی دیر بعد زینی ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ کیولاٹس اور ٹی شرٹ میں ملبوس کندھوں تک کٹے بال کھلے چھوڑے ہوئے۔ وہ یوں اندر داخل ہوئی جیسے وہاں آنا نہ چاہتی ہو اور مجبوری میں آنا پڑا ہے۔

''بھائی تھکے ہوئے آئے تھے۔ دیر تک کام کرتے رہے تھے' اس لیے سو گئے تھے۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ لوگ انتظار کریں' وہ آ رہے ہیں اور مجھے کہا ہے کہ آپ کو کمپنی دوں۔'' وہ کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تم دونوں تو آپس میں پہلے نہیں ملے' اس لیے تم لوگوں کا تعارف کروا دوں۔'' ماہ بانو نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

اسے امید نہیں تھی کہ یہاں اس کی ملاقات زینی سے ہوگی۔

''یہ ہے نیہاں' ہماری کالج فیلو اور میری اور عبداللہ کی مشترکہ دوست...... اور نیہاں یہ زینب ہے عبداللہ کی بہن۔ سب پیار سے اسے زینی کہتے ہیں۔''

نیہاں کو ماہ بانو' زینی سے اپنی ملاقات کا قصہ سنا چکی تھی اور اُما کی طرح اسے بھی زینی کی باتوں پر بہت غصہ آیا تھا۔

''اور زینی آج کل تم کیا کر رہی ہو؟'' ماہ بانو نے اس سے پوچھا۔

''امریکہ جانے کی تیاری کر رہی ہوں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''کب ارادہ ہے جانے کا؟''

''اس منگل کو فلائٹ ہے۔''

''زہرا نہیں آئی تمہارے ساتھ؟''

''وہ اپنے کمرے میں ہے۔''

زینی کے مختصر سے جوابات اور اس کا شکوے گلے سے بھرپور انداز ماہ بانو کو ٹینشن میں مبتلا کر رہا تھا۔ پہلے تو اس نے کوشش کی تھی کہ بات سے بات نکال کر اپنے اور زینی کے تعلقات کو بہتر بنائے' مگر زینی کے انداز نے اسے خاموش کر دیا۔ نیہاں نے زینی پر توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی اور ایک رسالہ اُٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی تھی۔ ماہ بانو چپ چاپ بیٹھی اپنے ناخنوں سے نیل پالش کھرچتی رہی۔ اسے زینی کی تیز نگاہوں کا اندازہ اس کی طرف دیکھے بغیر بھی ہو رہا تھا۔

"ذرا ایک بات تو بتائیں۔" زینی کی آواز نے ماہ بانو کو چونکا دیا۔

"آپ بھائی سے ملنے یہاں بھی آتی ہیں؟" اس نے تیکھے انداز میں کہا۔

زینی نے کہا اور ماہ بانو شرم سے سرخ ہوگئی۔ اسے اس قسم کی بات کی توقع نہیں تھی۔ بات تو خیر اپنی جگہ تھی مگر جس لہجے میں زینی نے کہا تھا' وہ بالکل یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کہنا چاہتی ہو کہ یہاں تو بھائی کا پیچھا چھوڑ دو۔ ماہ بانو نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر زینی اس کے بولنے کا انتظار...... کرتی رہی۔ مگر پھر اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

"میرا خیال تھا کہ گاؤں میں ملاقات محض اتفاق تھا۔"

انداز میں گلے شکوے تھے تمسخر تھا' حقارت تھی اور نہ جانے کیا کیا۔

نیہاں نے رسالہ واپس میز پر رکھ دیا اور ماہ بانو کی طرف دیکھا' جو ہونٹ کاٹ رہی تھی پھر زینی کی طرف دیکھا جو ماہ بانو کی طرف ہی متوجہ تھی اور شاید اسے کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی۔

"تم سبط سے ملنے کہاں کہاں جاتی ہو؟" نیہاں نے جوابی کارروائی شروع کی۔

"میں نہیں جاتی' سبط آتا تھا۔" وہ بولی۔

"اور وہ تم سے ملنے تمہاری حویلی بھی آیا تھا ناں' یا تم گئی تھیں اس کی حویلی اس سے ملاقات کرنے؟" نیہاں نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں حویلی میں اس سے ملنے نہیں گئی تھی۔ اپنی ریشماں بھابی سے ملنے گئی تھی۔"

"چھوڑو بھی نیہاں۔" ماہ بانو نے گھبرا کر کہا۔

"ایسے نہیں چھوڑوں گی' جس شخص کو دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا نہ آتا ہو اس کے جذبات کا احترام کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔" نیہاں نے ماہ بانو سے کہا۔

"میں سب کے جذبات کا احترام کرتی ہوں' یہ سبق میرے بجائے اپنی سہیلی کو پڑھائیں' یہ آپ کی سہیلی ہے جس نے جس لڑکی سے بہن ہونے کا' دوست ہونے کا دعویٰ کیا' سب کچھ جانتے ہوئے بھی یہ اس سے اس کی محبت چھین رہی ہے۔ ٹھیک ہے ریشماں آپی بے شک میری بھابی نہ بنیں' بے شک یہ ان کی جگہ لے لے' لیکن مجھ سے تو میرے بھائی کا رشتہ ختم نہیں ہو سکتا ناں۔ میں نے بھی تمہاری زندگی اجیرن نہ کردی تو میرا نام بھی زینب علی نہیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر پاؤں پٹختی واپس چلی گئی۔

"کس قدر ال مینرڈ بدتمیز اور جنگلی لڑکی ہے۔" نیہاں نے کہا۔

"خواہ مخواہ اس سے ناک لگانے کی کیا ضرورت تھی نیہاں' وہ بہت چھوٹی ہے ابھی۔" ماہ بانو کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"اتنی چھوٹی بھی نہیں ہے' کیا عمر ہوگی اس کی پندرہ یا سولہ سال' کتنی چھوٹی ہوگی ہم سے؟ چار پانچ سال اور تم سے بھی کہہ رہی ہوں بانو کہ خاموش رہ کر اسے زیادہ سر چڑھانے کی ضرورت

نہیں۔"

"وہ کیا کرسکتی ہے سوائے اس کے کہ کچھ بول کر دل کا غبار نکال لے۔ نکال لینے دو اسے یہ غبار...... سبط کی وجہ سے وہ ریشماں کے قریب آگئی ہے' اسے دکھ ہو رہا ہے یہ دیکھ کر کہ عبداللہ ریشماں کے بجائے میری طرف متوجہ ہے' اور میں اسے کیا کہوں' ایک وہی کیا' میرے اردگرد موجود سب ہی لوگ ایسی باتیں کر رہے ہیں اور اگر منہ سے نہیں کہہ سکتے تو آنکھوں سے کہہ دیتے ہیں۔"

اسی وقت عبداللہ اندر داخل ہوا۔

"آئی ایم سوری' مجھے آنے میں تھوڑی سی دیر ہوگئی اور زینی کہاں ہے۔ میں نے اسے تم لوگوں کے پاس بھیجا تھا۔"

"یہیں بیٹھی ہوئی تھی' ابھی شاید کسی کام سے اُٹھ کر گئی ہے۔" ماہ بانو نے جلدی سے کہا۔

"اتنا کام سر پر آ پڑا ہے کہ کسی طرف دیکھنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی۔ پھر تمہاری طرف فون بھی نہیں ہے۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اور چاہے کسی طرف دیکھو یا نہ دیکھو' لیکن پلیز بانو کی طرف دیکھ لیا کرو۔ حد کرتے ہو تم لڑکے بھی' جب تک لڑکی ملتی نہیں ہے تب تک سو جتن ہوتے ہیں اسے دیکھنے اور اس سے بات کرنے کے لیے اور جب مل جاتی ہے تو اسے ایک کونے میں رکھ کر بھول جاتے ہیں۔" نیہاں نے کہا۔

ماہ بانو اور عبداللہ ہنس پڑے۔

"یہ تم غلط بات کر رہی ہو نیہاں' عبداللہ تو واقعی بہت مصروف ہے۔"

"مجھے یقین تھا کہ ابھی تم ہی اس کی صفائی پیش کرنے لگو گی۔ حقوقِ نسواں کی گاڑی چلتی نہیں ہے کہ تم جیسی لڑکیاں اسے جھٹکے دے کر روک دیتی ہیں...... سخت افسوس ہے۔" نیہاں نے کہا۔

"اچھا عبداللہ یہ بتاؤ کہ اُما کی کوئی خیر خبر؟ وہ کب آ رہی ہے واپس؟" ماہ بانو نے پوچھا۔

"وہ تو کالج کھلنے کے شاید دو دن بعد آ رہی ہے ہوسٹل میں ابھی اس کا لیٹر آیا تھا ایڈی کی طرف' وہ سب کو بہت مس کر رہی ہے اور سب سے ملنے کے لیے سخت بے چین ہے۔" اس نے بتایا۔

"ہم نے تو وہ تصویریں بھی نہیں دیکھیں جو اس نے بھجوائی ہیں۔" نیہاں کو خیال آیا۔

"وہ تو ایڈی کے پاس ہیں' چلو ایسا کرتے ہیں کہ اس کی طرف چلتے ہیں' وہ ابھی سویا ہوگا' اسے جھنجھوڑیں۔" عبداللہ نے کہا۔

"مگر میں نے اباجی سے وہاں جانے کی اجازت نہیں لی۔" ماہ بانو نے کہا۔

"چلوتو اسے یہاں بلوا لیتے ہیں۔" عبداللہ نے ٹیلی فون قریب کھسکایا۔

ایڈی کا گھر کینٹ میں تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بھی آ گیا۔ نیہاں اور ماہ بانو تصویریں لے کر بیٹھ گئیں۔ سب تصویریں بہت اچھی تھیں۔ ہر ایک کے پیچھے تفصیل بھی درج تھی۔

"یہ کون ہے جو اُما کے ساتھ ہر تصویر میں موجود ہے؟" نیہاں نے کہا۔

"یہی تو وہ رقیب رُوسیاہ ہے میرا۔ آنند...... پتا نہیں اُما کو کہاں سے یہ ہینڈسم نظر آتا ہے۔ شکل دیکھی ہے اس کی۔" ایڈی بولا۔

نیہاں نے ماہ بانو کو آنکھ ماری' پھر ایڈی سے مخاطب ہوئی۔

"ویسے تم سے تو زیادہ اسمارٹ ہے۔"

"کیا؟" ایڈی چلایا۔

"اگر تمہاری چوائس کی یہی حالت ہے' نیہاں تو مجھے تمہاری دماغی کیفیت پر شک ہونے لگا ہے۔"

"خدا نہ کرے کہ میں اسے چوز کروں۔" نیہاں نے تیزی سے کہا۔

وہ سب ہنس پڑے۔

"اور خط میں تمہیں کیا لکھا ہے اس نے؟" ماہ بانو نے پوچھا۔

"کمال کرتی ہو تم بھی۔ یہ سیکرٹ کیسے آؤٹ کردوں۔ ویسے ایک خط میرے پاس ہے' اس کی چند ایک سطریں تمہیں سنا سکتا ہوں۔" ایڈی نے کہا اور اپنا والٹ کھول کر اس میں سے چار پانچ تہہ شدہ کاغذ نکال لیے۔

"یہ پورا خط ہے یا اس میں دوسرے کاغذ بھی شامل ہیں؟" نیہاں نے تنقیدی نگاہوں سے خط کی طرف دیکھا۔

"یہ خط ہے بلکہ اس کا ایک مختصر سا حصہ ہے۔" ایڈی نے تہہ شدہ کاغذ کھولے۔

"ایک مرتبہ اُما آئے تو میں اس سے پوچھوں گی' ہمیں اتنے چھوٹے چھوٹے خط لکھتی ہے اور دیکھو بانو اسے کتنا لمبا خط لکھا ہے ذرا واپس آنے دو اسے۔"

"اچھا بتاؤ ناں ایڈی کہ اس نے کیا لکھا ہے؟" ماہ بانو نے بے چینی سے پوچھا۔

"ٹھہرو دیکھنے دو کہ یہاں سے سناؤں۔" اس نے کاغذوں پر نظر ڈالی پھر بولا۔

"ہاں لکھتی ہے کہ پورے قیام کے دوران مجھے جے پور سب سے زیادہ پسند آیا۔ فلم "لمحے" کی شوٹنگ جس محل میں ہوئی تھی' وہ بھی دیکھا اور وہ جو "ہوا محل" کی ہم نے تصویریں دیکھی تھیں کتاب میں اور ہم سب کو بہت پسند آیا تھا۔ وہ بھی دیکھا۔ کیا بتاؤں کہ اصل میں وہ کتنا خوبصورت ہے۔

جب ہم جے پور پہنچے تو ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ وہاں اتنے خوبصورت مور تھے۔

مجھے بہت اچھا لگا۔ آنند نے میری پسندیدگی دیکھی تو کہنے لگا کہ بتاؤ پاکستان میں ایک بھی اتنی خوبصورت جگہ ہے' مجھے اس پر غصہ آیا پھر اپنے آپ پر غصہ آیا کہ بیس برس پاکستان میں گزارنے کے بعد بھی میں کبھی کلر کہار نہیں گئی۔ خیر اس لڑائی میں یہ بات ثانوی حیثیت رکھتی تھی کہ میں نے کلر کہار نہیں دیکھا۔ آنند سے میں اس قدر لڑی کہ وہ گھبرا ہی گیا۔ وہاں کے اُن دیکھے موروں کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے اور یہ بھی بتایا کہ کلر کہار کے قریب ہی کھیوڑہ میں نمک کی کانیں ہیں جہاں سے نہ صرف پاکستان کی مارکیٹ میں نمک پہنچتا ہے بلکہ انڈیا بھی ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ پھر میں نے اس نمک کے طعنے دیے سب کو۔

ویسے آپس کی بات ہے ایڈی' یہ سب باتیں میری سنی سنائی تھیں۔ کتنی بری بات ہے کہ ہم دوسرے ملکوں کی سیاحت کرنے چلے جاتے ہیں' مگر اپنے ملک کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

جے پور حقیقتاً بہت خوبصورت جگہ ہے اور وہاں کے کپڑے اور جیولری بھی بہت خوبصورت ہے۔ میں نے ماہ بانو اور نیہاں کے لیے بھی سوٹ خریدے ہیں۔"

ایڈی خاموش ہو گیا۔

"اور...... اور کیا لکھا ہے؟" ماہ بانو نے پوچھا۔

"اور باقی سب میرے لیے ہے۔ تم لوگوں کا اتنا ہی ذکر ہے۔" وہ بولا۔

ماہ بانو نے ذرا سا آگے ہو کر خط اس کے ہاتھ سے اُچکنے کی کوشش کی لیکن اس نے فوراً ہاتھ پیچھے کرلیا۔ ابھی اس نے خط بہ مشکل ماہ بانو کے ہاتھ سے بچایا تھا کہ دوسری طرف سے عبداللہ نے کھینچ لیا۔

"تمہیں یہی چاہیے تھا ناں' یہ لو۔" عبداللہ نے خط ماہ بانو کی طرف بڑھا دیا۔

ایڈی نے کشن عبداللہ کو کھینچ مارا۔

"تم کہیں نہ کہیں روایتی وڈیرا پن ضرور دکھا دیتے ہو۔" وہ سب ہنس پڑے۔

ماہ بانو نے خط کھول لیا۔ ایڈی نے خط اس سے چھیننے کی کوشش کی' لیکن عبداللہ نے اسے پکڑ لیا۔

"تم اطمینان سے خط پڑھو۔" وہ بولا۔

ماہ بانو اور نیہاں ہنستے ہوئے خط پر جھک گئیں۔

"بانو تم صریحاً بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کر رہی ہو' یہ سراسر غلط ہے۔" ایڈی خود کو چھڑاتے ہوئے چلایا۔

ابھی یہ ہلا گلا جاری تھا کہ فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ عبداللہ' ایڈی کو چھوڑ کر فون کی طرف بڑھا۔ دوسرے ہی لمحے ایڈی نے ماہ بانو کے ہاتھ سے خط چھین لیا۔

"اُما تم کب آئیں؟"

عبداللہ نے کہا تو وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''ہاں ایڈی یہیں ہے۔ اس کے علاوہ ماہ بانو اور نیہاں بھی ادھر ہی ہیں۔'' عبداللہ نے کہا پھر ایڈی کی طرف بڑھا۔

''اُما کا فون ہے‘ تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔''

''واہ دعائیں اتنی بروقت بھی قبول ہوتی ہیں۔'' ایڈی نے کہا اور فون اُٹھا کر دوسرے کونے میں لے گیا۔

''کب آئی اُما واپس؟'' ماہ بانو نے عبداللہ سے دریافت کیا۔

''آج صبح آئی ہے‘ پہلے اس نے ایڈی کی طرف رِنگ کیا تھا لیکن وہاں سے جب پتا چلا کہ وہ یہاں آیا ہوا ہے تو ادھر رِنگ کر لیا۔''

''کچھ جلدی آ گئی ہے‘ ہیں ناں؟'' نیہاں نے کہا۔

''ہاں جلدی آ گئی ہے اور اس نے کہا تو نہیں لیکن مجھے پریشان لگ رہی تھی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''کیوں؟ تم نے پوچھا نہیں؟'' ماہ بانو بے چین ہو گئی۔

''نہیں‘ مناسب سمجھے گی تو خود بتا دے گی‘ تم بھی اس سے کرید نا مت۔''

کافی دیر اس سے باتیں کرتے رہنے کے بعد ایڈی ان کی طرف مڑا۔

''بانو‘ اُما تم سے بات کرنا چاہ رہی ہے۔''

ماہ بانو نے ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ ایک دوسرے سے حال احوال دریافت کرتی رہیں‘ پھر اُما نے اس سے نمائش کے بارے میں پوچھا۔ ماہ بانو کو مسلسل احساس ہو رہا تھا کہ عبداللہ کا اندازہ ٹھیک تھا‘ وہ واقعی کسی بات پر پریشان تھی۔

''خیریت تو ہے اُما؟ تم مجھے پریشان لگ رہی ہو؟''

''خیریت ہی تو نہیں ہے‘ تب ہی تو انڈیا سے جلدی بھاگ آئی ہوں۔ اس وقت تو دل چاہ رہا ہے کہ سکھر سے بھی بھاگ کر سیدھی لاہور پہنچ جاؤں۔'' وہ بولی۔

''ہوا کیا؟''

''ہونا کیا تھا بانو! وہی جس کا خدشہ تھا‘ بس یہ ہے کہ سمندر کے کنارے بیٹھ کر گھٹتی بڑھتی لہروں کی تباہی کے بارے میں کوئی نہیں جان سکتا‘ اس کے لیے سمندر میں اترنا ضروری ہے اور اب جب میں سمندر میں اتر گئی ہوں تو یہ سب تو برداشت کرنا پڑے گا ناں۔''

''او گاڈ! مجھے تفصیل سے کچھ بتاؤ۔ تم نے ایڈی سے بھی اس سلسلے میں ذکر کیا؟''

''نہیں‘ جان بُوجھ کر نہیں کیا۔ وہ تھیسس دے رہا ہے‘ پریشان ہو گیا تو کچھ نہیں کر سکے گا‘ تم بھی اس سے کچھ مت کہنا۔ میری کوشش ہے کہ یہ بلا ایڈی کے تھیسس ڈسپلے تک کسی صورت ٹل

جائے۔ میں بہت سخت پریشان ہوں بانو۔'' اُما نے کہا۔

''میں اندازہ لگا سکتی ہوں‘ مگر کیا آنٹی‘ انکل نے تم سے کچھ کہا ہے یا تم نے خود کوئی اندازہ لگایا ہے؟''

''گھر میں یہ ذکر صبح شام ہو رہا ہے‘ مجھ سے کسی نے کچھ نہیں کہا‘ لیکن شاید ممی اور ڈیڈی نے اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ ان کے خیال میں جہاں وہ چاہیں گے‘ وہیں کے لیے میں ایک پل میں راضی ہو جاؤں گی اور وہ سب سیریس ہیں آنند کے لیے...... مجھے کیا پتا تھا کہ ایسا ہو گا‘ میں کبھی انڈیا جاتی ہی نہ۔ تم میری ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتیں بانو۔ یہاں کوئی بھی نہیں ہے‘ جس سے میں اپنے دل کی بات کر سکوں‘ اگر میں نے گھر میں ایڈی کے متعلق ذرا سا اشارہ بھی دے دیا تو سمجھو قیامت آ جائے گی۔''

''تم فوراً لاہور آ جاؤ اُما‘ ہم مل کر بیٹھیں گے تو کوئی نہ کوئی راہ نکال لیں گے۔'' ماہ بانو نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا۔

''یہاں آ کر بھی کیا ہو گا‘ بنیادی مسئلہ تو وہیں کا وہیں ہے ناں اور یہ مسئلہ ایسا ہے جو کبھی حل نہیں ہو گا۔'' وہ آزردگی سے بولی۔

''پھر بھی‘ بس تم آ جاؤ‘ یہاں کسی سے بات تو کر سکتی ہو‘ وہاں رہ کر ڈسٹرب ہو گی۔''

''ممی نہیں چاہتیں‘ وہ کہہ رہی ہیں کہ چند چھٹیاں تو رہ گئی ہیں‘ آرام سے سکھر میں گزارو۔''

''تمہاری بہن بھی تو ہے ہیما‘ تم اسے راز دار نہیں بنا سکتیں کیا؟'' ماہ بانو نے سوچتے ہوئے کہا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔ اس نے میری ہمدردی میں الٹا زیادہ نقصان پہنچا دینا ہے۔ پہلے تو وہ ہفتہ بھر روتی رہے گی۔ میری متوقع ٹریجڈی کے متعلق سوچ کر‘ پھر چاہے گی کہ کسی ترکیب سے ایڈی مذہب تبدیل کر لے‘ وہ چاہے گی کہ اس سے ملے اور اسے کنوینس کر لے‘ پھر ممی اور ڈیڈی کو کنوینس کرنے کی کوشش کرے گی اور مجھے مصیبت میں مبتلا کر دے گی۔''

''پھر بھی کچھ تو کرنا ہو گا اُما‘ اس معاملے کو یوں تو نہیں چھوڑا جا سکتا ناں۔''

''کیا کیا جا سکتا ہے‘ کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات میں بھی جانتی ہوں‘ غلطی میری ہی تھی۔ ایڈی سے محبت تھی تو اپنے دل میں رکھ لی ہوتی‘ ضروری تھا کہ اسے بھی بتا دیتی۔''

''نہ بھی بتاتیں تب بھی یہ حقیقت تو تبدیل نہیں ہو سکتی تھی کہ تمہیں اس سے محبت تھی اور ہے......'' بانو نے کہا۔

''اس سے حقیقت تو یقیناً تبدیل نہ ہوتی‘ لیکن نہ کہنے سے صبر آ جاتا ہے۔ سب یہی سمجھتے رہتے کہ میں اس کے بارے میں نہیں سوچتی اور رفتہ رفتہ میں خود کو بھی اسی طرح نارمل کر لیتی۔

اس سے کہہ دیا' اس نے مجھ سے کہہ دیا' اور ہمیں اندازہ بھی نہیں ہوا کہ اتنے مختصر سے عرصے میں ہم دونوں کتنا آگے بڑھ گئے ہیں۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی' بانو اسے چھوڑ دینا میرے لیے موت سے زیادہ بدتر ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں گی' میں بہت اپ سیٹ ہوں' بہت ڈپریس ہوں۔'' پھر قدرے توقف سے بولی۔

''جانے دو اسے' یہ بتاؤ کہ عبداللہ کیسا ہے؟''

''وہ بالکل ٹھیک ہے۔''

''اس نے اپنے گھر والوں سے کوئی بات کی؟'' اُما نے پوچھا۔

''بس' وہی جو اس کی بہنوں کو پتا ہے۔ یہاں بھی مسئلے کم نہیں ہیں' مگر تم آ ؤ گی تو بتاؤں گی۔''

وہ دونوں دیر تک باتیں کرتی رہیں' پھر ماہ بانو نے اسے گڈ بائی کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

''یہ کونے میں گھس کر کیا کھسر پھسر ہو رہی تھی؟'' ایڈی نے کہا۔

''میں کونے میں لے کر گئی تھی فون؟ تم خود تو لے کر گئے تھے۔'' وہ واپس آ گئی۔

''میری تو جینوئن پرابلم ہے ناں' تمہارے ساتھ کیا تھا؟''

''میں فون کی تار میں اُلجھ کر گرنا نہیں چاہتی تھی۔'' وہ بولی۔

''مجھ سے تو ٹھیک سے بات بھی نہیں کر رہی تھی اُما بار بار اسے تمہاری یاد آ رہی تھی کہ بانو کو بلاؤ' اس سے بات کرنی ہے۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اسے تم سے کون سا سیکرٹ شیئر کرنا تھا' جو وہ مجھ سے نہیں کر سکتی تھی۔''

''وہ آئے تو اس سے خود ہی پوچھ لینا۔''

''یار مجھے اُما نے پریشان کر دیا ہے۔ وہ خوش نہیں لگ رہی تھی مجھے اور کچھ بتا بھی نہیں رہی تھی۔ تم سے کچھ نہیں کہا اس نے؟''

''نہیں' مجھے تو محسوس نہیں ہوا۔'' ماہ بانو نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر بولی۔ ''اچھا چھوڑو اس بات کو' مجھے یہ کہنا تھا کہ ابا جی کو کسی ترکیب سے قائل کرو۔''

''کس بات کے لیے؟ عبداللہ کے سلسلے میں......؟'' ایڈی نے شرارت سے کہا۔

''تم پٹو گے میرے ہاتھوں۔'' ماہ بانو ہنس پڑی۔

''تم پٹنے کی بات کرتی ہو' ہم مرنے پر تیار ہیں کہ بقول شاعر:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایڈی نے کہا۔

''یہ اُما پر مرتے مرتے تم نے اچانک ڈائریکشن کیوں تبدیل کر لی؟'' نیہاں نے کہا۔

''ذرا تبدیلی ہوتے رہنا چاہیے اُما آئے گی تو اس پر بھی مر جائیں گے۔ ہم کون سا سچ مچ...... وفات پا رہے ہیں۔ وہ کیا کہا ہے داغ نے کہ......

اے داغ نہ دے جان محبت میں کہ ناداں
پھر زندہ جہاں میں کوئی مر کر نہیں ہوتا

تو سچ مچ کون مرتا ہے کسی کے لیے' لیکن لفظوں لفظوں میں مر جانے سے ذرا سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا۔

''تم بکواس بند نہیں کرو گے تو میں عبداللہ سے کہوں گی' وہ تمہارے منہ پر ہاتھ رکھ دے گا۔'' ماہ بانو نے دھمکی دی۔

''کب تک بند رکھے گا عبداللہ میرا منہ جونہی ہاتھ ہٹائے گا میں پہلا نعرہ یہی لگاؤں گا کہ اس ملک کو وڈیروں اور جاگیرداروں سے نجات ملنی چاہیے۔''

''یہ تو کچھ نہ کچھ کہتا رہے گا' تم بتاؤ بانو کہ کس مسئلے پر ابا جی کو قائل کرنا ہے۔'' عبداللہ نے کہا۔

''میں چاہتی ہوں کہ ابا جی امریکہ جائیں' اتنی اچھی آفر ہے' انہیں یہ ضرور قبول کرنی چاہیے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان تنگ و تاریک گلیوں سے نکل کر ابا جی پوری دنیا کو یہ بتائیں کہ ان کے پاس کتنا خوبصورت ہنر ہے۔''

''تو انکل جانا کیوں نہیں چاہتے؟'' نیہاں نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ مجھے اور اماں جی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے۔ بس میری سمجھ میں تو یہ ایک وجہ ہی آتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی وجہ ہے تو وہ انہوں نے مجھے نہیں بتائی۔''

''تم بے فکر ہو جاؤ بانو' میں انکل کو قائل کروں گا۔'' ایڈی نے کہا۔

''کیسے؟''

''اگر میں اُما کو قائل کر سکتا ہوں تو کسی کو بھی کر سکتا ہوں۔ یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

''اسے تم نے نہیں تمہارے گٹار نے قائل کیا تھا مگر انکل کو قائل کرنے کے لیے گٹار سے کام نہیں چلے گا۔ انکل کو یہ والی موسیقی پسند نہیں ہے۔'' نیہاں ہنس پڑی۔

''انہیں قائل کرنے کے لیے ستار اُٹھا لیں گے' بس یا کچھ اور؟'' ایڈی نے کہا۔

☆=====☆=====☆

سبط نیویارک کی فلائیٹ لینے کے لیے لاہور پہنچ چکا تھا۔ خادم حسین اور مکرم بھی وہیں تھے۔ مکرم کو پیر صاحب نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ سبط کے کسی معاملے میں ٹانگ نہیں اڑائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ اسے فون پر زینی سے بات کرتے دیکھنے کے باوجود بھی وہ خاموش رہا تھا۔

اس روز جانے سے پہلے زینی نے سبط سے فرمائش کی تھی۔

''میرا بہت موڈ ہو رہا ہے آئس کریم کھانے کا لیکن تمہارے ساتھ۔''

''تو چلو چلتے ہیں۔'' اس نے فوراً ہامی بھر لی۔

''سچ مچ؟''

''تو اور کیا؟'' وہ بولا۔

''ہائے قسم سے سبط تم کتنے اچھے ہو۔ بس تم فوراً آ جاؤ مجھے لینے کے لیے۔''

پھر اسے اچانک خیال آیا۔

''مگر نہیں' تم نہ آؤ۔ تم یوں کرو کہ پی 36 آ جاؤ۔ میں اور گڑیا بھی آ جائیں گے۔''

''نہیں' تم ایسے نہیں نکلو گی' میں تمہیں لینے آ تا ہوں۔'' سبط نے کہا۔

''نہیں ناں سبط' کوئی گڑ بڑ ہو گئی تو؟''

''کیا گڑ بڑ ہو گی' کچھ نہیں ہو گا' یہ بتاؤ عبداللہ بھائی ہیں وہاں؟''

''ہاں بھائی گھر پر ہیں' لیکن ان کے فرینڈز آئے ہوئے ہیں۔''

''بس ٹھیک ہے میں تمہیں لینے آ رہا ہوں......'' سبط نے کہا۔

''سنو تو۔''

''کیا ہوا؟''

''میں نے سنا ہے کہ تمہارے بھائی بھی لاہور میں ہی ہیں۔ وہ ہینڈسم سے جو ہیں اور وہ بھی جو سب سے بڑے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ جو ہینڈسم والے ہیں ناں' وہ بہت خونخوار ہیں۔ انہیں پتا چلا کہ تم ہمیں لینے آ رہے ہو تو وہ تمہیں کچھ کہیں گے تو نہیں؟''

''اول تو وہ گھر پر نہیں ہیں اور اگر ہوتے...... اور انہیں پتا چل جاتا' تب بھی اس سے کیا فرق پڑتا۔ میں ڈر ڈر کر زندگی گزارنے کا قائل نہیں ہوں۔'' سبط نے کہا۔

''تم فوراً تیار ہو جاؤ اور گڑیا سے بھی کہو۔''

''آل رائٹ' بائے۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا۔ سبط ان کی طرف پہنچا تو وہ دونوں تیار تھیں۔

''عبداللہ بھائی کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ فرینڈز کے ساتھ ہیں۔ میں نے ان سے پوچھ لیا ہے' واپسی پر ان سے مل لینا۔'' زینی نے کہا۔

وہ تینوں باہر نکل آئے۔ زینی' سبط کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور زہرا پچھلی نشست پر۔ سبط کار اسٹارٹ کر کے مین بلیوارڈ پر لے آیا۔

''قسم سے سبط لگتا ہے صدیوں بعد انسانی تہذیب و تمدن کی دنیا میں واپس آئی ہوں؟ میں تو تنگ آ گئی تھی اس جگہ سے۔

''خیر' اب اتنا برا بھی نہیں ہے گاؤں اور تم ہی دعائیں مانگا کرتی تھیں' وہاں واپس جانے کی۔'' زہرا نے کہا۔

''میں احمق تھی اور پاگل بھی' لیکن یہ سب ماضی کے فیصلے ہیں۔ اب میں اتنی عقلمند ہو گئی ہوں کہ ایسی کوئی دعا نہیں مانگا کروں گی' اچھی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور گاؤں جانے والی دعائیں سب قبول ہو جاتی ہیں۔''

''تم اپنے لیے وہاں بھی کوئی دلچسپی ڈھونڈ سکتی تھیں۔ یہ تو تم پر منحصر تھا۔'' سبط نے کہا۔

''وہاں دلچسپی؟ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں تو یہی ہو سکتا تھا کہ میں گاؤں بھر کے بچے جمع کر کے ان کے ساتھ کھیلوں یا پھر پیانو بجاؤں' لیکن پتا ہے کیا سبط' وہاں پیانو بھی عجیب مری مری سی آواز نکالتا تھا۔''

سبط حسن اور زہرا اس کی بات سن کر ہنس پڑے۔

اسی وقت خادم حسین 'ور مکرم' نوری کو فیصل ٹاؤن چھوڑ کر واپسی پر وہاں سے گزر رہے تھے۔ خادم حسین کی نگاہ سبط کی کار پر پڑی۔

''یار مکرم یہ سبط بہت تیز نہیں ہو گیا۔ دیکھو ایک نہیں دو لڑکیاں بٹھائی ہوئی ہیں اس نے۔''

مکرم نے بھی اسی سمت دیکھا۔

''سبط ایسا کرتا تو نہیں ہے۔'' اس نے پُرخیال انداز میں کہا۔

خادم حسین اپنی کار آگے لے گیا۔ سبط کی کار لبرٹی کی طرف مڑ گئی۔

''کون ہو سکتی ہیں یہ لڑکیاں۔'' مکرم نے خود سے کہا۔

''سبط اس ٹائپ کا تو نہیں ہے۔''

''ٹائپ وائپ خود ہی بنتی جاتی ہے۔'' خادم حسین ہنس پڑا۔

''اچھا ہے اس کی عمر ہے' عیش کرے۔''

وہ گھر کے گیٹ کے پاس پہنچ چکے تھے جب مکرم بولا۔

''خادم بھائی' واپس چلیں۔''

''کیوں؟ خیریت؟''

''ہاں بالکل خیریت ہے۔ ایک خیال آیا ہے لبرٹی چلیں۔''

خادم حسین کار موڑ کر دوبارہ سڑک پر لے آیا۔

''سبط کہاں جا سکتا ہے؟'' مکرم نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ایک دو ایک جگہیں ہیں جانے کے لیے۔ ہو سکتا ہے شاپنگ کے لیے نکل گیا ہو' ہو سکتا ہے ہوٹل میں چلا گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوست کے گھر گیا ہو۔''

''ہوں۔'' مکرم سوچ رہا تھا۔

''تم کیوں پریشان ہو رہے ہو؟'' خادم حسین نے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ زہرا اور زینب ہیں' میں چیک کرنا چاہتا ہوں' ان کی صورتیں ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں۔''

''زینب کی تصویر تو غالباً بابا جان کے پاس ہے۔'' خادم حسین نے کہا۔

''ہاں' اور میں نے دیکھی ہوئی ہے' یہی میں چیک کرنا چاہتا ہوں اور زہرا کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔''

خادم حسین نے کار لبرٹی کی سڑک کی طرف موڑ لی۔

''تم دائیں بائیں نگاہ رکھو' اپنی کار ہے' جہاں ہوگی' دور سے پہچانی جائے گی۔'' خادم حسین نے کہا۔

''پہلے ایچ کریم بخش والی سائیڈ پر چلیں۔ وہاں نہ ہوئے تو دوسری طرف چلیں گے اور وہاں بھی نہ ہوئے تو پھر آگے کے ریسٹورنٹ میں دیکھیں گے۔'' مکرم نے کہا۔

خادم حسین پٹرول پمپ کے ساتھ سے ہوتا ہوا کار ایچ کریم بخش کی طرف لے آیا۔

''یہ کسی ریسٹورنٹ میں جانے کا وقت نہیں ہے' اگر وہ یہاں نہیں آئے تو کسی دوست کی طرف نہ چلے گئے ہوں۔ ایسا ہوا تو انہیں تلاش کرنا مشکل ہوگا۔''

اسی وقت مکرم اور خادم حسین کی نگاہ بیک وقت سبط کی کار پر پڑی۔

☆=====☆=====☆

سبط نے کار یمی 36 کے سامنے روک دی تھی۔

''اندر چلیں یا کار میں ہی آئس کریم منگوالیں؟'' سبط نے پوچھا۔

''یہیں ٹھیک ہے' میں تو اس بے ہودہ گاؤں جانے کے بعد یہ رنگین قسم کی رونق دیکھنے کو ترس ہی گئی تھی۔''

''کیوں گڑیا پھر یہیں منگوالیں؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' وہ بولی۔

سبط کے آرڈر دینے کے تھوڑی ہی دیر بعد آئس کریم ان کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ باتیں کرتے رہے ساتھ ساتھ آئس کریم سے بھی انصاف کرتے رہے۔

اچانک نئے ماڈل کی سیاہ شیشوں والی سفید مرسڈیز بینز زینی کی نشست کی سمت' ان کی کار کے بالکل قریب آ کر رک گئی۔

''سبط تم کیوں نہیں ایسی کار لے لیتے۔ بھائی کے پاس بھی بالکل ایسی ہی کار ہے۔ مجھے اتنی پسند ہے کہ کیا بتاؤں۔'' زینی نے کہا۔

''مجھے چاہیے تھا کہ تمہیں اندر لے جاتا' یہاں باہر بیٹھ کر تمہاری توجہ سوائے میرے اور ہر

طرف ہے۔'' سبط نے اسے گھورا۔

''ہائے سبط۔'' اچانک زینی تقریباً چلا اُٹھی۔

''یہ تمہارے بھائی کی کار ہے' وہی ہیں ناں یہ؟ دیکھو تو کہاں دیکھ رہے ہو تم' یہ تمہارے وہی ہینڈسم سے بھائی ہیں ناں؟''

سبط نے اس سمت میں دیکھا۔ مکرم کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا۔ جبکہ خادم حسین باہر نکل رہا تھا۔

''سبط تم ان سے کہہ کر یہ کار انہیں دے دو اور ان کی والی مرسڈیز بینز لے لو' بعد میں واپس کر دینا' ٹھیک ہے۔'' زینی حالات سے بے خبر کہہ رہی تھی۔

''تم تھوڑی دیر خاموش نہیں رہ سکتیں زینی۔'' زہرا جسے صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ ہو چکا تھا۔ چلا اُٹھی۔

زینی نے پہلے سبط اور پھر زہرا کی طرف دیکھا۔ زہرا پریشان تھی اور سبط کار سے باہر نکل رہا تھا۔ پھر اس نے مکرم اور خادم حسین کی طرف دیکھا۔ خادم حسین کار کا دروازہ کھول کر کھڑا تھا جبکہ مکرم خونخوار سی نگاہوں سے انہیں گھورتا ہوا انہی کی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''زینی اور گڑیا' میری بات دھیان سے سنو۔ زینی میرے اترتے ہی تم ڈرائیونگ سیٹ پر آ جاؤ۔ دروازے لاک کر لو اور کسی بھی صورت میں لاک مت کھولنا اور باہر مت نکلنا۔ یاد رکھنا کسی بھی صورت میں نہیں' اگر میرے اور بھائیوں کے درمیان جھگڑا ہو جائے تو کار نکال کر سیدھے اپنے گھر لے جاؤ۔ میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ مکرم اور خادم بھائی کے لیے تم نے کسی بھی صورت لاک نہیں کھولنا۔ یہاں تک کہ میں زخمی ہو جاؤں یا مر جاؤں تب بھی نہیں۔'' سبط نے تحمل کے ساتھ ایک ایک بات واضح انداز میں کہی تھی۔

زینی کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ اس نے سبط کا بازو پکڑ لیا۔

''نہیں سبط' اللہ کے واسطے تم باہر مت نکلو' پلیز سبط!'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔

اسی وقت مکرم نے زینی کی سمت کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی' لیکن دروازہ لاک تھا سبط حسن بازو چھڑا کر باہر نکلا۔

''زینی دروازہ لاک کر لو اور جیسے میں نے کہا ہے ویسے کرو۔ کار نکال کر لے جاؤ۔'' سبط نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

زینی اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔ سبط قدم آگے بڑھا رہا تھا۔

''میرے اللہ میاں جی' میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتی سوائے سبط کی زندگی کے۔''

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ بھی دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین کو نظر انداز کر کے سبط' مکرم کی طرف بڑھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے مکرم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''میں دیکھ رہا تھا ان دو ہیروں کو' سوچا بھائی ہیں شیئر کر لیتے ہیں۔'' مکرم نے اطمینان سے کہا۔

سبط کا دل چاہا کہ اس کے پاس ریوالور ہو جس کی تمام گولیاں وہ سامنے کھڑے مکرم کے سینے میں پیوست کر دے' لیکن وہ جانتا تھا کہ مکرم کا مقصد ہی اسے مشتعل کرنا تھا۔ اگر زینی کار نکال کر لے گئی ہوتی تو شاید وہ مکرم پر ہاتھ اُٹھانے سے دریغ نہ کرتا مگر اس وقت اسے زہرا اور زینی کی بھی فکر تھی۔

''جوش میں ہوش مت کھونا سبط تمہیں کچھ ہو گیا تو زینی اور گڑیا بھی نہیں بچیں گی۔'' اس نے دل ہی دل میں خود کو وارننگ دی۔

دوسری طرف اسے زینی پر بھی غصہ آ رہا تھا جو اب تک کار لے کر وہاں سے نکلی نہیں تھی۔ وہ مکرم اور خادم حسین کو مصروف رکھ کر اسے نکلنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ اس کا ذہن پوری طرح چوکس تھا اور وہ ہر قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔

''مکرم! مجھے مجبور مت کرو کہ میں بھول جاؤں کہ تم میرے بھائی ہو۔'' سبط نے اس سے کہا۔

''میں نے کیا غلط بات کہی ہے۔ وہ نوری ہے فلم ایکٹریس' اسے میں اور خادم بھائی......!''

''بس مکرم!'' سبط نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''شاید تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میرے ساتھ کوئی غلط قسم کی لڑکیاں نہیں ہیں۔ میری فرینڈز ہیں۔ تم نے خواہ مخواہ انہیں پریشان کر دیا ہے۔''

مکرم اس کے صبر و تحمل پر حیران ہو رہا تھا لیکن یہ بات اس نے ظاہر نہیں ہونے دی۔

''فرینڈز ہیں یا کچھ اور بھی ہیں؟'' اس نے زہرا اور زینب کی طرف دیکھا۔

''یہ میں گھر چل کر بتاؤں گا۔ اس وقت میں یہاں کوئی سین کریئٹ نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ واپس مڑنے لگا۔

''رکو سبط!'' مکرم نے سختی سے اس کا بازو پکڑ کر جھٹکا دیا اور اس کا رُخ اپنی سمت موڑا۔

''میں تمہیں نہیں روکوں گا لیکن تم زہرا کو ہمارے حوالے کر دو۔ بس اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں چاہتے۔ زینب سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے' اسے تم لے جا سکتے ہو۔''

''تم ابا کے [illegible] ہو مکرم کہ [illegible] گری ہوئی اور گھٹیا باتیں سننے کا عادی نہیں ہوں۔

میرے صبر و تحمل کا ناجائز فائدہ مت اُٹھاؤ۔''

''یہ اس طرح نہیں جا سکتی۔ ہمارا بھائی اس لڑکی کی وجہ سے ہم سے جدا ہوا ہے' تم یہاں کچھ نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے کہ زہرا کو ہمارے حوالے کر دو اور زینب کو لے جاؤ۔ یہ سودا پسند نہیں ہے تو زینب کو ہمیں دے دو اور زہرا کو لے جاؤ اور اگر یہ بھی پسند نہیں تو پھر ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔''

مکرم نے شولڈر ہولسٹر سے اعشاریہ اڑتیس بور کا ریوالور نکال لیا۔

زہرا جو کار کے اندر ساکت بیٹھی باہر کا منظر دیکھ رہی تھی' چیخ اُٹھی۔ شیشے چڑھے ہونے کی وجہ سے وہ آواز نہیں سن سکی تھی' مگر جو کچھ دکھائی دے رہا تھا اس کے لیے الفاظ کی ضرورت نہیں تھی۔ زہرا کی چیخ سے زینی نے بھی آنکھیں کھول دیں۔ باہر کا منظر اسے دہلا دینے کے لیے کافی تھا۔ اس لمحے وہ سبط کی دی ہوئی تمام ہدایات بھول گئی اور کار کا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل آئی۔

''پلیز آپ سبط کو مت ماریں پلیز۔'' وہ سبط کے سامنے آ گئی۔

مکرم اور خادم حسین نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا۔ سبط نے اسے بازو سے پکڑ کر کار کے اندر دھکیلنا چاہا' لیکن وہ بمشکل خود کو چھڑا کر پھر اس کے سامنے آ گئی۔

''پلیز' میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتی ہوں' آپ مجھے مار دیں' لیکن سبط کو کچھ نہ کہیں۔''

مکرم نے کلائی سے اس کا بازو پکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے سبط سے دور کر لیا۔

زینی بھی سب کچھ بھول کر کار سے تر آئی۔

سبط وہیں ٹھٹک کر رُک گیا۔ ریوالور کا رُخ زینی کی طرف تھا اور مکرم کی انگلی ٹریگر پر تھی۔

''سبط کی جگہ مرنا چاہتی ہو؟'' مکرم نے کہا۔

زینی نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

''بہت محبت ہے اس سے؟''

''ہاں۔'' اس نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''اس کی زندگی اسی صورت میں بچ سکتی ہے اگر تم ہمارے ساتھ چلو۔'' مکرم نے کہا۔

''پلیز بھائی' آپ اسے کچھ مت کہیں' میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ مجھے کوئی ڈر تو نہیں لگتا آپ سے' جیسے اپنے بھائی سے نہیں لگتا اور آپ لے جائیں گے بھی کہاں؟ بڑی حویلی میں نا' وہاں بڑی اماں' بڑے بابا جان اور ریشماں آپی ہوں گی۔ پھر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

مکرم نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ وہ بمشکل پندرہ سولہ سال کی معصوم سی لڑکی تھی

جسے یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ ان کے ساتھ جانے کا کیا مطلب تھا۔ اس نے جس لہجے میں ''پلیز بھائی'' کہا تھا اس سے اس کے ذہن میں ریشماں کی شبیہہ اتر آئی تھی اور وہ کتنے کامل یقین سے کہہ رہی تھی کہ جس جگہ بڑی اماں بڑے بابا جان اور ریشماں آپی ہوں' وہاں ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔

مکرم نے اس کی کلائی چھوڑ دی۔

''جاؤ'' یہ کہہ کر وہ واپس مڑ گیا۔

خادم حسین اور مکرم دونوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے بیک ہو کر سڑک پر رواں دواں دوسری ٹریفک میں شامل ہوگئی۔

''چلو' کار میں بیٹھو۔'' سبط نے ان سے کہا۔

وہ دونوں خاموشی سے کار میں بیٹھ گئیں۔ زہرا نے اندر بیٹھتے ہی رونا شروع کر دیا۔ زینی نے آنسو پونچھ کر سبط کی طرف دیکھا۔ وہ شدید ٹینشن کا شکار تھا اور خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے تکتی رہی اور سوچتی رہی۔

''اگر آج سبط کو کچھ ہو جاتا تو میں اسی لمحے' اسی جگہ اپنی زندگی ختم کر دیتی۔ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور ہی کتنا بے معنی ہے۔''

گھر کے ڈرائیو وے میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ عبداللہ اور اس کے دوستوں پر پڑی۔ وہ شاید واپس جانے کے لیے باہر نکلے تھے۔

کار کے رُکتے ہی زینی دروازہ کھول کر باہر نکلی اور بھاگ کر عبداللہ سے لپٹ گئی۔

''آ گئے تم لوگ۔'' عبداللہ نے زہرا اور سبط کو اترتے دیکھ کر کہا۔

''پھر اسے احساس ہوا کہ زہرا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' سبط بھی پریشان تھا اور زینی اس سے لپٹی رو رہی تھی۔

''کیا ہوا زینی؟'' اس نے پریشان ہو کر کہا' پھر سبط سے مخاطب ہوا۔

''کیا ہوا ہے؟''

سبط نے اس کے دوستوں کی طرف دیکھا۔ وہ سب بھی رُک گئے تھے۔

''میں چلتا ہوں عبداللہ۔'' ایڈی موقع کی نزاکت دیکھ کر بولا۔

''اوکے یار۔'' عبداللہ نے کہا۔

''ہم بھی چلتے ہیں عبداللہ۔'' ماہ بانو نے کہا۔

حالانکہ اسے اور نیہاں کو خود عبداللہ نے چھوڑ کر آنا تھا۔

''نہیں تم دونوں ایسے نہیں جاؤ گی' میں چھوڑ کر آؤں گا۔'' وہ بولا۔ پھر سبط سے مخاطب ہوا۔

URDU PHOTO

''اندر آ جاؤ' اندر چل کر ہی بات کرتے ہیں۔''

پھر وہ زینی سے مخاطب ہوا۔

''چلو تم بھی' ہر وقت روتی کیوں رہتی ہو' آنسو پونچھو فوراً۔''

''آپ کو کیا پتا بھائی یہ رونے والی ہی بات ہے۔'' وہ بولی۔

''اچھا! اس کا فیصلہ تو بات سننے کے بعد ہی ہو سکتا ہے' تب تک آنسو پونچھ لو۔''

ڈرائینگ روم میں وہ عبداللہ کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''میں آپ کو بتاتی ہوں بھائی۔ ہم آئس کریم کھانے گئے تھے ناں' تو ابھی کھا ہی رہے تھے کہ سبط کے بڑے بھائی آ گئے۔''

عبداللہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''دو بھائی۔ ایک سب سے بڑے والے اور ایک وہ جو بہت ہینڈسم ہیں مکرم بھائی۔ اور تو پتا نہیں کیا ہوا' لیکن مجھے اتنا یاد ہے کہ انہوں نے ویسا ریوالور نکال لیا جیسا آپ کے پاس کار میں ہوتا ہے ناں۔ میری تو جان ہی نکل گئی۔ سبط نے مجھے کہا تھا کہ کار کے لاک مت کھولنا' لیکن میں کیا کرتی' یہ دیکھ کر اندر تو بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی ناں' اس لیے باہر نکل آئی۔

وہ جو مکرم بھائی ہیں ناں' انہوں نے کہا کہ سبط کو ہم اس وقت چھوڑیں گے جب تم ہمارے ساتھ چلو گی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے' میں چلی جاتی ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ ظاہر ہے بڑی حویلی ہی لے کر جائیں گے ناں تو میں چلی جاتی ہوں' مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہاں بڑے بابا جان' بڑی اماں اور ریشماں آپی ہیں' ظاہر ہے' وہاں تو کوئی مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ کہنے لگے تم لوگ جاؤ اور خود بھی وہاں سے چلے گئے۔ وہ جو بڑے بھائی ہیں ناں' خادم بھائی' وہ خاموش کھڑے رہے تھے۔ وہ کچھ نہیں بولے۔ یہ باتیں مکرم بھائی کے ساتھ ہوئی تھیں۔

''بھائی! مجھے یہ سوچ کر رونا آ رہا ہے کہ اگر خدانخواستہ سبط کو کچھ ہو جاتا تو پھر کیا ہوتا۔'' وہ پھر رونے لگی۔

عبداللہ نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور خاموش کروانے لگا۔ پھر سبط سے مخاطب ہوا۔

''میرے ساتھ آنا۔''

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے۔

زہرا نے خود پر قابو پا لیا تھا' لیکن زینی اب بھی رو رہی تھی۔

ماہ بانو اور نیہاں خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر تو ماہ بانو وہیں بیٹھی رہی پھر اُٹھ کر زینی کے پاس آ گئی۔

''تمہاری جگہ میں ہوتی زینی تو میں بھی یونہی رو رہی ہوتی' لیکن اس سے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ سبط اور تم دونوں خیریت سے ہو' محفوظ ہو اور اپنے گھر میں ہو۔''

''اگر سبط کو کچھ ہو جاتا تو میں خودکشی کر لیتی۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''اب روؤ مت' ایک دو دن کی بات ہے پھر تم لوگ نیویارک چلے جاؤ گے۔ سبط اور تم دونوں محفوظ ہو جاؤ گے۔ یہاں کے بکھیڑے یہیں رہ جائیں گے۔'' ماہ بانو نے اسے تسلی دینے کے لیے کہا لیکن یہ وہی جانتی تھی کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی تھی۔ یہاں کے بکھیڑے سنبھالنے کے لیے عبداللہ تنہا تھا۔ ہر وقت خطرے کی زد میں تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ مکرم اور خادم حسین نے زینی کو چھوڑ کیوں دیا تھا' لیکن اتنا اسے یقین تھا کہ وہ عبداللہ کو اس طرح پکڑ لیتے تو کبھی زندہ نہ چھوڑتے اور یہ تصور آتے ہی اس کا دل بیٹھنے لگتا تھا۔

''بانو! یہ وہی دونوں تو نہیں ہیں' جو اس دن نمائش پر بھی آئے تھے؟'' نیہاں نے پوچھا۔

زہرا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں وہی ہیں' لیکن پلیز عبداللہ سے ذکر مت کرنا۔ وہ مزید پریشان ہوگا اور پھر پتا نہیں کیا کر بیٹھے۔ ابھی اس کا تھیسس شروع ہوا ہے اور میں اسے ایک لمحے کے لیے بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''مجھے اس روز بھی تم پریشان لگ رہی تھیں۔ مجھے کیا سب کو اندازہ تھا کہ پریشان ہو مگر تم نے بتایا نہیں تھا۔'' نیہاں بولی۔

''جانے دو نیہاں' میں دہرانا نہیں چاہتی' مجھے اور کچھ نہیں ہے' بس عبداللہ کی فکر ہے۔ خواہ مخواہ میں شروع ہونے والی ایک لڑائی میں وہ اس لیے ملوث ہو رہا ہے کیونکہ یہ اس کی مجبوری ہے۔ وہ حیدر علی شاہ کا بیٹا ہے اور حیدر علی اور رجب علی......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور کنپٹیاں سہلانے لگی۔

''مجھے لگتا ہے نیہاں کہ میں پاگل ہو جاؤں گی۔''

زینی اپنے متعلق بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا تمہیں بھی مکرم اور خادم حسین نے کچھ کہا تھا؟'' زہرا نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

وہ مضطرب ہوگئی۔ ''کچھ نہیں کہا انہوں نے' یوں بھی انہیں میرے اور عبداللہ کے متعلق علم نہیں ہے جو ہوا وہ محض اتفاق تھا۔ مگر پلیز تم عبداللہ سے کچھ مت کہنا۔ وہ بہت ڈسٹرب ہوگا۔ تھیسس پر کام بھی نہیں کر سکے گا۔ پہلے ہی وہ بہت غیر محفوظ ہے' اس کی جان کو

خطرہ ہے۔ اگر آج تم لوگوں کی جگہ وہ ہوتا تو دونوں بھائی اسے زندہ نہ چھوڑتے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ دشمنی کی یہ آگ کہاں تک جائے گی۔'' زہرا نے کہا۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین اور مکرم گھر پہنچے تو مکرم ملازم سے چائے کے لیے کہہ کر لاؤنج میں آ بیٹھا۔

''تم مجھ سے صرف چیک کرنے کا کہہ کر گئے تھے۔'' خادم حسین نے اسے مخاطب کیا۔

''ارادہ تو یہی تھا مگر پھر بدل گیا۔ رش بھی نہیں تھا اور ان کی کار باقی کاروں سے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی تو سوچا کہ اس موقع کا فائدہ اُٹھا لیا جائے بس یہی سوچ کر اتر آیا۔''

''اول تو تمہیں اس جگہ سبط سے پنگا نہیں لینا چاہیے تھا لیکن لے ہی لیا تھا تو پھر اپنا کہا پورا کرتے۔''

''کر لیتا' لیکن وہ زینب ہے ناں' وہ اتنی معصوم سی ہے کہ میرا دل نہیں مانا۔'' اس کی نگاہوں میں وہی منظر اتر آیا جب اس نے زینب کی کلائی پکڑی ہوئی تھی اور وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ سبط کی جگہ مرنے پر تیار تھی۔ مکرم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس نے اماں جان' بابا جان اور ریشماں آپی پر جس یقین کا اظہار کیا تھا۔ میں اسے ختم نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس نے مجھے بھائی کہا تو مجھے لگا جیسے وہ سچ مچ میری چھوٹی بہن ہو۔ شی از ریئلی کیوٹ۔''

خادم حسین ہنس پڑا۔

''سبط بہت خوش قسمت ہے کہ اس سے ایسی لڑکی محبت کرتی ہے جو اس کی جگہ مرنے پر بھی تیار تھی۔''

''ہاں' میرا ارادہ صرف ڈرا دھمکا کر ان میں سے کسی ایک کو لے آنے کا تھا۔ ریوالور تو یونہی انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے نکالا تھا۔ زہرا کو بھی زینب کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ ویسے آپ کو کیسی لگی زہرا؟''

''اچھی ہے لیکن اس میں ماہ بانو والی بات نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

وہ باتیں کر رہے تھے کہ ملازم چائے لے آیا۔

''پیر صاحب کا گاؤں سے فون آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ بڑے شاہ صاحب کو بھی امریکہ جانا ہوگا۔''

''سبط کے ساتھ؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' وہ بولا۔ ''اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ تشریف لائیں تو پیر صاحب سے فون پر بات کر لیں۔''

''ٹھیک ہے تم جاؤ' ہم بات کر لیں گے۔'' اس نے کہا۔

چائے پیتے ہوئے مکرم کو خیال آیا۔

''سبط اب تک نہیں آیا' کافی دیر ہوگئی ہے۔''

''وہ زہرا اور زینب کو چھوڑنے چلا گیا ہوگا۔ وہیں دیر ہوگئی ہوگی۔ میں نے بیک ویو میں اس کی کار دیکھی تھی۔ وہ عبداللہ کے مکان کی طرف مڑ گیا تھا۔''

''اسی لیے میں پریشان ہوں۔ عبداللہ نے اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا ہو۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔ میری اطلاعات کے مطابق عبداللہ اس سے اچھے طریقے سے ملتا ہے۔ وہ اسے کچھ نہیں کہے گا۔''

''آپس میں ہم بھائیوں کی بات اور ہے لیکن اگر عبداللہ نے اسے خراش بھی پہنچائی تو وہ اپنے لیے بہت برا کرے گا۔'' مکرم نے کہا پھر قدرے توقف سے بولا۔

''ویسے آپ کا کیا خیال ہے۔ سبط کا کیا ردِعمل ہوگا یہاں آکر۔''

''اگر آج میں نے اسے اتنے صبروتحمل کا مظاہرہ کرتے نہ دیکھا ہوتا تو یہ یقین سے کہہ سکتا تھا کہ اس کا ردِعمل شدید ہوگا مگر اب کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال اگر وہ شور کرے تو تم خاموش رہنا۔ میں سنبھال لوں گا وہ کچھ بھی کہے تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔''

''مجھے تو زینب نہیں بھول رہی۔ میرا سبط کو کچھ کہنے کا ارادہ نہیں تھا' ریوالور تو بس یونہی نکال لیا تھا شغل میں اور وہ اس کی جگہ مرنے پر بھی تیار ہوگئی۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہے کہ زندگی کتنی خوبصورت اور قیمتی چیز ہوتی ہے۔ بس اس میں ایک ہی خامی ہے کہ وہ حیدر علی کی بیٹی اور عبداللہ کی بہن ہے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ کبھی اس سے پھر سامنا ہوا تو میرا ردِعمل کیا ہوگا۔ شاید اگلی مرتبہ اس کے بھائی کہنے پر بھی میں اسے نہ چھوڑ سکوں' اگر مجھے علم ہوتا کہ وہ اتنی سویٹ ہوگی تو میں کبھی ان کے پیچھے نہ جاتا۔ حیدر علی کے خاندان کے کسی فرد کے لیے بھی میں اپنے دل میں نرم گوشہ پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ جس پل میرے ذہن میں امداد بھائی کی شکل آتی ہے۔ میرے دل میں ان کے خاندان کے ایک ایک فرد سے نفرت اور شدید ہوتی جاتی ہے۔ میں امداد بھائی کا خون اور ریشماں آپی کے آنسو کبھی نہیں بھول سکتا۔'' مکرم جیسے خود سے کہہ رہا تھا۔

خادم حسین نے فون اپنے قریب کھسکایا اور نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولا۔

''بھول جاؤ اس بات کو' اگلی مرتبہ کی اگلی مرتبہ دیکھی جائے گی۔ ابھی ان لوگوں سے ہمیں بہت سے حساب بھی بے باق کرنے ہیں' لیکن یہ بات یاد رکھو مکرم کہ ان سے دشمنی نبھاتے ہوئے' ہمیں آپس کے رشتے ختم نہیں کرنے' میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ اس دوران سبط یا تمہیں یا کسی بھی بھائی کو نقصان پہنچے۔''

[illegible] حسب [illegible] کرنے لگا۔

''تم سبط کے ساتھ نیویارک جاؤ گے اور کم ازکم تین مہینے اس کے پاس رہو گے تاکہ وہ وہاں بغیر کسی دقت کے سیٹ ہو جائے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہاں وہ خود کو اکیلا محسوس کرے اور پریشان ہو۔ تم زیادہ بہتر طور پر اس کا خیال رکھ سکتے ہو اور مکرم سے کہو کہ آج یا کل تک وہ گاؤں واپس آجائے۔'' انہوں نے کہا۔

''بہت بہتر بابا جان۔''

اس نے فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو۔'' اس نے کہا۔

''ہیلو' سنیں آپ کون بول رہے ہیں؟'' گھبرائی ہوئی نسوانی آواز آئی۔

''بی بی! آپ بتائیں کہ آپ کون بول رہی ہیں۔ فون آپ نے کیا ہے۔''

''میں زینی بول رہی ہوں۔ پلیز آپ سبط کے بھائی یا بابا جان سے میری بات کروا دیں۔''

''میں اس کا بھائی بول رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''میں نے کہنا تھا کہ سبط ابھی ابھی یہاں سے نکلا ہے۔ وہ ظاہر تو نہیں کر رہا تھا لیکن بہت غصے میں تھا بہت پریشان بھی تھا۔ پلیز بھائی! آپ اسے کچھ مت کہنا۔ پلیز۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''بھائی نے اسے بھی سمجھایا ہے کہ وہ گھر جا کر کوئی جھگڑا نہ کرے لیکن پلیز آپ بھی اسے کچھ مت کہیں۔''

''بی بی! بہتر ہوگا کہ آپ اس سے زیادہ تعلق نہ رکھیں۔''

''کیا مطلب؟ کیوں نہ رکھوں؟'' وہ اس کی بات کاٹ کر درمیان میں بولی۔ ''اس بارے میں تو میں نے بھائی اور بابا جان کی بات نہیں مانی تو آپ کی مانوں گی؟ میں نے کبھی بھائی اور بابا جان کی کسی بات سے انکار نہیں کیا' لیکن سبط کے معاملے میں' میں کسی سے بھی کوئی کمپرومائز نہیں کرسکتی۔ آپ لوگ یہ کبھی نہیں کہتے کہ ہم آپس کی دشمنی ختم کرتے ہیں' بس یہی کہتے ہیں کہ ایک دوسرے کو چھوڑ دو۔''

اسی وقت سبط لاؤنج میں داخل ہوا اور خادم حسین کو نظرانداز کر کے مکرم کی جانب بڑھا۔ خادم حسین نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا اور اُٹھ کر دونوں کے درمیان آگیا۔

''بھائی! آپ درمیان میں مت آئیں۔'' سبط نے کہا۔

''مکرم تم جاؤ۔'' خادم حسین نے کہا اور پھر سبط سے مخاطب ہوا۔

''تم یہاں بیٹھ کر میری بات سنو۔''

''میں آج آپ کی یا کسی کی بھی کوئی بات نہیں سن سکتا۔ مکرم نے صرف میری انسلٹ

کی ہوتی تو میں خاموش بھی ہو جاتا' لیکن زینی کی اتنی توہین' میں کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''مکرم میں کہہ رہا ہوں کہ تم جاؤ۔'' خادم حسین نے درشت لہجے میں کہا۔

''بھائی میں کہہ رہا ہوں' آپ ہٹ جائیں۔''

مکرم اُٹھا اور خاموشی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سبط اس کے پیچھے لپکا لیکن خادم حسین نے اسے روک لیا۔

''سبط میری بات سنو۔'' اس نے اسے زبردستی صوفے پر بٹھا دیا۔

''میں نے اتنے صبر اور ضبط کا مظاہرہ پہلے کبھی نہیں کیا اور نہ ہی کبھی کرسکتا ہوں۔ اس وقت میں زینی اور زہرا کے تحفظ کی وجہ سے خاموش تھا' لیکن اب وہ محفوظ ہیں اور میں وہ سب کرسکتا ہوں جو اس وقت نہیں کرسکتا تھا۔''

''اس وقت جو کچھ ہوا' وہ صرف غلط فہمی کی وجہ سے ہوا۔ ایسا نہ ہوتا تو ابھی مکرم خاموشی سے باہر نہ نکل گیا ہوتا۔ تم اس کی عادات جانتے ہو۔''

''افسوس تو مجھے اس بات کا ہے بھائی کہ آپ چپ چاپ تماشا دیکھتے رہے۔ اس کے منہ میں جو آیا اس نے بکا۔ مجھ پر ریوالور نکال لینا تو اس کے لیے عام سی بات بن گئی ہے' لیکن زینی پر' میں اسے کبھی معاف نہیں کرسکتا اور پھر اس نے یہیں پر بس نہیں کیا' اسے کلائی سے پکڑ کر کھینچا۔

وہ کوئی عام بازاری لڑکی نہیں ہے' جن کے آپ لوگ عادی ہیں۔ آپ لوگوں کی نظر میں گھر سے باہر نکلنے والی ہر لڑکی نیچ ہوتی ہے۔ یہی سوچ لیا ہوتا کہ وہ میرے ساتھ تھی۔ ٹھیک ہے' وہ آپ کے دشمن کی بیٹی ہے مگر آپ کو یہ خیال بھی نہیں آیا کہ وہ آپ کے بھائی کی محبت اور عزت ہے۔''

''یہی خیال آیا تھا اس لیے اسے چھوڑ دیا' ورنہ ہر خیال سے پہلے یہ خیال آتا ہے کہ یہ لڑکیاں اس گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جہاں امداد کے قاتل رہتے ہیں۔ میں نے اس جسم پر کتنی گولیاں کھائیں' مجھے کتنے زخم لگے یا میں موت کی دہلیز سے پلٹ کر آیا۔ یہ سب میں نے فراموش کر دیا ہے' لیکن یہ بات نہیں بھول سکتا کہ عبداللہ نے امداد کو قتل کیا۔ گولیاں اس کی رائفل سے نکلی تھیں یا کسی اور کی رائفل سے' یہ ایک ثانوی بات ہے۔ میرے نزدیک میرے بھائی کا قاتل عبداللہ ہی ہے۔

اور تم نے ہمیں دہری مشکل میں گرفتار کر دیا ہے۔ تم سے بھی ہمارا وہی رشتہ ہے جو امداد سے تھا۔ ہم میں سے کوئی تمہیں بھی کسی ذہنی اور جسمانی تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا' مگر یہ بھی مت بھولو کہ جہاں بات پرائرٹی کی آجاتی ہے' وہاں دل پر جبر کر کے بھی کسی ایک چیز کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔

URDUPHOTO

کبھی میں سوچتا ہوں کہ قدرت اس سے بڑا مذاق ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں کرسکتی تھی۔ دنیا میں ہزاروں نہیں لاکھوں لڑکیاں ہیں' پھر بھی تمہیں پسند آئی تو حیدر علی شاہ کی بیٹی۔''

''میں نے کسی حیدر علی کی بیٹی کو پسند نہیں کیا تھا' میں نے زینب علی کو پسند کیا تھا اور مجھے اس بات سے نہ کوئی سروکار تھا اور نہ ہے کہ اس کے باپ' دادا کون ہیں اور ان کا سوشل اسٹیٹس کیا ہے۔''

''پھر بھی تم نے ہر معاملے میں ان کی طرف داری کی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ امداد کے قاتل ہیں۔ تم عبداللہ سے ملتے رہے' صرف ایک لڑکی کی خاطر۔'' خادم حسین نے تلخی سے کہا۔

''میں ایک لڑکی یا کسی لڑکی کی خاطر نہیں' زینی کی خاطر ان سے ملا اور اس لیے ملا کہ میں نے انہیں کبھی امداد بھائی کے قاتل کی حیثیت سے نہیں دیکھا۔ حیدر بابا اور ان کے گھرانے کے ساتھ ہمیشہ ہماری طرف سے زیادتی ہوئی ہے۔''

''میں اس معاملے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہیں آنے والے وقت کے لیے تیار رکھوں اور اگر سب کچھ تمہارے حسب منشا نہ ہو تو تم ذہنی طور پر اس بات کے لیے بھی تیار رہو۔''

پھر فون کی گھنٹی بجی۔ خادم حسین نے ریسیور اُٹھالیا۔

''ہیلو۔''

''سنیں! سبط پہنچ گیا؟'' زینی کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

''پہنچ گیا ہے۔''

''آپ نے اسے کچھ کہا تو نہیں؟''

''نہیں۔'' خادم حسین نے مختصراً کہا۔

''تو پھر اس نے مجھے رِنگ کیوں نہیں کیا؟ میں نے اسے اتنی سختی کے ساتھ تاکید کی تھی کہ وہ مجھے خیریت کا فون کرے۔'' وہ بولی۔

''آپ خود اس سے بات کرلیں۔'' خادم حسین نے ریسیور سبط کی طرف بڑھا دیا۔

☆=====☆=====☆

زینی اور زہرا کی فلائیٹ میں کچھ ہی دیر رہتی تھی۔ وہ ائیر پورٹ کی حدود میں داخل ہوئے ہی تھے کہ عبداللہ نے زینی کی طرف دیکھا۔

''اتنی ڈپریس کیوں ہو؟ میں مانتا ہوں کہ تم ایک مرتبہ پھر گھر سے دور جا رہی ہو' لیکن اس کے بجائے زیادہ اچھی اچھی باتیں سوچو۔ وہاں مس جارج تو ہوں گی' مگر پھر بھی تمہارا

دل لگ جائے گا۔"

"ہاں۔"

"اور اب اماں جان کو ایسی پریشان کن شکل مت دکھانا' وہ پہلے ہی تم لوگوں کے جانے کے خیال سے افسردہ ہیں' انہیں مزید افسردہ مت کرنا۔" وہ کار پارک کرتے ہوئے بولا۔

"بھائی میری بات سنیں۔" اس نے عبداللہ کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بات ہے؟"

"کیا آپ سچ مچ ماہ بانو کے لیے سیریس ہیں؟ ریشماں آپی کے لیے کچھ بھی محسوس نہیں کرتے؟"

"کیا حماقت ہے زینی۔" عبداللہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی زہرا نے اسے ڈپٹ دیا۔

"اچھا اب اترو' بابا جان کی کار بھی رک گئی ہے۔" عبداللہ نے کہا۔

وہ زینی کو اس وقت کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"میری بات سنیں بھائی۔" وہ پھر بولی۔

"زینی حد ہوتی ہے کسی بات کی۔" زہرا کو غصہ آ گیا۔ "میں کیا کہہ رہی ہوں' سنا بھی ہے تم نے؟" وہ بگڑ گئی۔

"میرے خیال میں زینی جو کچھ تم کہہ رہی ہو' وہ تمہاری فلائیٹ سے زیادہ اہم نہیں ہے' چلو اترو اب۔" عبداللہ نے کہا۔

"جو میں کہہ رہی ہوں' وہ بہت اہم ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔

"آپ کی وہ ماہ بانو ہے ناں' وہ آج کل بہت پریشان ہے۔ اس نے آپ کو نہیں بتایا لیکن شاید سبط کے بڑے بھائیوں نے اس سے کچھ کہا ہے۔"

"اسٹاپ اِٹ زینی' کوئی بات تو اپنے پیٹ میں رکھ لیا کرو' جو تمہارے معاملات نہیں ہیں' ان میں ٹانگ مت اڑاؤ اور اب اترو جلدی سے۔" زہرا نے تیز لہجے میں کہا۔

"ٹھہرو زہرا۔" عبداللہ نے کہا پھر زینی سے مخاطب ہوا۔

"تمہیں یہ بات کس نے بتائی ہے اور تم نے یہ پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے۔"

"ماہ بانو نے منع کیا تھا۔ اس خیال سے کہ آپ پریشان ہوں گے۔ اس کا خیال ہے کہ آپ تنہا ہیں اور خطرے میں ہیں لیکن میں اس بارے میں مسلسل سوچتی رہی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو نہ پتا چلا تو وہ خود خطرے میں گھر جائے گی' کس قسم کے خطرے میں' یہ میں نہیں جانتی' لیکن میری چھٹی حس کہہ رہی ہے کہ اسے کوئی خطرہ ہے۔"

"تمہیں کیا بتایا ماہ بانو نے؟ وہ اسے کہاں لے گئے اور اس سے کیا کہا؟"

"اس نے کچھ نہیں بتایا وہ کسی کو کچھ نہیں بتانا چاہتی۔ خادم اور مکرم بھائی شاید کسی

نمائش میں ملے تھے اسے۔"

حیدر بابا نے انہیں کار سے نہ اترتے دیکھا تو خود ان کی طرف بڑھ آئے۔

"کیا ہوا بیٹا! آپ لوگ جلدی کریں' ابھی اندر جا کر بھی بہت سے مرحلے ہیں۔" انہوں نے کار کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔

"جی بابا جان!" عبداللہ نے کہا اور اتر آیا۔

☆=====☆=====☆

کالج کھل گیا تھا اور ایک مرتبہ پھر سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ فائنل ایئر پوری طرح تھیسس میں مصروف تھی اور ان کے پاس سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ اُما بھی واپس آ گئی تھی اور بہت بجھی بجھی سی تھی۔

"میں نے ممی سے دسمبر تک کا وقت لیا ہے۔ بس ایڈی کا تھیسس ڈسپلے ہو جائے۔ وہ بہت جینئس ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت آگے تک جائے گا' لیکن اس وقت اسے کوئی شاک پہنچا تو وہ کچھ نہیں کر سکے گا۔ یہیں پر زندگی کی جدوجہد ختم کر دے گا۔"

"کیا کوئی صورت نہیں ہو سکتی اُما؟" ماہ بانو کے لہجے میں امید تھی۔ "کوئی تو ہو گی' کوئی حل تو ہو گا اس مسئلے کا سوچو۔"

"کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک مذہب تبدیل کر لے۔ میں مسلمان ہو جاؤں یا ایڈی ہندو اور یہ دونوں باتیں ہی ممکن نہیں ہیں۔"

"میری ممی بھی مسلمان ہو گئی تھیں' تم بھی اسلام کو اسٹڈی کرو۔ ایڈی کی خاطر نہیں' صرف اس لیے کہ سچائی اور حقیقت تلاش کر سکو۔" نیہاں کہتی۔

"سچائی اور حقیقت خواہ کچھ بھی ہو' لیکن میرے لیے اپنا مذہب تبدیل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ جس حد تک یہ بات تمہارے لیے ناممکن ہے' اس حد تک میرے لیے بھی ناممکن ہے۔ تمہارے خیال میں مذہب تبدیل کر لینا اسی قدر آسان بات ہے۔"

"تم ایڈی سے بات تو کرو' دیکھو کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔" ماہ بانو اسے مشورہ دیتی۔

"پلیز! اس وقت ایڈی سے کچھ مت کہو۔ اس کے تو کان میں بھنک بھی نہ پڑے اس بات کی۔"

اس روز ان کی پینٹنگ کی کلاس ہو رہی تھی۔ ماہ بانو اور نیہاں ریمبراں کی بنائی ہوئی تصویریں کاپی کر رہی تھیں جبکہ اُما سینری کی پینٹنگ بنا رہی تھی۔ عبداللہ اور ایڈی اسٹوڈیو میں داخل ہوئے۔

"شکر ہے تم لوگوں کی شکل بھی نظر آئی۔ میں نے تو سمجھا تھا کہ تھیسس ڈسپلے تک

غائب ہو گئے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کام ہی اتنا ہے کہ کسی اور بات کے سوچنے کی بھی مہلت نہیں مل رہی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''مگر آج ہم نے سوچا کہ تھوڑی سی بریک لی جائے۔'' ایڈی نے کہا۔

''بہت اچھا کیا۔'' نیہاں بولی۔

''اب چلو' ہمارا پروگرام ہے ٹولنٹن سے حلیم کھانے کا اور تم تینوں کو دعوت ہے کہ آؤ ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔''

''کیا؟ ہم ٹولنٹن جائیں؟ بہت اچھی جگہ چنی ہے ہماری دعوت کرنے کے لیے۔'' اُما نے ایڈی کو گھورا۔

''جب باہر کسی کو بتاؤ گی کہ یہاں دو سال پڑھنے کے باوجود بھی تم لوگوں نے ٹولنٹن کی شکل نہیں دیکھی اور وہاں سے کچھ کھایا پیا نہیں ہے تو کوئی یقین نہیں کرے گا' چلو ابھی اور اسی وقت۔'' ایڈی نے زور دیا۔

''پھر بھی ہم لوگ وہاں کیسے جاسکتے ہیں' جیسی جگہ وہ ہے۔'' نیہاں نے تذبذب سے کہا۔

''وہاں بھی انسان رہتے ہیں۔ تم لوگ کیسا آرٹ پڑھ رہے ہو۔ جب تک سوسائٹی کو اسٹڈی نہیں کرو گے' کیا تخلیق کر سکو گے؟''

''مسٹر عدنان عرف ایڈی' کہنا میں نے یہ ہے کہ آپ رہے ہیں ہمیشہ کنٹونمنٹ میں۔ چار چھ سال سے اگر آپ نے سوسائٹی اور سوشل سیٹ اَپ کو اسٹڈی کرنا شروع کیا ہے تو کوئی کمال نہیں کیا۔ مجھے دیکھو جس سیٹ اَپ کو تم نے دور رہ کر اسٹڈی کیا ہے میں اس کا ایک حصہ ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''یار یہ بحث بند کرو' چلنا ہے یا نہیں؟'' عبداللہ نے بدمزگی سے کہا۔

''یہ لڑکیاں تیار نہیں ہوں گی' کہیں اور چلتے ہیں۔'' ایڈی نے کہا۔

''پھر میری طرف آ جاؤ۔'' عبداللہ نے تجویز دی۔

وہ سب اس کی طرف جانے پر راضی ہو گئے۔

عبداللہ کی گاڑی میں ہی بیٹھ کر وہ اس کے گھر پہنچے۔ اتنے دن بعد مل کر بیٹھے تھے' اس لیے باتیں شروع ہوئیں تو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ باتیں کرتے ہوئے عبداللہ اور ماہ بانو اٹھ کر باہر لان میں نکل آئے۔

''زہرا اور زینی وہاں ایڈجسٹ ہو گئیں؟'' ماہ بانو نے لان اور برآمدے کی درمیانی سیڑھیوں پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ کچھ' زینی کا ہر روز فون آ جاتا ہے کہ سب یاد آ رہے ہیں۔ زہرا کو مس جارج سے ڈھیروں شکایتیں ہیں' بس یونہی چل رہا ہے۔''

''زینی اور سبط ایک ہی جگہ پڑھ رہے ہیں ناں۔''

''ہاں' اور جو وہ دونوں تھوڑی بہت ایڈجسٹ ہوئی ہیں تو صرف سبط کی وجہ سے۔ حالانکہ ابھی وہ شروع سے گھر سے دور رہی ہیں بلکہ زینی تو گاؤں جا کر بھی بہت Crib کرتی تھی کہ کس جگہ آ گئی ہے' مگر اب یہی سب یاد آتا ہے اسے۔ ہر روز اماں اور بابا جان سے گھنٹہ بھر ضرور بات کرتی ہے فون پر' خود تو ڈسٹرب ہوتی ہے' اماں جان کو بھی ڈسٹرب کرتی ہے۔''

''ابھی تو زیادہ دن نہیں ہوئے انہیں گئے ہوئے' آہستہ آہستہ عادی ہو جائیں گے۔ شروع میں مشکل ہوتی ہی ہے۔''

''مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں مکرم اور خادم نے کیا کہا تھا؟'' عبداللہ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے پوچھا۔

ماہ بانو چونک گئی۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''اس بات کو چھوڑو کہ کس نے بتایا' مجھے افسوس ہے کہ تم نے نہیں بتایا۔''

''پلیز عبداللہ! تم ایسے تو مت سوچو۔ اس روز بھی میں نے تم سے کہا تھا کہ نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی سے کبھی کام نہ لینا۔''

''اس روز چائنیز میں تم اسی لیے پریشان تھیں۔ تم نے مجھے اپنی پریشانی میں شریک نہیں کیا' اس سے میں کیا نتیجہ اخذ کر سکتا ہوں۔ سوائے اس کے کہ تم مجھ پر بھروسا نہیں کر رہیں۔ تم کیوں سمجھتی ہو کہ میں تمہیں تحفظ فراہم نہیں کر سکتا؟ اتنا دم ہے ابھی میرے بازوؤں میں۔''

''تم کیوں نہیں سمجھتے عبداللہ! تمہارے ذہن پر پہلے کم بوجھ ہیں کیا؟ تم اکیلے ہو اور وہ پانچ بھائی ہیں سب تمہارے خون کے پیاسے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ یہ آگ بجھے اور تم اور پیر صاحب کا خاندان چاہتے ہو کہ یہ آگ مزید پھیلے' مجھے بتاؤ کہ تمہیں کچھ ہو جائے تو......تو......!'' اس نے بات مکمل کرنے کی کوشش کی' لیکن درمیان میں ہی رک گئی۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''جہاں موت آنی ہوئی وہاں تم یا کوئی اور اس کا راستہ نہیں روک سکے گا۔'' عبداللہ کا مزاج بگڑ گیا۔

''مجھے پاگل مت کرو پلیز کیا ثابت کرنا چاہتے ہو یہ بات کر کے تم؟ یہ کہ بہت دلیر

بہت بہادر ہو' موت سے نہیں ڈرتے۔ میں نے مان لیا مگر تم نے کبھی اپنے علاوہ بھی کسی کے بارے میں سوچا ہے کہ تمہاری یہ باتیں ان لوگوں کے لیے کتنی تکلیف دہ ہوں گی جو تم سے محبت کرتے ہیں' تمہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں' محفوظ دیکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ رو پڑی۔

''مائی گاڈ! میں تم لوگوں کے آنسوؤں سے عاجز آ گیا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ خادم اور مکرم نے تم سے کیا کہا تھا؟''

''کچھ نہیں کہا تھا انہوں نے' صرف نمائش دیکھی تھی اور چلے گئے تھے۔''

''تو پھر تم پریشان کیوں تھیں؟'' اس نے جرح کی۔

''میں اس لیے پریشان تھی کہ ان کی نگاہ تم پر پڑی تو کیا ہوگا؟ تم تو بہت بہادر ہو ناں' مگر میں بہت بزدل ہوں۔ تم خوفزدہ نہیں ہوتے مگر میں ہوتی ہوں تمہیں اپنی زندگی کی پروا نہیں ہے مگر مجھے تمہاری زندگی کی پروا ہے۔''

''میں نے ایسی بھی کوئی بات نہیں کہی' جس پر اتنے آنسو بہا رہی ہو۔ اوکے! مان لیا میری غلطی ہے' مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ پلیز اب یہ رونا بند کرو۔'' اس نے اپنا رومال ماہ بانو کی طرف بڑھایا۔

☆=====☆=====☆

''مجھے آج کل تم پریشان لگ رہی ہو' کیا بات ہے؟'' ایڈی نے اُما سے کہا۔

''وہم ہے تمہارا' ایسی کوئی بات نہیں ہے' بس گھر یاد آ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''گھر یاد آ رہا ہے یا انڈیا؟ بہت اچھے میزبان چھوڑ کر آئی ہو وہاں۔'' ایڈی نے شرارت سے کہا۔

اُما کے ہونٹ بھنچ گئے پھر وہ بے نیازی سے بولی۔

''انڈیا تو یاد نہیں آ رہا البتہ میزبان یاد آ رہے ہیں واقعی بہت اچھے تھے۔''

''اوئے' کہیں یہ گرمیوں کی چھٹیوں کے دوران میرا تختہ تو نہیں اُلٹ گیا۔''

''کیا فضول باتیں کر رہے ہو' تمہارے پاس کرنے کو کوئی اچھی بات نہیں ہے کیا؟'' اُما زچ ہوگئی۔

''اچھی باتیں اس وقت کر رہے ہوں گے عبداللہ اور بانو۔ میرے پاس تو یہی باتیں ہیں' انہی پر تمہیں گزارا کرنا پڑے گا ساری زندگی۔''

''کتنے لکی ہو تم لوگ' جسے چاہا وہ مل گئی' میرا کیا بنے گا۔'' جیمز ہنسا۔

''نظر نہ لگاؤ ہمیں۔'' اُما نے کہا۔

''یار مر مر کر ملی ہیں۔ اتنی آسانی سے تو نہیں ملیں۔ بس تیشے سے سر پھوڑنے کی کسر رہتی تھی' ورنہ دودھ کی نہر تو ہم کھود چکے تھے۔'' ایڈی بولا۔

URDU PHOTO

نیہاں نے جیمز کی طرف دیکھا۔ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس' سر پر سیاہ رومال باندھے ہوئے' جس سے اس کے سنہرے بال چھپ گئے تھے۔ وہ کام کرتے کرتے اُٹھ کر آیا تھا' اس لیے کپڑوں پر جا بجا دھبے لگے ہوئے تھے۔

''کتنی لکی ہوگی وہ لڑکی' جسے جیمز پسند کرتا ہوگا۔'' اس نے سوچا۔

''اب بتا ہی دو جیمز کہ وہ ہے کون؟ ہم اس سے تمہاری سفارش کریں گے۔'' ظہیر نے کہا۔

''ابھی سوچ ہی رہا ہوں۔ کہوں گا اس سے مگر کچھ بننے کے بعد۔ میں اسے رائل پارک کے اس تنگ و تاریک کمرے میں لا کر اس کی زندگی تباہ نہیں کرنا چاہتا۔'' جیمز بولا۔

''مگر وہ ہے کون؟ ہمیں تو بتا دو۔'' نیہاں نے کہا۔ جیمز کی بات سن کر اس کے دل میں جیسے چھن سے کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

''وہ Living Aphrodite ہے۔ اس کی اس سے زیادہ مکمل اور جامع تعریف کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔'' جیمز نے کہا۔

اُما نے نیہاں کی طرف دیکھا۔ جیمز کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کیا تھا مگر وہ بظاہر اسی طرح بے نیاز بیٹھی ہوئی تھی۔

☆=====☆=====☆

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا' ریشماں کے اضطراب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ چچی اماں کی خوشی دیدنی تھی۔ برسوں کی دعاؤں کے بعد ان کے گھر بہار آ رہی تھی۔ بس اب ان کے ہونٹوں پر ہر وقت ایک ہی دعا رہتی تھی۔

''یا مولا بیٹا دینا۔''

یہ الفاظ جیسے ہی اس کی سماعت سے ٹکراتے تھے وہ اندر تک کانپ کر رہ جاتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسے میں وہ کیا دعا مانگے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ چچی اماں کے گھر بیٹا پیدا ہو اور یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس حویلی کی چار دیواری میں سسکنے کے لیے ایک اور لڑکی آ جائے۔ جب گھبراہٹ بڑھ جاتی تھی تو وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے عبداللہ کی تصویریں نکال لیتی تھی اور اس سے باتیں کرنے لگتی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ایسے میں کتنا وقت گزر جاتا تھا۔

اماں جان نے اس کا بہت خیال رکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اسے اپنے ساتھ رکھیں۔ یہ تو نہیں معلوم تھا کہ وہ انہیں اپنی سگی سہیلی سمجھ کر ان سے اپنے دل کی بات نہیں کر سکتی تھی' مگر اس سے زیادہ ان کے بس میں اور کچھ تھا بھی نہیں۔ پیر صاحب سے البتہ اس کا سامنا کم ہی ہوتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر ان سے کتراتی تھی۔

اسے اب تک یاد تھا جب اماں جان نے ان سے کہا تھا۔

''یہ کچھ نہیں بتا پائے گی پیر صاحب کیونکہ اس کی زبان پر آپ کی حویلی کی روایتوں نے تالے لگا رکھے ہیں اور اس سے پوچھتے بھی کیوں ہیں؟ میں اس کی سوتیلی ماں ہوں' مگر آپ کی یہ سگی اولاد ہے' اس کے آنسو اپنی داستان خود نہیں سنا رہے' آپ سن نہیں سکتے یا سننا چاہتے نہیں ہیں۔''

وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کہ پیر صاحب سے اس لہجے میں کوئی اتنی بڑی بات کہہ سکتا تھا' خواہ وہ اماں جان ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ یوں لگا تھا جیسے سانس رک گیا ہو۔ پیر صاحب کا چہرہ اماں جان کی بات سن کر متغیر ہو گیا تھا۔ پہلے انہیں غصہ آیا تھا' پھر آنکھوں میں بیتے دنوں کے عکس لہرانے لگے تھے اور پھر انہوں نے صرف اسی قدر کہا تھا۔

''بیٹا! آپ اب اپنی خواب گاہ میں جائیں' بہت رات ہو گئی ہے' آرام کریں۔''

اور وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی تھی' اسے یقین تھا کہ اماں جان کی بات سن کر پیر صاحب ضرور طوفان اُٹھائیں گے' لیکن نہ جانے کیسے وہ طوفان ٹل گیا تھا۔

اس وقت بھی وہ اماں جان کے کمرے میں رات کا کھانا کھا رہی تھی۔ پیر صاحب کے علاوہ سب ہی وہاں تھے۔ کھانے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر اماں جان اور بھائیوں کے اصرار پر وہ خاموشی سے تھوڑا بہت کھا رہی تھی۔

''آپی کیا ہوا ہے۔ دوپہر میں بھی آپ نے بمشکل چند لقمے لیے تھے۔ کھانا اچھا نہیں لگ رہا؟'' مکرم نے کہا۔

''نہیں' میں کھا تو رہی ہوں' تمہیں خواہ مخواہ وہم ستاتے ہیں۔'' وہ بولی۔

''اماں! آپ آپی کے لیے' ان کی پسند کا کھانا پکوایا کریں۔'' مکرم نے انہیں مخاطب کیا۔

''میں تو تم سب کے لیے تم لوگوں کی پسند کا کھانا ہی پکواتی ہوں۔'' پھر وہ قدرے توقف سے آہ بھر کر بولیں۔ ''اس حویلی کی عورتوں کی قسمت میں ہی یوں گھل گھل کر مرنا لکھا ہے۔''

ریشماں یک دم مضطرب ہو گئی۔ اس نے اس طرح اماں کی طرف دیکھا' جیسے انہیں روکنا چاہ رہی ہو' جیسے کوئی بات ہو' جسے وہ سب سے چھپا کر رکھنا چاہتی ہو' مکرم نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''کیا بات ہے اماں جان؟'' اس نے ان کی طرف دیکھا پھر ریشماں سے مخاطب ہوا۔ ''آپی' آپ بتائیں' آپ لوگ کچھ چھپا رہے ہیں' کیوں' ایسی کیا بات ہے؟''

''جو بھی بات ہے وہ جا کر اپنے بابا جان سے پوچھ لو۔'' اماں جان نے تلخی سے کہا۔

نواز ش اور حضور علی نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔

''کچھ نہیں ہے مکرم تمہیں وہم ہو رہا ہے۔ پلیز تم کھانا کھاؤ۔'' ریشماں نے جلدی سے کہا۔ وہ مضطرب اور پریشان تھی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' کہہ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

ریشماں اسے کمرے سے نکلتے دیکھتی رہ گی۔ اسے معلوم تھا کہ ایک بار کھانے سے ہاتھ کھینچ لینے کا مطلب تھا کہ وہ تب تک اپنے منہ میں گندم کا ایک دانہ بھی نہیں ڈالے گا جب تک یہ نہ جان لے کہ اماں جان کی بات کا مفہوم کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس وقت بابا جان کے پاس گیا ہوگا۔ وہ ان سے ہر بات جاننے کی کوشش کرے گا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ بچپن سے ایسا ہی تھا۔ جس چیز کی دھن سوار ہو جاتی تھی اسے پورا کر کے چھوڑتا تھا۔ اسے غصہ جلدی آتا تھا۔ وہ ضدی تھا اور ضد پوری کرنا بھی جانتا تھا اور جس بات کا ایک مرتبہ ارادہ کر لیتا تھا اسے پورا کر کے ہی چھوڑتا تھا۔

نوازش اور حضور علی ابھی تک اس تمام واقعے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ریشماں نے اماں جان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ان کے لیے شکوے ہی شکوے تھے۔

''اماں! آپ کیوں چاہتی ہیں کہ ان کی زندگی مختصر ہو جائے۔'' وہ ہمیشہ کی طرح خاموش رہنا چاہتی تھی' مگر اس وقت نہ رہ سکی۔

اماں جان کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی' مگر اس سے پہلے کہ وہ اس سے کچھ کہتیں' ریشماں اُٹھ کر ان کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

مکرم وہاں سے نکل کر سیدھا پیر صاحب کے پاس پہنچا' جو منشی کے ساتھ زمینوں کے حساب کتاب میں مصروف تھے۔ اماں جان کے چہرے پر پھیلا دُکھ اور ریشماں کی آنکھوں کا اضطراب اسے بھول نہیں رہا تھا۔ اسے ریشماں سے بے تحاشا محبت تھی' مگر کسی سے بھی محبت ظاہر کرنا اس کی فطرت میں ہی نہیں تھا۔ وہ کہیں بھی جاتا تھا تو ریشماں کے لیے ڈھیروں چیزیں لاتا تھا لیکن سبط اور باقی بھائیوں کی طرح اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی اپنی دنیا تھی اور وہ اس سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ ریشماں کے حوالے سے بس وہ اس قدر چاہتا تھا کہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔ وہ اس کی آنکھوں میں دُکھوں کی پرچھائیاں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''منشی! کتنا کام باقی ہے۔'' اس نے حسبِ عادات تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

پیر صاحب نے اس کی طرف دیکھا۔ یہ اندازہ لگانے میں انہیں دیر نہیں لگی کہ وہ ان سے کوئی خاص بات کرنے آیا تھا۔ اس کی ضدی طبیعت سے بھی وہ واقف تھے۔ کہنے کو تو اس نے منشی سے یہ پوچھا تھا کہ کتنا کام باقی رہ گیا تھا' مگر اس کا لہجہ کہہ رہا تھا کہ منشی اُٹھو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کام ضروری تھا لیکن وہ اپنے بیٹوں کو ہر چیز کے مقابلے میں اولیت دینے کے قائل تھے' اس لیے منشی سے مخاطب ہوئے۔

''منشی جی! آپ جائیں' باقی حساب بعد میں دیکھ لیں گے۔''
پھر وہ مکرم سے بولے۔ ''بیٹھو۔''
وہ بیٹھ گیا۔
''اب کہو کیا کہنا ہے۔'' منشی کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
''ریشماں آپی کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''کیا مطلب؟ کیا ہوا اسے؟ وہ خیریت سے تو ہے؟'' انہوں نے فکر مند ہو کر کہا۔
''بظاہر تو وہ ٹھیک ہیں' لیکن ان کے ساتھ کوئی پرابلم ضرور ہے۔ ان کی صحت دن بہ دن گرتی جارہی ہے۔ کھانا پینا چھوٹ گیا ہے۔ بہت ہوا تو دو چار لقمے ہمیں مطمئن کرنے کی خاطر لے لیتی ہیں۔ انہیں کوئی مسئلہ درپیش ضرور ہے' جس کی اماں جان اور آپ کو بھی خبر ہے۔ میں اس کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔
پیر صاحب نے پائپ سلگایا اور کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔
''اگر تمہاری اماں جان کو خبر ہے تو ان سے پوچھ لو۔ یوں بھی مائیں بیٹیوں کے مسائل زیادہ اچھے طریقے سے سمجھتی ہیں۔''
''نہیں بابا جان! وہ جو بھی مسئلہ ہے' اسے آپ شاید اماں جان سے بھی زیادہ بہتر طور پر جانتے اور سمجھتے ہیں مجھے ٹالیں مت۔''
وہ پائپ کے کش لیتے ہوئے سوچتے رہے کہ صورتِ حال کو قابو میں رکھتے ہوئے مکرم کو کس طرح مطمئن کیا جا سکتا ہے۔ وہ منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر وہ بولے۔
''وقت اور زمانہ تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ حویلی کی روایات اور نئے آنے والے رجحانات کو بیلنس کر سکیں۔''
''بابا جان! مجھے ان مسائل اور باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ میں اتنا چاہتا ہوں کہ آپی خوش رہیں جبکہ وہ خوش نہیں ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں ناخوش ہیں اور کیسے خوش ہوں گی۔''
''وہ شاید زندگی میں کچھ مس کر رہی ہے۔'' پیر صاحب نے کہا۔
''کیا؟ ہم سب ان سے محبت کرتے ہیں' ان کا خیال رکھتے ہیں' ان کے سامنے ان کی پسند کی چیزوں کا ڈھیر لگا دیا ہے ہم نے' پھر وہ کیوں خوش نہیں ہے؟ کیا مس کر رہی ہیں وہ؟''
''یہ میں نہیں جانتا۔ وہ بہت کم گو ہے' شاید اس کی کوئی بہن ہوتی تو وہ اس سے اپنے دل کی بات کہہ دیتی' لیکن اب وہ کسی سے کچھ نہیں کہتی۔''
مکرم کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

URDU PHOTO

''میرے خیال میں بابا جان وہ زندگی کے تجربات مس کر رہی ہیں۔ ان کی زندگی محدود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہی کمرا' وہی در و دیوار' وہی مخصوص چہرے' وہی روزمرہ کی باتیں' انہیں تبدیلی چاہیے۔
ایک تو امداد بھائی کی وفات نے ان کے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ وہ اس صدمے سے ہی نہیں سنبھلیں۔ اس کے بعد سے اب تک میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ جیسے وہ اندر ہی اندر ختم ہو رہی ہیں۔ اب خادم بھائی اور سبط بھی امریکہ چلے گئے ہیں۔ وہ اپنے ذہن کا بوجھ کسی سے شیئر بھی نہیں کرتیں' اس طرح تو وہ گھٹ کر رہ جائیں گی۔ ہمیں ان کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔'' پھر اسے جیسے اچانک خیال آیا۔
''بابا جان! میں چاہتا ہوں کہ وہ حویلی سے باہر نکلیں۔''
''کہاں؟''
''کہیں بھی' چاہے لاہور' چاہے کہیں بھی مگر اس حویلی میں نہ رہیں۔''
''یہ نہیں ہو سکتا مکرم! اس حویلی کی کوئی بیٹی آج سے قبل حویلی سے باہر نہیں نکلی' نکلتی رہی ہیں' مگر جب بھی نکلی ہیں' حویلی میں طوفان ضرور اُٹھے ہیں' بہت تباہیاں آئی ہیں۔'' ان کی نگاہوں میں برسوں کی دُھند میں لپٹے زیب النساء اور مہر النساء کے چہرے ابھر آئے۔
''میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔''
''اور ہم تکلیف دہ ماضی کو دہرانا نہیں چاہتے۔'' پیر صاحب نے کہا۔
''بابا جان! میں نے آج تک آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کیا اور...... میں ایسا کرنا بھی نہیں چاہتا لیکن آپی کی خوشیوں کی خاطر میں کسی سے بھی کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ میری ایک ہی بہن ہے اور میں اسے یوں گھٹ گھٹ کر مرتے نہیں دیکھ سکتا۔'' اس نے ''ایک بہن'' کہا تو ساتھ ہی اس کے ذہن میں بھیگی آنکھوں والی زینی کا تصور اُبھر آیا۔
''اس معاملے پر ٹھنڈے دل سے سوچو' ہمیں اس حویلی کی عزت دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہے۔''
''آئی ایم سوری بابا جان! لیکن میرے لیے یہ حویلی' اس کی عزت اور روایات ریشماں آپی کی خوشیوں سے زیادہ اہم نہیں ہیں۔ میرے لیے اس دنیا میں دو رشتے سب سے زیادہ اہم ہیں' اماں جان اور ریشماں آپی کا۔ میں آپ کی طرح جذبات کو الگ رکھ کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یہ شاید اچھا ہی ہے کہ میں خادم بھائی کی جگہ نہیں ہوں۔ آپ کی گدی کی وراثت میرے پاس نہیں آئی۔ میں ریشماں آپی کو کہیں باہر لے جانا چاہتا ہوں۔ جگہ کا انتخاب آپ کر لیں۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا۔
پیر صاحب چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ ان کے ذہن میں یاسمین بیگم کی آواز گونج رہی تھی۔

''میں اس کی سوتیلی ماں ہوں مگر آپ کی یہ سگی اولاد ہے۔ اس کے آنسو اپنی داستان خود نہیں سنا رہے؟ آپ سن نہیں سکتے یا سننا نہیں چاہتے۔''

ان کی نگاہوں کے سامنے ریشماں کا ستا ہوا چہرہ آ گیا۔ آنکھوں میں ڈر' زرد چہرہ' خوفزدہ' کمزور سی...... ریشماں۔

پل کے پل انہوں نے ماضی کا طویل سفر طے کر لیا وہ دن جب انہیں ان کی زندگی کا پہلا اور زبردست دھچکہ لگا تھا۔ جس روز لاہور سے واپسی پر راستے میں اچانک ان کی نگاہ اچھو اور زیبی پر پڑی تھی...... زیبی جس نے ہیڈ لائٹس کی روشنی پڑتے ہی چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا اور جیسے ہی اسے اندازہ ہوا کہ آنے والا رجب علی تھا تو اس نے یوں اچھو کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی تھی' جیسے وہ اسے سب سے بچا لے گا۔ وہ اس وقت کو کبھی بھلا نہیں سکتے تھے۔ جب زیبی' اچھو کو جھنجھوڑ کر جگا رہی تھی' اسے ابدی نیند سے بیدار کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور جب وہ اسے بالوں سے گھسیٹ کر کار کی طرف لے جا رہے تھے' تو وہ چلا رہی تھی۔

''چھوڑو مجھے ظالم انسان' نفرت ہے مجھے تم سے' تم نے میرے اچھو کو مار دیا' میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

اور جب وہ اور بابا جان' زیب النساء کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تھے' حویلی کے ماتھے پر لگ جانے والے داغ کو دھونے کے لیے اس وقت زیب النساء کی آنکھوں میں صرف اور صرف ایک جذبہ تھا' شدید نفرت کا جذبہ۔

پھر اس نے بولنا شروع کیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر خوف سے آزاد ہو گئی ہو' انجام سے بے پروا ہو گئی ہو۔

''جس طرح یہ گڑیاں میری ملکیت تھیں' اسی طرح میں آپ کی ملکیت تھی' جس طرح میں انہیں الماری میں بند کر کے بھول گئی تھی' اسی طرح آپ مجھے اس کمرے میں بند کر کے بھول گئے تھے۔

لیکن مجھ میں اور ان گڑیوں میں ایک بنیادی فرق تھا۔ ان میں روح نہیں تھی' مجھ میں تھی۔ ان میں دل نہیں تھا۔ مجھ میں تھا۔ یہ سوچ نہیں سکتی تھیں' میں سوچ سکتی تھی۔ سو میں بہت کچھ سوچتی رہی۔ بہت سے ''کیوں'' میرے گرد چکراتے رہے' لیکن ادب آداب کی تہوں میں ملفوف ہونے کی وجہ سے مجھ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ میں اپنے ''کیوں'' کا جواب آپ سے طلب کر سکتی' بس اس لیے میں نے نظریں چرانا شروع کر دیں۔ اپنی سوچوں سے بھی اور اپنے سوالوں سے بھی۔''

اور وہ وقت جب بابا جان نے یہ سب باتیں سن کر زیب النساء کے گال پر طمانچہ مارا تھا اور وہ چند لمحے سکتے کی کیفیت میں ان کی جانب دیکھتی رہ گئی تھی۔

انہیں وہ سب یاد تھا۔ اس لمحے انہیں زیب النساء سے رتی بھر بھی ہمدردی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ان کے سامنے جان دی تھی۔ پھر بھی انہیں کوئی دکھ' کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ ہاں وہ بے سکون ہوئے تھے' یہ سوچ کر ابھی ان کی ایک اور بہن بھی تھی اور جو کچھ زیب النساء نے کیا تھا' وہی کچھ آئندہ بھی پیش آ سکتا تھا۔ اور وہ بے سکون تھے' یہ دیکھ کر کہ حیدر علی ان سے دور ہو گیا تھا۔ وہ یہ خلیج پاٹنا چاہتے تھے' لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

لیکن پھر یوں ہوا کہ وہ مسلسل بے سکون رہنے لگے۔ یوں لگتا تھا' جیسے زیب النساء کی موت کے بعد پنڈورا کا پٹارہ کھل گیا ہو۔ اس روز سے لے کر اب تک انہیں سکون میسر نہیں آیا تھا۔

زیب النساء کے بعد مہر النساء کو قتل کرتے ہوئے انہیں صدمہ ہوا تھا۔ اس روز بھی وہ شدید غصے کے عالم میں تھے۔ جو کچھ مہر النساء نے کیا تھا۔ اس کے بارے میں تو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر اسے مارتے ہوئے ایک لمحے کے لیے ان کے ذہن میں ریشماں کی شبیہہ اتر آئی تھی۔ اسے ذہن سے جھٹک کر انہوں نے مہر النساء کو بھی قتل کر دیا تھا۔ اس کے بعد برسوں یوں ہوا تھا کہ ریشماں پر نگاہ پڑتے ہی یہ خیال ان کے دل میں اُتر آتا تھا۔

''کیا ایک دن ریشماں بھی میرے یا اپنے بھائیوں کے ہاتھوں اسی طرح' اسی نفرت کے ساتھ قتل ہو جائے گی۔''

اور ان کا دل دہل کر رہ جاتا تھا۔

''نہیں یہ تو اتنی معصوم' اتنی پیاری ہے' ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟''

پھر انہیں خیال آیا تھا کہ ان کی بہنیں بھی اس عمر میں اتنی ہی پیاری اور اتنی ہی معصوم تھیں' وہ انہیں کتنے ہی کھلونے لا کر دیا کرتے تھے۔ کتنی ڈھیر ساری گڑیاں لا کر دی تھیں۔ انہوں نے دونوں کو۔ ان دونوں کو قتل کرنے کے بعد انہوں نے وہ گڑیاں اسی الماری میں مقفل کر کے رکھ دی تھیں' جس میں سے ایک دن انہوں نے سیاہ شیشی نکالی تھی۔

یہ سب خیال آتے ہی وہ دل میں تہیہ کر لیتے تھے کہ ریشماں سے کبھی بھی زیادہ محبت نہیں کریں گے' مگر اس کی حرکتیں اتنی پیاری اور باتیں اتنی میٹھی ہوتی تھیں کہ وہ خود سے کیے تمام وعدے بھلا دیتے تھے۔ اس پر پہلی مرتبہ نظر پڑتے ہی ان کے دل میں کچھ پگھلنے سا لگا تھا۔ اس کے لیے محبت ایک بالکل نئے انداز میں ابھری تھی۔ وہ پہلے بھی باپ بن چکے تھے' گدی کا وارث پیدا ہوا تھا تو انہیں خوشی ہوئی تھی' مگر ایسی نہیں۔ پھر ریشماں کی پیدائش سے چند دن قبل امداد پیدا ہوا تھا۔ ان کا دوسرا بازو' تب بھی انہیں ویسی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

وہ سمجھ نہیں پائے تھے کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ کیا اس لیے کہ وہ زرینہ کی بیٹی تھی؟ زرینہ' جس نے منتر پڑھ کر ان کے قدم جکڑ لیے تھے۔ یا پھر اس لیے کہ وہ بیٹی تھی اور بیٹیاں جتنی نرم و نازک

خود ہوتی ہیں' ویسے ہی نرم و نازک جذبات والدین میں بھی پیدا کر دیتی ہیں۔

ریشماں نے سب سے پہلے ''بابا'' کہنا سیکھا تھا۔ اس کے منہ سے ''بابا'' سن کر ان کی روح تک سرشار ہو جاتی تھی۔ جب چھوٹی سی ریشماں بھائیوں کو تنگ کر کے' انہیں چھیڑ کر یا ان سے شرارت کر کے ان کے پاس بھاگی آتی تھی اور ان کی گود میں چڑھ کر کہتی تھی۔

''بابا جان بچائیں۔''

تو ایک لمحے کے لیے ان کا دل بیٹھ جاتا تھا۔ ان کے تصور میں پل کے پل میں وہ بڑی ہو جاتی تھی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتی تھی۔

''بابا جان بچائیں۔''

اس تصور سے انہیں اس کی خوبصورت ہنسی باہر کھینچ نکالتی تھی۔ اسے بابا جان کی گود میں چڑھے دیکھ کر اس کے پیچھے آتے بھائی رُک جاتے تھے اور وہ انہیں منہ چڑا کر ہنس دیتی تھی۔ ایسے میں وہ انہیں اتنی پیاری لگتی تھی کہ وہ کتنی دیر تک اسے گود میں بٹھائے رکھتے تھے۔ ڈھیر سارا پیار کرتے تھے۔ وہ بھی ان سے باتیں کرتے نہیں تھکتی تھی۔ مزے لے لے کر انہیں اپنی شرارتوں کے قصے سناتی تھی۔

اس کی باتیں سنتے ہوئے ان کے ذہن میں مسلسل یہ سوال ہتھوڑے برساتا رہتا تھا۔

''کیا ایک دن ریشماں بھی میرے یا اپنے بھائیوں کے ہاتھوں اسی طرح' اسی نفرت کے ساتھ قتل ہو جائے گی۔''

یہ تصور ہی ان کے لیے سوہانِ روح تھا۔ وہ حیران ہو جاتے تھے اپنے بابا جان کی ہمت پر جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی سب سے پیاری بیٹی کو زہر دیا تھا۔

ایسے میں انہیں حیدر علی کا خیال آتا تھا۔ حیدر علی جسے اپنی بہنوں سے شدت کے ساتھ محبت تھی' جس نے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ زیب النساء اچھو کے ساتھ بھاگ رہی تھی' اسی کا ساتھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے ساتھ لڑ بھی پڑا تھا' ہاتھا پائی پر اتر آیا تھا۔

ان کا دل چاہتا کہ اور سب باتوں کو چھوڑ کر...... حیدر علی کی ذات کا یہ وصف ان کے بیٹوں میں بھی آ جائے۔ ریشماں ان کی سوتیلی بہن تھی' مگر وہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے اسے سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر محبت دیں۔ یہ خوف ان کے اندر بیٹھ چکا تھا کہ ایک دن ان کے بیٹے ریشماں کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو انہوں نے زیب النساء اور مہر النساء کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے لاشعوری طور پر یہ کوشش شروع کر دی کہ ان کے سب بیٹے ریشماں سے اتنی محبت کریں کہ اسے کبھی سوتیلے پن کا احساس نہ ہو اور اگر کبھی ریشماں کے بھائیوں کو اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا پڑے جو انہوں نے مہر النساء اور زیب النساء کے ساتھ کیا تھا' تو ان کے ہاتھ اس پر [illegible] ان کی بہن سے محبت ان کا راستہ روک لے۔

اس سلسلے میں انہوں نے صرف ایک مرتبہ یاسمین بیگم سے کہا تھا۔

''ہم نہیں چاہتے کہ ہماری بیٹی کو اس حویلی میں کسی سوتیلے پن کا احساس ہو۔ اس حویلی پر سب سے پہلا حق ہماری بیٹی کا ہے' بعد میں کسی اور کا۔ یہ بات آپ اپنے بیٹوں کو بچپن سے ہی ذہن نشین کروا دیں۔''

یاسمین بیگم جھکے سر کے ساتھ سب کچھ سنتی رہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اس بات پر یاسمین بیگم نے دل میں کیا سوچا تھا۔ البتہ آنے والے دنوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انہوں نے ان کے حکم سے سرتابی نہیں کی تھی۔ انہوں نے بیٹوں کی پرورش اس طرح کی تھی کہ وہ بہن کی محبت میں شاید حیدر علی کو بھی پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

بچپن میں وہ بے حد شرارتی تھی۔ مگر شرارتوں کی عمر سے نکل کر جب وہ ذرا بڑی ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ وہ بھی بھائیوں پر جان چھڑکتی تھی۔ انہیں خراش آ جاتی تھی تو رو رو کر ہلکان ہو جاتی تھی۔ کھانا تک نہیں کھا سکتی تھی۔ بہن بھائیوں کی اس محبت نے ان کے دل کے بہت سے خدشات مٹا دیے تھے' مگر پھر بھی اس پر نگاہ پڑتے ہی انہیں زیب النساء اور مہر النساء کا خیال آ گھیرتا تھا اور کہیں سے حیدر علی کی آواز ابھرتی تھی۔

''بابا جان! آپ جیتی جاگتی' سانس لیتی ہوئی لڑکیوں اور زمین کو ایک ہی مقام دے رہے ہیں۔ وہ زمین' جائیداد اور بینک بیلنس کی طرح نہیں ہیں۔ وہ محسوس کر سکتی ہیں' ہر دکھ اور ہر تنہائی کو۔ بابا جان! آپ ان کے لیے صدر دروازہ نہیں کھولیں گے' تو چور راستے اپنے آپ کھل جائیں گے۔ کٹورے میں گنجائش سے زیادہ پانی ڈالا جائے تو وہ بھی چھلک جاتا ہے۔ ان کے صبر اور ضبط کو ان کے لیے آزمائش مت بنائیں۔ اس دن کو آنے سے روک دیں۔ بابا جان جس دن چور دروازے کھل جائیں گے اور کٹورے سے پانی چھلک جائے گا۔''

انہیں خبر نہیں تھی کہ ریشماں کے صبر و ضبط کے کٹورے میں وہ کس قدر پانی بھر چکے تھے اور اسے چھلکنے میں کتنا وقت درکار تھا۔ اس روز بھی وہ رو رہی تھی اور بہت اصرار کے باوجود بھی اس نے صرف اسی قدر کہا تھا۔

''بابا جان مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''تو کیا ریشماں بھی اپنے انجام کے قریب پہنچنے والی ہے؟'' ان کے اندر کسی نے سوال کیا۔

اور ان کا دل بیٹھنے لگا۔ لمحوں میں انہوں نے برسوں کا سفر طے کر لیا تھا۔ مکرم اب بھی ان کی طرف منتظر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ریشماں کے لیے اس کا حق لے کر ہی جائے گا۔

"ٹھیک ہے۔" بالآخر انہوں نے مکرم سے کہا۔ "ہماری طرف سے اجازت ہے' اسے اس کے نانا' نانی کے گھر لے جاؤ' یوں بھی اس کی نانی نے ہم سے اس بارے میں بہت اصرار کیا تھا۔"

"تھینک یو بابا جان۔" وہ مسکرایا۔

"مگر اس کے لیے چند شرائط ہیں۔" وہ بولے۔

"کیسی شرائط؟"

"وہ آج رات جا کر پرسوں رات واپس آ جائے گی۔ دن کی روشنی میں باہر نکلنے کی ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ جب تک وہ مولوی صاحب کے گھر رہے گی' تب تک اس کی ملازمہ کے علاوہ کوئی بھی اور شخص' خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی عزیز' رشتہ دار کیوں نہ ہو' خواہ کوئی عورت ہی' ان کے گھر میں داخل نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔" مکرم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

"اس کے علاوہ تم اس تمام عرصے میں وہیں رہو گے' اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں کرو گے۔"

"بہتر بابا جان۔" اس نے اس بات پر بھی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ دو دن تک وہ کہیں بھی یوں بندھ کر نہیں رہ سکتا تھا مگر ریشماں کی خوشی کی خاطر اسے اس بات کی پروا نہیں تھی۔

"جاؤ' ریشماں کو بھی بتا دو اور مولوی صاحب کو بھی اطلاع کر دو۔" انہوں نے کہا۔

مکرم وہاں سے نکل کر سیدھا ریشماں کی خواب گاہ میں پہنچا۔ اسے دیکھ کر ریشماں نے ہشاش بشاش دکھائی دینے کی کوشش کی۔

"آؤ مکرم بیٹھو۔" وہ مسہری سے اتر آئی۔

"آپی! میں آپ سے کچھ کہنے آیا تھا۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

ریشماں کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

"کیا کہنا چاہتا ہے مکرم؟ کیا اماں جان نے بابا جان...... کو کچھ بتا دیا تھا یا وہ خود ہی سب کچھ سمجھ گئے تھے اور کیا انہوں نے وہی سب کچھ مکرم کو بھی بتا دیا؟ مکرم کیا کہے گا کیا کرے گا؟ وہ تو ان کے خون کا پیاسا تو نہیں......" اس سے آگے وہ سوچ بھی نہ سکی۔

مکرم جو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا' بولا۔

"آپی! میں نے آپ کو ایک بہت دلچسپ بات بتانی ہے۔"

ان کے الفاظ نے بھی ریشماں کو کوئی تسلی نہیں دی۔ اس کا چہرہ اب تک ویسا ہی تھا۔

"آپ کا دل چاہتا ہے آپی یہاں سے کہیں باہر جانے کا؟ مثلاً اپنے ناناجی اور نانی اماں کے گھر؟"

URDU PHOTO

ریشماں کی کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ وہاں سے باہر نکل سکتی۔

"بابا جان چاہ رہے ہیں کہ آپ ایک آدھ دن ان کی طرف رہ آئیں' آپ کی طبیعت بہل جائے گی۔" مکرم نے اپنی بات مکمل کی۔

"کیا؟" اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"ہاں' لیکن یہاں بھی تو کوئی آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا' اس لیے بابا جان چاہتے ہیں کہ آپ زیادہ دن نہ رکیں۔" وہ بولا۔

"پلیز مکرم! مجھ سے مذاق مت کرو۔" اس نے آزردگی سے کہا۔

"آپی! میں مذاق نہیں کر رہا' میں سو فیصد سیریس ہوں۔" وہ بولا۔

☆=====☆=====☆

فوزیہ بیگم کا دل بچوں کے بغیر بہت اداس ہو رہا تھا۔ جب زہرا اور زینب حویلی میں تھیں' تو کتنی رونق رہا کرتی تھی۔ اب بھی ہر روز بچیوں کا فون آ جاتا تھا۔ زینی جو گاؤں میں خوش نہیں تھی' اب اسے بہت مس کر رہی تھی۔

"اماں! میں بہت اداس ہوں' مجھے سب بہت یاد آتے ہیں۔ میرا دل نہیں لگ رہا۔" وہ کہتے کہتے رو پڑتی تھی۔

"میری جان! میری چندا چھوڑو سب کچھ اور واپس آ جاؤ۔" وہ بھی رو دیتی تھیں۔

"میں کیا کروں اماں! یہ بھی تو نہیں ہو سکتا ناں اماں پلیز! آپ اور بابا جان آ جائیں' پلیز اماں۔"

"وہ بھی تو نہیں آ سکتے' یہاں زمینوں کے مسئلے ہیں' عبداللہ بھی کالج میں مصروف ہے۔ بس زینی تم سب کچھ چھوڑو اور پاکستان واپس آ جاؤ۔"

ہر روز ماں بیٹیوں کے درمیان اسی قسم کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ فون بند کرنے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک روتی رہتی تھیں۔ حیدر علی کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا تھا۔

"ہم کب تک اس طرح رہیں گے علی! اپنے بچوں کے بغیر' مجھ سے اب ایسے نہیں رہا جاتا۔ ہم نے اپنے بچوں کی زندگی کے کتنے خوبصورت فیز مس کیے ہیں۔ وہ ہماری نگاہوں کے سامنے پلتے' بڑھتے اور جوان ہوتے مگر ہم کچھ نہیں دیکھ سکے۔ ہم نے اولاد ہوتے ہوئے بے اولادوں کے دکھ سہے ہیں۔"

حیدر علی انہیں چپ کراتے رہ جاتے۔ خود بھی وہ کب خوش رہے تھے بچوں کے بغیر اور اب زہرا اور زینب کے امریکہ چلے جانے کے بعد سے تو وہ خود بھی بہت اداس تھے۔ زہرا تو سمجھدار تھی لیکن انہیں رہ رہ کر زینی کا خیال آتا تھا۔ اس کی شرارتیں' اس کی حماقتیں' وہ بات بے بات اس کا ہنسنا اور کبھی رونا۔ سبط کا ذکر کرتے ہوئے زبان دانتوں تلے دبا لینا۔

سبط حسن انہیں اچھا لگا تھا لیکن زینی کی وہاں شادی کے سلسلے میں وہ مطمئن نہیں تھے۔ انہیں احساس تھا کہ ماہ بانو نے انہیں جذباتی طور پر بلیک میل کر کے شکست دی تھی۔ بعد میں بھی انہوں نے اس بارے میں بہت سوچا تھا۔ زینی اور زرینہ میں انہیں ایک قدر مشترک نظر آتی تھی۔ ان دونوں نے شدت سے محبت کی تھی۔ زرینہ کا انجام ان کے سامنے تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ زینی بھی ایسے ہی کسی انجام سے دوچار ہو۔ بالآخر انہوں نے یہ فیصلہ وقت اور تقدیر پر چھوڑ دیا۔ اپنے آپ کو یہ کہہ کر دلاسا دیا تھا کہ ابھی سبط کے کچھ بننے میں بہت وقت پڑا ہے تب تک نہ جانے کیا صورت حال ہو۔ شاید دونوں ایک دوسرے سے اُکتا کر راستے بدل لیں۔ شاید حالات اس حد تک بہتر ہو جائیں کہ وہ اور پیر صاحب اپنے ہاتھوں سے ان کا گھر آباد کر سکیں۔

اس روز زہرا اور زینی سے بات کرنے کے بعد فوزیہ بیگم کی طبیعت پھر خراب ہو گئی۔

''میری بچیوں کو بلوا دیں۔ پلیز علی! میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ رو پڑیں۔

''چند دن کی بات ہے' وہ سیٹ ہو جائیں گی۔ اتنے لوگ جاتے ہیں' سب سیٹ ہو جاتے ہیں۔ شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے سب کے ساتھ تم کیوں فکر مند ہوتی ہو۔''

''کیا ملا مجھے زندگی میں؟ کتنی خواہش تھی بیٹے کی۔ وہ پوری تو ہوئی' لیکن ایسے کہ میں اپنے بیٹے کو اپنے سامنے جوان ہوتا بھی نہ دیکھ سکی' اسی طرح رہے گا سب ساری عمر؟ اولاد کی کوئی خوشی نہیں دیکھیں گے ہم؟''

''تم تو خواہ مخواہ اداس ہو رہی ہو۔ بیٹیاں امریکہ میں ہیں' لیکن بیٹا تو یہیں ہے' تم چاہو تو اس سے مل آتے ہیں۔'' وہ بولے۔

فوزیہ بیگم کا چہرہ کھل اُٹھا۔ ''ابھی چلیں۔''

اور حیدر علی اسی وقت چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

لاہور میں گھر تک پہنچتے ہوئے صبح کے چار بج چکے تھے۔

''شاہ صاحب تقریباً آدھا گھنٹہ پہلے کام سے فارغ ہو کر سوئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ انہیں صبح دس بجے سے پہلے مت جگائیں۔'' ملازم نے بتایا۔

''ہم اسے جگائیں گے نہیں' لیکن میں اسے دیکھ تو لوں۔'' فوزیہ بیگم نے حیدر علی سے کہا۔

وہ دونوں اس کے کمرے میں چلے آئے۔ کمرے میں لائٹ جلی ہوئی تھی اور وہ جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس بستر پر آڑا ترچھا پڑا بے خبر سو رہا تھا..... فوزیہ بیگم بے اختیار ہو کر آگے بڑھیں اور وہیں بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ وہ اتنی گہری نیند میں تھا کہ اسے خبر بھی نہیں ہوئی۔

''دیکھیں کتنا کمزور ہو رہا ہے۔ اتنی رات گئے تک کام کرے گا تو یہی حالت ہوگی ناں

اس کی۔''

حیدر علی ایک صوفے پر بیٹھ گئے اور سگار سلگا لیا۔ ''دیکھنا تھک کر سویا ہے' جاگ نہ جائے۔'' وہ بولے۔

''نہیں' میں بات نہیں کروں گی۔'' انہوں نے کہا اور اسے تکتے ہوئے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

حیدر علی نے سگار کے کش لیتے ہوئے کمرے کا جائزہ لیا' جہاں ہر طرف بے ترتیبی تھی۔ بکھرے فلور کشن' سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھری ایش ٹرے' چائے کی خالی پیالیاں' کاغذوں کا ڈھیر' دیوار کے ساتھ ٹکائی چند پینٹنگز' ایک ادھورا اور تین پورے مجسمے' قالین میں پھنسے پتھر کے چند چھوٹے بڑے ٹکڑے' اور نہ جانے کیا کیا۔

ان سب میں سے ان کی توجہ دو چیزوں پر مبذول ہوئی تھی۔ ایک ماہ بانو کا خوبصورت قدِ آدم مجسمہ اور دوسرے قالین پر بکھرے کاغذوں پر اسی کے پنسل اسکیچ۔ انہوں نے ایک نظر عبداللہ کی طرف دیکھا جو ماں کی گود میں سر رکھے گہری نیند سو رہا تھا۔ پھر وہ فوزیہ بیگم سے مخاطب ہوئے۔

''فوزیہ! تم تھک گئی ہوگی' اتنا لمبا سفر کیا ہے' آؤ اب آرام کر لو۔''

''اس کی صورت دیکھتے ہی ساری تھکن دور ہو گئی ہے۔'' انہوں نے پیار سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''بہت تھکا ہوا لگ رہا ہے عبداللہ' کہیں ڈسٹرب ہو کر جاگ نہ جائے' اسے بھی آرام کرنے دو۔''

فوزیہ بیگم اس کے پاس سے بادلِ نخواستہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆=====☆=====☆

مکرم نے پیر صاحب کو ریشماں کے حوالے سے بہت ڈسٹرب کیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ خوش رہیں جبکہ وہ خوش نہیں ہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کیوں ناخوش ہیں اور کیسے خوش ہوں گی۔''

وہ اسے کیا بتاتے کہ وہ کیوں ناخوش تھی اور کیسے خوش ہوگی۔ یہ حیدر علی کے سامنے ان کی ایسی شکست ہوتی' جس کے بعد شاید وہ سر اُٹھا کر چلنے کے قابل بھی نہ رہتے۔ وہ رات ان پر بہت بھاری ثابت ہو رہی تھی۔ انہیں اپنی اَنا بہت پیاری تھی مگر وہ ریشماں کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کی چنگاریاں بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ وہی نفرت جو انہوں نے مہر النساء اور زیب النساء کی آنکھوں میں اپنے لیے دیکھی تھی اور وہ نفرت جو زرینہ کے دروازے کی چوکھٹ پر رکھے گلابی ہاتھوں میں تھی۔ انہیں بیٹی کی محبت اور اپنی اَنا میں سے کوئی ایک چیز چننا تھی' لیکن وہ اس

فیصلے کو مؤخر کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت تک جب تک کہ کوئی فیصلہ کرنا ناگزیر نہ ہو جاتا۔ کہیں اندر، بہت دور کسی گوشے میں یہ گمان جڑ پکڑ گیا تھا کہ وہ فیصلہ ان کے بجائے وقت نے کرنا تھا اور وہ اس وقت کے انتظار میں تھے۔

مگر انتظار کے یہ لمحات بہت کٹھن تھے۔ ذہن اور دل میں کشمکش جاری تھی۔ پہلے انہوں نے ڈرنک لے کر اپنا ذہن اس طرف سے ہٹانا چاہا، لیکن جو باتیں ان کے ذہن سے چپک گئی تھیں، وہ نہ نکل سکیں۔ انہوں نے بدمزگی کے عالم میں ڈرائیور کو طلب کیا۔

"جی پیر صاحب!" وہ دست بستہ آ کر کھڑا ہو گیا۔

"گاڑی تیار کرو، ہمیں لاہور جانا ہے۔"

وہ اُلٹے قدموں پلٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں پیر صاحب لاہور کی طرف رواں دواں تھے۔ شہر میں داخل ہو کر گھر چلنے کے بجائے انہوں نے ڈرائیور سے فیصل ٹاؤن چلنے کے لیے کہا۔

ابھی انہیں ڈرائینگ روم میں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ جنت بائی اندر داخل ہوئی۔

"زہے نصیب پیر صاحب رجب علی شاہ تشریف لائے ہیں، آج تو اس گھر کے نصیب کھل گئے۔"

جنت بائی کے چہرے پر طمانیت بھرا سکون چھایا ہوا تھا اور آنکھوں میں تیز چمک تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے جس گوہرِ مراد کی تلاش تھی۔ وہ خود بخود ان کی مٹھی میں چلا آیا تھا۔

نوری کو پیر صاحب کے ساتھ بھیجتے ہوئے جنت بائی نے چند باتوں کی اسے بطور خاص تاکید کی تھی۔

"نوری، میں نے تمہارے لیے بہت کچھ کیا ہے، تمہیں گندی نالی سے نکال کر آسمان پر ستارے کی طرح روشن کر کے ٹکا دیا ہے، آج میں تم سے کچھ مانگنا چاہتی ہوں۔"

"ممی! میرے لیے سبھی کچھ آپ ہی ہیں۔ میں زندگی کو بہت مختلف انداز سے دیکھنے لگی ہوں۔ زیادہ پڑھی لکھی تو نہیں ہوں، لیکن میرے تجربات نے مجھے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ پہلے مجھے آپ کی ضرورت تھی، اب آپ سے محبت ہے، آپ جو کچھ مانگیں گی، میں وہ دینے سے انکار نہیں کروں گی، چاہے وہ میرے بس میں ہو یا نہیں۔" وہ بولی۔

"پہلے ہم دونوں ایک دوسرے کی ضرورت تھے تم میری اور میں تمہاری، مگر آج میں بھی تم سے بہت محبت کرتی ہوں نوری۔" جنت بائی نے کہا۔

"آپ کہیں ممی جو کچھ آپ کو کہنا ہے۔"

"ایک بہت تاریک رات کو ایک درندے نے میری زندگی تباہ کی تھی۔ اس بات کو بیتے برسوں ہو چکے مگر مجھے اب بھی وہ واقعہ تمام تر جزئیات سمیت یاد ہے۔" وہ بولیں۔ "اس شام کو ماسی بیداں کا بیٹا مجھے بلانے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ ماسی نے مجھے بلایا ہے۔ میں اس کے ساتھ

چل پڑی اور پھر اچانک کسی نے پیچھے سے میرے اوپر کھیس ڈال دیا۔ میں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں چلائے مگر بے سود۔

جنہوں نے مجھے یوں اُٹھایا تھا وہ سب حکم کے غلام تھے۔ حکم کے وہ غلام مجھے ایک بہت آراستہ کمرے میں چھوڑ گئے۔ کتنی دیر تک میں وہاں بند رہی، کتنی کوشش کی کہ کسی طرح وہاں سے نکل سکوں، مگر قسمت میں بربادی لکھی تھی، سو قسمت کا لکھا پورا ہوا۔

صبح گھر پہنچی تو میں نے رو رو کر سب گاؤں والوں سے فریاد کی۔ انہیں بتایا کہ مجھ پر یہ ظلم کس نے کیا تھا، مگر کسی میں بھی ہمت نہیں تھی، اس درندے کا گریبان پکڑنے کی کیونکہ وہ دولت مند تھا، اور طاقت ور تھا، زمین کا ناخدا تھا۔

وہ جو میری بربادی کا ذمہ دار تھا، بچ گیا اور میں گاؤں بھر کے لیے اچھوت بن گئی۔ کچھ ہی دنوں میں میری شادی ہونے والی تھی، اسی سے جسے میں اپنی روح کے بہت قریب سمجھتی تھی۔ جس نے مجھ سے بے شمار وعدے کیے تھے، جو مجھے دیکھ دیکھ کر جیتا تھا اور ہم دونوں خوش تھے کہ دن کبھی ہم ایک دوسرے کے ہو رہے تھے۔ ہمیں لگتا تھا کہ قدرت ہمیں کوئی انعام دے رہی ہے۔ جبھی تو ہمارے ماں باپ نے ہمارے دلوں کا حال جانے بغیر ہی پیر صاحب سے کہہ کر ہمارا رشتہ طے کروا دیا تھا۔

مگر وہ بھی دغاباز نکلا۔ میں اسے گندگی کا ڈھیر لگنے لگی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا تھا۔ ایک روز میں نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ پوچھا کہ اس سب میں میرا کیا قصور تھا؟ کس بات کی سزا دے رہا ہے وہ مجھے؟

وہ کہنے لگا کہ میرا قصور یہی تھا کہ اتنا کچھ بیت جانے کے بعد بھی میں زندہ تھی۔ میں غیرت مند ہوتی تو کب کی کچھ کھا کے مر گئی ہوتی۔

میں نے مر جانا چاہا، لیکن کسی نے مرنے نہیں دیا، زندہ رہنا چاہا تو زندگی اجیرن بنا دی، پھر میں وہاں سے چلی آئی۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ کہاں جاؤں گی، کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں تھا۔ نہ جانے کیسے میں چندا بائی تک پہنچ گئی۔ ہاں یاد آیا۔ میں بیچ سڑک پہ چلتی جا رہی تھی۔ مجھے نہیں پروا تھی کہ کوئی موٹر مجھے کچل جائے گی۔ بس میں چلتی چلی جا رہی تھی پھر نہ جانے کہاں گر گئی۔ ایسے میں چندا بائی کی گاڑی رکی تھی اور اس نے مجھے بٹھا لیا تھا۔ اس نے میری کہانی سنی تو مجھے اپنے پاس رکھ لیا، علاج معالجہ کرایا۔

اسی دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ماں بننے والی تھی۔ مجھے قدم قدم پر، لمحے لمحے کے لیے اذیت دینے کے لیے وہ تاریک رات میری کوکھ میں پلنے لگی اور میں نے بیٹی کو جنم دیا۔ اپنی بیٹی کا نام میں نے سیّدہ نور النساء علی رکھا، اس کے حوالے سے میں نے بہت سے خواب دیکھے۔ میرا ہر خواب اس تاریک رات کے انتقام کے متعلق ہوا کرتا تھا، مگر پھر نوری مر گئی، میرے خواب

بکھر گئے۔ یہ خواب مجھے بہت پیارے تھے‘ میرا سرمایہ تھے۔

ہر روز میں ان خوابوں کے مرنے کا‘ راکھ ہو جانے کا ماتم کرتی تھی‘ ایسے ہی ایک دن مجھے تم ملیں۔ میری آنکھوں میں ایک بار پھر پرانے خواب روشن ہو گئے میں نے تمہیں نکھارا‘ سجایا‘ سنوارا‘ کتنے جتن کیے۔

نوری! آج وہ خواب پورے ہونے کا وقت قریب آیا ہے‘ میرا ساتھ دو گی؟‘‘

’’ہاں ممی!‘‘ اس نے بلا تامل کہا۔

’’آج وہ درندہ ہمارے گھر کے ڈرائینگ روم میں ہے۔ پیر صاحب رجب علی شاہ۔‘‘ جنت بائی کے منہ میں کڑواہٹ کھل گئی۔

’’میں اس سے اپنی کانوں بھری زندگی کے ایک ایک پل کا حساب لینا چاہتی ہوں۔ جو اذیت میں اسے دینا چاہتی ہوں‘ وہ اسے توڑ پھوڑ کر‘ مسل کر رکھ دے گی۔‘‘

’’مجھے کیا کرنا ہو گا؟‘‘ اس نے پوچھا۔

’’ابھی پہلے مرحلے میں صرف اتنا کہ اسے مکمل طور پر اپنا اسیر بنالو اسے سوچنے سمجھنے کا موقع نہ دو‘ اس کے حواس پر چھا جاؤ‘ اسے باندھ دو‘ جکڑ دو یہاں تک کہ وہ تمہارے علاوہ کچھ بھی سوچ نہ پائے۔‘‘ جنت بائی کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو بہت خوش تھی۔ عبداللہ کا تھیسس بہت اچھا جا رہا تھا اور اس نے خادم حسین اور مکرم والے معاملے کو بھی زیادہ طول نہیں دیا تھا۔ آج کل وہ بے حد مصروف تھا۔ کبھی کبھار تو یوں ہوتا تھا کہ دو تین دن تک اس سے مل بھی نہیں سکتی تھی۔ کام کے دوران یوں بھی وہ ڈسٹرب کیے جانا پسند نہیں کرتا تھا۔ فارغ ہو کر وہ خود ہی ماہ بانو کے پاس چلا آتا تھا اور پھر دونوں مل کر ڈھیر ساری باتیں کرتے تھے۔

مگر سب سے زیادہ خوشی اسے اس بات کی تھی کہ ابا جی امریکہ جانے پر راضی ہو گئے تھے۔ اس کے دوستوں نے مسلسل بحث کر کر کے انہیں قائل کر ہی لیا تھا۔ اور ان کے سب سے بڑے مسئلے کا حل بھی ایڈی نے پیش کر دیا تھا۔

’’آپ اس بات کی فکر مت کریں انکل‘ ہمارا گھر ڈپلکس ہے۔ گھر کے دونوں حصے ساتھ ساتھ ہونے کے باوجود دونوں علیحدہ ہیں۔ کینٹ کا علاقہ ہے اس لیے یوں بھی محفوظ ہے۔ آنٹی اور بانو وہاں شفٹ کر جائیں۔ میری بہن شادی شدہ ہے اور لاہور سے باہر رہتی ہے۔ امی اکیلی ہوتی ہیں۔ ان کا بھی دل لگ جائے گا۔ کچھ عرصہ پہلے تک اس حصے میں بہن رہ رہی تھی۔ اب وہ چلی گئی ہے تو گھر بالکل خالی خالی لگتا ہے۔‘‘

ابا جی پھر بھی تذبذب میں تھے۔

’’سوچ کیا رہے ہیں انکل‘ اتنا اچھا موقع ہے پلیز‘ آپ اس آفر سے ضرور فائدہ اُٹھائیں۔ مجھے تو یہی سوچ سوچ کر اتنی خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کی پالٹری دیکھ کر ان امریکیوں کے بھی ہوش ٹھکانے آ گئے تھے۔‘‘ نیہاں نے کہا۔

’’انکل! اب مسئلہ کیا ہے۔ ماہ بانو اور آنٹی ادھر اچھے طریقے سے رہیں گی۔ پرانا گھر چھوڑنا پڑے گا لیکن اتنی قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے‘ کچھ بھی حاصل کرنے کے لیے۔‘‘ جیمز نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی۔

اور بالآخر وہ جانے پر راضی ہو ہی گئے تھے۔ چند دن میں انہیں امریکہ فلائی کر جانا تھا اور ماہ بانو اور اماں انہی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ابا جی چاہتے تھے کہ وہ ان کے سامنے ہی ایڈی کے گھر کے خالی حصے میں منتقل ہو جائیں۔ انہیں وہ مکان بہت پسند آیا تھا۔ صاف‘ شفاف اور وسیع‘ جگہ بھی بہت اچھی تھی اور کرایہ مناسب تھا۔ ایڈی کرائے وغیرہ پر راضی نہیں تھا‘ لیکن ابا جی کو اس طرح ان لوگوں کا وہاں رہنا گوارا نہیں تھا۔

اماں کا خیال تھا کہ ابا جی کا ہر فیصلہ ٹھیک ہوتا تھا۔ ماہ بانو کی شادی کے علاوہ انہوں نے کبھی کسی معاملے پر ابا جی سے اختلاف نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی یہی سمجھتی تھیں کہ ان کا امریکہ جانے کا فیصلہ درست تھا‘ لیکن پھر بھی بعض اوقات وہ رو پڑتی تھیں۔ ماہ بانو اور ابا جی انہیں سمجھانے لگتے تھے اور وہ پھر ان کے ساتھ مل کر تیاریاں شروع کر دیتی تھیں۔

☆=====☆=====☆

ریشماں نانی ماں کے گھر پہنچی تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ کبھی اس کے گال چومتیں‘ کبھی ماتھا۔ ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے۔ ریشماں پہلے تو ان کے گلے لگ کر روتی رہی پھر انہیں چپ بھی کرانے لگی۔

’’پلیز نانی ماں آپ روئیں مت۔ میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔‘‘ وہ بولی۔

’’اب اسے بیٹھنے تو دو رضیہ کی ماں‘ یونہی ساری رات کھڑا رکھو گی کیا؟‘‘ نانا جی نے ان سے کہا۔

’’ہاں بیٹا بیٹھو۔ شاہ صاحب آپ بھی تشریف رکھیں۔‘‘ انہوں نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

’’یہاں آپ کے شایانِ شان چیزیں نہیں ہیں۔ بس چھوٹا سا غریب خانہ ہے۔ ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہمیں معاف کر دینا۔‘‘

’’کوئی بات نہیں۔‘‘ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔

اس نے چھوٹے سے گھر کا جائزہ لینا شروع کیا‘ جو دو کمروں‘ ایک باورچی خانہ‘ ایک غسل خانہ اور صحن پر مشتمل تھا۔ اینٹوں کے بنے اونچے نیچے صحن میں ایک ترتیب کے ساتھ ڈھیروں گملے

پڑے ہوئے تھے' جن میں موسم کے مطابق بہت سے خوبصورت پھول کھلے ہوئے تھے۔ صحن کی دیوار کے ساتھ دو چار پائیاں کھڑی کر کے رکھی ہوئی تھیں۔ برآمدے میں تخت اور چند پرانی کرسیاں تھیں' جن پر کڑھائی والے کور چڑھا کر رکھے تھے۔ گھر صاف ستھرا تھا لیکن آرام دہ نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی جگہ پر ریشماں دو دن کیسے گزار سکے گی۔

''نانی ماں! آپ کا گھر کتنا پیارا ہے۔'' ریشماں نے ان سے کہا۔ ''میں دیکھ لوں؟''

''ہاں' ہاں کیوں نہیں' تمہارا اپنا گھر ہے' جہاں دل چاہے گھومو پھرو۔'' وہ جلدی سے بولیں۔

ریشماں اُٹھ کر کمروں اور گھر کے دوسرے حصوں میں جھانکنے لگی۔

''نانی ماں! یہ کس کا کمرا ہے؟'' اس نے اندر جھانکا۔

''یہاں ہم بڈھا بڈھی رہتے ہیں۔'' وہ بولیں۔

''اور یہ دوسرا والا؟ اچھا یہ بیٹھک ہے۔'' وہ اندر داخل ہوگئی۔

''یہ کسی زمانے میں تمہاری ماں اور خالہ کا کمرا ہوتا تھا۔ وہ دونوں چلی گئیں تو خالی ہوگیا۔ ان کی چیزیں اسی طرح یہاں پڑی رہتی تھیں' پھر تمہاری ماں کو اللہ تعالیٰ کا بلاوا آ گیا۔ میں اس کی ایک ایک چیز دیکھ کر گھنٹوں رویا کرتی تھی۔ اس وجہ سے تمہارے نانا نے اس کمرے کی ترتیب بدل دی۔'' انہوں نے بتایا۔

''اور اب بانو آتی ہے تو وہ کہاں رہتی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اسے بھی یہی کمرا پسند ہے' یہیں رہتی ہے وہ۔''

''اکیلے میں دل نہیں گھبراتا نانی ماں آپ کا اور نانا جی کا؟''

''گھبراتا تو ہے' لیکن اس کا کیا علاج؟'' انہوں نے آہ بھری۔

وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئی جہاں برآمدے میں مکرم بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔

''تمہیں اچھا لگا ناں مکرم؟ یہ کتنا پیارا گھر ہے ناں؟''

مکرم نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں خوشیوں کے ہزار رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اس کا دل رکھنے کے لیے بولا۔

''ہاں بہت اچھا ہے۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''اتنے خوبصورت پھول' اتنا نکھرا نکھرا آسمان' یہ سب بہت خوبصورت ہے۔''

''رضیہ کے ابا! یوں نہیں لگتا جیسے زرینہ واپس آ گئی ہو' جیسے اللہ تعالیٰ نے ہماری سن لی ہو۔ وہ ہو بہو ایسی ہی تھی ناں۔'' نانی ماں اسے تکے جا رہی تھیں۔

''ہاں۔'' انہوں نے آزردگی سے کہا پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ''میں مسجد جا رہا ہوں۔ رضیہ

کی ماں' تم ریشماں کو سلا دینا۔ یہ نہ ہو کہ اپنی خوشی میں بچی کی نیند خراب کرو۔''

ریشماں انہیں لاٹھی ٹیک کر آہستہ آہستہ چل کر جاتے ہوئے دیکھتی رہی پھر نانی ماں کی آواز پر چونکی۔

''زرینہ نیند کی بہت شوقین تھی۔ تمہیں بھی نیند تو آئی ہوگی؟''

''میرا تو آپ سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔'' وہ بولی۔

''اچھا تو تم لیٹ جاؤ میں تمہارے پاس بیٹھ کر تم سے باتیں کرتی جاؤں گی۔ یہیں زرینہ والے کمرے میں آ جاؤ۔'' پھر وہ مکرم سے مخاطب ہوئیں۔

''شاہ صاحب! آپ اس کمرے میں آرام کریں' میں بہت شرمندہ ہوں۔ یہ جگہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔''

مکرم سگریٹ فرش پر جوتے کے ساتھ مسل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''مگر آپ اور نانا جی کہاں سوئیں گے؟'' ریشماں نے پوچھا۔

''تمہارے نانا تو مسجد سے دیر سے آئیں گے۔ ہم باہر سو جائیں گے۔'' وہ بولیں۔

''لیکن یہ تو اچھی بات نہیں ہے' آپ لوگ بھی اندر سو جائیں' ہم بھی اندر سو جائیں گے۔ سونے میں کون سی بڑی جگہ چاہیے ہوتی ہے۔''

''اچھا تو ہم بھی تمہارے والے کمرے میں سو جائیں گے' خوش؟''

''ریشماں آپی اکیلے کمرے کی عادی ہیں' لیکن اگر جگہ کم ہے تو وہ میرے والے کمرے میں آ جائیں گی لیکن اس کے علاوہ کہیں نہیں۔'' مکرم نے اپنے مخصوص حکمیہ لہجے میں کہا۔

ریشماں اسے دیکھے گئی۔ نانی ماں شرمندہ ہوگئیں۔

''جگہ بہت ہے شاہ صاحب! جیسا آپ مناسب سمجھیں گے' ویسا ہوگا۔''

وہ مکرم والے کمرے میں آ گئی۔ یہاں دو چارپائیاں تھیں' مکرم کے بیٹھتے ہی چارپائی سے ''چوں'' کی آواز آئی۔ اس نے اس گھر کو زیرِ لب گالی دی اور جوتے اتارنے لگا۔

''بابا جان کو نانا' نانی کے گھر ہی بھجوانا تھا تو ہمارے نانا' نانی بھی تو تھے۔ وہاں حویلی میں نہ پردے کا مسئلہ تھا اور نہ ہی جگہ کی کمی۔ کیا واہیات مکان ہے۔ ایک بھی ڈھنگ کی چیز نہیں ہے یہاں۔'' اس نے سوچا۔

''مکرم!'' ریشماں نے اسے پکارا۔ وہ چارپائی کے اوپر ٹانگیں کر کے بیٹھا تھا۔

''ہوں۔''

''ایک بات کہوں' برا مت ماننا۔''

''آپ سو باتیں کہیں آپی' آپ کی بات کا برا کون مان سکتا ہے؟''

''پلیز نانا جی یا نانی جی سے سختی سے بات مت کرنا یہی سوچ کر کہ وہ بزرگ ہیں' ہم سے عمر

میں بہت بڑے ہیں' قابلِ عزت ہیں۔''

''مگر میں نے تو ان سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔'' وہ بولا۔

ریشماں خاموش ہوگئی۔ اسے اندازہ تھا کہ مکرم کا یہ لہجہ اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ اسے خود بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ اس نے کسی سے سخت لہجے میں بات کی تھی۔

وہ دو دن ریشماں کی زندگی کے خوبصورت ترین دن تھے۔ مکرم سخت بور ہو چکا تھا' لیکن ریشماں کی خوشی کی خاطر دو دن کی یہ سزا بھگت رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہاں آ کر ریشماں اتنی خوش کیسے ہوگئی تھی۔ اس کے نزدیک تو وہ دنیا کی واہیات ترین جگہ تھی۔

پہلے روز اس نے صبح ہی صبح نانی ماں کو گھر میں جھاڑو لگاتے دیکھا تو ان کے پاس چلی آئی۔

''آپ رہنے دیں' میں لگاؤں گی جھاڑو۔''

نانی ماں کو یہ گوارا نہیں تھا' لیکن اس نے زبردستی جھاڑو ان کے ہاتھ سے چھین لی۔

مکرم یہ تمام منظر کمرے سے دیکھ رہا تھا۔ پہلے ہی اس کا موڈ سخت آف تھا۔ صبح صبح جھاڑو کی جھر جھر سن کر اس کی نیند اُچاٹ ہوگئی تھی۔ پہلے ہی ساری رات بے آرامی میں گزری تھی۔ بمشکل تمام آنکھ لگی تھی کہ صبح کا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ انتہائی بدمزگی کے عالم میں وہ باہر نکل آیا۔

ریشماں جھاڑو لگانے کے لیے جھکی ہی تھی کہ وہ اس کے سر پہنچ گیا اور نانی ماں سے مخاطب ہوا۔

''کیا ریشماں آپی یہ گھٹیا کام کریں گی؟''

ریشماں ٹھٹک کر رک گئی۔ نانی ماں مکرم کے انداز و اطوار سے واقف تھیں' گڑبڑا گئیں۔

''شاہ صاحب! اس نے زبردستی لی ہے۔ میں نے منع بھی کیا تھا۔''

''کریمن۔'' وہ کڑک کر بولا۔ ''اندھی ہوگئی ہو' دکھائی نہیں دیتا تمہیں' تم نے بی بی کے ہاتھ سے جھاڑو کیوں نہیں لی؟''

کریمن گڑبڑا کر آگے بڑھی اور جلدی سے جھاڑو ریشماں کے ہاتھ سے لے لی۔

ریشماں کے لیے مارے شرمندگی کے نانی ماں سے آنکھ ملانا مشکل ہو رہا تھا۔ مکرم واپس کمرے کی طرف پلٹا تو وہ بھی اندر چلی آئی۔

''مکرم! تم نے ایسے کیوں کیا؟'' وہ رو دینے کو تھی۔

''کیا مطلب؟ میں نے کیا کیا ہے؟''

''نانی ماں سے جھاڑو میں نے خود لی تھی اور تم نے انہیں اتنے زور سے جھڑک دیا۔ مجھے تم نے کہا تھا کہ تم ایسا نہیں کرو گے۔''

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ایسا کیا کہہ دیا ہے' جس کی وجہ سے ریشماں رونے

والی ہو رہی تھی۔

''آپی! میں نے تو بس اتنا کہا تھا کہ جھاڑو کریمن لگا دے' آپ بھلا کیوں یہ گھٹیا کام کرتیں۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''یہی کام مکرم! میری ماں نے بھی کیے تھے اور میری نانی بھی کر رہی تھیں۔ اسے گھٹیا تمہارے اپنے ذہن نے بنایا ہے۔ گھر گندا پڑا رہے تو اچھی بات ہے اور جھاڑو پکڑ کر صاف کر لیا جائے تو گھٹیا کام ہو جاتا ہے' کیوں؟''

''اوہو آپی! آپ تو ناراض ہوگئیں' میں نے تو آپ کے آرام کے خیال سے کہا تھا۔'' وہ بولا۔

''تم میرے آرام کی فکر مت کرو۔ میں اسی طرح خوش ہوں۔''

مکرم خاموش ہوگیا۔ اس نے سوچا کہ وہ خود تو آپی کو زندگی کے تجربات حاصل کرنے کی غرض سے لایا تھا اور خود ہی انہیں اس سے دور کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے ریشماں کو کسی کام سے بھی نہیں روکا۔ اس نے کھانا پکانے کی کوشش کی۔ بدشکل روٹیاں پکائیں' صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ موتیے کے پھولوں کے گجرے بنائے اور نہ جانے کیا کیا۔ شروع میں تو نانی ماں گھبرا کر اسے منع کرتی تھیں یہ سوچ کر کہ کہیں مکرم خفا نہ ہو جائے مگر بعد میں اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے ریشماں کو اس کی مرضی سے ہر کام کی اجازت دے دی۔

مکرم سوچ رہا تھا کہ اس گھر کے مکینوں کی زندگی کتنی محدود تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بھی زندگی کے نئے تجربات حاصل کر رہا تھا۔ اس دوران اس نے بہت کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا۔

ریشماں کی نانی ماں تھیں جو اس پر واری صدقے ہوئے جا رہی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دنیا کی کون کون سی نعمتیں اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ کبھی ان کی آنکھوں میں نمی اتر آتی تھی' مگر وہ اسے ریشماں کے سامنے ظاہر نہیں کرتی تھیں۔ ہاں جب اس کے نانا جی آ جاتے تھے اور ریشماں سامنے نہیں ہوتی تھی تو رو پڑتی تھیں۔

''ریشماں کو دیکھ کر مجھے زرینہ یاد آنے لگتی ہے' کبھی کبھار یوں لگتا ہے' جیسے قدرت کو ہم پر ترس آ گیا ہو' مگر پھر جب یہ سوچتی ہوں کہ ریشماں یہاں سے چلی جائے گی تو دل ڈوبنے لگتا ہے۔ زرینہ بھولی تو کبھی نہیں تھی مگر اس کی بیٹی پر نگاہ پڑتے ہی پچھلے زخم پھر کھل جاتے ہیں۔ وہ خواب میں آ کر مجھ سے روتے ہوئے کہتی ہے۔ اماں میں نے آپ سے اپنے لیے کوئی شکوہ نہیں کیا' لیکن میری بیٹی کو کوئی دکھ نہ ہونے دینا۔ ہم تو کچھ نہ کر سکے مولوی صاحب نہ اپنی بیٹی کے لیے اور نہ ریشماں کے لیے۔ اس سے اتنا بڑا قصور بھی سرزد نہ ہوا تھا۔ چھوٹی سی بچی تو تھی اس وقت' نادان تھی' ہم نے اپنی ضد میں اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔''

ان کی باتیں سن کر مکرم خاموش ہو گیا تھا۔

"چھوٹی اماں کا ذکر اس انداز میں کیوں؟ ان سے کیا خطا سرزد ہوئی تھی؛ جس کا ریشماں آپی کی نانی ماں حوالہ دے رہی ہیں۔"

مگر انہوں نے کبھی واضح انداز میں کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔

ریشماں کو خوش دیکھ کر البتہ وہ بھی خوش تھا۔ حیران تو تھا ہی کہ اسے اس چھوٹے سے بے آرام گھر میں اتنے فضول سے کام کرنے میں کیا مزہ مل رہا ہے؛ لیکن اس سے بڑھ کر وہ خوش تھا۔ کتنے دن بعد اس نے ریشماں کو کھلکھلا کر ہنستے دیکھا تھا۔

جب وہ کپڑے دھونے کی کوشش میں پوری بھیگ جاتی' جب روٹیاں پکاتے ہوئے ان کی عجیب وغریب شکل دیکھ کر خود ہی ہنسنے لگتی' جب مکرم کو سگریٹ فرش پر پھینکتے دیکھ کر اسے گھورتے ہوئے ایش ٹرے کے طور پر چھوٹی سی کٹوری لا کر دیتی' جب نانی ماں سے اپنے لمبے بالوں میں ڈھیر سارا تیل لگواتی اس نے ایک ایک لمحہ خوشی کے عالم میں گزارا تھا۔

"مکرم! تم میرے ہاتھ کی پکائی ہوئی روٹی کھاؤ گے یا نانی ماں کے ہاتھ کی؟ نانی ماں نے تمہارے لیے بطورِ خاص پکائی ہے' کہہ رہی تھیں کہ تم میری والی روٹیاں نہیں کھا سکو گے۔" وہ آ کر کہتی۔

"آپی! آپ کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹیاں ہی کھاؤں گا۔" وہ اس کا دل رکھنے کو کہتا۔

وہ کچی پکی روٹیاں اس کے سامنے رکھ دیتی اور پھر خود بھی ان کی شکل وصورت دیکھ کر ہنسے چلی جاتی۔

"دیکھو مکرم! یہ والی روٹی کچھ کچھ اٹلی کے نقشے سے نہیں ملتی؟ اور یہ جرمنی جیسی روٹی دیکھو' اس میں برلن وال بھی ہے۔"

رات کا کھانا کھاتے ہوئے اسے اچانک ہی خیال آیا۔

"مکرم! بابا جان سے میری ایک سفارش کر دو گے؟"

"ارے آپی! سفارش کی کیا بات ہے' آپ کی تو کوئی بات بابا جان خود بھی نہیں ٹالتے۔"

"نہیں' مگر میں ان سے کہہ نہیں سکتی۔ پلیز تم ان سے کہہ دو کہ وہ مجھے کچن میں جانے کی اجازت دے دیں۔"

"آپ کا دل نہیں بھرا ان کاموں سے؟"

"مجھے تو بہت مزے کے لگے ہیں یہ کام۔" وہ بولی۔

"بس تم بابا جان سے مجھے اجازت دلوا دو۔ میں چائنیز' فرنچ اور اٹالین کھانے پکانے سیکھوں گی۔"

وہ مسکرا دیا۔ "ٹھیک ہے۔"

ریشماں کے ذہن میں عبداللہ کا خیال آ رہا تھا...... ماہ بانو نے بتایا تھا کہ اسے چائنیز' فرنچ اور اٹالین کھانے پسند تھے۔ وہ خود کو مکمل طور پر عبداللہ کی پسند میں ڈھال دینا چاہتی تھی۔

☆=====☆=====☆

عبداللہ کے لیے اماں اور بابا جان کا وہاں آنا بہت خوشگوار سرپرائز تھا۔

"آپ نے مجھے جگا دیا ہوتا۔ کمال ہے میں اتنی گہری نیند میں تھا کہ مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔" اس نے ناشتا کرتے ہوئے کہا۔

"تھک کر سوئے تھے ناں' اس لیے نیند گہری تھی۔ ایسے میں کیسے جگا دیتی تمہیں۔" اماں جان نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگوں نے اطلاع بھی کوئی نہیں دی۔"

"بس اچانک ہی پروگرام بنا' تمہاری اماں تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں۔" بابا جان نے کہا۔

"اماں! آپ ہی یاد کرتی رہیں یا بابا جان نے بھی یاد کیا؟" اس نے اماں جان کے ہاتھ سے مکھن لگا توس لیا۔

"تمہارے بابا جان کی تو تم میں جان ہے' یہ کہتے نہیں ہیں تو یہ نہ سمجھا کرو کہ تمہیں یاد نہیں کرتے۔"

"اچھا اماں جان ایسا ہے کہ مجھے کچھ ضروری کام ہے' میں واپس آ کر آپ کے ساتھ تفصیلی ملاقات کروں گا۔" وہ بولا۔

"کیوں ایسا کیا کام ہے؟"

"میری فرینڈ ہے ماہ بانو' اس کے ابا جی امریکہ جا رہے ہیں۔ ان کی فلائیٹ ہے۔ آج مجھے انہیں ایئرپورٹ لے کر جانا ہے۔" اس نے جلدی جلدی چائے حلق میں اتاری۔

"بہت ضروری ہے کہ تم ہی انہیں ایئرپورٹ چھوڑنے جاؤ؟ وہ خود نہیں جا سکتے؟" بابا جان نے سگا سلگاتے ہوئے سرسری سے انداز میں کہا۔

"ان کے پاس کار نہیں ہے' مجھے بھی منع کر رہے تھے کہ ٹیکسی میں چلے جائیں گے' لیکن میں نے خود اصرار کیا۔" وہ اُٹھتے ہوئے بولا اور اماں اور بابا جان کو پیار کر کے خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

شک تو بابا جان کو کافی عرصے سے تھا کہ ماہ بانو اور عبداللہ کے درمیان تعلقات کی نوعیت عام دوستی سے کچھ بڑھ کر ہی تھی' مگر کل رات اس کے کمرے میں ماہ بانو کے ڈھیر سارے اسکیچ اور اس کا مجسمہ دیکھ کر ان کا شک یقین میں بدل گیا تھا۔ انہیں احساس ہوا کہ وقت کا پہیہ ایک مرتبہ پھر پچیس سال پیچھے کی طرف گھوم گیا تھا۔

☆=====☆=====☆

زہرا اور زینب اب تک امریکہ میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکی تھیں۔ فرق اتنا تھا کہ زہرا پڑھائی پر زیادہ توجہ دے کر اپنا ذہن دوسری باتوں کی طرف سے بٹا لیا کرتی تھی۔ زینی کے ساتھ مسئلہ دوسرا تھا۔ اس نے کبھی بھی ذہنی طور پر اپنے خاندان کے بکھر جانے کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ بالآخر وہ گاؤں واپس گئی تھی، تب بھی وہ وہاں کی پابندیوں سے گھبرا گئی تھی، مگر اب وہ محسوس کرتی تھی کہ وہ سب کچھ امریکہ چلے آنے سے بہر حال بہتر تھا اور کچھ نہیں تو وہاں سب اپنے تو تھے۔ اپنی مٹی سے اپنائیت کی خوشبو تو آتی تھی۔

سبط اب بھی قدم قدم پر اس کا حوصلہ بڑھاتا تھا اسے گھمانے پھرانے لے جاتا تھا، مگر وہ کسی طور بہل نہیں رہی تھی۔

عموماً سبط ہی اس کے اپارٹمنٹ میں چلا آتا تھا۔ زینی کو وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ وہاں خادم حسین کی موجودگی تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ پہلے سے ذہنی طور پر پریشان زینی اسے دیکھ کر یا اس کی کسی حرکت سے مزید پریشان ہو، مگر اس روز خادم حسین کا تفریح کی غرض سے باہر نکلنے کا ارادہ تھا اور سبط کا خیال تھا کہ وہ اتنی جلدی واپس نہیں آئے گا، اس لیے وہ زینی کو اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا۔

پہلے دونوں کچھ دیر پڑھائی میں مصروف رہے لیکن زینی کا پڑھنے میں دل نہیں لگ رہا تھا۔

''بس کرو سبط! میں نے نہیں پڑھنا۔'' اس نے اکتا کر کتاب کچھ فاصلے پر پٹخ دی۔

''پڑھنا کیوں نہیں ہے؟''

''میرا دل نہیں چاہ رہا، کسی کام کو بھی دل نہیں چاہ رہا، نہ پڑھنے کو نہ کسی سے بات کرنے کو۔''

''مجھ سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا؟'' اس نے رسان سے کہا۔

''تمہیں بھی تو بور کرتی رہتی ہوں ناں ایک ہی بات دہرا کر، تم بھی ایک دن تنگ آ جاؤ گے۔''

''اب تک تنگ نہیں آیا تو یقین کرو آئندہ بھی نہیں آؤں گا۔'' سبط نے شرارت سے کہا۔

زینی نے پہلے اسے گھورا پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''میرا مذاق اُڑا رہے ہو نا، دیکھنا مجھے موقع ملا تو میں بھی نہیں بخشوں گی تمہیں۔''

غمِ جہاں ہو رُخِ یار ہو کہ تیرِ ستم
جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

سبط نے کہا۔

''ہائے سبط! تمہیں کتنی اچھی اردو پوئٹری آتی ہے، تمہیں مشکل نہیں لگتی؟'' زینی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

URDU PHOTO

''اس بات کو چھوڑو، یہ بتاؤ کہ کہیں باہر چلیں گھومنے کے لیے؟'' اس نے پوچھا۔

''میرا دل نہیں چاہ رہا۔ پہلے ہی مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اس مرتبہ تو میں فیل ہو جاؤں گی، مجھے اچھے طریقے سے پتا ہے۔''

''زہرا بھی تمہارے ساتھ ہے...... تم نے تو پڑھنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا تمہیں؟'' سبط نے کہا۔

''مجھے نہیں پتا، میرا دل ہی نہیں لگتا کام میں، مجھے اماں، بابا جان اور بھائی بہت یاد آتے ہیں۔ مری میں گزرنے والے دن یاد آتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ وہ وقت پلٹ آئے۔ تمہیں نہیں یاد آتے وہ دن؟''

''ان دنوں کو یاد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن انہیں اپنے ذہن پر سوار کر لینا غلط ہے۔ اُس وقت تم گوویسٹ سن کر یہاں آنے کی دعائیں مانگتی تھیں۔ نہ تم اُس وقت خوش تھیں اور نہ آج ہو۔''

''پہلے تو خوش رہتی تھی ناں جب تک تم میرے لیے صرف میرے اپنے سبط تھے، اب تم بڑے بابا جان کے بیٹے بھی ہو، بڑی حویلی کے مکین بھی ہو۔ تمہارے بھائی، میرے بھائی کو قاتل سمجھتے ہیں، انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ وہ خود کیا کرنے نکلے تھے۔ اس روز عبداللہ بھائی کو خبر نہ ہوتی تو وہ تو گڑیا کو اغوا کر چکے تھے ناں۔ پھر پہل بھی تمہارے بھائیوں نے کی۔ اس پر اگر سیلف ڈیفنس کے لیے بھائی نے گولیاں چلائیں تو کیا برا کیا، لیکن تمہارے بھائیوں کے سر پر تو خون سوار ہے، وہ ہمیں بھی کبھی خوش نہیں رہنے دیں گے۔'' اس نے ہونٹ کاٹے۔

''پرانی باتیں دہرانے کا کیا فائدہ ہے۔ تم یہ سب بہت پہلے سے جانتی تھیں، یہ تمہارے لیے بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''ہاں بہت پہلے سے جانتی تھی، لیکن تمہیں چھوڑ تو نہیں سکتی ناں۔ کس سے شیئر کروں میں یہ سب کچھ؟ گڑیا یا بھائی سے کہوں گی تو وہ بہت اطمینان سے کہہ دیں گے کہ ہم نے یہ سب تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا لیکن تم نہیں سمجھیں۔ یہ تمہارا اپنا فیصلہ تھا۔ مجھے ان کی باتیں سن کر اور غصہ آئے گا۔ پہلے سے زیادہ دُکھ ہوگا۔

مشکل تو یہ ہوگئی ہے کہ اب تم سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ تم یہ سمجھو کہ میں پچھتا رہی ہوں کیونکہ ایسا نہیں ہے، مگر میں پریشان تو ہوں ناں، پہلے بھائی کی طرف سے پریشان تھی، اب تمہاری طرف سے بھی ہوں۔ اس روز اگر تمہارے مکرم بھائی تمہیں کچھ کر دیتے تو کیا ہوتا؟ قسم سے میں وہیں پر خودکشی کر لیتی۔ اس دن کے بعد کتنے دن تک مجھے نائٹ میئرز آتے رہے۔ کبھی خواب میں دیکھتی تھی کہ وہ تمہیں مار رہے ہیں، کبھی دیکھتی تھی کہ بھائی پر گولیاں چلا رہے ہیں اور اب میں اماں، بابا اور بھائی سے دور ہوں تو مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ ہر وقت میں

خوفزدہ رہتی ہوں۔ میرا بھائی بہت غیر محفوظ ہے۔ مجھے پتا ہے کہ میں وہاں رہ کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی مگر یہ تسلی تو رہتی ہے ناں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔'' وہ رو پڑی۔

خادم حسین اپنے کمرے کی روشنی گل کر کے وہیں لیٹا ہوا تھا۔ زینی اور سبط کی تمام تر گفتگو اس تک پہنچ رہی تھی۔ اس کے سر میں صبح سے ہلکا ہلکا درد تھا' مگر شام تک اس کی شدت میں اضافہ ہوگیا تھا اور وہ باہر نکلنے کا پروگرام ملتوی کر کے اپنے کمرے میں ہی لیٹ گیا تھا۔ پھر اسے خبر نہیں ہوئی' کہ کب اسے نیند نے آلیا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب سبط اور زینی پڑھ رہے تھے۔

اسے سبط کا زینی کو اپنے اپارٹمنٹ میں لانا اچھا نہیں لگا تھا' لیکن وہ مکرم کی طرح اس بات پر اس سے جھگڑنا نہیں چاہتا تھا۔ دوسری طرف وہ اس بات پر سبط کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرنا چاہتا تھا اور اس پر اپنی یہ کمزوری بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا وہ زینی کے حوالے سے اس کے سامنے سبط کو کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا' اس لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں لیٹا رہا۔

زینی رو رہی تھی اور سبط اسے چپ کرا رہا تھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر ہم نے ایسا کیا کیا ہے' جس کی وجہ سے سب ہمارے دشمن ہوگئے ہیں۔ میں نے بابا جان سے پوچھا تو انہوں نے بھی ٹال دیا۔ کہنے لگے کہ بس زمینوں کے جھگڑے ہیں' اور کچھ نہیں۔ میں نے ان سے اتنا کہا' بابا جان! آپ چھوڑ دیں زمینیں' نہیں چاہئیں ہمیں ایسی زمینیں جن سے ہمارے بھائی کی جان چلی جائے۔ مجھے بتاؤ سبط کہ ان زمینوں میں کیا ہے۔ ان سے اُٹھنے والے طوفان کو جانتے ہوئے بھی کوئی ان سے دستبردار ہونے پر راضی نہیں ہے۔''

سبط جانتا تھا کہ وہ زمینوں کے اس مفہوم سے واقف ہی نہیں تھی جسے کوئی زمیندار ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس کے نزدیک ان سارے مسئلے کا حل بہت آسان تھا' بس زمینیں چھوڑ دیں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم نے تو سارا پیسی فک اوشن آج ہی آنکھوں کے راستے بہانا ہے' مگر مائنڈ نہ کرنا مجھے بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔ تم اپنا یہ شوق پورا کرو' میں اتنی دیر میں کچن میں جھانک آؤں۔''

سبط نے زینی کا دھیان بٹانے کے لیے نئی ترکیب سے کام لیا۔

''میں اتنی سیریس گفتگو کر رہی ہوں اور تمہیں کھانے پینے کی فکر ہے۔ جاؤ میں نہیں بولتی تم سے۔''

''اس سمندری طوفان کا مقابلہ اسی وقت کر سکتا ہوں ناں' جب کھا پی کر کچھ جان میں جان آئے۔'' وہ اُٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

زینی منہ پھلائے بیٹھی رہی۔ جب سبط کچن تک پہنچ گیا تو وہ بھی گود میں رکھا ہوا کشن قالین

URDU PHOTO

پر پھینک کر' آنکھیں پونچھ کر اور ناک رگڑ کر جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''سبط پلیز! مجھے بھی کچھ دو کھانے کے لیے' مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔''

خادم حسین کتنی دیر تک کچن میں اُبھرنے والے ان کے قہقہے سنتا رہا۔ کچھ دیر بعد دونوں لیونگ روم میں واپس آ گئے۔

''سنو سبط! اگر اس وقت تمہارے بھائی اپارٹمنٹ میں واپس آ گئے تو کیا ہوگا؟ تمہیں ڈانٹیں گے تو نہیں' یا پھر مجھے ہی کچھ کہیں گے؟'' اس نے صوفے پر ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے بھائی بہت مہذب ہیں' افریقہ کے جنگلی نہیں ہیں کہ گھر آئے مہمان کے ساتھ برا سلوک کریں۔''

''خیر جانے دو' جیسے میں نہیں جانتی۔ اس روز تم نے ہی حویلی میں کہا تھا کہ اگر تمہارے بھائی کو میری اصلیت کا علم ہو جاتا تو وہاں خدانخواستہ کسی ایک کی لاش پڑی ہوتی۔ اور جو اس روز انہوں نے ریوالور نکال لیا تھا۔ وہ بھول گئے تم؟ میں تو کبھی نہیں بھول سکتی۔''

''میں بڑے بھائی کی بات کر رہا ہوں مکرم کی نہیں۔''

''ویسے سچ کہوں سبط! مکرم بھائی اتنے ہینڈسم ہیں کہ میرا تو ان کے آدھے گناہ معاف کر دینے کو دل چاہتا ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''تم مجھے جلایا مت کرو۔'' اس نے گھورا۔

زینی پھر کھلکھلا کر ہنس دی۔

''چلو اب تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو۔'' وہ بھی کتابیں سمیٹ کر تیار ہوگئی۔

دو گھنٹے بعد جب سبط اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو خادم حسین ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

''آپ کب آئے بھائی؟'' اس نے بیٹھتے ہوئے دریافت کیا۔

''اس بات کو جانے دو' صرف اتنا یاد رکھو کہ آئندہ کبھی بھی' کسی بھی صورت میں زینی کو اس اپارٹمنٹ میں نہیں آنا چاہیے۔ میں اتنا مہذب بھی نہیں ہوں کہ گھر آئے دشمن کو بار بار معاف کر سکوں۔''

☆=====☆=====☆

وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔ عبداللہ وغیرہ تھیسس میں مصروف تھے اور ماہ بانو وغیرہ کی بھی کلاسیں جاری تھیں۔ ان دنوں ڈرائنگ کی ایک ہفتے کی کلاس کے بعد منی ایچر کی پانچ ہفتوں کی کلاس بھی ختم ہونے والی تھی۔ فائنل امتحانوں میں کچھ زیادہ دن نہیں رہ گئے تھے۔ ان کے امتحانوں کے فوراً بعد فائنل ایئر کا تھیسس ڈسپلے تھا اور پھر انہیں کالج سے فارغ ہو جانا تھا۔

''اوہ گاڈ! یہ منی ایچر کی مصیبت کب ختم ہوگی۔'' نیہاں نے فگر ود لینڈ اسکیپ اینڈ آرکیٹیکچر کی اسائنمنٹ کرتے ہوئے کہا۔

''ہے تو مشکل کام منی ایچر' لیکن اب اتنا مشکل بھی نہیں ہے اور تم تو اچھا بھلا کام کر لیتی ہو......'' ماہ بانو بولی۔

''میں ان گانوں سے تنگ آ گئی ہوں' جو سر لگا کر رکھتے ہیں۔ شمشاد بیگم سے کم کی تو بات ہی نہیں کرتے کبھی۔ ایک دو تین' آیا موسم ہے رنگین۔ اور کبھی برسات میں پتا نہیں کس کس سے کون کون ملا۔ یہ پانچ ہفتے تو لگتا ہے' پُل صراط پر چلتے ہوئے گزارے ہیں ہم نے۔'' نیہاں نے کہا۔

''ہاں بقول سر کے یہ ایسٹرن آرٹ ہے اور پھر ان کا بھی کیا قصور' انگریزی انہیں آتی نہیں ہے۔ ترس آتا ہے مجھے ان کی صورت دیکھ دیکھ کر۔'' اُما ہنسی۔

''میرا تو دماغ پلپلا ہو گیا ہے۔ میں کب کہتی ہوں کہ انگریزی کے گانے لگائیں۔ اُردو کے ہی لگائیں لیکن کسی انسانی دور کے تو لگائیں۔'' نیہاں بولی۔

''بانو' انکل کا کوئی خط یا فون آیا؟'' اُمانے اس سے پوچھا۔

''ہاں' پرسوں ہی فون آیا تھا۔ مجھے بتانے کا خیال نہیں رہا۔ کہہ رہے تھے کہ میرے لیے انہوں نے کچھ بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بھیجا ہے تو انہوں نے بتایا نہیں۔ کہنے لگے کہ خود پتا چل جائے گا۔

میں کہتی تھی ناں اُما کہ موقع ملنے کی بات ہے صرف میرے ابا جی کو موقع ملا تو انہوں نے خود کو منوا کر دکھایا...... وہاں سب ابا جی سے اتنے امپریس ہیں۔ ابا جی کو اپارٹمنٹ ملا ہوا ہے' کار ہے سب کچھ ہے ان کے پاس۔ پتا ہے ابا جی چاہتے ہیں کہ فائنل امتحانوں کے بعد ہونے والی چھٹیاں ہم ان کے پاس امریکہ میں ہی گزاریں' میرے اور اماں جی کے لیے بہت اداس ہوتے ہیں' وہ ہمیں بھی اتنا یاد آتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔''

''میرے ڈیڈی بھی ہفتہ بھر کے لیے لاہور آ رہے ہیں کام کے سلسلے میں۔'' نیہاں نے اس سے کہا۔ ''میں ملواؤں گی تمہیں ان سے۔''

''ہاں ضرور۔'' پھر وہ اُما سے مخاطب ہوئی۔ ''تمہاری ممی کی طرف سے پھر تو خط یا فون نہیں آیا آنٹی کے سلسلے میں؟''

''ہر روز خط بھی پہنچ جاتا ہے اور فون بھی۔ خط ہیما کا' فون ممی کا۔ بڑی مشکل ہے بانو' سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں۔'' اُما نے کہا۔

''میری مانو اُما تو تم اس سلسلے میں ایڈی سے ضرور بات کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ کل تم اس بات پہ پچھتاؤ کہ اگر تم نے ایڈی سے ذکر کر لیا ہوتا تو شاید کوئی راہ نکل آتی۔ اپنے لیے کوئی بھی

URDU PHOTO

دروازہ بند مت کرو' اچھے طریقے سے سوچو اس مسئلے پر۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اس کا تھیسس ڈسپلے ہو جائے ناں۔''

''بھاڑ میں گیا اس کا تھیسس۔'' نیہاں کو غصہ آ گیا۔

''تھیسس ڈسپلے کے بعد تم سدھار جاؤ گی سکھر اور وہاں سے ایک دن ہمیں اور ایڈی کو تمہاری شادی کا کارڈ موصول ہو جائے گا۔ حد کرتی ہو تم بھی' ساری زندگی تباہ کرنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''وہ تو ہو ہی گئی ہے' مزید کیا تباہ ہوگی۔''

''میری بات سنو اُما! ایڈی کے ساتھ اتنا برا سلوک مت کرو' ٹھیک ہے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا لیکن تم ایڈی کو اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تو کر لو۔'' نیہاں نے کہا۔

''وہ بچہ نہیں ہے' میں نتائج سے بے پروا نہیں تھی تو کیا وہ بے خبر تھا؟ اسے بھی اچھے طریقے سے پتا تھا کہ بالآخر یہی ہوگا۔ اب تک وہ ذہنی طور پر تیار بھی نہیں ہوا ہوگا کیا؟ نہیں وہ ذہنی طور پر تیار ہوگا یوں بھی یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے منہ سے' اپنی زبان سے اسے کچھ بتاؤں۔'' اُما کا موڈ آف ہو گیا۔

''جانے دو تم' میں اس سے بات کروں گی۔ کم از کم اسے اچانک اتنا بڑا شاک تو نہ پہنچے ناں۔'' نیہاں نے کہا۔

''تم سب کو اس کی فکر ہے اور جو میری جان پر بنی ہوئی ہے' اس کی پروا کسی کو نہیں۔''

''ہم سب کو تمہاری پروا ہے' لیکن بتاؤ ہم کیا کر سکتے ہیں' جب تک تم خود کچھ نہیں کرنا چاہو گی......'' ماہ بانو نے کہا۔

''میرا تو سر درد سے پھٹ جائے گا۔ اُٹھو چلو کمز چلتے ہیں۔'' اُما نے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرا اتنا ڈھیر سارا کام رہتا ہے ابھی۔'' نیہاں بولی۔

''اُٹھو تم' میں کچھ نہیں سنوں گی۔'' اُما نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

وہ تینوں کمز میں چلی آئیں اور کرسیاں دھوپ میں رکھ کر بیٹھ گئیں۔ ان کے قریب ہی دوسری میز پر فائنل ایئر کی چند طالبات بیٹھی ہوئی تھیں۔

''بانو' تم ایڈی سے بات کر سکتی ہو اُما کے بارے میں؟'' نیہاں نے پیپسی پیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ کام میں مصروف ہے۔ اس کی امی کو بھی اس سے بہت شکایت ہے کہ دو دو دن اس کی شکل نظر نہیں آتی' ہاں اگر مل گیا تو ضرور بات کروں گی۔ میں بھی نہیں چاہتی کہ یہ اپنی حماقت میں وہ سب کچھ گنوا بیٹھے جو اسے مل سکتا تھا۔''

"ویسے اُما تم اپنے گھر والوں سے اس بارے میں بالکل بات نہیں کر سکتیں کیا؟" نیہاں نے کہا۔

"ایک لمحے کو فرض کر لو کہ میں کر سکتی ہوں ان سے بات پھر کیا ہوگا؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ مجھے اپنے ہاتھ سے ایڈی کے ساتھ رخصت کر دیں گے کہ جاؤ بیٹا اس مسلمان سے شادی کر لو اور پھر بہت سی باتیں ہیں جو میں تم لوگوں کو بھی نہیں بتا سکتی۔ میرا بھائی اجے تو وہ طوفان اُٹھائے گا کہ نہ پوچھو۔ اسے یوں بھی پاکستان سے، اس مٹی اور یہاں کے رہنے والوں سے کوئی محبت تو کیا انسیت بھی نہیں ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ میری اور ہیما کی پاکستان میں کہیں شادی ہو۔"

وہ خاموشی سے پیپسی پینے لگیں۔

ساتھ کی میز پر بیٹھی باتیں کرتی افشین، ربیعہ اور نازنین کی آوازیں واضح ہو گئیں۔ وہ بھی فائنل ایئر کے تھیسس کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ ان کی باتوں میں جیمز کا ذکر آیا تو نیہاں کے کان کھڑے ہو گئے۔

"ہائے افشین! تمہیں پتا ہے جیمز رائل پارک میں رہتا ہے اور وہیں سینما کے بورڈز بھی پینٹ کرتا ہے۔" نازنین نے کہا۔

"رئیلی؟" افشین نے آنکھوں میں حیرت بھر کر پوچھا۔

"اوہ یس! اور کیا۔" نازنین بولی۔

"تب ہی تم نے کبھی نوٹ کیا کہ اس کی ڈرائنگ کتنی اچھی ہے؟" ربیعہ نے کہا۔

"ہاں ظاہر ہے، چالیس فٹ کی انجمن بنائے گا تو ڈرائنگ تو خود ہی اچھی ہو جائے گی۔" افشین نے ہنس کر کہا تو ان دونوں نے بھی قہقہہ لگایا۔

نیہاں کو ان کا جیمز کے متعلق اس انداز میں باتیں کرنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"ویسے تمہیں کس نے بتایا نازنین؟" اس نے پوچھا۔

"لگتا تو بالکل نہیں ہے، میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی یار۔ He is so handSome

"سر قمر نے بتایا تھا، میں بھی بہت حیران ہوئی تھی۔ وہ اتنے عرصے سے یہاں پڑھ رہا ہے اور ہمیں خبر بھی نہیں تھی۔"

"میں نے ہمیشہ محسوس کیا تھا کہ اس کی پینٹنگز بہت ڈائریکٹ ہوتی تھیں رائل پارک برانڈ کی، جاتا تو بے چارہ سرریئل ازم کی طرف تھا اور بن کچھ کا کچھ جاتا تھا۔ اس نے اچھا ہی کیا کہ Sculpture کی طرف چلا گیا۔"

فائن آرٹس میں ڈائریکٹ کام کا طعنہ برداشت کرنا شاید خود جیمز کے لیے اتنا مشکل نہ ہوتا، جس قدر یہ نیہاں کے لیے مشکل تھا۔ وہ اُما اور ماہ بانو سے ایکسکیوز کر کے ان کی میز کی طرف بڑھی۔

"تم جیمز کی کسی ایک ایسی پینٹنگ کا حوالہ دے سکتی ہو جو ڈائریکٹ ہو؟" اس نے ماتھے پر تیوریاں ڈال کر پوچھا۔

افشین کو یہ مداخلت کچھ پسند نہیں آئی تھی، لیکن اس نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔

"کوئی ایک؟ اس کی سب پینٹنگز ایسی ہی ہیں۔"

"نہیں تم کسی ایک پینٹنگ کا حوالہ دو پھر میں تمہیں تمہاری پینٹنگز کا حوالہ دے کر بتاؤں گی کہ تم کہاں کھڑی ہو۔" نیہاں کا مزاج مزید بگڑ گیا۔

"اس میں لڑنے کی کیا بات ہے؟ میں نے محسوس کیا اور کہہ دیا۔ تم ایسا محسوس نہیں کرتیں تو تمہیں اپنے خیالات کے اظہار کا حق حاصل ہے، لیکن میں نے جیمز کو کسی کے ساتھ کمپیئر نہیں کیا۔ جو میں پینٹ کرتی ہوں اسے سمجھنے کے لیے تمہیں دو نہیں مزید بیس سال لگیں گے۔" افشین نے کہا۔

اسی وقت کالج کی طرف سے جیمز آتا دکھائی دیا۔ ماہ بانو اُٹھ کر نیہاں کے پاس چلی آئی۔

"فارگیٹ اٹ نیہا، چلو کلاس میں۔" اس نے نیہاں کا بازو پکڑ کر کہا۔

"آئی کین ناٹ۔" اس نے ماہ بانو کو گھورا اور پھر افشین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"دوسروں پر بات کرنے سے پہلے انسان کو یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہے۔ تم نے ایبسٹریکٹ پکڑا اس لیے کہ تمہیں ڈرائنگ نہیں آتی تھی۔ جیوری کے وقت اِدھر اُدھر کے فلسفے بگھار کر تم پاس ہوتی رہی ہو۔ ایبسٹریکٹ کو تم جیسے آرٹسٹوں نے ہی سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے، جنہیں ڈرائنگ کی الف ب سے بھی واقفیت نہیں ہے۔

پھر تم نے سرریئل ازم...... کی ٹانگ توڑنی شروع کی۔ سارا کالج جانتا ہے کہ تم نے ان ون وے آر دی اور' سلواڈور ڈالی کی نقل کی میٹنگ کلاکس بنانے کے بعد کہا۔ رئیلی؟ ایسی کوئی چیز ڈالی نے بھی بنائی ہے۔ کمال ہے مجھے تو پتا ہی نہیں۔

سرریئل ازم سے پھر تم نے ایبسٹریکٹ پر چھلانگ لگائی کیونکہ جس ڈرائنگ کی ضرورت سرریئل ازم میں تھی، وہ تو تمہیں آتی نہیں تھی۔ ایبسٹریکٹ میں البتہ فلسفے کی کلیاں ٹانک کر تم اسے کچھ کا کچھ ثابت کر سکتی تھی۔"

جیمز، اُما اور بانو کے ساتھ کھڑا نیہاں کی گفتگو سن رہا تھا، مگر نیہاں کو اس بات کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

"دیکھو نیہاں! میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی میں تم سے کوئی بات کرنا چاہتی ہوں۔" افشین بیگ کندھے پر ڈال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی سی پریشانی اسے یہ بھی ہوئی تھی کہ جیمز آ گیا تھا اور وہ جانتی تھی کہ کالج میں کسی کو ڈائریکٹ کام کا طعنہ دینے کا نتیجہ ویسا ہی ہوا کرتا تھا، جیسا کہ ابھی ہو رہا تھا۔ دوستوں کے درمیان بات کرنا اور چیز تھی، لیکن یوں کسی کو کہہ دینا

URDU PHOTO

بالکل مختلف بات۔ آرٹ کے حوالے سے اس سے زیادہ برا لیبل اور کوئی نہیں تھا۔

نازنین اور ربیعہ بھی موقع کی نزاکت دیکھ کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تم ایسے نہیں جاؤ گی افشین' مجھے بتاؤ کہ تمہیں جیمز کے کام میں کیا چیز ڈائریکٹ نظر آئی تھی۔ تم نے اس کے کام کے لیے رائل پارک کا حوالہ کیوں دیا؟ تم یہ کہو کہ تم میں آرٹ کو سمجھنے کی حس نہیں ہے۔ تم نے کہا کیوں کہ وہ رائل پارک برانڈ کا کام کرتا ہے؟ اس کی ہر پینٹنگ میں ایک واضح سوچ ہوتی ہے۔ یونہی تمہاری طرح رنگ نہیں پھینک دیتا' کینوس یا بورڈ پر۔''

''شٹ اپ' میں تم سے بات نہیں کر رہی' چلو ربیعہ' نازنین' ہم کیا بات کر رہے تھے اور اس نے کیا بات پکڑ لی۔''

وہ تیزی سے کالج کی طرف چلی گئیں۔

''یہ لڑکیاں' میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ان کی ایسی کی تیسی کر دوں۔'' نیہاں نے دانت پیس کر کہا۔

''جانے دو نیہاں' اتنا غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

جیمز کی آواز سن کر وہ پلٹی' اسے حیرت ہوئی تھی جیمز کو وہاں دیکھ کر۔

''تم کیوں جھگڑا کر رہی ہو' میرے متعلق کہہ رہی تھی تو کہنے دیا ہوتا' تمہیں کیا؟'' وہ بولا۔

''مجھے کیا؟'' وہ اسی تیزی کے ساتھ بولی جس تیزی کے ساتھ افشین سے مخاطب تھی۔

''ہاں مجھے کیا؟ میں کون ہوتی ہوں ان سے یہ کہنے والی' کیونکہ بات تو وہ تمہارے متعلق کر رہی تھیں ناں۔ میں ہوں ہی اسٹوپڈ فول جو تم جیسے کے ساتھ محبت کیے جا رہی ہوں' جسے اس بات کی خبر ہی نہیں ہے اور جو کسی Living Aphrodite کی محبت میں گرفتار ہے۔

میں نے جو کچھ آج کیا' میری حماقت تھی اور وہ سب بھی جو میں پچھلے دو سالوں سے تمہارے لیے محسوس کر رہی ہوں۔ سب حماقت ہے۔'' اس نے اپنا بیگ کندھے پر ڈالا اور کالج کی طرف چلی گئی۔ اُما اور ماہ بانو نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جیمز کی نگاہیں نیہاں پر ہی لگی ہوئی تھیں یہاں تک کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

''چلو بانو۔'' اُما نے کہا۔

''پلیز اُما' بانو ایک منٹ میری بات سن سکتی ہو؟'' جیمز نے کہا۔

''کیا بات؟''

''میں آیا تو تھا بانو کو ایڈی کا کوئی پیغام دینے' لیکن اب بالکل یاد نہیں رہا کہ اس نے کیا کہہ کر بھجوایا تھا۔'' وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔

''پھر اب کیا بات ہے؟'' ماہ بانو نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

نیہاں جس نے بظاہر خود کو بے نیازی کے خول میں لپیٹ رکھا تھا' اس کا یہ خول چٹختے دیکھ کر

وہ دونوں افسردہ تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت نیہاں کو ان کی تسلی کی ضرورت تھی اور وہ جلد از جلد اس کے پاس جانا چاہتی تھیں۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تم لوگ نیہاں کی فرینڈز ہو' پلیز مجھے بتاؤ کہ جو کچھ اس نے ابھی کہا ہے' وہ سب کیا تھا؟''

''تمہیں نہیں پتا کیا تھا؟ اس بات پر تمہیں زیادہ سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ اپنی Living Aphrodite کے پاس' چلو اُما۔'' ماہ بانو نے تیز لہجے میں کہا۔

''پلیز بانو' میری بات تو سنو۔''

''ہمیں کام ہے۔'' اس نے بے رُخی سے کہا۔

''پلیز اُما! تم ہی رُک جاؤ۔'' وہ اُٹھ کر ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اُما کا دل پسیج گیا۔ ''اچھا بولو جلدی سے کیا کہنا ہے۔''

''تم میں سے بھی کوئی نہیں جانتا کہ میری Living Aphrodite تو نیہاں ہی ہے۔'' وہ بولا۔

''کیا؟ جیمز تم کتنے گھنے' کتنے میسنے ہو' تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ وہ دو سال سے تمہارے لیے سیریس ہے' مگر تم نے ہمیشہ ایسا رویہ رکھا' جیسے وہ تمہاری عام دوستوں کی طرح ہو۔'' ماہ بانو بولی۔

''میں اس طرح نہیں کہنا چاہتا تھا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ فی الحال میں نیہاں کے لیے موزوں ہوں۔ میں کچھ بن کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا اور اس سے قبل اس کی زندگی کو محدود نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے اور یہاں میں نے دیکھا ہے کہ اس بات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ نہ میں خود کسی اعلیٰ مقام پر ہوں اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ میرا پاکستانی باپ مجھے کہاں ملے گا۔ میرے متعلق بھلا وہ یا اس کے گھر والے کیوں سوچتے۔ میرے سامنے ایک نہیں بے شمار ایسی باتیں تھیں' جنہوں نے مجھے روک رکھا تھا۔''

''تم نے ہر بات خود سے سوچ لی اور اس پر فیصلہ بھی خود ہی صادر کر دیا۔ تم ابھی چلو اور اس سے جا کر اپنی اس حماقت کی سوری کرو اور اسے بتاؤ کہ تم اس کے لیے کیا محسوس کرتے ہو۔'' اُما نے دوستانہ حکیمہ لہجے میں کہا۔

''تم لوگ جانتے تھے تو مجھے کوئی کلیو ہی دے دیتے۔ نیہاں نے مجھے کبھی احساس ہی نہیں ہونے دیا۔ اس کا رویہ میرے ساتھ ہمیشہ عام دوستوں والا ہی رہا ہے' پھر میں کیسے سوچ سکتا تھا کہ وہ بھی سیریس ہے میرے لیے۔''

''سارا الزام اس بے چاری کے سر پر نہ رکھو' تم نے کب اسے احساس ہونے دیا' کبھی اسے کوئی کلیو دیا؟ تم نے بھی اس کے ساتھ ہمیشہ عام دوستوں والا رویہ روا رکھا۔''

"اچھا بابا میری غلطی، لیکن اب میری Living Aphrodite مجھے ملے گی کہاں؟" جیمز نے کہا۔

"کلاس میں گئی ہوگی، وہیں چلتے ہیں۔"

چلتے چلتے اُما کو خیال آیا۔

"وہ ایڈی کا پیغام بھی یاد آیا یا نہیں؟"

"اتنا تو یاد ہے کہ پیغام تمہارے نہیں بانو کے لیے تھا، لیکن یہ یاد نہیں آ رہا کہ کیا تھا، میرے لیے نیہاں کی باتیں ایٹمی دھماکے سے زیادہ بڑا دھماکا تھیں اور اس کے بعد اگر مجھے کچھ یاد نہیں رہا تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔"

"مجھے پتا ہے، اس نے کہا ہوگا کہ اس کے پاس ٹیلی کارڈ نہیں ہے، ورنہ وہ گھر فون کر کے اپنی امی کو بتا دیتا کہ آج وہ رات کو دیر تک کالج میں رہے گا، اب میں یہ پیغام اس کی امی تک پہنچا دوں......" ماہ بانو نے کہا۔

"اوہ یس! بالکل یہی پیغام تھا، یاد آ گیا۔" جیمز نے کہا۔

نیہاں کلاس میں نہیں آئی تھی۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے۔

"کہاں گئی ہوگی؟" اُما نے کہا۔

کالج کے چند ممکنہ گوشوں میں دیکھنے کے بعد وہ پریشان ہو گئے۔

"کہاں جا سکتی ہے، گئی تو کالج کے اندر ہی تھی۔"

بڑی مشکلوں سے اتنا پتا چلا کہ وہ آرکیٹیکچر ڈیپارٹمنٹ کی طرف گئی تھی۔

"وہاں کیا کرنے گئی ہے وہ۔" جیمز بولا۔

"وہاں شور شرابا نہیں ہوتا۔ شاید وہ تنہائی چاہتی ہو۔" اُما نے خیال ظاہر کیا۔

گراؤنڈ فلور پر وہ کہیں نہیں تھی، فرسٹ فلور پر بھی نہیں تھی۔

"دعا کرو سیکنڈ فلور پر ضرور مل جائے، پانچویں فلور پر ہوئی تو میں سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ہی اللہ کو پیاری ہو جاؤں گی۔" ماہ بانو بولی۔

سیکنڈ فلور کے لیکچر روم میں اُما نے جھانک کر دیکھا۔ نیہاں درمیانے بینچ پر بیٹھی رو رہی تھی، وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"یہاں بھی نہیں ہے اُما؟" جیمز اور ماہ بانو اس کے پاس چلے آئے۔

"شی!" اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔

"اندر ہے اور رو رہی ہے۔ جیمز پلیز تم مائنڈ مت کرنا، پہلے میں اور بانو جا کر اسے تسلی دے لیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" جیمز نے سر ہلایا۔

URDU PHOTO

وہ دونوں اندر داخل ہوئیں اور اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ نیہاں نے ٹشو پیپر سے اپنی آنکھیں صاف کیں، جن میں لگا کاجل پھیل رہا تھا۔

"رو کیوں رہی ہو نیہاں؟"

"نہیں، رو نہیں رہی، تم لوگ جاؤ، میں اس وقت اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے ماتھے پر آئے اپنے سنہرے بال پیچھے کیے۔

"ہمیں اتنا سمجھایا، اتنی پٹیاں پڑھائیں کہ محبت کر کے ناکام ہو جانا، محبت نہ کرنے سے بہتر ہے۔ اور خود یہ حال ہے کہ ایک جھٹکا نہیں سہار سکیں، جانے دو یار میں تمہیں اتنا کم ہمت نہیں سمجھتی تھی۔" ماہ بانو نے کہا۔

"پتا نہیں کیوں میں نے اسے یہ سب کہہ دیا۔" اس کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔

"مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اب میں اتنی سخت شرمندگی محسوس کر رہی ہوں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں پہل کروں گی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ وہ کسی اور کو چاہتا ہے۔ اس کی زندگی میں میرے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دو سال سے اسے نہیں بتایا تھا تب بھی کوئی قیامت تو نہیں ٹوٹی تھی ناں۔ چند دن کے بعد اس کا تھیسس ہو جاتا اور وہ کالج سے چلا جاتا۔ صرف چند دن کی بات تھی میں چپ رہ جاتی۔ کیوں کہا میں نے اسے یہ سب؟" وہ پھر رونے لگی۔

"اچھا کیا ناں کہہ دیا۔" اُما بولی۔

"اچھا کیا؟ تمہیں بھی پسند تھا ایڈی، لیکن تم پہل کر سکتی تھیں۔ نہیں ناں، میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس کا سامنا کیسے کروں گی۔" اس نے ٹشو پیپر سے آنکھیں رگڑیں۔

"اس کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ تمہارا سامنا کیسے کرے کیونکہ اسے افسوس ہے کہ اس نے پہل کیوں نہیں کی۔ پاگل لڑکی اس کی Living Aphrodite تم ہو۔" اُما نے کہا۔

"کیا بولیں تم؟" نیہاں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"جو تم نے سنا۔" اُما نے کہا۔

"اور اب باقی کے شکوے شکایتیں تم دونوں ایک دوسرے سے خود کرو۔ راستے میں ہم تمہاری وکالت تو کرتے آئے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ وہ یہ سب تمہارے اور تم اس کے منہ سے سننا زیادہ پسند کرو گی۔"

ماہ بانو اور اُما اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

"کہاں چلے تم لوگ؟ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"ابھی سمجھ میں آ جائے گا۔" ماہ بانو نے کہا۔

"بس تم گھڑی بھر انتظار کرو، یہیں بیٹھ کر۔"

نیہاں انہیں لیکچر تھیٹر سے نکلتے دیکھتی رہی۔ ابھی تک وہ صورتِ حال کو پورے طریقے سے سمجھ نہیں سکی تھی۔

''اب تم جا کر اسے بتا دو اور جا ہو تو لڑ بھی لو کہ اس نے یہ بات دو سال بعد کیوں بتائی' پہلے کیوں نہیں بتادی۔'' ماہ بانو نے جیمز سے کہا۔

''ہم اب کلاس میں جا رہے ہیں۔''

☆=====☆=====☆

ریشماں حویلی واپس آجانے کے باوجود بھی نانی ماں کے گھر گزارے دو دن نہیں بھول سکی تھی۔ مکرم نے اسے کچن میں جانے کی اجازت دلوا دی تھی...... وہاں اماں جان اس کے ساتھ ساتھ ہوتی تھیں۔ اتنی ملازماؤں کی موجودگی میں ریشماں کا کام کرنا انہیں اچھا نہیں لگتا تھا' لیکن اس کی خوشی دیکھ کر چپ تھیں۔

اس کے کچن میں داخل ہوتے ہی ملازمائیں الرٹ ہو جاتی تھیں۔ بڑھ کر اس کے ہاتھ سے چھری اور سبزی لے لینا چاہتی تھیں' لیکن وہ ہر کام خود کرتی تھی۔ اماں جان کو ہر وقت یہ فکر رہتی تھی کہ کہیں سبزی بناتے ہوئے اس کی انگلی پر زخم نہ آجائے یا کھانا پکاتے ہوئے وہ جل نہ جائے۔ اس فکر کی کچھ وجہ تو یہ تھی کہ انہیں ریشماں سے سگی ماں کی طرح محبت تھی اور کچھ یہ بھی کہ اسے چوٹ لگنے یا جل جانے کی صورت میں پیر صاحب حویلی میں طوفان کھڑا کر دیتے۔

پیر صاحب بھی اسے خوش دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ پہلے روز وہ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آئی تھی۔

''بابا جان۔''

''آئیں بیٹا بیٹھیں۔'' انہوں نے اسے دیکھ کر شفقت سے کہا تھا۔

''میں بیٹھنے نہیں آئی' میں پوچھنے آئی تھی کہ آپ میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھائیں گے؟'' اس کے انداز میں جھجک تھی۔

اور انہیں اس پر بے طرح پیار آیا تھا۔

''آپ لائیں گی تو کیوں نہیں کھائیں گے۔''

''لیکن وہ اتنا اچھا نہیں پکا' ابھی نیا نیا سیکھ رہی ہوں ناں۔'' اس نے کہا۔

''ہمیں یقین ہے کہ ہماری بیٹی کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے سے زیادہ لذیذ کھانا دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

ان کی بات سے وہ کھل اٹھی۔

اور اب تو وہ بہت اچھے کھانے پکانے لگی تھی۔ چائنیز' فرنچ اور اٹالین کھانے بھی۔

خادم حسین اور سبط کو اس کے شوق کا علم ہوا تو انہوں نے اس کے لیے ڈھیر ساری

کتابیں بھجوا دیں جن میں کھانوں کی ترکیبیں درج تھیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کھانا پکانے سے متعلق کتنی ویڈیو بھی اس کے لیے بھجوائیں۔

نوازش اور حضور علی البتہ اسے بہت تنگ کرتے تھے۔ شروع میں تو خیر واقعی اس کے پکے کھانے بہت اچھے نہیں ہوتے تھے اور وہ ان کا درست مذاق اڑاتے تھے' لیکن جب وہ بہت اچھے کھانے پکانے لگی تب بھی وہ اسے تنگ ضرور کرتے تھے۔

ایسے میں بعض اوقات وہ اماں کو مدد کے لیے پکارتی۔

''اماں جان! دیکھیں یہ مجھے کتنا تنگ کر رہے ہیں۔''

اور اس سے قبل کہ اماں جان کچھ کہتیں مکرم انہیں گھور کر دیکھتا۔

''خاموشی سے کھانا کھاؤ۔''

اور وہ دونوں بھیگی بلی بن کر رہ جاتے۔ ریشماں ہنس پڑتی تھی۔

''آئندہ میں اماں جان کے بجائے مکرم کو کہا کروں گی۔ اس کے سامنے تم سب کی بولتی بند ہو جاتی ہے۔''

یاسمین بیگم' ریشماں کی طرف سے کافی حد تک مطمئن ہو گئی تھیں۔ وہ خوش رہنے لگی تھی اور پیر صاحب نے بھی اس کے لیے ایک نہیں حویلی کی کئی روایتیں توڑی تھیں۔ وہ نہ صرف اپنی مرضی سے فون پر خادم حسین اور سبط سے باتیں کر سکتی تھی' بلکہ انہیں خط بھی لکھا کرتی تھی۔ اب انہیں حالات کی بہتری کی امید ہو چلی تھی۔

مگر ان کے دل میں ایک کانٹا چبھ رہا تھا۔

پیر صاحب کے لاہور کے چکر بڑھ گئے تھے اور یاسمین بیگم جانتی تھیں کہ ایسا کب ہوا کرتا تھا۔ اپنی پوری ازدواجی زندگی میں انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ محسوس نہیں کیا تھا کہ ان کا شوہر مکمل طور پر ان کا تھا۔ پھر بھی جب وہ راتیں ڈیرے پر گزارا کرتے تھے یا ان کے لاہور کے چکر بڑھ جاتے تھے تو ان کے اندر خلش پیدا ہو جاتی تھی۔ وہ اکثر سوچتیں۔

''پچیس سال پیر صاحب کے ساتھ گزارنے کے باوجود بھی میں یہ نہیں سمجھ سکی کہ انہیں کیا چاہیے۔''

☆=====☆=====☆

نیہاں بہت خوش تھی۔ اس نے اپنی ممی کو جیمز کے متعلق بتایا تھا اور انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بس وہ اتنا چاہتی تھیں کہ اس کے ڈیڈی کی لاہور آمد کے موقع پر وہ جیمز کو ان سے ملوا دے۔

''ڈیڈی ویسے تو بہت اسٹرکٹ مارکنگ کرتے ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ جیمز پاس ہو جائے گا۔ اصل میں ممی کو کوئی اعتراض نہیں ہے اور جس بات پر ممی کو اعتراض نہیں ہوتا' ڈیڈی وہ

بات ضرور مان لیتے ہیں۔'' اس نے انہیں بتایا۔

''تمہاری ممی نے جرح نہیں کی جیمز کے متعلق؟ کہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے وغیرہ۔'' اُما نے پوچھا۔

''کی تو تھی اور میں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا۔ ممی کی وہی امریکی سوچ ہے کہ ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتی ہیں کہ جیمز کسی اچھی جگہ جاب کرلے۔ پھر میں بھی ابھی پڑھ رہی ہوں۔ دو سال بہت ہوتے ہیں' وہ کہیں نہ کہیں قدم جمانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ مجھے یوں بھی زیادہ کی خواہش نہیں ہے۔ ہم دونوں مل کر اپنی زندگی کے لیے جدوجہد اور محنت کریں گے۔''

اور جیمز کو بھی فکر تھی۔

''تمہارے ڈیڈی کیا کچھ پوچھیں گے؟ خالص بیوروکریٹس کی طرح افسری تو نہیں جھاڑیں گے؟ میں سخت الرجک ہوں اس قسم کے لوگوں اور رویوں سے۔''

''اب ایسے بھی نہیں ہیں ڈیڈی' ہاں افسر ہیں تو افسری کی عادت بھی ہے' لیکن تم انسانوں کی طرح ڈھنگ سے بات کرو گے تو تمہیں کاٹ نہیں کھائیں گے۔ آج شام کو تمہیں پرل میں آنا ہے۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ ہوسکتا ہے ممی بھی اسلام آباد سے آجائیں۔''

''تمہارے ڈیڈی وہی ہیں جن کے ساتھ تم صبح کالج آئی تھیں؟'' جیمز نے تصدیق چاہی۔

''اولیس وہی ہیں' واپسی پر بھی لینے آئیں گے۔ آج میرا ہوسٹل جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

اُما اور بانو چھٹی کے وقت اپنا سامان سمیٹ رہی تھیں۔ نیہاں ڈیڈی کے آنے کی خوشی میں کچھ دیر پہلے ہی چلی گئی تھی۔ ابھی وہ دونوں منی اپچر روم سے نکل ہی رہی تھیں کہ نیہاں دانت پیستی پہنچ گئی۔

''کیا ہوا؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''یہ پوچھو' کیا نہیں ہوا۔ سارا ستیاناس ہوگیا۔ گڑبڑ ہوگئی اتنی۔''

''کچھ تو کہو کہ کیا ہوا؟ اللہ خیر کرے۔'' ماہ بانو گھبرا گئی۔

''میں ڈیڈی کے ساتھ کار میں بیٹھی اور اوپر سے جیمز صاحب باہر پارکنگ میں تشریف لے آئے۔ اس نے بلیک جینز اور بلیک بغیر آستینوں کے ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی اور سر پر رومال باندھا ہوا تھا۔ پتا ہے ڈیڈی نے کیا کہا اسے دیکھ کر؟''

اُما نے نفی میں سر ہلایا۔

''کہنے لگے یہ کیا چیز ہے۔ آج [illegible] دوسری بار دیکھ لیا ہے۔'' نیہاں بولی۔

اُما اور ماہ بانو [illegible] کہ کام کرتے ہوئے اُٹھ کر آیا ہے۔''

''مجھے کچھ سوجھا ہی نہیں۔ میں ڈیڈی سے ایکسکیوز کر کے اتری اور اب یہاں تم لوگوں کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ پلیز اسے پارکنگ سے یہاں لے کر آؤ۔ میں اسے یہ تو کہہ دوں کہ آج شام ڈھنگ سے ڈریس اَپ ہو کر آئے۔ پلیز جاؤ اور ابھی اسے لے کر آؤ۔''

وہ دونوں اسے پارکنگ سے پکڑ کر لے آئیں۔

''انتہا کر دی تم نے جیمز۔'' اس کا موڈ آف تھا۔

''تمہارے ڈیڈی جانتے بھی ہیں کہ آرٹ کیا ہے؟ ان کے لیے صرف فیشن ہے آرٹ۔ انہیں کیا پتا کہ کوٹ ٹائی لگا کر Sculpture نہیں کیا جاسکتا۔''

''اچھا اچھا۔'' اس نے تیزی سے کہا۔ ''اب انسانوں کی طرح آنا۔ میں جلدی میں ہوں۔ ڈیڈی باہر انتظار کر رہے ہیں۔ تم Dress Clothes پہن کر آؤ گے۔ اس کے بغیر اچھا امپریشن نہیں پڑے گا تمہارا۔'' وہ کہتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔

''مگر میرے پاس ایک بھی فارمل ڈریس نہیں ہے۔'' وہ چڑ ہی گیا۔

''اب اپنی محبت کو فارمل ڈریس کی بھینٹ مت چڑھاؤ۔ کوئی نہ کوئی انتظام کرلو۔'' اُما نے کہا۔

''آل دا بیسٹ جیمز۔'' ماہ بانو نے کہا۔

جیمز ایڈی کے گھر آ کر ہی تیار ہوا تھا۔ اس کے اپنے پاس تو کوئی فارمل کپڑے تھے نہیں۔ مارکس اینڈ سپنسرز کی آف وائٹ قمیص اس نے ایڈی سے لی اور نیوی بلیو کوٹ اور پتلون...... عبداللہ سے ادھار لی۔ جوتے اسے دونوں میں سے کسی کے پورے نہیں آئے۔ تیاری کے دوران وہ مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔ ماہ بانو اور عبداللہ بھی وہیں تھے اور جیمز کی مسلسل بڑبڑاہٹ سے محظوظ ہو رہے تھے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ ویسے ہی بڑبڑاتا ہوا واپس آیا۔

''کیا رہا جیمز؟'' ماہ بانو نے بے تابی سے پوچھا۔

اس نے میرون ٹائی اُتار کر پھینکی۔ ''اس کے ڈیڈی کا خیال تھا کہ میں بھی ان کے آفس میں کوئی کلرک قسم کی چیز ہوں۔ پہلے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا۔ پھر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر اس طرح انٹرویو شروع کیا جیسے کسی ملزم سے جرح شروع کر رہے ہوں۔ جرح ختم ہوئی تو انہوں نے ایسے جھاڑنا شروع کیا جیسے اپنے کلرک کو جھاڑتے ہوں گے۔''

''لیکن جھاڑ کس بات پر رہے تھے؟''

''جانے دو۔ موڈ آف ہوگیا ہے سخت۔'' وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اس کی ممی نہیں تھیں؟ ان کا ووٹ تو یقیناً تمہاری طرف ہوگا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

جیمز نے بڑبڑاتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ایڈی نے ریسیور

اٹھایا۔

''ایڈی' جیمز تمہاری طرف ہے؟'' نیہاں نے پوچھا۔

''ہاں میری طرف ہی ہے۔ ہولڈ کرو۔ میں بات کراتا ہوں۔''

اس نے جیمز کی طرف ریسیور بڑھایا۔

''مجھے اس وقت بات نہیں کرنی۔ میرا موڈ سخت بگڑا ہوا ہے۔''

''حد کرتے ہو جیمز تم بھی۔'' ایڈی کے ہاتھ سے ریسیور ماہ بانو نے لے لیا۔ ''نیہاں یہ جیمز کا موڈ کیوں بگڑا ہوا ہے؟''

''اسے یہ تو سمجھنا چاہیے کہ ڈیڈی کا اپنا سوچنے کا انداز ہے۔ بات کرنے کا انداز ہے۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ ڈیڈی اس کی انسلٹ کر رہے ہیں۔ ہے ناں حماقت۔ سوچو وہ ڈان جانسن کی طرح ڈریس Clothes کے ساتھ جرابوں کے بغیر کینوس شوز پہن آیا۔ ڈیڈی نے اس بات کو مینشن کر دیا۔ اب یہ اتنی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ یہ ڈان جانسن اسٹائل ڈیڈی کے سامنے تو نہیں چل سکتا ناں۔

پہلے تو وہ سنتا رہا پھر کہنے لگا کہ یہ قمیص میں نے اپنے دوست ایڈی سے ادھار لی ہے۔ کوٹ اور پتلون عبداللہ کی ہے۔ جرابیں میلی تھیں اس لیے میں نے پہننا مناسب نہیں سمجھیں اور یہ کینوس شوز میرے اپنے ہیں۔ اس قدر بھی جو میں فارملی (Formaly) ڈریس اپ ہوا ہوں تو صرف نیہاں کی وجہ سے کہ اس نے مجھ سے ایسا کرنے کو کہا تھا۔''

''یہ سب کہہ دیا اس نے؟'' ماہ بانو نے حیرت سے کہا۔

''ہاں اور پھر یہ کہہ کر چلا گیا کہ اسے تھیسز کا کام کرنا ہے۔ قسم سے بانو میری تو رونے والی حالت ہو رہی تھی۔ یہ تو شکر ہوا کہ ڈیڈی نے اس کی اس حرکت کو مائنڈ نہیں کیا ورنہ میرا کیا بنتا۔ تب تک تو میری جان سُولی پر ہی اٹکی رہی۔ جب تک ممی اور ڈیڈی کی میٹنگ جاری رہی۔ بہرحال انہیں اس کی صاف گوئی پسند آئی۔ نہ صرف یہ بلکہ مجھے بھی لیکچر ملا کہ انسان کپڑوں کی کوالٹی وغیرہ سے نہیں پہچانا جاتا اور نہ جانے کیا کیا۔''

''یعنی آنٹی انکل مان گئے؟'' ماہ بانو نے خوشی سے پوچھا۔

''اویس۔''

☆=====☆=====☆

تھیسز ڈسپلے سے ایک روز پہلے کالج میں کافی گہما گہمی تھی۔ فائنل ایئر کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ ہر کوئی اپنی گیلری ڈیکوریٹ کر رہا تھا۔ جونیر کلاسز کے اسٹوڈنٹس اپنے سینئر دوستوں کی مدد کروا رہے تھے۔ بلب ڈھونڈے جا رہے تھے۔ جھگڑے جاری تھے۔ ہر طرف شور مچا ہوا تھا۔ کہیں فش [illegible] کی ایئر [illegible] ٹیکس کی۔

''اپنے سب چہیتوں کو اچھی جگہ دے دی۔ ہمیں سب سے سڑی ہوئی جگہیں مل رہی ہیں۔ ڈسپلے کے لیے۔'' یہ شکوہ تقریباً ہر ایک کا ہی تھا۔

''مجھے باکس پینلز چاہیے تھے اور سمپل پینلز مل گئے۔ اس کی کیا تک ہے۔''

''سب اچھے پینلز ڈیزائن والے لے گئے ہیں۔ ان کے ٹیچرز بھی تو ان کی مدد کر رہے ہیں۔ ہم فائن آرٹس والے یونہی بے یار و مددگار ہیں۔''

''میرا کیا بنے گا۔ مجھے منی ایچر روم کے ساتھ جگہ ملی ہے اور واش رومز اس کے پاس ہی ہیں۔''

''خیر اب اتنے بھی پاس نہیں ہیں۔ مصیبت تو میری ہے۔ مجھے وہاں جگہ ملی ہے جہاں پہلے لاکرز پڑے تھے۔ وہ جگہ بالکل اوپن ہے۔ اگر صبح تک کوئی میری پینٹنگز چرا لے گیا تو؟''

''خیر تمہاری پینٹنگز چرانے کے لیے کوئی پاگل ہی آ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تم احتیاطاً پاگل خانے والوں سے رابطہ کر سکتے ہو۔''

Sculpture کے چاروں اسٹوڈنٹس اپنی مصیبت میں گرفتار تھے۔

''تم لڑکیاں یہاں کھڑی گپ بازی کر رہی ہو۔ دیکھو پیڈ سٹلز ملیں تو لے آؤ۔ جلدی کرو۔'' ایڈی انہیں دیکھ کر چلایا۔

''کان کے پردے مت پھاڑو۔ لا رہے ہیں۔'' اُما نے کہا۔

دوسری طرف سے جیمز آ گیا۔ ''بلب ڈیزائن والے اُڑا لے گئے ہیں۔ جلدی سے کہیں سے انتظام کرو۔''

ابھی انہیں پیڈ سٹلز اور بلب لا کر دیے تھے کہ عبداللہ بھی پہنچ گیا۔

''This is too much ہم کیا برآمدوں میں ڈسپلے کریں گے۔ حد ہوتی ہے۔ ابھی چل کر بات کرو کہ ہمیں گیلری ملنی چاہیے۔''

رات کے آٹھ تو انہی لڑائی جھگڑوں میں بج گئے۔ اس کے بعد گیلری ڈیکوریٹ کرنے سے پہلے انہیں کچھ سانس لینے کا موقع ملا۔ لان میں فوارے کے قریب گھاس پر بیٹھ کر وہ کولڈ ڈرنکس اور چپس کھانے لگے۔

''یہ تم دونوں کی شکلوں پر کیوں بارہ بج رہے ہیں؟'' ایڈی نے اُما اور ماہ بانو کی طرف دیکھا۔

''تم لوگوں کو کیا غرض۔ ہم مریں یا جئیں۔ صبح سے ہماری خیریت بھی دریافت نہیں کی۔ بس کولہو کا بیل سمجھ کر کبھی یہاں' کبھی وہاں دوڑاتے رہے۔'' ماہ بانو نے منہ پھلا لیا۔

''صبح سے ابھی تو سانس لینے کا موقع ملا ہے اور ابھی پتا نہیں اسی کام میں صبح کے چار بجتے ہیں یا پانچ۔ اس کے بعد گھر جا کر نہانا دھونا۔ تیار ہونا اور پھر کالج کے لیے دوڑ کیونکہ صبح نو بجے

جیوری ہوگی۔'' عبداللہ نے کہا۔

''تم سے تو اتنا بھی نہیں ہوا عبداللہ کہ مجھ سے پوچھ لیتے کہ میں جو کل ویزا لگوانے گئی تھی' اس کا کیا بنا؟'' ماہ بانو ابھی تک اس سے خفا تھی۔

''ارے یاد آیا۔ کل تم امریکہ کا ویزا لگوانے گئی تھیں واقعی اس کا کیا بنا؟'' اسے یاد دلانے پر خیال آیا۔

''اماں جی کا لگ گیا اور میرا نہیں لگا۔ ساری رات روتے ہوئے گزاری ہے میں نے۔ ابا جی اتنے یاد آ رہے تھے۔ اتنا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی ایک مہینے کی چھٹیوں میں ان سے مل آؤں۔''

''وجہ کیا ہوئی؟'' ظہیر نے پوچھا۔

''وجہ کیا ہونی تھی بس نخرے ہیں ان کے' اتنا موڈ بگڑا ہوا ہے میرا۔ ان کا خیال ہے کہ ہم بقیہ دو افراد بھی امریکہ چلے گئے تو واپس نہیں آئیں گے۔ یہاں کوئی زمین جائیداد بھی نہیں ہے۔ کچھ تھوڑا بہت بینک بیلنس ہے تو اس کا کیا ہے۔''

''تو اب کیا ہوگا؟'' جیمز نے کہا۔

''ہونا کیا ہے۔ اماں جی تو جائیں گی۔ کل ہم نے ابا جی کو فون کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ چلو اماں تو آ جائیں۔ رہ گئی میں تو اماں مجھے گاؤں میں نانا جی اور نانی اماں کے حوالے کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ جانا تھا امریکہ اور حالات نیاز پور لے جا رہے ہیں۔ مجھے نہیں جانا گاؤں۔ یہیں لاہور میں رہوں گی میں میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا وہاں جانے کو۔'' اس نے بگڑے موڈ کے ساتھ کہا۔

''میں بھی گاؤں جا رہا ہوں۔ تم بھی آ جاؤ۔ کیا فرق پڑتا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

''مجھے نہیں جانا۔ میں گاؤں نہیں جانا چاہتی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

''تم نے اماں جی سے کہا۔ وہ مان گئیں؟''

''نہیں ناں۔ ابھی نہ تو ان سے کہا ہے اور نہ وہ ماننے والی ہیں۔ وہ تو ابا جی کے پاس جائیں گی اس شرط پر کہ میں گاؤں جاؤں گی۔ بلکہ مجھے کان سے پکڑ کر نانا جی کے پاس چھوڑیں گی اور پھر جائیں گی۔ میں کیا کروں؟''

''فی الحال تم صرف پیپسی پیو اور چپس کھاؤ۔'' جیمز نے اسے مشورہ دینے والے انداز میں کہا۔

''یہاں اور جیمز ہم سب سے زیادہ اچھے رہے۔'' ایڈی نے مصنوعی آہ بھر کر کہا۔ ''سب سے آخر میں [illegible] عشق کیا اور سب سے پہلے [illegible] ہوگی۔ ہماری قسمت [illegible] ابھی دودھ کی دو تین مزید نہریں کھودنا لکھا ہوا ہے۔''

''اتنا بھی افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے اُما۔ [illegible]'' ظہیر نے کہا۔

URDU PHOTO

اسے یہ بات اچھی تو نہیں لگی لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔

''ہوا کیا ہے اُما؟ تم مجھے بہت پریشان لگ رہی ہو۔'' ایڈی نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

''نہیں تو۔ تمہارا وہم ہے اور کچھ نہیں۔ تم بتاؤ کہ تھیسز کے بعد کیا ارادہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''برطانیہ کے اسکالرشپ نکل رہے ہیں کچھ دنوں میں۔ میرا ارادہ ہے مووی میکنگ میں اپلائی کرنے کا۔''

''رائل کالج آف آرٹس میں؟'' نیہاں نے پوچھا۔

''ہاں آر سی اے میں ہی ہے۔ دو سال وہاں گزار کر آؤں گا تب تک اُما بھی فارغ ہو چکی ہوگی۔''

''میں شاید ابھی ہی کالج چھوڑ دوں۔'' اس نے بظاہر ایسے کہا جیسے یہ کوئی بات ہی نہ ہو۔

''میرے جانے سے اس قدر بھی اداس مت ہو۔ میں واپس آ جاؤں گا۔'' ایڈی نے شرارت سے کہا۔

وہ خاموش رہی۔

''کیا ہوا اُما؟ کیا بات ہے؟ تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو کیا؟'' ایڈی کو پہلی مرتبہ اس بات کا سنجیدگی سے احساس ہوا۔

''تم سے کیا چھپانا ہے۔ صرف تھک گئی ہوں۔ دل نہیں چاہ رہا باتیں کرنے کا۔ تم سب باتیں کرو۔ میں سن رہی ہوں۔'' وہ بولی۔

''یہ بمبئی چلی جائے شاید۔'' نیہاں نے موقع دیکھ کر ذکر چھیڑا۔

''کیوں؟''

''اس کا بھائی نہیں چاہ رہا کہ یہ یہاں مزید پڑھے۔'' نیہاں نے ہی جواب دیا۔

''پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ اُما تم اپنے بھائی کو راضی کر لو کہ تم پونا میں ایڈمشن لینا چاہتی ہو۔ میں بھی آر سی اے کی قربانی دے کر وہیں چلا جاؤں گا۔ کیسا ہے؟'' ایڈی کو خیال آیا۔

''اور پھر تم Bolly Wood کی فلمیں بناؤ گے۔ لاحول ولا قوۃ۔ اس سے زیادہ سڑا ہوا آئیڈیا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' نیہاں نے کہا۔

''تم کیوں ہم دونوں کے بیچ دیواریں کھڑی کرنے پر تُل گئی ہو۔ میں ہالی وڈ جاؤں۔ بالی وڈ جاؤں یا لولی وڈ رہوں۔ میں اچھی فلمیں ہی بناؤں گا اور میری ہر فلم کی ہیروئن ہوگی اُما دیوی۔'' اس نے مزے سے کہا۔

اُما اُکتا کر کھڑی ہوئی۔ اس کی گود میں رکھی ایڈی کی کتاب نیچے گر گئی۔

''تم کہاں چلیں اور میری کتاب سے یہ ظالمانہ سلوک۔''

''اپنی کتاب اپنے پاس رکھو اور میرا مزید بور ہونے کا ارادہ نہیں ہے' اس لیے میں جا رہی ہوں۔'' وہ آرٹ گیلری کی طرف چل دی۔

''بانو اسے کیا ہوا ہے؟ یہ تو اس طرح بی ہیو نہیں کرتی۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ اسٹینڈ لے سکتی ہے۔ اپنے بھائی کو قائل کر سکتی ہے۔ اصل بات کچھ اور ہے۔ تم تو جانتی ہوگی۔'' ایڈی پریشان ہو گیا۔

ماہ بانو اپنے منہ سے اسے کچھ بتانا نہیں چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ایڈی کو کس قدر دکھ ہوگا۔

''نہیں' اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ تم خود پوچھ لو۔''

''جھوٹ بولنا نہ آتا ہو تو نہیں بولنا چاہیے۔'' ایڈی نے اُما کی گود سے گرنے والی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔

ماہ بانو شرمندہ ہو گئی۔ ''ٹھیک ہے' میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ مجھے اصل بات معلوم ہے مگر میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی۔ اُما چاہے گی تو تمہیں خود بتا دے گی۔''

ورق پلٹتے پلٹتے ایڈی رُک کر کتاب میں کچھ دیکھنے لگا۔ پھر کتاب بند کر کے وہیں گھاس پر رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ابھی آتا ہوں۔''

وہ اسے آرٹ گیلری کی طرف بڑھتے دیکھتے رہے۔ ماہ بانو نے گھاس پر پڑی دی رومانس آف تاج محل...... اٹھالی اور اس کے صفحات الٹنے لگی۔ ایک صفحے پر اُما کی تحریر دیکھ کر وہ رک گئی۔

''جو سکھی میں جانتی پیت کرے دکھ ہوئے
نگر نگر ڈھنڈورا پیٹتی پیت کرے نہ کوئے

(سہیلی اگر میں جانتی کہ محبت کرنے سے انسان دکھی ہو جاتا ہے تو میں سب کو بتاتی پھرتی کہ کوئی محبت نہ کرے)

ایڈی اُما کو لے کر آرکیٹکچر ڈیپارٹمنٹ کی طرف آ گیا۔ یہاں رش کم تھا اور باقی کالج کی نسبت یہ پُرسکون جگہ تھی۔

''کالج چھوڑنا بہت ضروری ہے اُما؟'' اس نے بلا تمہید سوال پوچھا۔

''ہاں۔''

''کیوں؟''

''بتایا تو تھا' اب نہیں چاہتا کہ میں مزید یہاں تعلیم حاصل کروں۔'' اس نے جھوٹ بولا۔

''میں نے [illegible] بھی کہا تھا اور تم سے بھی کہہ رہا ہوں کہ جھوٹ بولنا نہ آتا ہو تو مت بولا کرو۔''

''تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا؟ میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہی۔'' اس نے کہا۔

''میں اتنے عرصے تک تم سے دور نہیں رہ سکتا۔ شادی کرو اور میرے ساتھ برطانیہ چلو۔'' ایڈی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

چند لمحے تو اُما اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

''شاید تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو ایڈی۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''میں مکمل طور پر اپنے حواسوں میں ہوں۔ اس میں بدحواسی والی کون سی بات ہے۔ میں شادی کرنے کو کہہ رہا ہوں تم سے اور دنیا میں سب ہی شادی کرتے ہیں۔''

''تمہارا ذہن اس وقت تھیسز میں اٹکا ہوا ہے اس لیے تم شاید خود بھی نہیں سمجھ رہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میرا خیال ہے کہ اب گیلری ڈیکوریٹ کرنا شروع کر دینی چاہیے۔ میں نے ہوسٹل میں رات دیر تک باہر رہنے کا بتایا بھی نہیں ہوا۔ نو بجے تک نہ پہنچی تو فائن ہو جائے گا۔'' وہ مڑ گئی۔

ایڈی نے اسے کندھے سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔ ''مجھے اصل بات بتاؤ اُما۔''

''اصل بات؟ تم نہیں جانتے کہ اصل بات کیا ہے۔ کیا یہ بات بھی مجھے تمہیں بتانی پڑے گی کہ ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔'' اس نے ہونٹ کاٹ کر آنکھوں میں آئے آنسو پیچھے کیے۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیوں نہیں ہو سکتی؟ جب ہم دونوں کے درمیان محبت ہو سکتی ہے تو شادی کیوں نہیں ہو سکتی؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''اس لیے کہ نہ میں تمہارے لیے اپنا مذہب تبدیل کر سکتی ہوں اور نہ تم میرے لیے۔ کر سکتے ہو اپنا مذہب تبدیل؟ کبھی نہیں۔ نہ میرے گھر والے تمہیں قبول کریں گے اور نہ تمہارے گھر والے مجھے۔ اس حقیقت کو ہم دونوں جس قدر جلد سمجھ لیں' اتنا ہی اچھا ہے۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

'تم سے اتنی کم ہمتی کی توقع نہیں تھی مجھے۔ تم صرف اتنا بتا دو کہ انڈیا قیام کے دوران تمہارا رشتہ تو کہیں طے نہیں ہو گیا؟''

''باقاعدہ رشتہ کہیں طے نہیں ہوا لیکن زبانی بات چیت ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہیں پر طے بھی ہو جائے گا۔''

''وہی آنند؟''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ آنسو پھر گالوں پر بہنے لگے۔

''تم نے گھر والوں کو رضامندی دے دی؟'' ایڈی نے پوچھا۔

''نہیں' لیکن میں جانتی ہوں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ہوگا وہی کچھ جو میرے گھر والے چاہیں گے۔ اور پھر میرے پاس انکار کرنے کی وجہ بھی کیا ہوگی؟ ممی ڈیڈی کوئی ٹھوس وجہ مانگیں گے تو میں کیا کہوں گی؟''

''یہی کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ اس کے سوا کیا؟'' ایڈی نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ وجہ سننے کے بعد وہ مجھے اپنے ہاتھوں سے تمہارے ساتھ رخصت کر دیں گے۔''

''میں نے اس معاملے پر بہت سوچا ہے اُما۔ ہم دونوں کا تعلق جن گھرانوں سے ہے وہاں مذہب کی اہمیت تو تسلیم کی جاتی ہے لیکن اس پر عمل کرنا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ تم لوگ مسلمانوں کے درمیان اُٹھتے بیٹھتے ہو۔ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہو۔ عام ہندوؤں کے برعکس گوشت کھانے میں بھی حرج نہیں سمجھتے۔

میرا تعلق مسلمان گھرانے سے ہے۔ میرے گھر میں صرف امی نماز پڑھتی ہیں۔ وہ بھی ایسے کہ کبھی پڑھ لی اور نہ پڑھ سکیں تو غم نہیں۔ روزہ رکھا یا نہیں افطاری کا اہتمام ضروری ہوتا ہے۔ مجلس یا میلاد میں جانا گیٹ ٹوگیدر کا بہانا ہوتا ہے۔

اس کے باوجود میں یہ جانتا ہوں کہ میری امی کسی ایسی مسلمان لڑکی کو بہو بنانے پر راضی ہو جائیں گی جسے نماز اور کلمہ تک نہ آتا ہو مگر کسی غیر مذہب کی لڑکی کو بہو نہیں بنائیں گی۔ میرا ذہن بہرحال ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ میں کوئی اچھا مسلمان نہیں ہوں۔ عید کے علاوہ شاید ہی کبھی کوئی نماز پڑھی ہو اور وہ بھی ایسے پڑھتا ہوں کہ ساتھ پاپا یا کسی اور کی طرف دیکھتا جاتا ہوں کہ اب آگے کیا کرنا ہے۔

تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم اس بات پر راضی ہو جاؤ گی کہ ہم دونوں اپنے اپنے مذہب پر رہتے ہوئے ایک دوسرے سے شادی کر لیں؟''

''یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسی کوئی شادی ہم میں تو درست نہیں سمجھی جاتی اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم لوگوں میں بھی اسے غلط ہی سمجھا جاتا ہے۔''

''تم غلط صحیح کے چکر میں مت پڑو۔ نہ تم کوئی سیدھی سچی ہندو ہو اور نہ میں سیدھا سچا مسلمان۔ جب ہم عام روزمرہ کاموں میں اپنے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں تو شادی کے معاملے میں ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟''

اُما خاموش کھڑی چاند کی مدھم روشنی میں ایڈی کو دیکھتی رہی۔

''چپ کیوں ہو؟''

''تمہارے گھر والے کیسے راضی ہوں گے؟''

''ہم نے محبت گھر والوں سے لائسنس لے کر شروع کی تھی؟ جب اس وقت ہم نے گھر والوں کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ انہیں اہمیت نہیں دی تھی تو آج ان کے بغیر فیصلہ کر لینے میں کیا حرج ہے۔''

جو کچھ ایڈی کہہ رہا تھا وہ اُما کے قیاس سے بھی باہر کی باتیں تھیں۔

URDU PHOTO

''تم سوچ لو اُما۔ میں تمہارے فیصلے کے بعد اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دوں گا۔ اگر انہوں نے اعتراض نہ کیا تو ٹھیک ہے۔ اور اگر وہ معترض ہوئے تو مجھے پروا نہیں ہے۔ مگر ہر چیز سے پہلے مجھے تمہارے فیصلے کی ضرورت ہے۔ ہاں کہو یا نہیں، مجھے بتا ضرور دینا۔''

وہ دونوں گیلری میں آئے تو اُما گم صم سی تھی۔ ایڈی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ کافی لڑائی جھگڑے کے بعد انہیں گیلری میں ڈسپلے کی اجازت مل گئی تھی اور اب وہ چاروں گیلری میں اپنے اپنے حصے کو ڈیکوریٹ کر رہے تھے۔

ماہ بانو اور نیہاں نے اُما کی کیفیت میں تبدیلی محسوس کی تھی لیکن اسے کچھ کہا نہیں تھا۔ وہ تینوں ان کے ساتھ مدد کرانے میں مصروف تھیں۔ اچانک نیہاں کو خیال آیا۔

''اُما! ہم نے رات دیر تک باہر رہنے کی اجازت نہیں لی تھی۔''

''ہاں۔'' اس نے غیر حاضر دماغی سے کہا۔

''خیر فائن ہی ہوگا نا، دے دینا۔ سب کو پتا ہے تم لوگ کالج میں ہو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''بانو اگر ممکن ہو تو آج کالج کے بجائے تمہاری طرف رات گزار لوں؟'' اُما نے اچانک پوچھا۔

''او شیور۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ تم ایسا کرو کہ فون کر کے ہوسٹل میں اطلاع کر دو۔ یہاں سے فارغ ہو کر گھر چلے جائیں گے۔ بلکہ نیہاں تم بھی آج ہمارے ساتھ ہی چلو۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''میرا ٹیلی کارڈ ختم ہو گیا ہے۔'' نیہاں بولی۔

''یہ مجھ سے لے لو۔'' جیمز نے اپنا ٹیلی کارڈ اسے تھمایا۔

وہ سب پھر کام میں مصروف ہو گئے۔ بارہ بجے کے قریب عبداللہ ماہ بانو کے پاس آیا۔

''بہت دیر ہو گئی ہے بانو۔ تم لوگ اب گھر جاؤ۔''

''لیکن ابھی تو اتنا کام رہتا ہے۔ ایسے کیسے چلی جاؤں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کام ہوتا رہے گا۔ بس تم جاؤ۔'' وہ مُصر رہا۔

''میری تسلی کیسے ہوگی؟ میری جان سُولی پر اٹکی رہے گی۔'' وہ متذبذب تھی۔

''صبح آؤ گی تو تسلی ہو جائے گی۔ تم اس وقت گھر نہ پہنچیں تو میری تسلی نہیں ہوگی۔''

وہ خاموش ہو گئی۔ اسے علم تھا کہ اب عبداللہ اسے گھر بھجوا کر ہی دم لے گا۔

''میرا ڈرائیور تم لوگوں کو چھوڑ آئے گا۔ پھر بھی میں فون کر کے بھی پتا کر لوں گا۔ میرا بہت کام ہے ورنہ میں ہی تمہیں ڈراپ کر دیتا۔''

''ایک شرط پر جاؤں گی۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''بولو۔''

''فارغ ہو کر تم مجھے رِنگ کرو گے' چاہے کتنا ہی وقت ہو جائے۔ مجھے ساری رات نیند نہیں آئے گی اور میں فون سرہانے رکھ کر سوؤں گی۔''

''وہ مسکرا دیا۔ جو حکم۔''

جب سے وہ لوگ پرانے گھر سے یہاں شفٹ ہوئے تھے اماں نے ماہ بانو پر پابندیاں بھی کچھ کم کر دی تھیں۔ ایک تو ماحول بدل گیا تھا اور وہاں کے برعکس یہاں کسی کو ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہنے کی عادت نہیں تھی۔ بلکہ یہاں پر تو ہمسائے بھی برسوں گزر جانے کے باوجود اکثر ایک دوسرے سے ناواقف ہی رہتے تھے۔ پھر کچھ یہ بھی تھا کہ ابا جی چلے گئے تھے اور وہ ان کی بہت لاڈلی تھی۔ ابا جی کے جانے کے بعد اماں جی کی توجہ کا سارا مرکز وہی تھی۔ کبھی امریکہ سے ابا جی کا فون آتا تو وہ انہیں بطور خاص تاکید کرتے تھے کہ ماہ بانو ایک لمحے کے لیے بھی دکھی اور افسردہ نہ ہو۔ اسے جس چیز کی خواہش ہو وہ اسی وقت پوری کی جائے۔

اماں خود بھی اس کی دشمن تو نہیں تھیں۔ وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی اور انہیں اس سے کوئی کم محبت تو تھی نہیں۔ اب ماحول بدلا تو اماں کو احساس ہوا کہ ماہ بانو کا ذہن اس کے ابا جی نے اس نئے ماحول کے مطابق ڈھالا تھا۔ وہ یہاں آ کر خوش تھی۔ اس کی سوچیں' اس کا انداز نشست و برخاست یہاں کے ماحول سے مطابقت رکھتے تھے۔

اماں اسے خوش دیکھ کر خوش تھیں۔ وہ سارا دن اپنے کام میں مصروف رہتی تھی۔ صبح کالج' واپسی پر کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرتی تھی۔ پھر گھر کے پچھلے حصے میں کچن کے باہر جو شہتوت کا درخت لگا ہوا تھا اس کے نیچے رکھے چاک پر کچھ نہ کچھ بناتی رہتی تھی۔ اسے یہ کام کرتے دیکھ کر اماں جی کا دل بھر آتا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ جاتی تھیں۔ اسے کام کرتے دیکھتی تھیں۔ اس سے باتیں کرتی تھیں۔ شام گہری ہونے لگتی تو دونوں اندر آ جاتیں اپنی خواب گاہ کے ساتھ والا کمرا اس نے اسٹوڈیو بنا رکھا تھا۔ اور رات گئے تک وہاں کام کرتی رہتی تھی۔

بس اماں ڈسٹرب ہوتی تھیں تو اس وقت جب وہ عبداللہ کو فون کرتی تھی یا...... عبداللہ کا فون آتا تھا مگر وہ خاموش رہتی تھیں۔ جب تک ابا جی یہیں تھے تب تک وہ اسے ڈانٹ ڈپٹ لیا کرتی تھیں لیکن اب اسے کچھ کہنے کو ان کا دل نہیں چاہتا تھا۔

وہ تینوں گھر پہنچیں تو اماں جاگ رہی تھیں۔

''کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں' مجھے تو لگتا ہے کہ بھوکی ہی اٹھ آئی ہو۔''

''اماں کام ہی اتنا زیادہ تھا۔ شام کو چپس کھا لیے تھے اور بس' اس کے بعد موقع ہی نہیں ملا۔'' وہ بولی۔

''قسم سے آنٹی! اس وقت سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' نیہاں نے کہا۔

''میں ابھی کھانا گرم کرتی ہوں۔ روٹیاں میں نے نہیں پکائی تھیں۔ کچھ خبر نہیں تھی کہ تم

URDU PHOTO

لوگ کب آؤ گے۔ روٹیاں پڑی پڑی ٹھنڈی ہو جائیں۔ تم لوگ بیٹھو میں تھوڑی دیر میں کھانا لاتی ہوں۔''

''میں آپ کی مدد کر دیتی ہوں۔'' اُما اُٹھی۔

ماہ بانو اور نیہاں ڈھیلوں کی طرح لاؤنج میں بیٹھی رہیں...... اُما کھانا چن رہی تھی۔ جب عبداللہ کا فون آیا۔ تھوڑی دیر اس سے بات کر کے اور اسے یہ تسلی دے کر کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گئی ہیں۔ وہ کھانے کے لیے آ گئیں۔ اُما نے دو چار نوالے کھا کر چھوڑ دیا۔ اماں اس پر کھانے لیے زور دیتی رہیں۔ ماہ بانو اور نیہاں نے البتہ اس سے اصرار نہیں کیا۔

خواب گاہ میں پہنچ کر وہ تینوں بستر اور قالین پر بیٹھ گئیں۔

''تم لوگوں کا سونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' نیہاں نے کہا۔

''مجھے تو نیند نہیں آ رہی...... ویسے بھی عبداللہ نے کہا تھا کہ وہ کام ختم کر کے فون کرے گا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''اور تمہیں کیوں نیند نہیں آ رہی؟'' اس نے اُما کی طرف دیکھا۔

وہ خاموشی سے قالین کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتی رہی۔

''ہوا کیا ہے اُما۔ اب تو بتا دو پلیز۔ تم ہم سے تو کچھ نہیں چھپاتیں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''ایڈی نے شادی کا پرپوزل دیا ہے۔'' وہ بولی۔

''سچ؟''

''ہاں۔'' وہ بولی۔

''پھر؟ تم نے کیا کہا؟'' نیہاں نے بے تابی سے پوچھا۔

''میں نے کیا کہنا تھا سوائے اپنے خدشات اور چند حقیقتوں کے' لیکن اس نے ایک عجیب وغریب تجویز رکھ دی۔ کہنے لگا کہ ہم اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے شادی کر لیتے ہیں۔'' اُما نے بتایا۔

''لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟ ایسا تو ممکن نہیں ہے۔'' ماہ بانو کچھ نہ سمجھی۔

''میں نے بھی یہی کہا تھا مگر وہ مختلف انداز میں سوچ رہا تھا۔'' اُما نے انہیں تفصیل سے اپنی اور ایڈی کی گفتگو سنا دی۔

''عام حالت میں مذہب پر عمل کرنا یا نہ کرنا اور بات ہے۔ میں مانتی ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی اچھا مسلمان نہیں ہے لیکن شادی بیاہ......'' ماہ بانو کہتے کہتے رک گئی۔

''تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتیں اُما۔'' نیہاں نے بے چارگی سے کہا۔

''مجھے نہیں پتا کہ ایڈی کو مذہب سے کتنی واقفیت ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بالکل ہی نہیں ہے۔ قرآن پاک میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مرد یا عورت اپنا

مذہب تبدیل کر کے اسلام قبول کر لیں تو شادی ممکن ہے۔ میری معلومات تو یہ کہتی ہیں کہ ایسا کرنے والا دائرہ اسلام سے ہی خارج ہو جائے گا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ خود کو مسلمان کہلوانے پر مُصر ہے اور غیر مذہب میں شادی بھی کرنا چاہتا ہے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

اُما نے مجروح نظروں سے ان کی طرف دیکھا پھر بولی۔

''بتی بجھا دو۔ عبداللہ کا فون آیا تو تم جاگ جاؤ گی۔''

''میری باتوں کو تم نے مائنڈ کیا ہے اُما؟'' ماہ بانو اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''نہیں۔ مائنڈ کیا کرنا۔ تم نے وہی کہا جو حقیقت ہے اور جو میں بھی جانتی ہوں۔''

''نہیں' تم نے مائنڈ کیا ہے۔ میرا مطلب تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔''

''بانو میں کبھی نہیں چاہتی تھی کہ ہماری دوستی کے بیچ مذہب حائل ہو مگر میرے یا تمہارے نہ چاہنے کے باوجود بھی آج ایسا ہو گیا ہے۔ تم نہ مجھے منع کر سکتی ہو اور نہ ایڈی کو۔ اس بات پر تمہارا زور نہیں ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ اگر ہماری شادی اسی صورت میں ہوئی تو تم دل سے خوش نہیں ہو گی۔ شاید تم کوئی بہانا بنا کر اس میں شرکت بھی نہ کرو۔

تم سب دل سے چاہتے تھے کہ میری اور ایڈی کی شادی ہو لیکن اس صورت میں نہیں جو آج ایڈی نے پیش کی ہے بلکہ اس صورت میں کہ میں مسلمان ہو جاؤں گی اپنی محبت اور ایڈی کی خاطر۔ اور یوں کسی کو بھی کوئی مسئلہ درپیش نہیں آئے گا۔ اور کچھ نہیں تب بھی یہ تم سب کی خواہش ضرور تھی۔

اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ہمارے بچھڑ جانے کا تم سب کو دکھ ہوتا بہت شدید۔

مگر اب میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس طرح ہمارے ملنے کی نسبت تم سب ہمارا بچھڑنا زیادہ پسند کرو گے۔ دکھ تو ہو گا تم سب کو' لیکن اس دکھ کو اپنی ذہنی کشمکش پر ترجیح دو گے۔

مجھے بتاؤ کہ جب تم لوگ مذہب کے معاملے میں اتنی سی بات پر ری کنسائل نہیں کر سکتے تو مجھ سے کیوں توقع رکھتے ہو کہ میں پورا مذہب ہی تبدیل کر لوں۔ مجھ سے وہ کچھ کیوں مانگتے ہو جو میں کبھی نہیں دے سکتی۔ کیا اس وقت تم دونوں میں سے کوئی مذہب تبدیل کر سکتا ہے؟ چاہے اپنی محبت ہی کی خاطر؟ پھر میں کیسے ایسا کر سکتی ہوں۔ یہ سب تو سات جنموں میں بھی ممکن نہیں ہے۔

''میں بھی تم دونوں جیسی عام لڑکی ہوں۔ میرا ذہن میری تعلیم' میرا سوچنے کا انداز' سب کچھ تم دونوں جیسا ہے پھر تم لوگ مجھ سے اتنی بڑی توقعات کیوں وابستہ کر رہے ہو۔ ہم لڑکیاں تو یوں بھی نفسیاتی طور پر مذہب کے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ ایڈی جس نے اس حد تک تجویز دی ہے۔ وہ بھی مذہب تبدیل کرنے کے متعلق نہیں سوچ سکتا' پھر میں ہی کیوں؟'' وہ خاموش بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد نیہاں بولی۔

''پلیز اُما تم اسلام کا مطالعہ کر کے تو دیکھو؟''

''تم نے کتنا مطالعہ کیا ہے نیہاں کیا کچھ پڑھا ہے تم نے اسلام کے بارے میں؟ تم تو پیدائشی طور پر مسلمان ہو پھر بھی کتنا کچھ جانتی ہو؟''

وہ خاموش ہو گئی۔

''تم نے اس تجویز کے بارے میں کیا سوچا ہے؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''میں جانتی ہوں کہ میرے گھر والے تو دور کی بات تم جیسے دوستوں کی دعائیں بھی' ہمیں نہیں ملیں گی پھر بھی میں کوشش ضرور کروں گی۔ میں پچھتانا نہیں چاہتی اور نہ ہی Failure یا Loser کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا تھا ناں کہ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کسی اور سے کرتی ہیں اور شادی کسی اور سے کرتی ہیں۔ میں کوشش ضرور کروں گی I do not want up as a loser۔'' اس نے قطعی انداز میں کہا۔

وہ بتی بجھا کر لیٹ گئیں۔ نیند ماہ بانو کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''یہ حقیقت ہے کہ میں اُما اور ایڈی کی اس انداز میں ہونے والی شادی میں شرکت نہیں کر سکتی حالانکہ وہ دونوں میرے بہت پیارے دوست ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے دل کے بہت اندر یہ خواہش موجود تھی کہ اُما' ایڈی کی خاطر مسلمان ہو جائے لیکن میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اُما کی پرواز کتنی ہے۔''

اس کے ذہن میں بار بار اُما کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''میں پچھتانا نہیں چاہتی۔''

I don't want up as a loser

☆=====☆=====☆

ظہیر کے علاوہ سب کی جیوری اچھی ہو گئی تھی۔ حالانکہ سب رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ مگر ابھی تک بالکل چاق و چوبند تھے۔ صبح پونے پانچ بجے ماہ بانو کو عبداللہ کا فون آیا تھا۔ پہلی گھنٹی پر ہی ریسیور اُٹھا لیا تھا۔

''میں ابھی گھر پہنچا ہوں اور پہلا کام یہ کیا ہے کہ تمہیں فون کروں۔'' اس نے کہا۔

''مجھے یہ بتاؤ کہ کام تو ٹھیک طریقے سے ختم ہو گیا ناں؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''ہاں ہو گیا۔ میرا اور ایڈی کا تو ہو ہی گیا تھا۔ ہم باقی سب کی ہیلپ کراتے رہے۔ خیر اب تم سو جاؤ۔ میں نے خواہ مخواہ تمہیں ڈسٹرب کیا۔''

''بالکل نہیں بلکہ میں تو انتظار میں کب سے جاگ رہی تھی۔'' وہ بولی۔

''اماں اور بابا جان بھی شام کو پہنچے ہیں۔ میرا انتظار کر کے سو گئے ہیں۔''

''تم بھی سو جاؤ تاکہ صبح فریش ہو۔'' ماہ بانو نے مشورہ دیا۔

''ابھی سو گیا تو پھر شام سے پہلے نہیں جاگ سکوں گا۔ ابھی میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''اچھا پھر میری بات سنو۔'' وہ فون اُٹھا کر گیلری میں نکل آئی۔

''سناؤ۔'' وہ بولا۔

''تمہیں پتا ہے کہ ایڈی نے اُما کو پروپوز کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اور یہ بھی پتا ہے کہ اس نے اُما کو کیا تجویز دی ہے؟''

''ہاں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''لیکن سوچو عبداللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایڈی پاگل تو نہیں ہو گیا۔''

''تمہیں کیا ضرورت ہے تبصرہ کرنے کی۔ وہ دونوں بالغ ہیں اور اپنے سلسلے میں خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اچھا یا برا انہیں درمیان میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''کیا مطلب؟ میں کب درمیان میں آ رہی ہوں۔ میں تو اتنا کہہ رہی ہوں کہ اس سے بہتر ہے وہ ہندو ہو جائے کیونکہ مسلمان تو وہ نہیں رہے گا ایسا کر کے مسلمان کہلوانے اور مسلمان ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور جب وہ مسلمان نہ رہا تو پھر جو مرضی ہو۔ ہندو' سکھ' عیسائی' اتنی سی عقل نہیں ہے اس میں کہ یہ بات سمجھ لے۔ اچانک کیا کیڑا گھس گیا ہے اس کے دماغ میں۔ مائی گاڈ! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' ماہ بانو نے جھرجھری لی۔

''سنو بانو' ہم سب کو دوسروں کے بجائے اپنے اعمال پر توجہ دینی چاہیے۔ ہم دونوں بھی اتنے اچھے مسلمان نہیں ہیں کہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگائیں۔ تم نے ٹھیک کہا کہ مسلمان کہلوانے اور مسلمان ہونے میں فرق ہوتا ہے۔ مگر میرا اور اپنا غیر جانبداری سے تجزیہ کر کے بتاؤ کہ ہم کیا ہیں؟ ہم میں سے آدھے لوگ تو یہ بھی نہیں غور کرتے کہ وہ مسلمان کیوں ہیں۔ بس وہ اس لیے مسلمان ہیں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہو گئے ہیں۔

صرف اپنے اوپر توجہ رکھو کہ تمہارے اعمال کیسے ہیں اور میں اپنے اوپر توجہ رکھوں گا۔ اگر ہم سب اپنے اپنے اوپر توجہ دیں تو ہمارے آدھے مسائل حل ہو جائیں گے۔ معاشرہ فرد سے قائم ہوتا ہے اور ہر فرد غیر جانبداری سے اپنا تجزیہ کرتا رہے اور اپنی غلطیاں درست کرتا رہے تو معاشرہ سدھرے گا۔ یہ نہیں کہ ہم خود تو کچھ بھی کرتے رہیں اور دوسروں کی فردِ جرم تیار کرنے میں مصروف رہیں۔''

عبداللہ کے کہنے پر اس نے اس موضوع پر دوبارہ کسی سے بات نہیں کی تھی۔

عبداللہ کی اماں اور بابا جان آئے تھے۔ وہ ان سے ملی تھی۔ انہوں نے بھی اس سے بہت شفقت اور محبت سے بات چیت کی تھی۔ یوں بھی وہ سارا وقت وہیں رہی تھی۔ جہاں عبداللہ نے ڈسپلے کر رکھا تھا اور سب آنے والوں کو پوچھنے پر اس کا کام اس طرح Explain کر رہی تھی

جیسے یہ سب کچھ خود اس نے تخلیق کیا ہو۔

مگر ایک بات کا احساس اسے بہت شدت سے ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے عبداللہ کے بابا جان اس کی محبت کا راز جانتے ہوں۔ یہ صرف اس کے محسوسات تھے۔ کوئی اس بارے میں پوچھتا تو شاید وہ کوئی ٹھوس وجہ بیان بھی نہ کر سکتی۔ بس ایک احساس تھا۔ انہوں نے منہ سے کچھ نہیں کہا تھا۔ رویے سے کچھ ظاہر نہیں کیا تھا۔ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جسے وہ اپنے احساسات کی بنیاد بنا سکتی۔

جیسے ہی اسے احساس ہوا تھا اس نے غیر محسوس انداز میں انہیں کھوجنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ ان کا ردِعمل جاننا چاہتی تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ ان کی آنکھوں میں اس کے لیے خوش آمدید کی چمک تھی۔ یا وہیں رُک جانے کی تنبیہ۔ مگر وہ کچھ جان نہیں سکی تھی۔

ہاں ایک موہوم سا خیال تھا کہ ان کی نگاہوں میں ریشماں کی جو جگہ تھی' وہ شاید اسے نہ مل سکتی۔ وہ ایک طرف زرینہ خالہ کی بیٹی تھی تو دوسری طرف رجب علی کی بیٹی۔ بابا جان کے دل میں ایک طرف گزشتہ محبت کا نرم گوشہ تھا اور دوسری طرف خون کا رشتہ جبکہ ماہ بانو صرف عبداللہ کی پسند تھی اور بس۔

''جو حق حیدر بابا اپنے بابا جان سے اپنے لیے طلب کر رہے تھے۔ کیا وہ یہی حق عبداللہ کو بھی دیں گے؟'' یہ سوال مسلسل اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا لیکن اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

رزلٹ آؤٹ ہوا تو ایڈی کی Distinction تھی۔ عبداللہ کو آنرز ملا تھا اور جیمز بھی پاس ہو گیا تھا۔ ہاں ظہیر کو فیل کر دیا گیا تھا وہ سخت اَپ سیٹ تھا۔ جسے پتا چلتا تھا وہی کوئی نہ کوئی تبصرہ شروع کر دیتا تھا۔

''او گاڈ! تھیسز میں فیل کر دیا؟ اوہ نو۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ اب اس کا کام فیل ہونے والا بھی نہیں تھا۔ ضرور اسے Victimise کیا گیا ہے۔''

''تھیسز میں فیل کرنے سے بہتر تھا کہ اسے پہلے ہی تھیسز دینے سے روک دیا جاتا۔ یہ تو بے چارے کے ساتھ سخت ناانصافی ہوئی ہے۔''

''ویسے اس نے کوئی نئی چیز دی بھی نہیں تھی۔ چلو پرانی ہی دے دیتا لیکن کچھ تو تبدیل کرتا۔''

''خیر جیورز کو بھی کچھ نہیں آتا تھا۔ سب نکمے بطور جیورز بلوا لیے جاتے ہیں۔''

''میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہی ہوگا۔ اس کا کام بس ایویں تو تھا۔''

غرض جتنے منہ تھے' اتنی باتیں۔

☆=====☆=====☆

URDU PHOTO

چھٹیوں سے پہلے وہ سب ایک مرتبہ پھر عبداللہ کے گھر جمع تھے۔ فائنل ائر تو تھیسز کے بعد کالج کو الوداع کہہ چکی تھی لیکن ماہ بانو' اُما اور نیہاں کی کل سے چھٹیاں شروع ہو رہی تھیں۔

''اب تم سب نے ہماری منگنی پر ضرور آنا ہے میں کوئی بہانا نہیں سنوں گی کسی کا۔'' نیہاں نے کہا۔

''گروپ میں ہونے والی پہلی منگنی ہے۔ آئیں گے۔ کیوں نہیں۔'' ایڈی بولا۔

''اُما اور بانو تم لوگوں نے بھی آنا ہے۔'' وہ ان سے مخاطب ہوئی۔

''مجھے تو اماں گاؤں ضرور پہنچیں گی اور نانا جی کو تاکید کر کے جائیں گی کہ وہ مجھے بھی مرغیوں کے ڈربے میں بند کر دیں تاکہ میں کہیں نکل نہ سکوں۔ اسلام آباد بہت دور کی بات ہے۔'' ماہ بانو نے منہ بنایا۔

''یہ نہیں چلے گا۔ عبداللہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ بانو کو لاؤ۔'' وہ بولی۔

''میں کان سے پکڑ کر لاؤں گا تم فکر مت کرو۔'' اس نے کہا۔

''اور اُما تم نے بھی آنا ہے۔ میں کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔'' نیہاں اس سے مخاطب ہوئی۔

''میں کل سکھر جا رہی ہوں اور پتا نہیں وہاں حالات کیا صورت اختیار کریں۔ میں فرینکلی کہہ رہی ہوں تم سے کہ میں وعدہ نہیں کر سکتی۔ البتہ کوشش کروں گی۔''

''میں نے کوئی بات نہیں سنی' بس تمہیں آنا ہے۔'' وہ مُصر تھی۔

''میرا مسئلہ حل کرو۔ کوئی ترکیب بتاؤ کہ میں گاؤں نہ جا سکوں۔ میں بالکل نہیں جانا چاہتی۔'' ماہ بانو نے فریاد کرنے والے انداز میں کہا۔

''ایسی عاجز اور مسکین صورت بنائی ہے تم نے کہ بندے کو خواہ مخواہ ترس آ جائے۔'' جیمز نے کہا۔

''میرے پاس ایک ترکیب ہے۔ تمہاری اماں جان کو سی آف کرنے تمہارے رشتے دار گاؤں سے آئیں گے اور واپسی پر تمہیں ساتھ لے کر جائیں گے۔ تم ان کی واپسی کے وقت بیماری کی ایکٹنگ کر لینا۔ میں امی سے کہوں گا کہ وہ رشتے داروں کو یقین دلا دیں کہ تم شہر میں رہ کر ہی ٹھیک ہو سکتی ہو اور یہ بھی کہ وہ دن رات تمہاری تیمار داری کریں گی۔ آخر رشتے دار اپنے کام چھوڑ کر آئے ہوں گے۔ کتنے دن یہاں ٹکیں گے۔ بالآخر تو انہیں جانا ہی ہوگا ناں۔'' ایڈی نے ترکیب بتائی۔

''میرے رشتے دار اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت فالتو قسم کے لوگ ہیں' لیکن خیر یہ ترکیب آزمانے لینے میں ہرج بھی کوئی نہیں ہے۔ جس نے ٹکنے کی کوشش کی' اس سے ایسی تیمار داری کراؤں گی کہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بھاگ کھڑا ہوگا۔''

URDU PHOTO

☆=====☆=====☆

خادم حسین امریکہ سے واپس آ گیا تھا۔ ابھی اسے آئے بمشکل دو ہی دن ہوئے ہوں گے کہ زمینوں کے مقدمات میں ان کی پیروی کرنے والا وکیل آ گیا۔

''پیر صاحب' اگلی پیشی پر فیصلہ ہے اور میں نے پہلے پتا کروا لیا ہے۔ میری تمام تر کوشش کے باوجود ہم یہ کیس نہیں جیت سکتے۔ اس کے بارے میں' میں نے پہلے بھی آپ کو عرض کر دیا تھا کہ کیس بہت واضح اور ہمارے خلاف ہے۔ زمینیں حیدر علی شاہ صاحب کا حق ہیں اور اس سلسلے میں ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کر سکیں گے کہ مقدمے کو طول دیتے جائیں۔''

گو کہ پیر صاحب ذہنی طور پر اس فیصلے کے لیے تیار تھے لیکن ایسا ہو جانا انہیں بالکل پسند نہیں تھا۔ اس سارے علاقے میں ان کا جو رعب اور دبدبہ تھا' جو وقار تھا' وہ پل بھر میں خاک میں مل جاتا۔ زمین ان کی عزت اور غیرت تھی۔ اپنی عزت اور غیرت وہ حیدر علی شاہ کے حوالے کیسے کر سکتے تھے۔

''وہ یہاں بھی جیت گیا لیکن ہم اسے جیتنے نہیں دیں گے۔ اس مرتبہ اسے ہارنا ہوگا۔'' انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا اور خادم حسین کو طلب کیا۔

''جی بابا جان۔'' وہ ان کے پاس چلا آیا۔

''زمینوں کے مقدمے کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ فیصلہ حیدر علی شاہ کے حق میں ہو رہا ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''اس کا اندازہ تھا مجھے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا۔

''لیکن اسے جیتنا نہیں چاہیے۔ کسی بھی صورت نہیں۔'' انہوں نے کہا۔

''پیسہ خرچ کریں بابا جان۔ پیسے میں بہت طاقت ہوتی ہے۔''

''یہاں پیسہ خرچ کر کے بھی ہم نہیں جیت سکتے۔ اور ہار ہم کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔'' وہ بولے۔

''پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟ حیدر علی کا سر؟ آپ صرف حکم کریں۔''

''نہیں۔ حیدر علی بیتا ہوا کل ہے۔ ہمیں اس کا کٹا ہوا سر نہیں' اس کی ٹوٹی' جھکی ہوئی کمر چاہیے۔''

''عبداللہ۔''

''ہاں۔ وہ گاؤں واپس آ رہا ہے۔ ہمیں اس کا سر چاہیے۔ بہت ہو گیا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ زمین اس کا بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے تھک گئی ہے۔ اس کے بوجھ سے زمین کو آزاد کراؤ۔ جاؤ' مکرم کو اس کی قسم یاد دلاؤ۔ وہ عبداللہ کے گاؤں آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے بتاؤ کہ وہ آ رہا ہے۔''

''بہت بہتر بابا جان۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے جانے کے بعد پیر صاحب کمرے میں تنہا رہ گئے۔ اور تنہا ہوتے ہی ان کے ذہن میں ریشماں کی تصویر اُبھر آئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''پیر صاحب' ریشماں آپ کی سگی اولاد ہے۔ پھر بھی آپ کو پتا کیوں نہیں چلتا کہ کیوں رو رہی ہے؟ اس کے آنسو اپنی داستان خود نہیں سنا رہے؟ آپ سن نہیں سکتے یا سننا چاہتے نہیں ہیں۔'' یاسمین بیگم کی آواز گونجی۔

اور ان کے تصور میں ریشماں کی جگہ زرینہ نے لے لی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے پیر صاحب؟ کیسی محبت ہے آپ کی؟ میری نشانی' میری اکلوتی بیٹی کے ساتھ یہ سلوک؟ نہیں آپ کسی سے محبت نہیں کر سکتے۔ جھوٹ بولتے ہیں آپ کہ آپ نے مجھ سے محبت کی تھی۔ پوری شدت کے ساتھ۔

مجھے کھو کر آپ کو میری محبت کا احساس ہوا۔ کیا ریشماں کو بھی کھو کر ہی اس کی قدر و قیمت پہچانیں گے آپ؟''

انہوں نے انگلیوں میں پکڑا سگار ایش ٹرے میں مسل دیا۔

''اب بہت دیر ہو چکی ہے زرینہ۔ واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا۔ وہ یہ مقدمہ ہار جاتا تو شاید ہم عبداللہ کے بارے میں اپنا فیصلہ تبدیل کر دیتے مگر اب نہیں۔ بہت دن پہلے ہمارے بابا جان نے ہمیں بہت قیمتی سبق دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ حویلی کی عزت اور وقار کے سامنے ہر رشتہ ہیچ ہے۔

اور پھر ہماری ریشماں کو بھائیوں سے اتنی محبت ہے کہ وہ ان کے مقابلے میں دنیا کی ہر نعمت' ہر رشتہ ٹھکرا سکتی ہے۔'' انہوں نے سوچا۔

☆=====☆=====☆

چھٹیاں ہوتے ہی سب اپنے اپنے گھروں کو سدھار رہے تھے۔ نیہاں اسلام آباد روانہ ہو گئی تھی اور اُما کو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ سکھر کی فلائیٹ کے لیے ائیر پورٹ چھوڑ کر آئے تھے۔ جاتے ہوئے وہ بہت خاموش تھی۔ لاؤنج میں جانے سے پہلے اس نے ماہ بانو کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''دعا کرنا بانو کہ ہم پھر مل سکیں۔''

پھر سب کو بائے کر کے لاؤنج میں چلی گئی تھی۔ اس سمے ماہ بانو کو لگا تھا جیسے اب وہ کبھی اُما کو نہیں دیکھ سکے گی۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اب ان کا سارا گروپ پھر کبھی اکٹھا نہیں ہوگا۔ یوں جیسے ان کا ساتھ یہیں تک تھا۔ سب سے پہلے اُما اُن سے جدا ہوئی تھی اور شاید اب ایک ایک کر کے سبھی نے جدا ہو جانا تھا۔

اس کی اداسی محسوس کر کے عبداللہ اسے فورٹریس اسٹیڈیم لے آیا۔ یہ کہہ کر کہ تھوڑی دیر باتیں کریں گے۔ کولڈ ڈرنکس سے لطف اندوز ہوں گے اور پھر گھر جائیں گے۔ اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ کار ہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''تم بھی آج گاؤں چلے جاؤ گے''؟ ماہ بانو نے اداسی سے کہا۔

''ہاں' تمہیں گھر ڈراپ کر کے ساتھ ہی نکل جاؤں گا۔ اماں اور بابا جان بھی ساتھ ہوں گے۔''

''پتا نہیں اُما کا کیا بنے گا؟'' اس کا ذہن وہیں اٹکا ہوا تھا۔

''یہ سوچو کہ ہمارا کیا بنے گا؟'' عبداللہ ہنس پڑا۔

''اور چاہے سب مان جائیں۔ میری اماں جی بالکل نہیں مانیں گی۔'' اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

''وہ بھی مان جائیں گی' بس تم ان سے الجھنا چھوڑ دو۔''

''میں کب الجھتی ہوں۔'' پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''پتا ہے عبداللہ' مجھے لگتا ہے کہ

تمہارے بابا جان کو بھی ہمارے متعلق اندازہ ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے لیکن تم نے کیسے محسوس کیا۔"

"پتا نہیں، بس میری Feeling ہے۔ یہ اندازہ نہیں ہے مجھے کہ انہیں یہ بات اچھی لگی ہے یا بری۔"

"بری لگنے کا کیا سوال؟"

"تم نہیں جانتے ناں۔" ماہ بانو کے انداز میں افسردگی اتر آئی۔

"کیا نہیں جانتا؟"

"اب کیا فائدہ بتانے کا۔ جب میں بتانا چاہتی تھی تب تم سننا نہیں چاہتے تھے اور اب میں بتانا نہیں چاہتی۔ اب کچھ بتایا تو ہر بات الجھ جائے گی۔ اتنا البتہ، سمجھ لو کہ تمہارے بابا جان ریشماں کو مجھ پر یا کسی بھی اور لڑکی پر ترجیح دیں گے۔" ماہ بانو نے کہا۔

"شادی مجھے کرنی ہے، پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کسے ترجیح دیتے ہیں۔"

"یہ کہہ دینا آسان ہے، تم چاہے ان کی بات نہ مانو، اپنی منوالو، لیکن ساری عمر کے لیے بدمزگی تو پیدا ہو جاتی ہے ناں۔"

"پتا نہیں تم نے کیا کیا وہم پالے ہوئے ہیں، ان کا علاج نہیں ہے میرے پاس۔" عبداللہ نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"بہرحال تم ابھی گھر میں کوئی بات مت کرنا۔ کم از کم دو سال تک بالکل نہیں۔ ابھی میں پورے ذہنی سکون کے ساتھ پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے کون سی جلدی ہے۔ تم آرام سے اسٹڈیز مکمل کرو، اس کے بعد دیکھ لیں گے۔" وہ بولا۔

"زہرا اور زینی کیسی ہیں؟" ماہ بانو نے موضوع بدل کر کہا۔

"زہرا تو ایڈجسٹ کر گئی ہے، لیکن زینی ابھی تک ایڈجسٹ نہیں ہوئی۔" اس نے کہا۔

"اب تو انہیں اتنا وقت ہو گیا ہے کہ زینی بھی ایڈجسٹ کر سکتی تھی۔"

"بہت پریشان کیا ہوا ہے اس نے سب کو، اس کے رزلٹس بھی بہت برے آ رہے ہیں۔ گڑیا کے مطابق وہ پڑھتی ہی نہیں ہے۔ آدھا دن روتے ہوئے گزارتی ہے، مگر واپس بھی نہیں آنا چاہتی۔" اس نے بتایا۔

"پھر؟"

"میں نے اماں اور بابا جان سے کہا ہے کہ وہ نیویارک کا ایک چکر لگا آئیں۔ اب تو میں بھی فارغ ہوں۔ زمینوں کی دیکھ بھال کا بھی مسئلہ نہیں ہوگا، مگر بابا جان کا خیال ہے کہ ان کے بجائے مجھے اور اماں جان کو جانا چاہیے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں ناں وہ، تم اور اماں جان ہی چلے جاؤ۔ تمہارا تو گرین کارڈ بھی ہے، بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ تم مزید تعلیم کے لیے امریکہ چلے جاؤ۔ زینی بھی تمہاری موجودگی سے سیٹ ہو جائے گی۔" ماہ بانو نے کہا۔

"نہیں اب میں چاہتا ہوں کہ بابا جان کو بھی تھوڑی سی چھٹی ملے۔ انہوں نے بہت سی ذمہ داریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ اب میں فارغ ہوا ہوں تو میرا فرض ہے کہ انہیں آرام کرنے دوں اور ان کی جگہ کام سنبھالوں۔"

"میری بات سنو عبداللہ! تم بابا جان کی غیر موجودگی میں گاؤں میں نہیں رہو گے۔" ماہ بانو نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"کیا ہر مرتبہ یہ بتانا ضروری ہے؟ تم نہیں جانتے کہ پیر صاحب۔ کے بیٹوں نے کیا قسم اٹھا رکھی ہے میں تو اس حق میں بھی نہیں ہوں کہ تم گاؤں جاؤ۔"

"میں گاؤں نہ جاؤں اور اپنی موت کے ڈر سے ساری زندگی کبھی یہاں اور کبھی وہاں چھپتا رہوں؟ کیا اس طرح کبھی موت نہیں آئے گی؟ اور تمہارا خیال ہے کہ بابا جان مجھے موت سے بچا لیں گے۔ یاد رکھو جہاں اور جب تک میری موت نہیں لکھی وہاں اور تب تک مجھے موت نہیں آئے گی اور جب اسے آنا ہوا تو ساری دنیا مل کر بھی مجھے نہیں بچا سکے گی۔ پھر ڈرنے اور گھبرانے کا فائدہ؟"

ماہ بانو منہ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ عبداللہ کا جواب اسی قسم کا ہوگا۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے عبداللہ کو قائل کرنے کے لیے۔

"ناراض ہو گئی ہو؟" اس نے ماہ بانو کا رخ اپنی طرف پھیرا۔

"کیا ناراض ہونا، تم کون سا پھر بھی میری بات مان جاؤ گے۔ مجھے لگتا ہے عبداللہ جیسے تم خود قدم قدم چل کر اپنی موت کی طرف بڑھ رہے ہو، جانتے بوجھتے ہوئے۔ تمہیں اپنے سمیت کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے سب کی پروا ہے، تمہاری بھی اور اپنی بھی۔ میں نے اپنے بابا جان کو ہمیشہ سر اونچا کر کے چلتے دیکھا ہے۔ انہوں نے ہر قسم کی تکلیف اٹھائی پھر بھی کوئی ان کا سر نہیں جھکا سکا اور مجھے فخر ہے اس بات پر۔ تم کیا چاہتی ہو کہ اب صرف اپنی موت کے خوف سے میں اپنا سر جھکا لوں؟ مجھے سب کی پروا ہے بانو، اسی لیے میں اپنا سر نہیں جھکانا چاہتا کہ کہیں آنے والے کل میں مجھے اور مجھ سے وابستہ تمام افراد کو یہ ذلت برداشت نہ کرنی پڑے۔"

وہ خاموش بیٹھی آنسو پینے کی کوشش کرتی رہی۔

"میں تمہیں بہت مضبوط اعصاب کی مالک سمجھتا تھا۔" عبداللہ بولا۔

"غلط سمجھتے تھے' میں بہت عام سی لڑکی ہوں جب دل دُکھتا ہے تو مجھے بہت رونا آتا ہے۔ کاش! یہ آگ کسی صورت بجھ جائے' کسی بھی صورت' صرف تمہاری زندگی' تمہارے تحفظ کی خاطر۔"

عبداللہ نے موضوع تبدیل کر دیا۔ "اب تم کب گاؤں جا رہی ہو؟"

"میرا دل نہیں چاہ رہا ہے جانے کو۔"

"دل کیوں نہیں چاہ رہا' وہاں میں بھی ہوں گا' یہی خیال کر کے آ جاؤ۔" عبداللہ نے کہا۔

"کیا فائدہ؟ تم میرے گھر نہیں آ سکتے اور مجھے بار بار تمہاری حویلی میں آنا اچھا نہیں لگتا۔"

"آل رائٹ' زور نہیں دے رہا میں' لیکن کوشش کرنا کہ آ جاؤ اور آنے سے پہلے مجھے فون کر دینا۔"

"اچھا!" اس نے اقرار میں سر ہلایا۔

"تم بھی وہاں پہنچ کر بھول مت جانا' مجھے فون ضرور کرنا ہے تم نے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہاں پہنچ کر بھول جاؤں گا تمہیں۔"

ماہ بانو نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں' لیکن کہنا میری عادت ہے۔"

"اب گھر چلیں؟"

"ہاں اماں جی میرا انتظار کر رہی ہوں گی' لیکن ایک منٹ ٹھہرو۔"

ماہ بانو نے اپنے شولڈر بیگ سے دو پیکٹ نکالے۔

"ٹھہرو' پہلے میں گفٹ دوں گا۔"

عبداللہ کو اچانک یاد آیا۔ اس نے کار کا ڈیش بورڈ کھول کر ایک پیکٹ ماہ بانو کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" ماہ بانو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کھول کر دیکھ لو۔"

ماہ بانو احتیاط سے ریپر کھولنے لگی۔

"اس طرح پیکٹ کھولو گی تو کھولنے میں سال بھر لگ جائے گا۔" عبداللہ نے کہا۔

"میری عادت ہے یہ کہ ریپر بھی تو سنبھال کر رکھنا ہوتا ہے ناں!"

اس نے اندر رکھی ہوئی پرفیوم کی شیشی نکال لی۔

"آہا۔۔۔ بیجن۔۔۔" وہ خوش ہو گئی۔ "تھینک یو عبداللہ۔"

"اور یہ تمہارے۔" ماہ بانو نے بیگ سے نکالتے ہوئے دونوں پیکٹ عبداللہ کی طرف بڑھا دیئے۔

URDU PHOTO

اس نے پہلا پیکٹ کھولا۔ اندر سوکھے پھولوں کا گلدستہ تھا۔

"واہ! par pourri (پوری) زبردست۔"

"اس کی ارینجمنٹ میں نے خود کی ہے۔" ماہ بانو نے کہا۔

"بہت اچھی ہے۔"

پھر عبداللہ نے دوسرا پیکٹ کھولا۔ اس میں دو دیے تھے۔ اس نے مسکرا کر ماہ بانو کی طرف دیکھا۔

وہ بھی ہنس پڑی۔

"یہ میں نے خود بنائے ہیں' اچھے ہیں ناں؟"

اس نے بچوں کے سے جوش سے پوچھا۔

"ہاں' بہت ہی اچھے' بہت ہی خوبصورت۔"

"جب بھی تمہیں میری یاد آئے تو ان دیئوں کو روشن کر دینا' اور......!" پھر رک گئی۔

"اور پتا نہیں کیا' کافی دن سے کوئی افسانہ نہیں پڑھا ہے۔"

"میں نے البتہ چند دن پہلے الہ دین کی کہانی پڑھی ہے۔ مزہ تو تب ہو کہ میں دیئے کو رگڑوں اور تم حاضر ہو جاؤ۔"

ماہ بانو ہنس پڑی۔

☆=====☆=====☆

نوری تھوڑی دیر قبل ہی شوٹنگ سے واپس آئی تھی۔ میک اپ اتار کر' نہا دھو کر ابھی وہ بستر میں لیٹی ہی تھی کہ جنت بائی آ گئیں۔

"تھک گئی ہو؟" انہوں نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں' بہت زیادہ۔"

"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی' تم آرام کرو۔ میں صرف یہ پوچھنے آئی تھی کہ کافی دن ہو گئے رجب علی شاہ نہیں آیا۔ کچھ پتا ہے کیوں نہیں آ رہا؟" جنت بائی نے کہا۔

"زیادہ دن تو نہیں ہوئے' ہفتہ بھر ہوا ہے شاید' آ جائے گا۔" وہ بولی۔

"اور نہ آیا تو؟" جنت بائی کے لہجے میں خدشات تھے۔

نوری ہنس پڑی۔

"یہاں نہیں آئے گا تو کہاں جائے گا؟ آپ ایسی وہمی تو نہیں ہیں ممی۔ پتا نہیں رجب علی شاہ کے معاملے میں آپ کو کیا ہو جاتا ہے۔"

"اب تک سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اچانک کہیں گڑبڑ ہو جائے۔ وہ زیادہ دن ایک عورت کے ساتھ نہیں رہتا۔"

''وہ دن گئے ممی! اب بڈھا ہو گیا ہے وہ' اور پھر مجھ سے بڑھ کر کون ہو گی' جس کے پاس جائے گا' اس کی تو سُدھ بُدھ ہی ماردی ہے میں نے۔'' نوری نے کہا۔

''پیسے سے سب کچھ خرید سکتا ہے وہ۔''

''ممی! وقت بہت کچھ تبدیل کر دیتا ہے' بے شک اس کے ہاتھ میں پیسہ ہے' لیکن یہ وقت اس کا نہیں' اس کے بیٹوں کا ہے' جوانی ڈِھل جائے تو...... اکڑ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ احساس ہی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ جوانی ختم ہو گئی اور بڑھاپا شروع ہو چکا ہے۔''

''میں چاہتی ہوں کہ اب اس کھیل کا اگلا راؤنڈ شروع کیا جائے۔'' جنت مائی نے کہا۔

''کون سا راؤنڈ؟''

''اسے چاروں شانے چت گرادو' اسے کچھ دکھائی نہ دے سوائے ایک لفظ کے۔ نوری میں چاہتی ہوں کہ اب وہ سر کے بل چل کر یہاں آئے' تمہارا طلب گار بن کر۔''

''بس ممی' اتنی سی بات ہے؟ جو آپ چاہتی ہیں وہی ہو گا۔''

☆=====☆=====☆

کریمن پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان ریشماں کے کمرے میں پہنچی۔

''بی بی بڑا غضب ہونے والا ہے حویلی میں' بہت آگ لگے گی' بڑا خون بہے گا۔''

ریشماں کو لگا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

''اللہ خیر' کیا ہوا؟''

''ابھی تو کچھ نہیں ہوا' پر ہونے والا ہے۔ ہائے بی بی! میری تو روح کانپ رہی ہے' سوچ سوچ کر کہ کیا ہو گا گاؤں میں۔''

''کچھ بتاؤ گی بھی کہ نہیں' میرا دل دہلا دیا ہے تم نے۔'' ریشماں نے کہا۔

''رجو ہے ناں بی بی! وہی اپنا رمضان۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اس نے بتایا ہے مجھے۔''

''بتایا کیا ہے؟'' ریشماں کی الجھن بڑھ گئی۔

''کہہ رہا تھا کہ کسی کو نہ بتانا' پر بی بی مجھ سے تو ایسی بات چھپائی نہیں جاتی آپ سے۔'' وہ ریشماں کے قریب کھسک آئی اور رازدارانہ لہجے میں بولی۔

''پیر صاحب نے بڑے شاہ صاحب کو طلب کیا تھا۔ زمینوں کے مقدمے کا فیصلہ بڑی حویلی کے خلاف ہو رہا ہے۔ پیر صاحب چاہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہی عبداللہ شاہ صاحب کو قتل کر دیا جائے۔''

ریشماں کا دل ڈوبنے لگا۔

''کیا...... کیا کہہ رہی ہے تو پاگل تو نہیں ہو گئی؟''

''لیں بی بی! اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے' قسم لے لیں' مجھے خود رجو نے بتایا ہے' اب عبداللہ شاہ صاحب واپس آ رہے ہیں گاؤں' ان کی پڑھائی ختم ہو گئی ہے' آپ کے سامنے ہی تو قسم کھائی تھی آپ کے بھائیوں نے' بہت انتظار کیا ہے انہوں نے شاہ صاحب کے قتل کا بدلہ لینے کا۔''

ریشماں کے اندر قطرہ قطرہ بہت سے آنسو جمع ہو رہے تھے۔ ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔

''بابا جان کو ایک لمحے کے لیے یہ احساس بھی نہیں ہو گا کہ میرے دل پر کیا گزرے گی؟ انہیں تو بہت محبت ہے مجھ سے' پھر میرا خیال کیوں نہیں آیا۔'' اس نے دُکھے دل کے ساتھ سوچا۔

''خود سوچیں بی بی!'' کریمن ریشماں کی حالت سے بے خبر کہتی جا رہی تھی۔ ''جس کا ایک ہی ایک بیٹا ہو اور وہ بھی قتل ہو جائے' وہ کیا نہیں کرے گا اپنے دشمنوں کے ساتھ' انصاف کی بات کی جائے تو ابھی تک حیدر علی شاہ صاحب نے کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی' مگر ان کے بیٹے کو کچھ ہو گیا تو وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے' آگ لگا دیں گے بڑی حویلی میں۔''

''ہاں' یہاں سب صرف آگ لگانا جانتے ہیں۔ یا اللہ! وہ کون ہو گا جو آ کر اس آگ کو بجھائے گا؟''

ریشماں نے آنکھیں موند کر آنسو پیچھے دھکیلے۔

''بی بی' طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''ہاں' میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''سن کریمن! ذرا اپنی آنکھیں اور کان کھول کر رکھنا اور جو کچھ بھی اس بارے میں سنو' مجھے ضرور بتانا۔''

''جی بی بی!''

اس کے جانے کے بعد ریشماں کمرے میں تنہا رہ گئی۔

اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ کریمن نے جو کچھ کہا' وہ درست تھا۔ اس کے بھائی' عبداللہ کے خون کے پیاسے تھے' بس موقع ملنے کی دیر تھی۔ یہ بھی غلط نہیں تھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو نقصان پہنچنے کی صورت میں حیدر بابا بھی چین سے نہ بیٹھتے۔ پھر ایسی آگ بھڑکتی جو دونوں گھرانوں کو تباہ کر دیتی۔

''یا اللہ! کیا کروں؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

''کیا ایسا ہی رہے گا ہمیشہ؟ دشمنی کی یہ آگ کبھی ختم نہیں ہو گی؟ کیا کسی صورت میں حیدر بابا کو بتا دوں۔''

اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں کے سامنے امداد علی کی خون میں لت پت لاش آ گئی۔

''نہیں۔'' وہ رو پڑی۔

"میں یہ بھی نہیں کر سکتی، انہیں بھی نہیں کھو سکتی اپنے بھائیوں کی لاشیں بھی نہیں دیکھ سکتی...... میں کیا کروں؟"

اسے اندازہ نہیں ہوا کہ کتنی دیر گزر گئی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ انداز خادم حسین کا تھا۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

دروازہ کھلا اور خادم حسین کے ساتھ مکرم بھی اندر آ گیا۔

"آپی! آپ اکیلی کیوں بیٹھی ہیں، الجھن نہیں ہوتی؟" مکرم نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، مجھے الجھن نہیں ہوتی۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ریشماں روئی ہو؟" خادم حسین نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

اس کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ اس نے سر جھکا لیا۔ "نہیں تو۔"

مکرم کے لیے ریشماں کے آنسو برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔

"کیا ہوا آپی؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟"

اس نے آنسو ہتھیلی کی پشت سے پونچھ لیے۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے؟" اس نے اصرار کیا۔

"امداد بھائی کا خیال آ گیا تھا۔" اس کی آنکھوں میں دوبارہ آنسو آ گئے۔

مکرم اور خادم حسین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے ریشماں کہ امداد چلا گیا، لیکن ہم بھی تو ہیں تمہارے بھائی۔ امداد کے خیال سے اداس ہو جاتی ہو تو ہم میں سے کسی کو بلوا لیا کرو، مجھے تمہارا رونا اچھا نہیں لگتا۔" خادم حسین نے کہا۔

"آپی! آپ کے آنسوؤں کا بدلہ تو میں خود لوں گا اپنے ہاتھ سے۔" مکرم کے لہجے میں عبداللہ کے لیے نفرت تھی۔

"نہیں، نہیں۔" وہ چلائی اور چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر رو پڑی۔

"آپی!" مکرم نے اس کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے۔

ریشماں کو روتے دیکھ کر وہ بے چین ہو گیا تھا۔

"کیا ہوا؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟"

ریشماں نے اپنے ہاتھ چھڑا لیے۔

"کتنی آگ لگاؤ گے تم سب؟ سب کچھ جلا کر راکھ کر دو گے، کتنا خون بہاؤ گے؟ نہ تم میں سے کسی کے لیے اپنی زندگی کی کوئی اہمیت ہے اور نہ کسی دوسرے کی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خون خرابا کیا معنی، یہ بھی احساس نہیں کہ سارا خون اپنا ہی ہے یہاں بہے یا حیدر بابا کی حویلی میں، مجھ

میں ہمت نہیں ہے کسی اور کے لیے رونے کی، کیوں حویلیاں بے آباد کر کے قبرستان آباد کرنا چاہتے ہو۔"

خادم حسین اٹھ کر ریشماں کے پاس آ گیا۔ "پتا ہے ریشماں، جہاں ہم رہ رہے ہیں اور جس پوزیشن میں ہیں، وہاں یہی سب ہوا کرتا ہے، مجھے معلوم ہے کہ تمہارا دل بہت نازک ہے، تمہارے لیے نہ وہ، نہ کوئی اور کہیں بھی کوئی دشمن نہیں ہے، کیونکہ تم ایک محفوظ چار دیواری میں زندگی بسر کر رہی ہو مگر ہمیں موسموں کے سارے سرد گرم برداشت کرنے ہوتے ہیں، ہماری زندگی میں یہ سب چلتا ہے۔"

"ہاں، مردوں کی زندگی میں یہی ہے کہ گولیاں برسائیں، کسی کو مار دیں یا خود مر جائیں اور ہم عورتوں کی زندگی میں صرف یہی لکھ دیا گیا ہے کہ اپنے پیاروں کی لاشیں دیکھیں اور ساری زندگی روتے ہوئے گزار دیں۔"

مکرم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے چپ کرائے، اس کا رونا اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"آپی پلیز! روئیں مت، مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"خود آنسو دیتے ہو اور کہتے ہو کہ روؤں مت۔ کاش! تم سمجھ سکتے، جان سکتے یا پھر یہاں ماہ بانو ہی ہوتی۔"

مکرم نے خادم حسین کی طرف دیکھا۔

"اسے بلوا لو ریشماں۔" خادم حسین نے کہا۔ "چاہو تو فون کر لو، چاہے خط لکھ لو۔"

"بھائی! اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ آپ لوگ یہ دشمنی ختم کر دیں، پلیز بھائی، یہ زمینیں جائیداد، رشتوں کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتیں۔ امداد بھائی چلے گئے، ان کا کمرا اب تک ویسا ہی ہے ان کی چیزیں اسی طرح ہیں، ان کے کپڑے، ان کا بستر، وہاں رکھا ٹی وی، ٹیلی فون ان کے میگزین، سب کچھ، مگر وہ نہیں ہیں۔ آپ زمینیں اور جائیداد چھین سکتے ہیں، کسی کی جان لے سکتے ہیں، لیکن جو چلا گیا، اسے اس کے پیاروں کے درمیان کون واپس لائے گا؟" وہ بری طرح سے رو دی۔

مکرم خاموش کھڑا تھا۔ خادم حسین، ریشماں کو خاموش کرانے لگا۔

"میں مولوی صاحب کے گھر پیغام بھجواتا ہوں کہ وہ ماہ بانو کو بلوائیں۔ آپی اس کے بغیر اداس ہو رہی ہیں۔" بالآخر مکرم نے کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اس بلاوے پر دوڑی آئے گی؟ اس کی اپنی بھی کوئی کمٹ منٹس ہوں گی۔" خادم حسین نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم، اسے آنا ہوگا۔ جب آپی ایسا چاہتی ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔" مکرم نے زور

دے کر کہا۔

''میں کچھ نہیں چاہتی' صرف تنہائی چاہتی ہوں' جاؤ تم لوگ یہاں سے۔'' ریشماں نے کہا۔

☆=====☆=====☆

اماں جی نیویارک جانے کی تیاری کر رہی تھیں' پہلے تو انہیں یہ آسرا تھا کہ ماہ بانو بھی ساتھ ہوگی مگر جب اس کا ویزا نہیں لگ سکا تو وہ پریشان ہوگئیں۔ کچھ تو اس بات کی پریشانی تھی کہ پیچھے ماہ بانو اکیلی ہوگی اور کچھ اس بات کی کہ وہ تنہا کیسے اتنا لمبا سفر طے کریں گی' جبکہ اس سے قبل وہ کبھی جہاز میں بیٹھیں بھی نہیں۔

''اماں جی! کوئی مسئلہ نہیں ہوگا' یہاں سے ہم آپ کو سوار کروا دیں گے' وہاں ابا جی ائیر پورٹ پر آپ کو لینے کے لیے آجائیں گے۔'' ماہ بانو انہیں تسلی دے رہی تھی۔

''پھر بھی بیٹا' وہاں ہزاروں لوگوں میں' میں بدحواس ہو جاؤں گی' نہ مجھے ان کی زبان سمجھ میں آئے گی اور نہ انہیں میری' مجھے تو لگتا ہے کہ میں گم ہو جاؤں گی' اتنی مخلوق کے درمیان۔''

''ارے نہیں اماں' کوئی گم نہیں ہوتا۔ ایڈی کے چچا ہیں ایرپورٹ سیکیورٹی میں' انہوں نے ایک ائیر ہوسٹس کو بطور خاص تاکید کر دی ہے کہ آپ کا خیال رکھے۔ یوں سمجھیں کہ جیسے میں آپ کے ساتھ ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''یہ کیسے سمجھ سکتی ہوں' تمہاری بات تو اور ہے ناں' تمہیں انگریزی بھی تو آتی ہے۔''

''اماں جی! اسے بھی آتی ہے' وہ آپ کا بہت خیال رکھے گی۔ بس صرف ایک بات کا خیال رکھنا کہ کوئی لمحہ بھر کو بھی کچھ پکڑانا چاہے مثلاً ایسا کوئی بیگ' وینیٹی باکس' کوٹ' کچھ بھی نہیں لینا' نہ پکڑنا' نہ ہی اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا سامان کسی کو تھمانا۔'' ماہ بانو انہیں بار بار یہ تاکید کر رہی تھیں۔

''ہاں' ہاں تمہارے ابا جی نے بھی فون پر مجھے کہا تھا' میں کسی سے نہ کچھ لوں گی اور نہ کسی کو کچھ دوں گی۔'' وہ بولیں۔

''اب آپ کی تیاری مکمل ہے' اپنا پاسپورٹ سنبھال کر رکھنا اور جو میں نے چیزوں کی لسٹ دی ہے امریکہ سے لانے کے لیے' وہ نہ گم کر دینا۔''

''تم بہت زیادہ خرچ کرنے لگی ہو بانو۔''

''اماں! میں کہاں زیادہ خرچ کرتی ہوں' صرف چند سویٹرز منگوائے ہیں اور کچھ کتابیں' جو یہاں نہیں مل رہیں' اس کے علاوہ دو تین پرفیومز اور تھوڑا سا کاسمیٹکس کا سامان ہے' اور بس۔'' اس نے کہا۔

''میں جمع کر رہی ہوں تمہارے جہیز کے لیے اور تم پیسے اُڑاؤ۔''

''اُف اماں! پلیز مجھے کوئی جہیز وغیرہ نہیں چاہیے۔'' ماہ بانو بولی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ ماہ بانو نے ریسیور اٹھا لیا۔

URDU PHOTO

''بانو' میں ایڈی کی امی بول رہی ہوں۔'' ان کے انداز میں پریشانی تھی۔

''جی آنٹی۔''

''یہاں آ سکتی ہو بانو۔ میں بہت پریشان ہوں بیٹا۔''

''میں ابھی آتی ہوں آنٹی۔'' اس نے ریسیور واپس رکھا اور اماں جی کو بتا کر وہاں چلی گئی۔

وہ لاؤنج میں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ پریشانی ان کے چہرے پر تحریر تھی۔

''کیا ہوا آنٹی! بہت پریشان لگ رہی ہیں؟'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''بانو! یہ اُما کون ہے؟'' انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''فرینڈ ہے ہماری۔'' اس نے کہا۔

یہ تو اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہاں بھی ایک پنڈورا باکس کھل چکا تھا' عافیت اسی میں تھی کہ ایڈی کی امی کے سوالوں کا مختصر سا جواب دے۔

''ہاں نام تو میں نے بھی سنا تھا بلکہ میرا ماتھا اسی وقت ٹھنکا تھا جب انڈیا سے ہر دوسرے دن خط اور تصویریں چلی آ رہی ہوتی تھیں' مگر میں نے سوچا تھا کہ ایڈی ایسا نہیں کرے گا۔ میں نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا کہ کالج میں اس کی لڑکیوں سے دوستی کیوں ہے۔ ظاہر ہے ایک جگہ پڑھنا ہو تو دوستی تو ہوگی ہی' مگر اس حد تک؟'' وہ بولتی جا رہی تھیں۔

ماہ بانو خاموش رہی۔

''بانو بیٹا! تم نے ہی کبھی مجھے بتا دیا ہوتا۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ایڈی ایسی فرمائش کرے گا۔''

''آنٹی! میں آپ کے فیملی افیئرز میں کیسے مداخلت کر سکتی تھی۔'' اس نے اپنا دامن بچانے کی کوشش کی۔

''آج مجھ سے لڑ کر ابھی باہر نکلا ہے وہ' خود سوچو کیسے شادی کر دوں میں اس کی ہندو لڑکی کے ساتھ؟ دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔ کہتا ہے شادی کرے گا تو صرف اسی کے ساتھ۔ میں نے کہا کہ مت کرو شادی میری طرف سے' ویسے بھی ابھی شادی کی کوئی عمر نہیں ہے۔'' امی نے کہا۔

''ابھی کہاں گیا ہے وہ؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''پتا نہیں' غصے میں نکلا ہے کہیں' گاڑی بھی لے گیا ہے۔''

''ویسے آنٹی وہ بہت سیریس ہے اُما کے لیے'' ۔ ماہ بانو نے دبے دبے انداز میں کہا۔

''وقتی ابال ہوگا' خود ہی اتر جائے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہندو لڑکی اس گھر کی بہو بنے۔ کالج میں پڑھنے نہیں آتیں یہ لڑکیاں' یہی سب تماشے کرنے آتی ہیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا۔

ماہ بانو کو ان کی بات بہت بری لگی۔ وہ بولی تو بھی اس کے انداز میں ناگواری تھی۔

''آنٹی! اُما کا قصور نہیں ہے' وہ کالج میں پڑھنے ہی آئی تھی' ایڈی ہی اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ جب ایک شخص اتنا پاگل ہو رہا ہو تو لڑکی بے چاری کیا کرے۔ ٹھیک ہے کہ اب وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے بہت سیریس ہیں' لیکن پہل اُما نے نہیں ایڈی نے کی تھی۔''

''ایڈی کا دماغ تو میں اس کے ڈیڈی سے کہہ کر ٹھیک کرواتی ہوں..... دنیا جہان کی مسلمان لڑکیاں ابھی مری نہیں ہیں۔ یوں بھی اتنی جلدی شادی کی میں قائل نہیں ہوں۔ ابھی یہ لڑکے کچھ بنے نہیں ہوتے' سر اٹھاتے ہی شادی کی فکر سوار ہو جاتی ہے۔''

''ایک بات ہے آنٹی کہ اسے ڈانٹنے ڈپٹنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اس وقت اپنی ڈگری لے کر باہر نکلے گا تو اسے چھ سات ہزار روپے ماہوار کی جاب کہیں بھی بآسانی مل جائے گی۔ کچھ لوگ صرف ٹیلنٹڈ ہوتے ہیں' ایڈی جینئس ہے۔ اس کے ساتھ آپ لوگ سختی کریں گے تو جو تھوڑا بہت اس گھر میں رہنے کا جواز ہے وہ بھی وہ ختم کر دے گا۔

آپ مائنڈ نہ کریں آنٹی! لیکن ہم فرینڈز اس کے متعلق شاید آپ سے اور انکل سے بھی بہتر جانتے ہیں۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں' جو ہم دوستوں سے تو شیئر کر لیتے ہیں' لیکن والدین اور بہن بھائیوں سے نہیں کر سکتے' اسی لیے میں کہہ رہی ہوں کہ اُما کے لیے اس کا کوئی وقتی ابال نہیں ہے۔ میں نے کالج میں رہتے ہوئے بہت سے وقتی ابال بھی دیکھے ہیں' لیکن ایڈی سچ مچ سیریس ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اُما کے لیے۔ اپنا گھر بھی چھوڑ سکتا ہے۔''

ایڈی کی امی مزید پریشان ہو گئیں۔ پھر پُر امید لہجے میں بولیں۔

''اس لڑکی کے گھر والے بھی تو راضی نہیں ہوں گے۔''

''جی' بہت مشکل ہے کہ وہ مانیں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے' ایڈی کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے لیے تیار نہیں ہے۔''

''ایسا ہونا بھی بہت مشکل ہے' لیکن میرے خیال میں ناممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے خلوص اور ہماری محبت کے بعد وہ اس بارے میں سوچے۔ یقین کریں آنٹی! وہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے۔ اتنی اچھی کہ میں بتا بھی نہیں سکتی۔''

''اس کے گھر والے نہیں مانیں گے تو اس کا ممکنہ ردِعمل کیا ہوگا؟'' اس کی امی نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''ردِعمل تو وہی ہوگا جو ایڈی کا تھا' لیکن لڑکوں اور لڑکیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ایڈی لڑ کر گھر سے باہر نکل گیا ہے۔ شاید رات کو دیر سے گھر آئے' لیکن لڑکیاں شاید ہی ایسا کر سکیں۔''

''فی الحال میں ایڈی سے کہہ دیتی ہوں کہ اس بارے میں سوچوں گی۔ ابھی میں نے اس کے ڈیڈی سے بھی بات نہیں کی۔ [illegible] آر سی اے میں داخلے کے لیے اپلائی کر دے۔

داخلہ مل گیا تو باہر چلا جائے گا۔ کچھ عرصے کے لیے بات ٹل جائے گی۔''

''جی آنٹی!'' ماہ بانو نے کوئی تبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

''اگر کوئی لڑکی گھر میں اپنی پسند بتائے اور گھر والے اس پر راضی نہ ہوں تو وہ کوشش کرتے ہیں کہ جلد ہی اس لڑکی کی کہیں شادی کر دیں۔ اُما کی بھی شادی ہو جائے تو مسئلہ ختم ہو جائے گا۔'' ایڈی کی امی کہہ رہی تھیں۔

''ہوں!'' ماہ بانو نے اب بھی کچھ نہ کہا۔

''تم ذکر مت کرنا ایڈی سے کہ اس معاملے میں میری کیا رائے ہے۔ میں کہہ دوں گی کہ سوچ رہی ہوں اور ممکن ہو تو ذرا پتا رکھنا کہ اس لڑکی کا کیا بنا۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں اسے ایک لڑکی کی خاطر کھونا نہیں چاہتی۔ میں تو کہتی ہوں کہ ایڈی کو اسکالر شپ ملتا ہے یا نہیں' اس کا داخلہ ہو جائے تو چاہے مجھے مکان بیچ کر اس کی پڑھائی کا خرچ اٹھانا پڑے میں اٹھاؤں گی۔ یہاں سے دور جائے گا تو بہت کچھ بھول جائے گا۔''

''میں اب جاؤں آنٹی؟'' ماہ بانو نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا!''

وہ وہاں سے اٹھ آئی۔ دل بہت بوجھل سا ہو رہا تھا۔ اپنے پورشن میں داخل ہوئی تو اماں منتظر تھیں۔

''اتنی دیر لگا دی بانو' ابھی تھوڑی دیر پہلے تمہارے نانا جان کا فون آیا تھا' حویلی سے کر رہے تھے۔''

''خیریت تھی ناں؟''

''ہاں خیریت ہی تھی۔ اپنی ریشماں ہے ناں' وہ بہت اداس ہو رہی ہے تمہارے بغیر' میں نے تمہارے نانا جی کو بتایا کہ بانو کی بھی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔ اب مجھے امریکہ جانا ہوا تو پیچھے اسے گھر میں اکیلا تو نہیں چھوڑوں گی ناں۔ ظاہر ہے گاؤں ہی آئے گی وہ۔'' اماں نے بتایا۔

''آپ نے کہہ دیا کہ میں گاؤں آؤں گی؟'' اس کا دل چاہا تھا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''تو اور کیا تم نہیں جاؤ گی گاؤں؟'' انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

''وہ بہت نواب زادی ہے ناں ریشماں' جب اداس ہوتی ہے' آ جانے کو کہہ دیتی ہے اور جو میں گاؤں جا کر اداس ہوتی ہوں' اس کی کبھی کسی نے پروا بھی نہیں کی۔'' وہ دھم سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''دیکھو ناں بیٹا! وہ تو ایک چار دیواری میں قید ہے بے چاری اور تم اپنی مرضی کی مالک ہو کالج بھی جاتی ہو' گھوم پھر لیتی ہو' کبھی مارکیٹ چلی جاتی ہو' اپنی پسند کی چیزیں لے آتی ہو۔ تمہاری اداسی دور کرنے کے لیے تو بہت کچھ ہے' وہ غریب کہاں جائے' لے دے کے ایک تم

ہی ہو‘ جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ دیتی ہے۔ مہینوں انتظار کرتی ہے تمہارا تب ملاقات ہوتی ہے۔‘‘ اماں جی نے پیار سے اسے سمجھایا۔

’’اماں! وہ تو اپنے دل کی بات کہہ دیتی ہے میں کس سے کہوں۔ میری بات نہ کوئی سنتا ہے‘ نہ سمجھتا ہے‘ آپ بھی نہیں‘ عبداللہ بھی نہیں۔‘‘ اس نے آزردگی سے کہا۔

اماں کچھ دیر کے لیے گم صم ہوگئیں۔ اس نے پہلے کبھی بھی اس طرح عبداللہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔

’’میں ریشماں کے پاس جاتی ہوں ناں تو وہ مجھ سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔ میری یادیں بھی‘ پھر بھی اسے کوئی کچھ نہیں کہتا‘ پھر بھی میں ہی قصوروار گردانی جاتی ہوں۔‘‘ اس نے مجروح انداز میں کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’کہاں جارہی ہو بانو! میں تمہاری بات سنوں گی بھی اور سمجھوں گی بھی۔ میں ماں ہوں تمہاری‘ سب کچھ کہہ دو مجھ سے۔‘‘

ماہ بانو چند لمحے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھتی رہی پھر ان کی گود میں سر رکھ کر بے تحاشہ رو دی۔

’’اماں! میں نے ریشماں سے کچھ نہیں چھینا‘ اس کے پاس تھا ہی کیا‘ جسے میں چھینتی۔ ہاں میرے پاس جتنی یادیں تھیں‘ وہ سب اس نے چھین لیں۔ مگر میں اپنی محبت اسے نہیں چھیننے دے سکتی۔‘‘ وہ روتے ہوئے کہتی جارہی تھی۔ ’’میں اسی لیے گاؤں نہیں جانا چاہتی۔‘‘

اماں جی اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر اسے خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگیں۔

’’اماں! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے‘ میرا ایک ایک لمحہ جیسے سُولی پر گزر رہا ہے۔ وہاں پتا نہیں کب وہ عبداللہ سے بدلہ لینے پر اتر آئیں۔ اسے کچھ ہوگیا ناں تو میرے لیے دنیا وہیں ختم ہو جائے گی‘ میں بھی نہیں رہوں گی اماں۔‘‘

’’اللہ نہ کرے۔‘‘ اماں دہل گئیں۔

’’اماں آپ کو ریشماں سے بہت محبت ہے نا!‘‘

’’مجھے صرف اپنی بیٹی سے محبت ہے‘ اپنی بانو سے۔ میں صرف تمہارے چہرے پر خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔‘‘

اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا اور پھر ان سے لپٹ گئی۔

☆=====☆=====☆

گاؤں آتے ہی عبداللہ نے تمام تر ذمہ داریاں اٹھالی تھیں۔ اس کے آجانے سے فوزیہ بیگم اگر ایک طرف مطمئن ہوگئی تھیں تو دوسری طرف انہیں یہ پریشانی بھی لاحق تھی کہ کہیں بڑی حویلی سے کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے‘ جس سے عبداللہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔

حیدر علی شاہ اس کے ساتھ ساتھ رہتے تھے تاکہ اسے کسی معاملے میں دقت پیش نہ آئے۔ اس وقت بھی حیدر علی اور فوزیہ بیگم لیونگ روم میں بیٹھے ہوئے اسی مسئلے کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

’’عبداللہ کے گاؤں آجانے سے میں خوش تو بہت ہوں‘ لیکن ساتھ ہی یہ تشویش بھی ہے‘ کہ پیر صاحب اور ان کے بیٹوں کا کوئی بھروسا نہیں۔ جب تک عبداللہ باہر رہتا ہے تب تک بے چینی اور گھبراہٹ ہی رہتی ہے۔ وہ گھر آتا ہے تو سکون کا سانس لیتی ہوں۔‘‘

’’پریشان تو میں بھی بہت ہوں‘ مگر میری اطلاعات کے مطابق بڑی حویلی میں ابھی اس بات پر خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ میں بھی اس طرف سے بے خبر نہیں ہوں۔‘‘ حیدر علی نے کہا۔

’’آپ کو تو تب بھی اطلاع نہیں ملی تھی‘ جب وہ زہرا کو اغوا کرنا چاہتے تھے‘ اس بات کی بھی خبر ماہ بانو نے دی تھی۔‘‘

’’ماہ بانو نے نہیں ریشماں نے۔‘‘ انہوں نے تصحیح کی۔

’’ہمیں تو ماہ بانو نے ہی بتایا تھا ناں‘ مگر ہر مرتبہ اس طرح غیبی امداد نہیں پہنچا کرتی۔‘‘

’’میں اس آگ کو ہوا نہیں دینا چاہتا‘ میں چاہتا ہوں کہ ہماری اولاد کو تحفظ حاصل ہو۔‘‘ حیدر علی نے کہا۔

’’آپ کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے علی۔ پیر صاحب نہیں چاہیں گے تو کچھ نہیں ہوگا۔ پتا نہیں کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ ایک بیٹے کی لاش دیکھی‘ ایک کو موت کے منہ سے پلٹتے دیکھا پھر بھی ان کے دل میں کوئی نرمی پیدا نہیں ہوئی۔‘‘

’’میں چاہتا ہوں کہ ٹوٹے رشتے جڑ جائیں۔ اس سے شاید مزید خون خرابا رک جائے۔‘‘

’’آپ کا کیا خیال ہے کہ پیر صاحب راضی ہوجائیں گے؟ کبھی نہیں اور اگر وہ راضی ہو بھی گئے تو یہ شرط ضرور رکھیں گے کہ ہم زہرا اور زینی کے رشتے وہاں کردیں۔ میں کیسے اپنی بیٹیوں کو تباہی کے اس گڑھے میں دھکیل دوں۔‘‘

’’زینی کے لیے میں انکار نہیں کروں گا۔‘‘ وہ بولے۔

’’کیا؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ میری بیٹی تو اتنی معصوم سی ہے‘ اس کا یہاں حویلی میں دم گھٹتا تھا۔ وہاں تو وہ ختم ہوجائے گی اور پھر وہ اسے سبط حسن کے لیے نہیں مانگیں گے‘ وہ چاہیں گے کہ زینی وہاں امداد کی بیوہ بن کر رہے۔‘‘

’’اب ایسے بھی نہیں ہیں بھائی جان۔‘‘

’’ایسے ہی ہیں وہ۔‘‘ فوزیہ بیگم نے کہا۔ ’’آپ کو اب تک ان سے بھلائی کی امید ہے۔ اچھے بھلے رشتے آئے تھے دونوں کے لیے۔ زینی نے پتا نہیں کیا کہہ دیا۔ میں بتارہی ہوں علی کہ میری بیٹیاں اس گھٹے ہوئے ماحول میں نہیں جائیں گی۔‘‘

اسی وقت عبداللہ اندر داخل ہوا۔ فوزیہ بیگم اسے آتے دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

''کمرے کی فضا کافی گرم لگ رہی ہے' مگر اس میں آتش دان کی گرمی کم اور باتوں کی گرمی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''میں تمہاری اماں جان سے کہہ رہا تھا کہ تم دونوں کچھ دن کے لیے نیویارک چلے جاؤ۔'' حیدر علی نے موضوع تبدیل کر دیا۔

''آپ پتا نہیں اماں جان سے یہ کہہ رہے تھے یا نہیں' لیکن جس وجہ سے مجھ سے کہہ رہے ہیں' وہ میں جانتا ہوں۔ بابا جان! میدانِ جنگ میں پیٹھ دکھانا مجھے گوارا نہیں ہے۔ آپ اور اماں جان چلے جائیں۔'' عبداللہ نے کہا۔

''پتا نہیں سب کے سر پر خون خرابا کیوں سوار ہے۔ میں نے پہلے ہی بہت دکھ اٹھائے ہیں' مجھ میں حوصلہ نہیں ہے مزید دکھ اٹھانے کا۔'' فوزیہ بیگم روہانسی ہو گئیں۔

''اماں جان! اس بات پر تو بابا جان یا آپ بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں کہ سب کے سر پر خون کیوں سوار ہے۔ ہمیں تو یہ تحفہ ہماری پیدائش کے ساتھ ہی بزرگوں نے دیا تھا جسے ہمیں بہ حالتِ مجبوری قبول کرنا پڑا ہے۔''

پائپ صاف کرتے حیدر علی کے ہاتھ رک گئے۔

''تم جانتے ہو کہ وجہ کیا ہے؟'' بالآخر انہوں نے کہا۔

''میرا نہیں خیال کہ میں اصل وجہ سے آگاہ ہوں' مگر خیر' میں جاننا بھی نہیں چاہتا۔ اب تک بڑی حویلی والے وار کرتے آئے ہیں' اگر میرے سر پر خون خرابا سوار ہوتا تو ان کے اتنے بے شمار واروں کے جواب میں اب میرا بھی حق تھا کہ اس مرتبہ طبلِ جنگ میں بجاتا' لیکن میں اب بھی یہ سب نہیں چاہتا۔ اپنی خاطر نہیں' اپنی بہنوں کے تحفظ کی خاطر۔'' عبداللہ بولا۔

حیدر علی نے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ سب روکنا چاہتے ہو عبداللہ؟'' انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''آپ کو شک کیوں ہے بابا جان؟''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم ایسا دل سے چاہتے ہو یا محض زبانی کلامی دعوے ہیں؟''

''میں دل سے چاہتا ہوں بابا جان۔ زینی اور سبط کے لیے میں نے اتنا اسٹینڈ لیا ہے تو آخر کس وجہ سے؟''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے پائپ میں تمبا کو بھرتے ہوئے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال تھا' اسی لیے میں اور تمہاری اماں جان بڑی حویلی جا رہے ہیں۔''

''بڑی حویلی جا رہے ہیں' پوچھ سکتا ہوں کیوں؟''

عبداللہ نے ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''تمہاری تعلیم مکمل ہو چکی ہے' تم سب ذمہ داریاں سنبھالنے کے اہل ہو۔ منگنی تو بچپن میں ہو چکی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب شادی کی تاریخ بھی طے کر دی جائے اور ریشماں بہو بن کر اس حویلی میں آ جائے۔'' حیدر علی نے کہا۔

عبداللہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ گاؤں پہنچنے کے صرف چند دن بعد اسے اس موضوع پر بات کرنی پڑے گی' اسی لیے اس نے فوری طور پر ماہ بانو کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا' لیکن اب جب یہ موضوع چھڑ گیا تھا' تو پھر اس پر کھل کر بات کر لینا مناسب تھا۔

''میں نہیں سمجھتا بابا جان کہ یہ اس مسئلے کا کوئی حل ہے۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''وجہ؟''

''وجوہات بہت سی ہیں' اگر صرف خاندان کے حوالے سے دیکھا جائے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ بڑے بابا جان ہی اب اس بات پر راضی نہیں ہوں گے' اگر ہو گئے تو مشروط طور پر ہوں گے۔ وہ ان رشتوں کا بھی تقاضا کریں گے جو انہوں نے زہرا اور زینی کے یک طرفہ طور پر کر لیے تھے۔

اس کے علاوہ بابا جان! میں بچپن کے طے کیے رشتوں کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر سکتا۔ آج سے چوبیس' پچیس سال قبل حالات کا فرق تھا' آج اور ہیں۔ آپ نے ہمیں اپنے طور پر سوچنے کا موقع دیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ ہم نے اس موضوع پر کبھی نہ سوچا ہو۔''

حیدر علی اور فوزیہ بیگم خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''میں نہیں سمجھتا کہ ریشماں اور میں ایک دوسرے کے لیے مناسب ہیں' نہ ہی کبھی میں نے اس کے متعلق اس انداز میں سوچا ہے۔ میری کالج فیلو ہے ماہ بانو' آپ اور اماں جان دونوں ہی اس سے مل چکے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور میرا ارادہ اسی سے شادی کرنے کا ہے۔''

حیدر علی کچھ دیر تک خاموشی سے پائپ کے کش لیتے رہے پھر بولے۔

''تم ریشماں کو جانتے نہیں ہو' ورنہ شاید یہ نہ کہتے کہ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے مناسب نہیں ہو۔''

''ممکن ہے۔'' وہ بولا۔ ''اگر میں ماہ بانو سے نہ ملا ہوتا تو شاید بات اور ہوتی' پر اب میں ریشماں سے ملنے یا اس کے متعلق کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔''

''میرا خیال تھا کہ اور کچھ نہیں تو تم میری عزت کی خاطر میرے الفاظ کا پاس ضرور کرو گے۔''

''بابا جان! آپ کی عزت کی خاطر تو میں جان بھی قربان کر سکتا ہوں' لیکن وقت بہت تبدیل ہو گیا ہے اور اس گزرتے وقت کے ساتھ عزت کا مفہوم بھی بدلتا جا رہا ہے۔ آپ کے

الفاظ عزت سے زیادہ ذمہ داری ہیں' جن کا بوجھ آپ میرے کندھوں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اس سے...... آپ نے اسی گھرانے سے دشمنی کا بوجھ بھی میرے کندھوں پر ڈالا ہے۔ آپ نے بہت سے فرائض تو میرے سپرد کر دیے ہیں' لیکن اپنی زندگی کے لیے مجھے ایک بھی حق دینا گوارا نہیں کیا۔'' عبداللہ نے کہا۔

فوزیہ بیگم گومگو کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ اس بحث میں کس کا ساتھ دیں۔ پیر صاحب کے گھرانے سے ان کی دشمنی ختم ہو جائے' یہ ان کی شدید خواہش تھی۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کو محفوظ دیکھنا چاہتی تھیں۔ دوسری طرف انہیں یہ بھی خدشہ تھا کہ ریشماں کے رشتے کی خاطر بڑی حویلی جانے سے کہیں کوئی اور مصیبت گلے نہ پڑ جائے' کہیں وہ زینی اور زہرا کا رشتہ نہ طلب کر لیں۔ جبکہ پیر صاحب سے یہ بھی بعید نہیں تھا کہ عبداللہ کی شادی کہیں اور طے کر دینے کی صورت میں وہ اس بات کو جواز بنا کر نیا محاذ قائم کر لیں۔ دونوں صورتوں میں مشکل تھی۔

''میں نے تمہارے لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا تھا عبداللہ' بہت مان کے ساتھ' اس یقین کے ساتھ کہ حالات خواہ کیسے بھی کیوں نہ ہوں' وقت چاہے کتنا بھی بدل جائے' میرا بیٹا' میرے الفاظ کا پاس ضرور کرے گا۔'' حیدر علی کہہ رہے تھے۔

''بابا جان شاید آپ نے کبھی محبت نہیں کی' ورنہ آپ میرا مسئلہ سمجھ سکتے تھے۔ میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا' جس سے میرے گھر کے افراد خوش نہ ہوں اور یہی توقع مجھے اپنے گھر والوں سے بھی ہے کہ وہ میرے لیے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کریں گے جس سے میں خوش نہ ہوں۔

ہر فرد کی زندگی کے دو حصے ہوتے ہیں بابا جان ایک اس کا اپنا' ایک اس سے وابستہ افراد کا اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں ہر وہ شخص جو کسی بھی صورت میں کسی بہتر پوزیشن پر ہوتا ہے۔ وہ اپنے گرد بسنے والے تمام افراد کی زندگی بھی سمیٹ کر اپنے نام کرنا چاہتا ہے' ان کی زندگی بھی خود بسر کرنا چاہتا ہے۔

پتا نہیں آپ نے کن حالات میں بچپن میں ہی میرا رشتہ طے کر دیا تھا مجھے یقین ہے کہ وہ بھی عام حالات نہیں ہو سکتے' شاید آپ نے ایسا کسی دباؤ کے تحت کیا ہو' ورنہ ممکن نہیں کہ آپ میری پسند اور مرضی کے متعلق سوچتے ہی نہیں۔ ظاہر ہے' میں چابی سے چلنے والا کھلونا تو ہوں نہیں' کہ جب دل چاہا اپنی مرضی سے چلا لیا جائے' جہاں چاہے اس کا رخ موڑ دیا جائے۔

پلیز بابا جان' مجھ سے اتنی توقعات وابستہ مت کریں' جنہیں پورا کرنا میرے لیے ممکن ہی نہ ہو۔ میں بہت عام سا انسان ہوں' مجھ میں اتنی خوبیاں نہیں ہیں' جتنی آپ لوگ مجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کی شادی کا فیصلہ بھی آپ کے بزرگوں نے طے کیا تھا۔ آپ

لوگ اچھے تھے' جنہوں نے اپنے بزرگوں کے فیصلے کا احترام کیا اور ایک خوشگوار زندگی بھی گزاری۔ میں شاید اتنا اچھا نہیں ہوں۔''

حیدر علی گم صم بیٹھے اسے دیکھے گئے۔ اس نے بے خبری میں بہت سے پرانے زخم کرید ڈالے تھے۔

''بابا جان! شاید آپ نے کبھی محبت نہیں کی' ورنہ آپ میرا مسئلہ سمجھ سکتے تھے۔''

عبداللہ کے ان الفاظ نے یادوں کے کتنے در وا کر دیے تھے۔ تاریخ خود کو دہرا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے برسوں پرانے دن لوٹ آئے ہوں' جیسے آج عبداللہ اپنا حق طلب کر رہا تھا' ویسے ہی برسوں پہلے انہوں نے اپنے بابا جان سے اپنے لیے یہی حق طلب کیا تھا۔ عبداللہ کے الفاظ بھی تقریباً وہی تھے' جو کبھی انہوں نے بولے تھے' ہاں لہجے میں فرق تھا۔ انہوں نے تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ مگر عبداللہ کے انداز میں نرمی تھی۔

وہ بھی تقریباً عبداللہ جتنے ہی تھے' ان کی منگنی بھی اسی کی طرح ان کی مرضی کے بغیر کر دی گئی تھی' وہ بھی اس کی طرح ایک اور لڑکی کو چاہنے لگے تھے۔ انہوں نے بھی اسی کی طرح اپنا حق طلب کیا تھا سب کچھ ویسا ہی تھا۔

ہاں' ایک فرق پڑا تھا۔ آج وہ عبداللہ والے نہیں' اپنے بابا جان والے مقام پر تھے' ان کے بابا جان کو تو اپنے الفاظ کا ہی پاس تھا' جبکہ یہاں بات صرف اتنی سی نہیں تھی۔

وہ وقت خواب و خیال سا لگتا تھا' جب انہوں نے گوری سے ٹوٹ کر محبت کی تھی اور گوری نے صرف ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔ انہیں وہ دن اب تک یاد تھا' جب حمیدہ روتے ہوئے ان کے پاس آئی تھی۔

''زرینہ مر گئی شاہ صاحب!''

اور انہیں لگا تھا جیسے کسی نے ان پر بجلی سی گرا دی ہو اور پھر ان کی خواہش پر حمیدہ نے اپنی اور گوری کی آخری گفتگو انہیں سنا دی تھی۔ اس نے کہا تھا۔

''شاہ صاحب! ہم تو آرام سے باتیں کر رہے تھے' ہمیں خبر نہیں تھی کہ کھلے دروازے میں بڑے شاہ صاحب کھڑے ہیں۔ میں نے زرینہ بی بی سے کہا۔

''سنا ہے بڑے شاہ صاحب' ریشماں کی نسبت چھوٹے شاہ صاحب کے صاحبزادے سے طے کر رہے ہیں؟''

''ایسا ہو جائے حمیدہ تو میں سکون سے مر سکوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کے لیے بھی یہ حویلی مقبرہ بن جائے۔ مجھ پر تو جو گزرنی تھی گزر گئی' لیکن میری بیٹی پھولوں کی طرح نازک ہے' اس پر یہ سب نہیں گزرنا چاہیے۔'' زرینہ بی بی نے کہا۔

میں بولی۔ ''یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔''

''اس اوپر والے نے میری بیٹی کو سب کچھ میرے جیسا دیا ہے' وہی رنگ و روپ' وہی چہرہ۔ میری دعا ہے کہ اسے میری قسمت نہ ملے۔ شاہ جی میرے لیے کچھ نہیں کر سکے' مجھے اس کا شکوہ نہیں ہے' لیکن انہوں نے میری بیٹی کو اس در و دیوار سے نہ بچایا تو میں سمجھوں گی کہ انہوں نے کبھی مجھ سے محبت ہی نہیں کی تھی' وہ سب جھوٹ تھا' فریب تھا۔''

ریشماں اور عبداللہ کی منگنی تو اس سے پہلے ہی طے ہو چکی تھی' لیکن ان کی دشمنی کی تجدید در حقیقت اس روز سے ہوئی تھی۔ اسی روز انہوں نے سوچا تھا کہ گوری کی ان باتوں کو وہ اس کی آخری خواہش سمجھیں گے۔ اس سے بے تحاشا محبت تو اپنی جگہ تھی ہی مگر یہ ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش بھی تھی اور آخری خواہش کا احترام دنیا کے ہر مذہب میں کیا جاتا ہے۔ نہ صرف مذہب بلکہ انسانیت کے حوالے سے بھی اسے پورا کرنا فرض سمجھا جاتا ہے۔

انہوں نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اسے جو کچھ کہنا تھا' وہ کہہ چکا تھا۔

''انسانیت پر کتنا ایمان ہے تمہارا؟'' حیدر علی نے اس سے پوچھا۔

''آپ جانتے ہیں بابا جان' بات کیجئے۔''

''ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش کو کیا درجہ دیتے ہو تم؟''

وہ الجھن سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔ فوزیہ بیگم ان کے چہرے پر نظریں گاڑے بیٹھی تھیں۔

''یوں سمجھو عبداللہ کہ یہ ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش ہے۔''

فوزیہ بیگم اٹھ کر لیونگ روم سے باہر نکل گئیں۔ حیدر علی انہیں جاتے دیکھتے رہے۔

''کیا مطلب بابا جان؟ میں سمجھ نہیں سکا' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' عبداللہ نے الجھن کے ساتھ پوچھا۔

''صرف اتنا کہ تمہیں ریشماں سے ہی شادی کرنا ہوگی۔'' وہ کہہ کر باہر چلے گئے۔

☆=====☆=====☆

اماں جی تذبذب کے عالم میں تھیں کہ کیا کریں ماہ بانو گاؤں نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ چاہتیں تو اس کے ساتھ زبردستی بھی کر سکتی تھیں' لیکن اس روز وہ روئی تھی تو انہیں لگا تھا جیسے اس کے آنسو ان کے دل پر گر رہے ہوں۔ ریشماں کی محبت اپنی جگہ' ٹھیک ہے' وہ ان کی مرحومہ بہن کی نشانی تھی اور اپنی زندگی کے دن صرف ایک امید پر گزار رہی تھی' مگر ماہ بانو ان کی سگی اولاد تھی' اکلوتی بیٹی' جسے بہت دکھ اٹھا کر پایا تھا انہوں نے۔

جب وہ پیدا ہوئی تھی تو وہ خود اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں' اتنی پیاری بیٹی انہی کی تھی' کبھی اس کا ماتھا چومتیں' کبھی ہاتھ' کبھی اس کے ننھے ننھے پاؤں دیکھتیں۔ جب وہ ہنستی تھی تو انہیں لگتا

تھا کہ کائنات روشن ہوگئی اور وہ روتی تو انہیں محسوس ہوتا جیسے کسی نے ان کا کلیجہ چیر ڈالا ہو۔ تب وہ گاؤں میں رہتی تھیں' چھوٹے سے گھر میں ساس' سسر' جیٹھ' جٹھانی' نندیں' دیور سبھی تھے۔

ماہ بانو کی پیدائش پر صرف وہ اور ماہ بانو کے ابا جی خوش ہوئے تھے۔ ہاں جٹھانی بھی خوش تھی کیونکہ اس کے دو بیٹے تھے اور ان کے گھر بیٹی کی پیدائش کے بعد وہ خود کو اس گھر میں اور مستحکم سمجھنے لگی تھی' اسے فخر تھا کہ وہ بیٹوں کی ماں تھی۔ خاندان والے مبارکباد دینے کے بجائے ماہ بانو کو ایسے ماتمی انداز میں دیکھتے کہ ان کا خون کھول اٹھتا اور یہ فقرہ تو انہیں کاٹ کر رکھ دیتا تھا۔

''چچ ...... چچ' خیر اللہ بیٹا بھی دے گا۔''

وہ سوچتیں کہ جب بیٹی کی پیدائش پر وہ ناخوش نہیں تھیں' تو پھر باقی سب کو فکر کی کیا ضرورت تھی؟

جب ساس' نندیں انہیں کام پر لگا دیتی تھیں اور ماہ بانو بھوک سے روتی تھی تو ان سے رہا نہیں جاتا تھا' جہاں تہاں کام چھوڑ کر وہ اس کی طرف بھاگتی تھیں اور اس بات پر روز فساد ہوتا تھا۔

پھر وہ بڑی ہوئی' اس نے چلنا پھرنا شروع کیا' باتیں کرنا سیکھیں تو وہ خوشی سے دیوانی ہو گئیں۔

اب بھی انہیں ماہ بانو کے سامنے دنیا میں کوئی دکھائی نہیں دیتا تھا' لیکن انہوں نے اپنا دل مضبوط کر لیا تھا۔ اسے ڈانٹتی ڈپٹتی تھیں جو وہ اس کی بہتری کے لیے ضروری سمجھتی تھیں' کیونکہ بانو کے ابا جی اسے کچھ کہہ ہی نہیں سکتے تھے۔ اس کے لاڈ اٹھاتے نہیں تھکتے تھے' جو خواہش کرتی تھی' جان مار کر پورا کرتے تھے۔ ایسے میں انہیں ڈر لگتا تھا کہ کہیں ماہ بانو اتنے پیار سے بگڑ نہ جائے۔

''کیا فائدہ ہوگا اس کا' ساری زندگی تباہ ہوگی۔''

یہی سوچ کر وہ اس پر سختی کرتی تھیں۔

عبداللہ کے معاملے پر بھی یہی ہوا تھا۔ وہ ماہ بانو کو روکنا چاہتی تھیں تو صرف اس کی بھلائی کے لیے' اب وہ سوچتی تھیں کہ شاید ان کا روکنے کا انداز ٹھیک نہیں تھا لیکن ان کا مقصد ماہ بانو کی بھلائی ہی تھا۔

پر اس مرتبہ وہ روئی تو ان کا دل پگھل گیا۔ ماہ بانو ان کے سامنے قالین پر بیٹھی دو دیئوں میں تیل ڈال رہی تھی۔ ہر روز شام ہوتے ہی وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں وہ دیئے جلا کر رکھ دیتی تھی۔

''یہ ہر روز کیا کرتی ہو بانو؟'' انہوں نے پوچھا۔

اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا' اس کے چہرے پر ہزار رنگ بکھرے ہوئے تھے۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے کہا اور بلاوجہ ہنس پڑی۔

"بس یونہی دل چاہتا ہے۔"

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ ماہ بانو نے اس طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں ایڈی کھڑا تھا۔ چہرے پر پریشانی چھائی ہوئی تھی۔

"خیریت تو ہے ایڈی؟" وہ دیئے چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"ہاں۔"

"آؤ بیٹھو بیٹا! امی ٹھیک ہیں؟" اماں جی نے کہا۔

"جی آنٹی' امی ٹھیک ہیں۔"

پھر وہ ماہ بانو سے مخاطب ہوا۔

"بانو! تم سے کام تھا۔"

اسے احساس ہوگیا کہ ایڈی کو اُما کے متعلق کام تھا۔

"چلو' باہر لان میں ہی چلتے ہیں۔" ماہ بانو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بانو! جلدی آنا' مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" اماں نے کہا۔

"اچھا!" کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

بالکل ساتھ ساتھ گھر ہونے کی وجہ سے ان کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ایڈی کی امی اور ماہ بانو کی امی کے درمیان بھی میل جول تھا۔

"ہاں؟" ماہ بانو لان میں آ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں بہت پریشان ہوں' اُما سے رابطہ کرنے کی پوری کوشش کر لی ہے' لیکن ہو نہیں سکا۔ وہاں سے بہت درشت قسم کا جواب ملتا ہے کہ اُما گھر پر نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ کبھی سوچتا ہوں کہ سکھر چلا جاؤں۔"

"نہیں' سکھر جانے کی حماقت مت کرنا' پہلے یہ تو پتا چلے کہ وہاں حالات کس قسم کے ہیں۔" ماہ بانو نے کہا۔

"مگر یہ کیسے پتا چلے گا؟ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ اُما کس حال میں ہے' تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ میری پریشانی کا۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بولی۔ "اب تک تم فون پر رابطے کی کوشش کرتے رہے ہو' اب میں کوشش کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے گھر والے میری بات کروا دیں گے اس سے۔"

"مشکل ہے' جیرز بھی کوشش کر چکا ہے۔" ایڈی نے کہا۔

"تم دونوں لڑکے ہو' میری بات دوسری ہے اور ایڈی پلیز! تم ہم سب دوستوں کے بتائے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤ گے اس سلسلے میں۔ یوں بھی فی الحال سکھر جانا بے کار ہے۔"

"میرا تو دماغ بالکل کام نہیں کر رہا۔"

"تمہارے اسکالرشپ اور ایڈمیشن کا کیا ہوا؟" ماہ بانو نے پوچھا۔

"وہ تو ہوا ہی سمجھو' بلکہ میں سوچ رہا تھا کہ جب تک لندن نہیں جاتا تب تک کسی ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں جاب کرلوں' مگر اس وقت سخت ذہنی انتشار کا شکار ہوں۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا تمہیں' صرف ذہنی انتشار کا شکار ہونے سے تمہیں اُما تو نہیں مل جائے گی۔"

"مجھے بہت شکوہ ہے تم لوگوں سے بھی' تمہیں اور نیہاں کو معلوم تھا' اُما کی پرابلم کے متعلق اور اس وقت تم نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔"

"تم کیا کر لیتے اس سلسلے میں؟ کچھ بھی نہیں' جیسے اب کچھ نہیں کر سکتے' اس وقت تمہیں بتا دیتے تو تمہارا انٹینس بھی رہ جاتا۔" ماہ بانو بولی۔

"انٹینس گیا بھاڑ میں۔" اس کے انداز میں غصہ تھا' جھنجھلاہٹ تھی۔

"پلیز ایڈی! خود پر قابو رکھو۔ میں ابھی اُما کو رنگ کرتی ہوں اور پھر تمہیں بتاتی ہوں۔" ماہ بانو اسے پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا اس سے بھی۔"

"لیٹ می ٹرائے۔" ماہ بانو نے کہا۔

"آل رائیٹ!"

"تم جاؤ میں کوشش کرتی ہوں' جیسے ہی میرا اس سے رابطہ ہوا میں آ کر تمہیں بتا دوں گی۔"

وہ اندر چلی آئی۔ اماں جی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ وہ گیلری کی طرف بڑھ گئی۔

"بانو! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" انہوں نے اسے گیلری کی طرف جاتے دیکھ کر کہا۔

"بس اماں! ابھی آئی' ذرا اُما سے بات کرلوں۔" وہ فون اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

"میں ماہ بانو بول رہی ہوں' اُما کی دوست' اُما سے بات کروا دیں پلیز۔" اس نے کہا۔

نرم لہجہ یک دم سخت ہوگیا۔

"اُما گھر پر نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر آپ اسے میرا میسج دے دیں۔"

لیکن دوسری جانب فون بند کر دیا گیا۔ ماہ بانو نے حیرت سے ریسیور کی طرف دیکھا۔ اسے اس قسم کے ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"دوبارہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے' پھر بھی انہوں نے یہی حرکت دہرائی تو میں بھی ایک مرتبہ پھر فون کروں گی۔ آخر کب تک ایسے کریں گے۔"

اس نے سوچا اور نمبر ڈائل کرنے لگی۔

دوسری طرف سے فون اٹھایا گیا تو وہ بولی۔

''شاید لائن کٹ گئی تھی۔ میں آپ سے اُما کے بارے میں بات کر رہی تھی' وہ کہاں گئی ہے اور کب تک واپس آئے گی؟''

فون ایک مرتبہ پھر بند کر دیا گیا۔

''کتنے بدتمیز لوگ ہیں' یہ بھی نہیں سوچ رہے کہ فون کا بل آنے پر مجھے اماں کے سامنے پیشی بھگتنی ہوگی۔''

پانچ چھ مرتبہ کی کوششوں کے بعد بھی کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا تو وہ تھک گئی۔

''اب کیا کروں؟''

سوچ سوچ کر اس نے نیہاں کا نمبر ڈائل کیا۔

''اس مرتبہ فون کا بل دیکھ کر اماں جی نے مجھے الٹا ٹانگ دینا ہے۔'' وہ بولی۔

''کیوں؟ عبداللہ فون نہیں کرتا جو تمہیں اسے کرنا پڑتا ہے؟'' نیہاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں' وہ تو خود ہی فون کرتا ہے یہاں مسئلہ دوسرا ہے۔'' یہ کہہ کر ماہ بانو نے اسے ایڈی کے متعلق تفصیل سے بتا دیا۔

''یہ تو بہت گڑبڑ بات بتائی تم نے۔ میرا خیال ہے کہ کچھ کوشش مجھے بھی کرنی چاہیے' میں اسے رِنگ کرتی ہوں' شاید بات بن جائے۔''

''میں انتظار کروں گی تمہارے فون کا۔'' کہہ کہ ماہ بانو نے فون رکھ دیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی' فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''نیہاں نے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیئے۔'' اس نے سوچا اور ریسیور اٹھایا۔

''مجھے ماہ بانو سے بات کرنی ہے' پلیز وہ ہیں تو انہیں بلوا دیں۔''

ماہ بانو نے ذہن پر زور دیا' لیکن اس نسوانی آواز کو وہ پہچانتی نہیں تھی۔

''آپ کون بول رہی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''میں اُما کی بہن ہوں ہیما۔''

''میں ماہ بانو بول رہی ہوں۔'' اس نے سکون کا سانس لے کر کہا۔ اُما سے رابطے کی کوئی تو صورت پیدا ہوئی تھی۔

''میں زیادہ تفصیل سے بات نہیں کر سکتی۔ ممی چند دنوں میں اُما کو انڈیا بھیج رہی ہیں' جہاں اس کی شادی ہوگی۔''

''لیکن ایڈی! میرا مطلب ہے اُما مان گئی؟'' ماہ بانو نے پریشانی سے پوچھا۔

''اس بے چاری کے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔ اسے کمرے میں بند کیا ہوا ہے

URDU PHOTO

اجے نے۔ وہ آپ کو فون کرنا چاہتی تھی' لیکن اس کی اجازت بھی نہیں ملی۔'' ہیما رونے لگی۔

''یہ سب کتنا برا ہوا ہے؟ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

''ہاں۔'' ماہ بانو نے دھیمے سے کہا۔

''اس نے مجھے آپ کا نمبر دیا تھا اور کہا تھا کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں۔'' اس نے آنسو پونچھ کر کہا۔

''ہیما! کیا کوئی صورت بھی نہیں ہے؟ صرف ایک فیصد امکان بھی نہیں؟''

''اُما کہہ رہی تھی کہ آپ یہ ضرور پوچھیں گی' لیکن میں آپ کو سچ سچ بتا دوں تو ایک فیصد بھی امکان نہیں ہے۔ اس بات کے مانے جانے کے تو پہلے بھی چانسز نہیں تھے' لیکن اجے کی موجودگی میں تو ایک فیصد بھی نہیں۔ وہ اُما کو قتل کر سکتا ہے' لیکن یہ کبھی نہیں ہونے دے گا کہ اس کی شادی کسی مسلمان سے ہو۔

اجے نے اُما سے کہا ہے کہ اگر اس نے کسی صورت یہ شادی کر لی' تب بھی وہ اسے سیاسی اور مذہبی ایشو بنا دے گا۔ یہاں کے رہنے والے ہندو بھی بھڑکیں گے اور مسلمان بھی۔

میں کہنا نہیں چاہتی' اجے میرا بھائی ہے' لیکن یہاں حالات جتنے خراب ہوں' وہ اتنا ہی خوش ہوتا ہے۔ ڈیڈی ایسے نہیں ہیں' مگر وہ ایسا ہی ہے یہاں جتنے فساد ہوں گے' جتنا خون بہے گا' اجے اتنا ہی خوش ہوگا۔ اس نے کہا ہے کہ وہ اس بات کو سیاسی اور مذہبی ایشو بنائے گا تو میں جانتی ہوں کہ وہ ایسا کر گزرے گا۔ مذہب اور سیاست کے لحاظ سے لوگ بہت جذباتی ہوتے ہیں۔ انہیں جس راہ پر لگایا جائے' لگ جاتے ہیں۔ ایسے معاملوں میں انہیں سڑکوں پر لے آنا' ان سے توڑ پھوڑ کروانا کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا۔ آپ سن رہی ہیں ناں میری بات؟''

''ہاں۔''

''وہ ایڈی کو نہیں بھول سکتی' اب بھی وہ اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ میں دل سے چاہتی ہوں کہ اس کی خواہش پوری ہو' لیکن ماہ بانو میں اپنے بھائی کو بھی جانتی ہوں۔ وہ چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنانا چاہتا ہے۔ اسے آگ لگانے کے لیے صرف ایک چنگاری ڈالنی ہوتی ہے اور بس۔ مجھے اس مٹی سے بہت محبت ہے اور اپنی بہن سے بھی۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ مٹی خون آلود ہو اور اس پر گرنے والا خون کا پہلا قطرہ میری اپنی بہن کا ہو۔'' وہ پھر رونے لگی۔

ماہ بانو خاموشی سے اس کی سسکیاں سنتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ہیما کی آواز ابھری۔

''میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے' یہ بھی کہ اس کی اور ایڈی کی شادی کا پوائنٹ زیرو زیرو ون پرسنٹ بھی امکان نہیں ہے۔ بہت سی باتیں جو میں نے نہیں کیں' وہ آپ خود ہی سمجھ گئی ہوں گی۔ اب آپ جیسے چاہیں' یہ سب باتیں ایڈی تک پہنچا دیں۔'' ہیما نے کہا۔

ماہ بانو نے فون بند کیا تو اداسی بڑھ گئی۔ اُما کے کہے ہوئے الفاظ بار بار اسے یاد آ رہے

تھے۔

''میں جانتی ہوں کہ میرے گھر والے تو دور کی بات' تم جیسے دوستوں کی دعائیں بھی ہمیں نہیں ملیں گی۔ پھر بھی میں کوشش ضرور کروں گی۔ میں پچھتانا نہیں چاہتی اور نہ ہی فیلیئر یا لوزر کی حیثیت سے زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا تھا ناں کہ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو محبت کسی اور سے کرتی ہیں اور شادی کسی اور سے۔ میں کوشش ضرور کروں گی۔''

''I Dont want to End up as a Loser''

وہ وہیں بیٹھی نیہاں کے فون کا انتظار کرتی رہی۔ اس کا انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ جلد ہی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا اور نیہاں کو ہر بات بتادی۔

''میں نے بھی بہت کوشش کی تھی لیکن بات نہیں بنی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تمہیں ہیما کا فون آ گیا۔ کچھ تو صورت حال کا اندازہ ہوا۔'' نیہاں نے کہا۔

''میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ ایڈی کو کیا بتاؤں؟''

''اور میری سمجھ میں یہ بھی نہیں آ رہا کہ آخر اجے کیا ایشو بنائے گا؟'' نیہاں بولی۔

''ایسے لوگوں کو کسی ٹھوس بنیاد کی ضرورت نہیں ہوتی کسی ایشو کے لیے۔ دیکھو نہ ایڈی مذہب تبدیل کرنا چاہتا ہے اور نہ اُما۔ جبکہ ایسی شادی کی دونوں مذہبوں میں اجازت نہیں ہے۔ اس بات کو اگر اُما کے گھر والے زور وشور سے نشر کرنے لگیں تو کیا ہوگا؟''

''دنگا فساد۔''

''اسی لیے میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ایڈی کو کیا بتاؤں۔ وہ بہت پریشان ہے اور ایسا ہی رہا تو کچھ نہیں کر سکے گا۔ وہ ہمارا دوست ہے۔ اُما کی زندگی تو تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور اس کے لیے ہم کچھ نہیں کر سکتے' مگر میں نہیں چاہتی کہ ایڈی کا مستقبل اور اس کی زندگی بھی تباہ ہو' یا وہ ساری زندگی کسی احساس جرم میں مبتلا رہے۔''

''پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی ہے دونوں کو۔'' نیہاں نے افسوس سے کہا۔

☆=====☆=====☆

بابا جان کی باتوں نے عبداللہ کو الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ انہوں نے اس سے کسی ٹھوس بنیاد پر بات نہیں کی تھی۔ ان کی ہر بات جذباتی تھی۔ اس نے بہت مہذب انداز میں ان کے سامنے انکار کیا تھا اور شاید وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے انکار کے بعد بھی ان کا اصرار جاری رہے گا بلکہ اصرار بھی نہیں ایک قطعی حکم۔

''تمہیں ریشماں سے ہی شادی کرنا ہوگی۔''

''اور وہ کیا کہہ رہے تھے۔ ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش۔ کیا یہ کوئی دھمکی تھی یا پھر کوئی یاد؟'' وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

URDU PHOTO

لیونگ روم سے اٹھ کر وہ اپنی خواب گاہ میں آ گیا۔ آتے ہی اس کی نگاہ ماہ بانو کے مجسمے پر پڑی' جو اس نے خود بنایا تھا۔ اس کے نزدیک ہی دونوں دیئے اور سوکھے پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا۔

ماہ بانو اسے شدت سے یاد آ رہی تھی۔ ویسے تو صبح ہی اس سے بات ہوئی تھی اور وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔ ہاں اس نے ہمیشہ کی طرح بہت سی ہدایات دی تھیں اور وہ دل میں ہنس پڑا تھا۔

''سب میری طرف سے فکر مند ہیں۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جہاں موت لکھی ہے' اسے کون ٹال سکا ہے۔''

لیکن یہ بات اس نے ماہ بانو سے نہیں کہی تھی۔ اس سے اتنی دور رہ کر وہ آپس میں کوئی لڑائی نہیں چاہتا تھا۔ وہ خوش تھی کیونکہ اس کی اماں جی اس سے خوش تھیں۔ اس نے عبداللہ کو بہت مسرت آمیز لہجے میں بتایا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اماں جی مان گئی ہیں۔''

''وہ کیسے؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''پتا ہے عبداللہ میری اور ابا جی کی تو ہمیشہ سے انڈرسٹینڈنگ رہی ہے' مگر اماں جی سے کبھی نہیں رہی مگر اب پہلی مرتبہ وہ میری بات سمجھی ہیں۔ مجھے ویسے پیار کیا ہے' جیسے کبھی میرے بچپن میں کرتی تھیں' مجھے اچھا لگا۔''

وہ اس طرح بتا رہی تھی' جیسے یہ کوئی بہت بڑا انکشاف ہو۔

اس نے ماہ بانو کے مجسمے سے نگاہیں ہٹائیں اور سگریٹ سلگانے لگا۔

اسی وقت انٹرکام کی بزر بجی۔ دوسری طرف اماں جان تھیں۔

''عبداللہ میرے پاس آؤ۔'' انہوں نے کہا۔

وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اماں جان خواب گاہ میں تھیں۔ بابا جان وہاں نہیں تھے۔

''جی اماں جان!'' وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا کہ تمہیں ماہ بانو پسند ہے۔'' انہوں نے بلاتمہید کہا۔

''میرے خیال میں یہ وقت مناسب نہیں تھا۔ بابا جان نے ذکر شروع کیا تو میں نے بھی کہہ دیا۔'' وہ بولا۔

''تم نے اپنے بابا جان کو ناراض تو نہیں کیا؟''

''پتا نہیں' ویسے اس وقت نہ جانے کیوں وہ میری بات سمجھنے پر تیار نہیں ہیں۔ بہرحال جیسا کہ ان کے لیے اپنے الفاظ سے پھرنا ممکن نہیں' ویسے ہی میرے لیے بھی وعدے کر کے اپنے

الفاظ توڑ دینا ناممکن ہے۔ مجھے بھی وعدے کا پاس رکھنا ہے۔ آپ پلیز بابا جان کو راضی کر لیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے اور اس حویلی کے مستقبل کے لیے کیا چیز بہتر ہے۔ اگر ہم ریشماں کے لیے رشتہ لے کر جائیں تو ممکن ہے وہ انکار کر دیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے اور پرانی دشمنی کے حوالے سے وہ پھر سرگرم ہو جائیں اور اگر ہم تمہاری شادی کہیں اور کر دیں تو بھی یہ ممکن ہے کہ وہ اس بات کو اپنی توہین سمجھیں اور کہیں کہ رشتہ تو ریشماں کے ساتھ بچپن میں طے ہو گیا تھا پھر ہم نے اسے نظر انداز کر کے کسی دوسری لڑکی کو بہو کیوں بنایا۔ اس طرح بھی ان کے ہاتھ ایک جواز آ جائے گا۔ تمہیں خدانخواستہ تکلیف پہنچانے کا۔"

"اماں، وہ ہر صورت میں مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور میری شادی کے سلسلے میں آپ لوگ جو بھی قدم اٹھائیں گے، وہ اسے نئے سرے سے جواز بنا کر اس دشمنی میں اضافہ ہی کریں گے۔ آپ رشتہ وہاں لے جائیں گی تب بھی، نہیں لے جائیں گی تب بھی۔"

"اللہ نہ کرے کہ تمہیں کچھ ہو۔" اماں جان سخت پریشان ہو گئیں۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ بابا جان جب کسی مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش کا ذکر کر رہے تھے تو اس کا مطلب کیا تھا؟ وہ کیا کہنا چاہتے تھے؟ یہ کوئی دھمکی تھی یا ماضی کی کوئی گمشدہ کڑی؟" اس نے پوچھا۔

اماں جان نے آنکھیں بند کر لیں۔ "جاؤ عبداللہ میں آرام کروں گی۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

وہ چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جب وہ اور بابا جان گفتگو کر رہے تھے، تب بھی اس بات پر اماں جان ان کے درمیان سے اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ ڈسٹرب تو وہ پہلے سے تھیں۔ اب زیادہ لگ رہی تھیں۔ واضح طور پر وہ اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ وہاں سے اٹھ آیا۔

کمرے میں آ کر اس نے فون اپنے قریب کھسکایا اور ماہ بانو کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف فون اسی نے اٹھایا۔ عبداللہ کی آواز سن کر وہ کھل اٹھی۔

"میرا کتنا دل چاہ رہا تھا کہ اس وقت تم سے بات کروں۔ تم ٹھیک ہو ناں؟"

"ہاں۔" وہ بولا، پھر پوچھا۔ "کیا کر رہی تھیں؟"

"میں دیئے جلا رہی تھی۔ تم بہت یاد آ رہے تھے۔ تم نے بھی دیئے جلائے؟"

اس نے ماہ بانو کے دیے تحفوں کی طرف دیکھا۔ وہ دیئے اب تک ویسے ہی پڑے تھے۔

"میں نے اس وقت تم سے ضروری بات کرنی ہے بانو۔" اس نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

"کہو؟ خیریت تو ہے ناں؟" وہ فکر مند ہو گئی۔

"ہاں۔" اس نے کہا پھر قدرے توقف سے بولا۔ "تم ہمارے خاندان کے ماضی کی کسی

ایسی کڑی سے واقف ہو جسے میں نہیں جانتا۔ اب میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔

"میری بات سن رہی ہو بانو؟"

"ہاں۔"

"تو جواب کیوں نہیں دے رہیں۔"

"آج میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے عبداللہ۔ نہ ہی اس سے تمہیں کوئی فائدہ ہوگا۔ میں نے تمہارے بابا جان سے بھی کہا تھا کہ تمہیں کسی بات کی خبر نہیں۔ انہیں بھی یہ بات اچھی نہیں لگے گی کہ تم ماضی کو کریدو۔" ماہ بانو نے کہا۔

"مگر کسی کے ماضی کا سایہ ہماری زندگی پر پڑ رہا ہے اور یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت اور ناقابلِ فہم ہے۔"

"مجھے بتاؤ عبداللہ کہ تم پریشرائز ہو رہے ہو اس بات سے؟"

"نہیں، لیکن میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں کہاں کھڑا ہوں۔" وہ بولا۔

"مجھ سے کچھ پوچھنے کے بجائے تم بابا جان سے کیوں نہیں پوچھ لیتے۔ وہ مجھ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ تمہیں ہر بات بتا سکتے ہیں؟"

"اس کہانی سے سبھی واقف ہیں سوائے میرے۔" عبداللہ نے کہا۔

"نہیں۔ اسے بہت کم لوگ جانتے ہیں۔"

"اور تم کیسے جانتی ہو؟"

"اسے میں اپنی بدقسمتی کے علاوہ کچھ اور نہیں کہہ سکتی۔" ماہ بانو نے کہا۔

وہ اس موضوع سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ عبداللہ نے اسے مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

"ایڈی ٹھیک ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بہت مشکل ہے یہاں عبداللہ۔ اُما اور ایڈی کا معاملہ بہت بگڑ گیا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

ماہ بانو نے اسے کچھ تفصیل کے ساتھ بتا دیا۔

"وہ بہت پریشان ہے۔ میں نے اب تک اسے کچھ نہیں بتایا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے کیسے یہ سب کچھ بتاؤں اور یہ سب جان لینے کے بعد اس کا ردِعمل کیا ہوگا۔"

"فی الحال میں اسے گاؤں میں بلوا لیتا ہوں۔ جیمز اور ظہیر کو بھی ساتھ بلوا لیتا ہوں۔ ظہیر بھی تھیسز کے بعد سے پریشان ہے۔ ہم سب کو اب ذہنی طور پر تھوڑے آرام کی ضرورت ہے۔ یہاں شکار کا پروگرام بنائیں گے۔ تفریح رہے گی۔ سب فریش ہو جائیں گے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" ماہ بانو نے کہا پھر قدرے توقف سے بولی۔ "میں بھی گاؤں آ رہی

ہوں۔‘‘

’’یہ پروگرام کیسے بنا؟‘‘

’’اماں جی میری وجہ سے اپنا ٹرپ کینسل کر رہی تھیں۔ مجھے یوں گھر میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتی تھیں میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے ان کا پروگرام خراب ہو۔ ابا جی کو گئے اتنے مہینے ہو گئے۔ میری تو مجبوری ہے کہ نہیں جا سکتی مگر اماں جی کو ضرور جانا چاہیے۔ ابا جی ہمیں‘ اور ہم انہیں بہت مِس کر رہے ہیں۔‘‘

’’نیہاں سے کوئی اور بات ہوئی؟‘‘ عبداللہ نے پوچھا۔

’’ہاں۔ جیمز نے شاید تمہیں بتایا ہو‘ اسے جاب مل گئی ہے ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں۔ دونوں کی منگنی کی تاریخ بھی طے ہو گئی ہے اور نیہاں نے بہت زور دیا ہے آنے کے لیے۔ وہ تمہیں انوائٹ کرنے کے لیے فون کرے گی۔‘‘

’’ہم سب ہوں گے‘ بس اُما نہیں ہو گی۔‘‘ وہ بولا۔

’’مت یاد دلاؤ مجھے۔ اس کی طرف سے میرا دل بہت دُکھ رہا ہے۔‘‘

☆=====☆=====☆

مکرم نے مولوی صاحب سے کہہ کر ماہ بانو کو گاؤں آنے کے لیے فون کروا دیا تھا۔

’’ریشماں آپی اداس ہو رہی ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ ماہ بانو گاؤں آ جائے۔ آپ فون کر کے اسے یہاں آنے کے لیے کہہ دیں۔‘‘ اس نے اپنے مخصوص حکمیہ لہجے میں ان سے کہا تھا۔ اور انہوں نے فون کر دیا تھا۔ پھر چند دن بعد معلوم ہوا تھا کہ وہ گاؤں آنے والی تھی۔

ریشماں کے دن بہت بے چینی سے گزر رہے تھے۔ ہر لمحہ اسے ماہ بانو کی آمد کا انتظار تھا اور ہر پل یہ دھڑکا کہ ابھی عبداللہ کے متعلق کوئی بری خبر سننے کو ملے گی۔

اس نے کوشش کی تھی کہ عبداللہ کو خبردار کر دے لیکن ایک ڈر‘ خوف اس کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔

’’اگر میرے بھائیوں کو کچھ ہو گیا تو؟‘‘

وہ بری طرح سے کشش و پنج کا شکار تھی۔ امداد علی کی موت کا ذمہ دار وہ اب تک خود کو ہی سمجھتی تھی۔ یہ احساسِ جرم بہت شدید تھا۔ اور اب ایک مرتبہ پھر وہ نئے امتحان میں ڈال دی گئی تھی۔

اس نے چاہا کہ سب سے مدد طلب کرے۔ شاید وہی بھائیوں کو اس بات سے باز رکھ سکے مگر یہ بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ اماں جان کے کمرے میں اس کا فون اٹینڈ کرتی تھی جہاں پر گفتگو کے دوران بہت سے لوگ موجود ہوتے تھے۔ بھائیوں کی طرح اس کے پاس اپنا ذاتی فون نہیں تھا۔ لے دے کے ایک ماہ بانو ہی تھی جسے سب کچھ بتا کر وہ اس سے کوئی مشورہ لے سکتی تھی۔

’’ضروری تو نہیں کہ کریمن کو ہر بات معلوم ہو جائے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے خبر نہ ہو اور بھائی اپنے منصوبے پر عمل کر ڈالیں۔ ایسا ہوا تو کیا ہو گا؟‘‘ وہ سوچتی تو اس کا دم گھٹنے لگتا۔

URDU PHOTO

پہروں بیٹھ کر وہ عبداللہ کی تصویروں کو تکا کرتی تھی۔ یہ سوچ کر ہی اس کا دل غم سے پھٹنے لگتا تھا کہ اس دشمنی میں دونوں طرف ایسے لوگ تھے جن سے وہ بے حد محبت کرتی تھی۔ ان میں سے کسی کو بھی کھونا اسے گوارا نہ تھا۔

دوسری طرف بیٹھک میں سب بھائی اکٹھے ہو چکے تھے۔

’’منصوبہ فول پروف ہونا چاہیے۔ ایسا جس میں ہمارا کوئی جانی نقصان نہ ہو اور عبداللہ کے بچنے کا ایک فیصد بھی امکان نہ ہو۔‘‘ مکرم نے کہا۔

’’منصوبہ تو پہلے بھی فول پروف ہی تھا۔ امداد کا قتل مخبری کا نتیجہ تھا اور افسوس ہمیں آج تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ یہ مخبری کس نے کی۔‘‘ خادم حسین بولا۔

’’اس منصوبے کو محدود رکھیں۔ تو یہ خدشہ کم ہو گا۔‘‘ مکرم نے کہا۔

’’کتنا محدود رکھیں؟ ظاہر ہے یہ صرف ہم چاروں تک تو محدود نہیں ہو گا ناں۔ کچھ اور افراد بھی شامل کرنے پڑیں گے۔‘‘ نوازش بولا۔

’’وہ سب میرے اور مکرم کے پرسنل باڈی گارڈ ہوں گے۔ اس میں مخبری کا رسک کم سے کم ہو گا۔‘‘ خادم حسین نے کہا۔

’’عبداللہ کے معمولات لگے بندھے ہیں۔ سب سے اچھا موقع اس وقت ہے جب وہ رائیڈنگ کے لیے صبح سویرے نکلتا ہے۔ اس کا روٹ مخصوص ہے۔ ہاں گھوڑے کی رفتار کے حساب سے بعض اوقات اس کے وقت میں تبدیلی آ جاتی ہے لیکن یہ تبدیلی بھی زیادہ نہیں ہوتی۔ صرف پانچ سے پندرہ منٹ کا فرق پڑتا ہے۔‘‘ مکرم نے بتایا۔

’’میں نے اور مکرم نے اچھی طرح ہر پہلو کا جائزہ لے لیا ہے۔ حملے کے لیے بھائیوں میں سے ہم دونوں ہی جائیں گے۔ نوازش تم پیچھے رہ کر حالات کا جائزہ لو گے۔ کچھ افراد تمہارے ساتھ بھی ہوں گے۔ اول تو ہمیں تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر پڑ گئی تو تمہیں فوراً ایکشن میں آنا ہو گا۔ اور حضور تم حویلی میں رہو گے۔‘‘ خادم حسین نے کہا۔

’’میرے ساتھ یہ سلوک کیوں؟ آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟‘‘ اس کے انداز میں شکوہ تھا۔

’’ہم سب کو تم پر بھروسا ہے لیکن حویلی کو بھی خالی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم میں سے کسی ایک کا یہاں رہنا بھی بہت ضروری ہے۔‘‘

’’میں صرف ایک بات سے ڈسٹرب ہوں۔ ریشماں آپی نے ابھی امداد بھائی کا غم ہی نہیں بھلایا۔ ہم میں سے کسی کو خراش بھی آئی تو وہ اس کا بہت برا اثر لیں گی۔‘‘ مکرم نے کہا۔

’’عورتیں جذباتی طور پر کمزور ہوتی ہیں اور آپی تو بہت جلد پریشان ہو جاتی ہیں لیکن اب ہم صرف اس وجہ سے پیچھے تو نہیں ہٹ سکتے۔‘‘ حضور علی بولا۔

''میں پیچھے ہٹنے کی نہیں محتاط رہنے کی بات کر رہا ہوں۔ میں آپی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ اماں جان کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسے میری کمزوری کہہ لو یا کچھ بھی۔ میرے لیے سب سے پیارے سب سے محترم رشتے یہی ہیں۔

امداد بھائی کی وفات پر میں نے ان کی آنکھوں میں جو آنسو دیکھے تھے' میں انہیں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ میرے لیے ممکن ہے کہ میں امداد بھائی کے جسم سے بہنے والا خون بھول جاؤں مگر اس روز جو آنسو آپی کی آنکھوں سے نکلے تھے' انہیں نہیں بھلا سکتا اور اسی سبب سے اس شخص کو بھی کبھی معاف نہیں کر سکتا جو ان آنسوؤں کی وجہ بنا تھا۔

میں آپی کو خوش کرنا چاہتا ہوں یہ بتا کر کہ جس نے ان کے بھائی کو قتل کیا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو بھرے۔ میں نے اسے اسی جگہ کتے کی موت مارا ہے لیکن آپی کی خوشی تب ہی مکمل ہوگی جب ہم میں سے کسی کو کچھ نہ ہو۔''

''ہم میں سے کسی کو کچھ نہیں ہوگا۔'' خادم حسین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

☆=====☆=====☆

اماں جان بہت بے دلی سے نیویارک روانہ ہوئی تھیں۔ انہیں ماہ بانو کی سخت فکر تھی۔ گاؤں میں مولوی صاحب کے گھر ٹیلی فون بھی نہیں تھا کہ وہ وہاں پہنچ کر اس سے بات کر سکتیں۔ کسی ایمرجنسی کی صورت میں ماہ بانو نے انہیں عبداللہ کا نمبر دے دیا تھا۔

گاؤں آنے کے لیے اس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا مگر مجبوری تھی۔ جس شام وہ گاؤں پہنچی تو تھکن کے باوجود بھی آدھی رات تک بڑی اماں سے باتیں کرتی رہی۔ وہ اسے ریشماں کی وہاں آمد کا احوال بہت جوش و خروش سے سنا رہی تھیں۔

''پیر صاحب نے اجازت دے دی؟'' ماہ بانو کو حیرت تھی۔

''ہاں۔ پتا نہیں کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں رحم ڈال دیا تھا۔'' بڑی اماں نے کہا۔

''وہ بہت اداس تھی تمہارے بغیر؟'' نانا جی بولے۔

''ہر وقت یاد کرتی رہتی ہے تمہیں۔'' بڑی اماں نے اضافہ کیا۔

''اچھا اب مجھے نیند آ رہی ہے۔ بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔'' اس نے کہا۔ حالانکہ آنکھوں میں نیند کا نشان بھی نہیں تھا۔ وہ صرف ریشماں کے مسلسل تذکرے سے بچنا چاہتی تھی۔

صبح بھی وہ دیر سے اٹھی۔ بڑی اماں نے اس کی تھکن کے خیال سے اسے سونے دیا تھا۔ ناشتا کر کے وہ چارپائی دھوپ میں ڈال کر بیٹھ گئی۔ یہاں آتے ہی عبداللہ سے ملنے کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔ لاہور میں بھی تو یہ احساس تھا کہ وہ مکانی اعتبار سے بہت دور دور ہیں۔ اور ملنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں آتے ہی یہ احساس ختم ہو گیا تھا۔ بس تھوڑی دور ندی تھی اور اس سے پرے عبداللہ کا گاؤں تھا۔

URDU PHOTO

''مگر مجھے وہاں نہیں جانا۔'' اس نے یہاں آتے وقت جو ارادہ کیا تھا۔ اس پر قائم رہنے کی کوشش کی۔

''یہاں کوئی بھی میرا نہیں ہے۔ زینی تو ہے ہی اگر عبداللہ کے باقی گھر والوں نے بھی مجھے الزام دینے والی نظروں سے دیکھا تو کیا ہوگا؟ اس نے کہا تھا کہ کسی کے ماضی کا سایہ ہماری زندگی پر پڑ رہا ہے۔ اور یہ سایہ کوئی اور نہیں یقیناً عبداللہ کے بابا جان ڈال رہے ہوں گے۔ ایسا کیوں ہے کہ زرینہ خالہ کا دکھ ہم سب کی زندگی پر پھیل رہا ہے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔

بڑی اماں اس کے پاس چلی آئیں۔ ''کچھ تھکن دور ہوئی؟''

''ہو گئی۔''

''تمہارا دل چاہے تو ریشماں سے بھی مل کر آؤ۔'' انہوں نے دبے دبے انداز میں یوں کہا جیسے منت کر رہی ہوں۔

ان کے اس انداز پر اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔

''جی بڑی اماں میں یہی سوچ رہی تھی۔ بس اس دھوپ نے تھوڑا سا سست کر دیا ہے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر میں تیار ہو کر وہ نانا جی کے پاس آ گئی۔

''اسے ریشماں کی طرف چھوڑ آئیں۔'' بڑی اماں نے دور سے ہی انہیں آواز دی۔

ماہ بانو کو آتے دیکھ کر ریشماں کھل اٹھی۔

''بانو۔'' اس نے چیخ کر کہا اور اس کے ساتھ لپٹ گئی۔ ''کتنی یاد آ رہی تھیں تم۔ میں نے تو سوچا کہ تم مجھے بھول ہی گئی ہو۔''

''تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔'' ماہ بانو نے چادر اتار کر تہہ کرتے ہوئے کہا۔

''میرے دن رات تمہارے آنے کی دعائیں کرتے ہوئے ہی گزر رہے تھے۔''

وہ دونوں بیٹھ کر ایک دوسرے اور باقی گھر والوں کی خیریت دریافت کرتی رہیں۔ ماہ بانو اسے اماں جی کے نیویارک جانے کے بارے میں بتاتی رہی۔ یہ کہ وہ خود ان کے ساتھ کیوں نہیں جا سکی۔ اور یہ کہ اس نے ان سے کیا کچھ منگوایا تھا۔

''تم ان سے ملیں؟'' اس کی باتیں ختم ہونے پر ریشماں نے پوچھا۔

''عبداللہ یہیں ہوتا ہے آج کل۔'' ماہ بانو نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں اب چلتی ہوں۔ بڑی اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔''

''ابھی سے؟ تھوڑی دیر پہلے تو آئی ہو۔''

''صبح آئی تھی میں' اب سہ پہر ہو رہی ہے۔'' ماہ بانو بولی۔

''سردیوں کے دن ہیں' اتنے چھوٹے سے تو ہوتے ہیں۔ ورنہ اتنا زیادہ وقت تو نہیں گزرا۔

اور ابھی تو نانا جی بھی نہیں آئے تمہیں لینے کے لئے۔''

''مجھے تھکن محسوس ہو رہی ہے سفر کی۔ گھر جا کر سونے کا ارادہ ہے۔'' اس نے بہانا بنایا۔

''یہاں سو جاؤ۔ اتنی جلدی مت جاؤ پلیز۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

ریشماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنا چاہا۔

''عبداللہ کے متعلق؟'' ماہ بانو نے کوشش کی کہ اس کے لہجے کی تلخی ظاہر نہ ہو۔

''ہاں۔ انہی کے متعلق۔''

''یہی کہ اس نے تمہارے متعلق کیا کچھ کہا اور اسے کیا پسند اور کیا ناپسند ہے۔'' اب کے وہ اپنی تلخی نہ چھپا سکی۔

''نہیں' یہ سب اس وقت ثانوی باتیں ہیں۔ مجھے کچھ اور کہنا ہے۔'' ریشماں نے اس کے لہجے پر غور کیے بغیر کہا اور اٹھ کر دروازے کی کنڈی لگا دی۔

ماہ بانو کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس کی چھٹی حس ایک دم بیدار ہو گئی۔ بہت پرانے محسوسات ایک مرتبہ پھر جاگ گئے۔ ویسے ہی جیسے زرینہ خالہ کی چھوٹی سی صندوقچی کھولتے وقت اسے محسوس ہوئے تھے۔

یوں جیسے کچھ ہونے والا تھا۔ جیسے کوئی کہانی چپکے چپکے اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہی تھی اور اس میں ماہ بانو کو مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔ کالج کی سرخ اینٹوں کی عمارت اور مسجد کے سفید روشن مینار اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پیر صاحب رجب علی شاہ کی حویلی اسے آواز دے کر بلا رہی تھی۔

اس روز کی طرح آج بھی وہ سوچ رہی تھی کہ اس کہانی میں اس کا کردار کہاں فٹ آتا تھا؟ کیا یہ کہانی شروع ہو رہی تھی یا اپنے انجام کی طرف بڑھ رہی تھی۔ تب بھی اس نے زرینہ خالہ کی کہانی سنانے کے لیے اماں سے کہا تھا۔

''مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کہانی کو سننے کی میری آرزو کہیں بہت اندر سے پھوٹ رہی ہو۔ جیسے یہ کہانی آپ کی نہیں میری زندگی کا حصہ ہو اور اسے جاننے کا مجھے پورا پورا حق حاصل ہو۔''

اور اماں نے کتنا درست کہا تھا اس سے۔

''کسی انسان کا ماضی کھنگالنے سے صرف دکھ اور غم ملتا ہے۔ خاص کر ایسے شخص کا جسے مرے ہوئے بھی کئی سال بیت گئے ہوں۔''

مگر وہ باز نہیں آئی تھی اور اس نے زرینہ خالہ کی کہانی جان کر ہی دم لیا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے پتا چلا تھا کہ اماں نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ زرینہ خالہ کا ماضی جان کر کیا ملا تھا اسے؟ صرف غم۔ یہ سب نہ جانتی تو شاید احساس جرم بھی اتنا شدید نہ ہوتا۔

''عبداللہ [illegible] اب جان چکا تھا

URDU PHOTO

''وہ شدید خطرے میں ہیں بانو۔''

ریشماں کی آواز سن کر وہ چونک اٹھی۔ لمحوں میں کتنا کچھ سوچ لیا تھا اس نے۔

''میں نے سنا نہیں ریشماں۔ کیا کہہ رہی تھیں تم؟''

''وہ شدید خطرے میں ہیں بانو اور میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

''کیا؟ عبداللہ خطرے میں ہے؟'' ماہ بانو کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا۔

''ہاں' مجھے پتا چلا ہے کہ.....'' وہ رک کر مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی۔

''کہ تمہارے بھائی اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ یہی کہنا چاہتی ہو نا تم؟'' ماہ بانو نے تیزی سے کہا۔

ریشماں نے ہاں میں سر ہلا دیا۔ اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔

''مجھے بتاؤ بانو کہ میں کیا کروں؟ اپنے بھائیوں کو بچاؤں تو انہیں کھونا پڑتا ہے اور انہیں بچاؤں تو بھائیوں کو کھو دوں گی۔ سوچ سوچ کر میں پاگل ہو رہی ہوں۔'' وہ رو پڑی۔

''یہی محبت ہے تمہاری۔ جھوٹ کہتی ہو کہ تمہیں عبداللہ سے محبت ہے۔ سراسر جھوٹ۔ تمہیں اس سے محبت ہوتی تو یہ سب نہ سوچتیں۔'' ماہ بانو نے نفرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ایسے مت دیکھو میری طرف بانو۔ تمہارے بھائی نہیں ہیں ناں ورنہ تم اس کشمکش کو سمجھ جاتیں۔ میں نے اپنے بہت پیارے اور جوان بھائی کی لاش دیکھی ہے' اپنی آنکھوں کے سامنے۔ تمہیں کیا پتا کہ میں نے وہ دن کیسے گزارے تھے۔ کتنی گھٹن محسوس ہو رہی تھی۔ کتنا غبار جمع ہو گیا تھا میرے اندر۔ آج کے دن تک مجھے یہی لگتا ہے کہ امداد بھائی کے قتل کی ذمہ دار میں ہوں۔ انہیں گولیاں کسی اور نے ماری ہیں لیکن ان کی قاتل میں ہوں۔ آج بھی میرے بھائی کی ہر چیز ویسی ہی رکھی پڑی ہے۔ میں اس کے کمرے میں کتنی دیر تک بیٹھ کر اس کی چیزیں تکتی رہتی ہوں۔ انہیں چھو کر دیکھتی ہوں لیکن اب وہاں کچھ نہیں ہے۔ میرا بھائی دور جا چکا ہے مجھ سے بہت دور۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اس کی باتیں سن کر بھی ماہ بانو کو پہلی مرتبہ اس سے محبت یا ہمدردی کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

''میں اور کسی کو بھی رونا نہیں چاہتی بانو۔ کیا یہ آگ کبھی نہیں بجھے گی؟ میں نہ اپنے بھائیوں کو کھو سکتی ہوں نہ انہیں۔ کاش ہمارے درمیان یہ دشمنی نہ ہوتی۔ نہ جانے یہ سب کس نے شروع کیا' کس وجہ سے؟ میں نے کبھی کسی شخص کو بددعا نہیں دی لیکن اس شخص کو بددعا دینے کے لیے میرا شدت سے دل چاہتا ہے جو اس دشمنی کا باعث بنا۔ پھر بھی میں ایسا نہیں کر سکتی۔ کیسے بددعا دوں۔ سبھی میرے اپنے ہیں۔'' وہ ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

''اپنی سگی ماں کو بددعا دو جو اس دشمنی کی وجہ بنی اور اپنے باپ کو بددعا دو جس نے دشمنی کا یہ

پودا لگایا۔ اسے سینچا‘ بڑا کیا۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹے کے خون سے اس کی آبیاری کی۔ پھر بھی اس کا دل ٹھنڈا نہیں ہوا۔‘‘ ماہ بانو نے نفرت سے کہا۔

ریشماں پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک اس کی طرف دیکھے گئی۔

’’میری سگی ماں؟‘‘ بالآخر اس کے ہونٹ ہلے۔

’’ہاں تمہاری ماں۔ تمہاری سگی ماں۔ میری زرینہ خالہ۔ اور تمہارے باپ کے منہ کو تو ویسے بھی خون لگا ہوا ہے۔ قتل کرنا‘ قتل کروا دینا۔ دونوں اس کے لیے صرف مشغلے ہیں۔ عبداللہ کو ختم کر کے وہ اپنے سگے بھائی سے بہت پرانا بدلہ لینا چاہتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کو بھی گلے لگا لے لیکن اس وقت جب وہ اس کی نسل ختم کر چکے۔‘‘ ماہ بانو غصے کے مارے مٹھیاں بھینچ کر کہہ رہی تھی۔

ریشماں ساکت بیٹھی اسے تکے جا رہی تھی۔

’’مجھے بتاؤ‘ کیا کرنے والے ہیں تمہارے بھائی عبداللہ کے ساتھ؟ کب اور کہاں جان لینا چاہتے ہیں وہ اس کی۔‘‘ ماہ بانو نے اسے جھنجھوڑ دیا۔

’’تمہیں کس نے بتایا بانو کہ اس دشمنی کی وجہ میری ماں جی ہیں؟‘‘

’’میں تم سے کچھ اور پوچھ رہی ہوں۔‘‘ ماہ بانو نے تیز لہجے میں کہا۔

’’میں بھی تم سے...... پوچھ رہی ہوں کہ تم نے میری ماں جی کا ذکر کیوں کیا؟ مجھے بتاؤ کہ وہ کس طرح اس دشمنی کی وجہ بنیں؟‘‘

’’او گاڈ! یہ وقت ان بیکار باتوں کا نہیں ہے۔‘‘

’’یہ بیکار باتیں نہیں ہیں۔‘‘ ریشماں نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

’’کچھ ہاتھ نہیں آئے گا تمہارے‘ یہ سب جان کر‘ سوائے دکھ کے۔ اور اگر تم یہ جاننے پر مُصر رہیں تو تمہیں وہ سب بھی جاننا ہوگا جو آج ہو رہا ہے۔ ماضی کریدو گی تو حال بھی سامنے آئے گا اور تم بیتے کل کا تو شاید سامنا کر لو لیکن آج کا سامنا نہیں کر سکو گی۔‘‘

اسی وقت کریمن اندر داخل ہوئی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کے پاس کوئی اہم خبر تھی۔ اندر کی صورتِ حال اس کے لیے غیر متوقع تھی۔ ریشماں کے چہرے پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔ ماہ بانو کا چہرہ غصے سے تپ رہا تھا۔ وہ ٹھٹک گئی۔

’’خیر تو ہے بی بی؟‘‘ کریمن نے پوچھا۔

ریشماں نے منہ پھیر کر آنسو پونچھے۔ ’’ہاں خیر ہے تم جاؤ۔‘‘

’’بی بی! جاتی تو ہوں لیکن جو بات ہے وہ آپ کو بتانا ضروری ہے۔ خود آپ نے تو کہا تھا۔‘‘ اس نے ماہ بانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ ریشماں ماہ بانو سے کچھ نہیں چھپاتی لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ عبداللہ کے قتل کا منصوبہ بھی وہ ماہ بانو پر ظاہر کرنا چاہے گی یا نہیں۔

ریشماں نے امید بھرے لہجے میں پوچھا۔ ’’بھائیوں نے ارادہ بدل دیا ہے ناں؟‘‘

’’نہیں بی بی۔ مجھے رجو نے ابھی بتایا ہے کہ اب کی مرتبہ تو ایسا منصوبہ ہے کہ عبداللہ شاہ صاحب بچیں گے نہیں۔‘‘ وہ چند قدم آگے بڑھ کر قالین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

ریشماں اور ماہ بانو نے ایک دوسری کی طرف دیکھا پھر ماہ بانو اس سے مخاطب ہوئی۔

’’کیا منصوبہ بنایا ہے انہوں نے؟‘‘

’’نہیں کریمن۔ تم بانو کو کچھ نہیں بتاؤ گی۔‘‘ ریشماں نے تیز لہجے میں کہا۔

’’کیوں؟ کیوں نہیں؟‘‘ ماہ بانو ریشماں کی طرف مڑی۔

’’کیونکہ تم بغیر سوچے سمجھے سب کچھ حیدر بابا کی حویلی میں بتا دو گی۔‘‘

’’تو؟‘‘

’’اس بات کا فیصلہ تمہیں نہیں مجھے کرنا ہے کہ یہ بات بتائی جائے یا نہیں۔‘‘ ریشماں نے کہا۔

’’تم کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی؟‘‘ ماہ بانو نے غصے سے کہا۔

’’میں ہی ہوں وہ جسے یہ فیصلہ کرنا ہے۔ تم شاید بھول رہی ہو کہ اس آگ میں دونوں طرف میرے اپنے لوگ ہیں۔ ایک طرف میرے بھائی ہیں اور دوسری طرف وہ جس کے علاوہ میں نے کبھی کسی کے متعلق سوچا بھی نہیں ہے۔ تمہیں درمیان میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ تمہارا ان میں سے کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔‘‘ ریشماں نے سختی سے کہا۔

ماہ بانو چند لمحے اسے گھورتی رہی پھر بولی۔ ’’کس نے کہا تم سے کہ میرا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے؟‘‘

’’دوستی خون اور محبت کے رشتوں سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔‘‘ ریشماں بولی۔

’’میرے نزدیک خون کے رشتے بھی محبت کے رشتوں سے بڑھ کر نہیں ہوتے مگر تم کچھ نہیں سمجھو گی۔ تمہارا ذہن اور تمہاری صلاحیتیں اسی چار دیواری کی طرح محدود ہیں۔ تمہیں تو یہ بھی نہیں پتا کہ میں نے محبت اور دوستی کی خاطر کیا کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔ اپنی یادیں بہت قیمتی یادیں تک کھو دی ہیں اس سفر میں۔

مگر تمہیں اپنے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اور تم کچھ دیکھ بھی نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ تمہاری اُڑان بہت محدود ہے۔‘‘ پھر وہ کریمن کی طرف مڑی۔ ’’تمہیں بتانا ہوگا کہ عبداللہ کے خلاف کیا منصوبہ بنایا گیا ہے؟‘‘

کریمن نے ریشماں کی طرف دیکھا۔ اس کی اجازت کے بغیر ماہ بانو کو کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

’’میں اپنی ماں جی کے متعلق جاننا چاہتی ہوں۔‘‘ ریشماں نے یوں کہا جیسے کچھ اور سنا ہی نہ

ہو۔

''کس نے منع کیا ہے تمہیں ان کے متعلق جاننے سے؟ جاؤ جا کر پوچھ لو اپنے باپ سے یا حیدر علی شاہ سے۔ اور یہ دونوں جواب نہ دے سکیں تو اپنی ماں کی قبر سے سوال کرو۔ مجھ سے کیوں پوچھتی ہو۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں عبداللہ کو مرنے نہیں دوں گی۔ تم مجھے چاہے کچھ نہ بتاؤ لیکن اپنی جان دے کر بھی مجھے اس کی جان بچانی پڑی تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔''

وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ ریشماں گنگ رہ گئی تھی۔ ٹھیک ہے اس نے دنیا صرف اپنی حویلی کی چار دیواری تک دیکھی تھی لیکن اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ ماہ بانو کی بات اور اس کے لہجے میں چھپی کہانی کو جان ہی نہ سکتی۔ ماہ بانو دروازہ کھول کر باہر نکل چکی تھی۔ وہ صدمے کی سی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے وجود میں آندھیاں چل رہی ہوں۔ لگتا تھا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا تھا؟

''نہیں' وہ تو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ بانو ان کے متعلق سوچتی ہے۔ یہ حقیقت تو کبھی نہیں بدل سکتی ناں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہاں زینی نے بھی تو کہا تھا۔ وہ مجھے بھابی کہتی تھی۔ خود بانو نے بھی بتایا تھا کہ انہیں مجھ سے محبت ہے۔ ہاں امی نے بتایا تھا کہ انہوں نے کہا تھا کہ جو بات میں کہنے لگا ہوں وہ بات دن میں ہزاروں لوگ کہتے ہیں۔ بہت عام سی بات ہے لیکن ہر کہنے والے کے لیے یہ نئی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ بانو تم ریشماں سے کہنا کہ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔

نہیں ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ بانو میرے ساتھ یہ کبھی نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے بہن کہتی ہے' دوست کہتی ہے۔ کبھی کوئی اپنی بہن کے ساتھ بھی ایسا کرتا ہے؟ نہیں۔ میں ہی غلط سوچ رہی ہوں۔ ہاں ایسا ہی ہے۔ بانو کبھی یہ حرکت نہیں کر سکتی۔ وہ اس کے دوست ہیں اس لیے جذباتی ہو کر یہ بات کہی اس نے۔

میں بھی پاگل ہوں' کیا سمجھ بیٹھی۔ بانو تو ایسی لڑکی ہے جو ہر کسی سے محبت کرتی ہے۔ وہ عبداللہ کے لیے اتنی جذباتی ہو رہی ہے تو صرف اس لیے کہ وہ دونوں دوست ہیں اور میں اس کی بہن۔ وہ ہم دونوں سے انہیں حوالوں سے محبت کرتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی ہو گی کہ بعد میں میں پچھتاتی رہ جاؤں۔''

ریشماں نے خود کو تسلی دی لیکن جو کانٹا اس کے دل میں پیوست ہو چکا تھا اس کی کسک ختم نہ ہو سکی۔

''بی بی اب کیا کروں؟'' کریمن گھبرائی ہوئی تھی۔ ریشماں چونک گئی۔

''تم ایسا کرو کریمن کہ بانو بی بی کے پیچھے جاؤ جلدی سے۔ اور ان سے وہ سب کہہ دو جو تم مجھے بتانے آئی تھیں۔ جلدی کرنا وہ زیادہ دور نہیں گئی ہوں گی۔'' اس نے کہا۔

URDU PHOTO

''انہیں یہاں اندر لے آؤں بی بی؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں' یہاں اندر لانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ریشماں نے کہا۔

کریمن کمرے سے نکل گئی۔ ریشماں کو خود بھی احساس نہیں تھا کہ اس نے اتنی جلدی یہ فیصلہ کس بنیاد پر کیا تھا۔

☆=====☆=====☆

زینی نے کچھ دنوں کے لیے پاکستان جانے کا فیصلہ بہت اچانک کیا تھا۔

''یہاں مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا' ادھر آ کر میں ایک لمحے کے لیے بھی خوش نہیں ہوئی۔'' اس نے سبط اور زہرا سے کہا۔

''تمہارا اپنا فیصلہ تھا یہ۔'' زہرا نے کہا۔

''فیصلے غلط ہو جائیں تو اپنی غلطی مان لینی چاہیے' اس پر اڑے نہیں رہنا چاہیے۔'' وہ بولی۔

''کس فیصلے کی بات کر رہی ہو؟'' سبط نے اس کی طرف دیکھا۔

''اپنے گھر سے اتنی دور چلے آنے کی بات کر رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ میں سب کچھ کھو آئی ہوں۔''

''اگر تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے تو پچھلے کیے تمام فیصلے بھی غلط ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی وقت پچھتاؤ۔''

''میں کوئی پچھتا نہیں رہی۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ ''نہ ہی میرے باقی فیصلے غلط ہیں۔ مگر تم میری بات سمجھتے نہیں ہو۔ مجھے اماں اور بابا جان بہت یاد آتے ہیں۔ جب اماں فون پر روتے ہوئے مجھ سے کہتی ہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر گھر واپس آ جاؤ تو میرا دل چاہتا ہے کہ ابھی اسی وقت اُڑ کر اماں جان کے پاس پہنچ جاؤں۔''

''تم ہوم سک فیل کر رہی ہو اور کوئی بات نہیں ہے۔'' زہرا نے کہا۔

''کیسا ہوم سک فیل کرنا گڑیا۔ اب چھ سات مہینے ہونے لگے ہیں ہمیں یہاں آئے ہوئے اور پھر تم دونوں پہلے کس گھر میں رہ رہی تھیں۔ مری میں کیا تمہارے اماں اور بابا ہوتے تھے؟ گاؤں گئے تو زینی گاؤں سے بیزار تھی۔ یہاں آئی تو گاؤں یاد آنے لگا۔'' سبط نے کہا۔

''مجھے گاؤں یاد نہیں آتا' اماں بابا یاد آتے ہیں۔'' وہ رو پڑی۔

''دیکھو تو زینی! ہم بہت بڑا فیصلہ کر کے گھر سے نکلے ہیں۔ پاکستان میں رہ کر یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اور ہمارے گھر ایک ہو سکیں۔ ایسا صرف یہیں ممکن ہے۔'' سبط بولا۔

''مجھے پتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ میں تمہارے بغیر بھی نہیں رہ سکتی لیکن مجھے اماں اور بابا اور بھائی بہت یاد آتے ہیں تو کیا میں انہیں یاد بھی نہ کروں؟ اگر انہیں یاد کرتے ہوئے مجھے رونا آ جائے تو کیا میں روؤں بھی نہیں؟ کتنا کہا ہے میں نے کہ انہیں کہ کچھ دن کے لیے ہی سہی' یہاں آ

جائیں لیکن وہ نہیں آتے۔ ہمیں ایسا تو نہیں کرنا چاہیے ناں۔''

''فی الحال تو یہ ممکن نہیں ہے لیکن ایگزامز کے بعد تم ہی پاکستان چلی جانا۔'' سبط نے اسے مشورہ دیا۔

''نہیں' میں ابھی گھر جاؤں گی۔''

اور پھر وہ اپنی بات پر اڑ گئی۔ زہرا اور سبط حسن تو یوں بھی اس کے آنسو دیکھ کر پگھل جاتے تھے۔ اس مرتبہ تو وہ اتنا روئی کہ مسں جارج کو بھی اجازت دینی ہی پڑی۔ پاکستان میں بھی اس نے اپنی آمد کی اطلاع تب تک نہیں بھجوائی جب تک اس کی فلائٹ میں محض چند گھنٹے نہیں رہ گئے۔ اسے ڈر تھا کہ بابا جان اسے آنے سے منع کر دیں گے۔ پڑھائی کے معاملے میں وہ بہت سخت تھے۔

''سبط! یہ سب کتنا برا ہے کہ ہمارے خاندان کے افراد آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ اگر وہ صلح صفائی سے رہتے تو ہم بھی وہیں پاکستان میں خوش خوش رہ رہے ہوتے۔'' ائر پورٹ جاتے ہوئے اس نے سبط سے کہا۔

''ہاں' مگر یہ ممکن نہیں ہے اور میرا مشورہ یہ ہے کہ تم گھر پہنچ کر اطمینان سے میرے اور اپنے تعلق کے بارے میں سوچو۔ یہ بات بھلا دو کہ حالات کبھی بہتر ہوں گے۔ یہ کبھی بہتر نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد سوچو کہ میرے اور تمہارے ...... ساتھ رہنے کی کیا کیا آپشنز ہیں۔ اور کیا تمہارے لیے ممکن ہے کہ سب کچھ چھوڑ دو۔ صرف ایک شخص کے لیے۔''

''تم یہ کیوں سوچ رہے ہو کہ میں باقی سب کچھ نہ چھوڑ سکی تو تمہیں چھوڑ دوں گی یا میں پچھتا رہی ہوں۔ نہیں سبط۔ میں تو صرف اپنے گھر والوں کو یاد کرتی ہوں۔ اب کیا یہ بھی نہ کروں؟'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

وہ خاموش رہا۔

''کسی فیصلے پر پچھتانا اور کسی کو یاد کرنا دو بہت مختلف باتیں ہیں۔ تمہارے بغیر زندگی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہے میرے نزدیک۔ اب کیا یہ دعا بھی نہ کروں کہ حالات ٹھیک ہو جائیں۔ کبھی دونوں گھرانوں کے افراد ایک جگہ مل کر ہنسی خوشی کھانا کھائیں؟ دعا کی قبولیت پر بے شک اختیار نہیں ہے لیکن دعا مانگنے پر تو اختیار ہے ناں۔'' اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

سبط نے مسکرا کر رسان سے اس کی طرف دیکھا۔ ''ہاں دعا مانگنے پر اختیار ہے۔''

''کبھی یہ مت سوچنا کہ میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں۔ ایسا تو مر کر بھی نہیں کر سکتی۔''

☆====☆====☆

مکرم اور نوازش کو رات ہی کے وقت ملتان کے لیے کام سے نکلنا تھا۔ مسئلہ وہی زمینوں کا تھا۔ پیر صاحب گزشتہ رات لاہور کے لیے نکلے تھے اور تاکید کر گئے تھے کہ ملتان میں اسے کچھ

افراد سے ملنا تھا۔ نوازش بھی اس کے ساتھ ہی جا رہا تھا۔

مکرم ماں جان کو خدا حافظ کہنے ان کی خواب گاہ میں پہنچا تو وہ قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

وہ خاموشی سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''تم سوئے نہیں بیٹا؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں۔ ابھی مجھے اور نوازش کو ملتان کے لیے نکلنا ہے۔ میں آپ کو خدا حافظ کہنے آیا تھا۔'' انہوں نے قرآن پاک بند کر دیا۔ ''ابھی رات کے وقت جاؤ گے؟ صبح چلے جانا۔''

''کچھ افسروں سے ملنا ہے زمینوں کے سلسلے میں۔ ابھی اس لیے ضروری ہے تاکہ صبح دفتری اوقات میں کام مکمل ہو سکے۔ بابا جان بھی تاکید کر گئے تھے۔''

''اچھا بیٹا! اللہ کے حوالے!'' انہوں نے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے اماں جان' ریشماں آپی سے نہیں مل سکوں گا۔ انہیں میری طرف سے آپ ہی خدا حافظ کہہ دیں۔''

وہ باہر نکلا تو تھوڑی ہی دور نوازش مل گیا۔

''کہاں جا رہے ہو؟ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔'' مکرم نے اس سے کہا۔

''آپ نکلیں۔ میں اماں جان کو خدا حافظ کہہ کر ابھی آیا۔''

بیرونی دالان میں حویلی کے بڑے پھاٹک سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اس نے سگریٹ سلگا لیا۔ باہر خاصی خنکی تھی۔ اندھیرا ابھی بہت گہرا تھا۔ آسمان پر چھائے بادلوں کی وجہ سے چاند کی روشنی بھی نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس دالان میں اس پہر عموماً اندھیرا ہی چھایا رہتا تھا۔ خاص طور پر سردیوں میں' جب اس وقت تک لوگ اپنے لحافوں میں دبک چکے ہوتے تھے۔ ہاں زنان خانے کے بڑے دروازے کے نیچے سے روشنی کی پتلی سی لکیر باہر تک دکھائی دے رہی تھی۔

مکرم نے سگریٹ کا آخری ٹکڑا زمین پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا اور گھڑی کے چمکتے ڈائل کی طرف دیکھا۔

''پتا نہیں نوازش کہاں رہ گیا۔'' اس نے سوچا۔

اسی وقت زنان خانے کا بڑا دروازہ کھلا اور ایک لڑکی برآمد ہوئی۔ چادر کو اپنے گرد اچھی طرح لپیٹا اور دروازہ بند کر کے قدم بڑھا دیے۔ تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ اسے ایک پتھر سے ٹھوکر لگی اور بمشکل گرتے گرتے بچی تھی۔

عین اسی وقت کریمن دوڑتی ہوئی آئی۔ وہ زنان خانے کے بڑے دروازے کی بجائے اس طرف سے آئی تھی جو حویلی کے ملازموں کے لیے مخصوص تھا۔ اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر وہ لڑکی رک گئی۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں جی کریمن۔''

''کیا بات ہے؟''

''بی بی جی نے بھیجا ہے آپ کے پاس۔'' وہ سانس درست کرتے ہوئے بولی۔

''کہہ رہی ہیں کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں۔''

''کیوں! ترس آ گیا تمہاری بی بی کو عبداللہ پر یا پھر بھائیوں سے اس کی محبت کم ہو گئی یک دم۔''

لڑکی کے انداز میں تلخی تھی۔

''پتا نہیں بی بی! میں تو حکم کی غلام ہوں۔ انہوں نے آپ کے پاس بھیج دیا۔ میں چلی آئی۔''

مکرم اپنی جگہ ساکت کھڑا رہ گیا۔ اس کے دماغ میں ہتھوڑے برس رہے تھے۔

یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ وہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ان کی حویلی میں یہ کیسی گفتگو ہو رہی تھی؟ یوں لگ رہا تھا جیسے اس اجنبی لڑکی کی آواز وہ پہلے بھی سن چکا تھا۔ مگر کہاں؟ یہ بالکل یاد نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اس سے بھی اہم چیز وہ گفتگو تھی جو کریمن اور اس اجنبی لڑکی کے درمیان ہو رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

پیر صاحب' رجب علی شاہ اس مرتبہ کافی دن کے بعد لاہور گئے تھے۔ پہنچ کر کچھ دیر آرام کرنے کے بعد انہوں نے نوری کے گھر رابطہ کیا۔ دوسری طرف جنت بائی تھیں۔

''جی' بسم اللہ' بسم اللہ۔ اس مرتبہ بہت دن بعد لاہور تشریف لائے۔ خیر تو تھی ناں!''

''ہاں۔'' انہوں نے کہا۔ ''نوری کے لیے ہم ڈرائیور بھجوا رہے ہیں۔ اسے کہیں کہ جلد از جلد آ جائے۔''

''کیوں نہیں پیر صاحب لیکن ایسا ہے کہ بے بی شوٹنگ پر گئی ہوئی ہے۔ آئے گی تو ہم ہر خدمت کے لیے حاضر ہیں۔''

شام تک بھی نوری کی طرف سے کوئی پیغام نہ آیا تو انہوں نے ایک مرتبہ پھر رِنگ کیا۔

''وہ ایسا ہے پیر صاحب کہ بے بی آتے ہی سو گئی تھی۔ بہت تھکی ہوئی تھی بے چاری۔'' جنت مائی نے کہا۔

پیر صاحب فون بند کرنے لگے تھے کہ لائن کے دوسری طرف پس منظر میں نوری کی کھنک دار ہنسی کی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ ہی ایک مردانہ قہقہہ بھی ان کی سماعت سے ٹکرایا اور پھر فوراً بعد دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

''تو نوری نہ سوئی ہوئی ہے اور نہ تنہا ہے۔'' انہوں نے سوچا۔

غصے سے ان کا برا حال ہو گیا۔ ان کو محسوس ہوا جیسے کسی نے ان کے منہ پر طمانچہ دے مارا

ہو۔ ذلت اور توہین کے باعث ان کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ان کے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ جہاں جاتے تھے سب دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ملتے تھے۔ پیسہ بے حساب تھا۔ مردانہ وجاہت تھی' جوانی کا غرور تھا۔ یہ سب باتیں کسی کو بھی مقناطیس کی طرح کھینچنے کے لیے کافی تھیں۔

ٹھیک ہے' وقت نے اپنا سفر آگے کی طرف جاری رکھا تھا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ ایک جوانی ہی ہاتھ سے گئی تھی ناں۔ اس کے علاوہ تو اب تک سبھی کچھ تھا ان کے پاس۔ بے تحاشہ دولت کے ساتھ۔

اور اب جنت بائی کے ایک جھوٹ سے انہیں اپنا سارا غرور مٹی میں ملتا نظر آ رہا تھا۔ ایسا تضحیک آمیز سلوک ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

بہت زمانے کے بعد انہیں نوری کی شکل میں کوئی ایسی لڑکی ملی تھی جس نے سچ مچ ان پر جادو کر دیا تھا۔ اس کی ایک ایک ادا میں نزاکت تھی۔ حسن تھا۔ ہاں اس کا بات کرنے کا انداز خوبصورت نہیں تھا لیکن باتیں خوبصورت ہوتی تھیں۔ یوں تو انہیں لاہور میں بہت سے کام انجام دینے ہوتے تھے' لیکن نیاز پور سے روانہ ہوتے وقت ان کے ذہن میں پہلا خیال نوری سے ملنے کا ہی آتا تھا۔

وہ نوری کے ہاں پہنچے تو وہ حسبِ توقع جاگ رہی تھی اور تنہا بھی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان بھی موجود تھا۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو ریشماں سے لڑ کر باہر نکلی تو غصے اور دکھ سے اس کا برا حال تھا۔ اسے بالکل امید نہیں تھی کہ ریشماں اسے عبداللہ کے قتل جیسے منصوبے کو بتانے کے لیے منع کر دے گی۔

''کیسی محبت ہے اس کی؟ اسے محبت کہتے ہیں؟ اپنے بھائیوں کا خیال تو ہے اسے لیکن جس سے محبت کے اتنے دعوے کیے' اس کا کچھ خیال نہیں؟ کہتی ہے دونوں کو بچائے گی۔ اپنے بھائیوں کو بھی اور عبداللہ کو بھی۔ احمق لڑکی یہ نہیں جانتی کہ ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اوہ میرے خدا' اگر عبداللہ کو کچھ ہو گیا تو۔'' اس سے آگے سوچنے کی اس میں ہمت بھی نہیں تھی۔

زنان خانے سے نکل کر وہ بیرونی دالان میں پہنچی تو اندھیرا پوری طرح پھیل چکا تھا۔ حالانکہ ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ جلدی سو جانے کے عادی تھے۔ اس لیے تاریکی کے علاوہ ویرانی بھی تھی۔ اسے پتا تھا کہ بڑی اماں اسے اکیلے گھر آتے دیکھ کر دہل جائیں گی لیکن وہ نانا جی کی آمد تک حویلی میں رکنے پر تیار نہیں تھی۔ یہاں سے اسے عبداللہ کے خون کی بو آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہر طرف بھیڑیے دانت تیز کیے بیٹھے ہوں اور نانا جی کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ عشاء کی نماز پڑھ کر ہی اسے لینے آئیں گے۔

انہی سوچوں میں گم وہ چلتی جا رہی تھی کہ کریمن بھاگتی ہوئی آئی۔ اسے ریشماں نے بھیجا

تھا۔ وہ سب کچھ ماہ بانو کو بتانے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

''پرسوں صبح کے وقت سویرے سویرے عبداللہ شاہ صاحب کا کام تمام کرنا ہے انہوں نے۔ اس وقت وہ اکیلے ہی ریڈنگ پر جاتے ہیں' تب۔''

''کس پر؟'' ماہ بانو کچھ نہ سمجھی۔

''ریڈنگ پر۔''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''پتا نہیں جی' رجو نے مجھے یہی بتایا تھا۔ بڑے شاہ صاحب اور مکرم شاہ صاحب' رجو اور کچھ دوسرے لوگوں کو وہ جگہ دکھانے کے لیے لے کر گئے تھے۔ ان سے روز بندوقیں بھی چلواتے ہیں تا کہ نشانہ پکا ہو جائے۔''

اس کی باتیں سن کر ماہ بانو کا دل بیٹھ رہا تھا۔ کتنے اطمینان سے منصوبہ بنایا ہے عبداللہ کو قتل کرنے کا۔ یوں جیسے وہ انسان نہ ہو' کوئی کیڑا مکوڑا ہو۔ اس نے سوچا۔

''میں اب جاؤں بی بی؟'' کریمن نے اس سے پوچھا۔

''نہیں ٹھہرو۔ پرسوں صبح کتنے بجے؟''

''یہ مجھے نہیں پتا۔ بس جب شاہ صاحب ریڈنگ کے لیے جائیں گے تب۔ رجو نے بتایا تھا کہ اس وقت وہ اکیلے ہوتے ہیں۔'' کریمن نے کہا۔

''مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ رجو نے کیا کچھ بتایا تھا۔''

کریمن نے اپنی عقل کے مطابق اسے کچھ باتیں بتا دیں۔ ماہ بانو اسے اپنے اندازے کے مطابق جوڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کچھ باتیں عبداللہ سے ملنے کے بعد خود ہی کلیئر ہو جائیں گی مثلاً یہ معلوم ہو جائے گا کہ صبح صبح وہ کس کام کے لیے نکلتا تھا' جسے کریمن ریڈنگ کہہ کر پکار رہی تھی۔

یہ سب باتیں سن کر ماہ بانو کو اپنا سر گھومتا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس کا گاؤں آنے کا پروگرام بن گیا تھا۔ بمشکل تمام وہ کریمن سے مخاطب ہوئی۔

''تھینک یو کریمن۔ میرا مطلب ہے تمہارا بہت بہت شکریہ۔''

''شکریہ تو بی بی کا ادا کریں جی۔ انہوں نے حکم دیا تھا تو میں آ گئی۔''

''ہاں۔'' ماہ بانو سخت سردی میں بھی ماتھے پر آیا پسینہ چادر سے پونچھنے لگی۔ ''تم میرا پیغام دے دینا بی بی کو۔''

''بولو بی بی! کیا کہنا ہے انہیں؟'' اس نے پوچھا۔

ماہ بانو چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ ''میں لکھ کر دے دیتی ہوں۔ روشنی کی طرف چلو۔''

کریمن نے زنان خانے کا دروازہ کھول دیا۔ اندر سے آتی روشنی میں ماہ بانو نے اپنے بیگ

سے بال پین نکالا اور کسی اچھے کاغذ کے نہ ہونے کے باعث ایک پرانی رسید کی پچھلی طرف ریشماں کے لیے رقعہ لکھنے لگی۔

پیاری ریشماں۔

آج ہمارے بیچ جو لڑائی جھگڑا ہوا اس پر مجھے بہت افسوس ہے۔ بہر حال تم نے تلافی کر دی ہے۔ میں یہ سب باتیں عبداللہ کو بتا دوں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب جاننے کے بعد عبداللہ کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ میری دعا ہے کہ تمہارے بھائی محفوظ رہیں۔ بلکہ میری دعا ہے کہ ہر کوئی محفوظ رہے لیکن عبداللہ کیا فیصلہ کرتا ہے یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔

تمہاری بہن

ماہ بانو!

اس نے کاغذ تہہ کر کے کریمن کو پکڑا دیا۔

''یہ اپنی بی بی کو دے دینا۔'' اس نے کہا اور واپس مڑ گئی۔

☆=====☆=====☆

ان دونوں کی باتوں نے مکرم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ جیسے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں اتر رہا تھا۔

''ریشماں آپی؟ وہ ایسا کیسے کر سکتی ہیں؟ اور کیوں؟ نہیں' وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتیں۔ کریمن جھوٹ بول رہی ہے۔ یونہی ریشماں آپی کا نام استعمال کر رہی ہے۔ اس سے تو میں بعد میں نمٹوں گا پہلے اس لڑکی کی خبر لوں۔''

☆=====☆=====☆

ماہ بانو سن ہوئے دماغ کے ساتھ چلتی جا رہی تھی۔ ایک تو اندھیرا تھا' پھر راستہ بھی ناہموار تھا۔ اس کے پاس کوئی ٹارچ بھی نہیں تھی لیکن یہ سب ہوتا تب بھی وہ اپنے حواسوں میں کب تھی۔ قدم قدم پر اسے ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ عبداللہ کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کا ہنسنا' باتیں کرنا یاد آ رہا تھا۔ اس کے وہ الفاظ جو ماہ بانو کی زندگی کا سرمایہ تھے۔

''جو میں کہنے لگا ہوں' وہ بات دن میں ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ بہت عام سی بات ہے لیکن ہر کہنے والے کے لیے یہ نئی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ بانو' میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔''

ماہ بانو چلتے چلتے رک گئی۔ آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا تھا۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے اپنی سسکیاں روکنے کی کوشش کی۔ اسی وقت اسے اپنے بالکل پیچھے قدموں کی چاپ محسوس

ہوئی۔

''کک......کون ہے؟'' اس نے قدرے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔

''اگر خاموشی سے میری بات نہیں مانو گی تو تمہاری موت۔'' سفاک لہجے میں کہا گیا۔

ماہ بانو کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے بھاگنا چاہا لیکن قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ چیخنا چاہا لیکن حلق بالکل بند ہوتا لگ رہا تھا۔ اردگرد دور دور تک کوئی نہیں تھا۔

''خاموشی سے میرے ساتھ چلو۔''

وہی سفاک لہجہ۔ اندھیرے کی چادر میں لپٹے اس شخص نے ماہ بانو کی کلائی اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لی۔

''چھوڑو مجھے' کون ہو تم۔'' اس نے بمشکل تمام کہا اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''میں نے کہا ہے خاموشی سے میرے ساتھ چلو ورنہ یہیں ذبح کر دوں گا۔'' اس نے ماہ بانو کو اپنے ساتھ گھسیٹا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔ کون ہو تم۔ مجھے چھوڑ دو۔'' اس نے مزاحمت کرنے کی کوشش کی۔

☆=====☆=====☆

اسے ڈیرے پر لانا کچھ زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔ اس نے مزاحمت کی تھی لیکن مکرم کے سامنے اس کے دھان پان سے وجود کی کیا حیثیت تھی۔ جب تک وہ اسے ڈیرے پر لایا' وہ خوف سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

خود کو مکرم کی گرفت سے آزاد کرانے کی کوشش میں اس کی چادر وہیں کہیں گر گئی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا ڈھالا سا جوڑا کھل گیا تھا اور بال بکھر گئے تھے۔ اسے بستر پر لٹاتے ہوئے پہلی مرتبہ مکرم نے اس کی شکل دیکھی۔ چند مہینے پہلے کا ایک منظر اس کی نگاہ میں تازہ ہو گیا۔

''مسٹر خادم حسین۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''نہ تو یہ نیاز پور ہے اور نہ ہی میں وہاں رہنے والے آپ کے کسی مزارعے کی بیٹی ہوں۔ یہ رعب مجھ پر جمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ہی میں آپ جیسوں کا رعب برداشت کرتی ہوں۔''

اور اس کے متعلق خادم حسین نے کہا تھا۔ ''تم نے دیکھا تھا مکرم کہ اس لڑکی میں کتنی شان' کتنی تمکنت تھی۔ مجھے ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ میرا آئیڈیل ایسی ہی لڑکی ہے۔''

مکرم نے آگے بڑھ کر لحاف اس کے اوپر ڈال دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دوسرے کمرے میں آ کر اس نے خادم حسین کا نمبر ڈائل کیا۔

''کہاں غائب ہو گئے ہو مکرم۔ نوازش کب سے پریشان ہو رہا ہے۔''

''میں ڈیرے پر ہوں۔ نوازش کو یہاں بھیج دیں۔''

''مگر وہاں کیا کر رہے ہو۔ ملتان کے لیے کس وقت نکلو گے؟'' اس نے پوچھا۔

''ملتان کا پروگرام کینسل سمجھیں۔ نوازش کو یہاں بھجوا دیں۔ مجھے اس سے کچھ کام ہے۔''

تھوڑی ہی دیر میں نوازش وہاں پہنچ گیا۔

''میں حویلی جا رہا ہوں۔ تمہیں یہیں ٹھہرنا ہے۔ یہاں کمرے میں ایک لڑکی ہے' اس کی حفاظت کرنا ہے۔''

''کیسی لڑکی؟'' نوازش کچھ نہ سمجھا۔

''کیسی ہوتی ہے لڑکی؟'' مکرم نے اسے گھورا۔ ''تم سے جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ لڑکی ابھی بے ہوش ہے لیکن جلد ہی ہوش میں آ جائے گی۔ اور اس کے بعد شاید شور مچائے' چیزیں توڑے پھوڑے' ہسٹیرک ہو جائے لیکن...... اسے کسی بھی صورت یہاں سے نکلنے نہیں دینا۔ تم یہاں کیوں ہو یا یہاں کوئی لڑکی ہے' وقتی طور پر اس بات کا علم کسی کو بھی نہیں ہونا چاہیے۔ خادم بھائی اور حضور کو بھی نہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس لڑکی کو کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگانا' اس کی عزت ہر حال میں محفوظ رہنی چاہیے۔''

نوازش کچھ سوال کرنا چاہتا تھا لیکن بولا تو اسی قدر۔

''جی بہت اچھا۔''

حضور جلدی سو جانے کا عادی تھا اور خادم حسین کو فوری طور پر مکرم' ماہ بانو کے متعلق بتانا نہیں چاہتا تھا جبکہ اس کے پاس کسی قابلِ اعتماد شخص کی بھی ضرورت تھی سو اس نے نوازش کو بلوا لیا تھا۔

حویلی کی طرف واپس جاتے ہوئے اس کی سوچیں بہت منتشر تھیں۔ وہ چاہتا تھا کہ کریمن نے ریشماں کے حوالے سے جو کچھ بتایا تھا' اس میں ریشماں کا حوالہ جھوٹ ہو لیکن ماہ بانو کو دیکھ کر اس کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کے بدترین خدشات درست ثابت ہونے والے ہوں۔

ایک لمحے کو اس نے سوچا کہ معاملہ جہاں ہے اسے وہیں ختم کر دیا جائے۔ ماہ بانو کو اس وقت تک قید میں رکھا جا سکتا تھا۔ جب تک کہ وہ عبداللہ کے سلسلے میں اپنے منصوبے پر عمل پیرا نہیں ہو جاتے۔ اس کے بعد اسے چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ گاؤں میں کسی کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان کے خلاف تھانے کچہری میں جا کر گواہی دیتا۔

مگر پھر اسے یہ بھی ممکن محسوس نہیں ہوا' اس معلوم کرنا تھا کہ حویلی کے اندر کہاں اور کیوں یہ سازش ہو رہی تھی اور اس کی جڑیں کتنی گہری تھیں۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو سے رقعہ لے کر کریمن زنان خانے میں داخل ہوئی۔ ریشماں کے کمرے میں جھانکا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر اس کی تلاش میں اماں جان کے کمرے میں گئی لیکن انہوں نے بھی

لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب وہ ان دونوں جگہوں پر نہیں ہوتی تھی تو عموماً امداد علی کے کمرے میں مل جاتی تھی۔ حسب توقع وہ وہیں تھی۔ بہت چپ چاپ اور اداس۔

''بی بی یہ بانو بی بی نے دیا ہے۔'' کریمن نے رقعہ ریشماں کی طرف بڑھایا۔

ریشماں نے رقعہ اس کے ہاتھ سے لے کر کھول لیا۔ پڑھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

''بی بی' اپنے کمرے میں آ جائیں۔ یہاں بیٹھے رہنے سے کیا فائدہ؟'' کریمن نے ہمدردی سے کہا۔

''تم جاؤ۔ سو جاؤ۔''

''بی بی کھانا نہیں کھائیں گی؟''

''نہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ تم جاؤ۔ میں اکیلے رہنا چاہتی ہوں۔''

کریمن چلی گئی۔ ریشماں کو کچھ احساس نہیں تھا کہ وہ وہاں کتنی دیر تک بیٹھی رہی۔ اسے اپنے گرد بہت دھند محسوس ہو رہی تھی۔ اندر خالی پن کا احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ کیا غلط تھا اور کیا صحیح۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

وہ امداد علی کی البم نکال لائی۔ کتنا پیارا بھائی تھا وہ اس کا۔ سب بھائیوں میں وہ سبط حسن اور امداد کے ہی سب سے زیادہ قریب تھی۔ اور اب وہ اس سے بہت دور جا چکا تھا۔ صرف اور صرف اس کی وجہ سے اگر وہ اس روز اطلاع نہ دیتی تو شاید وہ زندہ ہوتا' لیکن اسے کیا پتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ اس نے تو سوچا تھا کہ اس روز حیدر بابا زہرا کو حویلی سے نکلنے کے لیے منع کر دیں گے۔ یہ خبر کب تھی کہ امداد بھائی ہمیشہ کے لیے بچھڑ جائیں گے۔

اس نے البم کے ورق الٹنے شروع کیے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک کی تصویریں تھیں اس میں۔ ریشماں کی نظر اس تصویر پر ٹک گئی جو امداد کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ اس میں وہ Breeches اور لانگ بوٹس Long Boots پہنے رائیڈنگ پر جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ قدرے لمبے بال ہوا کی وجہ سے بکھر رہے تھے اور چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی کہ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ایسی خوبصورت اور زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رکھنے والا شخص کبھی مر بھی سکتا تھا۔ وہ تصویر بے جان تھی لیکن اس میں دکھائی دینے والا امداد علی کا وجود زندگی سے بھرپور تھا۔

ریشماں کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ کب وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ نہ ہی یہ پتا چلا کہ اسے اس طرح کتنی دیر گزر گئی تھی۔ جب کمرے کا دروازہ کھلا اور مکرم اندر داخل ہوا۔ وہ ویسے ہی گھٹنوں پر سر رکھے روتی رہی۔

چند لمحے مکرم اسے دیکھتا رہا' پھر آگے بڑھ کر اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

''تم اپ

URDU PHOTO

ریشماں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیشہ والا مکرم نہیں تھا۔ اس وقت وہ بہت اجنبی لگ رہا تھا۔

''وہ رقعہ دے دیں جو ماہ بانو نے کریمن کے ہاتھ آپ کو بھجوایا ہے۔''

ریشماں کو اپنا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ اس کی طرف دیکھے گئی۔

''آپی وہ رقعہ دے دیں۔''

ریشماں کی نگاہیں اپنے قریب ہی قالین پر پڑے رقعے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مکرم نے بھی وہیں دیکھا اور پھر جھک کر تہہ شدہ رقعہ اٹھا لیا۔

اسی وقت دروازے پر ایک ملازمہ نمودار ہوئی۔

''بی بی! مولوی صاحب آئے ہیں۔'' وہ اندر کی صورتِ حال سے بے خبر بولے گئی۔ ''بانو بی بی کا پوچھ رہے ہیں۔''

''ان سے کہو وہ گھر جا چکی ہے۔'' مکرم نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ پھر وہ ریشماں سے مخاطب ہوا۔

''آپی آپ اپنے کمرے میں جائیں۔''

☆=====☆=====☆

پیر صاحب سے فون پر گفتگو کرنے کے بعد جنت بائی چہرے پر مسکراہٹ سجائے نوری اور اس کے ساتھ بیٹھے نوجوان کی طرف پلٹی۔

''مجھے پوری امید ہے کہ جو ڈراما میں کھیل رہی ہوں' آج اس کا ڈراپ سین ہونے والا ہے۔ تم دونوں کا قہقہہ بہت بروقت تھا۔''

''تو پھر مجھے اگلی فلم میں ہیرو کا رول مل جائے گا ناں؟'' نوجوان نے امید سے پوچھا۔

نوری نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ ''تمہیں یقین کیوں نہیں ہے؟ انڈسٹری میں کیا کوئی میری بات ٹال سکتا ہے؟ جب میں کہوں گی کہ میں تمہارے علاوہ کسی کے مقابل ہیروئین کا کردار ادا نہیں کروں گی تو کیا ہوگا؟ سب تمہیں لینے پر مجبور ہوں گے۔ میرے بغیر کوئی فلم کامیاب کیسے ہو سکتی ہے؟''

نوجوان مطمئن ہو گیا۔

''تمہیں اپنا رول یاد ہے ناں؟'' جنت بائی نے تصدیق چاہی۔

''سو فیصد۔'' نوجوان نے کہا۔

حسب توقع پیر صاحب کو وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ جنت بائی اون سلائیاں لے کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ نوری اور وہ نوجوان تاش کھیل رہے تھے۔ ساتھ ہی کافی کے استعمال شدہ برتن بھی

پڑے ہوئے تھے۔

''آیئے پیر صاحب۔ آپ نے کیسے زحمت کی؟'' جنت بائی مستعدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

رجب علی نے سرد مہری سے ان کی طرف دیکھا۔

''ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم سے جھوٹ کیوں بولا گیا؟''

''ہمیں جھوٹ بول کر کیا کرنا ہے پیر صاحب! بے بی سوئی ہوئی تھی اب جاگ گئی ہے۔''

''بکواس بند کرو۔'' وہ دھاڑے۔

''چلایئے مت۔ یہاں ہماری عزت ہے۔ ہمارے گھر کی آوازیں باہر نہیں جاتیں۔''

''عزت؟ کیا عزت ہے تمہاری؟ بیٹی کو بازار میں کھڑا کر دینے والی عورت کی کیا عزت ہوتی ہے؟''

''جب آپ جیسے شریف زادے کسی عورت کی کوکھ میں اپنے گناہ کا بیج ڈال دیتے ہیں تو اسے اپنی عزت سمیت کسی بازار کا رخ ہی کرنا پڑتا ہے۔'' پھر وہ نوری سے مخاطب ہوئی۔ ''تم اپنے کمرے میں جاؤ بے بی۔''

''نوری کہیں نہیں جائے گی۔'' پیر صاحب نے غصے سے کہا۔

''تم جاؤ۔ میں خود آ جاؤں گی تمہارے پاس۔'' نوری نے پاس کھڑے نوجوان سے دبے دبے انداز میں کہا۔

وہ سر ہلا کر باہر چلا گیا۔

''نوری! میرے ساتھ چلو۔''

''سوری پیر صاحب یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نے یہ سب کچھ چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں گندگی کی اس دلدل میں سے نکلنا چاہتی ہوں۔ ممی سے میں نے کہا تھا کہ آپ کو منع کر دیں۔ میں اپنے ماضی کو بھول کر ایک نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں۔

ہر لڑکی کی طرح میرا بھی ایک خواب ہے۔ ایک گھر' شوہر اور بچے۔ ایک ایسی محفوظ چار دیواری جس میں رہتے ہوئے میں لوگوں کی گندی نظروں سے بچ سکوں۔

آپ دیکھ رہے تھے ناں اس نوجوان کو۔ یہ سلیم ہے' آپ کی طرح زیادہ امیر نہیں ہے لیکن اس میں بہت حوصلہ ہے۔ اس نے وعدہ کیا ہے مجھ سے کہ اس گندگی سے مجھے نکال لے گا۔ میری کچھ فلمیں مکمل ہونی رہتی ہیں۔ جیسے ہی وہ مکمل ہوئیں ہم شادی کر لیں گے۔

چھوٹا سا گھر ہے اس کا۔ دو کمروں کا۔ ایک ماں ہے اور بس۔ کہتا ہے کہ اس کے پاس میرے شایانِ شان کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ بنگلہ نہ گاڑی' یہ دھن دولت لیکن میں جانتی ہوں کہ اس کے پاس سب کچھ ہے۔ جس کا ظرف اتنا بڑا ہے اس کے پاس کس چیز کی کمی؟ روپیہ پیسہ بہت دیکھا ہے میں نے انڈسٹری پر اس انڈسٹری سے باہر لوگوں کے منہ سے بہت جھوٹ سنا۔ بہت

منافقت برداشت کی۔ پہلی مرتبہ میرا ایک سچا رشتہ قائم ہو رہا ہے۔ اسے چھوڑ کر ساری زندگی پچھتاتے ہوئے کیسے گزاروں؟'' نوری نے جذباتی ہو کر کہا۔ دو آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پر بہہ آئے۔

''دیکھ لیا پیر صاحب کہ عزت کیا ہوتی ہے؟ وہ آپ کو نوری کی آنکھوں میں ہی دکھائی دے گی۔ بہت دن بازار میں بیٹھ کر دکان چلا لی۔ اب تھک گئے ہیں' پہلے کوئی سہارا نہیں تھا۔ یہ کم بخت پیٹ کھانے کو مانگتا ہے۔ جو عورت در بدر ہو جائے' وہ کہاں سے یہ سب پورا کرے۔ یہ میں جانتی ہوں کہ اپنی اکلوتی بیٹی' اپنے جگر کے ٹکڑے کے ساتھ معاشرے کے اس سلوک سے میرے دل پر کیا بیتتی تھی لیکن یہاں آ کر جذبات کو مارنا پڑتا ہے۔ یہ سوداگری ہے' کیا کریں۔ پر اب سہارا ملا ہے تو میں نے اپنی بیٹی کو اجازت دے دی ہے کہ جائے اور اپنی دنیا بسائے۔ کیا ہوا جو سلیم غریب ہے۔ کیا ہوا جو اسے روکھی سوکھی کھلائے گا۔ کیا ہوا جو کپڑے گہنے کی کمی ہوگی۔ عزت تو ہوگی۔'' جنت بائی نے رقت آمیز انداز میں کہا۔

پیر صاحب نوری کے وجود کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ اس کی شادی کی خبر ان سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ جوانی جانے اور بڑھاپے کے آنے کا غم کم نہیں ہوا کرتا۔ اس عمر میں جب ایسی خوبصورت اور کم عمر لڑکی انہیں مائل بہ کرم نظر آتی تھی تو بہت سے غم خود ہی دور ہو جاتے تھے۔

اور اب اس کی شادی اس بدشکل چھوکرے کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ایسا ہونا تو ممکن ہی نہیں تھا۔

''یہ شادی نہیں ہوگی۔'' انہوں نے اپنے مخصوص تحکمانہ انداز میں کہا۔

''اس بات کا فیصلہ آپ کو نہیں مجھے کرنا ہے اور میں یہ فیصلہ کر چکی ہوں۔'' نوری کے انداز میں عزم تھا۔

''تمہیں عزت کی زندگی اور ایک چار دیواری چاہیے ناں؟ ہم سے کہا ہوتا۔ ہم تمہاری یہ خواہش کبھی کی پوری کر دیتے۔ ہم تم سے شادی کے لیے تیار ہیں۔ وہ چھوکرا تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ ہم تمہیں عزت دیں گے' چار دیواری دیں گے' سونے میں پیلا کر دیں گے تمہیں۔ جس چیز پر ہاتھ رکھو گی تمہیں مل جائے گی۔''

''بس پیر صاحب بس۔ ہم پہلے ہی جو کچھ کرتے رہے ہیں' اس کے لیے گناہ کا لفظ بھی چھوٹا ہے۔ پروردگار ہمیں معاف فرمائے۔ بس آپ یہاں سے چلے جائیں۔ نوری کی شادی سلیم سے ہی ہوگی۔ آپ جائیں یہاں سے۔'' جنت بائی نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔

''کیوں؟ جب ہم سب کچھ دے سکتے ہیں نوری کو تو پھر کیوں؟ نوری بنے گی تو صرف ہماری دلہن اور کسی کی بھی نہیں۔''

''خدا کے لیے پیر صاحب منہ نہ کھلوائیں۔ ورنہ سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔'' جنت بائی بولیں۔

''تباہ تو ہم کریں گے تم دونوں کو۔'' پیر صاحب نے کہا اور نوری کو کلائی سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

''ممی بچائیں۔'' وہ چلائی۔

''بہت ہو گیا رجب علی شاہ' اب خدا کے قہر کو اور آواز مت دو۔'' جنت بائی دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئیں۔

''ہٹ جاؤ ہمارے راستے سے۔''

''تمہیں میری لاش پر سے ہی گزر کر جانا ہوگا۔ جو خواہش تم کر رہے ہو' اس کا پورا ہونا کبھی ممکن ہی نہیں۔ اس کا اظہار تو تمہارے بیٹوں خادم حسین اور مکرم علی نے بھی نہیں کیا تھا۔ بھول جاؤ وہ سب جو ہو چکا۔ یہ نوری نہیں سیدہ نور النساء علی ہے۔ تمہاری سگی بیٹی۔''

پیر صاحب کو کچھ دیر تک تو جنت بائی کی بات سمجھ میں ہی نہیں آئی جب سمجھ میں آئی تو وہ غصے سے ابل پڑے۔

''بکواس بند کرو ذلیل گھٹیا عورت۔ ہمیں بلیک میل کر رہی ہو؟ ہمارے گھرانوں کی عورتوں کو تو ہوا بھی نہیں چھو سکتی۔''

''میں ذلیل اور گھٹیا ہوں اور تم کیا ہو؟ میں تو گاؤں کی سیدھی سادی لڑکی تھی جنت بی بی۔ مجھے جنت بائی تم نے بنایا ہے۔ یاد ہے تمہیں وہ لڑکی؟ تمہارے مزارعے الٰہی بخش عرف بخشو کی چھوٹی بیٹی جس کی شادی میں بمشکل دو ہفتے رہ گئے تھے جب تم نے اس کی زندگی میں زہر گھول دیا تھا۔

مگر تمہیں کہاں یاد ہوگی وہ لڑکی' تمہاری زندگی میں تو جنت بی بی سے لے کر نور النساء تک نہ جانے کتنی عورتیں اور لڑکیاں آئی ہوں گی۔ تمہیں کہاں یاد ہوگا کہ اس لڑکی نے کتنی منتیں کی تھیں' کیسے فریاد کی تھی' کتنا گڑگڑائی تھی۔ تم یہ سب بھول سکتے ہو کہ یہ تم امیر زادوں کی عادت ہوتی ہے مگر میں کیسے بھولوں وہ تاریک رات۔

بہت چرچا سنا [illegible] تمہارے باپ کے انصاف کا۔ سارے گاؤں کو اکٹھا کر کے میں نے انصاف [illegible] کیا تھا۔ کتنی دہائی دی تھی میں نے' لیکن میرا سچ تمہارے جاہ و حشم' تمہاری دولت اور تمہارے رعب و دبدبے میں دفن ہو گیا۔ سارا گاؤں مجھے کوڑے کا ڈھیر سمجھنے لگا۔ یوں جیسے میں خود چل کر تمہارے پاس گئی تھی۔

میرے خواب' میری مسرتیں سب کچھ تم نے چھین لیا رجب علی! مجھے در بدر کر کے بازار میں لا بٹھایا [illegible] دیکھو اسے۔'' جنت بائی نے نوری کی طرف اشارہ

کیا جو بت بنی آنکھیں پھیلائے سب کچھ سن رہی تھی۔ ''تم کہتے ہو ناں کہ تمہارے گھرانے کی عورتوں کو ہوا بھی نہیں چھو سکتی۔ یہ بھی تمہاری بیٹی ہے' تمہارا خون ہے۔ دیکھو اس کے جسم پر کتنے نشان ہیں۔ دیکھو اسے کس کس نے چھوا ہے؟''

جنت بائی کی آواز پیر صاحب کو کہیں دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔ برسوں پہلے کا ایک منظر دھند میں لپٹا ہوا ان کے تصور کے پردے پر جلوہ گر ہو گیا تھا۔

بڑی بیٹھک میں گاؤں کے بہت سے افراد جمع تھے اور پیر صاحب رجب علی شاہ نے انہیں ملزموں کی طرح طلب کیا تھا۔ یہی نہیں انہوں نے یاسمین کو بھی گواہی کے لیے طلب کرنے کا حکم دیا تھا' جسے بہت سی دلیلیں دے کر حیدر علی نے رکوایا تھا۔ اس وقت وہاں موجود افراد میں سے شاید کوئی ایک آدھ فرد بول اٹھتا لیکن انہوں نے آنکھوں آنکھوں میں بہت واضح تنبیہ کر دی تھی سب کو اور پھر کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ ہر ایک کو اپنے گھر کی عزت پیاری تھی۔ اپنی جان عزیز تھی۔ یوں معاملہ دب گیا تھا۔

یہ سب یاد آ گیا تھا انہیں لیکن لڑکی کے خدوخال یاد نہیں تھے۔ برسوں کی دھول بیٹھ چکی تھی اب۔ اس عرصے میں آنکھوں نے کتنے نظارے کر لیے تھے لیکن جنت بائی کی آنکھوں میں وہ منظر اب تک منجمد تھا۔ وہ آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہیں۔

''یہ بھی تمہاری بیٹی ہے۔ تمہارا خون ہے۔ دیکھو اس کے جسم پر کتنے نشان ہیں' اسے کس کس نے چھوا ہے۔''

جنت بائی کے فقرے ہتھوڑے کی طرح رجب علی شاہ کے سر پر برس رہے تھے۔ سیسہ تھا جو کانوں کے راستے اندر تک اترتا چلا جا رہا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کے وجود میں زلزلہ سا آ گیا ہو' جیسے سب کچھ ٹوٹ رہا ہو۔ ہر چیز دھند میں لپٹی جا رہی تھی۔ سامنے صرف دو سائے تھے۔ نہ ان کی کوئی صورت تھی' نہ چہرے کے خدوخال۔

پیر صاحب کو اپنے سینے کے بائیں حصے میں درد کی شدید لہر اٹھتی محسوس ہوئی۔

☆=====☆=====☆

مکرم اپنے کمرے میں بیٹھا سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہا تھا۔ ریشماں کے پاس سے اس نے جو کاغذ اٹھایا تھا' وہ بظاہر بالکل ردی تھا۔ الفتح کی ایک پرانی رسید جس کے مطابق وہاں سے کچھ کھلونے خریدے گئے تھے۔ مکرم نے کاغذ پلٹ کر دیکھا۔ اصل تحریر وہیں تھی۔ وہ تحریر اس نے اتنی مرتبہ پڑھی تھی کہ اسے زبانی یاد ہو چکی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ ریشماں نے ایسا کیوں کیا تھا۔ اسے تو اپنے بھائیوں سے بہت محبت تھی۔ پھر......؟

امداد کے کمرے سے نکل کر اس نے سیدھا کریمن کو پکڑا تھا اور اسے حویلی کے ایک کمرے میں جو کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا بند کر دیا تھا۔ پھر اس نے رمضان عرف رجو کو اس کے گھر سے

بلوایا تھا' لیکن اب تک اس سے پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔ بظاہر یہی چار افراد تھے جو یہ خبر باہر نکال سکتے تھے' لیکن اس نے اس امکان کو رد نہیں کیا تھا کہ اس سازش میں ان کے علاوہ بھی کوئی شریک ہوسکتا تھا۔

رات بھیگتی جا رہی تھی اور وہ اب تک جاگا ہوا تھا۔ یہ سوچ رہا تھا کہ اس معاملے کو کیسے ہینڈل کیا جائے۔ ریشماں کو کس طرح بری الذمہ ثابت کیا جائے۔ اس کا دل یہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھا کہ اس کی اپنی اور بے حد پیاری بہن اپنے بھائیوں کے لیے اپنے ہاتھ سے قبر کھود سکتی تھی۔ حویلی کی عزت مٹی میں ملا سکتی تھی' اپنے باپ کی پگڑی پر داغ لگا سکتی تھی۔ اس نے ایسا کرنا چاہا تھا تو آخر کیوں؟ وہ مسلسل سوچ رہا تھا لیکن کسی سوال کا کوئی جواب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اس کا ذہنی انتشار حد سے بڑھا تو وہ اٹھ کر اماں جان کی خواب گاہ کی طرف چل دیا۔ اس وقت ماں کے علاوہ کوئی اور ہستی نہیں تھی جو اس کے دکھوں پر اپنے پیار کا مرہم رکھ سکتی۔

احتیاط سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ اماں جان بے شک لیٹی ہوئی تھیں' لیکن نائٹ بلب کی نیلگوں روشنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ بھی جاگ رہی ہیں۔

مکرم کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھیں۔

''کیا ہوا مکرم! خیریت ہے ناں بیٹا!'' انہوں نے گھبرا کر پوچھا۔

اتنی رات گئے ان کے کمرے میں کوئی بھی نہیں آیا کرتا تھا۔

''جی اماں' بالکل خیریت ہے' آپ جاگی ہوئی ہیں؟''

''صحیح بتاؤ بیٹا! میرا دل ہول رہا ہے۔'' وہ اس وقت وہاں دیکھ کر سخت پریشان تھیں۔

''اماں جان بالکل خیریت ہے' بس میرا دل چاہ رہا تھا کہ آپ کے پاس آؤں۔ آپ کو دیکھوں' اس لیے یہاں چلا آیا' میرا مقصد آپ کو ڈسٹرب کرنا نہیں تھا۔'' وہ ان کے پاس بستر پر ہی آ بیٹھا۔

''تم لوگوں کے آنے سے تو میرا سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔ مجھے پریشانی نہیں ہوتی۔'' وہ پیار سے بولیں۔

مکرم کا ذہن سخت منتشر تھا۔ وہ غائب دماغی کی کیفیت میں بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

''ملتان جانے کا ارادہ بدل دیا تھا تو اب تک سو جاتے' زیادہ رات تک جاگنے سے صحت خراب ہوتی ہے۔'' اماں جان نے کہا۔

''آپ بھی تو جاگ رہی ہیں۔'' وہ بولا۔

وہ بس آہ بھر کر رہ گئیں۔ کیا بتاتیں اسے کہ رت جگا تو شادی کے ساتھ ہی جیسے ان کے نصیب میں لکھا گیا تھا۔ جب پیر صاحب پاس نہیں ہوتے تھے تو ان کی ساری رات انگاروں پر

URDU PHOTO

بسر ہوتی تھی' یہ سوچتے ہوئے کہ وہ کس کے پاس ہوں گے اور جب وہ پاس ہوتے تھے تو بھی ان کے نہیں ہوتے تھے' تب وہ سوچتی رہ جاتی تھیں۔ اب وہ کس کے پاس تھے۔

''تمہیں اپنے کمرے میں نیند نہیں آ رہی بیٹا تو یہاں سو جاؤ۔ ماں کے پاس' نیند آ جائے گی۔''

اماں جان کے منہ سے یہ الفاظ سن کر اسے لگا جیسے وہ کسی پناہ گاہ میں پہنچ گیا ہو' جیسے صحرا میں چلتے چلتے اچانک نخلستان آ گیا ہو۔ ان کا بوڑھا وجود کسی گھنے' سایہ دار درخت کی طرح تھا۔ وہ وہیں بستر پر لیٹ گیا۔

اماں جان بیٹھے بیٹھے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔ سکون کی ٹھنڈی لہریں اس کے وجود میں اترتی جا رہی تھیں۔

''ماں سے زیادہ خوبصورت رشتہ کون سا ہوگا؟'' مکرم نے سوچا۔ ''ہم ساری دنیا کی عورتوں کے چہرے اور جسم میں حسن تلاش کرتے رہتے ہیں' لیکن ماں اپنے حسن سے نہیں اپنی محبت اور ممتا سے پہچانی جاتی ہے۔'' ان کا بوڑھا' جھریوں بھرا چہرہ بھی کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ وہ سکون کے اس سمندر سے باہر نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ باہر کی دنیا بہت تلخ تھی۔ بہت آزمائشیں تھیں وہاں' جن پر پورا اترنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

''مکرم!'' ماں نے آہستہ سے اسے آواز دی۔ شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''بیٹا! میں نہیں جانتی کہ اس حویلی سے باہر کیا کیا بکھیڑے ہیں۔ میری دنیا یہی چار دیواری ہے' لیکن ماں اپنی اولاد کے چہرے پر فکر اور پریشانی کی ہر لکیر دیکھ لیتی ہے۔ کیا ہوا ہے بیٹا کہ سو بھی نہیں پا رہے؟'' انہوں نے پیار سے پوچھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اماں جان! میں بہت پریشان ہوں' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

''میرے پاس شاید تمہاری پریشانی کا حل تو نہ ہو لیکن کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔''

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''اماں جان' آپ ریشماں آپی کو مجھ سے بہتر جانتی ہیں' ظاہر ہے کہ جو باتیں وہ آپ سے کر سکتی ہیں' مجھ سے نہیں کر سکتیں میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حیدر علی شاہ کے ساتھ ہماری دشمنی کی کیا نوعیت ہے' وہ ان سے ہمدردی کا اظہار کیوں کرتی ہیں؟'' اس نے اپنی طرف سے الفاظ کا چناؤ نہایت احتیاط سے کیا تھا۔

اماں جان کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ چند لمحوں کے بعد انہوں نے کہا۔

''وہ بہت نرم دل ہے ناں۔ خون دیکھنا تو دور کی بات' وہ تو کسی کا آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی۔''

''اماں! مجھے لگتا ہے کہ اس ہمدردی میں آپی بہت آگے تک جا سکتی ہیں۔ یہ پروا کیے بغیر کہ اس سے ہماری حویلی پر کیا اثر پڑے گا۔'' اس نے ایک مرتبہ پھر کھلے الفاظ میں سوال پوچھنے سے گریز کیا۔

''رات سونے سے پہلے سب خیالات ذہن سے جھٹک دینے چاہئیں' دیکھو اسی لیے تمہیں نیند نہیں آرہی۔'' انہوں نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

''اماں جان پلیز بات نہ بدلیں جو میں جاننا چاہتا ہوں' وہ جان کر رہوں گا۔''

اماں جان اس کی ضدی طبیعت سے واقف تھیں۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ مکرم کو کچھ بتا دینے سے معاملہ بالکل ہی بگڑ جائے۔

''دیکھو ناں بیٹا! اس گھر سے ہمارے رشتے جڑے ہوئے ہیں' ایک ہی خون ہے۔ کسی کا بھی ہے' تکلیف تو ہوتی ہے ناں۔''

''رشتے؟ اماں رشتے تو صرف دشمنی کے باقی ہیں۔ اور پھر بات اسی قدر بھی نہیں ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے آپی کو ہم بھائیوں سے اتنی محبت نہ ہو جتنی ہم ان سے کرتے ہیں۔ وہ حیدر علی کے گھرانے کو ہم پر فوقیت دے رہی ہیں۔''

''نہ بیٹا نہ' یہ الزام نہ لگاؤ اس بے چاری پر۔ وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔ اس حویلی میں اس کے دکھ کم نہیں ہو سکتے' مگر ان میں اضافہ بھی مت کرو۔'' وہ بولیں۔

''کیا دکھ ہے انہیں یہاں؟ سب کچھ دے رکھا ہے انہیں۔ ہم میں سے جو بھی باہر جاتا ہے' واپسی پر ان کے پاس خالی ہاتھ نہیں آتا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آ جائے تو ہمارا کھانا پینا تک چھوٹ جاتا ہے' پھر بھی اماں......؟

میں نے اس چھت کے نیچے رہتے ہوئے کبھی نہیں سوچا کہ کون سا رشتہ سگا ہے اور کون سا سوتیلا' مگر اماں آج دل بہت دُکھا ہے میرا۔ آپی نے ہمیں بھائی سمجھنے کے بجائے سوتیلا بھائی ہی سمجھا ہے۔ سگی بہن ہوتی تو کبھی یہ سب نہ کرتی۔''

''کیا کر دیا اس نے؟ ریشماں کے ذہن میں تو مر کر بھی یہ خیال نہیں آ سکتا۔ وہ صرف بہن ہے تم لوگوں کی اور بہن تو بہن ہوتی ہے سگی' سوتیلی کچھ نہیں۔''

''جانے دیں اماں' دل بہلانے کے لیے میں بھی ایسے ہی لفظوں سے خود کو تسلی دے رہا ہوں۔''

''مگر ہوا کیا؟ کیا کر دیا ہے اس نے؟''

''میں نے ایک عہد کیا تھا خود سے ایک وعدہ تھا کہ اپنے بھائی کے خون اور بہن کے آنسوؤں

سے' جب اسے پورا کرنے کا وقت آیا تو راستے میں آپی اس طرح آئیں کہ......!'' وہ رک گیا پھر قدرے توقف سے بولا۔

''اپنے بھائیوں کے لیے اپنے ہاتھ سے قبریں کھودتے ہوئے کیا ایک لمحے کے لیے بھی ان کے دل میں اس محبت کا احساس نہیں جاگا ہوگا' جو ہم نے ان سے کی؟''

اماں جان نے اپنا سر پکڑ لیا۔

''پچھلی مرتبہ بھی وہ پہلے سے جانتی تھیں کہ آئندہ چند دنوں میں کیا ہونے والا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تب بھی یہ بات انہوں نے ہی کسی ذریعے سے خانقاہ حضرت صاحب والی حویلی میں بھجوائی تھی' مگر اب یہ بات پھانس بن کر چبھ رہی ہے۔ ممکن ہے وہی ہوں' جیسے اب وہی ہیں' ممکن ہے نہ ہوں..... امداد بھائی چلے گئے' خادم بھائی موت کی دہلیز سے پلٹے اور اب میں' خادم بھائی اور نوازش ہیں۔ ہماری محبت میں کہاں کمی تھی اماں جان؟'' مکرم نے آزردگی سے کہا۔

اماں جان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ امداد کے ذکر نے ان کے زخم پھر سے ہرے کر دیے تھے۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔ کافی دیر بعد اماں بولیں۔

''مکرم بیٹا! محبت بہت عجیب جذبہ ہے۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس سے سب سے زیادہ محبت ہے؟''

''آپ سے اور آپی سے۔'' اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بعد کہا۔

''اور مجھے اپنے بچوں اور تمہارے بابا جان سے۔'' وہ بولیں۔

وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔

''شکر ہے مکرم کہ ہمیں اپنی محبتوں میں کبھی آزمائش کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کبھی یہ انتخاب نہیں کرنا پڑا کہ کس کو کس پر فوقیت دیں۔ جن کے ساتھ ایسا ہوتا ہے وہ بہت بے بس ہو جاتے ہیں' سمجھ نہیں پاتے کہ کیا کریں۔ کبھی دو کشتیوں کے سوار کو دیکھا ہے؟ کشتیاں شاید بچ جائیں' لیکن دو کشتیوں کا سوار کبھی نہیں بچتا۔ کبھی یہ مت سوچنا کہ ریشماں کو تم بھائیوں سے محبت نہیں ہے' وہ بے بس ہے۔''

چند لمحے وہ منتظر رہا کہ اماں جان کچھ اور کہیں' پھر بولا۔

''حیدر علی کے گھرانے سے اتنی محبت کہ وہ بھائیوں کی محبت کے مقابل آ جائے۔''

''مجھے بتاؤ مکرم کہ تمہاری اپنی بہن سے محبت زیادہ ہے یا اپنے حیدر بابا کے گھرانے سے نفرت؟''

کچھ دیر وہ خاموش رہا پھر بولا۔

''آپی سے محبت۔''

URDU PHOTO

''بہت پہلے کی بات ہے' میں اس حویلی میں ہونے والے قتل کی دو وارداتوں کی گواہ بنی تھی۔ اس روز میں نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ میں کبھی کسی کو یہ تاریخ دہرانے نہیں دوں گی۔ میں کمزور ناتواں عورت' میرے بس میں نہ تو پستول اٹھانا تھا اور نہ ہی کسی کے راستے میں کھڑے ہو جانا' مگر میرے پاس اس سے زیادہ بڑی طاقت تھی۔ اسی روز سے میں نے محنت شروع کر دی۔ اپنی اولاد کو محبت کے ایسے رشتوں میں باندھنے کی کہ کبھی بھی ان کے دل میں ایک دوسرے کے خلاف جذبات نہ جاگ سکیں۔ پتا نہیں میں کامیاب ہوئی یا نہیں' مگر بیٹا آج تم سب کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ بڑھاپے میں مجھے کسی اور عذاب سے مت گزارنا۔'' وہ رو پڑیں۔

مکرم نے ان کے جڑے ہاتھ تھام لیے۔

''یہ کیا کر رہی ہیں اماں جان!''

''بیٹا! میں نے دکھ ہی نہیں اٹھائے' ظلم سہے ہیں۔ تم تو مرد ہو' تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ اس حویلی کی عورتیں اپنے دل میں کتنے زخم چھپا کر جیتی ہیں۔ میرا بہت مرتبہ دل چاہا کہ اس زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لوں مگر پھر تم بچوں کی صورتیں دیکھ کر اپنے غم چھپا لیتی تھی۔ میں نے اپنے اوپر سب کچھ برداشت کر لیا مگر اب اپنی اولاد کے اوپر بیتنے والے غم برداشت نہیں ہوتے۔ میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔'' آنسو ان کے گالوں پر ابھر آنے والی جھریوں میں اپنا راستہ بنا رہے تھے۔

اپنے دوپٹے سے آنسو پونچھ کر وہ دوبارہ مکرم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''آج تم اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے آئے ہو۔ کبھی کبھار ریشماں بھی چلی آتی ہے۔ وہ منہ سے کچھ نہیں بولتی' لیکن اس کا زرد چہرہ اور آنسو بھری آنکھیں اس کی محرومیوں کی داستان خود ہی سنا دیتے ہیں۔

تم بھولے تو نہیں ہو گے مکرم' بہت عرصے تک اس حویلی کی دیواروں میں ایک بازگشت سنائی دیتی رہی تھی۔ ریشماں اور عبداللہ کی نسبت طے ہو جانے کی بازگشت۔ بعد میں تمہارے بابا جان کے حکم پر سب نے اپنی زبانیں سی لی تھیں تب تک یہ...... بازگشت ریشماں کے کانوں میں بھی پہنچ چکی تھی۔

ایک لڑکی جس کی زندگی گنی چنی اینٹوں کی ایک چار دیواری کے اندر ہی بسر ہو رہی ہو۔ اس سے کیا ردِعمل ہوگا۔ دبے دبے لفظوں میں ہونے والا یہ تذکرہ اگر اس کے دل میں اتر گیا تو کیا عجب؟ اتنی محدود سی دنیا میں اس کے پاس سوچنے کے لیے اور تھا ہی کیا؟

خواب ہر لڑکی دیکھتی ہے' ایک خوبصورت دنیا کے' حسین اور انوکھے بندھن کے' خوابوں کی عمر میں پہنچ کر اگر اس نے اپنے گرد تخیلاتی دنیا قائم کر لی اور اپنی اس دنیا میں مگن رہنے لگی تو یہ حیرت

کی بات تو نہیں ہے۔

مگر حقیقت کی دنیا بہت تلخ ہوتی ہے۔ تم لوگوں نے اس کے سامنے بھی کچھ ڈھیر کر دیا' مگر کبھی کسی کو خیال نہیں آیا کہ اسے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے تو بس اپنے خواب کی تعبیر چاہیے' جو ملنا ناممکن ہے۔

بہت بڑی آزمائش میں مبتلا ہے وہ' بہت اذیت سہہ رہی ہے۔ دیکھو کب تک اور یہ سب سہنا پڑتا ہے۔ شاید زیادہ عرصہ نہ لگے۔ اس حویلی کی بیٹیوں کی عمریں مختصر ہی ہوتی ہیں۔'' انہوں نے آہ بھری۔

مکرم کے لیے گویا کسی نئی دنیا کا دروازہ کھل گیا تھا' جسے نہ تو پہلے اس نے دیکھا تھا اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سنا تھا۔ ایسا بھی کہیں ہوتا تھا؟ اس کی دنیا بہت مختلف تھی۔ زمینیں' دوست' شکار کا پروگرام' تفریح' جدید اسلحہ' نئے ماڈل کی گاڑیاں اور بس۔ حویلی کے اندر کی دنیا سے اس کا بس اسی قدر واسطہ تھا کہ روز اماں جان اور آپی کو سلام کرنا اور ان کا حال چال دریافت کرنا ہے اور گاؤں میں ہونے کی صورت میں دن میں کسی ایک وقت کا کھانا ان کے ساتھ کھانا ہے۔

کمرے کا دروازہ احتیاط کے ساتھ کھلا اور خادم حسین اندر داخل ہوا۔ ان دونوں کو جاگتے ہوئے دیکھ کر وہ آگے بڑھ آیا۔

''آپ دونوں جاگ رہے ہیں؟''

''ہاں بیٹا! خیریت تو ہے' پریشان لگ رہے ہو؟'' اماں جان کا دل ہول اٹھا۔

''جی اماں جان! میں مکرم کو ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا تھا۔'' وہ ان کے قریب چلا آیا۔

''کیا ہوا؟'' مکرم نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''مولوی صاحب آئے ہیں' بہت پریشان ہیں' ماہ بانو ابھی تک گھر نہیں پہنچی۔''

''گھر نہیں پہنچی؟ صبح یہاں آئی تھی وہ؟'' اماں جان نے گھبرا کر کہا۔

''انہیں بتا دیں کہ وہ جا چکی ہے' اس کے بعد وہ کہاں گئی' یہ ہمارا دردِ سر تو نہیں ہے۔'' مکرم نے بے رخی سے کہا۔

خادم حسین نے اسے گھورا۔

''یہ ہمارا ہی دردِ سر ہے' رات بہت ہو گئی ہے' ریشماں سو چکی ہوگی' لیکن میرے خیال میں اسے جگا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

''ہاں بیٹا! اسے جگا کر پوچھ لو۔ کسی کی بچی ہے' یہاں آئی تھی تو ہماری ہی ذمہ داری تھی ناں؟'' اماں جان نے جلدی سے کہا۔

''میرے سامنے گئی تھی وہ۔ اس کے بعد میں اور ریشماں آپی باتیں کرتے رہے ہیں' پہلے بھی شاید آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب مولوی صاحب نے پتا کروایا تھا' اس وقت بھی انہیں

بتا دیا تھا کہ وہ جا چکی ہے۔ حویلی سے نکل کر وہ کہاں جاتی ہے' یہ اس کی اپنی ذمہ داری ہے۔ وہ ٹھہر کر مولوی صاحب کا انتظار بھی کر سکتی تھی۔'' مکرم نے کہا۔

''پھر تو ریشماں کو بھی علم نہیں ہوگا۔'' اماں جان پریشانی سے بولیں۔

''ظاہر ہے' انہیں کیا خبر ہو سکتی ہے۔''

''جاؤ بیٹا کہیں جا کر اسے ڈھونڈو۔ میرا تو دل ہول رہا ہے۔ اکیلی بچی پتا نہیں کہاں ہوگی۔ خدانخواستہ کچھ ہو نہ گیا ہو اسے۔ کہیں گر کر چوٹ نہ لگ گئی ہو۔'' اماں جان نے کہا۔

''آپ آرام کریں' میں اور خادم بھائی دیکھ لیتے ہیں۔'' مکرم بستر سے اترتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔

خادم حسین' ماہ بانو کی اس طرح گمشدگی پر پریشان تھا۔ مکرم اب تک اس معاملے میں کسی فیصلے تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ یہ طے کرنا بہت مشکل تھا کہ اسے کیا کرنا تھا۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے وہ اس پر اچھی طرح سوچ لینا چاہتا تھا اور اسی لیے فوری طور پر وہ ماہ بانو کے بارے میں کسی کو بھی بتانا نہیں چاہتا تھا۔

''کہاں جا سکتی ہے وہ؟ ایسی لڑکی نہیں ہے ماہ بانو جو کسی غیر ذمہ داری کا ثبوت دے۔'' خادم حسین نے جیسے خود سے کہا۔

مکرم خاموشی سے اس کے ساتھ چلا گیا۔ بیٹھک میں مولوی صاحب کھڑے ہوئے تھے۔ بے چینی اور پریشانی ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

''آپ کھڑے کیوں ہیں مولوی صاحب' تشریف رکھیں۔'' خادم حسین نے اندر داخل ہو کر کہا۔

''میں ٹھیک ہوں شاہ صاحب' بانو بیٹا کی کچھ خبر ملی؟''

''ہم نے پتا کروایا ہے' مگر وہ حویلی میں نہیں ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد...... کچھ دیر بعد ہی وہ چلی گئی تھی۔'' خادم حسین نے بتایا۔

''مگر وہ گھر تو نہیں پہنچی۔''

''گھر نہیں پہنچی تو کہیں اور چلی گئی ہوگی۔ اس حویلی کی چاردیواری کے باہر وہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔'' مکرم نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''گستاخی معاف شاہ صاحب لیکن اس گاؤں کا ہر فرد آپ کی ہی ذمہ داری ہے۔ ہم غریب یہاں نہیں آئیں گے تو کہاں جائیں گے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مولوی صاحب' ہم ابھی اسے تلاش کرنے کو کہتے ہیں۔'' خادم بولا۔

''آپ نے کہیں اور بھی پتا کیا یا نہیں؟ ہو سکتا ہے کسی اور کے ہاں چلی گئی ہو' کسی دوست'

رشتہ دار کے ہاں۔ شام کو بادل بھی چھائے ہوئے تھے۔ پتا نہیں بارش ہوئی یا نہیں۔ اگر بارش ہوئی ہے تو ممکن ہے' وہ کہیں ٹھہر گئی ہو۔'' اب کے مکرم نے قدرے نرمی سے کہا۔

''بارش نہیں ہوئی اور بانو کی دوستی یہاں صرف ریشماں کے ساتھ ہے۔ وہ کسی رشتہ دار کے گھر بھی نہیں جاتی۔'' مولوی صاحب بولے۔

''آپ فکر مت کریں' ہم ابھی پتا کرواتے ہیں' بلکہ آپ گھر جا کر آرام کریں۔ وہ اس گاؤں میں یا آس پاس ہوئی تو ہم دو گھنٹے کے اندر اندر اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔'' خادم حسین نے کہا۔

''فکر کیسے نہ کروں شاہ صاحب!'' مولوی صاحب کی آواز بھرا گئی۔

خادم حسین مکرم کی طرف مڑا۔

''تم بندے تیار کراؤ۔ ہم خود بھی جائیں گے۔''

''شاہ صاحب! ہمارے پاس ایک عزت ہی ہے نہ اونچی۔ پکی حویلیاں ہیں اور نہ دھن دولت۔ اس عزت پر حرف آ گیا تو ہم جیتے جی ختم ہو جائیں گے۔ یوں تو یہ بات سارے گاؤں میں پھیل جائے گی۔ میری نواسی بہت معصوم ہے۔ اس طرح سے تو اس کے دامن پر داغ لگ جائے گا۔''

آنسو مولوی صاحب کی سفید داڑھی میں جذب ہونے لگے۔

''پھر کیا کریں ہم؟ ہاں ڈھونڈا تو اسی طرح جاتا ہے۔ یہاں بیٹھ کر الہام نازل نہیں ہوگا۔'' مکرم بگڑ کر بولا۔

خادم حسین نے مکرم کو بری طرح سے گھورا۔

مولوی صاحب سر جھکا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

لمحوں میں ہی وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھے لگنے لگے تھے۔

''میں کیا جواب دوں گا اپنی بیٹی کو؟ اس نے تو بانو کو اس لیے یہاں بھجوایا تھا کہ وہ محفوظ رہے گی۔ یہاں اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ ڈھے سے گئے۔

''آپ خاطر جمع رکھیے مولوی صاحب۔ کچھ نہ کچھ کرتے ہیں ابھی۔'' خادم حسین بولا۔

وہ بھی ماہ بانو کی گمشدگی سے کم پریشان نہیں تھا۔

☆=====☆=====☆

نوری اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔ جنت بائی کے الفاظ نے اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ جو کچھ انہوں نے کہا تھا' وہ سب غلط تھا' جھوٹ تھا۔ اس میں ایک فیصد بھی سچائی نہیں تھی' لیکن وہ الفاظ نوری کو بھی اندر سے توڑ پھوڑ دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے ماں باپ کون تھے' وہ کتنے بہن بھائی تھے۔ اس کا گھر کہاں تھا اور اس نے گھر کو چھوڑا تھا تو کیوں چھوڑا

تھا۔

ایک مرتبہ اپنے گھر اور گھر والوں کو خیر باد کہہ دینے کے بعد اس نے شعوری کوشش سے انہیں بھلانے کی کوشش کی تھی اور جنت بائی کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ اپنی ماں' بہن' سہیلی' استاد سبھی کچھ۔ انہوں نے بھی اس سے جو وعدہ کیا تھا' اسے پورا کر دکھایا تھا۔ نوری کے لیے جنت بائی کا وجود ضروری تھا' اسے اپنی بقاء کے لیے جنت بائی کی ضرورت تھی۔ پھر وہ فلموں میں آ گئی۔ یہ وقت تھا جب وہ ان سے بآسانی نظریں چرا سکتی تھی' مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی شرم باقی تھی کہ اپنی محسنہ کو اچھے وقت میں فراموش نہ کرتی اور پھر یہ محض احسان مندی بھی نہیں تھی۔ اب اسے ان سے محبت ہو چکی تھی' اس کا مختصر سا خاندان اس پر اور جنت بائی پر ہی مشتمل تھا۔

گھر چھوڑنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ نوجوانوں کے سر پر بزرگوں کا سایہ کتنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ یہی احساس تھا جس کی وجہ سے وہ جنت بائی سے بے حد قریب ہو گئی تھی۔ وہ انہیں وہی درجہ دیتی تھی' جو اپنی سگی ماں کو دے سکتی تھی۔

یہ تو نوری کو معلوم تھا کہ جنت بائی پیر صاحب رجب علی شاہ سے اپنا بہت پرانا بدلہ لینا چاہتی تھیں لیکن وہ بدلہ اس قدر سنگین ہوگا' اس کا اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے اسے ایک کہانی سمجھائی بلکہ رٹائی تھی۔ کاغذ قلم لے کر انہوں نے ایک ایک فقرہ جوڑا تھا۔ اسے یہ علم نہیں تھا کہ کہانی کا اختتام کیا ہوگا۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ اسے بس اتنا کہنا تھا۔ نوری نے بھی اپنے کردار سے آگے کچھ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

اس کے بعد سب کچھ جنت بائی کی خواہش کے مطابق ہوا تھا۔ کہانی کے جو مناظر' جو الفاظ کاغذ پر بے جان نظر آتے تھے' انہوں نے حقیقت کا روپ لیا تھا تو وہ کتنے بدلے بدلے لگ رہے تھے۔

جنت بائی کی لکھی ہوئی اس کہانی کا اختتام ہوا تو نوری نے انہیں صرف ایک نظر دیکھا تھا۔ ایک نفرت بھری نظر اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

☆=====☆=====☆

ریشماں کو محسوس ہو رہا تھا' جیسے وہ رات کبھی ختم نہیں ہوگی۔ ایک ایک لمحہ جیسے ایک ایک صدی تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا وہ اس کا سجا سجایا کمرا نہ ہو' بلکہ پھانسی پانے والے کسی مجرم کی تاریک کوٹھڑی ہو اور وہ پل پل گن کر اس وقت کا انتظار کر رہا ہو' جب چرچراہٹ کی مدہم سی آواز کے ساتھ دروازہ کھول کر کوئی صدا لگائے۔

''پھانسی کا وقت ہو گیا ہے' تیار ہو جاؤ۔''

اس کی کیفیت بھی ایک [illegible] کا دل چاہ رہا تھا کہ اس رات کی کبھی صبح نہ ہو

اور دوسری طرف اسے ان دیواروں سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' لیکن ان میں سے کوئی بھی واضح نہیں تھی۔ بس کچھ چہرے تھے' کچھ بے ربط سے فقرے کہیں اماں جان تھیں اور کہیں اس کی اماں جی' کہیں بھائی تھے اور کہیں عبداللہ اور ان سب کے بیچ ماہ بانو تھی۔

مسہری سے ٹیک لگا کر قالین پر بیٹھے بیٹھے وہ تھک گئی تھی مگر اسے اس بات کا احساس نہیں تھا۔ ہاں جب اسے لگا کہ اب سوچوں سے پاگل ہو جائے گی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی تھی' کہاں جا رہی تھی۔ ہوش آیا تو وہ اماں جان کے کمرے میں تھی۔

''میں بہت بری ہوں اماں جان' بہت بری۔''

اماں جان نے بلکتی ہوئی ریشماں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''کس نے کہا کہ تم بری ہو' تم تو بہت اچھی ہو' بہت پیاری بیٹی ہو میری۔'' وہ بولیں۔

''نہیں' میں اچھی نہیں ہوں' وہ سارا خون پھیلا ہوا ہے ناں امداد بھائی کا' میری وجہ سے میں نے قتل کیا ہے ناں انہیں' اب سب آئیں گے مجھے پھانسی لگانے کے لیے' عبداللہ کا خون بھی ویسے ہی پھیلے گا' اسے بھی لے جائیں گے دفن کر دیں گے۔''

وہ ہچکیوں کے درمیان ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھی۔ فقرے بے ربط اور بے ترتیب تھے۔ اماں جان اس کا سر گود میں رکھ کر تھپکنے لگیں۔ اسی طرح بولتے اور روتے ہوئے وہ سو گئی۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو کے لیے وہ اس کی زندگی کے سب سے اذیت ناک لمحے تھے۔ ہوش میں آنے پر وہ ایک اجنبی کمرے میں تھی۔ سجی سجائی وہ خواب گاہ اس نے کبھی پہلے نہیں دیکھی تھی۔ چند لمحوں میں ہی اسے اپنے اوپر بیتنے والا واقعہ یاد آ گیا تھا۔

متوحش سی نگاہوں سے اس نے اپنے اردگرد دیکھا۔ کمرا خالی تھا' وہ صاف ستھرے ڈبل بیڈ پر نرم لحاف کے اندر تھی۔ بجلی کا ہیٹر بھی جل رہا تھا۔ باہر کی خنکی کا اندر احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی نگاہ دروازے کی طرف اٹھی' جو بند تھا۔ اپنی چادر کی تلاش میں اس نے اِدھر اُدھر دیکھا' لیکن وہ کہیں نہیں تھی۔ بستر سے اتر کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھی' اسے کھولنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ باہر سے لاک تھا۔

''بانو! یہ وقت اپنے حواس کھونے کا نہیں ہے۔ اب تک محفوظ ہو' ابھی یہاں سے نکل گئی تو نکل گئی ورنہ......!'' اس سے آگے سوچنا بھی اس کے لیے محال تھا۔ کمرے میں دروازے کے علاوہ کھڑکیاں بھی تھیں' لیکن وہ بھی بند تھیں۔ ڈرائینگ روم کے سامنے پردہ گرا ہوا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پردہ اٹھایا اور اندر جھانکا' مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اندر داخل ہو گئی۔ داہنی دیوار کے ساتھ الماریاں تھیں اور بائیں دیوار کے ساتھ باتھ روم کا دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ وہاں کافی اوپر کی جانب ایک چھوٹی سی کھڑکی تھی' جس میں جالی اور لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی۔ وہ مڑ کر ڈریسنگ روم میں آ گئی اور الماری کھولنے لگی۔ چند ہینگروں پر مردانہ کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ دوسری الماری میں ترتیب وار بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ ماہ بانو نے گھبرا کر الماری بند کر دی اور کمرے میں آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

خوف آہستہ آہستہ اس کے اندر سرائیت کرتا جا رہا تھا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہاں سے نکلنا تقریباً ناممکن تھا۔ یہ بھی وہ جانتی تھی کہ اسے یہاں لانے والا اتنا احمق تو نہیں ہوگا کہ اسے ایسی جگہ بند کرے' جہاں سے اس کی آواز باہر نکل سکتی ہو۔ اسے اس شخص کا لہجہ یاد آ گیا۔

''[illegible] خاموشی سے [illegible] ورنہ یہیں ذبح کر دوں گا۔''

کتنا سرد' کتنا سفاک لہجہ تھا اس کا۔ وہ کوئی دھمکی نہیں تھی۔ ماہ بانو کو یقین تھا کہ وہ یہ سب کر بھی سکتا تھا۔ اب تک اس کی کلائی بھی بہت دُکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا تھا' یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

''مگر وہ کون ہو سکتا ہے' جس نے اس قدر گھٹیا اور کمینی حرکت کی ہے؟'' اس نے سوچا۔

جواب کے لیے اسے زیادہ تردد کی ضرورت نہیں تھی۔

''ظاہر ہے پیر صاحب کے گھرانے کا ہی کوئی فرد ہوگا۔ ان کا کوئی بیٹا۔ یہاں کسی اور میں نہ اتنی ہمت ہے اور نہ ہی کسی کے پاس اتنے ذرائع ہیں کہ وہ اغوا ہونے والی لڑکی کو ایسی جگہ رکھے' مگر کیا یہ حویلی ہے؟ نہیں' وہ جو بھی تھا مجھے حویلی میں نہیں لایا ہوگا پھر میں کہاں ہوں؟''

اسے اتنی بے بسی محسوس ہو رہی تھی اور وہ اس قدر خوفزدہ تھی کہ گھٹنوں میں سر دے کر کتنی دیر تک روتی رہی۔

اس وقت اسے ابا اور اماں جی یاد آ رہے تھے۔ عبداللہ یاد آ رہا تھا۔

''ان میں سے کسی کو خبر ہوتی تو مجھے اب تک ڈھونڈ نکالتے۔ میرے سب اپنے کہاں ہیں۔ انہیں کیا پتا کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔''

☆=====☆=====☆

پیر صاحب کو ایک پرائیویٹ کلینک میں داخل کروا دیا گیا تھا۔ ان کی حالت سخت خراب تھی۔ ان کا خاص ملازم کرم داد انہیں وہاں لے کر آیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ مکان کے اندر کیا ہوا تھا۔ وہ باہر گاڑی میں ان کا انتظار کر رہا تھا جب ایک ملازم نے آ کر اسے ان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دی تھی۔ وہ اسی وقت انہیں کلینک لے آیا تھا۔ ابھی اس کا ارادہ حویلی میں اطلاع دینے کا تھا' جب پیر صاحب نے اسے اس بات سے سختی سے منع کر دیا۔

''اب حویلی میں ہمارے مرنے کی اطلاع ہی جائے گی۔'' انہوں نے کہا تھا۔

''اللہ آپ کو لمبی زندگی دے پیر صاحب!'' اس نے جلدی سے کہا۔

''ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی لمحے ہمیں موت دے دے۔ ہمارے مرنے سے پہلے تم حویلی میں کوئی اطلاع نہیں پہنچاؤ گے۔''

کرم داد تذبذب میں تھا کہ کیا کرے۔ حکم عدولی کی جرأت نہ تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی خدشہ تھا کہ بعد میں پیر صاحب کے صاحبزادوں سے اس بات پر کھینچا تانی نہ ہو جائے۔

☆=====☆=====☆

مکرم نے رجو اور کریمن سے اگلوا لیا تھا۔ رجو نے کریمن پر رعب ڈالنے کے لیے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ اسے باور کرانا چاہتا تھا کہ حویلی میں شاہوں کے درمیان اس کی کیا اہمیت

تھی۔ بعد میں کچھ باتیں کریمن نے اس سے خود معلوم کی تھیں۔ کریمن نے پوچھ گچھ کے دوران بتایا تھا کہ اسے ریشماں کی محبت کے متعلق معلوم تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ کبھی ریشماں نے اسے اپنا رازداں بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہی سب ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے اس منصوبے کے متعلق اسے خبر دی تھی اور یہ بھی کہ مکرم اور خادم حسین کے منتخب کردہ افراد کے علاوہ صرف کریمن' ریشماں اور ماہ بانو ہی اس راز سے واقف تھے۔

یہ سب جاننے کے بعد بھی مکرم ذہنی تناؤ کا شکار تھا۔ اس کی سوچیں بھٹک رہی تھیں۔ یہ سمجھ میں آنا مشکل تھا کہ اب اسے کیا فیصلہ کرنا تھا۔ ایک روز بعد صبح سویرے سویرے انہیں عبداللہ کو قتل کرنا تھا۔ سوچنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔

وہ اٹھا اور ڈیرے کی طرف چل دیا۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو نے اپنے حواس قائم رکھنے کی بہت کوشش کی تھی' خود کو سمجھایا تھا کہ اس وقت گھبرانے اور حواس کھو دینے کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہوگا' مگر کب تک' وہ خوفزدہ تھی' بے بس تھی' بے خبر تھی کہ آنے والے وقت میں اس پر کیا بیتنے والا تھا۔ یہ سب کچھ اس کی ذہنی حالت تباہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ خاموشی سے آنسو بہاتے بہاتے وہ چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ اس نے بری طرح سے دروازہ پیٹ ڈالا تھا' پاگلوں کی طرح ایک ایک کھڑکی کھولنے کی کوشش کی تھی' مدد کے لیے چلائی تھی' مگر یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ کسی ویرانے میں ہو' جہاں اس کی بات سننے والا کوئی بھی نہ ہو۔

اس کا حلق خشک ہو گیا تھا' آنکھیں سوج چکی تھیں' ہونٹوں پر پپڑیاں جمنے لگی تھیں' سر چکرا رہا تھا۔ ہر کوشش بے سود ثابت ہوتے دیکھ کر وہ نڈھال ہو کر دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی اور گھٹنوں میں سر دے کر رونے لگی تھی۔

رات بیت چکی تھی۔ صبح کی سپیدی پھیلے بھی کتنی دیر ہو چکی تھی۔ اسے وقت کا بالکل اندازہ نہیں تھا' یہاں لانے والے نے اس کی کلائی پر بندھی گھڑی اتار لی تھی اس کے علاوہ اس نے کسی چیز کو بھی نہیں چھوا نہیں تھا۔ اس کے کانوں میں سونے کی بالیاں' انگوٹھی اور بریسلٹ سبھی کچھ اسی طرح تھا۔ ہاں گھڑی موجود نہیں تھی' وہ جو کوئی تھا' شاید یہ نہیں چاہتا تھا کہ ماہ بانو کو وقت کا اندازہ ہو سکے۔ یہی کلائی اس نے پکڑی تھی اور گھڑی کی چین کی رگڑ سے اس پر چھوٹے چھوٹے زخم بن گئے تھے۔

''پتا نہیں نانا جی اور بڑی اماں کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ بڑی اماں تو پاگل ہو رہی ہوں گی۔ ہائے کاش! میں نے نانا جی کا انتظار کر لیا ہوتا' مگر مجھے کیا پتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔''

ساری رات گزر گئی۔ بڑی اماں کی طرف تو میلہ سا لگا رہتا ہے۔ عورتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ [illegible] نے میرے بارے میں پوچھا ہوگا تو بڑی اماں نے انہیں کیسے مطمئن

کیا ہوگا کیسی کیسی کہانیاں بن جائیں گی میرے خدا۔

اور وہ کون ہے جو مجھے یہاں بند کر گیا؟ اور کیوں؟

مجھے اس طرح بند کر دینے کا مطلب!

سوچیں بے شمار تھیں' جو ذہن میں چکراتی پھر رہی تھیں۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی' مگر یہ اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ہر واقعہ' ہر سوال اپنے آپ ابھر رہا تھا۔

اچانک ڈور لاک میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔ ماہ بانو خوف کے مارے وہاں سے ہل بھی نہیں سکی۔ ہینڈل گھوما اور دروازہ کھول کر مکرم اندر داخل ہو گیا۔

ماہ بانو کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کے بدترین خدشات درست ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے ماہ بانو کا جائزہ لیا۔ وہ نہ جانے کتنی دیر تک روتی رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں سرخی اور سوجن اتر آئی تھی' چہرہ ستا ہوا تھا' بال الجھ رہے تھے' آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں لیے' متوحش سی نگاہوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے کچھ کھایا پیا؟'' مکرم نے اس کے پپڑی زدہ ہونٹ دیکھ کر پوچھا۔

اس کے الفاظ میں شاید ہمدردی ہو' لیکن لہجہ کسی بھی قسم کی ہمدردی کے جذبے سے عاری تھا۔ ماہ بانو اسی طرح اسے تکتی رہی' کچھ بولے بغیر۔

مکرم ایک گلاس اٹھا کر روم ریفریجریٹر کی طرف بڑھا اور پانی کی بوتل نکال لی۔

''یہ پی لو۔'' وہ پانی سے بھرا ہوا گلاس لے کر اس کی طرف بڑھا۔

ماہ بانو تیزی سے اٹھ کر صوفے کے پیچھے چلی گئی۔

''میرے قریب مت آنا۔''

''پانی پیو۔'' مکرم نے سختی کے ساتھ حکمیہ لہجے میں کہا اور پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

ماہ بانو نے ہاتھ مار کر گلاس پرے پھینک دیا۔

''میرے اوپر اس پانی کا ایک قطرہ بھی حرام ہے' مجھے گھر جانا ہے اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔''

مکرم چند لمحے ہونٹ بھینچے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس کی اس حرکت پر جواباً اس کے منہ پر کس کے طمانچہ مارے۔

''تم نے دیکھا تھا مکرم!'' اس کے کانوں میں خادم حسین کے الفاظ گونجے۔

''اس لڑکی میں کتنی شان ہے' کتنی تمکنت تھی' مجھے ایسی ہی کسی لڑکی کی تلاش تھی۔ میرا آئیڈیل ایسی ہی لڑکی ہے اسی لیے میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے یا اس کی چھوٹی سی انا پر کوئی ضرب لگے۔''

اس نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا اور بولا۔

''یہاں تم محفوظ ہو' تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بس مجھے تم سے چند ایک سوال کرنے

ہیں۔ان کا ٹھیک ٹھاک جواب دے دو‘اس کے بعد تمہیں جانے کی اجازت ہوگی۔‘‘

جس وقت سے ماہ بانو خوفزدہ تھی‘ جب وہ وقت آیا تو اسے لگا‘ جیسے خوف کی ہر دیوار گر چکی ہو۔

’’ان دیواروں میں‘ میں محفوظ ہوں؟ جھوٹ کہتے ہو۔ اغوا کر کے لائی جانے والی کوئی عورت‘ کوئی لڑکی کبھی بھی محفوظ نہیں ہوا کرتی۔‘‘ اسے خود بھی خبر نہیں تھی کہ وہ روتے ہوئے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔

’’میں جو پوچھ رہا ہوں‘ اس کا جواب سچ سچ دو۔‘‘ مکرم نے اس کی بات نظر انداز کر کے کہا۔ ’’تمہیں عبداللہ کے قتل کے منصوبے کے متعلق کس نے بتایا۔‘‘

ماہ بانو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

’’تو یہ بات تھی۔‘‘ اس نے سوچا۔ ’’مگر اس کے متعلق اسے اتنی جلدی کیسے خبر ہوگئی؟‘‘

مکرم بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ بولا۔

’’اس منصوبے کے متعلق اور کس کس کو معلوم ہے؟‘‘

وہ پھر کچھ نہ بولی۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے دوبارہ پوچھا۔

’’کیا اس سے پہلے تمہیں اس منصوبے کے متعلق بھی معلوم تھا‘ جس میں امداد بھائی قتل ہوئے تھے؟‘‘

ماہ بانو کے ہونٹ اب بھی سلے ہوئے تھے۔

’’تم ریشماں آپی کی واحد رازدار دوست ہو۔ عبداللہ شاہ کے متعلق ان کے کیا محسوسات ہیں؟‘‘

ماہ بانو کے ذہن میں اماں جان کی حویلی کے متعلق سنائی ہوئی کہانی کا ایک کردار تازہ ہو گیا۔۔زیب النساء......

’’کیا یہ ریشماں کو قتل کر دے گا؟‘‘ اس نے خوف سے سوچا۔

’’میں منتظر ہوں‘ تم مجھے ان سوالوں کے جواب دے دو۔ جب تک نہیں دوگی‘ تب تک میں یہیں رہوں گا۔‘‘ مکرم دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

ماہ بانو نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ یوں ہی اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا‘ جیسے فی الحال اسے وہاں سے اٹھنے کی کوئی جلدی نہ ہو۔ اس نے سگریٹ کیس سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ ماہ بانو کا دل چاہ رہا تھا کہ اسے شوٹ کر دے۔ نفرت کا لاوا تھا‘ جو اندر ہی اندر ابل رہا تھا۔ خوف کی جگہ آہستہ آہستہ غصے نے لے لی تھی۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس کی بوٹی بوٹی الگ کر لیتی‘ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھ لیے۔

’’سنو مکرم علی شاہ!‘‘ وہ بولی تو اس کا لہجہ نفرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ ’’میرے پاس تمہارے ہر

URDU PHOTO

ایک سوال کا جواب ہے۔ یوں بھی یہ سوالنامہ اتنا مشکل نہیں ہے‘ جسے آسانی سے حل نہ کیا جا سکے‘ نہ ہی ایسا ہے جس کا جواب میں دینا نہ چاہوں۔ پھر بھی میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہیں صرف اتنی سی باتیں معلوم کرنے کے لیے اتنا تردد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے اغوا کیا‘ یہاں لا کر رکھا‘ یقیناً باہر پہرے دار بھی بٹھائے ہوں گے‘ آخر کیوں؟ ان میں سے ہر سوال کا جواب تو تمہاری اپنی حویلی میں ہے۔ پھر تم سب مجھ ہی سے یہ ساری باتیں کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو۔

عبداللہ جاننا چاہتا ہے‘ اپنے خاندان کے ماضی کی اس کڑی کے بارے میں جو اس دشمنی کی ابتداء ٹھہری تھی۔ ریشماں اس شخص کو بددعا دینا چاہتی ہے‘ جو اس دشمنی کی وجہ بنا اور مجھ سے پوچھتی ہے اپنی ماں جی کے متعلق اور اب تم آئے ہو ایک نیا سوالنامہ لے کر۔

کیوں؟ میں کہاں ہوں اس سارے کے بیچ؟ رجب علی شاہ اور حیدر علی شاہ اپنے اپنے کیے کی فصلیں کاٹ رہے ہیں اور تم لوگ ان کی اولادیں ہو۔ میرا اس خاندان سے کیا تعلق؟ جاؤ ہر حقیقت تمہاری اپنی حویلی میں ہے‘ وہاں جا کر ڈھونڈو‘ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔‘‘

مکرم خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کیا باتیں کر رہی تھی اسے کچھ علم نہیں تھا۔ اس کا اشارہ کس طرف تھا‘ وہ کچھ نہ جان سکا۔ اس کے ذہن میں بہت سی باتیں الجھنے لگی تھیں۔ اس نے ماہ بانو سے چند بہت معمولی سے سوال پوچھے تھے۔ جن میں سے بیشتر کے جواب بھی اسے معلوم تھے۔ اصل سوال تو صرف ایک ہی تھا۔ ریشماں اور عبداللہ کے متعلق۔ باقی سوال صرف ماہ بانو کی سچائی جاننے کے لیے پوچھے تھے اس نے۔

’’یہ میرے سوالوں کے جواب نہیں ہیں۔‘‘

’’تمہیں ان سوالوں کے جواب ملیں گے بھی نہیں۔ جاؤ ریشماں سے پوچھو کہ وہ عبداللہ کے بارے میں کیا محسوس کرتی ہے۔ میری نسبت اس کا تم سے زیادہ گہرا رشتہ ہے۔ سوتیلے سہی‘ لیکن بھائی ہو۔‘‘

’’میری بات سے انکار کر کے اچھا نہیں کر رہی ہو شاید تمہیں نتائج کا اندازہ نہیں ہے۔‘‘ مکرم نے کہا۔

اس کا خیال تھا کہ دھمکی کام کر جائے گی اور وہ اس سے یہی نہیں اور بھی بہت کچھ اگلوا لے گا‘ جس کا اس نے اپنی گفتگو میں اشارہ کیا تھا۔

’’مجھے نتائج کا اندازہ ہے۔‘‘ وہ چلائی۔ ’’کیا کر لو گے؟ عزت لے لو گے‘ جان لے لو گے؟ تمہاری مردانگی سے یہی توقع ہے مجھے۔‘‘

''شٹ اپ۔'' مکرم دھاڑا۔

''آواز کا والیوم بڑھا کر کیا ثابت کر رہے ہو تم؟ تمہاری ذہنیت بھی تمہارے باپ کی طرح گھٹیا ہے۔ سچ بہت کڑوا ہوتا ہے۔ تم نے بھی اپنی بہن کو دیواروں اور پردوں میں چھپا کر یہ سوچ لیا ہے کہ جس عورت پر قدرت کی نعمتیں حرام ہیں' جسے ہوا نہیں چھو سکتی جس تک دھوپ اور چاندنی نہیں پہنچ سکتی' صرف وہی عورت قابلِ عزت ہے اور ہر اس عورت کو اپنے عشرت کدے کی زینت بنایا جا سکتا ہے جو کھلی ہوا میں نکلتی ہے۔ ہر اس عورت کی تذلیل کی جا سکتی ہے جو گھر سے باہر دکھائی دیتی ہے۔

مگر معلوم ہے کیا ہوتا ہے ان عورتوں کے ساتھ جنہیں تم زندہ ہی اپنی حویلیوں کے اندر دفن کر دیتے ہو؟ تمہاری پھوپھو زیب النساء کی طرح وہ چور دروازے تلاش کر کے نکل بھاگتی ہیں۔ حویلی کے اندر چور دروازے کھولنے مشکل ہوں تو اپنی ذات کے اندر چور دروازے کھول لیتی ہیں جیسا کہ تمہاری بہن ریشماں نے کیا۔

یاد رکھو' مکرم علی شاہ کہ یہ سب کرنا تمہاری حویلی کی روائتیں ہیں۔ میں تمہاری حویلی کی عورتوں سے زیادہ قابلِ عزت ہوں جسے کسی چور دروازے کی تلاش نہیں ہے۔ نہ میں نے حالات سے فرار اختیار کیا ہے اور نہ میں گھر سے بھاگی ہوں۔ میرا گھر تمہاری حویلی کی طرح شاندار نہیں ہے' چھوٹا ہے۔ آسائشوں میں کم ہے لیکن اس کی دیواریں تمہاری حویلی کی دیواروں کی طرح داغدار نہیں ہیں۔

تمہارے بس میں جو کچھ ہے کر گزرو۔ میں تمہیں خدا رسول ﷺ...... کے واسطے نہیں دوں گی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم پر ان میں سے کسی کا اثر نہیں ہوگا۔ تم جو چاہو کرو۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ آج میں بھی دیکھوں گی کہ میرا خدا زیادہ بڑا ہے یا تمہارا ظلم۔''

مکرم علی شاہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کس دنیا کی باتیں کر رہی تھی؟ حویلی کی عورتیں زیب النساء پھوپھو اور ریشماں یہ وہ دنیا تو نہیں تھی جس میں وہ رہ رہا تھا۔

اور پھر اللہ تعالیٰ پر اتنا کامل یقین۔ اس نے تو کبھی اس بارے میں سوچنے کی زیادہ زحمت بھی نہیں کی تھی۔ بس وہ مسلمان تھا۔ کلمے آتے تھے۔ بچپن میں آیت الکرسی حفظ کی تھی' تیسویں سپارے کی چند چھوٹی سورتیں بھی ذہن میں محفوظ تھیں۔ ایک مرتبہ بچپن میں ہی قرآن پاک بھی ختم کر لیا تھا۔ اس سے بڑھ کر خدا کہاں تھا؟

اس نے ٹھیک کہا تھا۔ مکرم نے راہ چلتی کسی عورت کو بھی عزت کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی وجہ کیا تھی اس بارے میں سوچنے کا تردد اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اس کا ذہن کہتا تھا کہ یہ غلط تھا۔ عورت کو تو ویسے مقدس ہونا چاہیے تھا جیسے اس کی اماں جان یا ریشماں آپی تھیں۔ انہیں ویسے ہی رہنا چاہیے تھا جیسے وہ دونوں رہتی تھیں۔

ان کے بعد اسے ایک ہی لڑکی اچھی لگی تھی۔ بہنوں جیسی اور وہ تھی زینی۔ حیدر علی شاہ کی بیٹی۔ اس روز اسے حیرت ہوئی تھی کہ گھر کی چار دیواری سے نکلنے والی کوئی لڑکی اتنی معصوم بھی ہو سکتی تھی۔ بعد میں اس نے زینی کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا تھا۔ وہ دشمن کی بیٹی تھی۔ ایسے دشمن کی جس نے خاندن کی روایات کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔

مگر آج اسے لگا تھا کہ جو زندگی وہ گزارتا رہا تھا اس میں بہت سے جھول تھے۔ عورت کا تقدس کہاں تھا؟ اس کی حویلی کی اونچی مضبوط دیواروں میں یا اس لڑکی کے لہجے میں جو کہہ رہی تھی کہ ''میرا خدا میرے ساتھ ہے۔ آج میں بھی دیکھوں گی کہ میرا خدا زیادہ بڑا ہے یا تمہارا ظلم۔''

وہ الجھتا جا رہا تھا۔ ایک گتھی سلجھانے کی کوشش کرتا تھا تو کہیں اور سے کچھ الجھ جاتا تھا۔

وہ اٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆=====☆=====☆

بابا اور اماں لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ اندر داخل ہوا۔

''گڑیا کا فون آیا تھا۔'' اس نے بتایا۔

''کیا کہہ رہی تھی؟ خیریت سے ہے ناں؟ زینی کیسی ہے؟'' اماں جان نے بے تابی سے پوچھا۔

''سب بالکل ٹھیک ہیں۔''

''تم نے فون کیوں بند کر دیا۔ میں بھی بات کر لیتی۔''

''گڑیا جلدی میں تھی۔ اسے لائبریری جانا تھا۔ فون اس نے صرف یہ بتانے کے لیے کیا تھا کہ زینی پاکستان آ رہی ہے۔''

''کب؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''آج رات کو پہنچ رہی ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''آج رات؟ یعنی وہاں سے چل پڑی ہے۔''

''جی بابا جان۔''

''اتنے اچانک کیوں؟ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے؟'' وہ پریشان ہو گئے۔

''نہیں۔ پریشانی کی بات تو نہیں ہے۔ آپ کو اس کی عادت کا تو پتا ہے ناں۔ اچانک اس کے دل میں سمائی کہ پاکستان جانا ہے تو پھر اسے روک کون سکتا تھا۔ اس کے رونے پر یوں بھی سب ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔''

''کوئی فوری طور پر نکلے اسے ریسیو کرنے کے لیے ایئرپورٹ پہنچ کر کہیں بچی پریشان نہ ہو۔'' اماں جان فکرمند ہو گئیں۔

''بہت غلط حرکت کی ہے زینی نے۔ یوں پڑھائی چھوڑ کر چلے آنا۔ اب وہ آ تو رہی ہے

لیکن میں چاہوں گا کہ اس کی اس حرکت کو گھر میں کوئی بھی Encourage نہ کرے۔'' بابا جان نے کہا۔

''رہنے دیں علی! بچی ہے۔ دل گھبرا رہا تھا' آ گئی۔ میری تو آنکھیں ترس گئی ہیں اسے اور گڑیا کو دیکھنے کے لیے۔ پڑھنے کو ساری عمر پڑی ہے۔ آپ نے اسے کچھ کہا تو خواہ مخواہ اس کا دل برا ہو جائے گا۔'' اماں جان بولیں۔

''یہی وقت ہوتا ہے بننے اور بگڑنے کا۔ اس وقت اسے نہ سمجھایا گیا تو وہ کبھی نہیں سمجھے گی۔''

''جانے بھی دیں۔ اتنی سی بات پر اتنا غصہ۔ اتنی چھوٹی سی تو ہے وہ۔ ساری زندگی ہم سے دور رہی ہے۔ کہتی رہی ہم سے آنے کو۔ ہم نہ گئے تو کیا اب خود بھی نہ آتی۔ میں بتا رہی ہوں کہ اسے ملتے ہوئے کسی کے ماتھے پر بل نہ ہو۔'' پھر عبداللہ سے مخاطب ہوئیں۔ ''بیٹا تم ہی نکل جاؤ لاہور کے لیے۔ تمہارے بابا جان تو میری بات نہیں مانیں گے۔ وہ اتنی دور سے آ رہی ہے۔ اس کے پہنچنے کے ساتھ اسے کچھ کہہ دیا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔''

''میرا فوری طور پر نکلنا تو بہت مشکل ہے۔ میں نے اکٹھے کتنے سارے کام شروع کیے ہوئے ہیں۔ آپ اور بابا جان دونوں چلے جائیں۔ وہ بھی خوش ہو جائے گی۔''

بابا جان اسے اکیلے چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے مگر اب مجبوری تھی۔ اماں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس لیے وہ گاؤں میں ہی رک گئیں۔ وہ انہیں ان کی جیپ تک چھوڑنے آیا۔

''محتاط رہنا بیٹا۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''میری فکر مت کریں بابا جان!''

''کیسے نہ کروں فکر؟'' وہ تھوڑی دیر چپ رہے پھر بولے۔ ''زینی تھکی ہوئی ہوگی مگر ہم لاہور میں زیادہ دیر نہیں ٹھہریں گے۔ صبح نو یا دس بجے تک گاؤں آ جائیں گے۔ اپنی اماں سے کہنا کہ پھر وہ تیار رہیں' ہم دونوں نکلیں گے۔''

''کہاں کے لیے؟''

''ہمیں اس دشمنی کو جڑ سے اکھاڑنا ہے۔ میں تم .... تینوں بچوں کو محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''بڑی حویلی!''

''ہاں' ہم بڑی حویلی جائیں گے۔ بھائی کبھی بھی اتنے دور نہیں ہوتے کہ ٹوٹے رشتے جڑ نہ سکیں۔'' انہوں نے کہا۔

''اس معاملے پر آپ کی واپسی پر بات کریں گے بابا جان!'' عبداللہ بولا۔

لاہور کی طرف جاتے ہوئے حیدر علی شاہ کا ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔ ان کے واضح حکم کے

باوجود عبداللہ نے یہ کہہ کر کہ اس موضوع پر بعد میں بات کریں گے انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ اب بھی مختلف انداز میں سوچ رہا تھا اور ان کے حکم کو آسانی کے ساتھ ماننے پر تیار نہیں تھا۔

انہیں اس کی خوشیاں عزیز تھیں مگر ان کا خیال تھا کہ وہ ایک غلط فیصلے پر مُصر تھا۔ اس کے لیے بہترین بیوی صرف ریشماں ہی ثابت ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی منگیتر بھی تھی۔ دشمنی کی اس آگ کو وہی بجھا سکتی تھی۔ ماہ بانو سے شادی کی صورت میں بڑی حویلی والوں کو یہ رنج ہونا لازمی تھا کہ بچپن کی منگنی ہونے کے باوجود ریشماں کو نظر انداز کر کے خاندان کے باہر کی اور ایک معمولی گھرانے کی لڑکی کو بہو بنایا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک اور دشمنی کی ابتدا ہوتی جس کی آگ عبداللہ کی اولاد تک پہنچتی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اولاد ہوتے ہوئے اولاد کو خود سے دور رکھنے کا جو دکھ فوزیہ بیگم اور انہوں نے اٹھایا تھا' وہی اب ان کے بیٹے کا بھی مقدر بنے۔

یہ سب تو تھا ہی مگر اس کے ساتھ ہی کہیں بہت اندر رہ رہ کر ایک یاد کی کسک جاگ اٹھتی تھی۔ وہ چند الفاظ ان کے ذہن سے کبھی بھی محو نہیں ہو سکتے تھے۔

''سنا ہے بڑے شاہ صاحب ریشماں کی نسبت چھوٹے شاہ صاحب کے صاحبزادے سے طے کر رہے ہیں۔''

''ایسا ہو جائے حمیدہ تو میں سکون سے مر سکوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کے لیے بھی یہ حویلی مقبرہ بن جائے۔ مجھ پر تو جو گزرنی تھی' گزر گئی لیکن میری بیٹی پھولوں کی طرح نازک ہے۔ اس پر یہ سب نہیں گزرنا چاہیے۔''

''یہ تو قسمت کی بات ہے۔''

''اس اوپر والے نے میری بیٹی کو سب کچھ میرے جیسا دیا ہے۔ وہی رنگ و روپ' وہی چہرہ۔ میری دعا ہے کہ اسے میری قسمت نہ ملے۔ شاہ جی میرے لیے کچھ نہیں کر سکے۔ مجھے اس کا شکوہ نہیں ہے لیکن انہوں نے میری بیٹی کو اس در و دیوار سے نہ بچایا تو میں سمجھوں گی کہ انہوں نے کبھی مجھ سے محبت ہی نہیں کی تھی۔ وہ سب جھوٹ تھا' فریب تھا۔''

وقت کا پنچھی دھیرے دھیرے اُڑتا ہوا برسوں کا سفر طے کر چکا تھا۔ اتنے سالوں کی دھول میں بہت کچھ چھپ جاتا ہے۔ مرنے والے کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ سدا ایک ہی شخص سے محبت نہیں کی جا سکتی۔

یہ سب ٹھیک' لیکن وہ کسک اب تک اندر تھی۔ انہوں نے شعوری کوشش کی تھی۔ گوری کو اپنے ذہن سے کھرچنے کی۔ وہ الفاظ کتنے اذیت ناک تھے جو بڑی آپا نے ان سے کہے تھے۔

''مان لو کہ اب اس کی شادی ہو گئی ہے۔ مان لو کہ تم دونوں کے بیچ جو بھی تعلق تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ مان لو کہ اب وہ تمہارے بھائی کی عزت ہے۔ اور تم اپنے بھائی کی عزت سے نہیں کھیل

سکتے۔ تمہیں اتنا احساس بھی نہیں ہوتا کہ اسے بار بار گوری کہہ کر' اس انداز سے اسے یاد کر کے تم اپنے بھائی کی عزت تار تار کر رہے ہو۔

اس کی یاد اتنا ستاتی ہے تو جاؤ اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچ لاؤ۔ مگر تم یہ نہیں کر سکتے۔ کر سکتے ہو؟

وہ تمہاری بھابی بن چکی ہے اور بھابی دیور کا رشتہ وہ نہیں ہوتا جس کے لیے تم اتنے افسردہ ہو۔ اپنے دیور کے لیے وہ ماں اور بہن کی جگہ لے لیتی ہے۔ سمجھے تم؟ اپنی ماں یا سمین کے لیے اس انداز میں سوچ سکتے ہو تم؟''

کتنا وقت بیتا تھا خود کو اس نئے رشتے کے بارے میں سمجھاتے اور یادوں کے درمیان بھٹکتے ہوئے کتنی مرتبہ وہ اس کمرے کے دروازے تک جا کر پلٹ آئے تھے۔ وہ کتنے کرب انگیز لمحے تھے جب انہوں نے رجب علی شاہ کو زرینہ کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اور تب وہ بابا جان کے پاس چلے آئے تھے۔

''میں یہ کہنے آیا ہوں بابا جان کہ آپ کا ہر فیصلہ مجھے منظور ہے۔ آپ اس حویلی کو بچانا چاہتے ہیں ناں تو فوری طور پر میرا نکاح کر دیں۔ میں اور اذیت برداشت نہیں کر سکتا۔''

حیدر علی نے اپنے پاؤں کی بیڑیاں مضبوط کر لی تھیں۔ انہیں خوف تھا کہ کسی دن دیوانگی کے عالم میں کہیں وہ منقش دروازہ کھول نہ بیٹھیں' جس کے قریب جانے کا انہیں کوئی حق نہیں تھا۔

انہوں نے جو کچھ کھو دیا تھا' اسے اپنی زندگی کا ایک ایسا حصہ سمجھ کر سمجھوتا کر لیا تھا جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ فوزیہ کو ہر خوشی دینے کی کوشش کی تھی۔ ہر طرح خیال رکھا تھا ان کا۔ انہیں گھر پر ہی خود پڑھایا لکھایا تھا' ان کے ذہن کو وسعت دی تھی اور ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ وہ فوزیہ بیگم سے محبت کرنے لگے تھے۔ وہ تھیں ہی ایسی کہ ان سے محبت کی جاتی۔ انہوں نے اپنا تن من ان کے گھر کو دے دیا تھا۔ انہیں دے دیا تھا۔ بہت دکھ سہے تھے ان کی رفاقت میں۔ اولاد سے دوری برداشت کی تھی۔ رات کی تاریکی میں جب وہ اپنے بچوں کے لیے خاموشی کے ساتھ آنسو بہاتی تھیں تو حیدر علی کا دل کٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایسی عورت سے کون محبت نہیں کرے گا۔

مگر یہ محبت ان کے دل سے پرانے نقش دھو نہیں سکی تھی۔ گوری کی محبت کسک بن گئی تھی۔ احساسِ جرم کہیں اندر تک ان کے دل میں چبھتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی وجہ وہی تو تھے۔

وہ دن جب انہوں نے اس سے پوچھا تھا۔

''گوری! کیا پھر ملو گی؟''

اور اس ایک سوال نے گوری کو ہمیشہ کے لیے باندھ کر رکھ دیا تھا۔ اور یہ بات انہیں اگلی ہی ملاقات میں گوری کی زبان سے ادا ہونے والے صرف دو الفاظ نے بتا دی تھی۔ اس نے فقط اس

قدر کہا تھا۔

''شاہ جی۔''

کہنے کو یہ صرف دو الفاظ تھے لیکن گوری کے لہجے میں چھپی مسرت آمیز حیرت نے وہ سب جذبے عیاں کر دیے تھے' جو صرف محسوس کیے جاتے ہیں۔ جنہیں کہا نہیں جاتا۔

اور پھر اسی روز انہوں نے رضیہ سے وعدہ کر لیا تھا' اسے یقین دلایا تھا کہ اس کی بہن کو' گوری کو' وہ اپنی بیوی بنائیں گے۔ اسے وہ مقام دلوائیں گے جو ان کی بیوی کو ان کے گھرانے میں ملنا چاہیے۔ اسے راستے میں تنہا چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔

اس نے پوچھا تھا۔ ''شاہ جی' آپ کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی اور لڑکی بھی آئی تھی؟''

''تم سے پہلے؟ یہ کیوں پوچھا تم نے؟''

''ولایت میں تو بہت خوبصورت لڑکیاں ہیں مجھ سے زیادہ گوری ہیں۔ سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکیاں۔ میں سوچتی ہوں کہ میں تو ان لڑکیوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہوں۔ پھر آپ کی نگاہِ انتخاب مجھ پر کیسے ٹھہری؟''

اور انہوں نے جواب میں کہا تھا۔ ''شاعر کہتا ہے کہ خوبصورتی دیکھنے والے کی آنکھ میں ہوتی ہے۔ وہاں واقعی بہت خوبصورت لڑکیاں تھیں لیکن ان میں سے کسی سے بھی ملتے ہوئے میرے دل سے یہ صدا نہیں آئی تھی کہ وہ لڑکی میری ہے۔ تمہیں دیکھا تو میرے دل نے صدا دی کہ میں تمہاری ہی تلاش میں تھا۔ میں نے تمہیں کہاں کہاں تلاش نہیں کیا۔ لندن کے کلبوں میں' سڑکوں پر' لائبریری میں' کتابوں کے ریک کے پیچھے' خاموش ندیوں کے ویران اور بے آباد کناروں پر' کینوس لگے ایزل کے گرد اور پیانو بجاتی لڑکیوں کے درمیان' میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم مجھے یہاں ملو گی۔''

گوری بہت معصوم اور بھولی بھولی لڑکی تھی۔ ان کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لینے والی۔ وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے محبت کی گلیوں میں گھماتے رہے اور وہ آنکھیں بند کیے ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔

پھر جب اسے علم ہوا کہ ان دونوں کے بیچ فوزیہ بھی تھی تو وہ گم صم سی رہ گئی۔ اس نے کہا تھا۔

''اب میں اس دن آپ سے ملوں گی' جس دن آپ میرے حق میں فیصلہ کریں گے۔ میں خود کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتی اور نہ ہی یہ چاہتی ہوں کہ کسی کے ہاتھ میرے حق میں دعا کے لیے اٹھنے کے بجائے مجھے بددعا دینے کے لیے اٹھیں۔ مجھے بددعا سے بہت ڈر لگتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ آپ کے کسی پچھتاوے کا سبب بنوں اور آپ کو پا لینے کے بعد بھی ساری زندگی آپ کو کھوجتی رہوں۔''

بہت ضبط کے باوجود بھی آنسو کا ایک قطرہ اس کے گال پر پھسل آیا تھا۔

''ایک چیز مانگوں گوری۔ دوگی؟''

''آپ جان مانگیں شاہ جی' وہ بھی دوں گی۔'' اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

''اپنا یہ آنسو مجھے دے دو۔''

''مانگی بھی تو اتنی بے قیمت چیز۔''

''تمہیں کیا معلوم کہ ان کی قدر و قیمت کیا ہے۔''

اس نے جھکا ہوا سر اٹھا کر آنکھیں موند لیں۔

انہوں نے انگلی کی پور سے اس کا آنسو اٹھا لیا۔ ''تھینک یو۔ تم نے مجھے زادِ راہ دے دیا ہے۔ اب ساری زندگی کانٹوں پر چلنا پڑے تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔''

ہاں' وہی اس کی موت کے ذمہ دار تھے۔ مانا کہ انہیں جدا کرنے میں سب سے بڑا ہاتھ تقدیر کا تھا' مگر وہی تھے جنہوں نے اسے ایک نئی اور انجانی راہ کا مسافر بنایا تھا۔ خود تو سب کچھ پالیا تھا لیکن اس بھولی بھالی لڑکی کے مقدر میں زہر بھر دیا تھا۔

ان کی بہت پیاری اور محبت کرنے والی بیوی تھی۔ اولاد تھی' غم تھے تو زندگی میں خوشیاں بھی بہت تھیں۔ مگر گوری کو ان کی محبت میں کیا ملا تھا؟ نہ وہ شوہر کو محبت دے سکی۔ نہ اس کے گھر کو اپنا گھر سمجھ سکی۔ بیٹی ہوئی تو ابھی اسے جی بھر کر دیکھ بھی نہیں پائی تھی۔ اسے لوریاں سنانے' سجانے سنوارنے اور دلہن بنے دیکھنے کے ارمان پورے بھی نہیں کر پائی تھی کہ تھک کر زندگی سے منہ ہی موڑ لیا۔

''نہیں۔ جو دکھ گوری نے اٹھائے ہیں' وہ دکھ ریشماں نہیں اٹھائے گی۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔'' انہوں نے سوچا۔

☆=====☆=====☆

وقت دھیرے دھیرے سے گزر رہا تھا۔ ماہ بانو کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ اسے وہاں آئے کتنی دیر ہو چکی تھی اور مزید کتنی دیر تک اسے وہاں بند رہنا تھا۔ وہ صوفے پر سکڑی بیٹھی ہوئی تھی۔ مکرم کے جانے کے بعد کتنی دیر تک وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ بار بار اس نے سوچا تھا کہ اپنی عزت دے دینے کے مقابلے میں جان دے دینا اس کے لیے زیادہ آسان تھا۔ خودکشی کرنے کے کتنے طریقے سوچ تھے اس نے۔ مکرم سے اسے رحم دلی کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔ وہ اب تک اس کے نمائش والے دن کے الفاظ نہیں بھولی تھی۔ جب اس نے کہا تھا۔

'فار سیل چیزیں تو ہر کوئی خرید سکتا ہے لیکن ہم وہی چیزیں حاصل کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں جو ناٹ فار سیل ہوتی ہیں۔ یہاں دو خوبصورت چیزیں ناٹ فار سیل ہیں۔ دونوں ہمارے بنگلے میں اچھی لگیں گی۔''

ایسی ذہنیت رکھنے والے شخص سے بھلائی کی توقع رکھنا حماقت ہی ہوتی۔ اس نے بانو کی

اتنی باتیں سن لی تھیں اور پھر بھی اسے کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا تھا تو اسے وہ صرف معجزہ ہی کہہ سکتی تھی۔

مگر ماہ بانو کے ذہنی انتشار کا سبب صرف ایک مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت کے متعلق بھی نہ چاہتے ہوئے ہی سہی' سوچ رہی تھی جب عبداللہ کی بے خبری میں یہ بھائی اس پر حملہ آور ہو جاتے۔

''آخر کس چیز کو کریمن ریڈنگ کہہ رہی تھی' جس کے لیے وہ صبح صبح گھر سے نکلتا ہے۔''

سوچ سوچ کر اس کا دماغ جیسے پھٹتا جا رہا تھا۔ پھر اچانک اسے خیال آیا۔

''وہ یقیناً رائیڈنگ کے لیے نکلتا ہو گا۔ کریمن اسی کو اپنے لہجے میں ریڈنگ کہہ رہی ہو گی۔ کاش کوئی صورت ہو یہاں سے نکلنے کی اور میں عبداللہ کو خبر کر سکوں۔ یا اللہ اسے اپنی امان میں رکھنا۔''

وہ بلک بلک کر رو دی۔

''چاہے عبداللہ اور میں ایک دوسرے سے دور ہو جائیں مگر وہ زندہ سلامت رہے' خوش رہے۔ چاہے میں پھر اسے نہ دیکھ سکوں مگر وہ ٹھیک رہے اسے کچھ نہ ہو۔''

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی ذہنی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ مگر وہ شعوری کوشش کر کے خود کو نارمل رکھ رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ تالے میں ایک مرتبہ پھر چابی گھومی اب کی دفعہ اندر آنے والا نوازش تھا۔ اس کے ساتھ کھانے کے سامان سے لدی ہوئی ٹرالی بھی تھی۔ ویسے تو یہ کام ملازموں کا تھا لیکن مکرم نے اسے سخت تاکید کی تھی کہ ماہ بانو پر کسی اور کی نگاہ نہ پڑنے پائے۔

''یہ کھانا کھا لو۔'' نوازش نے ٹرالی اس کی طرف بڑھائی۔

ماہ بانو نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر سختی اور درشتی کے وہ تاثرات نہیں تھے جو مکرم کے چہرے پر تھے۔

''فریج میں پانی اور کولڈ ڈرنکس دونوں ہیں۔ ٹینڈ فروٹ بھی ہیں' جس چیز کے لیے دل چاہے لے لینا۔''

گرم گرم کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو سے ماہ نور بانو کو خیال آیا کہ اسے سخت بھوک لگی ہوئی تھی اور پیاس سے اس کا حلق بالکل خشک ہو رہا تھا۔ مگر وہ اپنی جگہ ہی بیٹھی رہی۔ نوازش واپس جانے کے لیے مڑ چکا تھا۔ دروازے تک پہنچ کر وہ رکا اور اس کی طرف مڑا۔

''زیادہ شور شرابا مت کرنا۔ مجھے الجھن ہوتی ہے یوں بھی یہاں تمہاری آواز میرے علاوہ کوئی بھی نہیں سن سکتا اور میں تمہاری مدد نہیں کروں گا۔ اس لیے چیخنا چلانا تو بیکار ہے۔ یہ ٹرالی میں گھنٹی رکھی ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو گھنٹی بجا دینا۔ میں آ جاؤں گا اور جو کچھ تمہیں چاہیے

ہو گا مل جائے گا۔

اور ہاں۔ تمہیں پتا نہیں کب تک یہاں رہنا پڑے اس طرح رونے سے بہتر ہے کہ تم ٹی وی لگا کر دیکھ لو۔ ڈش انٹینا لگا ہوا ہے۔ اپنی پسند کا چینل لگا لو۔ اس کا دل نہیں چاہتا تو بہت سی مووِیز رکھی ہوئی ہیں وی سی آر دیکھ لو۔''

ماہ بانو کا دل چاہا کہ کسی چیز سے اس کا سر پھاڑ دے۔ کس قدر ہمدردانہ مشورہ دیا جا رہا تھا۔ بہت مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا۔ نوازش بھی مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔

بھوک اتنی شدید تھی کہ وہ کھانے پر ٹوٹ پڑنا چاہتی تھی۔ کھانا بھی خوشبو سے ہی اتنا لذیذ لگ رہا تھا کہ اس کا ہاتھ بے اختیار ٹرالی کی طرف بڑھا تھا۔ مگر اس نے خود کو روک دیا۔

''جنہوں نے مجھے اغوا کیا اور جو عبداللہ کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ کیا میں ان کے گھر کا ان کا دیا ہوا کھانا کھاؤں گی؟ مجھ پر اس کا ایک بھی لقمہ حرام ہے۔''

سب کچھ ویسے ہی پڑا ٹھنڈا ہوتا رہا۔ اس کی سوچیں پھر بھٹکنے لگیں۔ بڑی حویلی اور حویلی خانقاہ حضرت صاحب کے درمیان۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین' ماہ بانو کی گمشدگی سے سخت اَپ سیٹ تھا۔ رات کو کسی کو کچھ بتائے بغیر اس نے گاؤں کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی تھی۔ اس اچانک افتاد پر گھروں کے مکین خوفزدہ ہو گئے تھے۔ مگر اس تمام کارروائی سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوا تھا۔ ماہ بانو کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ حویلی سے نکلی تھی تو آخر کہاں چلی گئی تھی؟

گاؤں میں اس کے رشتے دار تو تھے مگر وہ وہاں جانا پسند نہیں کرتی تھی۔ یہاں آ کر وہ صرف مولوی صاحب کے گھر پر ہی ٹھہرتی تھی اور رشتے داروں میں صرف ریشماں سے ملنے حویلی آیا کرتی تھی۔

پھر خانقاہ حضرت صاحب سے ان کا مخبر آیا تھا جس نے بتایا تھا کہ زینب بی بی اچانک پاکستان آ رہی تھیں اور حیدر علی شاہ صاحب انہیں لینے لاہور چلے گئے تھے۔

خادم حسین کے ذہن میں اگلی صبح کے لیے بنایا گیا پروگرام تازہ ہو گیا۔

''کیا باقی سب کام معمول کے مطابق ہو رہے ہیں یا نہیں؟''

''باقی سب کچھ معمول کے مطابق ہی ہے۔'' مخبر نے بتایا۔

''عبداللہ کے روزمرہ کے کام اسی طرح جاری ہیں؟''

''جی شاہ صاحب۔ ہر کام ہر روز کی طرح لگے بندھے وقت اور طریقہ کار کے مطابق ہو رہا ہے۔''

خادم حسین کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

URDU PHOTO

''وہاں حویلی میں کوئی ایسی لڑکی تو نہیں آئی جس کا وہاں عام طور پر آنا جانا ہو۔ میں خاص طور پر عبداللہ کے حوالے سے پوچھ رہا ہوں ذہن پر زور دو۔ اس سے ملنے کوئی لڑکی تو نہیں آئی۔ کل مغرب کے بعد سے تمہارے یہاں آنے تک؟''

یونہی اسے خیال سا آیا تھا کہ ماہ بانو' عبداللہ کی کالج فیلو تھی۔ عبداللہ کا شمار اس کے دوستوں میں بھی ہوتا تھا۔ کہیں وہ وہاں نہ چلی گئی ہو۔

''نہیں شاہ صاحب۔''

''ہو سکتا ہے زنان خانے میں ہو۔''

''تقریباً ناممکن ہے۔ پچھلے دنوں لاہور سے ان کے کچھ دوست شکار کے لیے آئے تھے۔ تو شاہ صاحب کے معمولات یکسر تبدیل ہو گئے تھے۔ ان سے ملنے ان کے دوست احباب آتے رہتے ہیں اور اس کے متعلق ان کے معمولات کی تبدیلی سے فوراً پتا چل جاتا ہے۔

کل رات کافی دیر تک مصروف رہے تھے شاہ صاحب۔ پہلے سائیس سے اصطبل کے متعلق بات چیت کرتے رہے پھر منشی اور وکیل کے ساتھ مصروف ہو گئے۔ رات کا کھانا بھی انہوں نے کافی دیر سے کھایا تھا۔ صبح حسبِ معمول گھڑسواری کے لیے نکل گئے۔ ناشتے کے بعد بڑے شاہ صاحب' بی بی کو لینے نکل گئے۔ اس کے بعد میرے آنے تک عبداللہ شاہ صاحب روزمرہ کے کاموں میں ہی مشغول تھے۔''

''ہوں۔ تم جاؤ۔'' خادم حسین نے کہا۔

''کہاں گئی ماہ بانو۔ زمین کھا گئی۔ آسمان نگل گیا۔''

اس نے سوچا۔ ابھی تو اس کا پورا ارادہ تھا کہ پیر صاحب کی گاؤں واپسی پر وہ ان سے ماہ بانو کے متعلق بات کرے گا۔ جھنجھلاہٹ بری طرح سے اس پر سوار تھی۔ پریشانی الگ تھی۔ یہ اور بات کہ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ وہ جہاں بھی تھی' ٹھیک تھی۔ مگر اس سے اس کی پریشانی میں کمی واقع نہیں ہو رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

ڈیرے سے نکل کر مکرم سیدھا حویلی میں اپنی خواب گاہ میں چلا آیا۔ اس کا ذہن منتشر تھا اور وہ یکسوئی سے سوچنا چاہتا تھا۔ کل رات سے اس وقت تک دنیا بہت تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کے سامنے دو دروازے کھلے تھے جن کی طرف اس نے کبھی دیکھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ پر اب ہر منظر بدل گیا تھا۔ ہر چیز دھند میں لپٹی ہوئی تھی۔ اور وہ دھند میں لپٹے ان ادھورے منظروں کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے کھوج تھی ہر حقیقت کی۔

اماں جان اور ماہ بانو کے الفاظ رہ رہ کر اس کی سماعت میں ابھر رہے تھے۔ اماں جان نے کہا تھا کہ انہوں نے دکھ ہی نہیں اٹھائے' ظلم سہے ہیں۔ کیسے ظلم؟ یہ انہوں نے نہیں بتایا تھا۔

انہوں نے کہا تھا کہ اس حویلی کی عورتیں اپنے دل میں کتنے زخم بسا کر جیتی ہیں۔ کس کے دیے ہوئے زخم؟ یہ بھی انہوں نے نہیں بتایا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ بہت پہلے وہ اس حویلی میں ہونے والے قتل کی دو وارداتوں کی گواہ بنی تھیں۔ کس نے کسے قتل کیا تھا؟ مگر یہ بھی انہوں نے نہیں بتایا تھا۔

اور ماہ بانو نے کہا تھا کہ زیب النساء پھوپھو حویلی سے بھاگ گئی تھیں۔ مگر ایسا کب تھا؟ ان کی نہایت شاندار پختہ قبر تو ان کے آبائی قبرستان میں موجود تھی۔ تو کیا ماہ بانو نے جھوٹ کہا تھا یا پھر وہ قبر جھوٹی تھی۔

وہ کہہ رہی تھی کہ عبداللہ جاننا چاہتا ہے اپنے خاندان کے ماضی کی اس لڑکی کے بارے میں جو اس دشمنی کی ابتدا ٹھہری تھی۔ ریشماں اس شخص کو بددعا دینا چاہتی ہے جو اس دشمنی کی وجہ بنا اور مجھ سے پوچھتی ہے اپنی ماں جی کے متعلق۔

مکرم کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ وہ تو صرف ماہ بانو کو عبداللہ تک پہنچنے سے روکنے کے لیے نکلا تھا مگر نہ جانے کن بھول بھلیوں میں گم ہو گیا تھا۔

اور پھر بہت دن پہلے خادم حسین نے اس سے دونوں گھرانوں کی دشمنی کے متعلق کہا تھا۔

''یہاں معاملہ تعلیم کا ہی کب تھا؟ یہاں تو مسئلہ جائیداد اور زمینوں کا بھی تھا اور سب سے بڑھ کر ایک عورت کا۔''

'''عورت کا؟ کون عورت؟'' اس نے پوچھا تھا۔ مگر خادم حسین نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔

اسے محسوس ہوا جیسے اس کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی کی گئی ہو۔ جیسے وہ سب جو جاننے کا اسے حق حاصل تھا' اس سے چھپایا گیا ہو۔ اسے لگ رہا تھا کہ اگر اسے ہر حقیقت کا علم ہوتا تو اس کی زندگی بہت مختلف ہوتی۔

ابھی کیا تھا اس کی زندگی میں؟ کسی چیز کی کوئی واضح صورت نہیں تھی۔ وہ کھاؤ پیو' عیش کرو اور مر جاؤ کو ہی زندگی سمجھتا آیا تھا۔ جو کچھ تھوڑی دیر قبل ماہ بانو نے کہا تھا اور اس نے خاموشی سے سن لیا تھا۔ اگر مکرم کی ذہنی کیفیت ایسی نہ ہوتی جو اماں جان کے پاس سے اٹھ آنے کے بعد تھی تو وہ اس کا آدھا بھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس سے پہلے ہی وہ اس کا منہ بند کر دیتا۔

ایک بات کا البتہ وہ معترف ہو چکا تھا کہ خادم حسین کا انتخاب برا نہیں تھا۔ ماہ بانو میں واقعی شان اور تمکنت تھی۔ اس وقت بھی جب وہ اسیر تھی۔ اس کی ذات کا غرور اس کی اسیری بھی ختم نہیں کر سکی تھی۔ وہ اس کے سامنے گڑگڑائی نہیں تھی۔ اس نے رو رو کر التجائیں نہیں کی تھیں۔ ہر سوال کا جواب معلوم ہونے کے باوجود بھی جب اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی بات کا جواب نہیں دے گی تو اس نے واقعی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔

اسے ماہ بانو بہت اچھی لگی تھی۔ شکل و صورت اچانک ہی اس کے لیے ثانوی چیز بن گئی

تھی۔ ماہ بانو میں اسے اس کی ذات کا غرور اور اس کی ضد پسند آئی تھی۔

'' خادم بھائی اور سبط دونوں کے انتخاب بہت اچھے ہیں۔ شاید اس لیے کہ انہوں نے زندگی کو میری نسبت مختلف روایتوں سے دیکھا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ زندگی اصل میں کیا ہے؟''

وہ سوچتا رہا' پھر اٹھ کر اماں جان کے کمرے کی طرف چل دیا۔ خواب گاہ میں ہمیشہ کی طرح بھیڑ بھاڑ نہیں تھی۔ صرف اماں جان تھیں' اور ریشماں۔ وہ اندر آیا تو ریشماں بے اختیار اماں جان سے لپٹ گئی۔ اماں جان نے بھی اپنی اوڑھنی اس پر یوں پھیلا دی جیسے مرغی چوزوں کے اوپر پھیلا دیتی ہے۔ ریشماں کی سسکیوں کی آوازیں مکرم کو اب بھی سنائی دے رہی تھیں۔

اماں جان نے اس کی طرف بغور دیکھا۔ وہ جاننا چاہتی تھیں کہ وہ کس نیت سے وہاں آیا تھا۔ وہ ضدی تھا' اکھڑ تھا' غصہ ور تھا۔ اپنے سامنے کسی کو بھی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بس ان کے سامنے امید کی صرف ایک کرن تھی کہ وہ ریشماں کو بہت پیار کرتا تھا۔

ریشماں کو اماں جان سے لپٹتے دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔ اس کے چہرے پر الجھن اور پریشانی بہت واضح طور پر تحریر تھی۔

''کیا بات ہے مکرم؟'' اماں جان نے پوچھا۔

'' آپ کے پاس میرے لیے بھی کچھ ہے اماں جان؟''

''میرے پاس تم سب کے لیے ممتا اور محبت کا سمندر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔''

''میں یہاں بیٹھ جاؤں؟''

''بیٹھ جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم میرا اور اپنی بہن کا دل دُکھانے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔'' انہوں نے کہا۔

وہ اماں جان کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک کمرے میں سکوت طاری تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اماں جان سے کیسے بات کرے۔

'' آپ لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟'' بالآخر اس نے کہنا شروع کیا۔ ''اس حویلی کا ایک فرد ہونے کے باوجود بھی آپ لوگوں نے مجھ سے اتنا کچھ چھپایا۔ کیا میری کوئی اہمیت نہیں ہے یہاں؟''

''کیا چھپایا تم سے بیٹا؟''

''سبھی کچھ اماں جان۔ ہر چیز' اور یہ باتیں جو کسی ایسے شخص کے منہ سے سننی پڑیں جو اس حویلی کا فرد نہ ہو تو آپ سوچ سکتی ہیں کہ کتنی تکلیف ہو سکتی ہے۔ مجھے کبھی کسی نے یہ نہیں بتایا کہ زیب النساء پھوپھو گھر سے بھاگی تھیں۔ کیوں اماں؟'' وہ بولا۔

'' کچھ گزری باتیں بہت تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ ان کا نہ جاننا ہی بہتر ہوتا ہے۔ مجھے نہیں

معلوم کہ تم سے کس نے اس بات کا ذکر کیا مگر جس نے بھی کیا' اسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں کیا حق ہے کہ جس بات کا اللہ تعالیٰ نے پردہ رکھا ہے' اس کا پردہ اٹھادیں۔''

''نہیں اماں جان! یہ سب جاننا میرے لیے بہت ضروری ہے۔ میری زندگی کا توازن بگڑ رہا ہے۔ میں کسی فیصلے پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ پلیز اماں جان میری مدد کریں۔ مجھے بتائیں کہ آخر ہمارے درمیان دشمنی کی کیا وجہ ہے؟''

اماں جان نے ایک نظر ریشماں پر ڈالی پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

''زیب النساء بھی بہت پیاری تھی' بہت خوبصورت۔ بالکل ریشماں جیسی۔ تمہارے دادا جان اپنی اولاد میں اسی کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ اسے بھی ریشماں کی طرح سب کچھ میسر تھا۔ کپڑا' زیور' باپ کی محبت' ماں کی ممتا' سبھی کچھ۔ مگر اس کی زندگی میں جو خلاء تھا وہ ان چیزوں سے پورا نہیں ہوسکتا تھا۔

ہاں صرف تمہارے حیدر بابا تھے جو اپنی بہنوں کی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کو سمجھتے تھے اور ان کے لیے لڑتے جھگڑتے تھے۔ اسی لیے تمہارے دادا جان کی نگاہوں میں معتوب ہو چکے تھے۔ پیر صاحب اور تمہارے حیدر بابا کے درمیان بہت سے اختلافات تھے پھر بھی وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ سب سے زیادہ اختلاف اسی بات پر تھا۔ تمہارے حیدر بابا چاہتے تھے کہ بہنوں کی شادیاں کی جائیں مگر اس بات پر کوئی بھی راضی نہیں تھا۔ پیر صاحب اور تمہارے دادا جان کو بہت سے خوف لاحق تھے۔ جائیداد کے بٹ جانے کا خوف' سر جھک جانے کا خوف اور نہ جانے کیا کیا۔

افسوس کہ تمہارے دادا جان نے مہر النساء اور زیب النساء کو صرف اپنی بیٹیاں اور خاندان کی عزت سمجھا۔ یہ کبھی سوچا ہی نہیں کہ وہ انسان بھی ہیں۔ ان کی کوئی اپنی پسند' کوئی خواہش' کوئی آرزو بھی ہوسکتی ہے۔

زیب النساء نے ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے لیے ایک چور دروازہ کھول لیا اور باہر نکل کر دیکھا تو اسے اچھو ملا۔ اچھو کچھ عرصہ ہمارے اصطبل میں کام کرتا رہا تھا۔ پھر پیر صاحب کے خاص ملازموں میں شامل ہو گیا تھا۔ زیب النساء اس کے ساتھ ایک نئی دنیا بسانے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ مگر راستے میں تمہارے بابا جان مل گئے۔ اچھو کو انہوں نے وہیں مار ڈالا اور زیبی کو بالوں سے گھسیٹ کر حویلی لے آئے۔''

اماں جان خاموش ہو گئیں۔

''پھر اماں؟'' مکرم نے پوچھا۔

''پھر کیا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا اور جس کے لیے شاید زیبی ذہنی طور پر تیار بھی تھی۔ وہ آزادی چاہتی تھی سو اسے زندگی کی قید سے آزاد کر دیا گیا۔''

URDU PHOTO

ریشماں جو حیرت سے اپنی شربتی آنکھیں پھیلائے ایک ٹک اماں جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ان سے لپٹ کر زیادہ شدت سے رونے لگی۔

''اب زیبی کا وہی کمرا ریشماں کے پاس ہے۔ مرتے ہوئے اس نے یہی خواہش کی تھی کہ پیر صاحب کی کوئی بیٹی ہوئی تو وہیں رہے۔''

کمرے میں ایک مرتبہ پھر سکوت طاری ہو گیا۔ جسے بالآخر مکرم نے ہی توڑا۔

''کیا اسی لیے بابا جان اور حیدر علی شاہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے؟''

''یہ دشمنی کی نہیں شدت کی ناراضگی کی ابتدا تھی۔ وہ ایک دوسرے سے دور ہو گئے تھے مگر ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھانے کا تب بھی شاید کسی نے نہیں سوچا تھا۔''

''پھر؟ پھر نوبت یہاں تک کیسے آ پہنچی؟''

''جانے دو مکرم۔ گزری ہوئی باتوں میں کیا رکھا ہے؟'' اماں جان ریشماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''یہی تو باتیں ہیں اماں جان جنہیں بہت پہلے جان لینا چاہیے تھا ہمیں۔ میں اتنا تو جانتا ہوں کہ اس کی وجہ بھی کوئی عورت تھی مگر وہ کون تھی؟ کیا تھی؟ کیسے اس دشمنی کی وجہ تھی؟'' وہ جاننے پر مُصر تھا۔

''پرانے زخم کیوں ادھیڑتے ہو مکرم۔ جو باتیں بیتے وقت میں دفن ہیں' انہیں وہیں دفن رہنے دو۔''

ریشماں سر اٹھا کر دھندلی آنکھوں سے اماں جان کو دیکھنے لگی تھی۔ مکرم کے سوال نے اس کے ذہن میں ماہ بانو سے ہونے والی اپنی آخری گفتگو تازہ کر دی تھی۔ جس میں اس نے اس دشمنی کا ذمہ دار صرف اور صرف اس کی ماں جی اور بابا جان کو ٹھہرایا تھا۔

''وہ عورت کون تھی اماں جان۔ پلیز اس وقت کچھ مت چھپائیں۔'' مکرم کہہ رہا تھا۔

اماں جان نے منہ پھیر لیا۔

''میری وجہ سے نہیں بتانا چاہتیں ناں۔'' ریشماں نے ان کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ ''میں جانتی ہوں کہ اس دشمنی کی وجہ میری ماں جی تھیں۔ یہ احساس کتنا تکلیف دہ ہے کہ وہی اس کی اصل وجہ تھیں۔ اس دشمنی کی جس میں سب کچھ جل رہا ہے۔ جس کی وجہ سے میرے بھائی کا خون بہا اور اب۔ اب.....'' وہ بری طرح سے رُو دی۔ ''میری ماں جی بہت بری تھیں۔ میں انہیں ماں نہیں کہنا چاہتی۔''

''نہ نہ ریشماں' ایسے نہیں کہتے۔ تم سے کس نے یہ سب کہہ دیا۔ تمہاری ماں تو بہت اچھی تھی۔ اتنی پیاری اتنی خوبصورت۔ ہو بہو ویسی' جیسی تم ہو کہ کوئی نظر ڈالے تو پلک جھپکنا ہی بھول جائے۔''

"اماں، بانو کہہ رہی تھی کہ......" اس نے کہنا چاہا لیکن ہچکیوں کے درمیان کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"بانو جھوٹ کہہ رہی تھی۔ جس کی اتنی پیاری بیٹی ہو وہ عورت بری کیسے ہو سکتی ہے۔" انہوں نے اسے چمکارا۔

"میں کسی اور کی بیٹی نہیں ہوں۔ میں صرف آپ کی بیٹی ہوں۔"

مکرم خاموشی سے سب کچھ دیکھتا اور سنتا رہا۔

اماں جان ریشماں کو چپ کراتی رہیں۔

"گویا یہ بھی ماہ بانو کو معلوم تھا۔" اس نے سوچا۔

"وہ کیسے یہ باتیں جانتی ہے جو اس حویلی کے بیشتر مکین بھی نہیں جانتے؟"

ریشماں بدقت تمام چپ ہوئی۔ اب بھی وہ سکڑی سمٹی اماں جان کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔

"ریشماں آپی! میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔ اس کا جواب مجھے اماں جان نے بھی دیا تھا۔ مگر میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" مکرم نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس سے عبداللہ کے متعلق براہِ راست سوال کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ریشماں نے اماں جان کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"کیا آپ عبداللہ شاہ سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟"

ریشماں کو اپنا سانس حلق میں اٹکتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہو مکرم؟" اماں جان نے گھبرا کر کہا۔

"اماں جان میں نہیں چاہتا کہ زیب النساء پھوپھو کی طرح ریشماں آپی بھی کوئی چور دروازہ ڈھونڈیں۔ ریشماں آپی بھی صرف حویلی کی بیٹی اور عزت ہی نہیں ہیں' ایک انسان بھی ہیں۔ ان کی بھی خواہشات اور آرزوئیں ہو سکتی ہیں۔ یہ بھی کسی کو پسند کرنے کا حق رکھتی ہیں اور انہیں اپنی پسند کے اظہار کا پورا پورا حق ہے۔

میں نے آپ سے کہا تھا ناں اماں جان کہ حیدر علی شاہ کے لیے میرے دل میں بہت نفرت ہے لیکن ریشماں آپی کے لیے جو محبت ہے وہ اس نفرت سے کہیں زیادہ ہے۔ پلیز ریشماں آپی بتائیں کیا آپ عبداللہ شاہ سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟"

مکرم سوالیہ نگاہوں سے ریشماں کی طرف دیکھ رہا تھا' مگر اس میں ہمت نہیں تھی مکرم کی طرف دیکھنے کی۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ کسی نئے فساد کی ابتداء تھی یا پھر پرانی دشمنی کی انتہاء۔

اچانک سب کچھ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گیا۔ ہر چیز گھومنے لگی۔ چہرے دھندلا گئے' بس ہیولے باقی تھے۔ اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ اسے علم نہیں تھا کہ وہ رو رہی تھی یا ہنس رہی تھی' سسک رہی تھی یا چلا رہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔

☆=====☆=====☆

نوازش کمرے میں داخل ہوا تو ماہ بانو گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ ہولے ہولے ہلتا ہوا اس کا جسم اس بات کا پتا دے رہا تھا کہ وہ سسکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔ اس نے ٹرالی کی طرف دیکھا' سب کچھ ویسے ہی پڑا پڑا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

"بی بی! میں نے تم سے کہا تھا کہ پتا نہیں تمہیں کب تک یہاں رہنا پڑے' بہتر ہو گا کہ تم کھانا کھا لو۔"

ماہ بانو نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ کھانا کھا لو کب تک بھوکی رہو گی؟" وہ بولا۔

"نہیں۔"

کہنے کو یہ صرف ایک لفظ تھا مگر اس میں ماہ بانو کے اندر ابلنے والا تمام تر لاوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس لفظ میں نفرت تھی' غصہ تھا' حقارت تھی' ضد تھی۔

نوازش اس کے لہجے پر تپ کر رہ گیا۔ مکرم نے اسے کچھ بھی کہنے سے منع کیا ہوا تھا' مگر اس لہجے کا مزہ چکھانا بھی ضروری تھا۔

"مرتی رہو میری بلا سے' اب تمہیں کھانا اسی وقت ملے گا جب تم اس کے لیے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگو گی۔"

ماہ بانو نے نفرت بھری ایک نظر اس پر ڈالی اور سر دوبارہ گھٹنوں میں دے دیا۔

نوازش ٹرالی گھسیٹ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"عبداللہ! تمہیں میں نے اللہ تعالیٰ کی امان میں دیا۔ تم ٹھیک کہتے تھے اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو موت کا فرشتہ کب کسی کی جان لے سکتا ہے اور اس کا حکم نہ ہو تو کب کسی کو زندگی عطا ہوتی ہے۔ تمہاری زندگی ہوئی تو میرے بجائے کوئی اور اس کا سبب بن جائے گا اور نہ ہوئی تو ساری دنیا بھی مل کر تمہیں کب بچا سکتی ہے۔ ہاں' مگر میرا دعا پر اختیار ہے اور میرے جسم کا رواں رواں تمہاری سلامتی کے لیے دعا گو ہے۔" ماہ بانو سوچ رہی تھی۔

"کہاں ہیں وہ سب' جو میرے اپنے ہیں۔ کیا خبر میں ان میں سے کسی کو پھر دیکھ بھی پاؤں گی یا نہیں۔ ابا جی' اماں...... آپ دونوں کتنے دور ہیں مجھ سے' آپ کو تو خبر بھی نہیں ہو گی کہ آپ کی لاڈلی بیٹی کس طوفان میں گھری ہوئی ہے۔ آپ دونوں مطمئن ہوں گے کہ بانو گاؤں میں نانا جی اور بڑی اماں کے پاس محفوظ ہو گی۔ یہی سوچ کر مجھے چھوڑا تھا ناں یہاں کہ لاہور میں' میں تنہا ہوں گی' غیر محفوظ ہوں گی' مگر دیکھ لیں میری قسمت کی یہ سیاہی میری اپنی مٹی میں لکھی تھی۔

اور اگر عبداللہ کو معلوم ہو جاتا تو وہ شاید حویلی کے کسی مکین کو زندہ نہ چھوڑتا' خود بھی جان سے جاتا لیکن ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑتا۔ یا اللہ کسی بھی طرح سے بچا لے' اسے محفوظ کر دے۔

زندگی کتنی مختلف لگنے لگی ہے۔ آج شاید میری زندگی میں یہ تجربہ نہ آتا تو میرے لیے زندگی کا مفہوم اس قدر تبدیل نہ ہوتا۔ وہ سب باتیں جو کل تک بہت اہم لگتی تھیں' آج کتنی غیر اہم اور بے معنی لگ رہی ہیں۔''

اس نے سر اٹھا کر کمرے کے درو دیوار کی طرف دیکھا۔

''شاید یہی وہ جگہ ہو جہاں برسوں پہلے' زرینہ خالہ کی قسمت کا فیصلہ ہوا تھا' جیسے یہ درو دیوار میری تقدیر کی سیاہی کے گواہ ہیں' شاید ویسے ہی یہ زرینہ خالہ کی تقدیر کی سیاہی کے بھی گواہ بنے ہوں۔

میری اور زرینہ خالہ کی کہانی میں کتنی مماثلت ہے۔ یوں لگتا ہے' جیسے نئے ناموں کے ساتھ پرانی کہانی پھر دہرائی جا رہی ہو۔ کاش! میں اماں جی سے اصرار نہ کرتی' یہ سب جاننے کے لیے' مگر تب بھی میری چھٹی حس کہہ رہی تھی جیسے کوئی کہانی چپکے چپکے میرے گرد گھیرا تنگ کر رہی ہو' جیسے کچھ ہونے والا ہو اور جو کچھ ہونے والا ہو' اس میں میرا کردار ہی مرکزی ہو۔ اپنے کالج کی سرخ اینٹوں کی عمارت مجھے خبردار کرتی تھی۔ مسجد کے سفید روشن مینار اشارے سے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے' پیر صاحب کی حویلی آواز دیتی تھی اور میں سوچتی رہ گئی تھی کہ زرینہ خالہ کی کہانی میں میرا کردار کہاں فٹ ہو سکتا تھا؟

میرے اندر کوئی چلاتا تھا کہ میں اسی کہانی کا کردار ہوں' مجھے زرینہ خالہ کی کہانی جاننے کا حق حاصل ہے۔ یہ میری زندگی کا حصہ ہے۔

میں بھی ویسی ہی مثلث کا ایک زاویہ ہوں۔ پہلے زرینہ خالہ' حیدر بابا اور فوزیہ اماں تھیں' آج میں' عبداللہ اور ریشماں ہیں۔ میں نہیں جانتی' لیکن مجھے یقین ہے کہ عبداللہ کی اماں جان بھی منگنی طے ہو جانے کے بعد حیدر بابا سے اسی طرح محبت کرنے لگی ہوں گی' جیسے زرینہ خالہ کیا کرتی تھیں یا جیسے آج ریشماں' عبداللہ سے کرتی ہے۔ حیدر بابا اپنی منگنی سے اسی طرح نالاں تھے جیسے عبداللہ ہے۔ برسوں پہلے پیر صاحب جلال الدین شاہ اپنے کیے ہوئے فیصلے پر مُصر تھے' آج اسی طرح حیدر بابا مُصر ہیں' جس طرح زرینہ خالہ بے یقینی اور احساسِ جرم کا شکار تھیں' ویسے ہی آج میرے ساتھ ہے اور شاید یہ وہی کمرا ہے' جہاں کل قسمت نے زرینہ خالہ سے ان کی زندگی کی تمام خوشیاں چھین لی تھیں۔ پتا نہیں آج میرے ساتھ یہاں کیا سلوک ہو۔

نہ جانے اس اتفاق پر آسمان سے جھانکتی زرینہ خالہ کی روح کیا سوچ رہی ہوگی؟ کیا اب بھی ان کے لیے ان کی اپنی ہی بیٹی اہم ہوگی یا پھر وہ میرا غم بھی سمجھتی ہوں گی' وہی سب جو مجھ سے پہلے وہ جھیل چکی ہیں۔

اُما میرے پاس ہوتی تو میں اس سے پوچھتی' شاید وہ بتا سکتی۔''

اُما کا خیال آتے ہی ماہ بانو کا ذہن اس کی طرف چلا گیا۔

URDU PHOTO

''پتا نہیں وہ کیسی ہوگی؟ کیا بیتی ہوگی اس پر۔'' ماہ بانو نے سوچا۔

اس کے ذہن میں بار بار اُما کے کہے ہوئے فقرے گونج رہے تھے۔

''میں پچھتانا نہیں چاہتی' میں کوشش ضرور کروں گی I don't want to end up as a loser۔''

اس نے کوشش کی تھی' جس کے نتیجے میں اس کے مہربان گھر والے یک دم ہی اس سے خائف ہو گئے تھے۔ ہیما کی وضاحتوں کے بعد بھی اس نے اُما سے رابطہ قائم کرنے کی پوری کوشش کی تھی' مگر بے سود۔ کچھ عرصہ تو اس کے گھر والے برداشت کرتے رہے تھے۔ پھر شاید انہوں نے نمبر ہی تبدیل کروالیا تھا کیونکہ بے شمار گھنٹیوں کے باوجود بھی وہاں سے کوئی فون نہیں اٹھاتا تھا۔

ماہ بانو ان دنوں بہت پریشان تھی۔ ایڈی کو عبداللہ نے بہت اصرار سے گاؤں بلوالیا تھا۔ جیمز اور ظہیر بھی اس کے ساتھ ہی گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں جا کر ایڈی بہل جائے گا' مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال کروٹیں لیتا رہتا تھا۔ اُما پر نہ جانے کیا گزر رہی ہوگی۔ گاؤں سے واپسی پر وہ سیدھا ماہ بانو کے پاس آیا تھا۔

''میں نے ارادہ کرلیا ہے سکھر جانے کا۔'' اس نے بتایا تھا۔

''پاگل پن کی باتیں مت کرو ایڈی۔''

''میں پاگل ہو چکا ہوں۔ تم نے کہا تھا کہ تم اس سے رابطہ کرو گی۔ رابطہ نہیں ہو سکتا تو اب اس کے علاوہ کیا صورت باقی ہے؟ اس پر خدا جانے کیا بیت رہی ہوگی اور کس وجہ سے؟ صرف اس لیے کہ ہم دونوں محبت کرتے ہیں۔ مائی گاڈ' وہ پتا نہیں کس حال میں ہوگی۔''

ماہ بانو ہونٹ کاٹنے لگی۔ ہیما سے ہونے والی تمام گفتگو اس کے ذہن میں تازہ ہو چکی تھی۔ اس نے واضح طور پر کہا تھا کہ اس کا ایک فیصد بھی امکان نہیں۔ ایڈی اُما کے لیے جتنا پریشان تھا' اس کی ایک ایک لکیر اس کی پیشانی پر واضح تھی۔

''کیا کرلیں گے وہ؟ میں سب کچھ برداشت کرنے اور بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔ ہر چیز جانتے ہوئے بھی میں اس آگ میں اترا تھا اور اب ہر قسم کے حالات کا سامنا کرنے کو بھی تیار ہوں' مگر اُما کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔''

''کیا کروں؟ ایڈی کو ہیما سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دوں؟ مگر ایسا ہوا تو ایڈی بھی اڑ جائے گا' بات لمبی ہو کر نہ جانے کہاں تک پہنچ جائے گی۔ اسے معلوم ہوا تو وہ کل کا سکھر جاتا' آج وہاں چلا جائے گا اور اُما سے ملنے کی کوشش کرے گا اور پھر اس کا اوراجے کا سامنا ہو گیا تو؟ نہیں یہ ٹھیک نہیں ہے' لیکن اگر یہ ٹھیک نہیں ہے تو پھر کیا ٹھیک ہے؟ اسے کیسے مطمئن کیا جائے؟ اُما کی زندگی تو تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے اور ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے' مگر

کیا ایڈی جیسے جینئس شخص کو ہم دوست خاموشی سے تباہی کی طرف بڑھتے دیکھ سکتے ہیں؟ نہیں یہ بھی ممکن نہیں ہے۔'' ماہ بانو نے سوچا۔

''میں ذہنی طور پر تباہ ہوگیا ہوں۔ اتنا تو میں جانتا تھا کہ اس کے گھر والے اس شادی پر تیار نہیں ہوں گے لیکن وہ اسے کسی سے بات چیت بھی نہیں کرنے دیں گے' فون تک اٹینڈ نہیں کرنے دیں گے' یہ مجھے معلوم نہیں تھا۔'' وہ جیسے خود سے کہہ رہا تھا۔

''ایڈی! مجھے دوست سمجھتے ہو ناں؟'' ماہ بانو نے کہا۔

''میں نے زندگی میں بہت کم لوگوں سے دوستی کی ہے مگر جن سے کی ہے' ان سے آخری سانس تک دوستی نبھاؤں گا اور بانو تم ان میں سے ایک ہو۔''

''تھینک یو ایڈی!'' وہ بولی۔ پھر قدرے توقف سے کہا۔ ''اُما میری بہترین دوست ہے' اس کی ہر خوشی مجھے بہت عزیز ہے' مگر ایڈی میں تمہیں بھی اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔ پلیز اسے بھول جاؤ۔ یوں سمجھو جیسے وہ تمہاری زندگی میں آئی ہی نہیں تھی۔''

ایڈی نے شاک کی سی کیفیت میں اسے دیکھا۔

''یہ تم کہہ رہی ہو بانو؟''

''ہاں میں کہہ رہی ہوں۔ ہم سب سے لڑ سکتے ہیں مگر قدرت کی طرف سے کیے گئے فیصلوں سے کبھی نہیں لڑ سکتے' وہ اپنا آپ خود ہی منوا لیتے ہیں۔''

''قدرت کے فیصلے؟ مجھے اور اُما کو دور کرنے کا فیصلہ قدرت کا نہیں' انسانوں کا کیا ہوا فیصلہ ہے۔ قدرت کا فیصلہ یہ ہوتا کہ میں مر جاتا یا وہ مر جاتی۔ میں انسانوں کے کیے ہوئے کسی فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا۔ اُما انکار کردے' میں آج بھی پیچھے ہٹ جاؤں گا مگر ہمارے بارے میں کوئی تھرڈ پرسن کیوں فیصلہ کرے؟ میں ماردوں گا یا مر جاؤں گا اور یہ قدرت کا نہیں میرا فیصلہ ہے۔''

ماہ بانو چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''میں نے اُما سے بھی کہا تھا کہ مجھے کسی کے فیصلے سے پہلے اس کے فیصلے کی ضرورت ہے۔ وہ ہاں کہے یا نہیں' مگر مجھے بتا ضرور دے۔ افسوس کہ وہ اپنے ہونٹوں سے نہ ہاں کہہ سکی' نہ نہیں۔ مگر حالات نے مجھے خود ہی اس کے فیصلے سے آگاہ کردیا ہے۔ اسے انکار ہوتا تو یوں اس کے گھر والے اس سے ہر قسم کا رابطہ ختم نہ کروا دیتے۔

اور میں اسی لیے سکھر جانا چاہتا ہوں۔ وہ آج بھی اپنی زبان سے انکار کرسکتی ہے' مگر یہ انکار اس کا نہیں ہے تو کوئی بھی زبردستی اسے اس بات کا پابند نہیں کرسکتا۔'' ایڈی نے اٹل لہجے میں کہا۔

''نہیں ایڈی! تم سکھر نہیں جاؤ گے۔'' ماہ بانو نے بھی فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وہ ان سب باتوں کو وقوع پذیر ہونے سے روکنا چاہتی تھی جو ایڈی کی پیش قدمی کے باعث بہت کچھ تباہ کر

سکتی تھیں' خود ایڈی کو بھی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی' لیکن اب مجبوری کی وجہ سے تمہیں سب کچھ بتانا پڑ رہا ہے۔''

''کھل کر بات کرو' میں کسی بات سے ہرٹ نہیں ہوسکتا۔'' وہ بولا۔

''میرا اُما سے رابطہ ہوگیا تھا۔'' اس نے کہا۔

''وہ ٹھیک تو تھی' اس نے کیا کہا تم سے؟''

''ہاں وہ ٹھیک تھی۔'' ماہ بانو نے اپنی گھڑی ہوئی کہانی کا آغاز کیا۔

''اس کی اپنی خواہش پر اس کے گھر والے تم سے اس کی بات نہیں کروا رہے تھے۔''

''یہ ممکن نہیں ہے' تم جھوٹ بول رہی ہو۔ کیا میں اُما کو نہیں جانتا' وہ ایسا کبھی نہیں کرسکتی۔''

''ہر شخص کچھ بھی کرسکتا ہے' میں اسی لیے تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ پہلے تم یقین نہیں کرو گے اور اگر یقین کرلیا تو بہت ہرٹ ہوگے۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''کیا کہہ رہی تھی وہ؟''

''مجھ سے بھی بہت مشکل سے بات کرنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ وہ ہم میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی مگر میں اسے قصوروار نہیں سمجھتی۔ اسے یقیناً تم سے محبت تھی اور شاید اب بھی ہو' لیکن جب انسان سب...... Pros And Cons Weigh کرتا ہے تو محبت کے علاوہ بھی بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے' تمہاری اور اس کی محبت میں شاید تم دونوں کے لیے نفع کم تھا اور نقصان زیادہ۔ اس نے بہت دنوں تک ٹھنڈے دل سے اس بارے میں سوچا تھا اور پھر اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس تعلق کو یہیں ختم کردینا زیادہ بہتر ہے۔''

ایڈی بے یقینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''میری بات کا یقین کرو ایڈی۔ وہ ذہنی طور پر ایسی کسی شادی کو قبول نہیں کرسکتی جسے اس کا مذہب درست تسلیم نہیں کرتا کیونکہ شادی سوسائٹی سے لیا سرٹیفکیٹ ہی نہیں ہوتی' بلکہ یہ سند مذہب سے بھی لینی پڑتی ہے۔ جب مذہب اجازت نہ دے تو پھر شادی.......... شادی تو نہیں رہتی ناں' یہ تو بغیر شادی کے رہنے والی بات ہوگئی۔

مگر وہ ہم سب سے شرمندہ تھی۔ ہم میں سے کسی کو فیس (سامنا) نہیں کرسکتی تھی۔ اس کا فیصلہ تمہارے حق میں نہیں تھا' مگر یہ بات وہ اپنے منہ سے بھی نہیں کہنا چاہتی تھی۔ میرے بار بار رابطہ کرنے پر بالآخر اس نے مجھ سے بات کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھے کہا میں تمہیں یہ سب بتا دوں۔ اس کے ممی' ڈیڈی نے اسے آنند کے لیے کہا اور وہ اب اس پر راضی ہے۔ اب تک تو وہ شاید انڈیا جا بھی چکی ہو اور اگر نہیں گئی تو جانے ہی والی ہوگی۔''

ایڈی کچھ دیر تک گھاس پر نظر جمائے رہا پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے پورشن کی طرف چلا گیا۔

ماہ بانو اس کے بعد مسلسل ڈپریشن کا شکار رہی تھی۔ یہ احساس بہت تکلیف دہ تھا کہ اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ جھوٹ بولا تھا اور انہیں الگ کر دیا تھا۔

''مگر یہی بہتر تھا بانو!'' نیہاں نے افسردگی سے کہا تھا۔

''میں کیا کرتی نیہاں' مجھے اپنے دوست اور اپنا ملک بہت پیارا ہے۔ اسی میں دونوں کی بہتری تھی۔ ہم سب کی بہتری تھی مگر یہ احساس مجھے بار بار کچوکے لگا رہا ہے کہ انہیں میں نے جدا کیا ہے۔'' ماہ بانو بھی آزردہ تھی۔

''نہیں تم نے نہیں تقدیر نے جدا کیا ہے۔ تم نے تو صرف ایڈی کو یہ فیصلہ تسلیم کرنے پر آمادہ کیا ہے''

''کل رات میں بہت روئی دونوں کے لیے' مگر میں سچ بتاتی تو کیا ہوتا نیہاں؟''

''وہی سب جس کی اے جے نے دھمکی دی تھی۔ تم نے جو کیا وہ بہت اچھا تھا۔'' نیہاں نے کہا۔

''میرے ذہن پر اپنے اس جھوٹ کا بہت بوجھ ہے۔ میں یہ سب کسی سے شیئر کرنا چاہتی تھی' مگر تمہارے علاوہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ لڑکوں کو بتاتی تو وہ فوراً ایڈی کے پاس پہنچ جاتے کہ اصل بات تو یہ تھی۔''

''تم نے اچھا کیا کہ کسی لڑکے کو نہیں بتایا۔ ان کے دماغ کی چولیں ویسے بھی کچھ ڈھیلی ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہنا تھا کہ اُما کے گھر والوں کی ایسی کی تیسی' ہم دیکھتے ہیں کہ کیا کر لیں گے یہ ایڈی کا' کیا بگاڑ لیں گے ہمارا۔ ان سے ذکر نہ کرنا ہی اچھا ہے۔''

''اگر زندگی میں کبھی اُما یا ایڈی کو خبر ہوئی کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے؟'' ماہ بانو نے آہستہ سے پوچھا۔

''وہ یہی سوچیں گے کہ تم دونوں کی دوست ہو۔ اس لیے اگر تم نے ایسا جھوٹ بولا ہے تو اس میں کوئی مصلحت ضرور ہوگی۔ پتا ہے بانو' ہم ایسے دوست نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کی دوستی پر شک کریں۔ ہماری دوستی عام دوستی نہیں ہے۔ ہم سب ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہی محبت ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا' کیئر کرنا سکھاتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی فیلنگز سمجھتے ہیں' تم یقین کرو کہ انہیں خبر ہوئی تب بھی وہ تم سے گلہ نہیں کریں گے۔ ان کے دل میں تمہارے لیے کبھی بال نہیں آئے گا۔'' نیہاں نے اسے سمجھایا۔

ابھی وہ نیہاں کو فون کر کے فارغ ہی ہوئی تھی کہ جیمز آ گیا تھا۔

''یہ منگنی کا انویٹیشن کارڈ ہے۔ فنکشن اسلام آباد میں ہی ہوگا اور تمہارے بغیر بالکل ادھورا ہوگا۔''

URDU PHOTO

''پتا نہیں آ سکوں یا نہیں' میں گاؤں جا رہی ہوں۔ تمہیں تو پتا ہے کہ اماں جان امریکہ جا رہی ہیں اور وہ مجھے یہاں چھوڑنے پر بالکل راضی نہیں ہیں۔ وہاں سے اسلام آباد آنا مشکل ہوگا۔ سفر بھی بہت طویل ہے۔''

''یہ نہیں چلے گا بانو' سفر کی طوالت کے لیے تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم ملتان سے بائی ایئر آ جانا پھر میں عبداللہ کو فون کر دوں گا کہ آتے ہوئے تمہیں بھی گھسیٹ لائے۔ نہ آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''میں کوشش کروں گی' وعدہ نہیں کرتی۔''

''کوشش؟ ہرگز نہیں' تم ہر حال میں آؤ گی ہم دوست ہی کتنے ہیں۔ تم بھی نہ آئیں تو میں ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گا۔''

''پلیز جیمز! اتنی بڑی دھمکی مت دو' پہلے ہی ہمارا گروپ ٹوٹ کر بکھر گیا ہے۔'' اس نے آزردگی کے ساتھ کہا۔

وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

''اُما کا کوئی قصور نہیں ہے' مگر ایڈی بھی بہت اپ سیٹ ہے۔''

''مجھے پتا ہے' لیکن جو ہوا وہ ہونا ہی تھا۔ معلوم نہیں کہ ہم کیوں اس خوش فہمی کا شکار تھے کہ بالآخر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''تمہاری اماں کب جا رہی ہیں نیویارک؟'' جیمز نے جان بوجھ کر موضوع بدل دیا۔

''پرسوں فلائیٹ ہے ان کی۔''

''اور تم اس سے پہلے گاؤں جاؤ گی یا بعد میں؟''

''انہیں سی۔آف کرنے کے بعد ہی جاؤں گی۔ گاؤں سے رشتہ دار بھی آ رہے ہیں' ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔'' اس نے بتایا۔

''اگر ممکن ہو سکے تو نیویارک میں میرا ایک کام ہے' انکل سے کہنا کہ کر دیں۔''

''اوہ شیور کیوں نہیں' تم بتاؤ۔''

''کسی زمانے میں میری مام وہیں رہتی تھیں۔ یہاں آنے کے بعد ان سے کوئی رابطہ ہی نہیں رہا۔ اب تو بہت مشکل ہے کہ وہاں ہوں' مگر وہ مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اور کچھ نہیں تو میں خط و کتابت اور فون کے ذریعے انہیں اپنی زندگی میں شامل کر لوں۔'' جیمز نے کہا۔

''ہاں جیمز ضرور' میں اباجی کو بطورِ خاص تاکید کروں گی۔ اللہ کرے کہ تمہیں تمہاری مام مل جائیں۔'' ماہ بانو نے صدقِ دل سے کہا۔

''جب سے میں نے نیہاں کے متعلق سوچنا شروع کیا تھا' تب سے زندگی کا مفہوم میرے

لیے بہت بدل گیا تھا۔ مجھے محبتوں کی قدر آنی شروع ہوئی تھی۔ یوں بھی بانو میں نے بہت کم محبتیں دیکھی ہیں زندگی میں۔ نیہاں سے پہلے شاید صرف میری ماں کو مجھ سے محبت تھی‘ مگر میں نے انہیں اس لیے چھوڑ دیا کیونکہ میری وجہ سے وہ مسلسل تکلیفیں بھگت رہی تھیں۔ میں ان کی زندگی سے نکل گیا۔ ان سے کوئی رابطہ بھی نہیں کیا۔

اب جب میں نے اور نیہاں نے شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو مجھے وہ بہت یاد آتی ہیں۔ انہیں خبر ہوتی تو وہ بہت خوش ہوتیں۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں اپنی شادی پر انوائیٹ کروں۔‘‘

’’ہاں‘ ایسا ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔ اللہ کرے وہ اب تک وہیں ہوں۔‘‘

’’یہ ان کا ایڈریس ہے‘ اگر وہ مل جائیں تو انہیں نیہاں کا اسلام آباد کا ایڈریس دے دینا۔ میں آج کل رائل پارک سے نکلنے کی تگ و دو کر رہا ہوں۔ پتا نہیں کس وقت نئی جگہ منتقل ہو جاؤں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔‘‘ ماہ بانو نے ایڈریس کی پرچی تھامتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ ’’ایک بات تو بتاؤ جیمز۔‘‘

’’پوچھو!‘‘

’’ویسے کافی پرسنل سوال ہے‘ نہ چاہو تو جواب نہ دینا۔‘‘

’’اتنا پرسنل نہیں ہوگا کہ تمہیں بھی جواب نہ دے سکوں۔‘‘ وہ بولا۔

’’تم پاکستان کیوں آئے تھے‘ وہاں امریکہ میں بہت سی جگہیں تھیں‘ جہاں تم جا سکتے تھے‘ پھر تم نے پاکستان ہی کیوں چنا؟‘‘

’’نیہاں نے بھی مجھ سے پوچھا تھا۔ اس نے تمہیں بتایا نہیں؟‘‘

’’جب میں نے اس سے پوچھا تھا‘ تب اسے علم نہیں تھا‘ بعد میں نہ میں نے پوچھا نہ اس نے بتایا۔‘‘

’’میرا پاکستانی باپ میری ماں کو چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا۔ مجھے البتہ وہ اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اس نے شادی شاید گرین کارڈ کے چکر میں کی تھی۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو‘ اس نے وہاں شادی کر تو لی تھی‘ مگر نبھا نہیں سکا۔ میری مام اس کے پیچھے پاکستان آئیں اور عدالت کے ذریعے مجھے واپس امریکہ لے گئیں‘ انہیں مجھ سے بہت محبت تھی۔

پھر انہوں نے شادی کر لی۔ سوتیلا باپ‘ سوتیلا ہی بن کر رہا۔ مام نے مجھے بورڈنگ ہاؤس میں بھجوا دیا‘ مگر تب تک میں فیصلہ کر چکا تھا یہاں پاکستان آنے کا۔ اس کے تین سال بعد میں یہاں چلا آیا۔ یہ تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے۔‘‘

’’تمہیں امید تھی کہ تمہیں اپنے ڈیڈی مل جائیں گے؟‘‘

’’میں انہیں ڈھونڈنا چاہتا تھا‘ امید ہی نہیں مجھے یقین تھا کہ وہ شخص مجھے مل جائے گا۔

URDU PHOTO

بچپن کے خواب اور سپنے اور قسم کے ہوتے ہیں‘ اپنے خوابوں میں ہر بچہ سپر مین ہوتا ہے۔ وہ ہر کام کر سکتا ہے۔ میں بھی اپنے خوابوں میں سپر مین تھا۔‘‘

’’تمہاری باتوں سے لگتا تو نہیں ہے کہ تمہیں اپنے ڈیڈی سے محبت ہے‘ پھر بھی تم ان کی تلاش میں یہاں تک آ گئے۔‘‘

وہ ہولے سے ہنس پڑا۔

’’میں اس شخص کی محبت کے مارے تو یہاں نہیں آیا تھا۔ میں اسے قتل کرنے آیا تھا یہاں۔ میں اس سے اپنی اور اپنی ماں کی محرومیوں کا حساب لینا چاہتا تھا۔ برسوں تک یہ کیڑا میرے ذہن میں رہا۔ میں نے ایک ریوالور بھی خرید لیا تھا‘ جو آج تک میرے پاس ہے۔ میں نشانہ بازی کی پریکٹس بھی کرتا رہتا تھا۔

پھر بعد میں‘ میں نے سوچا کہ کیا حماقت ہے یہ۔ اس روز میں ایک فلم کا بورڈ پینٹ کر کے آرام کر رہا تھا‘ جب قریبی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ابھرنے والے...... الفاظ میرے کانوں تک پہنچے۔ مولوی صاحب کہہ رہے تھے کہ ہر برے عمل کا اسی قدر بدلہ لینا جائز ہے‘ مگر معاف کر دینا اس سے بہتر ہے۔

اس دن میں نے دیر تک اس بارے میں سوچا۔ میں اپنے باپ کو نہیں جانتا تھا اور بچپن کے خوابوں کے سحر سے بھی آزاد ہو چکا تھا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کرنا قریباً ناممکن ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ خدا اتنا بے خبر تو نہیں ہے کہ ظالم کو مستقلاً ڈھیل دیے رکھے‘ جو شخص برا ہوتا ہے‘ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے اور تباہ ہو جاتا ہے۔ تب میں نے اپنا انصاف اپنے خدا کے سپرد کر دیا اور آج تک مطمئن ہوں۔ اس نے مجھے بہت کچھ دیا ہے‘ اس سے کہیں زیادہ کمی مجھے فیملی لائف کی ہی محسوس ہوتی تھی۔ میں محسوس کرتا تھا کہ سب کے کام آنے کے باوجود سب کے ساتھ دوستی رکھنے کے باوجود کسی کو بھی مجھ سے دلچسپی نہیں تھی۔ یہ بات مجھے ہرٹ کرتی تھی۔

’’اب یہ کمی پوری ہو گئی ہے۔ میں نیہاں سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے۔ ہم کچھ ہی سالوں میں ایک نئے سفر کا آغاز کریں گے۔ تب تک مجھے بھی قدم جمانے کا موقع مل جائے گا۔ وہ بھی بہت اچھی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اسے بہت زیادہ تو نہیں دے سکتا‘ مگر اسے اس بات کی پروا نہیں ہے۔ وہ جدوجہد کرنے پر یقین رکھتی ہے‘ کہتی ہے کہ ہم مل کر محنت کریں گے تو سب کچھ حاصل کر لیں گے۔ بانو I really love her۔‘‘

سوچتے سوچتے ماہ بانو کی پلکیں بھیگ گئیں۔

’’چلو کوئی تو خوش ہوا۔ اُما اور ایڈی بچھڑ گئے۔ میں یہاں قید ہوں اور موت عبداللہ کے تعاقب میں ہے۔‘‘ اس نے سوچا۔

''اُما مجھے معاف کر دینا۔ میں نے ایڈی سے بہت بڑا جھوٹ بولا' مگر صرف اس لیے کہ میں اسے ساری زندگی تباہ کرتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ سب نہیں ہونے دینا چاہتی تھی' جس کی دھمکی تمہارے بھائی نے دی تھی۔

''تم کہاں ہو اُما' پتا نہیں میں تمہیں کبھی دیکھ بھی سکوں گی یا نہیں۔''

''میں کوشش ضرور کروں گی۔''

I Don't want to end up as a loser

اُما کی آواز اس کی یادوں میں تازہ ہوگئی۔

''اُما! قدرت نے ہار تمہارا مقدر کر دی تو کس سے لڑو گی۔'' ماہ بانو نے سوچا۔

''میں کوشش ضرور کروں گی۔ I Don't want to end up as a loser

اُما کی آواز شدت سے اُبھری۔

☆=====☆=====☆

یہ خیال خادم حسین کو بہت بعد میں آیا تھا' کہ مولوی صاحب کے گھر میں بھی حویلی کی طرح آنے جانے والوں کا تانتا سا بندھا رہتا تھا۔ ایسے میں ماہ بانو کی گمشدگی کی خبر کو چھپائے رکھنا ان کے لیے بہت مشکل ہوتا۔ جیسے ہی اسے یہ خیال آیا' وہ تیزی سے ان کے گھر کی طرف چل دیا۔

مسجد خالی تھی۔ یوں تو یہ نماز پڑھنے کا وقت نہیں تھا' مگر بچے قرآن پاک پڑھنے کے لیے وہیں ہوتے تھے۔ خود مولوی صاحب کا زیادہ وقت بھی مسجد میں ہی گزرتا تھا۔

گاؤں میں مسجد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ ہر قسم کے دینی اجتماعات یہیں ہوا کرتے تھے۔ لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے بھی ادھر کا رخ ہی کرتے تھے۔ گاؤں کے بوڑھے اور بچے مولوی صاحب کی محبت سے فیض اٹھاتے تھے۔ کبھی وہ خود درس کا انتظام کرتے تھے۔

عورتیں بھی ملانی جی کے پاس آتی رہتی تھیں۔ مولوی صاحب نے دینی لحاظ سے گاؤں کی جتنی خدمت کی تھی' اس کا حق تو وہاں رہنے والے کبھی نہیں چکا سکتے تھے مگر جتنا ان کے بس میں تھا' اتنا کرنے میں انہوں نے بھی کبھی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ خاص کر زرینہ اور رضیہ کی شادی کے بعد تو گاؤں کی عورتیں اپنی بچیاں ان کی طرف بھیج کر ان کے گھر کے کام کروا دیا کرتی تھیں۔ یوں مل جل کر ان کے گھر کا گزارہ ہو جایا کرتا تھا۔

اس قسم کے حالات میں ماہ بانو کی غیر موجودگی کو کب تک چھپایا جا سکتا تھا۔

باہر سے گزرتے چند بچوں کو خادم حسین نے اپنے پاس بلایا۔

''مولوی صاحب کہاں ہیں؟''

''آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لیے انہوں نے ہمیں چھٹی دے دی ہے۔''

''مولوی صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع دو۔''

''جی شاہ صاحب!'' دو بچے تیزی سے اندر کی طرف بھاگے۔

خادم حسین کی آمد کی اطلاع ملتے ہی مولوی صاحب ننگے سر باہر آگئے۔

''کوئی اطلاع شاہ صاحب؟'' انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

''ہمیں افسوس ہے مولوی صاحب کہ اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی۔'' وہ بولا۔

مولوی صاحب کے بوڑھے چہرے کی جھریاں کچھ اور گہری ہوگئیں۔

''شاہ صاحب! میں آپ کے پاؤں پڑتا ہوں' میری نواسی کو ڈھونڈ لائیں۔ وہ بہت بھولی' بہت معصوم ہے۔ اس پر نہ جانے کیا بیت رہی ہوگی۔ میری بیٹی کو پتا چلے گا تو وہ جیتے جی مر جائے گی۔ خدا کے لیے شاہ صاحب!''

وہ گڑگڑاتے ہوئے خادم حسین کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

''نہیں مولوی صاحب! یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''

''آپ کو کیا خبر شاہ صاحب کہ مجھ پر اور میری گھر والی پر کیا بیت رہی تھی۔ ہم نے ہمیشہ بہت صبر کیا ہے مگر کب تک؟ اس بڑھاپے میں امتحان نہیں دے سکتے۔'' وہ بچوں کی طرح شدت سے رونے لگے۔

خادم حسین چند لمحے تک انہیں دیکھتا رہا' پھر بولا۔

''ہم نے خود گاؤں کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی ہے۔ نیاز پور کی ہی نہیں' ساتھ والے گاؤں کی بھی لی ہے۔ آپ ہماری کچھ تو مدد کر سکتے ہیں۔ کسی پر شک تو ہوگا آپ کو' کہیں تو وہ جاتی ہوگی۔ کوئی راستہ تو دیں ہمیں تلاش کرنے کا۔ ابھی تو ہم مکمل طور پر اندھیرے میں کھڑے ہوئے ہیں۔''

''وہ کہیں نہیں جاتی تھی سوائے حویلی کے۔ وہ تو اپنے چاچے' تائے اور پھوپھی کے گھر بھی کبھی نہیں گئی۔ صبح سے جو بھی آرہا ہے' وہ اس کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ میرے پاس کسی کو دینے کے لیے کوئی جواب نہیں ہے۔ صبح اس کا چاچا آیا تھا' وہ چاہتا تھا کہ بانو کو اپنے گھر لے جائے۔ میں اسے کیا بتاتا کہ بانو کہاں ہے۔ اسے شک ہو گیا کہ بانو گاؤں میں نہیں ہے۔ ہمیں دھمکیاں دے کر چلا گیا۔ کہہ رہا تھا کہ اس کے تائے کو بھی لائے گا۔ گاؤں کی دوسری عورتیں بھی پوچھ رہی تھیں۔ میری گھر والی کی حالت بھی بہت خراب ہے۔ صبح سے غشی کے دورے پڑ رہے ہیں۔ بار بار بانو کو آوازیں دیتی ہے۔ ابھی سرگوشیاں ہیں' کل تک سب کھلم کھلا اس پر کیچڑ اچھالنے لگیں گے۔ اس کا صاف دامن داغدار ہو جائے گا۔'' مولوی صاحب کا گلا رندھ گیا۔

''آپ نے کہہ دیا ہوتا کہ وہ شہر چلی گئی ہے۔'' خادم حسین ان کی بات سن کر کسی قدر جھلا گیا تھا۔

''مجھ سے جھوٹ بولا نہیں جاتا۔ وہ پوچھ لیتے کہ کس کے ساتھ گئی ہے' تو کیا جواب دیتا؟''

''آپ یہاں رہے تو مسلسل اس قسم کے سوال پوچھے جاتے رہیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اور ملانی جی فوراً شہر چلے جائیں۔ اپنے رشتہ داروں کو بتادیں کہ بانو حویلی میں ریشماں کے پاس ہے۔ اتنی دیر میں ہم آپ کے شہر جانے کا انتظام کرتے ہیں۔''

''مگر پیچھے سے بانو آگئی تو کیا ہوگا' ہمیں کہاں ڈھونڈے گی وہ؟''

''وہ ہم سنبھال لیں گے۔ شہر میں آپ ہمارے بنگلے پر رہیں' بانو کا پتا چلا تو ہم خود اسے آپ کے پاس لے کر آئیں گے۔ آپ یہاں رہے تو بات زیادہ پھیلے گی اور بدنامی ہوگی۔''

مولوی صاحب شش و پنج میں تھے۔

''سوچیے مت مولوی صاحب' جو ہم کہہ رہے ہیں' وہ آپ کو کرنا ہے۔''

مولوی صاحب سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ایسا کرنا ماہ بانو کے حق میں اچھا ہوگا یا برا۔ یہاں سے جانے کو بھی ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا' انہیں لگتا تھا کہ وہ کہیں چلے گئے تو پیچھے سے ماہ بانو آجائے گی اور انہیں نہ پا کر کہاں جائے گی؟ اس معاملے میں انہیں کسی پر اعتبار نہیں تھا' مگر خادم حسین نے بھی جو کچھ کہا تھا' ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ تذبذب میں تھے۔

''اور یہاں مسجد کا انتظام کون سنبھالے گا؟'' انہوں نے نہ جانے کے لیے بہانا بنایا۔

''وہ سب آپ ہم پر چھوڑ دیں۔ مسجد کا انتظام چلتا رہے گا۔''

''مگر میں لوگوں کو شہر جانے کی وجہ کیا بتاؤں گا میں تو بہت کم گاؤں سے نکلتا ہوں اور اس طرح اچانک تو پہلے کبھی نہیں نکلا۔''

''مولوی صاحب! یہ سب باتیں کیا ماہ بانو کی عزت سے زیادہ اہم ہیں؟'' خادم حسین نے جھنجھلاہٹ کے عالم میں کہا۔

وہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔

''ٹھیک ہے شاہ صاحب۔''

انہیں تیاری کیا کرنا تھی' ہاں بڑی اماں کو بتانا مشکل مرحلہ تھا جو خادم حسین کی آمد کی خبر سن کر ہی سجدے میں گر گئی تھیں۔

''یا اللہ.........! میری بچی کو محفوظ رکھنا۔ یا اللہ پاک میری بانو کی حفاظت فرمانا۔'' وہ سجدے میں گری بلک بلک کر رو رہی تھیں۔

مولوی صاحب اندر داخل ہوئے تو انہوں نے پُرامید نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا' مگر وہاں مایوسی' پریشانی اور دکھ کے سائے کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔

''اب بھی نہیں ملی میری بانو' کہاں گئی وہ؟ جب رضیہ اپنی امانت مانگے گی تو کہاں سے لا کر دوں گی اسے؟'' صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹتا جا رہا تھا۔

مولوی صاحب چارپائی پر تقریباً ڈھے ہی گئے۔

''آپ نے بھی کچھ نہیں کیا۔ کہیں نہیں ڈھونڈا اسے۔ یا اللہ ان کے گھروں پر بجلی کیوں نہیں گرتی' جو میری معصوم بانو کو لے گئے۔ ہائے میں کہاں سے لاؤں اسے' کہاں ڈھونڈوں۔''

''بڑے شاہ صاحب نے ہمیں شہر چلنے کے لیے کہا ہے۔'' مولوی صاحب نے آہستہ سے کہا۔

''کیا؟ میں کہیں نہیں جاؤں گی' وہ شہر جانے کو کیوں کہہ رہے ہیں؟ ہمیں بھی راستے سے ہٹا رہے ہیں۔ یہاں کون ہے' جس میں اتنی ہمت ہو کہ بانو کو اغوا کرے؟ انہوں نے ہی میری بچی کو اغوا کیا ہے۔''

مولوی صاحب کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔

''آہستہ بولو نیک بخت!''

''آہستہ! میں کیوں آہستہ بولوں؟ ظلم بھی ہم پر ہوا اور اپنی زبانیں بھی ہم ہی سی لیں۔ اب یہ نہیں ہوگا مولوی صاحب' میں چلا چلا کر سب کو بتاؤں گی کہ پہلے زرینہ اور اب بانو کے ساتھ کیا ہوا ہے' کیا ہر مرتبہ ہمارے ساتھ ہی ایسا ہوگا۔''

''آہستہ بولو' ایک عزت ہی ہے ہمارے پاس وہ بھی نہ رہی تو جیتے جی کیسے منہ دکھائیں گے......؟'' مولوی صاحب تھکن زدہ لہجے میں بولے۔

''ہماری تو جتنی عزت اترنی تھی اتر گئی' اب عزت اترے گی حویلی والوں کی۔ میں ایک ایک کو ان کے کرتوت بتاؤں گی۔''

''یہ سب تمہارا وہم ہے۔ بلا تحقیق کسی پر الزام کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ بڑے شاہ صاحب تو خود پریشان ہیں۔ وہ اور مکرم شاہ صاحب ساری رات اسے ڈھونڈتے رہے ہیں۔ اغوا کرنے والے یہ زحمتیں نہیں اٹھاتے۔ ان کا ہاتھ پکڑنے والا یہاں کون ہے؟ یہ سب انہوں نے کیا ہوتا تو وہ اس بات کو چھپاتے کبھی نہ۔ وہ سینہ اکڑا کر اقرار کر لیں تو میں اپنے رب کے حضور جھک کر انہیں بددعا دینے کے علاوہ کیا کر لوں گا؟ مجھے یقین ہے کہ یہ کام انہوں نے نہیں کیا۔'' مولوی صاحب نے کہا۔

بڑی مشکل سے انہوں نے بڑی اماں کو لاہور چلنے کے لیے راضی کیا۔

☆=====☆=====☆

شام کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے' اور مکرم کے پاس فیصلہ کرنے کا وقت بہت کم تھا۔ صبح سویرے یا تو اسے عبداللہ کو قتل کرنے کے لیے بھائیوں کے ساتھ نکل جانا تھا یا پھر سب کو اس کام سے روک دینا تھا۔ پہلی بات آسان تھی۔ اس کام پر وہ سب راضی تھے' مگر اس قتل سے انہیں روک دینا آسان نہیں تھا۔

اماں جان کے کمرے سے نکل کر وہ اپنے آبائی قبرستان میں چلا آیا تھا۔ اپنے بزرگوں کی

آخری آرام گاہیں دیکھتے ہوئے وہ امداد علی کی قبر تک جا پہنچا تھا۔ سنگِ مرمر سے پختہ کی گئی یہ قبر دوسری قبروں سے زیادہ خوبصورت اور شاندار تھی۔ وہ وہیں ایک ٹھنڈی سِل پر بیٹھ گیا۔ اردگرد دور دور تک خاموشی تھی۔ صرف کچھ پرندے تھے جو چہچہا رہے تھے۔ اسے دیکھ کر قبرستان کا گورکن بھی ہاتھ باندھے چلا آیا تھا۔

''تم جاؤ ہم تنہائی چاہتے ہیں۔'' مکرم نے کہا۔

گورکن الٹے قدموں پلٹ گیا۔

تنہائی میں اس نے دور تک پھیلے شہرِ خموشاں کا جائزہ لیا' جس کا ایک حصہ قبروں سے بھر چکا تھا۔ کچھ قبریں پرانی تھیں اور کچھ نئی۔ آخر میں امداد علی کو لایا گیا تھا۔ پیر صاحب نے اس کے لیے بہترین سنگِ مرمر منگوایا تھا۔

وہ بیٹھا کتنی دیر تک اسے تکتا رہا

ایک طرف بھائی کا خون تھا اور دوسری طرف بہن کے آنسو تھے۔ کچھ دیر پہلے کا واقعہ اس وقت بھی اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا جب اس نے ریشماں سے پوچھا تھا۔

''پلیز ریشماں آپی! بتائیں کیا آپ عبداللہ سے شادی کرنا چاہتی ہیں؟''

ریشماں پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ وہ تو جیسے سانس لینا بھی بھول گئی تھی اور جب دوبارہ اس نے یہی سوال پوچھا تھا تو ریشماں کے حواس جواب دے گئے تھے۔

''عبداللہ......عبداللہ......عبداللہ!'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی تھی اور پھر ہوش وخرد سے بے گانہ ہوگئی تھی۔

وہیں بیٹھے ہوئے شام کے سائے گہرے ہوگئے تھے۔ سورج چھپ گیا تھا۔ وہاں سے اسے زیب النساء پھوپھو کی قبر بھی دکھائی دے رہی تھی' اور ان کے ساتھ ہی مہر النساء پھوپھو کی قبر تھی۔

''کیا ہماری حویلی کی گھٹن ایک دن ریشماں آپی کو بھی اتنی کم عمری میں یہاں لا سلائے گی؟'' اس نے سوچا تھا۔

یہ سوچ اس کے لیے سخت تکلیف دہ تھی۔ مسجد سے اذان کی آواز سنائی دینے پر اسے احساس ہوا کہ عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''امداد بھائی! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے خون سے کیا ہوا وعدہ نہیں نبھا پاؤں گا۔ اس وعدہ خلافی کے لیے میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں' مگر اسے نبھا کر میں ریشماں آپی کو جیتے جی مرتے نہیں دیکھ سکوں گا۔'' اس نے قبر کے پاؤں والی طرف سنگِ مرمر کی ٹھنڈی سِل پر ہاتھ رکھ کر کہا

اور مڑ آیا۔

قبرستان اور حویلی کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ تھا۔ وہ احاطے سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس کی نگاہ قبرستان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے سفید داڑھی والے بوڑھے پر پڑی۔ وہ وہاں اجنبی تھا۔

''شاید کوئی مسافر ہو۔'' مکرم نے سوچ کر آگے بڑھنا چاہا۔

''سنو!'' بوڑھے نے پکارا۔

مکرم رک گیا۔

''آگ بجھانا چاہتے ہو ناں؟ ہاں یہ آگ یا تم بجھا سکتے ہو یا پھر تمہاری قیدی۔''

مکرم نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

''کون ہو تم؟''

''اسے جانے دو' یہ بتاؤ کہ میں تمہیں خوش خبری سناؤں تو میری گمشدہ چیز مجھے دے دو گے؟''

مکرم نے سوچا کہ بڑھاپے نے بوڑھے کا دماغ الٹا دیا ہے۔ نہ جانے کہاں کا سفر کر کے وہاں پہنچا تھا وہ۔ باہر سردی بھی بہت تھی اور اتنی سردی کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے پاس چیتھڑا ہوئی ایک قمیص اور تہہ بند تھی۔ وہ کمزور بھی تھا۔ شاید بھوکا بھی۔ اسے رات وہاں گزارنی پڑتی تو صبح تک اس کی اکڑی ہوئی لاش ہی ملتی' مگر وہ جیسے سب باتوں سے بے نیاز تھا۔

''تم مسجد یا مہمان خانے چلے جاؤ' کھانا ہماری سرکار سے پہنچ جائے گا۔'' مکرم نے کہا۔

''مانا کہ تم اس جگہ کے بادشاہ ہو اور میں اس اوپر والے کی ایک ادنیٰ مخلوق' مگر میں فقیر ہوں بھک منگا نہیں۔ میں تو تمہیں خوش خبری سنانے آیا تھا کہ جو آگ برسوں سے جل رہی ہے' اسے تم بجھا دو گے' تم بھی اور تمہاری قیدی بھی۔''

مکرم نے الجھن سے اس کی طرف دیکھا۔ بظاہر تو وہ بوڑھا اجنبی تھا' مگر یہ ممکن تھا کہ اسے دونوں بھائیوں کے درمیان چلی آ رہی دشمنی کی خبر ہوتی' لیکن دوسری مرتبہ بھی جب اس نے ''قیدی'' کا ذکر کیا تو مکرم کا چونکنا یقینی تھا۔

''تم کون ہو؟''

''کہا ناں کہ اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ سی مخلوق ہوں۔ اپنی چیز ڈھونڈتے ڈھونڈتے فقیر بن گیا ہوں۔''

''کیا ڈھونڈ رہے ہو؟''

''میری سب سے قیمتی چیز' میری محبت کھو گئی ہے۔''

''محبت؟''

''ہاں نگری نگری گھوم چکا' یہاں بھی بہت تلاش کیا' اب پھر تلاش کرنے آیا ہوں۔ دیکھو میں نے تمہیں خوش خبری سنائی ہے' کیا تم فقیر پر اس قدر احسان بھی نہیں کرو گے کہ میری محبت کی تلاش میں میری مدد کرو۔''

مکرم اس شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں ناکام رہا تھا۔ یا تو وہ بہت پہنچا ہوا شخص تھا یا پھر بہت بڑا افراڈ۔ مکرم کا ذہن ایسا تھا کہ وہ دوسرے امکان کے بارے میں زیادہ غور کر رہا تھا۔

''اپنی محبت کی تلاش میں' میں نے کونا کونا چھان مارا۔'' اس نے آہ بھری۔

''بس اس چار دیواری کے اندر نہیں جھانکا۔ تم اجازت دو تو ایک نظر دیکھ لوں؟ شاید یہیں مل جائے؟''

''یہ قبرستان ہے' یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔'' مکرم بولا۔

''یہاں سب کھویا نہیں جاتا' پایا بھی جاتا ہے۔ آج تم خالی ہاتھ اندر گئے تھے' مگر خالی ہاتھ لوٹے نہیں۔ تمہارا دل اور تمہارا دامن محبتوں سے بھرا ہوا ہے۔ شاید میری محبت بھی یہاں مل جائے۔''

مکرم اسے دیکھتا رہ گیا۔ کیا وہ بوڑھا دل کے بھید جان لیتا تھا؟

''کھل کر بات کیوں نہیں کرتے؟'' وہ جھلا اٹھا۔

''میں ایک بہت ادنیٰ سا بندہ ہوں۔ لوگوں کی محبت کھو جائے تو وہ دربدر بھٹکنے کے بعد ادنیٰ محبت سے اعلیٰ محبت کی طرف بڑھ جاتے ہیں' مگر میں ایسا نہیں کر سکا۔ میں آج تک اسی محبت کی تلاش میں ہوں' اس کے علاوہ کوئی آرزو ہی نہیں۔''

مکرم سوچ میں پڑ گیا۔ یہ بوڑھا عجیب سا تھا۔ اس کے دل کے بھید جان لیتا تھا مگر اپنی محبت کی تلاش کے لیے اس سے مدد کا طالب تھا۔

''آؤ' اور آ کر اس چار دیواری میں جھانک لو۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا اور لنگڑاتے ہوئے قبرستان کے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ مکرم اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ اچانک بوڑھا رکا اور چیخ کر ایک قبر کے قریب بیٹھ گیا۔ مکرم بھی ٹھہر گیا۔

''تمہاری تلاش میں میں کہاں کہاں نہیں بھٹکا۔ کس کس جگہ تمہیں تلاش کیا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تم اتنی گہری' اتنی میٹھی نیند میں ہو۔''

مکرم کی نگاہ بے اختیار کتبے کی طرف اٹھ گئی۔

''سیدہ سکینہ بتول بنت جہانیاں شاہ۔''

وہ اس کے بابا جان کی پھوپھو کی قبر تھی۔ بوڑھا آنسو بہا رہا تھا' مکرم سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ

URDU PHOTO

خوشی کے آنسو تھے یا غم کے۔ اسے اپنی تلاش کی تکمیل کی خوشی تھی یا پا کر کھو دینے کا غم۔

''مجھے یہاں کھڑے رہنے کا کوئی حق نہیں ہے' اس بوڑھے کو اپنی خوشیوں اور غموں کے ساتھ تنہا چھوڑ دینا چاہیے۔'' اس نے سوچا اور واپسی کے لیے پلٹنے لگا۔

''جیسے تم نے بچھڑے ہوؤں کو ملایا ہے' اس طرح مولا تم بچھڑے ہوؤں کو ملائے۔'' بوڑھے نے اس سے کہا۔

مکرم حویلی میں واپس چلا آیا۔ اس کا دل بہت اداس تھا۔ اسے لگ رہا تھا' جیسے اچانک ہی وہ ونڈر لینڈ میں داخل ہو گیا ہو۔ اس جگہ اور اس میں بسنے والوں کو اس نے کبھی اس رخ سے تو دیکھا ہی نہیں تھا۔

''یہ تو طے ہے کہ عبداللہ کو قتل نہیں کرنا' مگر یہ قتل روکا کیسے جائے؟'' اپنے کمرے میں آ کر اس نے سوچا۔

''کیا ماہ بانو کو آزاد کر دوں تا کہ وہ جا کر عبداللہ کو اس منصوبے کے متعلق خبر دے دے؟ نہیں یہ ٹھیک نہیں رہے گا۔ پچھلی مرتبہ اسے معلوم ہوا تو نقصان ہم نے ہی اٹھایا تھا۔ یوں دشمنی ختم ہونے کے بجائے بڑھے گی' پھر کیا کیا جائے؟ جو کچھ بھی کرنا ہوا وہ ہماری طرف ہی کرنا ہوگا۔ بھائیوں کو کسی بات یا دلیل سے قائل کرنا' وہ بھی اس قدر مختصر مدت میں ممکن ہی نہیں۔''

سوچ سوچ کر اسے خیال آیا۔

''اگر اپنی حویلی میں پریشانی پیدا کر دی جائے تو سب اسی میں الجھ جائیں گے اور قتل کا منصوبہ التوا میں پڑ جائے گا۔ تب تک اتنا موقع تو ہوگا کہ بھائیوں کو قائل کیا جا سکے۔''

یہ خیال آتے ہی وہ اپنا ریوالور لے آیا۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین ماہ بانو کی طرف سے سخت پریشان تھا۔ مولوی صاحب کو تو اس نے بہت سی تسلیاں اور دلاسے دے کر لاہور بھجوا دیا تھا مگر خود اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ تو اس طرح غائب ہوئی تھی کہ اپنے پیچھے کوئی سراغ بھی نہیں چھوڑا تھا۔ کبھی وہ سوچتا تھا کہ کسی نے اسے اغوا کر لیا اور کبھی یہ خیال آتا کہ شاید وہ لاہور چلی گئی ہو۔

مگر اسے اغوا کون کر سکتا تھا؟ اس نے اردگرد کے پانچ گاؤں کی تلاشی لے لی تھی۔ گاؤں میں ہونے والی اغوا کی وارداتوں کا کچھ نہ کچھ پس منظر ایسا ضرور ہوتا ہے' جس کی وجہ سے نوبت اغوا تک پہنچتی ہے' پر یہاں ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی۔

اور وہ اتنی غیر ذمہ دار بھی نہیں تھی کہ کسی سے کچھ کہے سنے بغیر مغرب کے وقت لاہور کے لیے ایسے نکل پڑے کہ اس کے پاس پیسے بھی نہ ہوں۔ اس کا تمام تر سامان بھی یہیں پڑا ہو۔ سارا دن ریشماں کے ساتھ گزارنے کے باوجود اس نے اس سلسلے میں اسے کچھ نہ بتایا ہو۔

یہ معاملہ بے حد الجھا ہوا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیسے سلجھائے۔ ایک مرتبہ پھر ریشماں سے بات کرنے کی غرض سے وہ اماں جان کے کمرے کی طرف چل دیا۔

اماں جان اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں۔ ریشماں انہی کے بستر پر سو رہی تھی۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں نے دوا دے کر سلا دیا ہے۔ اسے تنگ مت کرنا۔'' اماں جان نے کہا۔

''مگر اماں جان یہ معاملہ بہت ضروری ہے۔ ماہ بانو کا کچھ پتا نہیں چل رہا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بارے میں ریشماں سے پوچھوں۔ شاید اپنی گفتگو کے درمیان اس نے کسی ایسی بات کا ذکر کیا ہو جس سے کچھ اندازہ ہو سکے۔''

''صبح دیکھی جائے گی۔ اس وقت اسے تنگ مت کرو۔''

''اماں! یہ آپ کہہ رہی ہیں؟ یہاں ایک لڑکی کی زندگی اور عزت کا معاملہ ہے۔ آپ تو ایسے کبھی نہیں کرتی تھیں۔'' اسے ان کی بے نیازی سے تعجب ہوا۔

''میرے لیے میری اولاد سب سے زیادہ اہم ہے اور بس۔'' انہوں نے قطعی انداز میں کہا۔

''پتا نہیں بابا جان کب آئیں گے؟'' وہ جھنجھلا گیا۔ ''کتنی پریشانیاں اکٹھی نازل ہو گئی ہیں۔ بابا جان ہر معاملہ سنبھال لیتے ہیں اور مجھ سے ایک مسئلہ حل نہیں ہو رہا۔ ابھی صبح کا بھی پروگرام ہے اور مکرم اور نوازش دونوں سارا دن سے غائب ہیں۔ اماں، ریشماں ہی نہیں، میں بھی آپ کی اولاد ہوں۔ اگر میں ماہ بانو والا مسئلہ حل نہ کر سکا تو سوچوں گا کہ بابا جان کی گدی پر بیٹھنے کا میرا کوئی حق نہیں ہے، اور میں خود اس گدی سے دستبردار ہو جاؤں گا۔''

''اللہ نہ کرے۔ کیسی باتیں کر رہے ہو خادم!'' اماں جان نے دل تھام لیا۔

''سچ کہہ رہا ہوں۔''

اماں جان نے لاچاری سے پہلے اس کی طرف دیکھا پھر ریشماں کی طرف۔ ابھی ریشماں کی طرف ان کا ہاتھ بڑھا بھی نہیں تھا کہ فائر کی آواز گونجی۔

''یا اللہ خیر!'' اماں جان نے ہول کر کہا۔

''گولی یہیں کسی کمرے میں چلی ہے۔'' خادم حسین نے کہا اور تیزی سے ان کی خواب گاہ سے نکل گیا۔

باہر نکل کر یہ پتا چلانا مشکل نہیں تھا کہ گولی مکرم کی خواب گاہ میں چلی تھی۔ وہ وہاں پہنچا تو پہلے ہی بہت سے ملازمین وہاں موجود تھے۔ مکرم کا بایاں بازو خون میں لت پت تھا اور وہ ہونٹ بھینچ کر [illegible] کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کا ریوالور بھی پڑا ہوا تھا۔

''فوراً گاڑی نکالو۔'' خادم حسین نے چلا کر ملازمین سے کہا اور خود مکرم کو اٹھا کر باہر لے گیا۔

''میں چل سکتا ہوں۔'' مکرم نے نقاہت سے کہا۔

''نہیں، تمہارا بہت خون بہہ رہا ہے۔'' وہ بولا۔

آگے پیچھے گن مینوں کی گاڑیوں کے درمیان ان کی جیپ تیزی سے ملتان کی طرف جا رہی تھی۔

''یہ ہوا کیسے مکرم؟'' خادم حسین نے پوچھا۔

''میں ریوالور صاف کر رہا تھا، گولی چل گئی۔''

''کیا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تمہارے لیے ریوالور کوئی نئی اور انوکھی چیز تو نہیں ہے کہ صفائی کرتے ہوئے چل جائے۔''

''مجھے پتا نہیں چلا۔'' مکرم نے کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

اس کے بازو میں گزرتے پل کے ساتھ درد شدید ہوتا جا رہا تھا۔ خون سے اس کی قمیص سرخ ہو چکی تھی۔ بری طرح سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

اسپتال میں مرہم پٹی کر کے اور دوائیں دے کر اسے فارغ کر دیا گیا۔ زخم گہرا تھا مگر تشویشناک بات نہیں تھی۔ واپس آتے ہوئے خادم حسین خاموش تھا۔

''کیا ہوا؟ آپ خاموش کیوں ہیں بھائی؟'' مکرم نے کہا۔

''ہر کام غلط ہو رہا ہے۔ بابا جان سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں تو وہ بھی نہیں ہو رہا۔ پہلے ہی کم پریشانیاں تھیں کہ اب تم بھی زخمی ہو گئے ہو۔ ریشماں الگ بخار میں پھنک رہی ہے۔ ماہ بانو ایسے غائب ہے، جیسے وہ کبھی یہاں آئی نہیں ہو۔ میں اس کی طرف سے بہت پریشان ہوں، پھر عبداللہ کے قتل کا منصوبہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ بابا جان آ کر پوچھیں گے تو ان کے سامنے اپنی پریشانیوں کی ایک لمبی لسٹ رکھنی پڑ جائے گی۔ شاید چار دن رہ گئے ہیں۔ زمینوں کے مقدمے کا فیصلہ ہونے میں۔ یہ فیصلہ بھی ہمارے خلاف ہے۔ کھڑی فصلوں والی زمینیں حیدر علی کو دینے کے خیال سے ہی میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ عبداللہ کو عدالت کے فیصلے سے قبل ٹھکانے لگانا بہت ضروری ہے۔''

مکرم خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔

''افسوس تو مجھے یہ ہے مکرم کہ تم نے بجائے مجھے سپورٹ کرنے اور میرا ساتھ دینے کے، مجھ سے جھوٹ بولا۔ تم ریوالور صاف کرتے ہوئے زخمی نہیں ہو سکتے۔ وجہ کچھ اور ہے، جو تم نے مجھے نہیں بتائی۔ تم جانتے ہو کہ اس وقت تمہارے زخمی ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟''

مکرم کھڑکی سے اندھیرے میں پیچھے بھاگتے ہوئے درخت دیکھنے لگا۔

''میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے؟''

''جواب تو مجھے دینا ہی ہے' مگر میرے پاس مناسب الفاظ نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی صحیح لفظوں کے انتخاب پر توجہ نہیں دی۔''

''تمہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ مجھے تم سے ادبی شہ پارہ تخلیق نہیں کروانا۔ سیدھے سیدھے لفظوں میں میرے سوال کا جواب دے دو۔'' خادم حسین نے کہا۔

''میں نہیں چاہتا کہ عبداللہ شاہ کو قتل کیا جائے اور نہ ہی میں اسے قتل ہونے دوں گا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری جواب طلبی اتنی جلدی ہو جائے گی۔ خیر اچھا ہی ہے۔''

خادم حسین نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟''

''اب ہی حواسوں میں آیا ہوں۔ میں بہت سی حقیقتوں سے بے خبر تھا' مگر جب ان کا علم ہوا تو میں نے سوچا کہ یہ سب کیا ہے' کیوں ہے؟ میری نفرت' میری محبتوں کے مقابلے میں بہت ادنیٰ ہے' اسی لیے میری محبتیں نفرتوں پر غالب آئی ہیں۔

آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ ریشماں آپی حویلی میں کس گھٹن کا شکار ہیں۔ بابا جان نے خود ان کی منگنی کی تھی عبداللہ کے ساتھ اور یہ کوئی یک طرفہ فیصلہ نہیں تھا۔ اس میں حیدر علی کی مرضی بھی شامل تھی پھر اب ریشماں آپی کو ان کے حق سے محروم کر دینا کوئی انصاف کی بات نہیں ہے۔ کس قدر ظلم ہوگا ان کے ساتھ اگر سخاوت بابا کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی اور ان کی شادی ان سے برسوں چھوٹے بچے کے ساتھ کر دی گئی۔ کیا خوشیوں کے لیے ان کا دل نہیں چاہتا ہوگا؟ کیا ہماری طرح ان کی خواہشیں نہیں ہوں گی کہ ایک گھر کی بھرپور خوشیاں دیکھیں؟

آپ کو ماہ بانو پسند آ گئی' سبط نے زینی کو منتخب کر لیا۔ سب نے اپنی مرضی چلائی' مگر ہم میں سے کسی نے یہ جاننے کی زحمت بھی نہیں کی کہ کیا انہیں بھی کوئی پسند ہے یا نہیں؟ ہم اپنی زندگی کے متعلق دوسروں کے کیے ہوئے فیصلے پسند نہیں کرتے' مگر ان کے لیے اس بارے میں کسی نے نہیں سوچا' ان کی زندگی کی لگا میں آج بابا جان کے ہاتھ میں ہیں' کل آپ کے ہاتھ میں ہوں گی۔ کیا کبھی ایسا وقت آئے گا کہ وہ اپنی خوشیوں کے لیے خود کوئی فیصلہ کر سکیں گی؟

کوئی اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہو یا نہیں' کسی کی سوچ پر تو پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے۔ وہ بھی اپنے بارے میں سوچتی ہیں۔ انہیں بھی ایک گھر کی آرزو ہے اور ان کے خوابوں کے اس گھر کی تکمیل عبداللہ شاہ کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔''

خادم حسین نے گاڑی سڑک کے کنارے کچے پر روک دی۔

''یہ سب تم کیسے جانتے ہو؟''

''جانا جا سکتا ہے' اگر ہم اپنی دنیا سے ہٹ کر کبھی کسی اور کی طرف بھی دیکھیں' میں ذرا

موٹے دماغ کا آدمی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی اور باریک باتیں سمجھ میں نہیں آتیں' ورنہ یہ سب بہت پہلے ریشماں آپی کی آنکھوں اور ان کے چہرے سے بھی پڑھ سکتا تھا۔ مگر مجھے ضرورت پڑی کہ وہ اپنی زبان سے بھی اس بات کا اقرار کریں اور انہوں نے کیا۔'' مکرم نے کہا۔

''اس نے اپنے منہ سے کہا یہ؟'' خادم حسین نے ہولے سے پوچھا۔

خادم حسین کے ہاتھ سٹیئرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموشی کے ساتھ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا' پھر سگریٹ سلگا لیا۔ مکرم چپ چاپ اسے سگریٹ کے کش لیتے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے سگریٹ کا بقیہ حصہ باہر کی طرف اچھال دیا۔ اندھیری ٹھنڈی سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی۔ ان کے باڈی گارڈز کی گاڑیاں ان سے کچھ فاصلے پر رکی ہوئی تھیں۔

''ریشماں کی زندگی کی لگا میں بابا جان کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ درست ہے مگر یہ درست نہیں کہ کل میرے ہاتھ میں ہوں گی۔'' خادم حسین نے کہنا شروع کیا۔

''میں اس بات کا قائل ہی نہیں ہوں' لیکن میں بابا جان کے اختیارات کو بھی چیلنج نہیں کرنا چاہتا۔ حویلی کی بعض روایتوں سے مجھے شدید اختلاف ہے اور بعض کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔ بہرحال پرسنل لیول پر میری پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے اس سیٹ اَپ پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا' جو روایتیں قائم ہیں' وہ ویسے ہی قائم رہیں گی۔''

''مطلب آپ اس کے لیے تیار نہیں ہیں؟'' مکرم نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کیا چاہتا ہوں اور کیا نہیں' فی الحال اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے' اگر بابا جان راضی ہو جاتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے' اگر نہیں تو سب کو ان کی یہ بات بھی تسلیم کرنی ہوگی۔''

''مجھ سے یہ امید مت رکھیں کہ میں ان کے ایسے کسی حکم کی پابندی کروں گا۔''

''ہم میں سے کوئی بھی اس سیٹ اَپ کو بدل نہیں سکتا مکرم!'' خادم حسین نے کہا۔

''مجھے نہ تو اس سیٹ اَپ سے دلچسپی ہے اور نہ اس بات سے کہ اس میں کون کیسے کیسے کچلا جا رہا ہے' میری دلچسپی صرف اماں جان اور ریشماں آپی سے ہے۔ مجھے کوئی انقلابی بننے کا شوق نہیں ہے۔ میں بس اتنا چاہتا ہوں کہ ان کی آنکھوں میں' چہرے پر کبھی دکھ کی پرچھائیاں نہ دیکھوں۔'' اس نے قطعی انداز میں کہا۔

خادم حسین سٹیئرنگ کو انگلیوں سے بجاتے ہوئے بولا۔ ''پہلے سبط اور اب ریشماں۔ قدرت بھی بعض اوقات عجیب و غریب کھیل کھیلتی ہے۔''

مکرم خاموش رہا۔

''وراثت میں جو گدی میرے حصے میں آئی ہے' وہ پھولوں کی سیج نہیں ہے۔ تم اس سیٹ اَپ میں صرف مخصوص افراد کو بچانا چاہتے ہو۔ جبکہ میری نگاہ پورے سسٹم پر ہے۔ حاکم' محکوم' آقا

اور غلام کا یہ سیٹ اَپ ہماری اور ہماری حویلی کی بقا کے لیے ضروری ہے اور جب بات بقا کی آ جاتی ہے تو کچھ کڑوے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں۔ حویلی کے اندر کا سیٹ اَپ یہی کڑوے گھونٹ ہیں۔ اگر انہیں بدل دیا ناں مکرم‘ تو ساری عمارت ڈھے جائے گی۔“

”بہنوں کی شادیاں نہ کر کے‘ ان پر سورج کی روشنی اور ہوا تک بند کر کے ہم کس سیٹ اَپ‘ کس سسٹم کو بچا رہے ہیں؟ کیا یہ سسٹم انہی باتوں پر کھڑا ہے؟ آپ کو جو کڑوے گھونٹ پلوانے ہوں‘ اپنی بیٹی کو پلوا دینا۔ میری بہن کے ساتھ مزید یہ سلوک نہیں ہو سکتا۔“ مکرم کا انداز فیصلہ کن تھا۔

خادم حسین نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ وہی ضدی اور اپنی بات منوانے کا عادی مکرم تھا جو عبداللہ کو قتل کرنے کے بجائے صرف ریشماں کی خواہش پوری کرنے کی خاطر خود کو گولی مار بیٹھا تھا۔ اسے کچھ کہنا یا سمجھانا فضول تھا۔ اس معاملے میں تو خود خادم حسین نے بھی اپنی رائے محفوظ رکھی ہوئی تھی۔ اسے بابا جان کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ جو بھی فیصلہ کرتے‘ اس میں اتنی صلاحیت تھی کہ اس فیصلے کو سب سے منوا لیتا۔ ابھی مکرم سے خواہ مخواہ الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا‘ اس لیے اس نے چاہا کہ اس بات کو فی الحال ہنسی مذاق میں اڑا دے۔

”مجھے یقین ہے کہ اگر کبھی میری کوئی بیٹی ہوئی تو تم اس کی خاطر بھی یہی سب کر گزرو گے جو آج ریشماں کے لیے کر رہے ہو‘ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے میری شادی ہو اور یہ تب تک تقریباً ناممکن ہے‘ جب تک ماہ بانو کا پتا نہیں چل جاتا۔“ اس نے شگفتگی سے کہا۔

”ماہ بانو؟“ مکرم کو اچانک اس کا خیال آیا۔ ”ہاں وہ بہت اچھی لڑکی ہے بالکل ویسی جیسی آپ چاہتے ہیں۔ اس میں واقعی بہت شان اور تمکنت ہے۔ برے سے برے حالات میں بھی وہ جھکی نہیں ہے‘ آپ کو پتا نہیں کیسا لگے گا‘ مگر مجھے اس کا یہ ضدی پن اچھا لگا ہے۔ اس میں ہر وہ خوبی ہے‘ جو حویلی کی بہو بننے کے لیے ضروری ہو سکتی ہے۔

پتا ہے جب میں نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تو شدید پیاس کے باوجود اس نے وہ پانی پھینک دیا‘ ایک قطرہ نہیں پیا اور آپ کو نہیں معلوم کہ اس کا لہجہ کتنا سچا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا ایمان کتنا کامل ہے۔ مجھے ریشماں آپی کے بعد دو ہی لڑکیاں اچھی لگی ہیں‘ ایک زینی اور دوسری ماہ بانو۔ مجھے نہیں معلوم کہ زہرا کیسی ہے‘ مگر میری زندگی کی بڑی خواہشوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی شادی ماہ بانو سے ہی ہو۔“

خادم حسین بے یقینی اور تعجب کے عالم میں اسے دیکھے جا رہا تھا‘ اسٹیرنگ پر اس کے ہاتھوں کی گرفت سخت ہوتی جا رہی تھی۔

”اسے تم نے؟ مکرم تم نے؟“ وہ بات پوری نہ کر سکا تھا۔

”ہاں!“ اس نے مجرمانہ انداز میں سر جھکا دیا۔

”یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں اس کے بارے میں کیا سوچتا ہوں؟ اس کے بارے میں کتنا پریشان تھا میں؟ یہ کیسے کر سکتے ہو تم؟“ وہ مجروح لہجے میں بولا۔

”جو آپ سوچ رہے ہیں‘ ویسی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ ضرور ہے کہ میں نے آپ سے حقیقت چھپائے رکھی‘ مگر اس کے اغوا کا مقصد وہ نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔“

”پھر کیا تھا؟“ خادم حسین نے اپنے اندر اٹھتے ہوئے غصے کو بہت مشکل سے قابو کیا۔

”وہ عبداللہ کے قتل کے منصوبے کی خبر دینے جا رہی تھی۔ اندھیرے میں مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ وہ کون ہے۔ ڈیرے پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ ماہ بانو تھی۔ وہاں وہ بالکل محفوظ ہے۔ میں نے نوازش کو سختی سے اس بات کی تاکید کی تھی۔ اس کی وہاں پر موجودگی کے متعلق میرے اور نوازش کے علاوہ کوئی بھی واقف نہیں ہے۔“

وہ کچھ بھی نہ سمجھ پایا۔

”مگر اسے اس بات کی خبر کیسے ہوئی؟“

”اسے یہ بات ریشماں آپی نے کریمن کے ذریعے بتائی تھی۔ ریشماں آپی کو کریمن نے اور کریمن کو رمضان نے بتایا تھا۔“ مکرم نے کہا۔

”تم نے اس بارے میں مجھے کیوں نہیں بتایا؟ تمہیں معلوم تھا میری پریشانی کے متعلق‘ اب کہاں ہے وہ؟“

”وہ وہیں ہے‘ آپ کو کچھ نہ بتانے کی وجہ یہ تھی کہ میں اس بارے میں کسی فیصلے تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ ریشماں آپی‘ عبداللہ کو بچانا چاہتی تھیں اور غالباً انہی کی خواہش پر وہ اسے یہ خبر دینے جا رہی تھی۔ میرے لیے یہ انکشاف خاصا تکلیف دہ تھا۔ جو کچھ اب جانتا ہوں‘ وہ پہلے جانتا تو شاید مجھے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔“

”تم نے بہت برا کیا مکرم۔ میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا‘ اترو نیچے۔“ خادم حسین کے لہجے میں غصے سے زیادہ دکھ تھا۔

”آپ کو میری بات پر یقین نہیں آیا؟ میں سچ کہہ رہا ہوں‘ میں تو صرف......!“

I Don't want explanations

”تم بھی صفائیاں مت پیش کرو۔“ اس نے تیزی سے کہا۔

مکرم اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا اور باڈی گارڈز کی پجیرو کی طرف بڑھ گیا۔

خادم حسین اپنی نسان پٹرول اسٹارٹ کر کے سڑک پر لے آیا۔

نیاز پور پہنچ کر خادم حسین حویلی کی طرف جانے کے بجائے ڈیرے کی طرف گاڑی لے گیا۔ مکرم بھی باقی باڈی گارڈز کو اتار کر صرف ڈرائیور کے ساتھ ڈیرے کی طرف چل پڑا۔ دونوں جیپیں تقریباً ساتھ ساتھ ہی وہاں پہنچی تھیں۔ خادم اسے نظر انداز کر کے اندر بڑھ گیا۔

''تم جاؤ۔'' مکرم نے ڈرائیور سے کہا اور خود بھی اندر چلا آیا۔

نوازش کمرے میں صوفے پر لیٹا پرائم اسپورٹس سوئمنگ کے مقابلے دیکھ رہا تھا۔ خادم حسین اور اس کے پیچھے مکرم کو آتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

''آئیں بھائی' یہ کس بور کام پر لگا دیا ہے آپ نے؟''

''کہاں ہے بانو؟'' خادم حسین کے تیور کچھ اچھے نہیں تھے۔

نوازش نے الجھن زدہ نگاہوں سے مکرم کی طرف دیکھا۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہ بانو کہاں ہے؟'' لہجہ بہت سخت تھا۔

''خادم بھائی! کو چابی دے دو نوازش!'' مکرم نے کہا۔ پھر خادم حسین سے مخاطب ہوا۔

''وہ ماسٹر بیڈ روم میں ہے۔''

نوازش نے چابی اس کی طرف بڑھا دی اور بولا۔

''میں نے اسے کھانا پہنچا دیا تھا' مگر اس نے نہیں کھایا۔''

خادم حسین تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا اور لاک میں چابی گھما دی۔ دروازہ کھلا تو ماہ بانو نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ خادم حسین اسے دیکھ کر وہیں رک گیا۔ اس کی حالت بہت بری تھی۔ وہ صوفے پر دونوں ٹانگیں اوپر کر کے بیٹھی ہوئی تھی۔ چہرے پر نقاہت اور تھکاوٹ کے آثار صاف دکھائی دے رہے تھے۔ گالوں پر آنسوؤں کے نشان تھے۔ آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔ بال الجھے ہوئے' بکھرے ہوئے تھے۔ پہلے چند لمحے وہ اسے' مکرم اور نوازش کو خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر اس نے سر جھٹک کر ذہن پر چھائی دھند کو دور کرنا چاہا۔ جونہی اسے احساس ہوا کہ وہ تینوں وہاں موجود تھے' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر صوفے کے پیچھے چلی گئی۔ خادم حسین اس کی طرف بڑھا۔

''میرے نزدیک مت آنا۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلائی۔ سر جھٹک کر دوبارہ آنکھوں کے آگے آتے اندھیرے کو دور کرنا چاہا' کنپٹیاں سہلائیں' مگر نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ وہ خود کو سنبھال نہ سکی اور وہیں قالین پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

☆=====☆=====☆

زینی کلیرنس کروا کے باہر نکلی تو سامنے ہی بابا جان کھڑے ہوئے تھے' وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''بابا جان' میں آپ سے بات نہیں کرتی۔ آپ سب مجھے بھول گئے تھے' کسی کو یاد نہیں آئی میری۔'' وہ رو پڑی۔

''تمہیں بھول سکتا ہے ہم میں سے کوئی؟'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''میں کہتی رہی کہ وہاں آجائیں مگر میری بات مانی کسی نے؟ آپ کو پتا ہے کہ میں سب کو

کتنا مس کر رہی تھی؟ مگر آپ سب کو بھلا کیا پروا؟ میری تو کوئی اہمیت ہی نہیں ہے ناں۔'' وہ مسلسل شکوہ کر رہی تھی۔

''ہم سب نے بھی تمہیں بہت مس کیا ہے بیٹا۔ گڑیا اور تمہیں' دونوں کو..... مگر کیا سارا سمندر یہیں بہانے کا ارادہ ہے' گھر نہیں چلنا؟''

اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں ان کی طرف دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''بابا جان! میں اتنی خوش ہوں یہاں آ کر' میرا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ پلک جھپکتے میں یہاں آ جاتی۔ راستہ کاٹنا مشکل ہو رہا تھا۔ اٹلانٹک اوشن تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں رہا تھا۔ میں تو تھک گئی اتنا سمندر دیکھ کر۔ کوئی اور وقت ہوتا تو اچھا لگتا' مگر اب نہیں' ابھی تو غصہ آ رہا تھا کہ راستہ ختم کیوں نہیں ہو رہا۔'' وہ حسبِ عادت تیز تیز بول رہی تھی۔

کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔

''اماں جان اور بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ وہیں گاؤں میں ہیں۔'' بابا جان نے جواب میں کہا۔

''پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ مجھے بھولے نہیں ہیں۔ یہ پروا ہے آپ لوگوں کو میری۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ آتے ہی آپ سب کو دیکھوں گی۔'' اس نے منہ پھلا لیا تھا۔

''بیٹا' ایسی بات نہیں ہے' سب ہی تمہیں لینے آنا چاہتے تھے' مگر تمہاری اماں جان کا بلڈ پریشر ٹھیک نہیں تھا۔ میں نے انہیں منع کر دیا تھا۔ آنے سے اور پھر ظاہر ہے کہ کسی کو تو ان کے پاس رہنا تھا ناں!'' انہوں نے پیار سے کہا۔

وہ جو کل تک کہہ رہے تھے کہ کسی نے زینی کے اس طرح چلے آنے کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی ہے' اسے دیکھ کو وہ خود ہی اپنی یہ بات بھول گئے تھے۔ تقریباً چھ سات ماہ ہو گئے تھے اسے دیکھے ہوئے۔

''ابھی ہم گاؤں جائیں گے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں' ابھی یہاں ہی گھر چلیں گے۔ میں سفر سے کچھ تھک گیا ہوں۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد واپس جائیں گے۔ تم فون پر اپنی اماں اور بھائی سے بات کر لینا۔''

''ہاں' مجھے سبط کو بھی فون کرنا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ پہنچتے ہی.....'' وہ پُر جوش انداز میں کہتے کہتے رک گئی۔ یہ سوچ کر کہ شاید بابا جان کو اس کی بات اچھی نہ لگے۔

''ایک تو یہ بہت مشکل ہے' یہاں ہر بات اتنا سوچ سوچ کر کرنا پڑتی ہے۔ بابا جان' جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں' مگر اماں جان کا تو بلڈ پریشر سبط کا نام سنتے ہی ہائی ہونے لگتا ہے۔'' زینی نے سوچا۔

''گڑیا ٹھیک ہے؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''جی وہ بالکل ٹھیک ہے۔ پتا نہیں کیا بات ہے بابا جان! وہ اتنا محسوس نہیں کرتی' سب کی غیر موجودگی کو' کرتی ہے مگر کم' مجھ سے تو وہاں کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔ سب اتنے یاد آتے تھے' اتنا ڈر بھی لگتا تھا کہ کہیں یہاں بھائی کو خدانخواستہ کچھ ہو نہ جائے۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔ یہ سب سوچتی تھی تو پڑھا بھی نہیں جاتا تھا۔ کبھی میں چاہتی ہوں کہ گڑیا جیسی ہو جاؤں وہ ہر جگہ ایڈجسٹ کر جاتی ہے۔''

کار گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ زینی نے گھر میں گھستے ہی پہلا کام یہ کیا کہ فون اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔ بابا جان اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اس نے سبط' زہرا' اماں جان اور عبداللہ سبھی سے بات کی' پھر اٹھ کر بابا جان کے کمرے میں چلی آئی' جو چائے پی رہے تھے۔

''میں نے بات کر لی بابا جان' اماں جان کہہ رہی تھیں کہ اُڑ کر گاؤں پہنچ جاؤ۔'' اس نے بہت خوشی اور شوق سے بتایا۔

''بس بیٹا! ابھی تھوڑی دیر میں نکلتے ہیں۔'' وہ بولے۔

''میں نے اماں جان کو بتایا ہے کہ آپ تھکے ہوئے ہیں۔ اماں کہنے لگیں کہ پھر آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔''

زینی کی بات منہ ہی میں تھی کہ ملازم دروازے پر نمودار ہوا۔

''ہاں نور محمد! کیا بات ہے؟'' بابا جان نے پوچھا۔

''شاہ صاحب! ایک خبر ہے۔''

''کیا خبر ہے؟''

''پیر صاحب کو دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ کلینک میں داخل ہیں۔''

''کیا؟'' بابا جان اٹھ کھڑے ہوئے۔

زینی کا رنگ فق ہو گیا۔

''بڑے بابا جان کو...... اوہ گاڈ! کیسی حالت ہے ان کی۔''

''ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے جی اور انہوں نے کسی کو بھی یہ بات بتانے کے لیے منع کیا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ بڑے شاہ صاحب خادم حسین شاہ کو بھی علم نہیں ہے۔'' نور محمد نے بتایا۔

''اب کیا ہوگا بابا جان! سبط سنے گا تو بہت پریشان ہوگا۔ وہ تو ہے بھی اتنی دور۔''

''زینی بیٹا! تم آرام کرو' میں ابھی آتا ہوں۔'' بابا جان نے کہا۔

''آپ بڑے بابا جان کے پاس جا رہے ہیں ناں!''

''ہاں' میں جلدی آ جاؤں گا۔'' وہ بولے۔

''[illegible] چلوں گی بابا جان!'' وہ فوراً تیار ہو گئی۔

''پتا نہیں وہاں کیسے حالات ہوں گے اور پھر تم تھکی ہوئی ہو' اتنا لمبا سفر کیا ہے' اگر حالات ٹھیک ہوئے تو میں تمہیں لے جاؤں گا۔''

''میں بالکل تھکی ہوئی نہیں ہوں اور بابا جان! حالات کیسے بھی کیوں نہ ہوں' ہمارا فرض ہے کہ ایسے وقت میں ان کے پاس جائیں اور ان کی خدمت کریں۔ اگر یہاں ریشماں آپی ہوتیں تو کیا وہ نہ جاتیں؟ اور پھر سبط سنے گا تو کیا اسے اچھا لگے گا کہ میں یہاں ہوتے ہوئے بھی ان کے پاس نہیں گئی۔''

اس نے انہیں قائل کرنے کے لیے پورے جوش سے کہا۔

بابا جان نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ہتھیار ڈال دیے۔ ''چلو۔''

''تھینک یو۔'' وہ خوش ہو گئی۔

ان کے ذہن میں کہیں یہ خیال بھی ابھر رہا تھا کہ شاید اسی طرح حالات بہتر ہو جائیں۔ شاید ان سب کو ان کی کھوئی ہوئی خوشیاں مل جائیں۔ شاید زینی کا مستقبل محفوظ ہو جائے۔ شاید یہ آگ بجھ جائے' جو عبداللہ کے دامن تک پہنچ چکی ہے۔

''مریض کے پاس آپ جا تو سکتے ہیں' مگر ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ان سے زیادہ باتیں مت کیجیے اور خاص کر ایسی کوئی بات مت کیجیے' جو ان کے لیے اچانک بہت بڑی خوشی یا شاک ثابت ہو۔'' ڈاکٹر نے ہدایت کی۔

وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئے۔ زینی نے بابا جان کی آستین پکڑ رکھی تھی اور ان کے پیچھے قدرے چھپی ہوئی تھی۔ پیر صاحب کی آنکھیں بند تھیں۔ اندر ان کے دو خاص ملازمین بھی موجود تھے۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ ایک دم مستعد ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ہی مسلح تھے۔ بابا جان انہیں نظر انداز کر کے آگے بڑھے اور کتنی دیر تک خاموشی کے ساتھ پیر صاحب کو تکتے رہے۔

انہوں نے کبھی بھی اپنے بھائی کے ساتھ جان بوجھ کر برائی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی' مگر حالات نے ان کے درمیان اتنی گہری خلیج حائل کر دی تھی کہ ملنا تو دور کی بات' وہ ایک دوسرے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

لیکن آج ان کے دل میں کچھ پگھل سا رہا تھا۔ دوریاں کتنی گہری سہی' پر وہ دونوں سگے بھائی تھے۔ ان کا خون ایک تھا' وہ وقت بھی تھا جب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے جان تک قربان کر سکتے تھے۔

اب تک وہ اپنے بچوں کے سامنے اپنے بھائیوں کا پردہ رکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ان کی غلط سے غلط بات کی تشریح اس طرح کرتے تھے کہ بظاہر وہ بالکل بے قصور دکھائی دینے لگتے تھے' محبت تو اب بھی ان کے دل میں بہت تھی' مگر حالات ایسے تھے کہ انہیں یہ محبت اپنے دل میں دفن کر دینی پڑی تھی۔ ان کے سامنے اپنی اولاد اور اس کی سلامتی بھی تو تھی۔

ان کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اب بھی وہ ملنے تو آ گئے تھے' مگر کیا ضروری تھا کہ ملنے کے لیے کسی حادثے' کسی دکھ' کسی تکلیف کا انتظار کیا جائے۔

وہ چند قدم آگے بڑھے اور جھک کر پیر صاحب کے پیروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ انہیں احساس بھی نہیں تھا کہ آنسو قطرہ قطرہ ان کے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا مگر اس سے آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اب اس کی نقاہت اور کمزوری بہت حد تک ختم ہو چکی تھی۔ اپنے اردگرد اسے کبھی کبھار ہلچل کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ کبھی گلاس زور سے میز پر رکھا جاتا اور آواز آتی۔

''چپ' آہستہ اسے ڈسٹرب مت کرو۔''

کبھی کمرے کا دروازہ کھلنے' بند ہونے کی آواز سنائی دیتی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اس وقت کہاں تھی۔

کمرے کا دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلنے کی آواز آئی تھی۔

''آہستہ بند کرنا دروازہ۔'' دبی دبی سی مردانہ آواز آئی۔

یہ آواز پہلے بھی وہ سن چکی تھی۔ ہر آنے جانے والے کو خاموشی کی ہدایت دینے والا یہی شخص تھا' جس کی آواز وہ پہچان نہیں پائی تھی۔

''اماں جان کو بتا آئے ہو کہ تمہیں زیادہ چوٹ نہیں لگی؟''

اسی آواز نے غالباً آنے والے سے پوچھا تھا۔

''جی۔'' دوسری آواز آئی۔ ''انہیں تسلی دینے میں ہی دیر ہو گئی۔''

تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی پھر آنے والے نے پوچھا۔

''اب طبیعت کیسی ہے اس کی؟''

''ہوش نہیں آیا اب تک۔''

''ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ کچھ دیر تک آ جائے گا۔''

دوبارہ خاموشی کا ایک وقفہ آیا پھر آنے والے نے کہا۔

''میں آپ سے سوری کرنے آیا ہوں' مگر اب تو آپ کو میری سچائی پر یقین آ جانا چاہیے۔ دیکھیں بھائی یہ بالکل محفوظ ہے۔''

''اس بات پر تو میں یقین کر لوں گا مگر اور کون کرے گا؟ آج اسے یہاں آئے ہوئے ایک دن اور دو راتیں ہو چکی ہیں۔ میں نے اس کے نانا اور نانی کو تو شہر بھجوا دیا ہے' مگر کیا اس سے لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ آپ کو تو یقین ہے ناں اور یہی بات اہمیت رکھتی ہے۔ دنیا تو اچھے اچھوں کو نہیں چھوڑتی۔'' آنے والے نے کہا۔

''یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ ہم دنیا کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔''

''بس خادم بھائی یہی تھا آپ کا جذبہ؟ قصور میرا ہے اس کا نہیں اور آپ تو اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کر پا رہے' جس میں یہ بے قصور ہے۔''

''میں نے یہ نہیں کہا' میں اب بھی اس کے لیے ایسے ہی سوچتا ہوں' جیسے اس سے پہلی مرتبہ ملنے کے بعد سوچا تھا۔ میں اب بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اور اسی لیے یہ بات میرے لیے بہت تکلیف دہ ہوگی کہ کوئی اس پر انگلی اٹھائے جو بالکل بے گناہ ہے۔''

''اس نے کھانا بھی نہیں کھایا' پانی تک نہیں پیا۔ نوازش اپنی جگہ شرمندہ ہے کہ اس نے دوسری مرتبہ اس سے کھانے کا پوچھا بھی نہیں۔'' آنے والے نے کہا۔

''کوئی فرق نہ پڑتا اس سے بھی۔ کمرے میں ریفریجریٹر موجود تھا اور اس میں بہت کچھ تھا کھانے کے لیے۔''

اس گفتگو کے بعد کمرے میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔

ان کی بات چیت سے ماہ بانو کو یہ اندازہ لگانے میں ذرا بھی دیر نہ لگی کہ کمرے میں اس کے علاوہ مکرم اور خادم حسین تھے۔ ہر گزرتے پل کے ساتھ وہ خود کو پہلے سے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ اس کے ذہن پر چھائی دھند بھی ختم ہوتی جا رہی تھی اور وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتی جا رہی تھی۔

''تو نمائش والے روز خادم حسین کی بات کا مطلب یہ تھا!'' اس نے سوچا۔

''کیا کہہ رہا تھا مکرم اس سے' بس خادم بھائی یہی تھا آپ کا جذبہ؟ اور خود خادم حسین کیا کہہ رہا تھا کہ میں اب بھی اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یا خدا! یہ کیا ہو رہا ہے' میری قسمت میں ذہنی سکون ہے بھی یا نہیں؟ کتنے امتحانوں سے اور گزرنا ہوگا؟ عبداللہ! تم کہاں ہو؟ پلیز آ جاؤ' کہیں سے آ جاؤ۔'' اس نے سوچا۔

وہ آنکھیں کھولنے کے قابل ہو گئی تھی' مگر کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ بند آنکھیں بھی پناہ کا بہت بڑا ذریعہ تھیں۔ وہاں کون تھا اور کون نہیں' وہ کہاں تھی' کس حال میں تھی' وہ کچھ بھی دیکھنا' کچھ بھی جاننا نہیں چاہتی تھی۔

''کاش! یہ صرف ایک بھیانک خواب ہو اور آنکھیں کھلتے ہی ہر منظر بدل جائے۔ میں واپس اپنی دنیا میں لوٹ سکوں' جہاں یہ تاریک دن رات نہ ہوں' جہاں سب میرے اپنے ہوں' وہ سب جو مجھ سے محبت کرتے ہیں' جو میرا خیال رکھتے ہیں' جنہیں میری پروا ہے۔ اماں' ابا جی' عبداللہ' میرے سارے دوست۔'' اس نے سسکیاں اپنے اندر دفن کرتے ہوئے سوچا۔

☆=====☆=====☆

نرس دوا لے کر آئی تھی مگر پیر صاحب لینا نہیں چاہتے تھے۔

''بھائی جان دوا لے لیں پلیز!'' بابا جان نے کہا۔

مگر پیر صاحب نے آنکھیں موند لیں۔

''یہ دوا بالکل نہیں لے رہے' اس طرح تو یہ ٹھیک نہیں ہو سکیں گے۔''

زینی جواب تک بابا جان کی آستین پکڑے بیٹھی تھی' اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لائیں میں دیتی ہوں' میرے ہاتھ سے لے لیں گے۔''

اس نے دوا لے لی اور پیر صاحب کے قریب آ گئی۔ ''پلیز بابا جان! میرے ہاتھ سے تو دوا لے لیں۔ یہی سوچ لیں کہ میری جگہ ریشماں آپی ہیں' کیا وہ برداشت کر سکتی ہیں کہ آپ بیمار رہیں؟ نہیں ناں؟ تو پھر بھلا میں کیسے برداشت کر سکتی ہوں۔''

پیر صاحب نے آنکھیں کھولیں۔ دو آنسو آنکھوں کے گوشوں سے نکلے اور بالوں میں جذب ہو گئے۔ اس نے انہیں بہت احتیاط سے دوا کھلا دی۔ پیر صاحب نے اپنے بستر پر اپنے قریب اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور اسے اشارے سے وہاں بیٹھنے کو کہا۔ وہ وہیں ٹک گئی۔ انہوں نے بہت مشکلوں سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ آنسو متواتر بہنے لگے۔

''سب نے بڑے بابا جان کو اتنا خونخوار بنا کر پیش کیا تھا' یہ تو بہت محبت کرنے والے ہیں۔ ان کے وجود سے بھی ویسی ہی خوشبو آتی ہے' جیسی بابا جان سے' ان کے لمس میں بھی وہی شفقت ہے' جیسی بابا جان کے لمس میں ہے۔ ان کی آنکھوں میں بھی ویسی ہی محبت ہے' جیسی بابا جان کی آنکھوں میں ہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ برے ہوں۔'' اس نے سوچا۔

تھوڑی دیر پہلے اس نے دیکھا تھا جب بابا جان نے ان کے پاؤں پکڑ کر پیار کیا تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے تو پیر صاحب نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ انہیں شاید توقع تھی کہ انہیں وہاں اپنا چھوٹا بھائی دکھائی دے گا۔ پھر اس نے دیکھا تھا کہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بے آواز روتے رہے تھے۔ انہوں نے نہ کوئی گلہ کیا تھا نہ شکوہ' جیسے ساری کثافت' سب دشمنی آنسوؤں کے رستے بہہ گئی تھی۔ وہ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

کیا یہ وہی بھائی تھے جن کے درمیان دشمنی کی شدید آگ بھڑک رہی تھی؟ اسے لگا جیسے ہر پچھلی بات جھوٹ ہے۔ دشمن یوں تو نہیں ملا کرتے۔ اتنی محبت سے تو صرف بچھڑے ہوئے بھائی ملتے ہیں' ایسے بھائی جو برسوں ایک دوسرے کو تلاش کرتے کھوجتے رہے ہوں۔

''یہ زینب ہے۔'' بابا جان نے بتایا۔

پیر صاحب کی نگاہوں کے سامنے سبط حسن کا چہرہ آ گیا۔ وہ جو زینب کو اس قدر چاہتا تھا' کتنی پیاری تھی وہ' بالکل ریشماں جیسی۔

''زینی بیٹا! اب تم [illegible] جاؤ اور آرام کرو' بعد میں آ جانا۔'' بابا جان نے کہا۔

''میں نہیں جاؤں گی ابھی۔''

''تھکی ہوئی ہو ناں بیٹا' اس طرح بیمار پڑ جاؤ گی ابھی میں ہوں بھائی جان کے پاس۔''

''آپ سے تو دوا نہیں لی تھی ناں بڑے بابا جان نے' مجھ سے ہی لی تھی ناں؟ میں چلی گئی تو پھر کون دوا کھلائے گا انہیں؟ اب میں یہیں رہوں گی۔''

پھر وہ پیر صاحب کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

''میں اس لیے یہاں ہوں تا کہ آپ کو ریشماں آپی کی کمی کم سے کم محسوس ہو۔ ظاہر ہے میں ان کی جگہ تو نہیں لے سکتی' مگر پھر بھی آپ کا خیال تو رکھ سکتی ہوں ناں' آپ بس جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔''

پھر اس نے بابا جان کو زبردستی بھجوا دیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ انہیں آرام کرنا چاہیے' وہ تھکے ہوئے تھے۔ بھائی کو اس حالت میں دیکھ کر صدمے سے بھی دوچار ہوئے تھے۔ ان کے اعصاب شل ہوتے جا رہے تھے۔ اب انہیں یہ اطمینان تو تھا ہی کہ زینی وہاں محفوظ تھی اس لیے نیم دلی سے چلے گئے۔

زینی نے بھی پیر صاحب کا پورا خیال کیا تھا۔ ڈھیر ساری باتیں کی تھیں ان کے ساتھ۔ بس اتنا خیال رکھا تھا کہ درمیان میں سبط کا ذکر نہ آئے۔

''پتا نہیں کیا سوچیں بڑے بابا جان۔ انہیں شاید بہت برا لگے۔'' اس نے سوچا تھا۔

پھر وہ انہیں اخبار پڑھ کر سنانے لگی تھی۔ اخبار سنانے کے درمیان ہی اسے خیال آیا۔

''ایک بات سمجھ میں نہیں آئی بابا جان! یہ بندے یہاں کلینک میں بھی رائفلیں لے کر کیوں پہرا دے رہے ہیں؟ مجھے تو ان کی شکلیں دیکھ کر ہی خوف آ رہا ہے۔'' اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

پیر صاحب کو اس وقت ان کی وہاں موجودگی کا احساس ہوا۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں باہر چلے جانے کو کہا۔

اس نے اخبار رکھ دیا۔

''ایک تو ان میں خوشی کی کوئی خبر ہوتی ہی نہیں ہے' ہر طرف لڑائی جھگڑے ہو رہے ہیں' ہر ایک دوسرے کا گریبان کھینچنے کی فکر میں ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا یہ۔''

اس کی بات منہ میں ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''شاید ڈاکٹر ہو۔'' وہ بولی پھر اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک لڑکی سیاہ چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ زینی کو اس کی شکل جانی پہچانی لگ رہی تھی' مگر اسے یاد نہ آ سکا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔

''جی۔'' زینی نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے پیر صاحب سے ملنا ہے۔'' وہ اندر چلی آئی۔

دروازہ بند کر کے زینی مڑی تو اس نے محسوس کیا' جیسے وہ دونوں اس کی وہاں موجودگی سے قطعاً بے خبر ہوں' جیسے بھول چکے ہوں کہ وہ بھی وہیں تھی۔ پیر صاحب کی آنکھوں میں دھندسی اتر آئی تھی۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی' مگر اٹھ نہ سکے۔

''لیٹے رہیں پیر صاحب۔'' وہ لپک کر ان کے قریب آگئی مگر پھر رک گئی۔

''آج آپ کے پاس آتے ہوئے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں کہ میں اپنی کیفیت بتا سکوں۔ میں صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ اس روز جو کچھ ہوا' وہ سب جھوٹ تھا' وہ کہانی جھوٹ تھی۔ سچ صرف ایک تھا کہ جنت بائی برسوں سے انتقام کی آگ میں جل رہی تھی' جو کچھ آپ بھول چکے ہیں' وہ اسے نہیں بھول سکی تھی کیونکہ اس کی زندگی تباہ ہو چکی تھی اور اسے تباہ کرنے والے آپ تھے۔

میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں' جو آپ کی بیٹی تھی' وہ ایکسیڈنٹ میں مر گئی تھی۔ شاید خدا کو آپ کو اتنی بڑی سزا دینی منظور نہیں تھی۔ میں نہیں جانتی تھی کہ جنت بائی یہ سب کر گزرے گی۔ اس نے اپنی لکھی ہوئی کہانی میں ہمیں اس طرح استعمال کیا کہ خود ہمیں بھی اس بات کی خبر نہ ہوئی۔ میں اپنے ماں باپ کو اچھی طرح جانتی ہوں' ان کے لیے میں مر چکی ہوں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ چند لمحوں بعد وہ دوبارہ بولی۔

''کبھی میں نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا تھا کہ یا اللہ میں ہی کیوں؟ کیا یوں دربدر ہونا میرے مقدر میں ہی تھا؟ اسے کچھ کیوں نہیں ہوا' جو میری بربادی کا باعث بنا تھا؟ میں نے دعا کی تھی کہ وہ نہیں تو میں کسی اور مرد کو اس کے گناہوں کی سزا بھگتتے ضرور دیکھوں۔

اور آج میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں' لیکن مجھے خوشی نہیں ہے' یہ جو کچھ ہوا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ آپ کی ہی نہیں' میری بھی تذلیل تھی۔ خیر میں تو اتنی نیچے گر چکی ہوں کہ مجھے مزید پستی میں گرتے دیکھ کر کسی کے دل کو چوٹ نہیں لگے گی' مگر آپ کو یوں دیکھ کر مجھے چوٹ لگی ہے۔

پیر صاحب! میرا سفر تو جاری ہے اور موت تک جاری رہے گا۔ جنت بائی جس مقصد کے لیے زندہ تھی' وہ پورا ہوا تو اس نے آنکھیں موند لیں' میں اکیلی رہ گئی۔''

اس نے ہونٹ کاٹ کاٹ کر سسکیاں روکنے کی کوشش کی پھر خود پر قابو پا کر بولی۔

''مگر آپ اکیلے نہیں' بھرا پرا گھر ہے آپ کا اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔ میرے پاس حق تو نہیں ہے کہنے کا' پھر بھی کہہ رہی ہوں تو اس لیے کہ ہم نے ایک خوبصورت وقت اکٹھے گزارا تھا۔

آپ کی ایک بیٹی مر گئی پیر صاحب' مگر شاید میں نوری جیسی بدنصیب بیٹی اور جنت بی بی کی طرح انتقام کی آگ میں جلتی اور عورت بھی ہو۔ خود کو اور اپنے بیٹوں کو پچھتاوے اور اذیت کی اس

URDU PHOTO

آگ سے دور کر دیں۔ پیر صاحب جو شاید جہنم کی آگ سے بھی زیادہ شدید ہو۔''

وہ سر جھکا کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے مڑی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ زینی نے یہ سب بہت حیرت سے دیکھا تھا۔ اسے ''نوری'' لفظ سے ایک دم یاد آ گیا کہ یہ فلم ایکٹریس نوری تھی۔ وہ اردو فلمیں تو نہیں دیکھتی تھی مگر کبھی ٹی وی اور کبھی کسی رسالے کے سرورق پر اس نے نوری کی تصاویر بے شمار دیکھی تھیں۔

مگر جو کچھ وہ کہہ رہی تھی' وہ اس کے حواس معطل کر دینے کے لیے کافی تھا۔ نوری کے کہے ہوئے الفاظ اب تک اس کی سماعت پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔

''جنت بائی کی زندگی تباہ ہو چکی تھی اور اسے تباہ کرنے والے آپ تھے۔''

''اس نے اپنی لکھی ہوئی کہانی میں ہمیں اس طرح استعمال کیا کہ خود ہمیں بھی اس بات کی خبر نہ ہوئی۔''

''ہم نے ایک خوبصورت وقت اکٹھے گزارا۔''

''آپ کی ایک بیٹی مر گئی پیر صاحب مگر شاید نوری جیسی بدنصیب بیٹی اور جنت بائی کی طرح انتقام کی آگ میں جلتی اور عورت بھی ہو۔ خود کو اور اپنے بیٹوں کو پچھتاوے اور اذیت کی اس آگ سے دور کر دیں پیر صاحب جو شاید جہنم کی آگ سے بھی زیادہ شدید ہو۔''

وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر دیوار سے ٹیک لگا کے ایک ٹک پیر صاحب کی طرف دیکھے گئی' جن کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا اور جس پر شدید تکلیف کے آثار تھے۔ وہ شاید کچھ کہنا چاہ رہے تھے' ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔

زینی تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

''بابا جان!'' اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں پکارا۔

مگر ان کی کیفیت میں تبدیلی نہ آئی۔

''بابا جان!'' وہ بوکھلا کر چلائی اور اپنا کان ان کے ہونٹوں کے قریب لے گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہے تھے' مگر کہہ نہیں پا رہے تھے۔ ان کی آواز بہت ہی مدھم تھی۔ اتنی مدھم کہ پوری کوشش کے باوجود بھی وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں جان سکی کہ وہ عربی میں کچھ پڑھ رہے تھے' پھر ان کے چہرے پر تکلیف کے آثار بڑھنے لگے۔ زینی نے بے اختیار ان کے سرہانے کے قریب لگی گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھ دیا اور تب تک بجاتی رہی تھی' جب تک ڈاکٹر اور نرسیں تیزی سے اندر داخل نہیں ہو گئے۔

''دیکھیں' بابا جان کو کیا ہو گیا ہے؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''انہیں باہر لے جاؤ'' ڈاکٹر نے ایک نرس سے کہا۔

وہ زینی کو باہر لے آئی۔

☆=====☆=====☆

کافی دیر گزر چکی تھی۔ ڈاکٹر کے مطابق اس وقت تک ماہ بانو کو ہوش آ جانا چاہیے تھا۔ خادم حسین نے اسے بے ہوش ہوتے دیکھ کر نوازش کے ہاتھ فوراً ڈاکٹر کو بلایا تھا' جس نے بتایا تھا کہ تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ کھانا نہ کھانے اور بے آرامی کے باعث نقاہت اور تھکن تھی۔ اس نے گلوکوز کی بوتل لگا دی تھی اور کہا تھا کہ تھوڑی دیر میں اسے ہوش آ جائے گا مگر اس کی آنکھیں اب تک بند تھیں۔

خادم حسین صوفہ گھسیٹ کر بستر کے قریب لے آیا تھا اور اب ٹیک لگائے سگریٹ پیتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سانولے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی۔ لمبے الجھے بال بستر پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ بہت خوبصورت تھے۔ ناخن لمبے اور قدرتی گلابی تھے۔ انگلیوں میں ایک ہیرے اور تین سونے کی خوبصورت انگوٹھیاں تھیں۔ داہنی کلائی میں بہت نازک اور نفیس طلائی بریسلٹ تھا۔

خادم حسین کی نگاہ اس کی بائیں کلائی کی طرف اٹھی' مگر وہ خالی تھا اور اس پر جا بجا چھوٹے چھوٹے زخم تھے۔

''یہ کیا ہوا؟ اس کی کلائی زخمی کیوں ہے؟'' اس نے لحاف کے اوپر رکھے ماہ بانو کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور اس کی کلائی سہلانے لگا۔

''یہ میری غلطی ہے' شاید گھڑی کی چین کی وجہ سے زخم بن گئے ہیں۔'' مکرم بولا۔

مگر ابھی اس کی بات منہ ہی میں تھی' انہوں نے دیکھا' ماہ بانو کے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔ بائیں ہاتھ میں اس نے لحاف کا ایک حصہ اس طرح دبا لیا' جیسے بہت مشکل سے ضبط کر رہی ہو۔

خادم حسین اور مکرم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ ہوش میں آ چکی تھی' مگر آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ وہ اب بھی ایسے ہی رہتی اگر خادم حسین نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھا ہوتا تو' اس کی یہ حرکت بالکل بے اختیار تھی۔ خادم نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا' مگر اس کی کیفیت اب بھی نہیں بدلی تھی۔

☆=====☆=====☆

پیر صاحب کے خیالوں پر دھندی چھائی ہوئی تھی۔ بہت سے چہرے تھے' بہت سی آوازیں تھیں' جو ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو رہی تھیں مگر کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ پھر انہیں اپنے پاؤں پر کسی کے ہاتھوں کے محبت بھرے لمس کا احساس ہوا۔ وہ لمس اتنا اپنا تھا کہ ایک لمحے کو وہ ساکت رہ گئے' پھر آنسوؤں کے دو گرم گرم قطرے ان کے پاؤں پر گرے۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے ان کا سگا بھائی' ان کا ماں جایا بیٹھا تھا اور ان کے پاؤں کو چوم رہا تھا۔

دھند چھٹنے لگی تھی' [illegible] ان کا تھا۔ [illegible] اذیت اور کرب کے لمحات میں انہیں اسی سہارے کی

ضرورت تھی۔ یہی محبت بھرا لمس درکار تھا...... وہ دونوں کتنی دیر تک ہاتھ میں ہاتھ دیے آنسوؤں کی زبان میں وہ سب کہتے رہے تھے' جو اپنی انا کے حصار میں قید رہتے ہوئے کبھی نہیں کہہ سکے تھے۔

انہیں اپنا آپ بہت حقیر' بہت پستی میں گرا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ بھائی' جسے انہوں نے ہمیشہ دکھ دیے تھے' جسے ہر مقام پر اذیت سے دوچار کیا تھا' جس کی بیٹیوں کی عزت کا پاس نہیں کیا تھا' جس کے اکلوتے بیٹے کی جان لینے پر آمادہ تھے' وہی بھائی ان کے پاؤں چوم کر ان کے لیے رو رہا تھا۔ اسے شکوہ کرنے' گلہ کرنے کا پورا حق تھا' لیکن اس نے اب بھی ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ وہاں آیا تھا' اپنے ساتھ صرف اور صرف محبت لے کر' اس کی جگہ وہ ہوتے تو شاید کبھی اتنے اعلیٰ ظرف کا مظاہرہ نہ کر سکتے۔

یہ قدرت نے انہیں بہت بڑا سبق دیا تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو وہ اب بھی فرعون بنے ہوتے۔ اور وہ زینب تھی' باپ کی آستین پکڑ کر اس کے پیچھے تقریباً چھپی ہوئی مگر پھر وہی آئی تھی' انہیں دوا دینے کے لیے۔ زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ اب صرف ایک خواہش باقی تھی' کہ ان کے بیٹے ان کے انجام سے عبرت پکڑیں' بچھڑے ہوئے مل جائیں اور پھر وہ اطمینان سے مر جائیں۔

کچھ دیر پہلے تک یہ سب باتیں انہیں بہت مشکل لگ رہی تھیں' جو کچھ انہوں نے حیدر علی کے ساتھ کیا تھا' اس کے بعد وہ ان کے ساتھ جو کچھ کرتا کم تھا' وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ انہیں دیکھنے کے لیے نہ صرف خود آئے گا' بلکہ اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لائے گا۔

اب وہ مطمئن تھے' زینی ان کے ساتھ مسلسل باتیں کر رہی تھی' وہ دوا نہیں لینا چاہتے تھے' مگر اس نے اتنا محبت بھرا اصرار کیا تھا کہ ان کے پاس انکار کی گنجائش ہی نہیں تھی' اس کی ہنسی بہت خوبصورت تھی۔ اسے دیکھ کر وہ سوچ رہے تھے کہ اتنی پیاری بچی کے ساتھ وہ کیا ظلم کرنا چاہتے تھے۔ اسے امداد علی کی بیوہ بنا کر اس کی زندگی ویران کرنا چاہتے تھے۔ وہ جو کسی باغ میں کھلی تازہ شگفتہ کلی جیسی تھی۔

ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ نوری چلی آئی تھی۔ ہر زخم پھر ہرا ہو گیا تھا۔ جنت بائی کے الفاظ تازیانے کی طرح ان کی روح کو گھائل کر رہے تھے۔ وہ ان کی بیٹی تھی اور جنت بائی نے انہی کا نہیں' خادم اور مکرم کا نام بھی لیا تھا۔ یہ تو وہ احساس تھا جسے وہ زبان بھی نہیں دے سکتے تھے۔

مگر پھر قدرت کو شاید ان پر رحم آ گیا تھا۔ نوری نے واضح الفاظ میں اس کہانی سے انکار کر دیا تھا' جو جنت بائی نے انہیں سنائی تھی۔ نہ جانے یہ احساسِ گناہ کا بھاری پتھر سرک جانے کا نتیجہ تھا یا کچھ اور' وہ ایک مرتبہ پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے تھے' ان کے پاس الفاظ نہیں تھے اپنے

گناہوں کی معافی مانگنے اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا شکر ادا کرنے کے لیے۔

آنکھوں کے سامنے سے دھند چھٹی تو زینی ان کا ہاتھ تھامے رو رہی تھی اور نرس سے جھگڑ رہی بھی رہی تھی۔

''آپ مریض کو ڈسٹرب کر رہی ہیں' ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ کمرے میں نہیں رہیں گی۔'' نرس اصرار کر رہی تھی۔

''مجھے کون نکال سکتا ہے یہاں سے؟ میں بابا جان کے پاس سے نہیں جاؤں گی۔ کبھی کوئی اپنی بیٹی کی وجہ سے ڈسٹرب ہوتا ہے؟''

پیر صاحب نے نرس کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئی۔

''آپ ٹھیک ہیں ناں بابا جان؟'' زینی نے انہیں آنکھیں کھولتے دیکھا تھا تو بے تابی سے پوچھا۔

انہوں نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''آپ سو جائیں' میں آپ کا سر دباتی ہوں۔'' وہ بولی اور نرمی سے ان کا سر دبانے لگی۔

انہوں نے آنکھیں موند لیں۔

دھند میں لپٹے ہوئے ہیولے واضح ہو گئے تھے' انہیں لگ رہا تھا کہ ان کا آخری وقت قریب آتا جا رہا ہے۔ انہیں موت کا خوف نہیں تھا بلکہ وہ تو زندہ رہنے سے خوفزدہ تھے۔ ہاں یہ احساس ضرور تھا کہ ان کا رحیم و کریم اللہ شاید اپنے حقوق معاف فرما دے مگر جو کچھ انہوں نے اس کی مخلوق کے ساتھ کیا تھا' وہ کیسے معاف ہوگا؟ جب کہ ان کے ظلم کے ستائے ہوئے لوگ ایک ایک کر کے ان کے گریبان تک ہاتھ پہنچائیں گے تو وہ ان مظلوموں کا سامنا کیسے کر سکیں گے۔

اور ان مظلوموں کی فہرست بہت طویل تھی' کچھ تو ایسے تھے' جن کی صورتیں اور نام تک ان کے ذہن سے محو ہو چکے تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جنہیں وہ کبھی بھلا نہیں سکتے تھے۔ ان میں سرفہرست ان کی بہنیں' زیب النساء اور مہر النساء اور اچھو تھا جس کے ساتھ اس کی زندگی اور پھر موت تک بہت بے رحمانہ سلوک کیا تھا انہوں نے۔

محض ایک گھوڑے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا تھا انہوں نے' انہیں وہ وقت یاد آیا جب وہ اپنے بابا جان پیر صاحب جلال الدین شاہ کو بحث سے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''یہ تو ایک چھوٹا سا امتحان تھا جس میں اچھو ناکام رہا' وہ سر کیا کٹواتا' اس کے لیے تو ایک گھوڑا واپس کرنا مشکل تھا۔''

''تم اس سے سر طلب کرتے' وہ دے دیتا' لیکن تم نے اس سے اس کے خواب طلب کیے تھے' جن پہ [illegible] تھا۔ انسانوں کی نفسیات سمجھو رجب علی۔'' ان کے بابا جان نے کہا

تھا۔

مگر وہ کسی کی نفسیات نہیں سمجھ سکتے تھے' بلکہ وہ ہی کیا ان کے بابا جان بھی تھے' جو سب کے لیے سراپا شفقت تھے' سب کی نفسیات سمجھتے تھے سوائے اپنی حقیقی اولاد کے۔

کتنی محبت تھی انہیں زیب النساء سے۔ اپنی اولاد میں وہ اسی کو سب سے زیادہ چاہتے تھے' مگر اسے زہر پلاتے ہوئے ان کے ہاتھوں میں ایک لمحے کے لیے بھی لرزش نہیں آئی۔ کتنی دکھی تھی ان کی بہن مگر انہوں نے' بابا جان نے کسی نے بھی اس کے دکھوں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ہاں صرف حیدر علی تھا' جو ان کی خاطر لڑ رہا تھا۔ اسے اپنی بھی پروا نہیں رہی تھی۔ دکھوں کی اتنی بھاری گٹھڑی اٹھانے والا کبھی تو یہ سوچنے پر بھی مجبور ہوتا ہوگا کہ یہ سب بوجھ اس کی کمر سے اتر جائے' پھر زیب النساء نے ایسا سوچا تو کیا برا کیا؟ انہوں نے اس کی جائز ضرورتوں کا احساس نہیں کیا تو پھر وہ کیا کرتی؟ اس کے سامنے اور کیا راہ تھی جسے اختیار کر کے وہ اپنی منزل بھی پا لیتی اور اس کے بابا جان اور بھائی بھی خوش رہتے؟ انہیں وہ الفاظ اب تک یاد تھے۔ زیبی کہہ رہی تھی۔

''میرے لیے بڑا پھاٹک کھولنا ممکن نہیں تھا' اس لیے میں نے عقبی پھاٹک استعمال کیا۔ آپ اسے چور دروازہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہاں دنیا کا سب سے اچھا انسان میرا منتظر تھا اور جب میں حقیقی خوشیوں کی تلاش میں اس کے ساتھ نکلی تو ایک درندے نے ہمارا راستہ روک لیا۔ وہ جو مجھے جان سے بھی عزیز تھا۔ اس کا خون اس درندے کی گردن پر ہے۔'' اس نے ان کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اس کی بات کے جواب میں پیر صاحب جلال الدین شاہ کا بھرپور طمانچہ اس کے گال پر پڑا تھا۔

یہ سب سوچ کر ان کے لبوں سے بے اختیار آہ نکل گئی۔

وہ اچھو تھا۔ اونچا لمبا' بھرپور نوجوان' کس بے رحمی سے انہوں نے اس کے کسرتی جسم پر کوڑے برسائے تھے۔ وہ کوڑے' جو اس کے جسم سے زیادہ اس کی روح کو گھائل کر گئے تھے۔ پہلی مرتبہ اسے احساس ہوا تھا کہ جسمانی تکلیف معمولی بات ہوتی ہے' زخم لگتے ہیں اور بھر جاتے ہیں' مگر جب روح زخمی ہوتی ہے تو پھر کبھی ٹھیک نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ انہوں نے اپنا چابک اٹھا کر اچھو کو اس قدر مارا تھا کہ وہ لہولہان ہو گیا تھا' اسے اپنے جسم پر لگنے والے گھاؤ کی پروا نہیں تھی' وہ اپنی روح کے زخمی ہونے پر تڑپ اٹھا تھا' پھر وہ تو ان سے بدلہ نہیں لے سکا تھا' مگر قدرت نے یہ بدلہ خود ہی لے لیا تھا۔ ان پر جنت بائی کے الفاظ کی صورت میں کوڑے برسائے تھے۔ جسم صحیح سلامت تھا' نہ درد ہوا تھا نہ خون بہا تھا' مگر جو ٹیسیں اندر اٹھی تھیں' وہ وہی جانتے تھے۔

وہ اللہ اوپر بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا' ان کے ہر ظلم کو' اس کی خاموشی بھی بہت جامد تھی۔ وہ سوچنے لگے تھے کہ اگر کوئی خدا تھا تو وہ بھی انہی کا تھا' ان روتے' تڑپتے لوگوں کا خدا نہیں تھا' ان کا کوئی خدا تھا تو وہی تھے' انہی کے دم سے ان لوگوں کے گھروں کا چولہا جلتا تھا انہی کی سخاوت کی وجہ سے وہ لوگ زندہ تھے۔ انہی کی فیاضی کے باعث ان کے چہروں پر رونق تھی۔ وہ اپنی زمین سے ملنے والا ان کا رزق بند کر دیتے تو وہ لوگ کہاں جاتے۔ کیا ان کی چوکھٹ پر ماتھا رگڑ رگڑ کر اسے گھسا نہ دیتے۔

مگر آج وہ سب سے بڑی ہستی' وہ اللہ' وہ خدا ان کا نہیں تھا' آج وہ ان مظلوم لوگوں کا خدا تھا' جو ان کے' پیر صاحب کے قدموں میں سر رکھ کر کبھی کسی کی زندگی اور کبھی اپنے رزق کی بھیک مانگتے تھے۔ نہ جانے اس نے کسی مظلوم کی دعا سنی تھی یا بددعا؟ وہ اب بھی اسی طرح خاموش تھا' مگر اسے اپنی قدرت کا مظاہرہ کرنے کے لیے الفاظ کی کیا ضرورت تھی؟

پھر مہرالنساء تھی' اس کی نفرت بھری نگاہیں آج بھی ان کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ اس وقت وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ مردوں سے اتنی نفرت کیوں کرتی تھی' مگر آج قدرت اپنے سب اسرار خود ہی کھول رہی تھی۔ اپنے حالات سے فرار کے لیے دونوں بہنوں نے دو بالکل جدا راستے ڈھونڈے تھے۔ وہ دونوں ایک ہی جگہ رہتی آئی تھیں' ان دونوں سے ایک سا برتاؤ ہوتا رہا تھا' ان کے گرد ایک سی دیواریں تھیں' پھر بھی ان کے ردِعمل مختلف تھے۔

زیبی نے اپنے لیے ایک مضبوط سہارا ڈھونڈا تھا مگر مہرالنساء نے کسی مرد کو سہارا بنانا گوارا نہیں کیا تھا۔

اس روز انہوں نے انتہائی خوف اور افراتفری کے عالم میں حمیدہ کو حویلی سے نکلتے دیکھا تھا' وہ تقریباً بھاگ رہی تھی۔ بہت سے لوگ رک کر اس سے استفسار کر رہے تھے' مگر اس نے کسی سے بات نہیں کی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے کوئی بھوت پریت دیکھ لیا ہو۔

انہوں نے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

''ہوسکتا ہے' باپ مر گیا ہو یا ماں کنویں میں گر گئی ہو۔'' انہوں نے سوچ کر اسے نظر انداز کر دیا تھا۔

پھر کچھ دیر کے بعد وہ اماں جان کی خواب گاہ کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہیں مہرالنساء کے کمرے میں افراتفری کا احساس ہوا۔ دروازہ یوں تو بند تھا مگر وہاں کوئی کنڈی لگا کر نہیں رکھتا تھا۔ یوں بھی سب آنے والے خواتین کے کمروں میں دستک دے کر ہی داخل ہوتے تھے۔

انہوں نے بھی دستک دی' مگر اندر کی افراتفری ویسی ہی رہی۔ شاید کوئی کچھ توڑ رہا تھا۔ چیزیں گرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

مہرالنساء سجاوٹ کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔ اس کا دوپٹا بے ترتیبی سے بستر

پر بکھرا ہوا تھا۔ بال کھلے ہوئے تھے' چہرے پر وحشت کے آثار تھے۔

وہ دروازہ بند کر کے تیزی سے اس کے پاس پہنچے۔

''کیا ہوا مہرو؟'' انہوں نے اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لے کر تشویش سے پوچھا۔

وہ رک گئی اور ان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اجنبیت تھی۔

''کون ہو تم' چھوڑو مجھے' چھوڑ دو۔''

''مہرو! میں ہوں تمہارا بھائی' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے' نفرت ہے مجھے تمام مردوں سے' چھوڑ دو مجھے۔'' وہ چلائی۔

''ادھر آؤ بستر پر لیٹو' مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' انہوں نے اسے مسہری تک لانے کی کوشش کی۔

''نہیں' ہاتھ مت لگاؤ مجھے' تم وہی ہو ناں' جس نے میری بہن کو قتل کیا تھا' جس نے زرینہ کو قتل کیا تھا' تم میرے بھائی نہیں' صرف ایک مرد ہو' اس دنیا کے حکمران' جنہوں نے اس دنیا پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے' مجھے نفرت ہے تم سب سے۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی۔

''مہرو!'' وہ اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا

''میں آزادی چاہتی ہوں اس حویلی سے' اس دنیا سے تمہارے اور اس شخص کے قبضے سے جو بدقسمتی سے میرا باپ ہے' مگر جسے میں اپنا باپ کہنا نہیں چاہتی' مجھے بھی مار دو زیبی اور زرینہ کی طرح' مجھے اس طرح نہیں جینا۔'' وہ خود کو چھڑاتے ہوئے چلائی۔

اس کی ذہنی حالت اعتدال پر لانے کے لیے انہوں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔

وہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر چند لمحوں کے لیے بالکل گنگ رہ گئی' پھر بستر پر گر کر رونے لگی۔

''ہوش و حواس میں آؤ مہرو!'' انہوں نے سختی کے ساتھ کہا۔

''ہوش و حواس کیا ہوتے ہیں؟'' وہ سیدھی ہوتے ہوئے پھر چیخی۔ ''ہوش میں رہو تو وہ کچھ دکھائی اور سنائی دینے لگتا ہے جو کلیجہ چیر کر رکھ دیتا ہے۔ میری بات سنو رجب علی شاہ! میں اپنی حالت دیکھتی ہوں تو خدا پر میرا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے' مگر وہ کہیں ہے تو میری بددعا ہے کہ وہ تمہاری بیٹی کو ایسے دکھ دے جو تم اپنے دل پر محسوس کر سکو۔ وہ ان دیواروں میں رہ کر تڑپے تو اس کی تڑپ تمہیں محسوس ہو' وہ جس اذیت سے گزرے اس کی کسک تم تک بھی پہنچ سکے اور میری بددعا ہے کہ تمہاری بیٹی ہمیشہ تڑپتی رہے' ہمیشہ اذیت میں دن گزارے اور اس کی وجہ سے تم بھی تڑپتے رہو۔''

رجب علی کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے تھے۔ غصے کا آتش فشاں ابل رہا تھا۔ وہ مہرالنساء' ان کی چھوٹی بہن ان سے کس لہجے میں بات کر رہی تھی' اور ریشماں کے متعلق کیا کچھ کہہ رہی تھی۔ ننھی منی ریشماں جس نے ابھی ہی انہیں بابا کہنا شروع کیا تھا' جو چھوٹے چھوٹے

قدم اٹھاتی ان کی طرف بڑھتی تھی اور کبھی درمیان میں ہی گر جاتی تھی' وہ اسے زندگی بھر کی اذیت کی بددعا دے رہی تھی۔

"کاش تم میری بہن نہ ہوتیں اور میں تم پر ہاتھ اٹھا سکتا تو تمہاری زبان گدی سے باہر کھینچ نکالتا۔ یہ توڑ پھوڑ اور ڈرامے بازی بند کرو۔ آج کے بعد میں تمہیں ایسی گری ہوئی حرکت کرتے نہ دیکھوں۔"

وہ باہر نکل آئے۔ پھر اگلے روز دبے دبے لفظوں میں ایک عجیب سی کہانی گردش کرنے لگی۔

اس روز وہ کھیتوں سے حویلی واپس آئے تو انہیں ریشماں کو دیکھنے کی خواہش ہوئی۔ صبح جب وہ نکلے تھے تب وہ سوئی ہوئی تھی اور انہیں معلوم تھا کہ جاگتے ہی سب سے پہلے وہ انہی کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جب انہیں دیکھ پاتی تھی تو کتنی دیر تک روتی رہتی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ اب بھی اس نے یاسمین بیگم اور سب ملازماؤں کو تنگ کر کے رکھا ہوگا۔

اپنی خواب گاہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر انہوں نے ریشماں کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس خیال سے کہ وہ جاگ نہ جائے' وہ دبے قدموں سے آگے بڑھے۔ دبیز قالین پر یوں بھی قدموں کی چاپ نہیں ابھرتی تھی۔ یاسمین بیگم وہاں اکیلی تھیں اور مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر نیم دراز تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں' مگر گالوں پر آنسوؤں کی لکیریں تھیں۔ وہ رک گئے۔ چند لمحوں بعد انہوں نے کھنکار کر........ اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان کی آواز سن کر انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھی ہو بیٹھیں۔

"آپ؟" اس وقت ان کا وہاں آنا غیر متوقع تھا۔

انہوں نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور دوپٹا ٹھیک کرنے لگیں۔

"کیا بات ہے؟ کون مر گیا ہے جو یوں آنسو بہا رہی ہیں؟" انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"نن...... نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" وہ گڑبڑا گئیں۔

"یہاں ظلم ہوتا لگ رہا ہے تو باپ کے گھر چلی جائیں۔ اس حویلی میں یہ رونا دھونا نہیں چلے گا۔"

"مجھے تو سب کچھ سہنے کی عادت ہوگئی ہے۔ یہ میرا گھر ہے' اس کے لیے ہر کڑوا گھونٹ پی لوں گی۔ نہ پی سکی تو بھی میرے پاس ایک اور پناہ گاہ تو ہے۔ میرے بابا جان اب بھی مجھے پلکوں پر بٹھا سکتے ہیں۔ مگر وہ کہاں جائیں جن کے پاس یہ بھی نہیں ہے؟ جن کے پاس گھر تو دور ایک پناہ گاہ بھی نہیں ہے۔ وہ بددعا جو بڑی آپا نے آپ کو دی۔ اسے سن کر آپ کا دل نہیں لرزا؟"

"بکواس بند کرو۔"

"میری زبان روک سکتے ہیں آپ' مگر کس کس کی زبان پکڑیں گے؟ جو ظلم ان پر ہوا اور جو ردعمل انہوں نے ظاہر کیا اس کے بعد انہیں کہاں پناہ ملے گی؟ سرگوشیوں میں ابھرنے والی یہ

کہانی شاید کبھی آپ کے کانوں تک نہ پہنچ پائے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ وقوع پذیر ہی نہیں ہوئی۔ خدا کے لیے شاہ صاحب اپنی بہن کو سانس تو لینے دیں۔

کتنی محبت ہے آپ کو ریشماں سے۔ اور یہ بھی آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی۔ کل کو یہ بڑی ہوگی تو کیا اسے بھی یہی سب برداشت کرنا ہوگا؟" وہ رو پڑیں

"کیا ہوا ہے مہرو کو؟"

مگر وہ روتی رہیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں کیا ہوا مہرو کو؟" انہوں نے سختی سے کہا۔

"میں نہیں بتا سکتی' میری زبان ساتھ نہیں دیتی۔"

وہ غصے اور الجھن میں کمرے سے باہر نکل گئے۔

اماں جان کے پاس گئے مگر انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ حویلی میں چلتے پھرتے انہیں مسلسل احساس ہو رہا تھا کہ عورتوں کے درمیان کوئی خاص موضوع زیر بحث تھا جس پر پورے زور وشور سے تبادلۂ خیال جاری تھا لیکن انہیں آتے دیکھ کر آوازیں بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ کبھی کبھار کسی فقرے کا ایک آدھ لفظ ان کے کان میں بھی پڑ جاتا تھا۔ وہاں حمیدہ اور مہر النساء کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ عورتیں توبہ استغفار پڑھ رہی تھیں۔ ان باتوں سے ان کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ پہلے انہوں نے سوچا کہ مہر النساء کے کمرے میں جا کر اس سے براہ راست بات کریں مگر پھر اس خیال کو رد کر دیا۔ کل جو کچھ ہوا تھا اور اس نے ریشماں کو جس انداز میں بددعا دی تھی' اس نے انہیں مہر النساء سے خائف کر دیا تھا۔ وہ واپس اپنے کمرے میں چلے آئے۔ یاسمین بیگم سے کچھ بھی اگلوانا مشکل نہیں تھا' جانتے تو اور بھی بہت لوگ تھے مگر وہ اپنے خاندان کے معاملات میں کسی غیر کی مداخلت بالکل برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

ان کی خواب گاہ کی صورتِ حال اب بھی ویسی ہی تھی۔ ریشماں سو رہی تھی۔ یاسمین بیگم گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھیں۔

"یاسمین!" انہوں نے سخت لہجے میں انہیں پکارا۔

یاسمین بیگم نے سر اٹھایا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ مہرو کے متعلق کیا باتیں گردش کر رہی ہیں؟"

یاسمین بیگم بتانا نہیں چاہتی تھیں۔ الفاظ ان کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ انہوں نے بار بار انکار کیا مگر پھر اپنے شوہر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔

"وہ۔" انہوں نے لڑکھڑاتے انداز میں کہا۔ "شاہ صاحب! وہ بہت دکھی ہیں' ان کی دل کی بات سننے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ کہنا چاہتی ہیں مگر سننے والا کوئی نہیں ہے۔"

"شٹ اپ!" وہ دھاڑے۔ "تمہید باندھنے اور اس کا دفاع کرنے کی ضرورت نہیں

URDU PHOTO

ہے۔ مجھے بتاؤ کہ اصل بات کیا ہے۔ مختصر ترین الفاظ میں۔''

ان کی اونچی آواز سن کر ریشماں کسمسائی اور رونے لگی۔ یاسمین بیگم نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ انہیں اپنا گلا خشک ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

''شاہ صاحب ان کی کچھ ذہنی اور جسمانی ضروریات بھی ہیں اور یہ ضروریات پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔'' ان کی پلکیں پھر بھیگ گئیں۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ گویا ہوئیں۔ ''مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ان ضروریات کو بھول سکتی ہیں۔ یا ان کی تکمیل نہ ہونے سے ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

جب قدرت کے وضع کیے ہوئے اصولوں سے منہ موڑ لیا جائے تو زندگی میں تباہی کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا۔ ان کے پاس اپنی ضرورتوں کی تکمیل کا کوئی فطری ذریعہ نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے فطرت سے بغاوت کر دی۔ وہ حمیدہ کے ساتھ......'' وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یاسمین بیگم نے پگھلا ہوا سیسہ ان کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔

''تم الزام لگا رہی ہو میری بہن پر۔ میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔'' وہ شدید غصے کے عالم میں ان پر جھپٹے تھے۔

اپنے اردگرد نامانوس سی افراتفری دیکھ کر ریشماں کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

''آپ مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتے ہیں شاہ صاحب مگر اس سے کون سی حقیقت تبدیل ہو گی۔'' وہ بھی دکھ کے گہرے احساس کے ساتھ چلا پڑی تھیں۔

غصے سے ان کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ تو یہ بات ساری حویلی کیا' سارے گاؤں میں پھیلی ہوئی تھی۔ وہ وہیں سے پلٹے اور مہر النساء کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ یاسمین بیگم بھی تیزی سے ان کے پیچھے لپکیں۔ اس وقت انہیں اپنے دوپٹے تک کا ہوش نہیں تھا۔

مہر النساء اپنے بستر پر آنکھیں موندے پڑی تھی۔ آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''آ گئے؟'' وہ اٹھ بیٹھی۔ اس کے انداز میں تمسخر اور حقارت تھی۔

''کہہ دو مہرو کہ میں نے جو کچھ سنا ہے اس میں ایک فیصد بھی سچ نہیں ہے۔''

''جو کچھ تم نے سنا ہو گا' اس میں سو فیصد سچائی ہو گی رجب علی۔ بلکہ تم نے تو بہت کم سنا ہو گا' میرے منہ سے تفصیل سننا پسند کرو گے؟'' وہ شدید نفرت کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

وہ چند لمحوں کے لیے ساکت کھڑے رہ گئے تھے۔ انہیں مہر النساء سے اس اعتراف کی توقع نہیں تھی۔ اسی وقت یاسمین بیگم آگے بڑھیں اور مہر النساء کے پاؤں پکڑ لیے۔

''اللہ کے واسطے بڑی آپا چپ ہو جائیے۔ کچھ نہ کہیے۔''

''اسی طرح مردوں کے سامنے گڑگڑا کر تم جیسی عورتیں ساری زندگی کیڑے مکوڑوں کی طرح گزار دیتی ہیں مگر پھر بھی کیا ملتا ہے؟ کیا مل گیا میری ماں کو؟ اور کیا مل جائے گا تمہیں۔ کیا

ہم عورتیں ہی رہ گئی ہیں مر مر کر جینے کے لیے؟'' پھر وہ ان سے مخاطب ہوئی۔ ''سنو رجب علی شاہ' میں انسان ہوں اور مجھے ساتھی کی' سہارے کی ضرورت بھی ہے۔ مگر مجھے یہ سہارے تم جیسے مردوں سے نہیں چاہئیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی' وہ آگے بڑھے اور انہوں نے اپنے دونوں مضبوط ہاتھ اس کی نازک سی گردن پر جما دیے۔ یاسمین بیگم ایک لمحے کو تو کچھ سمجھ ہی نہ سکیں۔ پھر ہوش آیا تو مہر النساء کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگیں۔ جس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل رہی تھیں۔

''شاہ صاحب' یہ غضب مت کریں۔ اللہ کے واسطے انہیں چھوڑ دیں۔ ایسا مت کریں۔''

مگر ان پر تو جنون سوار تھا۔ یاسمین بیگم' مہر النساء کی گردن پر جمے ان کے ہاتھ پوری کوشش کے باوجود بھی نہ ہٹا سکیں۔ جب مہر النساء بھی ہاتھ پاؤں چلانے لگی اور وہ بھی مزاحم ہونے لگیں تو انہوں نے ایک جھٹکے سے یاسمین کو پرے پھینک دیا اور پھر سے اپنے ہاتھ گردن پر جما دیے۔

یاسمین بیگم کا سر مسہری کی پائنتی کی نوک سے ٹکرایا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ماتھے پر چپچپاہٹ محسوس ہونے لگی اور ان کے ہوش و حواس ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔

جب مہر النساء کے جسم کی مزاحمت ختم ہو گئی تو انہوں نے اس کے بے جان وجود کو مسہری پر پٹخ دیا اور باہر نکل گئے۔ اب ان کا رخ حمیدہ کے کچے مکان کی طرف تھا۔ ہاتھ میں ریوالور لیے جب وہ وہاں پہنچے تو گھر کے مکینوں کی گھگی بندھ گئی۔

''کہاں ہے حمیدہ؟'' وہ دھاڑے۔

''حضور' میری بچی بے قصور ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو کل کی بخار میں پھنک رہی ہے۔'' حمیدہ کی ماں ان کے قدموں میں گر گئی۔

انہوں نے پاؤں کی ٹھوکر سے اسے دور کیا اور کچے مکان کے اکلوتے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ حمیدہ کی ماں ایک مرتبہ پھر ان کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''اللہ کے واسطے شاہ صاحب' اسے کچھ مت کہیں۔ اللہ آپ کے رتبے بلند کرے گا۔ اسے معاف کر دیں۔''

انہوں نے ممتا کی ماری کو لات رسید کی اور خود آگے بڑھ گئے۔ حمیدہ بستر پر پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی چلانے لگی۔

''میں نے کچھ نہیں کیا شاہ صاحب۔ مجھ سے قسم لے لیں بے شک۔ میں تو' میں تو وہاں سے بھاگ آئی تھی۔ میں اب کبھی وہاں نہیں جاؤں گی۔ میں بے قصور ہوں شاہ صاحب۔''

مگر ان پر جنون سوار تھا۔ بغیر کچھ کہے انہوں نے ریوالور سیدھا کیا اور تین فائر کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

وہ حویلی واپس آئے تو کہرام مچا ہوا تھا۔ مہر النساء کو تو انہوں نے اپنے ہاتھوں ختم کیا تھا مگر

URDU PHOTO

اس کی موت کی خبر سن کر اماں جان نے بھی آنکھیں موند لی تھیں۔ ان کے دل پر بہت گھاؤ لگ چکے تھے۔ اب کچھ اور جھیلنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔

آج کلینک کے بستر پر لیٹے وہ اپنی گناہوں کی فہرست پر نگاہ ڈال رہے تھے تو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اپنے اللہ سے شرمسار تھے کہ ان کے اتنے گناہوں کے بعد بھی وہ اتنا مہربان تھا کہ ان کے ماتھے پر اب بھی محبت بھرا لمس موجود تھا۔ زینی بہت نرمی سے ان کا سر دبا رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

''بیٹا!'' انہوں نے ہولے سے کہا۔

''جی بابا جان!'' وہ جلدی سے بولی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے آثار بھی تھے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اسے مخاطب کیا تھا۔

''یہاں سے ہمیں چھوڑ کر مت جانا۔ ہم تنہا رہ گئے ہیں۔'' ان کے لہجے میں کرب تھا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ آپ کے پاس ہی رہوں گی اور بابا جان آپ یہ نہ سوچیں کہ آپ تنہا ہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔''

☆=====☆=====☆

ماہ بانو رو رہی تھی۔ مکرم کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

''مجھے گھر جانا ہے۔''

''میں خود تمہیں گھر چھوڑ کر آؤں گا۔ مگر یہ گلوکوز کی بوتل ختم ہو جائے تو پھر۔'' خادم حسین نے اسے تسلی دی۔

اس نے داہنی ہتھیلی کی پشت پر لگی سرنج کو بائیں ہاتھ سے باہر کھینچ نکالنے کی کوشش کی۔ سوئی کے ساتھ لگی ٹیپ کی وجہ سے وہ پوری طرح باہر نہ نکل سکی۔ تکلیف کی وجہ سے ماہ بانو کی چیخ نکل گئی۔

''حماقت کا ثبوت مت دو۔'' خادم حسین نے تیزی سے اٹھ کر سرنج ٹھیک کرنا چاہی۔ مگر وہ اسے نوچ کر باہر نکالنے کے درپے تھی۔ سو جن کے خوف سے خادم نے احتیاط سے سرنج باہر نکال دی۔

''مجھے گھر جانا ہے۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔ دائیں ہاتھ سے جہاں کچھ دیر پہلے سرنج لگی ہوئی تھی، خون بہنے لگا لیکن اسے پروا نہیں تھی۔

خادم حسین نے روئی اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ کر اسے سختی سے دبا دیا۔ وہ اپنی سسکیاں دبانے کی کوشش کرتی رہی۔

''اب تھوڑی دیر تک مٹھی بند نہیں کرنی۔ خون پھر سے بہنے لگے گا۔'' اس نے سختی کے ساتھ کہا۔

URDU PHOTO

ماہ بانو بے اختیار اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔

''اب تم آزاد ہو۔ مکرم نے جو کچھ کیا' وہ صرف غلط فہمی کا نتیجہ تھی۔ میں اس کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ اٹھو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔''

ماہ بانو کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ آزاد تھی۔ اپنے گھر' اپنے پیاروں کے درمیان لوٹ سکتی تھی۔ وہ تیزی سے بستر سے نیچے اتری۔

''میں خود چلی جاؤں گی۔''

''تمہیں لاہور جانا ہوگا کیونکہ تمہارے نانا' نانی وہیں ہیں۔ باقی رشتے دار البتہ یہیں ہیں۔ چاہو تو ان کے پاس چلی جاؤ۔''

ماہ بانو کے ذہن میں دونوں بھائیوں کے درمیان کچھ دیر پہلے ہونے والی گفتگو تازہ ہو گئی تھی۔ انہوں نے اس وقت بھی اس بات کا ذکر کیا تھا کہ بڑی اماں اور نانا جی شہر چلے گئے تھے۔ مگر انہوں نے کچھ اور بھی تو کہا تھا۔

''بھائی' یہ بالکل محفوظ ہے۔'' مکرم نے کہا تھا۔

''اس بات پر تو میں یقین کر لوں گا مگر اور کون کرے گا۔ آج اسے یہاں آئے ایک دن اور دو راتیں ہو چکی ہیں۔ میں نے اس کے نانا اور نانی کو شہر تو بھجوا دیا ہے مگر کیا اس سے لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں گی؟'' خادم حسین نے کہا تھا۔

اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ماہ بانو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس نے ایک ایک لمحہ اذیت کے ساتھ گزارا تھا مگر وہ محفوظ تھی۔ لیکن یہ بات کون مان سکتا تھا؟ وہ کہاں جاتی؟ کون اس کی بے گناہی پر یقین کرتا۔

دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور رونے لگی۔

''رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ تم جہاں کہو گی میں تمہیں پہنچا دوں گا۔'' خادم نے رسان سے کہا۔

''کہاں جاؤں گی میں؟ مجھے نہیں پتا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ میں کیسے جواب دوں گی لوگوں کے سوالوں کے؟ کون یقین کرے گا میری بات پر؟'' اس کے رونے کی شدت میں اضافہ ہو گیا۔

''تمہیں کسی کو یقین دلانے کی ضرورت بھی نہیں ہے ماہ بانو۔ جسے یہ یقین ہونا چاہیے' اسے یقین ہے۔'' وہ بولا۔

اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کا دل بہت شدت سے فریاد کر رہا تھا۔

''عبداللہ کہاں ہو؟ آئے کیوں نہیں؟ تم ہی ہو جو مجھے ساری دنیا سے بچا سکتے ہو۔''

مگر عبداللہ تک اس کی فریاد نہیں پہنچ پائی تھی۔

"چلو میں تمہیں لاہور لے چلوں۔ اپنے نانا' نانی کے پاس نہ جانا چاہو تو بھی وہاں بہت جگہیں ہیں۔ تم محفوظ رہو گی اور کسی کی جرأت بھی نہیں ہوگی کہ تم پر انگلی اٹھا سکے۔"

اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ گاؤں میں کسی کا سامنا کرنے اور سب کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ خادم حسین کی بات مان لے۔ یوں بھی اتنے پُر اذیت لمحات گزارنے کے بعد اس کا ذہن کام ہی نہیں کر رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفقود ہو چکی تھیں۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو مکرم اور نوازش سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"آئی ایم سوری ماہ بانو۔ میں شرمندہ ہوں۔ تمہارا خدا واقعی میرے اور ہم سب کے ظلم سے بڑا ہے۔" مکرم اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔ "تمہاری باتوں نے مجھے ایک بہت مختلف دنیا دکھائی ہے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم میں سے کوئی عبداللہ کو کچھ نہیں کہے گا۔ وہ محفوظ ہے۔"

ماہ بانو نے آنکھیں بند کر کے سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔ "یا اللہ! میں تو تیری بہت حقیر سی مخلوق ہوں۔ پھر بھی تو نے اپنی رحمتوں کے خزانے میں کمی نہیں ہونے دی۔ آج تُو نے مجھے وہ کچھ دے دیا ہے کہ آئندہ مجھے کچھ مانگنے کی شاید ضرورت ہی نہ پڑے۔ تیری اس بے پایاں رحمت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس نہ الفاظ ہیں نہ آنسو۔" اس نے دل ہی دل میں شکریہ ادا کیا۔

"میں نے جب اپنے سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہے تو نئے نئے سوال سر اٹھانے لگے۔ پھر میں نے سوچا کہ ماضی کو کریدنا بے کار کی بات ہے۔ جب میں اپنی بہن سے اتنی محبت کرتا ہوں تو کیا اس کی ایک جائز خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ آپی نے تو کبھی اپنے منہ سے کچھ مانگا ہی نہیں مگر کوئی منہ سے نہ مانگے تو اندھا اور بہرا تو نہیں بن جانا چاہیے۔ تم ان کی دوست ہو' بہن ہو۔ عبداللہ کی بھی کالج فیلو اور دوست ہو اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس تبدیلی پر تم سے زیادہ خوش اور کوئی نہیں ہوگا۔ میں ہر ایک سے منوا کر رہوں گا اس حق کو جو میری بہن کو بہت پہلے مل جانا چاہیے تھا۔ ہمیں اپنی نفرتوں میں اتنا آگے نہیں نکلنا چاہیے کہ ہم اپنی محبتیں ہی بھول جائیں اور یہ سبق مجھے تم نے دیا ہے۔" مکرم کہہ رہا تھا۔

ماہ بانو کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنی زندگی کے اس مختصر سے وقت میں اس نے بہت کچھ کھویا بہت کچھ پایا ہو۔ عبداللہ شاید کھو رہا تھا اور نئے تجربات کے حوالے سے زندگی بہت کچھ سکھا رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ اپنی بہن کی خواہش پوری کر کے رہے گا۔

"کاش میرا کوئی بھائی ہوتا اور وہ جب میرے بارے میں بات کرتا تو اتنے ہی محبت بھرے لہجے میں میری کسی خواہش کے لیے کچھ بھی کر لیتا مگر میرا کون ہے؟" اس نے دکھے دل کے

ساتھ سوچا۔

مکرم نے ہاتھ میں پکڑی چادر ماہ بانو کو اوڑھا دی۔

"آج سے تم میرے لیے ریشماں آپی جیسی ہو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ میری بڑی بہن ہیں اور تم چھوٹی بہن ہو۔"

ماہ بانو کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

"مجھے اچھا لگا تمہارا بہن کہنا مگر میں تمہاری بہن بننا نہیں چاہتی۔ تم بہت بڑی آزمائش میں پڑ جاؤ گے جس سے نکلنے کا راستہ نہیں ملے گا تمہیں۔ تم صرف اپنی بہن ریشماں کے لیے خوشیاں تلاش کرو۔" اس نے آنسو پیتے ہوئے کہا اور قدم آگے بڑھا دیے۔

☆=====☆=====☆

زینی نے انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ وہ پیر صاحب سے روزمرہ کی باتیں بہت دلچسپ انداز میں کر رہی تھی مگر ان کی توجہ اس کی باتوں پر کم تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انہوں نے زندگی کی کتنی ساری خوشیاں اپنے ہاتھ سے ختم کر دی تھیں۔ وہ ان کی بھتیجی تھی۔ ان کے لیے بیٹی جیسی اور وہ کتنی پیاری' کتنی اچھی تھی۔ کتنا خیال رکھ رہی تھی اور انہوں نے کیا دیا تھا اسے؟ صرف مصائب اور تکالیف۔ کبھی وہ سب اکٹھے ہوتے تو کتنے خوش رہتے۔ سب ایک دوسرے سے کتنی محبتیں سمیٹتے۔

"آپ پڑھ رہی ہیں بیٹا؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی!"

"وہیں امریکہ میں سبط کے ساتھ؟"

وہ قدرے مضطرب ہو گئی۔ نہ جانے بڑے بابا جان یہ بات پسند کریں یا نہیں۔ مگر جواب دینا بھی ضروری تھا' اس لیے مرے مرے سے انداز میں بولی۔

"جی۔"

"وہ تو پڑھائی میں بہت نکما ہوگا؟"

"نہیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح پُر جوش انداز میں بولی اور سبط حسن کی طرف سے صفائی پیش کرنے لگی۔ "وہ تو بہت لائق ہے بابا جان۔ وہ بھی اور گڑیا بھی۔ گڑیا کا تو آپ کو پتا ہے ناں۔ میں زہرا کی بات کر رہی ہوں۔ میں جب یہاں مری میں ہوتی تھی ناں۔ تب میں بھی بہت لائق تھی۔ میں اور سبط اکٹھے ہی پڑھتے تھے شام کے وقت۔ مگر اب وہاں امریکہ میں میرا دل ہی نہیں لگتا۔ کیا کروں۔

پتا ہے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ اماں' بابا اور بھائی سے دور رہوں۔ پہلے بھی ہم اتنے برسوں تک دور رہے ہیں۔ امریکہ میں تو میں سب کو بہت مِس کرتی تھی۔ ابھی رات کو ہی یہاں پہنچی ہوں

میں۔ مگر شاید میں ہی اتنی پاگل ہوں۔ میری پڑھائی پر بھی بہت اثر پڑ رہا ہے۔ جبکہ گڑیا اور سبط بالکل مطمئن ہیں۔ اسی طرح پڑھتے ہیں جیسے یہاں پڑھتے تھے۔''

''آپ ہماری حویلی آئی تھیں تو ہم سے کیوں نہیں ملی تھیں؟''

''میں نے تو سبط سے کہا تھا مگر وہ مانا ہی نہیں۔ اصل میں میرا دل چاہ رہا تھا ریشماں آپی سے ملنے کے لیے۔ اسی لیے آئی تھی میں۔ کبھی میں سوچتی تھی بابا جان کہ کیا وہ دن آئے گا جب ہم سب اکٹھے ہوں گے؟ میں نے اتنی زیادہ دعائیں مانگی تھیں۔ سبط کہتا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی میں دعائیں مانگتی رہی۔ اور دیکھیں میری دعائیں قبول ہو گئیں۔ ابھی ہم سب تو اکٹھے نہیں ہوئے مگر اب مجھے یقین ہے کہ ہم اکٹھے ہو جائیں گے۔''

''ہاں بیٹا ہم سب ضرور اکٹھے ہوں گے۔'' پیر صاحب نے کہا۔

''تو آپ نے اپنی حویلی اطلاع کیوں نہیں بھجوائی؟'' انہوں نے آنکھیں موند لیں۔ کیا بتاتے اسے کہ وہ کسی کا سامنا کر ہی نہیں سکتے تھے۔

اس وقت وہ پیر صاحب کو اپنے اسکول اور کالج کے قصے اور لطیفے سنا رہی تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر مسکرا رہے تھے۔ ابھی اس کی سنائی ہوئی بات کا مزاحیہ حصہ آیا بھی نہیں ہوتا تھا کہ خود ہی اتنا ہنستی تھی کہ اس کی آنکھوں میں پانی آجاتا تھا۔ تب ہی دروازہ کھول کر حیدر علی شاہ داخل ہوئے۔ زینی کی ہنسی کو بریک لگ گئے۔

''بیٹا! تم نے تو اپنے بڑے بابا جان کو بہت ڈسٹرب کیا۔ اتنی ہنسی؟'' وہ پیر صاحب کا ماتھا چھوتے ہوئے بولے۔

''اپنی بیٹی کی باتوں اور ہنسی سے بھی کوئی ڈسٹرب ہوتا ہے؟'' انہوں نے مدھم آواز میں کہا۔

''دیکھا بابا جان آپ نے؟'' زینی فاتحانہ لہجے میں بولی۔

''علی! ہمارے پاس شاید بہت کم وقت بچا ہے۔'' پیر صاحب نے کہا۔

''نہیں بھائی جان' ابھی تو ہمیں آپ کے سائے کی بہت ضرورت ہے۔ مجھے بھی اور میری اور آپ کی اولاد کو بھی۔ اور پھر اب تو آپ کی طبیعت بھی کافی بہتر ہے۔'' ان کے انداز میں محبت اور پیار کی چاشنی تھی۔

''چراغ بھی بجھنے سے پہلے ذرا دیر کے لیے بھڑکتا ہے مگر اسے بجھنا ہی ہوتا ہے۔ ہماری بات سنو علی۔ وہاں آگے بہت سے مظلوم ہمارا گریبان پکڑنے کو کھڑے ہوں گے۔ ہم وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ تم سے ساری زندگی ہم نے بہت زیادتی کی۔ یہاں تک کہ ہماری وجہ سے تمہیں اپنی اولاد سے دور ہونا پڑا۔ اب وہ وقت کون لوٹا سکتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اپنے گناہوں اور ظلم کی تلافی کریں مگر کیسے؟ ہم تو تم سے معافی مانگنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔'' پیر صاحب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''پلیز بھائی جان مجھے شرمندہ مت کریں۔ میرے لیے آج بھی آپ کا مقام بہت بلند ہے۔''

''نہیں علی۔ تم ایک مرتبہ ہمیں معاف کر دو۔ ہم یہ بوجھ لے کر مرنا نہیں چاہتے۔''

''آپ یہی چاہتے ہیں تو میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ بھی مجھے معاف کر دیں۔''

''تمہیں معافی کی کیا ضرورت ہے علی؟ آج ہم تم سے کچھ مانگنا چاہتے ہیں۔ حکم کے ساتھ نہیں' محبت اور عاجزی کے ساتھ۔'' پیر صاحب نے کہا۔

''بھائی جان آپ حکم کریں۔ میرا سر بھی آپ کے لیے حاضر ہے۔''

''ہمیں زینی دے دو۔ ہمارا بیٹا سبط حسن بہت اچھا ہے۔ اسے بہت چاہتا ہے۔ زینی چاہے تو بے شک حویلی میں نہ رہے۔ یہ جتنا پڑھنا چاہے پڑھے۔ جس انداز میں رہنا چاہے رہے' اس پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔'' وہ بولے۔

زینی ان کے سرہانے کھڑی تھی۔ اسے بالکل توقع نہیں تھی کہ پیر صاحب اچانک اس کا رشتہ طلب کر لیں گے سبط کے لیے۔

بابا جان نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ حیرت اور بے یقینی کی تصویر بنی کھڑی تھی' بالکل گم صم۔

''خاموش ہو علی!'' پیر صاحب کے انداز میں مایوسی تھی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔ آپ کا کہا میرے لیے حکم کا درجہ رکھتا ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

زینی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ سب اچانک ہو جائے گا۔

''زینی بیٹا!'' پیر صاحب نے اسے پکارا۔

''جج جی بابا جان!'' وہ چونکی۔

''ادھر ہمارے پاس آئیں۔'' ان کی آواز حسب معمول مدھم تھی۔

وہ قریب آگئی۔

پیر صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک انگشتری اتار کر اسے تھمائی۔

''یہ ہماری نشانی رکھ لیں۔ ہمارے پاس اس وقت دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

''بابا جان!'' وہ رو پڑی۔

پیر صاحب نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

☆=====☆=====☆

تاریکی کی چادر کو چیرتی ہوئی کار تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ خادم حسین خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ اس نے باڈی گارڈ تک ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ ماہ بانو اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں صبح کی سپیدی پھیلنے لگی۔

''تو مکرم مان گیا۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''خادم نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ سبط تو پہلے ہی راضی ہوگا۔ باقی دو بھائیوں کو بھی کیا اعتراض ہوگا۔ جب سب مان گئے۔ مگر کیا پیر صاحب بھی ایسا ہی چاہیں گے؟ اور سب سے بڑھ کر عبداللہ! وہ کبھی راضی نہیں ہوگا۔ اسے تو اس سب کی خبر بھی نہیں ہوگی۔ وہ اپنی حویلی میں ہر طرف سے مطمئن بیٹھا ہوا ہوگا۔

اب اگر پیر صاحب بھی مان جائیں اور عبداللہ انکار کر دے تو کیا ہوگا؟ وہ یقیناً اس بات پر اسے معاف نہیں کریں گے۔ اپنی بیٹی اور بہن کے رد کیے جانے کا رنج بہت زیادہ ہوتا ہے اور یہ سب تو یوں بھی ہتھیاروں کی زبان میں بات کرنے کے عادی ہیں۔ گویا ابھی اس آگ کے بجھنے کی کوئی امید نہیں ہے۔''

''کیا سوچ رہی ہو؟'' خادم حسین نے پوچھا۔

''میں بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''میں تمہارے محسوسات سمجھ سکتا ہوں ماہ بانو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم کتنی اذیت سے گزری ہو۔''

''تمہیں کچھ نہیں معلوم۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر پھٹ پڑی۔ ''کچھ نہیں جانتے تم۔ وہ لمحے میں نے گزارے ہیں۔ انہیں میں نے محسوس کیا ہے۔ ان کی اذیت میں نے برداشت کی ہے۔ اور کون تھا جو میری سسکیوں پر تڑپتا۔ جس کے دل میں میرے رونے سے ٹیسیں اٹھتیں، جو میری آہ و زاری اور میری چیخ و پکار سن سکتا؟ کوئی بھی نہیں۔ میں نے اپنے پیاروں کو آوازیں دیں۔ انہیں بلایا پکارا، مگر کوئی نہیں آیا۔ تمہیں اس کرب کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس سے میں گزری ہوں۔'' وہ رو پڑی۔

کچھ دیر تک خادم حسین خاموشی کے ساتھ ڈرائیو کرتا رہا، پھر بولا۔

''جو لوگ دل میں رہتے ہیں، ان کا دکھ بھی اپنے دل پر محسوس کیا جاتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں ڈیرے پر تھیں۔ تمہیں کیا پتا کہ میں نے تمہیں کیسے پاگلوں کی طرح تلاش کیا ہے۔ کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تھا تمہیں۔ میں یہ کب جانتا تھا کہ تم میرے ہی گھر میں تھیں۔''

''جو لوگ دل میں رہتے ہیں۔'' ماہ بانو نے دل ہی دل میں دہرایا اور خوفزدہ ہوگئی۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔'' وہ چلائی۔

''میں بھی کچھ کہنا نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جب پہلی مرتبہ میں نے تمہیں دیکھا تھا۔''

وہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ مگر ماہ بانو کچھ سننا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ وہ اسے حقیقت بتا

دے۔ یہ کہہ دے کہ وہ صرف اور صرف عبداللہ کو چاہتی تھی اور عبداللہ بھی صرف اسے چاہتا تھا۔ صرف اور صرف اسے۔

مگر اس نے بہت مشکل سے خود پر قابو پایا۔

''میں نے یہ بتا دیا تو شاید اب کی مرتبہ عبداللہ نہ بچ سکے۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ مجھے دوبارہ اس قید خانے میں جانا پڑے۔ کیا پتا پھر میرے ساتھ کیا سلوک ہو۔'' اس نے سوچا۔

''مجھے تمہارے جواب کا انتظار ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے کچھ نہیں سنا۔ میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' اس نے روتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

اس کی ذہنی حالت ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ اپنے منتشر دماغ کو یکسو کرنا بھی اسے ناممکن لگ رہا تھا۔ اس کا ذہن اور جسم اتنا تھک چکا تھا کہ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

خادم حسین نے اس کے بعد اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہاں وہ وقتاً فوقتاً اس سے کھانے پینے کے لیے پوچھتا رہا تھا اور اسے آرام سے سو جانے کے لیے کہتا رہا تھا۔ ماہ بانو نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ نقاہت تو بہت تھی مگر بھوک کا احساس ختم ہو چکا تھا۔ تھکن کے باوجود نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

''کبھی اماں جان میری سونے کی عادت سے پریشان ہو کر مجھے ٹوکتی رہتی تھیں اور اب یہ حال ہے کہ میں سونا چاہ رہی ہوں مگر نیند نہیں آ رہی۔'' اس نے سوچا اور اماں جی کو یاد کر کے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اس وقت وہ لاہور کے قریب تھے جب خادم حسین کے موبائل فون کی گھنٹی بجی۔ ماہ بانو اس وقت بھی دوسری طرف متوجہ تھی۔ اماں، ابا جی اور عبداللہ اس کی سوچوں کا محور یہی لوگ تھے۔ مگر سوچیں بکھری ہوئی تھیں۔ اسے صرف اتنا محسوس ہوا تھا کہ خادم حسین پریشان ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ماہ بانو کو مخاطب کیا۔

''بابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ ایڈمٹ ہیں۔''

اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ اس وقت اسے کسی بھی بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

''میں سمجھ نہیں پا رہا کہ حالات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں۔''

ماہ بانو کو یہ جاننے میں بھی دلچسپی نہیں تھی۔

''مجھے فون پر یہ اطلاع حیدر علی شاہ نے دی ہے۔''

کوئی دھماکہ سا دھماکہ تھا۔ ماہ بانو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ''حیدر بابا؟''

''ہاں مجھے یہ بھی یقین نہیں ہے کہ یہ حقیقت ہے یا سازش کا کوئی جال؟'' خادم حسین نے کہا۔

''آج تک سازش کے جال کہاں بچھائے جاتے رہے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''دشمنی بہرحال دشمنی ہی ہوتی ہے۔ اور دشمن پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا۔''

''اتنی دشمنیاں کرلیں تم لوگوں نے کہ محبتوں کی پہچان ہی باقی نہیں رہی۔'' اس نے ہولے سے کہا اور شیشے سے باہر پیچھے کی طرف بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگی۔

کار میں ایک مرتبہ پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ لاہور میں داخل ہو چکے تھے۔

''پلیز ماہ بانو ایک نمبر ملا دینا۔'' اس نے فون اس کی طرف بڑھایا اور نمبر بتانے لگا۔

ماہ بانو نے خاموشی سے نمبر ملا کر فون اسے پکڑا دیا۔ یہ فون اس نے پیر صاحب کے متعلق خبر کی تصدیق کرنے کے لیے کیا تھا۔

''حیدر علی نے ٹھیک کہا تھا۔ بابا جان کی کنڈیشن بہت سیریس ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولا۔

ماہ بانو خاموش رہی۔

''تمہیں تکلیف تو ہوگی مگر میں چاہوں گا کہ پہلے بابا جان کو ایک نظر دیکھ لوں۔''

وہ اتنی تکلیفیں اٹھا چکی تھی کہ اب یہ تکلیفیں بے معنی ہو گئی تھیں۔ اس نے اعتراض کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یوں بھی وہ اب تک سوچ نہیں پائی تھی کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اپنے لاہور کے گھر کی چابیاں گاؤں میں اس کے سامان میں پڑی ہوئی تھیں۔ اسے سکون کی ضرورت تھی اور وہ تالے توڑنے اور دھول میں اٹے فرنیچر کو صاف کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اپڈی کی طرف بھی وہ جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ فوراً عبداللہ کو اطلاع کر دیتا اور۔

اس ''اور'' سے آگے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ ہر وہ بات جسے وہ اپنی سوچ میں بھی جگہ نہیں دینا چاہتی تھی۔

گاڑی تیزی سے جیل روڈ کی طرف بڑھ رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ حیدر بابا کی وہاں موجودگی کو کیا معنی پہنائے۔ وہ وہاں کیوں تھے؟ اور خادم حسین کو جس بات کی خبر نہیں تھی' وہ انہیں پہلے کس طرح معلوم ہوگئی؟ وہ انہیں وہاں دیکھ کر کس قسم کے ردِعمل کا اظہار کرے گا؟ ایسی بے شمار سوچیں آکٹوپس کی طرح اسے جکڑے ہوئے تھیں۔

بالآخر ان کی کار کلینک کی پارکنگ میں داخل ہو گئی۔

☆=====☆=====☆

پیر صاحب کے دل میں شدت سے یہ خواہش ابھر رہی تھی کہ جیسے انہوں نے زینی اور سبط حسن کی خوشی کا خیال کیا تھا ویسے ہی حیدر بابا بھی ان کی بیٹی کی خوشیوں کا خیال رکھتے ہوئے

URDU PHOTO

پرانے تعلق کو جوڑنے کی بات کریں مگر انہوں نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ کتنی دیر گزر گئی تھی' زینی بہت خوش تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح یہ خوش خبری سبط اور اماں جان کو جا سنائے۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''بھائی جان میں سمجھ نہیں پا رہا کہ آپ بیٹوں کو اطلاع کیوں نہیں دینا چاہتے۔ ان کی صورتیں دیکھ کر آپ کی آدھی بیماری رفع ہو جائے گی۔ اور پھر یہ ان کا حق ہے کہ انہیں اس بات کا علم ہو۔ بعد میں جب انہیں معلوم ہوگا کہ آپ بیمار تھے اور آپ نے انہیں خبر نہیں کی تو انہیں صدمہ ہوگا۔'' حیدر بابا انہیں سمجھا رہے تھے۔

''بس خادم حسین کو اطلاع دے دو۔ مگر اسے کہنا کہ اور کسی کو خبر نہ ہونے دے۔'' انہوں نے آہستہ آواز میں کہا۔

''باقی سب کو کیوں نہیں؟'' زینی بولی۔

''ہم اسے کچھ باتیں بتانا اور سمجھانا چاہتے ہیں۔ وہی ہماری گدی کا وارث ہے۔ سبط اور زینی کی منگنی اس کے علم میں آنا بہت ضروری ہے۔''

حیدر بابا نے پیر صاحب کے بتائے ہوئے نمبر پر رِنگ کر دیا تھا۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ پیر صاحب کو خیال آتا تھا کہ شاید ابھی حیدر بابا ان سے ریشماں کے سلسلے میں بات کریں مگر ہر لمحہ مایوس کن ثابت ہوتا تھا۔ اگلا لمحہ پھر سے نئی امید لے کر آتا تھا۔ پھر وہ سوچنے لگے کہ وہ خود ہی بات کر لیتے ہیں مگر کیسے بات کرتے۔ ایک تو بیٹی تھی۔ اگر حیدر بابا اس رشتے کو رد کر دیتے' یا وقتی مصلحت سے کام لے کر رد کرنے کے بجائے عقل سے کام لیتے تو اپنی بیٹی کے اس دکھ پر وہ شاید زندہ ہی نہ رہتے۔ ایسے میں وہ آنے والے لمحے سے نئے سرے سے امید وابستہ کر لیتے مگر وہ امید ریت کا گھروندہ ثابت ہوتی۔

ایک ایک کر کے کتنے پل دبے پاؤں سرکتے گئے۔ ان کے سینے میں کانٹا سا چبھ گیا تھا۔

''میں مانگ تو لوں مگر میں نے اپنے بھائی کو دیا کیا ہے؟ کس برتے پر اس سے تقاضا کروں؟ وہ کیا سوچے گا کہ میں ہمیشہ مانگتا یا چھینتا آیا ہوں' کبھی کوئی ایک خوشی بھی اس کی جھولی میں نہیں ڈالی۔''

بہت انتظار کے بعد وہ تھک گئے۔ زندگی کا سفر تمام ہوتا لگ رہا تھا اور وہ اپنی آنکھوں سے اپنی بیٹی کا گھر آباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے' تو بھی اسے ایک محفوظ مستقبل ضرور دینا چاہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ریشماں ان دیواروں کے بیچ میں پھوپھو سکینہ کی طرح گھٹ گھٹ کر مر جائے یا پھر مہر النساء اور زیب النساء کی طرح چور دروازے تلاش کرے۔ آج جو بھائی اس سے محبت کرتے تھے' کیا معلوم شادی کے بعد بدل جاتے۔ ان کی زندگی تک تو کسی کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اسے دانستہ دکھ پہنچاتا مگر ان کے مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے' یہ کس کو خبر تھی؟

''باباجان باتیں کریں ناں!'' زینی کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

انہوں نے اس کی آنکھوں کی خوشی دیکھی۔ان کا دل حسرت میں ڈوب گیا۔

''کیا کبھی ریشماں کی آنکھوں میں بھی ایسی خوشی اترے گی۔ وہ جو بہت پیاری اور بہت معصوم ہے مگر بہت دکھی بھی ہے۔ یہ احساس پہلے بھی تھا مگر انا کا خول بہت سخت تھا۔ یاسمین کہتی تھی کہ وہ سوتیلی ماں ہو کر بھی ریشماں کو سمجھتی ہے اور میں سگا باپ ہو کر بھی اس کے دکھ محسوس نہیں کرتا۔

ٹھیک کہتی تھی وہ۔ میں سمجھتا آیا تھا کہ میں اس کے دکھوں کو سمجھتا تھا۔ مگر ایسا کب تھا؟ میں تو رشتوں کے مفہوم کو اب سمجھا ہوں۔ اس بستر پر پہنچ کر' جنت بائی تم نے بہت سخت انتقام لیا ہے۔''

''باباجان!'' زینی نے پھر پکارا۔ ''کیا سوچ رہے ہیں آپ؟''

''اپنی بیٹی کے بارے میں سوچ رہے ہیں ہم جو بہت ہی پیاری ہے مگر بہت دکھی بھی ہے۔ اس نے بہت کم خوشیاں دیکھی ہیں۔ کاش اس کی آنکھوں میں بھی ویسی ہی چمک دیکھ سکیں جیسی آپ کی آنکھوں میں ہے۔'' ان کا لہجہ حسرت ویاس سے چیخ رہا تھا۔

حیدر بابا کے دل پر برچھی سی لگی۔ صاف واضح تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتے تھے مگر کہہ نہیں پا رہے تھے۔ وہ بھی کیا کرتے۔ یہاں تو وعدہ کر لیتے اور عبداللہ راضی نہ ہوتا تو ریشماں کی ساری زندگی خوار ہو جاتی' شادی خوشی کے لیے کی جاتی ہے' ایک دوسرے کو بھگتنے یا بوجھ اٹھانے کے لیے نہیں کی جاتی۔ اور ریشماں دکھی ہوتی تو اس رشتے کا قائم رکھنا بھی بیکار ہوتا۔

زینی نے امید بھری نظروں سے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ وہ یہ خوشی ضرور پیر صاحب کی جھولی میں ڈال دیں۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔

زینی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ پیر صاحب کی آنکھوں میں لکھی حسرت کی تحریر کو مٹا دے۔ ان سے کہہ دے کہ ریشماں اس کے بھائی کی دلہن بن کر آئے گی لیکن یہ بات وہ کیسے کہہ سکتی تھی۔ ایک امید اپنے باباجان سے تھی' سو انہوں نے بھی منہ موڑ لیا تھا۔

''ہمیں تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے علی۔ ہمارا حق بھی نہیں ہے تم سے کچھ مانگنے کا۔ تمہیں دیا بھی کیا ہے ہم نے سوائے دکھوں اور تکلیفوں کے۔ اتنا ہی بہت ہے کہ تم نے ہمیں سبط کے لیے مایوس نہیں کیا۔ بلکہ اپنی بیٹی دے کر اب بھی ہم پر احسان کیا ہے۔'' بہت دیر بعد انہوں نے مایوسی سے کہا۔

''بھائی جان!'' حیدر بابا تڑپ اٹھے۔

زینی بے آواز رونے لگی تھی۔

''علی' ہماری زندگی بس چند سانسوں تک باقی ہے' اور کچھ نہ سہی تب بھی ریشماں تمہاری بھتیجی تو ہے۔ ہم پر ایک احسان اور کرنا کہ ہماری بیٹی کا بہت خیال رکھنا۔ ہم اس کی آنکھوں کے

آنسو برداشت نہیں کر سکتے۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔ ''نہ جانے اس کے بھائی کب اس سے منہ موڑ لیں۔ وہ تو اتنی معصوم اور کم گو ہے کہ اپنے دل کی بات زبان تک بھی نہیں لا سکتی۔ بس اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہے۔'' ان کے آنسو بہنے لگے۔

☆=====☆=====☆

خادم حسین منتظر تھا کہ ماہ بانو اس کے ساتھ اتر کر اندر جانا پسند کرے گی یا باہر کار میں ہی بیٹھی رہے گی۔ ایک لمحے کو ماہ بانو نے بھی سوچا۔

''اتروں یا نہیں؟ شاید وہاں حیدر بابا کے ساتھ عبداللہ بھی ہو؟ ہوا تو؟ میں اندر نہیں جاؤں گی' دور سے ہی اسے دیکھ لوں گی۔ جب ذہنی کیفیت بہتر ہو گی تو فیصلہ کروں گی کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ عبداللہ کو بتانا چاہیے یا نہیں' مگر اس وقت عبداللہ نظر آ جائے تو میں اپنی اذیت اور تکلیف کے شاید سبھی لمحات بھلا دوں۔''

یہی سوچ کر وہ اتر آئی۔ ریسپشن سے پیر صاحب کے کمرے کا پتا کر کے وہ کاریڈور میں چلے آئے۔ ایک ایک کمرے کا نمبر دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ بائیں طرف کا آخری کمرا انہی کا تھا۔ یہ شاید اس لیے انہیں دیا گیا تھا کیونکہ یہ جگہ نسبتاً پُرسکون تھی۔ اکا دکا ملازمین کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔

خادم حسین نے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر ناب گھمانے لگا۔

''چلو۔'' اس نے ماہ بانو سے کہا۔

''نہیں' میں اندر نہیں جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''باہر کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔''

''میں تمہاری حویلی کی پردہ نشین عورت نہیں ہوں۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ یہیں رہوں۔ میں نہیں جاؤں گی۔'' اس کے لہجے میں ضدی پن تھا۔

وہ کچھ نہ بولا اور اندر چلا گیا۔ ماہ بانو کوریڈور کے اختتام پر بنی کھڑکی سے باہر سڑک پر رواں دواں ٹریفک دیکھنے لگی۔

خادم حسین اندر حیدر بابا اور زینی کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا پھر آگے بڑھ آیا۔ پیر صاحب رو رہے تھے۔ حیدر بابا مضطرب تھے اور زینی رو رہی تھی۔ اسے اندر آتے دیکھ کر زینی نے آنسو پونچھ لیے اور پیر صاحب کے دوسری جانب جا کھڑی ہوئی۔

''باباجان کیا ہوا؟ آپ نے خبر کیوں نہیں دی اور اب بھی منع کر دیا کسی کو بتانے سے؟ یہ سب ہوا کب اور کیسے؟'' اس نے کمرے میں موجود حیدر بابا اور زینی کو قطعی نظر انداز کر کے پوچھا۔

''اپنے حیدر بابا کو سلام اور چھوٹی بھابی کو دعا نہیں دو گے؟'' پیر صاحب بولے۔

اس نے گہری نظر سے دونوں کو دیکھا۔ زینی بھی اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ پیر صاحب کے کچھ اور قریب ہو گئی۔ حیدر بابا اب تک مضطرب اور پریشان تھے۔

''چلو زینی بیٹا' باہر چلو۔'' حیدر بابا اٹھ کھڑے ہوئے۔

زینی نے متذبذب ہو کر پیر صاحب کو دیکھا۔

''جائیں بیٹا' مگر تھوڑی دیر میں آ جانا۔ ہم آپ کے بغیر اداس ہو جائیں گے۔''

وہ چپ چاپ حیدر بابا کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلتے ہی ان کی نگاہ کھڑکی سے ٹیک لگا کر کھڑی ماہ بانو پر پڑی۔ اسے اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ خاموش تھی' تھکی ہوئی' اداس اور پریشان تھی۔ چادر کو اس نے دوپٹے کی طرح لیا ہوا تھا۔ لمبے بال جوڑے کی شکل میں تھے مگر یوں جیسے دو تین دن سے کنگھی بھی نہ کی ہو۔ اس کے کپڑے بھی شکن آلود تھے۔

''تم یہاں نہیں ہو عبداللہ۔ یہاں تمہاری خوشبو نہیں ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو بہت دور۔ کیا میرے دل کی فریاد تم تک نہیں پہنچ رہی۔ تمہیں کیوں خبر نہیں کہ تمہاری بانو کتنی اداس' کتنی تھکی ہوئی ہے۔'' وہ سوچتے سوچتے رو پڑی۔

زینی نے پہلے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسے نفرت ہو رہی تھی اس لڑکی سے جو پیر صاحب کی خواہش کی تکمیل کے سامنے دیوار بنی کھڑی تھی۔ جو اس کے بھائی اور ریشماں کے درمیان موجود تھی۔ وہ نہ ہوتی تو بابا جان اس کی پُر امید اور بڑے بابا جان کی حسرت بھری نگاہوں کے جواب میں منہ نہ پھیرتے۔ وہ اسی طرح بخوشی یہ رشتہ منظور کرتے جیسے اس کا اور سبط کا کیا تھا۔ بلکہ تب تو بڑے بابا جان کو اپنے منہ سے کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ان سے پہلے ہی بابا جان یہ بات کہہ دیتے۔ مگر درمیان میں ماہ بانو کا نفرت انگیز وجود موجود تھا۔ وہ یہاں بھی تھی' اس وقت جب زینی اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔

مگر یہ ایک لمحے کی سوچ تھی۔ اگلے لمحے بظاہر اچانک اور بلاوجہ وہ رو پڑی تو زینی پریشان ہو گئی۔

''بابا جان' ماہ بانو کو کیا ہوا؟'' پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ اس کی طرف لپکی۔ ''بانو تم ٹھیک ہو؟''

ماہ بانو چونک گئی۔ زینی اس کے بہت قریب کھڑی تھی۔ حیدر بابا بھی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے جلدی سے آنسو صاف کیے اور ان کی طرف بڑھی۔

''السلام علیکم'' اس نے مدھم آواز میں کہا۔

''وعلیکم السلام جیتی رہیں۔'' حیدر بابا نے کہا۔ ان کے لہجے میں ہمیشہ والی گرم جوشی نہیں تھی۔

''تم یہاں کیسے بانو؟ اور تم رو کیوں رہی ہو؟'' زینی نے پریشانی سے پوچھا۔

URDU PHOTO

''کچھ نہیں۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔ ''اب پیر صاحب کیسے ہیں؟''

''ان کی حالت بہت خراب ہے۔ دوا بھی تو نہیں لیتے۔ میں آئی ہوں تو کچھ دوا لینی شروع کی ہے۔ تمہارے گھر کا کوئی فرد یہاں ایڈمٹ ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے مختصراً کہا۔

''مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تم نے ڈاکٹر کو دکھایا ہے؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''

حیدر بابا اسے دیکھ رہے تھے اور ان کے ذہن میں زرینہ اور پیر صاحب کے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

''ایسا ہو جائے حمیدہ تو میں سکون سے مر سکوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بیٹی کے لیے بھی یہ حویلی مقبرہ بن جائے۔ مجھ پر تو جو گزرنی تھی' گزر گئی لیکن میری بیٹی پھولوں کی طرح نازک ہے۔ اس پر یہ سب نہیں گزرنا چاہیے۔

اس اوپر والے نے میری بیٹی کو سب کچھ میرے جیسا دیا ہے۔ وہی رنگ و روپ' وہی چہرہ' میری دعا ہے کہ اسے میری قسمت نہ ملے۔ شاہ جی میرے لیے کچھ نہیں کر سکے' مجھے اس کا شکوہ نہیں ہے لیکن انہوں نے میری بیٹی کو اس در و دیوار سے نہ بچایا تو میں سمجھوں گی کہ انہوں نے کبھی مجھ سے محبت ہی نہیں کی تھی۔ وہ سب جھوٹ تھا' فریب تھا۔'' زرینہ سرگوشی کر رہی تھی۔

''اپنی بیٹی کے بارے میں سوچ رہے ہیں جو بہت ہی پیاری مگر بہت دکھی بھی ہے۔ اس نے بہت کم خوشیاں دیکھی ہیں۔ کاش ہم اس کی آنکھوں میں بھی وہی چمک دیکھ سکیں' جیسی آپ کی آنکھوں میں ہے۔''

''علی ہماری زندگی بس چند سانسوں تک باقی ہے' اور کچھ نہ سہی تب بھی ریشماں تمہاری بھتیجی تو ہے۔ ہم پر ایک احسان اور کرنا کہ ہماری بیٹی کا بہت خیال رکھنا۔ ہم اس کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں کر سکتے۔ نہ جانے اس کے بھائی کب اس سے منہ موڑ لیں۔ وہ تو اتنی معصوم اور کم گو ہے کہ اپنے دل کی بات زبان تک بھی نہیں لا سکتی۔ بس اندر ہی اندر گھلتی رہتی ہے۔'' پیر صاحب آنسو بہاتے ہوئے منت کر رہے تھے۔

''میں اپنے مرتے ہوئے بھائی اور گوری کی خواہش ضرور پوری کروں گا۔ منت سے' فریاد سے' کیسے بھی۔'' انہوں نے دل میں تہیہ کر لیا۔ پھر وہ زینی سے مخاطب ہوئے۔ ''زینی بیٹا تم ریسپشن میں جا کر بیٹھو' میں ماہ بانو سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ماہ بانو کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ وہ اس سے کیا کہنا چاہتے تھے۔ سر پہلے ہی دکھ رہا تھا۔ اب تو لگا کہ درد سے پھٹ جائے گا۔ دل ڈوبنے لگا۔

''ہمارے پاس وقت بہت کم ہے بانو بیٹا!'' انہوں نے کہنا شروع کیا۔ ''میرا بھائی مر رہا

ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہزار برس جیے مگر ہر دعا کب پوری ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان کیسے بھی تعلقات تھے مگر خون کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔

آج وہ میرے سامنے رو رہے تھے۔ منت اور فریاد کر رہے تھے اور میرے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ صرف آپ ہیں بانو بیٹا جو ہم سب کو خوشیاں بھی دے سکتی ہیں اور اس آگ کو ہمیشہ کے لیے ٹھنڈا کر سکتی ہیں۔

اب میں آپ کے سامنے منت کر رہا ہوں۔ ہمیں خوشیاں دے دیں۔ زندگی گزرتی ہے' وقت آگے بڑھتا ہے تو بہت کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ جو آج آپ کے لیے اہم ہے' وہ کل آپ کو بہت غیر اہم لگے گا۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک طرف صرف آپ اور آپ کی خوشیاں ہیں اور دوسری طرف ہم سب ہیں۔ ہم سب کی زندگیاں ہیں۔''

ماہ بانو کو اپنا آپ کسی طوفان کی زد میں نظر آنے لگا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے گرد جھکڑ چل رہے ہوں۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے خود کو گرنے سے بچایا اور چند گہرے سانس لیے۔ دل میں ٹیس سی اٹھ رہی تھی۔

''آپ مجھے بیٹا کہتے ہیں مگر حقیقت میں' میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں ہوں۔ جس طرح آپ مجھے میری محبت اور خوشیوں سے دستبردار ہونے کے لیے کہہ رہے ہیں کیا ویسے ہی اپنی کسی بیٹی سے کہہ سکتے ہیں؟ اس سے اس کی خوشیاں چھین سکتے ہیں؟''

''میں آپ پر زور نہیں دے رہا۔ آپ سے کچھ چھین بھی نہیں رہا۔ صرف التجا کر رہا ہوں۔ منت کر رہا ہوں۔ میرے بھائی نے مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ آج پہلی مرتبہ رو کر منت کی ہے' وہ مر رہے ہیں۔ ان کے پاس زندگی کی بس چند سانسیں باقی ہیں۔ وہاں ریشماں ہے جو گھٹ گھٹ کر حویلی کی ہر بدقسمت بیٹی کی طرح جان دے رہی ہے۔ میرا بیٹا ہے جو غیر محفوظ ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں مگر وہ آگ کے اس کھیل میں شریک ہونے پر مجبور ہے۔ پلیز بانو بیٹا' کیا ہماری خوشیاں بھیک سمجھ کر بھی ہمیں خیرات نہیں کریں گی۔''

اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور بری طرح سے رو دی۔ وہ آزردگی سے اس کے کانپتے ہاتھوں کی طرف دیکھ رہے ہے۔

"I Don't want to end up a loser"

کہیں سے اُما کی فیصلہ کن آواز آئی۔

جو [illegible] جانتی' پیت کرکے دکھ ہوئے
نگر نگر ڈھنڈورا پیٹتی' پیت کرے نہ کوئے

ایک اور یاد اُبھری۔

"It's better to have loved and lost than not to have loved at all"

نیہاں کہہ رہی تھیں۔

''یہ بات دن میں ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے کہتے ہیں مگر ہر کہنے والے کے لیے یہ نئی اور خوبصورت ہوتی ہے۔ بانو میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' عبداللہ کہہ رہا تھا۔

''پلیز بیٹا' کیا ہماری خوشیاں بھیک سمجھ کر بھی خیرات نہیں کریں گی؟'' حیدر علی شاہ پوچھ رہے تھے۔

''میں نے سب کچھ آپ کے حوالے کر دیا۔ اپنی خوشیاں' اپنی محبت' سب کچھ۔'' بالآخر اس نے کہا۔

''تھینک یو بیٹا۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔''

ماہ بانو نے ہونٹ دانتوں تلے دبا کر سسکیاں اپنے اندر دفن کرنے کی کوشش کی۔ اس کے لیے اس کی محبت اور اس کی خوشیاں اہم تھیں مگر ایک مرتے ہوئے شخص کی خواہش اور عبداللہ کی زندگی سے زیادہ نہیں۔

''ہم پر ایک احسان اور کر دینا بیٹا۔ ہمارے بیٹے کی زندگی سے مکمل طور پر نکل جائیں۔ اس طرح کہ وہ آپ کے متعلق سوچ بھی نہ سکے۔ وہ مڑ کر آپ کے پاس آیا تو آپ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکیں گی۔''

وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے۔ دکھ اس کی رگ رگ میں گردش کرنے لگا تھا۔ وہ اس سے نئے رشتے استوار کرنے کا تقاضا کر رہے تھے۔ ایسے رشتے جو اسے اور عبداللہ دونوں کو مذہب' قانون اور معاشرے کے اصولوں کی زنجیروں میں جکڑ دیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف بڑھنا چاہیں تو بھی نہ بڑھ پائیں۔

''یارب! میرے گناہ اتنے بڑے تھے جن کی سزا اتنی کڑی مل رہی ہے؟ کیا میں کبھی کوئی نیا رشتہ جوڑ پاؤں گی۔ اور جوڑ پاؤں گی تو اتنی بڑی بددیانتی کا ارتکاب کروں گی۔'' اس نے آنسوؤں کی زبان میں فریاد کی۔

حیدر علی شاہ منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ نہ پائی تھی کہ پیر صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا اور خادم حسین باہر نکلا۔ اس کا چہرہ متغیر ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اندر بہت طوفان اٹھ رہے ہوں۔ مگر وہ خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

ریشماں کو بہت تیز بخار تھا۔ نہ وہ کھا پی رہی تھی نہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ بس کبھی اچانک ساتھ بیٹھی اماں جان کی گود میں سر رکھ کر رونے لگتی تھی' اماں جان اس کے لیے بہت فکرمند تھیں۔ انہوں نے مکرم کو بلوایا۔

''بیٹا' اس وقت نہ تو تمہارے بابا جان یہاں ہیں اور نہ خادم۔ ریشماں کا بخار ختم ہونے کا

نام نہیں لے رہا۔ نہ کچھ کھاتی پیتی ہے' نہ دوا لے رہی ہے۔ تم اپنے سخاوت بابا سے اجازت لے کر کوئی ڈاکٹرنی بلوالو۔''

''سخاوت بابا سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے مجھے پہلے بتایا ہوتا۔ میں خود آپی کو شہر لے جاتا ہوں'

''نہ بیٹا!'' اماں جان گھبرا گئیں۔ ''تمہارے سخاوت بابا کو اچھا نہیں لگے گا اور پھر تمہارے بابا جان کی بھی اجازت نہیں ہے۔ بس تم ڈاکٹرنی یہاں بلوالو۔''

''سخاوت بابا کا کیا تعلق اس بات سے؟ میری بہن ہیں ریشماں آپی۔ جواب طلبی کا اگر کسی کو حق ہے تو صرف بابا جان اور خادم حسین کو۔ ان کے سوا یہ حق نہیں کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ اور میں ہر بات منوا سکتا ہوں ان سے۔''

''کیسی باتیں کرتے ہو مکرم۔ یہ بات کبھی اپنے بابا جان یا سخاوت بابا کے سامنے مت کہنا۔''

وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ حضور علی گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔

''مکرم بھائی! میری بات سنیئے۔''

''کیا ہو گیا ہے؟'' مکرم جھلا اٹھا۔

''آپ آئیں تو سہی۔''

وہ باہر نکل گیا۔

''اب کیا مصیبت ہے؟''

''لاہور سے خادم بھائی کا فون آیا ہے۔ میں اماں جان اور ریشماں آپی کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ بات کافی پریشان کن ہے۔ بابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے اور وہ ایڈمٹ ہیں۔ ڈاکٹرز کے مطابق ابھی وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ خادم بھائی سخت پریشان تھے۔''

مکرم اس کی بات سن کر گم صم ہو گیا۔

''اور یہی نہیں' وہاں حیدر بابا اور ان کی بیٹی زینب بھی ہے۔ بابا جان نے سبط اور زینب کی منگنی کر دی ہے۔ بابا جان یہ چاہ رہے تھے کہ ہم عبداللہ کو کچھ نہ کہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی حویلی آئے تو اس سے پیار اور محبت سے ملیں۔ اس طرح سے کہ ہمارے درمیان کوئی دشمنی نہ ہو۔ خادم بھائی یہ بھی کہہ رہے تھے کہ ہم اماں جان اور ریشماں آپی کو لے کر فوراً بائی ائیر لاہور آئیں۔''

☆=====☆=====☆

خادم حسین' ماہ بانو کو اپنے ساتھ کار تک لے آیا تھا۔ اس کی حالت بہت بری تھی اور وہ کسی بھی لمحے گر سکتی تھی۔

URDU PHOTO

''میں چاہتا ہوں کہ تم ڈاکٹر کو دکھا لو۔'' خادم حسین نے کہا تھا۔

''میں صرف سکون چاہتی ہوں۔ بالکل ٹھیک ہوں میں۔'' وہ بولی۔

خادم حسین نے اس کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ وہ اندر بیٹھ گئی۔

''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میرے ساتھ میرے گھر چلی چلو۔ وہاں تم بالکل محفوظ ہو گی۔ تمہارے نانا اور نانی بھی وہیں ہیں۔ میں انہیں تمہارے مل جانے کی اطلاع فون پر دے چکا ہوں۔ وہاں کچھ دیر آرام کر لو۔ پھر چاہو تو وہیں رہو اور نہ چاہو تو جہاں کہو گی' میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' وہ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

ماہ بانو میں یہ فیصلہ کرنے یا ایک لفظ بولنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ خاموشی کو اس کی رضامندی سمجھ کر وہ اسے اپنے بنگلے پر لے آیا۔ عبداللہ کے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے دل میں کتنی ٹیسیں اٹھیں۔ وہ دن یاد آئے جب وہ سب وہاں اکٹھے ہوتے تھے۔ گھر کا وہ باغ یاد آیا جو اس نے ڈیزائن کیا تھا اور جہاں چہل قدمی کرتے ہوئے وہ کتنی ڈھیروں باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی محبت کے ساتھ' کبھی لڑائی جھگڑے کے ساتھ اور کبھی روٹھ کر۔ کتنے خوبصورت دن تھے وہ' مگر وقت کب کسی کے لیے رکتا ہے۔ کہنے کو صرف چند گز کا فاصلہ تھا' مگر دوری اتنی تھی کہ پھر کبھی شاید وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکتے۔

اس کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی اتر آیا۔ پوری کوشش کے باوجود بھی وہ اپنی سسکیاں نہ روک سکی۔

لمبی سی ڈرائیو وے طے کر کے جب کار رکی تو خادم حسین نے اتر کر اس کے لیے دروازہ کھولا اور اسے اندر لے آیا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں مگر نہ وہ کچھ دیکھ پا رہی تھی' نہ سمجھ رہی تھی۔

''مولوی صاحب اور ملانی جی پچھلی طرف کے کمروں میں ہیں۔''

خادم حسین کے استفسار پر ایک ملازم نے بتایا۔

وہ ماہ بانو کو اپنے کمرے میں لے آیا اور اسے بستر پر لٹا دیا۔ پھر بیڈ سائیڈ ٹیبل سے ویلیم کی شیشی نکال کر اسے ایک گولی کھلا دی۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت یا تذبذب کے گولی نگل لی۔

''آرام سے سو جاؤ اب۔ جاگو گی تو خود کو بہت بہتر محسوس کرو گی۔'' اس نے محبت بھرے انداز میں کہا۔

ماہ بانو نے آنکھیں موند لیں۔

خادم فوری طور پر اسے اس کے نانا اور نانی سے ملوانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کی ذہنی حالت پہلے ہی تباہ ہو چکی تھی۔ اتنے قریبی لوگوں کو دیکھ کر اس کا کچھ بھی ردِعمل ہو سکتا تھا۔

☆=====☆=====☆

پیر صاحب کے آبائی قبرستان کا گورکن دن میں ایک مرتبہ تمام قبروں کو صاف کرتا اور پانی دیتا تھا۔ گھر میں اور افراد بھی تھے جو یہ کام کر سکتے تھے مگر اس کام کو وہ اپنے ہاتھوں سے کرنا ہی پسند کرتا تھا۔ اس روز اس کی طبیعت صبح سے کچھ خراب تھی۔ اٹھ کر کام شروع کرتے کرتے اسے دوپہر ہوگئی۔

وہ کوئی عام قبرستان نہیں تھا جو ٹوٹا پھوٹا ویران اور اجاڑ ہوتا۔ پیر صاحب کا آبائی قبرستان تھا۔ وہاں بے شمار سایہ دار درخت لگے ہوئے تھے' پھولوں کے تختے تھے' خوبصورت سنگ مرمر کی ترتیب وار قبریں تھیں۔

گورکن نے پانی کا پائپ اٹھا کر نلکے کے ساتھ لگایا اور باری باری سب قبریں دھونے لگا۔

اچانک اس کی نگاہ چیتھڑوں میں ملبوس ایک شخص پر پڑی جو سکینہ بی بی کی آرام گاہ پر پاؤں کی طرف اوندھا گرا ہوا تھا۔ گورکن کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے جلدی سے اپنے بیٹوں کو آواز دی۔

''دیکھو' یہ کون ہے جو یہاں گرا پڑا ہے؟'' اس نے گھبرا کر کہا۔

''ابا مجھے تو لگتا ہے کہ کوئی رات کو بھٹکتا ہوا یہاں آنکلا ہے۔'' ایک بیٹے نے اظہار خیال کیا۔

''رات سردی بھی بہت تھی۔ دیکھیں ابا کہیں کھسک تو نہیں گیا۔'' دوسرا بولا۔

''تم لوگ جا کر دیکھو۔'' گورکن نے انہیں کہا۔

دونوں بیٹوں نے آگے بڑھ کر اس شخص کو سیدھا کیا۔ ایک نے دل کی دھڑکن دیکھی۔

''ابا یہ تو مر گیا ہے۔''

''مر گیا ہے؟'' اس کی گھبراہٹ میں اضافہ ہو گیا۔

''ہاں ابا۔ لگتا ہے سردی سے ہی مرا ہے بے چارا۔ ساری رات آسمان تلے پڑا رہا۔''

اب کے گورکن تہبند سنبھالتا اس کے قریب آ گیا۔

''اپنے گاؤں کا نہیں لگتا۔'' اس کے بیٹے نے بوڑھے کا جائزہ لیا۔

''شکل تو کچھ دیکھی بھالی لگ رہی ہے۔'' گورکن نے ذہن پر زور دیا۔

سفید داڑھی اور شکن آلود چہرے والا وہ بوڑھا بار بار اس کی یادوں پر دستک دے رہا تھا۔

''یہاں سب چلا دا ملنگڑا بھی ہے۔'' دوسرے بیٹے نے کہا۔

''ابا اسے لے کر کہاں جائیں؟''

''ارے! یہ تو سائیں بابا ہے۔'' گورکن چلایا۔ اس نے انہیں پہچان لیا تھا۔

''سائیں بابا؟ وہ کون ہے؟''

''بہت پہلے یہاں رہتا تھا۔ پتا نہیں کہاں سے آیا تھا اور پھر نہ جانے کہاں چلا گیا۔ اللہ

لوک تھا۔ جلدی سے اسے چارپائی پر ڈالو اور گاؤں والوں سے بولو کہ سائیں بابا گزر گیا۔''

دونوں بیٹوں نے مل کر اسے چارپائی پر ڈالا اور مسجد میں اعلان کروانے چلے گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں لوگ اکٹھے ہونے لگے۔

سخاوت بابا اور نوازش کو حویلی اور گاؤں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر وہ سب ملتان جا رہے تھے' جہاں سے انہیں خصوصی ہوائی جہاز کے ذریعے لاہور جانا تھا۔ گاڑی ابھی کچھ ہی دور چلی تھی کہ قبرستان کے پاس لوگوں کو جمع دیکھ کر مکرم نے رکوا دی۔

''کیا بات ہے' سب یہاں کیوں جمع ہیں؟'' اس نے گورکن سے دریافت کیا۔

''سرکار' سائیں بابا وفات پا گئے ہیں۔ اسی لیے سب جمع ہیں۔'' اس نے جلدی سے بتایا۔

''کون سائیں بابا؟''

''حضور برسوں پہلے یہاں رہتے تھے۔ بہت پہنچے ہوئے تھے۔ اول تو بات نہیں کرتے تھے' مگر جب کرتے تھے تو ضرور پوری ہوتی تھی۔ شاید رات میں کسی پہر بھٹکتے ہوئے یہاں آئے اور سردی کی وجہ سے مر گئے۔''

مکرم نے گہرا سانس لیا اور گاڑی آگے بڑھوا دی۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سوئی رہی تھی۔ جب وہ جاگی تو اس کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ سر اب بھی بھاری تھا اور ہلکا ہلکا درد تھا' لیکن وہ پہلے والی حالت نہیں تھی۔ نانا جی اور بڑی اماں وہیں اس کے پاس بیٹھے اس کے جاگنے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ جاگی تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ بڑی اماں اسے سینے سے لگائے کتنی دیر تک روتی رہی تھیں۔ نانا جی سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔

وہ کچھ سنبھلی تو منہ ہاتھ دھونے باتھ روم میں چلی آئی۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے مارتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے لگے آئینے پر پڑی۔ وہ خود کو تکتی چلی گئی۔

ان دو دنوں نے اسے کتنا بدل کر رکھ دیا تھا۔ اندر اور باہر دونوں طرح سے۔ اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ بال تک برش نہیں ہوئے تھے۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔

وہ باہر نکلی تو ایک ملازمہ کھانے کی ٹرالی اور کپڑوں کا جوڑا لیے موجود تھی۔

''بڑے شاہ صاحب کہہ کر گئے ہیں کہ آپ یہ کھانا کھا لیں اور کپڑے تبدیل کر لیں۔'' وہ بولی۔

''اور وہ خود کہاں ہیں؟''

''وہ پیر صاحب کے پاس گئے ہوئے ہیں۔''

''میں فون کرنا چاہتی ہوں۔'' ماہ بانو نے کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
URDU PHOTO

''یہ بستر کے ساتھ پڑا ہے بی بی!'' ملازمہ نے بیڈ سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔
اس نے فون اٹھا کر گود میں رکھ لیا۔
''بیٹا پہلے کچھ کھالو۔ دیکھو تو کیا حالت ہو رہی ہے۔'' بڑی اماں نے پیار سے کہا۔
''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ نمبر ملاتے ہوئے بولی۔
''کیوں نہیں بھوک۔ تھوڑا سا میری چندا۔''
اسی وقت نمبر مل گیا اور ماہ بانو کی توجہ اماں سے ہٹ گئی۔
''ہیلو! ایڈی؟''
''ہاں' بانو کیسی ہو؟ کہاں غائب ہو؟ ٹیلی فون نہ سہی' خط ہی لکھ دیا ہوتا۔'' ایڈی بولا۔
''ابھی اتنے دن تو نہیں ہوئے مجھے گئے ہوئے۔''
''یہاں میں اکیلا ہوں۔ جیمز بھی اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ سب دور ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ صدیاں گزر گئیں تم سب کو دیکھے اور تمہاری آواز سنے ہوئے۔''
''لگتا تو مجھے بھی یہی ہے ایڈی!'' وہ آزردگی سے بولی۔
''اس وقت عبداللہ کی طرف سے فون کر رہی ہو؟''
''نہیں' میں لاہور میں ہوں۔''
''لاہور میں کہاں؟ گھر تو بند ہے۔ تم کہاں ہو؟'' اس نے ایک ساتھ سوال کیے۔
''میں پیر صاحب رجب علی شاہ کے مکان میں ہوں۔''
''کیا؟ پیر صاحب رجب علی شاہ کے مکان میں؟ کیوں مذاق کرتی ہو؟''
''میں مذاق نہیں کر رہی مگر پہلے تم اپنی سناؤ۔ تم ٹھیک ہو۔''
''اب کیا ٹھیک ہونا۔'' وہ افسردگی سے بولا۔ ''میری آج رات فلائٹ ہے لندن کے لیے۔ جیمز ناراض ہو رہا تھا کہ میں اس کی منگنی کی تقریب میں شامل نہیں ہو رہا مگر اب یہاں ایک لمحہ گزارنا بھی دوبھر ہے۔ تمہیں معلوم ہے بانو' اُما انڈیا چلی گئی ہے۔''
''اُما انڈیا چلی گئی؟ تمہیں کس نے بتایا؟'' وہ جانتی تھی کہ ایسا ہی ہوگا مگر پھر بھی اسے دکھ ہوا تھا۔
''میں سکھر گیا تھا وہیں پتا چلا تھا۔ مجھے دکھ ہے کہ اس نے اپنے منہ سے انکار نہیں کیا۔ وہ مجھے خود کہہ دیتی' میں سب سمجھ جاتا۔ وہ انکار خوشی سے نہیں کر سکتی تھی۔ مگر مجھ سے خود تو کہتی۔ میں اس کے ہونٹوں سے انکار سننا چاہتا تھا۔ مگر وہ جا چکی تھی۔''
''تمہیں کیا خبر ایڈی کہ اپنے منہ سے انکار کرنا کتنا تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔ اچھا ہوا وہ تمہیں نہیں ملی' ورنہ وہ ساری عمر سلگتی ہی رہتی۔'' پھر قدرے توقف سے بولی۔ ''میری بات سنو ایڈی۔ میرے دوست ہو تو میرا ایک کام کرنا۔ عبداللہ سے کہہ دو کہ......'' اس کے حلق میں آنسوؤں کا

گولہ سا پھنس گیا۔ ''اس سے کہہ دو کہ مجھے بھول جائے۔''
''کیا؟ تم اپنے حواسوں میں تو ہو بانو؟ کیا کہہ رہی ہو بانو؟''
''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' اس نے بمشکل آنسو پیے۔ ''ہم دونوں نے جو کچھ مل کر سوچا تھا۔ جو خواب اکٹھے دیکھے تھے' وہ سب بھول جائے۔ وقت گزرتا ہے ناں ایڈی تو بہت کچھ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ بس سمجھو میری دنیا بدل گئی ہے۔''
''ایسا نہیں ہو سکتا بانو۔ میں نے اُما کو کھویا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کھو دینے کی تکلیف کتنی زیادہ ہوتی ہے۔ جو مجھ پر گزر رہا ہے' وہ تم دونوں پر گزرے' میں ایسا نہیں چاہتا۔''
ماہ بانو نے چند لمحے کانپتے ہاتھوں میں ریسیور تھامے رکھا اور پھر کریڈل پر واپس رکھ دیا۔
نانا جی اور بڑی اماں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے خود پر قابو پانے کی بہت کوشش کی مگر اس کا ضبط جواب دے گیا۔ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ بڑی اماں نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

☆=====☆=====☆

ایڈی کے پاس وقت کم تھا۔ اسے ایئر پورٹ بھی پہنچنا تھا' مگر ماہ بانو کے فون نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے اسی وقت عبداللہ کا نمبر ڈائل کیا۔
''عبداللہ فوراً لاہور پہنچو۔'' ایڈی نے اسے کہا۔
''میں لاہور میں ہی ہوں۔ بڑے بابا جان ہارٹ اٹیک کے بعد کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔ انہیں دیکھنے جا رہا ہوں' بلکہ میں اور اماں جان ابھی پارکنگ میں ہی کھڑے ہیں۔''
''بانو سے تمہارا کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟''
''ارے نہیں' اس سے کیا جھگڑا ہوگا۔ وہ تو اتنی سویٹ ہے۔''
''ابھی ابھی اس کا فون آیا تھا مجھے۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ پیر صاحب کے مکان میں ہے۔'' اس نے بتانا شروع کیا۔

☆=====☆=====☆

جو کچھ ایڈی نے بتایا تھا وہ عبداللہ کے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ ابھی گاؤں آنے سے پہلے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ وہ اس کے جانے کے خیال سے افسردہ ضرور تھی۔ اس بات سے پریشان بھی تھی کہ اس کے بابا جان اس کے اور ماہ بانو کے متعلق جان کر کیا کہیں گے' وہ اس بات سے اَپ سیٹ بھی تھی کہ وہ اس سے اپنے خاندان کے ماضی کے بارے میں کرید رہا تھا۔ فکرمند بھی تھی کہ وہ گاؤں میں محفوظ نہیں تھا۔ مگر وہ اسے چھوڑ دینے کا تو تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔
''شاید وہ مذاق کر رہی ہو۔'' عبداللہ نے خود کو تسلی دینا چاہی تھی حالانکہ وہ جانتا تھا کہ ماہ بانو اس قسم کا مذاق نہیں کر سکتی تھی۔

''اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ مذاق نہیں کر رہی تھی۔''

پیر صاحب کے کمرے تک پہنچتے پہنچتے وہ اس بات کا کتنے زاویوں سے جائزہ لے چکا تھا۔ سب سے زیادہ جو چیز دماغ میں اسے چبھ رہی تھی' وہ ماہ بانو کی پیر صاحب کے مکان میں موجودگی تھی۔

کمرے میں سبھی موجود تھے' اس کے بابا جان' زینی' مکرم' حضور' بڑی اماں اور ریشماں۔ اسے ریشماں کو پہچاننے میں ذرا سی بھی دشواری نہیں ہوئی۔ زینی اس کی تصویریں دکھا ہی چکی تھی۔

وہ اماں جان کے ساتھ اندر داخل ہوا تو سبھی کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ زینی دوڑ کر ان دونوں سے لپٹ گئی۔

''میں کب سے انتظار کر رہی ہوں آپ لوگوں کا۔ آپ بھی بائی ائیر آ جاتے تو کیا ہو جاتا۔''

''ایک منٹ بیٹا۔ اپنے بڑے بابا جان کو تو دیکھ لینے دو۔'' اماں جان نے اسے پیار کے ساتھ اپنے سے الگ کیا۔

عبداللہ نے ریشماں کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں پانی کا گلاس لیے اپنی خوابیدہ آنکھوں سے ایک ٹک اسی کو تک رہی تھی۔ وہ واقعی بہت حسین تھی۔ لمبے بالوں کی ڈھیلی سی چٹیا سامنے پڑی ہوئی تھی اور ململ کا دوپٹا سر سے سرک کر کندھوں پر آ رہا تھا۔

لیکن اس کا ذہن ماہ بانو میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ جلد از جلد یہاں سے فارغ ہو کر اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ سب آپس میں مل رہے تھے۔ بڑی اماں اور اماں جان گلے لگ کر رو رہی تھیں۔ وہ ریشماں کو نظر انداز کر کے مکرم اور حضور سے ملا پھر پیر صاحب کی طرف بڑھ گیا۔

''جیتے رہو بیٹا!'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اسے دیکھ کر' محسوس کر کے' ان کے اندر پھر مسرتوں نے ڈیرہ ڈال لیا تھا۔

''کتنا خوبصورت ہے عبداللہ۔ بالکل حیدر علی کی جوانی کی تصویر۔ اونچا' لمبا' کڑیل۔ ریشماں اس کے ساتھ کتنی اچھی لگے گی۔ ایسا ہی کوئی جوان اسے دنیا سے بچا کر رکھ سکتا ہے۔''

مگر اگلے ہی لمحے وہ مایوس ہو گئے۔ ''حیدر علی نے انکار نہیں کیا مگر اقرار بھی تو نہیں کیا۔ شاید عبداللہ ایسا نہ چاہتا ہو۔ شاید خود علی ایسا نہ چاہتا ہو۔''

ریشماں اسے دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ وہ اپنی تصویروں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ وہ سب سے مل رہا تھا اور ریشماں اسے تکے جا رہی تھی۔ دل ہی نہیں بھر رہا تھا اسے دیکھنے سے۔ یہ تو اسے توقع ہی نہیں تھی کہ وقت تبدیل ہو جائے گا۔ اس نے اس کے خواب ضرور دیکھے تھے' دعائیں بھی بہت مانگی تھیں۔ مگر پھر بھی یہ سب بہت غیر متوقع تھا۔

اس کی خوشی اب بھی ادھوری تھی۔ پیر صاحب بیمار تھے۔

''اگر بابا جان تندرست ہوتے اور پھر ہم سب ملتے تو کتنا اچھا ہوتا۔'' اس نے سوچا تھا۔

پیر صاحب نے عبداللہ کو اپنے قریب بٹھا لیا اور اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''بیٹا! ہم نے تم سب سے بہت زیادتی کی ہے۔ ہماری بہت کم سانسیں باقی ہیں۔ جو گناہ ہم نے کیے' ان کا بوجھ کسی معافی سے کم نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی تم معاف کر دو گے تو ہمیں تسلی ہو گی۔''

''بابا جان' آپ بزرگ ہیں۔ یوں بھی میں تو بہت عام سا شخص ہوں۔ میں کسی کو کیا معاف کر سکتا ہوں۔''

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

ریشماں کے دل میں کانٹا سا چبھ رہا تھا۔ عبداللہ نے اسے صرف ایک نظر دیکھا تھا اور بس۔ وہ منتظر تھی کہ وہ اسے پھر دیکھے گا' مگر وہ بابا جان کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی طرف پشت کیے۔

''خادم بھائی کہاں گئے ہیں؟''

زینی نے اس سے پوچھا تو وہ چونکی۔

''وہ گھر گئے ہیں۔'' اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

☆=====☆=====☆

ماہ بانو سرخ کرتے اور سفید شلوار پر سفید دوپٹا لیے نہا کر باہر نکلی تو خادم حسین اس کا منتظر تھا۔ نہانے سے اس کی تھکن زائل ہو گئی تھی اور وہ خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی۔ لمبے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

خادم حسین کو خواب گاہ میں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے وہ ٹھٹک گئی پھر متوازن قدموں سے چلتی ہوئی صوفے پر آ بیٹھی۔

''خود کو بہتر محسوس کر رہی ہو؟'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہوں!''

''اب بتاؤ یہیں رہنا پسند کرو گی یا اپنے گھر جاؤ گی۔''

''وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے' نہ اماں نہ ابا۔'' وہ خود سے بولی۔

''تو پھر ٹھیک ہے' یہیں رہ جاؤ۔''

''نہیں' میں گھر ہی جاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

''اکیلے گھر میں جا کر کیا کرو گی۔ اماں ابا کہاں ہیں؟'' خادم نے پوچھا۔

''وہ امریکہ میں ہیں مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ میرا گھر ہے اور وہاں میں اکیلے بھی رہ سکتی ہوں۔ وہاں تنہا بھی میں محفوظ رہوں گی۔'' وہ بولی۔

''میرا مشورہ ہے کہ تم وہاں تنہا مت رہو۔ یہ اتنا بڑا گھر ہے۔ ہماری ضروریات کے لحاظ

سے کہیں زیادہ ہے۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی‘ اور پھر اب تو اماں جان اور ریشماں بھی آ گئی ہیں۔ تمہاری کمپنی بھی رہے گی۔ یوں بھی ریشماں تو تمہاری بہت اچھی دوست بھی ہے ناں۔‘‘

’’ریشماں یہاں آئی ہوئی ہے؟‘‘ اس کے اعصاب پھر کشیدہ ہونے لگے۔

’’ہاں۔ مگر اس وقت وہ بابا جان کے پاس کلینک میں ہے۔ سب ہی آئے ہیں۔ سخاوت بابا اور ان کی فیملی البتہ گاؤں میں ہی ہے۔ وہاں کے معاملات کی دیکھ بھال بھی تو ضروری ہے۔ نوازش بھی وہیں ہے۔ زینی اور حیدر بابا سے تو تمہاری ملاقات ہوگئی تھی۔ چچی اماں اور عبداللہ بھی چل پڑے تھے اب تک شاید پہنچ بھی گئے ہوں۔‘‘

ماہ بانو اٹھ کھڑی ہوئی۔

’’تھینک یو۔ تم نے میری وجہ سے بہت پریشانی اٹھائی۔ میرا خیال بھی رکھا۔ مجھے اس قید خانے سے نکال کر میرے اپنوں کے درمیان پہنچایا۔ اس وقت تو میں نے تمہیں نہ جانے کیا کچھ کہہ دیا ہوگا۔ تب میں اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ اگر میں نے کوئی ایسی بات کہی ہو جس نے تمہیں ہرٹ کیا ہو تو میں سوری کرتی ہوں۔‘‘

’’سوری تو ہمیں تم سے کرنا ہے۔‘‘

’’اب میں چلتی ہوں۔ بڑی اماں اور نانا جی کو بھی میں اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہوں۔‘‘

’’کہاں؟ تمہیں جہاں جانا ہوگا‘ میں خود چھوڑ دوں گا۔ اور ابھی تو مجھے تم سے بات کرنی ہے۔‘‘

’’بات تو ٹھیک ہے مگر چلی میں خود جاؤں گی۔ تمہیں پیر صاحب کے پاس بھی جانا ہوگا۔‘‘ وہ بولی۔

’’لاہور آتے ہوئے میں نے تم سے ایک خواہش کا اظہار کیا تھا۔ بابا جان سے میں نے تمہارے متعلق بات کی ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم بہت خوش رہوگی۔ جب میں نے تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تھا تب ہی میں نے سوچا تھا کہ شادی کروں گا تو تم سے۔ پھر میں امریکہ چلا گیا۔ وہاں سے واپس آئے ابھی چند دن ہی ہوئے ہیں۔ بابا جان سے آتے ہی بات کرنا چاہتا تھا مگر کچھ اور پریشانیوں میں الجھ گیا۔

اب جب یہ Mishap ہوا تو مجھے محسوس ہوا کہ تم میرے لیے کس قدر اہم ہو۔ میں لمبے چوڑے افیئرز وغیرہ پر یقین نہیں رکھتا۔ میں نے تمہیں پسند کیا‘ چاہا کہ تم سے شادی کروں اور اس خواہش کا اظہار کر دیا۔ اب یہ تم تک ہے کہ تم کیا چاہتی ہو۔‘‘

ماہ بانو نے ہونٹ کاٹ کر آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔

’’مجھے جلدی نہیں ہے‘ سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلو۔ تمہیں اعتراض نہ ہوا تو پھر تمہارے اماں اور ابا جی سے بات کریں گے۔‘‘

URDU PHOTO

ماہ بانو کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا۔

’’ہم پر ایک احسان اور کر دینا بیٹا۔ ہمارے بیٹے کی زندگی سے مکمل طور پر نکل جائیں۔ اس طرح کہ وہ آپ کے متعلق سوچ بھی نہ سکے۔ وہ مڑ کر آپ کے پاس آیا تو آپ اپنے فیصلے پر قائم نہیں رہ سکیں گی۔ کیا ہماری خوشیاں بھیک سمجھ کر بھی ہمیں خیرات نہیں کریں گی۔‘‘ حیدر بابا کی آواز اس کے ذہن میں ابھری۔

’’شاید انہوں نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ آیا تو نہ جانے میں فیصلے پر قائم رہ سکوں گی یا نہیں۔ ہمارا ساتھ اب ممکن نہیں‘ تو مجھے کیا حق ہے کہ میں باقی سب کی زندگیوں میں زہر گھول دوں۔

وہ چاہتے تھے کہ میں اپنے پاؤں میں مذہب‘ قانون‘ معاشرے اور اخلاق کی ایسی بیڑیاں ڈال لوں کہ پھر چاہوں بھی تو اس کی جانب پلٹ نہ سکوں۔

میں کسی کو بھیک یا خیرات نہیں دے سکتی۔ میں تو خود تہی دامن ہوں۔ میرے پاس میری خوشیاں اور میری محبت ہی تو تھی۔ دل بے شک دُکھا‘ سارا وجود لہولہان ہوگیا مگر احساسِ گناہ تو ختم ہوگیا۔ اب سب کی آنکھیں‘ سب کی زبانیں مجھے خودغرض تو نہیں کہیں گی۔

ہاں‘ میری زندگی زرینہ خالہ جیسی ہی ہے۔ صرف نام بدلا ہے۔ انداز بدلا ہے لیکن باقی سب ویسا ہی ہے۔ ایک روز انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اپنی خوشیوں کے لیے آخر کس قدر خودغرض ہو سکتی ہیں اور اس نتیجے پر پہنچی تھیں کہ اپنی خوشیوں کے لیے وہ کبھی خودغرض نہیں ہو سکتیں۔ آج یہی سوال میرے سامنے ہے۔

اسے دیکھ لیا تو شاید میں وہ وعدہ نہ نبھا سکوں جو میں نے ایک مرتے ہوئے شخص کی خواہش کے احترام میں اور عبداللہ کو محفوظ رکھنے کی غرض سے کیا تھا۔

یا اللہ مجھے ثابت قدم رکھنا۔ ہم آزاد رہے تو وہ مجھے پھر قائل کرنے آئے گا۔ سمجھائے گا اور میں پھر ہار جاؤں گی۔ میں بہت عام انسان ہوں۔ مجھ میں اتنی اچھائی نہیں کہ اپنے اٹھتے قدم دوبارہ روک سکوں۔ اس لیے میں اپنے پاؤں کاٹ دینا چاہتی ہوں۔‘‘

اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے خادم حسین کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ماہ بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ یوں لگا جیسے دل کسی نے مسل دیا ہو۔ سب آہیں‘ سب سسکیاں اس نے اپنے اندر دفن کر دیں۔

’’یہ کراہیں‘ آہیں اور سسکیاں ہمیشہ میرے اندر رہیں گی۔ میں انہیں اپنی یا ریشماں اور عبداللہ کی زندگی پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گی۔‘‘ اس نے دل میں تہیہ کیا۔

’’تھینک یو بانو۔ تھینک یو ویری مچ!‘‘ خادم حسین نے مسکرا کر رسان سے کہا۔

وہ تھوڑی دیر خاموشی سے آنسو پیتی رہی پھر بولی۔

’’بس مجھے ایک یقین دلا دو۔‘‘

''کہو بانو!''

''کہ تمہاری زندگی میں آئندہ میرے علاوہ کوئی عورت نہیں آئے گی۔''

''میں کوئی اتنا اچھا شخص نہیں ہوں بانو' مگر آج باباجان نے مجھے بہت کچھ بتایا ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس نے میری زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ میری زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی ہیں مگر ان میں سے کسی کو اپنی بیوی بنانے کا میں نے نہیں سوچا تھا۔ تم وہ واحد لڑکی ہو جس کے متعلق میں نے ایسا سوچا ہے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ میری زندگی میں کوئی اور عورت کبھی نہیں آئے گی۔''

''اور میری کوئی بیٹی ہو تو اس کے لیے حویلی کی چاردیواری مقبرہ نہیں بنے گی۔'' ماہ بانو نے کہا۔

''نہیں۔ اس کا بھی ہر انسان کی طرح خوشیوں پر حق ہوگا اور اسے اس کا ہر جائز حق ضرور ملے گا۔''

''ایک اور بات۔ میرے ابا جی کمہار ہیں۔ مٹی کو شکل دینا میرے خون میں رچا بسا ہوا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں یہ کام کبھی نہ چھوڑوں۔ مجھے اس کام سے محبت ہے۔''

''جیسا تم چاہوگی ویسا ہی ہوگا۔ مگر یاد رہے کہ اس مرتبہ تمہیں خصوصی طور پر مجھے ایک اچھا سا سرامک پیس بنا کر دینا ہوگا۔ اس روز کی طرح اس مرتبہ میں خالی ہاتھ نہیں رہنا چاہتا۔'' وہ شگفتگی سے بولا۔

''وہ بھی' اور بھی بہت سے دوسرے۔'' اس نے دل میں اٹھتی ہوئی ٹیس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ وہ شعوری کوشش سے عبداللہ کو اپنے دل ودماغ سے نکال کر خادم حسین کو وہاں بٹھانا چاہتی تھی۔

''یہ ٹھیک ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''اور......'' وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوئی۔

''اور کیا؟ جو کہنا چاہو کھل کر کہہ دو۔ میرے بس میں تمہاری خواہش پوری کرنا ہوا تو ضرور کروں گا۔''

''اور زہرا؟'' بالآخر اس نے کہا۔

''باباجان سے میری بات ہوئی تھی اس بارے میں۔ وہ چاہ رہے تھے کہ حیدر بابا سے اس سلسلے میں بات کریں مگر میں نے منع کر دیا اور ان سے تمہارے متعلق کہا۔ وہ بغیر کسی تامل کے مان گئے۔ زہرا سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔'' اس نے تسلی دی۔

وہ خاموش رہی۔

''اب بیٹھ جاؤ۔ اتنا حق تو مل گیا ہے ناں مجھے کہ تمہیں اکیلے گھر میں جانے سے روک

URDU PHOTO

دوں۔ تم چاہو تو فون پر اپنے اماں اور ابا جی سے بات کرلو۔''

وہ بیٹھ گئی۔

''میں چلتا ہوں۔ باباجان کو بھی دیکھنا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ اس کے سیاہ وسفید کی تم ہی مالک ہو' جس چیز کے لیے دل چاہے' جس چیز کی ضرورت ہو' بلاجھجک کہہ دینا۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''گڈ بائے!''

وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماہ بانو نے صوفے کے ساتھ پشت ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔

☆=====☆=====☆

حیدر بابا سے نہ تو ریشماں کا عبداللہ کو ایک ٹک دیکھنا چھپا تھا اور نہ ہی پیر صاحب کی آنکھوں کی حسرت۔ سب باتیں کر رہے تھے اور وہ مناسب وقت کے انتظار میں تھے جب وہ ریشماں کو عبداللہ کے لیے مانگ سکیں۔ فوزیہ بیگم زینی کی منگنی پر خوش تھیں۔ اب حالات ایسے تھے کہ وہ ریشماں کو ماہ بانو پر ترجیح دے رہی تھیں مگر حیدر بابا کے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ حیدر بابا سے فوزیہ بیگم کی رضامندی بھی پوشیدہ نہیں تھی۔ اس لیے وہ اس بارے میں مطمئن تھے۔ بس ایک فکر تھی کہ کہیں ریشماں کی موجودگی میں عبداللہ کسی ایسے ردِعمل کا مظاہرہ نہ کردے جو اس کے لیے باعثِ تکلیف ہو۔

پیر صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور حیدر بابا کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ بیماری ان کے بھائی کو دیمک کی طرح چاٹ جائے گی۔ ان کے پاس اپنے بھائی کی آخری خواہش پوری کرنے کا زیادہ وقت نہیں تھا۔

''ریشماں بیٹے' ادھر آنا۔'' بالآخر انہوں نے کہا۔

وہ سر جھکا کر ان کے قریب آگئی۔ عبداللہ کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی' گو کہ بات عام سی تھی۔ حیدر بابا اسے اپنے پاس بلا سکتے تھے۔ مگر ان کا انداز یہ بتا دینے کے لیے کافی تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہے تھے۔ وہ بے شک زیادہ عرصے ان کے ساتھ نہیں رہا تھا مگر ان کا بیٹا تھا اور ان کے مزاج' ان کے لہجے اور ماتھے کے ایک ایک بل کو سمجھتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چلتا ہوں' مجھے کچھ کام ہے۔''

''کہاں جا رہے ہیں بھائی' بیٹھیں ناں۔'' زینی نے باباجان کا مدعا بھانپ کر اسے روکنا چاہا۔

''ہاں بیٹا' اس وقت کہاں جا رہے ہو؟'' اماں جان نے کہا۔

اس نے سرد سی نگاہ سے باباجان کو دیکھا اور کار کی چابی اٹھالی۔

''ضروری کام ہے' ایک فرینڈ کی طرف جانا ہے۔''

بابا جان بھی اس کے لہجے کو پہچانتے تھے۔ اس کے ایک ایک تیور کو پہچانتے تھے۔ اس کی سرد نگاہیں یہ بتا دینے کے لیے کافی تھیں کہ جو کچھ وہ کرنے جا رہے تھے' وہ ویسا نہیں چاہتا تھا۔ اپنی آنکھوں سے اس نے بہت واضح پیغام دے دیا تھا۔

''اس بات کو یہیں ختم کر دیں بابا جان۔''

اور انہیں اس پیغام کو سمجھنے میں صرف ایک لمحہ لگا تھا۔

وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

پیر صاحب کے سامنے امید کا جو دیا جلا تھا وہ ایک لمحے میں بجھ گیا۔

عبداللہ کو نکلے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا جب خادم حسین کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے ملنے کے بعد وہ پیر صاحب کے قریب بیٹھ گیا۔

''عبداللہ کہاں ہے؟'' اس نے دریافت کیا۔

''اسے کچھ کام تھا' باہر گیا ہے۔''

اس نے پیر صاحب کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس امید پر کہ شاید وہاں ریشماں کی خوشیوں کے سبب کوئی چمک ہو۔ مگر وہاں وہی مایوسی تھی۔ اس نے ریشماں کی طرف دیکھا۔ اسے پہلے ہی تیز بخار تھا۔ پیر صاحب کی بیماری کی اطلاع سنتے ہی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ اسے ابھی تک بخار تھا۔ وہ پیر صاحب کے لیے فکر مند تھی اور اس کی اعصابی کشیدگی بھی واضح تھی۔

پیر صاحب ریشماں کے بعد خادم حسین کو بھی اس کی خوشی دینا چاہتے تھے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ کب ان کی آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ اس سے پہلے وہ اتنا ضرور کر دینا چاہتے تھے کہ اپنے سب سے بڑے بیٹے' اپنی گدی کے وارث کے گھر کی بنیاد رکھ جائیں۔ وہ اپنی حویلی کو آباد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سکون کے ساتھ مرنا چاہتے تھے کہ ان کے پیچھے ان کی نسل قائم و دائم تھی۔

''علی! خادم ہمارا سب سے بڑا بیٹا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا گھر بھی آباد ہو جائے۔''

فوزیہ بیگم پریشان ہو گئیں۔ اس سلسلے میں بارہا زہرا نے قطعی انکار کیا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ حالات بدل چکے تھے' مگر زہرا کی مرضی جانے بغیر وہ کچھ نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ یوں بھی وہ سب گھر والے ایک دوسرے سے دور رہ کر ایک دوسرے کے زیادہ قریب آ گئے تھے۔ ان کے بچوں نے اکٹھے رہ کر گھریلو زندگی کا لطف کبھی نہیں اٹھایا تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ ساری زندگی اس لطف سے محروم رہیں۔

حیدر بابا' بھائی کی محبت میں سرشار تھے اور اگر پیر صاحب تقاضا کرتے تو وہ انکار نہیں کر سکتے تھے مگر دل کے ایک گوشے میں وہ بھی انہی خطوط پر سوچ رہے تھے جن پر فوزیہ بیگم سوچ رہی

تھیں۔

پیر صاحب نے بات اس انداز میں شروع کی تھی کہ اگر حیدر بابا زہرا کے لیے سوچ رہے ہوتے تو انہیں اپنا مدعا زبان پر لانے کے لیے مشکل نہ ہوتی۔ خادم حسین کی پسند پر انہیں اعتراض نہیں تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ محبت کھو کر انسان کیا محسوس کرتا ہے مگر اپنی دبی ہوئی زبان کا بھی انہیں پاس تھا۔ حیدر بابا کو منظور نہ ہوتا تو خادم حسین اور ماہ بانو کا رشتہ طے کرتے ہوئے وہ ایک لمحے کا تامل بھی نہ کرتے۔

اس سے قبل کہ ان کی بات کے جواب میں حیدر بابا کچھ کہتے' فوزیہ بیگم بول اٹھیں۔

''جی بسم اللہ۔ کوئی اچھی سی لڑکی ہو آپ کی نگاہ میں تو یہ نیک کام بھی کر دیں۔''

ان کا پیغام واضح تھا۔ انہیں زہرا اور خادم حسین کے بارے میں تامل تھا۔ پیر صاحب نے بھائی کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سر جھکائے بیٹھے تھے۔

یاسمین بیگم کہنا چاہتی تھیں کہ کوئی اچھی سی لڑکی؟ کیا مطلب؟ زہرا یقیناً سب سے اچھی تھی' مگر اس معاملے میں وہ پیر صاحب سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ فیصلے کا اختیار تو بہرحال انہی کے پاس تھا۔

''خادم کو ایک لڑکی پسند ہے۔ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو علی' اور بھابی آپ بھی معترض نہ ہوں تو ہم یہ رشتہ طے کر دیں۔ بچی کے والدین امریکہ میں ہیں۔ آپ سب بھی جانتے ہوں گے اسے۔ عبداللہ بیٹے کے ساتھ پڑھتی رہی ہے اور اپنی ریشماں بیٹی کی خالہ زاد بہن بھی ہے۔ اس کا نام ماہ بانو ہے۔''

وہ سب چونک گئے۔ فوزیہ بیگم نے حیدر بابا کی طرف دیکھا جو خود بھی حیران تھے اور اپنی حیرت کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

''کیا ماہ بانو راضی ہے؟'' زینی نے اپنے لہجے کی بے یقینی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

پیر صاحب نے خادم حسین کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔ اس کے تیار نہ ہونے کی صورت میں یہ رشتہ کیسے طے ہو سکتا تھا۔'' وہ بولا۔

خادم حسین تو ماہ بانو کو پا کر خوش تھا ہی لیکن مکرم بھی کم خوش نہیں تھا۔ ریشماں حیران بھی تھی اور بہت خوش بھی۔

اور حیدر بابا سوچ رہے تھے کہ اس نے بہت بڑی قربانی دی تھی۔ اس وقت انہیں ریشماں کے بجائے ماہ بانو میں گوری کا پرتو دکھائی دے رہا تھا۔ کتنی ملتی جلتی کہانی تھی یہ' فرق صرف اتنا تھا کہ گوری سے حالات نے اس کی محبت چھینی تھی اور ماہ بانو نے ایک مرتے ہوئے شخص کی خواہش پوری کرنے کے لیے اور اپنی محبت کی سلامتی کی خاطر خود یہ فیصلہ کیا تھا۔ ایک کی محبت نے آگ بھڑکائی تھی اور دوسری کی قربانی نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

وہ سمجھ سکتے تھے کہ یہ فیصلہ اس نے کتنی اذیت سے گزر کر کیا ہوگا۔ وہ اس کا دکھ اپنے دل پر محسوس کر سکتے تھے۔

☆=====☆=====☆

''بی بی جی' عبداللہ شاہ صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔''

ماہ بانو کو ملازمہ نے پیغام دیا تھا۔ وہ کچھ پریشان سی ہو کر آئی تھی۔ وہاں حویلی کی بیبیوں سے ملنے کے لیے مرد کبھی نہیں آیا کرتے تھے۔

ماہ بانو کو اندازہ تھا کہ عبداللہ اس کے پاس ضرور آئے گا اور ذہنی طور پر اس کے لیے خود کو تیار کر رہی تھی۔

''انہیں بٹھاؤ' میں آتی ہوں۔''

ملازمہ چلی گئی۔

عبداللہ سے مل لینا بہتر تھا' ورنہ ماہ بانو کے انکار کے بعد وہ ضد کے ساتھ بھی ریشماں کے لیے راضی نہ ہوتا۔ کچھ عرصے بعد جب وہ ایک گھر کی' بیوی کی' غمگساری کی ضرورت محسوس کرتا تو وہ شادی ضرور کرتا مگر ریشماں کے ساتھ نہیں۔ اور ماہ بانو نہیں چاہتی تھی کہ ایسا ہو۔ ایسا ہوتا تو ان تینوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آتا۔ وہ چاہتی تھی کہ ان میں سے کوئی تو خوش ہو۔ اس کی قربانی یوں رائیگاں نہ جائے۔

اس نے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اب وہ کافی بہتر لگ رہی تھی۔ نہانے' سو جانے اور کھانا کھا لینے کے بعد اب وہ بہتر انداز میں سوچ بھی سکتی تھی۔

مکان کے وسیع و عریض ڈرائنگ روم میں بیٹھا عبداللہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم ٹھیک ہو بانو؟ یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے اپنی؟''

ماہ بانو کا دل دکھ سے بھر گیا۔ آئینہ دھوکا کھا سکتا تھا' مگر عبداللہ اسے دیکھ کر دھوکا نہیں کھا سکتا تھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور میری حالت کو کیا ہوا؟'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تم نے فون پر ابا جی سے کیا حماقت انگیز باتیں کی تھیں؟ اور یہاں کیا کر رہی ہو تم؟ لاہور میں اپنے گھر کے علاوہ نہیں رہنا تھا تو کیا میرا گھر نہیں تھا؟ یہاں آ کر رہنے کی کیا ضرورت تھی؟''

''ایک ایک کر کے سوال پوچھو گے تو سب کے جواب دے دوں گی۔ اتنا لمبا سوالنامہ' وہ بھی زبانی۔ میری یادداشت اچھی نہیں ہے۔''

عبداللہ بیٹھ گیا۔ ''وہ تو نظر آ رہا ہے کہ تمہاری یادداشت اچھی نہیں ہے' ورنہ تمہیں یاد ہوتا کہ کوئی شخص عبداللہ بھی ہے جس کی تمہاری زندگی میں کوئی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ تمہیں یاد ہوتا کہ

یہاں سے صرف چند گز کے فاصلے پر چہل قدمی کرتے ہوئے کبھی تم اور وہ شخص اکٹھے خواب دیکھا کرتے تھے۔ تمہیں یاد ہوتا کہ وہ باغ جسے تم نے سجایا تھا' اس کی گھاس کی ایک ایک پتی تمہاری اور اس کی محبت کی گواہ تھی۔ تمہیں یاد ہوتا کہ......''

وہ اس کا ایک ایک زخم کرید رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی دیوار سے سر ٹکرا دے' چیخ چیخ کر رو پڑے۔ اپنے اوپر قابو رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔

''نہیں بانو' جو وعدہ تم نے کیا ہے' اسے مت توڑنا۔ اپنے اوپر قابو رکھنا ورنہ سب تباہ ہو جائے گا۔'' اس نے اپنے اندر اٹھتی چیخوں کو اندر ہی دفن کرنے کی کوشش کی۔

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو' وہ مجھے یاد نہیں ہے۔'' اس نے کوشش کی کہ اس کے لہجے سے اس کے جذبات کا اندازہ نہ ہو سکے۔

عبداللہ نے آنکھیں قدرے میچ کر اس کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہاری زبان اور تمہارے الفاظ نہیں ہیں بانو۔ یہ لہجہ تمہارا اپنا نہیں ہے۔ میں نے بارہا تم سے کہا کہ کبھی مجھ سے کوئی ایسی بات نہ چھپانا جس سے تمہیں نقصان پہنچے۔ اور ہمیشہ کی طرح آج بھی تم مجھ پر اعتبار نہیں کر رہی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ کس نے تمہیں یہ سب کہنے پر مجبور کیا ہے۔ کس نے پریشرائز کیا ہے تمہیں؟''

''یہ فیصلہ خالصتاً میرا اپنا ہے۔ بغیر کسی دباؤ کے کیا ہوا۔''

''یہ صرف تمہاری زندگی کا فیصلہ نہیں ہے میری زندگی کا فیصلہ بھی ہے اور اسے کرنے کا اختیار تنہا تمہارے پاس نہیں ہو سکتا۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''تم مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتے۔''

''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں کس نے مجبور کیا مجھے چھوڑنے کے لیے؟ ریشماں؟ خادم حسین؟ بکرم؟ کس نے؟'' اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔

''میں نے بتایا ہے کہ یہ فیصلہ ذاتی تھا۔''

''میں اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑوں گا جس نے تمہیں پریشرائز کیا ہے۔ مجھے بتاؤ وہ کون ہے؟'' عبداللہ نے اس کی بات نظر انداز کر دی۔

''صرف اپنی کہو گے یا میری بھی سنو گے۔'' وہ بولی۔

''مجھے صرف اپنے سوالوں کا جواب چاہیے۔'' وہ مُصر تھا۔

''یہی سہی۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولی۔ ''دو دن پہلے میں نے زندگی کو ایک بالکل مختلف انداز میں دیکھا۔ میں تنہا تھی اور میرے پاس سوچنے کے لیے ان باتوں کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ میں نے اپنے اور تمہارے تعلق کے بارے میں بہت غیر جانبداری سے سوچا۔ یہ دو دن میری زندگی کے تجربے کے اعتبار سے بہت قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ

سکھایا ہے۔ بہت سی چیزیں جو کبھی میرے لیے بہت اہم تھیں' اب وہ بہت غیر اہم ہو گئی ہیں اور جو باتیں غیر اہم تھیں' وہ اہم ہو گئی ہیں۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ زندگی میں محبت سے زیادہ اہم چیزیں بھی ہیں۔ آج تک محبت کھو دینے سے کوئی نہیں مرا۔ میں اور تم زندہ رہیں گے اور اپنے آپ میں گم ہو جائیں گے۔ جب سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے' میں مطمئن ہوں۔ میرے دل سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ وہ بوجھ جو تمہاری طرف پسندیدگی کی پہلی نگاہ ڈالتے ہوئے ہی میرے دل پر آپڑا تھا۔''

''جھوٹ مت بولو بانو۔ کیا میں تمہیں نہیں جانتا؟ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کبھی غیر اہم نہیں ہو سکتے۔''

''پلیز عبداللہ۔ پھر کبھی یہ بات مت دہرانا۔ میں نہیں چاہتی کہ میری آئندہ زندگی میں کبھی میرے ماضی کا زہر گھلے۔ یاد ہے ایک مرتبہ یہ درخواست تم نے زینی کے لیے سبط سے کی تھی۔

تم واقعی میرے لیے غیر اہم ہو گئے ہو۔ میری آئندہ زندگی میں تمہاری کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے اور خادم نے منگنی کر لی ہے۔ شادی بھی جلد ہی ہو جائے گی۔ وہ میرے اور تمہارے تعلق کے بارے میں بے خبر ہے۔ پلیز اسے کچھ مت بتانا۔''

''کیا؟'' اس نے بے یقینی سے ماہ بانو کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔ وہ بہت اچھا ہے۔ میں اس کے ساتھ خوش رہوں گی۔ سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مجھے کسی کے دکھے دل کی آہ' کسی کی بددعا لگنے کا خوف نہیں ہے۔ وہ میرا ہے پورے کا پورا۔ میں ساری زندگی کسی احساسِ گناہ کے ساتھ نہیں گزارنا چاہتی۔

شادی کے بعد محبت کا وہ روپ نہیں رہتا جو شادی سے پہلے ہوا کرتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ایک ایسے ماحول میں نہیں رہ سکوں گی جہاں کسی کی نگاہ میں میرے لیے عزت اور محبت نہ ہو۔ جہاں ساری زندگی کی جدوجہد کے بعد بھی میرے ہاتھ کچھ نہ آئے۔ میں توقعات کے سہارے نہیں جینا چاہتی' نہ کسی کو دھکا دے کر اس کی جگہ پر قبضہ کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر سچائی کھوجنے کی کوشش کرتا رہا۔

''پلیز عبداللہ! پھر میری راہ میں مت آنا۔ خادم حسین تمہارا بھائی ہے۔ میرا اور تمہارا رشتہ بالکل بدل گیا ہے۔ اپنے بھائی کی عزت کو رسوا مت کرنا۔'' عبداللہ کے دل کو دھکا سا لگا۔

''اور اگر میرے اور تمہارے تعلق کے بیچ کوئی سچائی تھی تو تمہیں اس سچائی کی قسم' جو جگہ ریشماں کی ہے وہ اسے دے دو۔ پلیز۔'' وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔

وہ چلا گیا اور ماہ بانو اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

☆=====☆=====☆

حیدر بابا سے عبداللہ کے قدموں کی شکستگی چھپی ہوئی نہیں تھی۔ ایسے ہی ایک روز وہ اپنے بابا

جان کے پاس گئے تھے۔ یونہی شکستہ' بجھے ہوئے۔

خادم حسین نے گرم جوشی سے اسے گلے لگایا اور اپنے ساتھ ہی بٹھا لیا۔ ریشماں قدرے اوٹ میں ہو گئی۔

''بھائی جان آج میں آپ سے آپ کی سب سے قیمتی اور پیاری چیز مانگنے لگا ہوں۔'' اب وہ انکار کے خوف کے بغیر ان سے ریشماں کا ہاتھ عبداللہ کے لیے مانگ سکتے تھے۔

☆=====☆=====☆

نیویارک سے جتنی افراتفری کے عالم میں سبط حسن اور زہرا آئے تھے' اتنی ہی افراتفری کے عالم میں ماہ بانو کے ابا اور اماں جی بھی آئے تھے۔

ریشماں کی طرف سے مطمئن ہو کر پیر صاحب نے ان سے کہا تھا۔

''اب تم سب گھر جاؤ۔ اب ہم صرف یاسمین بیگم سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔''

وہ سب گھر چلے آئے تھے۔ ریشماں کمرے سے نکل کر بند دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔

''چلیں آپی!'' مکرم نے قریب آکر کہا تھا۔

''میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ میرا دل گھبرا رہا ہے مکرم۔ مجھے لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے جسے ہم سہار نہیں پائیں گے۔'' اس نے ہونٹ کاٹ کر اپنی آواز کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ سب خیر ہوگی۔ آپ خواہ مخواہ گھبرا رہی ہیں' آئیں گھر چلیں۔''

خادم حسین بھی قریب آ گیا۔

''کیا ہوا ریشماں؟''

''مجھے ڈر لگ رہا ہے بھائی۔ میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔''

''ڈرنے کی اور خواہ مخواہ ڈرنے کی تمہاری عادت ہے۔ چلو میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے پیار سے کہا۔

لیکن وہ بلاوجہ نہیں ڈر رہی تھی۔ جن خدشات کو وہ اپنی زبان پر نہیں لانا چاہتی تھی' وہ حقیقت میں بدل گئے تھے۔

جب ڈاکٹر اور نرس عمومی چیک اپ کے لیے پیر صاحب کے کمرے میں گئے تو وہ ہر علاج سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ اور وہ جوان کی زندگی کی ہمسفر تھیں مگر جسے انہوں نے کبھی اپنا ساتھی نہیں بنایا تھا' موت کے اس سفر میں ان کی ہمسفر بھی تھیں اور ساتھی بھی۔

☆=====☆=====☆

ابا جی' ماہ بانو کو اپنے گھر لے آئے تھے۔ گھر آکر وہ ان سے اور اماں جی سے لپٹ کر بہت

روئی تھی۔

’’میں نہ کہتی تھی کہ اس آگ میں مت کودنا۔ کیا آیا تمہارے ہاتھ؟ ساری زندگی کے لیے قید!‘‘ اماں جی کہہ رہی تھیں۔

’’اماں! میں اس آگ میں نہ کودتی تو یہ بجھتی کیسے؟ اپنا آپ لہولہان کر کے‘ خود کو بھسم کر کے ہی تو یہ آگ بجھا پائی ہوں۔ آپ کی ریشماں کو خوشیاں مل گئیں۔ وہ اتنی اچھی ہے کہ جلد ہی عبداللہ اسے قبول کرلے گا۔ وہ دونوں بہت خوش رہیں گے۔‘‘

’’وہ تو خوش رہیں گے‘ سبھی خوش رہیں گے مگر تم؟ مجھے کسی سے غرض نہیں ہے‘ نہ ریشماں اور نہ عبداللہ سے‘ نہ ان کے ماں باپ سے‘ میرے لیے تو تم ہی ہو بانو۔ میری کُل کائنات تو میری بیٹی ہے۔‘‘ اماں کے آنسو نہیں تھم رہے تھے۔

’’اماں! میں بہت عام سی انسان ہوں۔ میں کسی کو اس سے بڑھ کر کیا دے سکتی ہوں جو میرے پاس ہے۔ مکرم اپنی بہن کی خوشیوں کے لیے اس قدر بے چین تھا کہ حیدر بابا اور ان کے گھرانے کے لیے اس کے دل میں کوئی میل نہیں رہا تھا۔ مگر وہ بہت انتہا پسند ہے۔ عبداللہ انکار کر دیتا تو یہ آگ پھر بھڑکتی اور اس مرتبہ اسے مکرم اور عبداللہ دونوں بھڑکاتے۔ ایک مرتبہ پھر وہی دوریاں‘ وہی آگ اور خون نسلوں کا مقدر بنتی۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتی اماں۔ اور مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ میں ایک مرتے ہوئے شخص کو کوئی خوشی کوئی سکون دے سکی۔‘‘

’’اس ظالم جہنمی کو!‘‘ اماں کے لہجے میں زہر اتر آیا۔

’’نہیں اماں‘ ایسے نہ کہیں۔ ہم کیا جانیں کسی کا اعمال نامہ؟ کیا خبر وہ خدا کے حضور کیسے گڑگڑائے ہوں۔ ان کی آنکھوں سے ندامت کا کیسا آنسو ٹپکا ہو جس نے ان کے اعمال نامے کی ساری سیاہی دھو ڈالی ہو۔ یہ تو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔‘‘

ابا جی بہت آزردہ تھے‘ مگر انہوں نے اسی قدر پوچھا۔

’’بانو اپنے فیصلے سے خوش ہو؟‘‘

’’خوش؟‘‘ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ’’میں مطمئن ہوں۔ مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ کسی جرم کا احساس نہیں ہے۔ ابا جی‘ میں جانتی ہوں کہ زندگی اتنی ہموار تو نہیں ہوگی مگر پھر کس کی زندگی ہموار ہے؟ اتنا بہت نہیں ہے کہ میرے قدم اس جگہ ہیں جو صرف میری ہے‘ بلا شرکتِ غیرے۔

پیر صاحب کی وفات کے بعد بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔ سب لوگ بہت تبدیل ہو گئے ہیں۔ ان کے رویے اور زندگی کے بارے میں ان کے نظریے بدل گئے ہیں۔ شاید ٹھوکر بھی بہت بڑی تھی یہ۔ وہاں میری اتنی حیثیت ضرور ہوگی کہ سب میری بات پر توجہ دیں۔ میں تعلیم یافتہ ہوں۔ اپنی تعلیم کو کام میں لا کر میں انہیں بدلوں گی۔ سفر تھکا دینے والا ہوگا مگر منزل

خوبصورت ہوگی۔ یہ سفر بھی ابا جی صرف میں ہی کرسکتی ہوں۔ یاسمین بیگم یا نذری بیگم جیسی کوئی عورت نہیں۔ اتنا حوصلہ مجھ میں ہی ہے۔‘‘

ابا جی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ’’اللہ تمہیں اس سفر میں کامیاب کرے۔‘‘ پھر قدرے توقف سے بولے۔ ’’میری صرف ایک خواہش ہے کہ تم اس حویلی میں اس وقت داخل ہو جب ریشماں وہاں سے جا چکی ہو۔‘‘

اس نے پلکیں جھکا لیں۔

☆=====☆=====☆

زندگی آہستہ آہستہ اپنی ڈگر پر واپس آ رہی تھی۔ ریشماں‘ عبداللہ کے ساتھ بڑی حویلی سے نکلی تھی تو ماہ بانو‘ خادم حسین کے سنگ وہاں داخل ہوئی تھی۔

ریشماں کو لگا تھا جیسے اس کے ہاتھ خوشیوں کا خزانہ لگ گیا ہو۔ اس نے جو مانگا تھا‘ اسے مل گیا تھا۔ عبداللہ‘ جسے وہ چاہتی تھی‘ اس کا بنا دیا گیا تھا۔ اور ماہ بانو‘ اس کی دوست‘ اس کی بہن‘ اس کی رازدار‘ اس کی بھابی بن گئی تھی۔

لیکن کبھی کبھی اسے یہ خوشی بہت ادھوری لگتی تھی۔ اس روز لاہور کے مکان کے لان پر گھاس پر بیٹھے وہ یہی سب سوچ رہی تھی کہ فوزیہ بیگم چلی آئیں۔

’’کیا سوچ رہی ہو ریشماں؟‘‘ انہوں نے کرسی اس کے قریب کرتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

’’کچھ نہیں۔‘‘ پھر ہولے سے بولی۔ ’’کس سے کچھ کہوں اللہ تعالیٰ نے میری دونوں مائیں مجھ سے لے لیں۔‘‘

’’میں ماں نہیں ہوں تمہاری؟‘‘

وہ آبدیدہ ہوگئی۔ ’’جی اماں جان‘ اب تو آپ‘ آپ ہی میرے لیے ماں ہیں۔‘‘

’’تو پھر بتاؤ‘ اداس کیوں ہو؟‘‘

وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ’’اماں جان‘ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ مجھے کہنا بھی نہیں پڑتا اور وہ سب کچھ میرے سامنے ڈھیر کر دیتے ہیں مگر مجھے لگتا ہے کہ پھر بھی وہ مجھ سے بہت دور ہیں۔ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی میرے پاس نہیں ہوتے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسی طرح میرا خیال تو ضرور رکھیں گے‘ مگر میرے کبھی نہیں ہوں گے۔‘‘

فوزیہ بیگم کے دل میں تیر سا پیوست ہوگیا۔

’’ریشماں بیٹا‘ محبت بہت قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے خوش قسمت بہت کم ہوتے ہیں جنہیں یہ قدرت انعام میں دیتی ہے۔ بغیر کسی جدوجہد کے۔ تم اپنا تن من دھن اس بھٹی میں جھونکو گی تو پاؤ گی۔ اور میرا ایمان ہے کہ پاؤ گی ضرور۔ بہت قربانی دے کر‘ بہت جدوجہد

کر کے۔''

اس نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھا۔

''اماں اپنے گھر کے لیے تو عورتیں ہمیشہ ہی بہت قربانی دیتی آئی ہیں۔ میری اماں جان نے کتنی دیں۔ کوئی عورت شاید کبھی اپنی سوتیلی اولاد کو اتنی محبت نہیں دے سکتی' جتنی انہوں نے مجھے دی۔''

فوزیہ بیگم نے اسے حوصلہ افزا مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔ ''جاؤ دیکھو وہ اندر کیا کر رہا ہے۔ اس سے کہو کہ تمہارا دل چاہ رہا ہے یہاں اس کے ساتھ بیٹھنے کے لیے' اس سے باتیں کرنے کے لیے''

اسے آہستہ آہستہ چل کر اندر جاتے دیکھتے ہوئے فوزیہ بیگم ماضی میں گم ہوگئیں۔ کچھ ایسے ہی الفاظ انہوں نے اپنی ساس سے کہے تھے۔

''پھوپھو جان! مجھے لگتا ہے کہ وہ کبھی میرے نہیں ہوں گے۔ حالانکہ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میری ہر خواہش پوری کرتے ہیں۔ پھر بھی یوں لگتا ہے کہ وہ میرے نہیں ہیں' کسی اور کے ہیں۔''

اور ان کی ساس کے الفاظ وہی تھے جو انہوں نے آج ریشماں کے سامنے دہرائے تھے۔

پھر ایک دن یونہی اتفاق سے انہوں نے حمیدہ اور حیدر علی شاہ کی گفتگو سن لی تھی' جب وہ انہیں اپنی اور زرینہ کی گفتگو سنا رہی تھی۔

''شاہ جی میرے لیے کچھ نہیں کر سکے' مجھے اس کا شکوہ نہیں ہے لیکن انہوں نے میری بیٹی کو اس در و دیوار سے نہ بچایا تو میں سمجھوں گی کہ انہوں نے کبھی مجھ سے محبت ہی نہیں کی تھی۔ وہ سب جھوٹ تھا' فریب تھا۔''

انہیں لگا تھا کہ کسی نے ان کے دل پر آرے چلا دیے ہوں۔ تب انہیں معلوم ہوا تھا کہ ان کے مقدر میں اپنے شوہر تک پہنچنے کے لیے ہی کتنا طویل سفر لکھا ہوا تھا اور پھر کتنی جدوجہد' کتنی قربانیوں کے بعد وہ ان تک پہنچ پاتی تھیں۔

عبداللہ اور ریشماں باہر باغ میں آرہے تھے۔ ریشماں کے چہرے پر امید اور محبت کے ہزار رنگ تھے۔ اس کے ریشمی لمبے بالوں کے ساتھ ہوا اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔

فوزیہ بیگم دیکھ رہی تھیں' وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ دیے' باتیں کرتے ہوئے گھاس پر ننگے پاؤں چہل قدمی کر رہے تھے۔

''ریشماں! یہ مسافت بہت طویل اور راہیں بہت پُر خار ہیں۔ تمہاری محبت کی شدت ایک روز اپنے آپ ضرور منوائے گی۔ مگر اس منزل تک پہنچتے پہنچتے تمہارے پاؤں میں آبلے بھی پڑیں گے اور تمہارا وجود بھی لہولہان ہوگا۔ کبھی یوں لگے گا کہ تم ساری عمر جیت نہیں پاؤ گی۔ وہ جو

سامنے ہوتے ہوئے بھی تم سے کھو گیا ہے' اسے ڈھونڈ نہیں سکو گی۔ لیکن تھک کر بیٹھنا مت۔ ایک دن وہ ضرور تمہارا ہوگا۔ صرف اور صرف تمہارا' پورے کا پورا۔''

فوزیہ بیگم نے سوچا اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

اور عبداللہ کے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے ریشماں سوچ رہی تھی۔

''تم مجھ سے اتنے دور بھی نہیں ہو عبداللہ کہ میری محبت کی حرارت تم تک نہ پہنچ سکے۔ تمہیں اپنا اسیر نہ بنا سکے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرے پاس ہوتے ہوئے تم کہاں ہوتے ہو' مگر میری محبت کی کشش ایک روز تمہیں میرے پاس ضرور کھینچ کر لائے گی اور پھر تم کہیں نہیں جا سکو گے۔ مجھ میں بہت حوصلہ ہے اور تم بھی بنیادی طور پر محبت کرنے والے انسان ہو۔ تمہیں جیت لینا' اپنا بنا لینا اتنا مشکل نہیں کہ اس کے لیے یہ زندگی کم پڑ جائے۔''

اس نے اپنے ہاتھ پر عبداللہ کے مضبوط ہاتھ کی گرفت محسوس کی اور اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگی۔ مسافت طویل اور پُر خار تھی مگر اس کا حوصلہ بہت بلند تھا۔

☆=====ختم شد=====☆

- معاشرے کے سب سے اونچے سنگھاسن پر بیٹھے زور آوروں کی کہانی۔
- بدلے کی آگ میں جلنے والے ایک شوریدہ سر کمین ذات کی داستان عجب وہ زمین پر رہ کر چاند کی تمنا رکھتا تھا۔
- ان مقدس دوشیزاؤں کی کہانی جن کا تقدس ان کے لیے عذاب بن گیا تھا۔
- اس باپ کا قصہ جسے اپنی عزت، آن اور زبان اپنی اولاد سے زیادہ عزیز تھی۔
- صدیوں سے غیرت کے نام پر سولی پر لٹکائی جانے والی عورت کی کہانی۔
- عظمت کے ساتویں آسمان پر بیٹھی عورت پاتال کی گہرائی میں کیوں گرتی ہے۔
- اپنی اپنی خواہشوں کے بھنور میں پھنسے لوگوں کی داستان۔
- خاندانی روایات کے باغی ایک بلند ہمت نوجوان کی کہانی۔

ISBN 978-969-517-254-4

علی میاں پبلیکیشنز
۲۰۔ عزیز مارکیٹ اُردو بازار، لاہور
فون: 7247414

URDU PHOTO